تذکرہ شعرائے کشمیری پنڈتان

الموسوم

بہارِ گلشنِ کشمیر

جلد ثانی

مرتبہ و مولفہ

جناب پنڈت برج کشن کول صاحب بیخبر

و

جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق

ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر یو۔پی

سنہ ۱۹۳۱ء

منصور حیدر راجہ

مطبوعہ انڈین پریس لمیٹڈ۔ الہ آباد

U28004 3-12-04

— BEHAR-E-GULSHAN-E-KASHMIR

— Pandit Brij Kishen Kaul ; Pandit Jagmohan Nath Raina

— Indian Press (Allahabad).

— 1931-1932

— 54+8+976

— Tazkira Shera - Kashmir ; Kashmiri - Tazkira Shera

تذکرۂ شعرائے کشمیری پنڈتان

المعروف

بہارِ گلشنِ کشمیر

جلد ثانی

مرتبہ و مؤلفہ

جناب پنڈت برج کشن کول صاحب بیخبر

و

جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق

[illegible]

۱۹۳۲ء

[illegible]

श्री:

التماسِ شوق

دلاویزی بزمِ مے کشاں دارد تماشائے
صدائے نغمہ از قلقل زند پیمانہ می رقصد
خیال چشمِ مستے کیفیت شور انگیز دل یارب
کہ دل در سینہ ام میرقصد و مستانہ می رقصد

ناظرین عالی ہمم سراپا کرم ۔ سترہ مہینے ہوئے کہ "بہار گلشن کشمیر" کی جلد اول آپ کی خدمت فیض درجت میں پیش کی گئی تھی اس کے بعد ناچیز مولف کی دلی خواہش تھی کہ جولائی سنہ رواں میں جلد ثانی بھی شایع ہو کر شرفیاب ملاحظہ ہو جائے۔ مگر خلاف امید کچھ ایسی وجوہ پیش آئیں کہ اس کی طباعت و اشاعت میں کم و بیش پانچ مہینوں کا توقف پیش آیا۔ انڈین پریس الہ آباد میں سررشتہ تعلیم کے ضروری کام کی کثرت اور کاپی نویس کی ناتندرستی یعنی تین مہینے کی علالت اس توقف کا خاص باعث ہوئی۔ بقول شاعر

یاد آن روزے کہ رازِ عشق در دل داشتم
در نظر ہا کارِ مردم آساں بود مشکل داشتم

خدا کا بہت احسان ہے اور ہزار شکر ہے ان کا کہ باوجود اتنی کم مائگی کے مجھ جیسے ناچیز کی سالہا سال کی پیشینہ آرزوئیں ٹھکانے لگیں اور حسب دلخواہ کامیابی ہوئی یعنے آج مجھکو وہ فخر حاصل ہے کہ "بہار گلشن کشمیر" کی جلد ثانی مثل ایک ساقی دلفریب کے سرشاران بادۂ سخن کی

بزم میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ حضرت وفاؔ کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

بکف صراحی و ساغر چو بادہ نوش آمد
زنے کشاں بہ در میکدہ خروش آمد

(۲) اس جلد میں "ع" سے "ے" تک تعداد شعرا ۱۶۱ ہوتی ہے۔ ان میں ۵۱ شعرا تو وہ ہیں جنھوں نے فارسی میں گہربار ہو کر اپنی استادی اور پرگوئی کا ثبوت دیا ہے اور باقی ۱۱۰ شعرا جولانگاہ اردو کے شہسواران کامل ہیں۔ علاوہ ان کے ضمیمہ جلد اول میں ۳۳ شعرا ایسے ہیں جن کا کلام جلد اول میں درج نہیں ہے اور ان میں فارسی شعرا کی تعداد ۱۳ ہے پس کل میزان شعرا ۱۹۴ تک پہونچ گئی ہے۔ فارسی میں حضرات انیسؔ[1] (پنڈت امر ناتھ صاحبین)۔ عزیزؔ[2] (پنڈت کرتا کشن گورتو)۔ فرخؔ[3]۔ نگارؔ[4]۔ ماہرؔ[5]۔ مبتلاؔ[6]۔ وفاؔ[7] (پنڈت دیا ناتھ سپرو)۔ عاجزؔ[8] (پنڈت موتی لال شرغہ)۔ کاملؔ[9] (پنڈت بھولا ناتھ سپرو)۔ کاملؔ[10] (پنڈت سدا سنکھ کاک)۔ مفتونؔ[11] (پنڈت بھوانی شنکر شیوپوری)۔ بقاؔ[12]۔ بلبلؔ[13]۔ بیتابؔ[14] (پنڈت تابہ رام ترکی)۔ حضوریؔ[15]۔ صباؔ[16]۔ مسرورؔ[17] (پنڈت بلہ کاک) اور ہریؔ[18] صاحب دیوان تھے۔ منجملہ شعرائے بالا کے صرف نمبر ۱ تا ۷ اور نمبر ۱۱ کے دواوین قلمی موجود ہیں اور باقی شعرا کے دیوان دستبرد زمانہ کے نذر ہو گئے۔

اردو میں حضرات انورؔ۔ عاصیؔ (پنڈت سروپ نرائن بھان) نگارؔ۔ موجیؔ۔ مضطرؔ (پنڈت کنہیا لال ہاکسر)۔ نسیمؔ لکھنوی۔ عاشقؔ (کنہیا لال صاحبین)۔ کیفؔ۔ ہجرؔ (پنڈت بشمبھر ناتھ منشی)۔ مسرورؔ (پنڈت کامتا پرشاد سکھیا) اور ماہرؔ صاحب دیوان گذرے ہیں۔ ان میں سے نسیمؔ۔ عاشقؔ۔ کیفؔ۔ ہجرؔ اور مسرورؔ کے تو دیوان مطبوعہ ہیں اور بقیہ دیوان قلمی ہیں۔ علاوہ شعرائے موصوف کے حضرات کیفیؔ۔ ندیمؔ لکھنوی۔ ہمدمؔ اکبرآبادی۔ فداؔ (پنڈت جگموہن ناتھ ہکو) اور رشاگرا (پنڈت شیو ناتھ کول) کے کلیات یا مجموعۂ کلام اردو اور فارسی ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں۔ دیکھنا چاہیے مصنفین ممدوح ان جواہر ریزوں کو نظم لب تو اس میں نظر بد کے خوف سے کب تک محفوظ و پوشیدہ رکھیں گے۔ ناظرین کرام اگر آپ زبان فارسی کی بلاغت و

فصاحت سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں تو شیدا - عزیز - فرخ - مبتلا - وفا - بلبل - صبا - ہرمی - نیکو - وارستہ - نادر - عاشق (پنڈت بدری ناتھ منڈیا) - بیتاب - حضوری اور مسرور (پنڈت بلد کاک) کے کلام بلاغت نظام کو بغور ملاحظہ فرمایئے اور ان حضرات کی قادر الکلامی - پختگی اور روانی طبع کی داد دیجئے۔

علیٰ ہذا القیاس اردو میں انور - کیف - کیفی - ماہر - ہجر اور مست نے سلاست - فصاحت - سادگی اور زباندانی میں اپنا سکہ بٹھایا ہے - مضطر اور مسرور کے کلام میں عاشقانہ رنگ غالب ہے - پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجر کو جو حضرت سرشار کے ہمعصر تھے اگر تاجدار اقلیم ظرافت و جدت کہا جائے تو زیبا ہے - آپ کی نظمیں ستھری اور شستہ زبان - انداز بیان - محاورات کی صفائی - شوخی اور سنجیدگی سے مالا مال ہیں - حضرت گلشن کا رنگ سادگی لئے ہوئے پند و نصائح سے مملو ہے۔

(۳) مثل جلد اوّل کے اس جلد میں بھی کلام شعرا دو ضمیموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ضمیمہ جلد ثانی میں وہ کلام درج ہے جو ردیف وار کلام کی کاپیاں تحریر ہونے کے بعد موصول ہوا تھا - اور ضمیمہ جلد اوّل میں وہ شعرا ہیں جن کا کلام جلد اوّل کی طباعت کے بعد دستیاب ہوا - ایک کافی حصہ مختلف شعرا کے کلام کا بدیں وجہ اندراج سے رہ گیا کہ جلد ثانی کی ضخامت ایک ہزار صفحات تک پہونچ گئی تھی اور اس سے زیادہ اُس کو ضخیم کرنا مناسب نہ سمجھا گیا - ناچیز مولف کی خواہش تو یہ ہے کہ اگر کسی وقت جلد اوّل کی دوبارہ اشاعت کی نوبت آئی تو بقیہ کلام اس میں شامل کر دیا جائیگا مگر یہ ایک آرزوے موہوم ہے - جلد اوّل کی اشاعت کے بعد جو تجربہ حاصل ہوا وہ ایسا ہمت افزا نہیں ہے جس سے اس آرزو بر آنے کی کچھ امید کیجا سکے - اُس کی طباعت میں جو رقم کثیر صرف ہوئی تھی وہی لاگت اس جلد کی طباعت میں بھی بیٹھی ہے - عطیہ جات موصول شدہ کی تعداد اس لاگت سے کہیں کم ہے اور اب دارو مدار اسی پر ہے کہ قوم کے اکابر ان عالی ہمم اس کمی کے پورا کرنے کے طرف جلد تر نظر معاونت فرمائیں۔

(۴) "بہارِ گلشنِ کشمیر" کی جلد اول کا دنیائے ادب میں جس گرمجوشی سے خیر مقدم ہوا ہے اس کا ذکر شاید اس موقع پر غیر موزوں نہ ہوگا۔ مختلف مشہور ادبی رسالہ جات اردو اسکی توصیف میں تر زبان ہوئے ہیں۔ چنانچہ انھیں رسالہ جات کے لایق و فایق ایڈیٹر صاحبان کی سخن شناسی اور قدردانی اور نیز اپنی قوم کی چند ممتاز و مایہ ناز ہستیوں کے اظہارِ سخن سنجی نے ناچیز مولف کی ہمت افزائی کی اور تکملۂ جلد ثانی میں ہمہ تن مصروف کیا۔ اقتباسات ذیل نہایت پُر لطف ہیں اور اس بات کے شاہد ہیں کہ ہماری قوم کی قابلیت اور ذہانت غیر قوم کے فاضلوں اور قدردانانِ سخن کی نظروں میں کیا قدر بلند پایہ رکھتی ہے۔

(الف) رسالۂ زمانہ کانپور بابت ماہ اگست ۱۹۳۱ء ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم [illegible] لکھتے [illegible]
"تذکرۂ بہارِ گلشنِ کشمیر" کشمیری پنڈت شعرا کا ایک مبسوط تذکرہ ہے۔ اسکی پہلی جلد شایع ہوگئی ہے۔ اس جلد میں ۱۸۵ شعرائے ماضی و حال کے سوانح زندگی مع انتخاب کلام درج ہیں یہ انتخاب [illegible] صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت صاف اور کاغذ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ ہر صفحہ پر سرخ جدول ہے اور کتاب مجلد ہے اور پچاس سے زیادہ شعرا کی تصاویر سے مزین بھی ہے۔ غرض ظاہری صورت دیدہ زیب ہے۔ باطنی خوبیوں کا اندازہ کرنے کے لئے صرف اسی قدر کہنا کافی ہوگا کہ یہ اس قوم کے اہلِ سخن کے حالات و کلام پر مشتمل ہے جو اپنی علمی سرگرمیوں سے ہمیشہ ممتاز رہی ہے۔ جب ہندوؤں میں فارسی زبان کی تحصیل اور اس میں دادِ سخن سنجی دینے میں کمال، کایستھوں کے علاوہ جس قوم نے ناموری حاصل کی وہ کشمیری پنڈت تھے۔ موجودہ زمانہ میں بھی اسکے افراد اپنی علم دوستی میں شہرۂ آفاق ہیں چنانچہ اس تذکرہ میں بہت ایسے شعرا کے حالات ہیں جو فارسی میں شعر کہتے تھے۔ باقی اردو زبان میں شعر کہنے والے ہیں۔ پنڈت برجکشن کول بیخبر اور پنڈت جگموہن ناتھ رینہ شوق مبارکباد کے مستحق ہیں کہ برسوں کی محنت اور جستجو کے بعد انھوں نے اتنے شعرا کے حالات و کلام بہم پہونچا کر یہ مبسوط تذکرہ مرتب کیا جو ان کی علم دوستی اور قومی ہمدردی کا بہترین ثبوت ہے۔ ہم کو

امید ہے کہ یہ تذکرہ نہ صرف کشمیری صاحبان کے لئے باعث دلچسپی ہوگا بلکہ عام قدردانان اردو بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔

(ب) رسالۂ اردو۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد۔ اپریل ۱۹۳۲ء۔ آنریری سکرٹری مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔

کشمیری پنڈت اپنی حسن صورت و سیرت اور ذہانت و فطانت کی وجہ سے خاص امتیاز رکھتے ہیں اور خصوصاً ہندوستان میں آکر ان کے جوہر خوب کھلے ہیں۔ انھوں نے ملک کی تہذیب و شائستگی اور ادب کی ترقی میں قابل تعریف کام کیا ہے گو ان کی تعداد کم ہے لیکن حسن قابلیت اور کمال کی وجہ سے وہ جہاں کہیں بھی ہیں صف اول میں نظر آتے ہیں۔ "بہار گلشن کشمیر" جس کا دوسرا نام تذکرۂ شعرائے کشمیری پنڈتان ہے انکی ادبی کمال کے ثبوت میں کافی شہادت ہے۔ پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق نے بڑی محنت و جانفشانی سے ان شعرا کا کلام اور حالات جمع کئے ہیں۔ اس کا اندازہ کتاب کے پڑھنے کے بعد ہو سکتا ہے۔ اس میں فارسی اردو دونوں زبانوں کے شاعر ہیں اور قدیم سے لیکر زمانۂ حال تک تمام شاعر آگئے ہیں۔ اس ممتاز فرقے کا شاید ہی کوئی شاعر شوق صاحب کی نظر سے بچا ہوگا۔ قابل مولف نے صرف حالات اور کلام کے جمع کرنے پر اکتفا کیا ہے کلام کے حسن و قبح سے بحث نہیں کی اور تنقید کی الجھن میں نہیں پڑے۔ یہ انھوں نے ناظرین کے ذوق پر چھوڑ دیا ہے کتاب ایسی صاف ستھری اور اعلیٰ درجہ کی چھپی ہے کہ دیکھنے سے جی خوش ہوتا ہے اور کاغذ اور جلد بھی نہایت عمدہ ہے۔ جن شعرا کے فوٹو مل گئے ہیں ان کی تصویریں بھی بہت خوبی سے چھاپی گئی ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اور قابل مولف کی محنت اور ذوق لایق داد ہے۔

(ج) اخبار ذوالقرنین بدایوں مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء۔ ایڈیٹر مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی۔

بہار گلشن کشمیر۔ یہ کشمیر کے پنڈت شاعروں کا تذکرہ ہے جس کی تالیف کا کام

پہلے پنڈت برجکشن کول صاحب بیخبر نے شروع کیا لیکن آخر میں اُس کی تکمیل کا بار پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق کو اُٹھانا پڑا۔ پنڈت صاحب کو زمانۂ ڈپٹی کلکٹری میں اردو اور فارسی ادب سے ذوق تھا لیکن جب تک ملازمت کی پابندیاں قایم رہیں آپ علم و ادب کی کوئی مستقل خدمت نہ کر سکے اور اسی انتظار میں رہے کہ پنشن لیکر کوئی علمی خدمت انجام دیں جس کا پتہ آپ کے اس شعر سے چلتا ہے ؎

بلبلو اب تو قید قفس ہے دیکھئے کب تک چھٹنا ہو
تم کو مبارک سیر گلشن ہم تو اسیر دام چلے

اس جلد میں ۱۸۵ شعرا کے حالات اور کلام کو جمع کیا ہے۔ ان میں ستر شعرا وہ ہیں جنھوں نے فارسی میں داد سخن دی ہے۔ حالات اور کلام جمع کرنے کے لئے قابل مولف کو بڑے بڑے تذکروں کی ورق گردانی کرنا پڑی ہے۔ ادبی ماہوار رسالوں کے فائل بھی ٹٹولے گئے ہیں۔ شعرا کے کلام کے انتخاب میں دوسرے تذکرہ نویسوں کی طرح بخل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ بلکہ نہایت فیاضی کے ساتھ کلام کی کافی مقدار دی گئی ہے۔ جس سے اس کلام کے نسبت ناظرین تذکرہ کو صحیح رائے قایم کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان خوبیوں کے باوجود بھی اغلاط کتابت سے جو لیتھو پریس کے چھپائی کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہیں یہ کتاب بھی نہیں بچی تصحیح اور طباعت کے اس قدر اہتمام کے باوجود جب بہار گلشن کشمیر جیسی صاف اور ستھری کتاب کے چہرہ پر اغلاط کی جھائیاں نظر آئیں تو سوا اسکے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ نظر بد سے بچانے کے لئے شاید قدرت نے اس کو روا رکھا ہو۔

(د) رئیس ہند دہلی۔ بابت فروری و مارچ ۱۹۳۳ء ایڈیٹر منشی مرو ہگوونت رائے بہار تشامی مرحوم۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ کشمیری ایسے زیرک اور برتر کیوں ہیں۔ مجھے اس افتخار کی تحقیقات کا جنون تھا پتہ لگا کہ ان کی خو ایک طرز بود و باش سبب ست نہ یادہ تر مقامی خصوصیات ان کے دماغی ترقیوں کی ممد و معاون ہیں۔ جو دستور العمل

قرنوں قبل رشیوں نے دماغی نشو و نما کے لئے تلقین فرمایا تھا وہ اُس کے آج تک کم و بیش عامل ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ بلحاظ دماغی قابلیت دنیا کے اقوام میں سب سے بلند اور بالا مرتبہ رکھتے ہیں۔ کشمیری پنڈت دراصل سنسکرت کی فضیلت کے لئے ممتاز تھے مگر جس شعبہ کے طرف توجہ کی اُسے معراج کمال پر پہنچا دیا۔ جب اسلامی حکومت آریہ ورت میں پھیلی تو کشمیری پنڈتوں نے علم فارسی و عربی (نظم و نثر) میں ایرانی فاضلوں کا ناطقہ بند کر دیا اس دعویٰ کی دلیل میں رائے رایان پنڈت چندربھان برہمن دیوان اعظم شاہجہاں کا محض ایک نام لیا جانا کافی ہے۔ ان بزرگ اور قابل یادگار ہستیوں کے کارناموں نے ہمارے فاضل فرض شناس دوست جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق کو محسوس کرایا کہ انھوں نے بڑے دل اور درد کے ساتھ سرکاری فرائض کی سبکدوشی کے بعد ایسا بوجھ اپنے کاندھوں پر رکھنے کی جرات فرمائی۔ آپ نے "بہار گلشن کشمیر" کے نام سے کشمیری پنڈت صاحبان شعراے مشاہیر کا تذکرہ مرتب فرمایا ہے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ جلد اول میں جو "الف" سے "ط" تک ہے کُل شعراے کشمیر آگئے مگر ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس قدر اسم شماری ہو گئی وہ بسا غنیمت ہے ہم غافل ہستیاں اپنے با برکت بزرگوں کے بھلانے میں سب سے سبقت لیگئی ہیں مگر اب کچھ آثار بیداری پیدا ہونے لگے ہیں جس کا ثبوت حضرت شوق کا یہ کارنامۂ زریں ہے۔ آج تک شعرا کے جس قدر تذکرے ہندوستان میں لکھے جا چکے ہیں کوئی تذکرہ اس کی ایک خوبی کا مقابلہ نہیں کر سکتا نہ اس شان و اہتمام سے شایع ہوا ہے جس قدر تصاویر تذکرہ موصوف میں دی گئی ہیں وہ سب حالیہ اور قریب تر زمانہ کی ہیں۔ قدیم زمانے کی ایک بھی تصویر نہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کی طبع ثانی تک یہ کمی بھی پوری کیجائے۔

(۳) رسالہ مشاعرہ فرخ آباد۔ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۲ء۔ تبصرۂ بہار گلشن کشمیر از مولوی سید نصیر الدین علوی صاحب ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔بی منصف باندہ۔

حضرت علوی کا تبصرہ درحقیقت ایک پُرزور اور قابل قدر تبصرہ ہے۔ جس فاضلانہ طریقے سے آپ نے "بہار گلشن کشمیر" کے حسن و قبح پر حق تنقید ادا کیا ہے اُس کی جس قدر داد دی جائے وہ کم ہے اس تبصرہ سے جو اقتباسات ناچیز منعکس کرنا چاہتا تھا ان کو جناب کیفی کی نظر انتخاب نے بیشتر ہی سے چن کر اپنی تقریظ میں جگہ دیدی ہے۔ لہذا اُسی مضمون کا یہاں اعادہ کرنا ایک فعل عبث ہے۔ حضرت علوی نے اپنے تبصرہ کو تذکرہ کی ظاہری و معنوی خوبیوں پر بحث کرنے کے بعد فقرات ذیل پر ختم کیا ہے جن کا ایک ایک لفظ معنی خیز اور موتیوں میں تولنے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بہرحال یہ ایک بہت ہی مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ اس میں کہیں رندان مے آشام کے تذکرے ہیں کہیں صوفیان صافی دل کے دنیا ترک کرا دینے والے تخیلات۔ کہیں ارباب علوم و فنون مسند درس پر بیٹھے دکھلائی دیتے ہیں تو کہیں خود اعتمادی کے اعتماد پر ترقی کرنے والے پیش نظر ہیں۔ صاحبان مذاق اور اردو ہندی کا فضول مسئلہ اُٹھانے والے ارباب افتراق اس کتاب کو بہ غور مطالعہ کریں شاید ان کی ذہنیت کی درستی میں معاونت کرے ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را

حضرت علوی نے ایک جگہ انتخاب اشعار کے متعلق فرمایا ہے کہ "اشعار کے انتخاب میں بعض جگہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے اور بعض سست و قابل اعتراض اشعار حوالہ قلم کر دئے گئے ہیں۔ گو اس طرح سے وہ اشعار محفوظ ضرور ہو گئے لیکن ان کی حفاظت کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی حضرت سرور آنجہانی کا شعر ہے ؎

زاہدا ما را مدہ تکلیف از صوم و نماز
بندۂ پیر مغان و خادم میخانہ ایم

ایک اُستادِ فارسی "صوم" کے ساتھ "نماز" کبھی نہ لکھے گا بلکہ "صوم وصلوٰۃ" لکھے گا۔ صورت اولیٰ میں صفائی اور روانی اور محاورہ دونوں پر حرف آتا ہے پھر صلوٰۃ خارج تقطیع بھی نہیں۔"

قابل نقاد کے اعتراض بالا کے نسبت دو باتوں کا اظہار لابدی اور ضروری ہے (۱) یہ کہ شعر زیر بحث کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ہے (۲) زبان عرب میں "صوم وصلوٰۃ" نہ بولتے ہیں اور نہ لکھتے ہیں۔ بلکہ محققین نے لفظ "صوم صلوٰۃ" تسلیم کیا ہے اور واؤ عطف کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (بحر شیکسپیر مطبوعہ ۱۸ دسمبر ۱۸۴۳ء لندن صفحہ ۱۱۹۳ ملاحظہ ہو)۔

مصرعہ اول کو اگر "صوم صلوٰۃ" کے ساتھ پڑھئے تو وزن سے گر جاتا ہے۔ "نماز" کا لفظ بہ اعتبار نفس مضمون جو فارسی بھی ہے واؤ عطف کے ساتھ زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ کلام فارسی ہے نہ کہ عربی۔ "صوم" کے معنی روزہ اور صلوٰۃ کی معنی نماز۔ درود اور دعا کے ہیں۔ اور چونکہ پابندی شریعت کے لئے "روزہ و نماز" جز ولاینفک ہیں پس یہ دونوں تزکیۂ انفاس کے لئے لازمی ہیں۔ اگر وزن میں لفظ "روزہ" آنا کسی طرح ممکن ہوتا تو "روزہ و نماز" لایا جاتا مگر "بحر" اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے "صوم" بمعنی "روزہ" اور "نماز" بہ معنی اداے فرائض پنجگانہ لانا لابدی ہوا لہذا "صوم و نماز" کی ترکیب کے استعمال اور اجتماع سے کوئی حرف زباندانی اور اُستادی سرور پر نہیں آسکتا۔ سرور نے "صوم و نماز" کی ترکیب کو ایک ہی شعر میں نہیں بلکہ دو اور موقعوں پر بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ایک شعر حسب ذیل ہے۔ ؎

چند گوئی زاہدا از صوم و نماز
چون من در عاشقی بدنام را

سرور مرحوم فارسی کے عالم متبحر اور عربی زبان کے ماہر تھے۔ اگر "صوم وصلوٰۃ" کی ترکیب کو وہ صحیح خیال کرتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بجائے اس کے ایک غلط ترکیب کا اعادہ تین تین مقاموں پر جائز رکھتے۔

(۵) یہ التماس ناکمل رہیگا اگر میں اپنے عنایت فرما پنڈت نند لال صاحب کول طالب اور مکرمی دیوان پنڈت رادھے ناتھ صاحب کول گلشن کا ذکر نہ کروں۔ دونوں صاحبوں کے نام نامی آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ یہ حضرت طالب کی سعی مسلسل کا نتیجہ ہے کہ شعرائے کشمیر کا بے بہا کلام زینت افزائے جلد ثانی ہوا ہے اور فراہمی عطیہ جات میں جو سعی بلیغ دیوان صاحب نے فرمائی ہے اور جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے اُس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے زبان مولف قاصر ہے۔

میرے معزز ناظرین میں نے ایک قومی خدمت کی انجام دہی کا بار گراں سر پر اٹھا لیا تھا مگر شکر صد شکر کہ اُس بارِ عظیم سے سبکدوش ہو کر میں آج آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور حضرت نادر کے ان دو شعروں پر اپنے التماس کو ختم کرتا ہوں

غرض نقشیست کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمی بینم بقا ئے
مگر صاحبدلے روزے برحمت — کند بر حال این مسکین دعائے

ناچیز جگموہن ناتھ رینہ شوق

یکم نومبر ۱۹۳۲ء۔ باندہ

श्रीः

تذکرہ بہار گلشن کشمیر پر تبصرے

تبصرہ رقمزدۂ صدر نشین بزم سخندانی۔ واقف رموز نکتہ دانی

جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی

جلد اوّل۔ مرتبہ و مولفہ جناب پنڈت برج کشن کول صاحب بیخبر و جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر یو۔پی۔ تقطیع ۲۲x۲۹ ضمیمہ و تصاویر۔ صفحات ۵۳ + ۶۰۰ ، مجلد پشتہ مجلّی۔

جناب بیخبر اور جناب شوق نے اس تذکرے کو شائع کرکے جو کار نمایاں انجام دیا ہے۔ توصیف سے مستغنی ہے۔ یہ نہیں کہ بمصداق قول شیخ شیراز ؎

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

بلکہ ان اصحاب نے ادب کی وہ خدمت انجام دی ہے۔ جس کے بار شکر سے ایشائی ادب اور کلچر یعنی اردو اور فارسی شاعری سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ بہت سے ایسے اہل کمال ہو گزرے ہیں۔ جن کو دنیا بھولی ہوئی تھی۔ ان کے حالات اور کلام کہیں کہیں نام ہی سہی۔ جو اس مجموعے میں آگئے ہیں۔ گویا پھر سے زندہ ہو گئے۔ یہ مسیحائی یا ایک بڑے پیمانے پر مولانا آزاد مبرور کے حصے میں آئی تھی یا حضرات بیخبر و شوق سلمہم کو نصیب ہوئی ہے۔ تذکرے کی تیاری کے آخری زمانے میں ہم نے خود الہ آباد میں دیکھا کہ شوق صاحب اور دیوان رادھے ناتھ صاحب گلشن کس شغف اور تندہی سے تذکرے کی تکمیل میں

مصروف تھے۔ یہ احیا ہے یا مسیحائی ہے۔ جو ہر ادب دوست سے خراج تحسین وصول کرنے کی شان رکھتی ہے۔ یہ احسان ہم صاف کہتے ہیں۔ کہ اہالیان خطّہ کی شہرت ذکاوت و علم دوستی پر نہیں۔ بلکہ اُس فارسی شاعری پر ہے۔ جو ایران سے مفقود ہو چکی ہے۔ اور ہندوستان و کشمیر سے مفقود ہو رہی ہے۔ اور اُس اُردو شاعری پر ہے جو دو تین قرنوں میں خدا جانے کیا رنگ روپ اختیار کرے۔ علم و ادب کے بہت سے جواہر جو مغاک گمنامی و فراموشی میں پڑے ہوئے تھے۔ فاضل مولفوں نے اُنھیں نکالا آنکھوں سے لگایا اور خالص سونے میں جڑ دیا۔ جن کی ضو اور ڈلک سے جواہر خانہ ہند و عجم جگمگا اٹھا۔ وہ خالص سونا کیا ہے۔ وہ ہے شوق صاحب کی وقّت نظر۔ سلیقہ انتخاب اور شعور تنقید۔ آپ کے تبصرے قوم پرستی اور جنبہ داری کے لوث سے پاک ہیں۔ مثلاً پنڈت کبھی رام سُرور مہرور کے تذکرے میں آپ نے بلبل شیراز۔ ظہیر فاریابی۔ ہلالی ناصر علی کے ساتھ سُرور کے ہمطرح اشعار لکھدئے اور بس۔ کسی کو کسی سے اپنی زبان سے بڑھایا گھٹایا نہیں۔ حالانکہ خواجہ حالی مرحوم جیسا محتاط نقاد بھی نظیری اور غالب کے ترکیب بند مرثیہ کے موازنے میں اس تحریص سے معصوم نہ رہ سکا۔

یہ تذکرہ بعض ایسی نظموں کا بھی حامل ہے۔ جو کمیاب۔ کیا نایاب ہو چکی تھیں جیسے پنڈت رتن ناتھ در کی مثنوی تحفۂ سرشار اور پنڈت بشن نرائن در تخلص ابر کا مسدّس تحفۂ کشمیر۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ یہ نظمیں ان شعرا کے کلام کی ذیل میں مکمل دیدی گئیں۔

اب تک جتنے تذکرے اردو یا فارسی شعرا کے ہندوستان میں شائع ہو چکے ہیں اُن سب میں تذکرہ خمخانہ جاوید امتیاز خاص رکھتا ہے۔ بہار گلشن کشمیر کو خمخانہ جاوید سے امر مابہ الامتیاز یہ حاصل ہے۔ کہ اس میں بہت سے شعرا کی تصویریں بھی شامل ہیں۔ یہ رہی دوسری بات کہ خمخانہ میں اس کا انصرام ناممکن کے قریب تھا۔

اس تذکرے میں چند خفیف سی فروگذاشتیں بھی رہ گئیں ہیں۔ اور جن کو تذکرہ نویسی کا کچھ تجربہ ہے۔ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ایسی جزوی فروگذاشتیں ناگزیر ہیں۔ مثلاً

پنڈت رتن ناتھ بخشی تخلص دریاؔ کے کلام میں جہاں اُن کی تصنیف سے کئی قطعات تاریخ نقل کئے ہیں اچھا ہوتا کہ ان کا وہ قطعہ تاریخ بھی شامل کر دیا جاتا جو جناب دریاؔ نے اپنے ہمنام حضرت سرشار کی معرکتہ الآرا تصنیف فسانۂ آزاد پر تحریر فرمایا وہ یہ ہے:۔

اے نام تو در جہاں رتن ناتھ — از خامہ دُر سخن بہ سفتی
تاریخ بگو ز عیسوی سال — افسانۂ بے نظیر گفتی

یا پنڈت رام نرائن صاحب تکو خرد کے حال میں لکھا گیا ہے کہ:۔ پنجاب میں آپ تحصیلدار پنشنر تھے۔ حالانکہ وہ یو۔پی سے پنشن لے کر اپنے وطن دہلی میں رہے ہیں اور وہیں رحلت فرمائی۔

یہ کہ پنڈت بشن نرائن ہاکسر متخلص صبر کا نام تک تذکرہ میں نہیں آیا یہ بزرگ مشہور ہند کرنل کیلاس نرائن ہاکسر کے پردادا تھے۔ راقم نے اوائل عمر میں دہلی میں اکثر ان کے درشن کئے ہیں۔ شاید کوئی اشاعت مرحوم مراسلہ کشمیر کی ایسی ہو جس میں اس بزرگ کی تصنیف سے کوئی نہ کوئی قطعہ تاریخ شائع نہ ہوا ہو۔ عموماً فارسی قطعات ہی نظر سے گزرے۔ ممکن ہے کہ کرنل صاحب موصوف یا پنڈت شیو نرائن صاحب ہاکسر سے صبر مرحوم کا مزید کلام دستیاب ہو سکے یعنی اُس کے علاوہ جو مراسلہ کشمیر میں شائع ہوتا رہا تھا۔

ہم کو قوی امید ہے کہ نہ صرف اہالیان خطہ بلکہ ایشیائی ادب اور کلچر کے دلدادہ و محقق اس تذکرے کا استقبال تپاک اور گرمجوشی سے کریں گے۔ اور تسلیم کریں گے۔ کہ اُردو ادب کی تاریخ کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہ تھی۔

اس تذکرے کی تیاری اور طباعت و اشاعت پر بڑی رقم صرف ہوئی ہے اور دوسری جلد پر شاید اس سے بھی زیادہ صرف ہو۔ ظن غالب یہ بھی ہے۔ کہ تیسری جلد کی ضرورت پڑے۔ قوم کے اہل ہمت بزرگوں نے جو مالی امداد فرمائی ہے۔ وہ تذکرے کی دو جلدوں کے مصارف کے لئے کافی نہیں۔ ان

امور کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہماری رائے میں چھ روپیہ فی جلد قیمت رکھی جائے تو بہت مناسب ہوگا۔ مفت تقسیم کرنے پر دو اعتراض ہیں۔ اوّل تو یہ کہ کتاب اکثر ناقدروں کے ہاتھ میں جائے گی۔ ورنہ بفحوائے مفت راچہ گفت۔ اس کی قدر نہ ہوگی۔ کُل پانچ سو جلدیں تو چھپی ہی ہیں۔ کس کو دیں گے اور کس کو نہ دینگے اور دوسرے یہ کہ دوسری اور تیسری جلد کے لئے سرمایہ کہاں سے بہم پہنچے گا۔

ہماری خواہش ہے کہ ارباب قوم اور اد ب دوست اصحاب اس عجلت سے اوّل جلد کو خرید لیں کہ مایوسی کا موقع نہ آئے اور باقیماندہ جلد یا جلدوں کے ساتھ جلد اوّل کا دوسرا اڈیشن بھی جلد ہی پیش کیا جا سکے۔

یہ کتاب پنڈت جگموہن ناتھ شوق نمبر ۱۸۔ البرٹ روڈ۔ الہ آباد سے ملسکتی ہے۔

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

ساحر صاحب یا ہمدم صاحب یا کوئی کشمیری پنڈت اگر تذکرہ بہار گلشن کشمیر کی مدح اور اعتراضات میں آسمان سر پر اٹھائیں تو یہ محض اس شعر کی مصداق ہے۔

بہر کجا کہ روم وصف دوستاں گویم
برائے یار فروشی دُکاں نمی باید

دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کے اور ارباب نقد و نظر جو اردو فارسی کا ذوق سلیم رکھتے ہیں اس تذکرہ کی اور اُن کی نسبت جن کا ذکر اس میں ہے کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس بارے میں آج میں اس زریں تبصرے سے جستہ جستہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو جناب مولوی سید نصیر الدین صاحب علوی۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل بی منصف باندہ نے فرخ آباد کے رسالہ مشاعرہ بابت جنوری ۱۹۳۲ء میں سپرد قلم فرمایا۔

کوائف تاریخی کے بعد جو ہندوکشمیر میں اہل ہنود و اہل اسلام سے کے میل جول پر حاوی ہوئے۔ آپ لکھتے ہیں:-

(۱) اس اہلیت و قابلیت میں یوں تو تمام اقطاع و حصص ہند اور تمام

طبق اقوام ہندوستان مساوی ہیں ۔ لیکن کالیستھ اور کاشمیری حضرات خاص طور پر نمایاں ہیں ۔ ان ہر دو طبقات میں بھی کاشمیریوں کا پایہ جس قدر بلند ہے وہ اظہر من الشمس ہے یہ ایک حقیقت اور ایک واقعہ ہے کہ بمقابلہ کالیستھ حضرات کے کشمیری برا ہمہ اصحاب میں ایران مثال فارسی دانوں اساتذہ اور مسلم الثبوت ہستیوں کی کثرت ہے اور اس اولیت و افضلیت کے کچھ تاریخی اسباب ہیں اور کچھ طبعی و جغرافیائی ۔

کشمیری پنڈتوں کا پایہ گزشتہ ہندوستانی اجتماعی تمدن میں فضیلت علمی کے اعتبار سے کیا تھا؟ اس بارے میں صاحب تبصرہ یہ فرماتے ہیں :۔

(۲) پنڈتان کشمیر نے فارسی اور اس میں چاشنی دینے کے لئے بقدر ضرورت عربی کی اس حسن و خوبی کے ساتھ تکمیل کی کہ وہ منشی اور فلسفی وغیرہ جیسے معزز علمی خطابات سے مخاطب کئے گئے ۔ ان کی زبان ایرانیوں کی زبان اور ان کا قلم پارسی قلم قرار پایا ۔ فضلائے عصر نے ان کے کلام کو ہم پلہ کلام اہل زبان قرار دیا گو انھوں نے نظم و نثر دونوں میں اظہار کمال کیا ہے لیکن دنیائے شاعری میں تو ان کی کارگذاریاں معجزنما ہیں ۔ ان کی شیرینیِ گفتار ، بندش محاورہ ۔ جدت تراکیب ، چستی بندش ، اسلوب بیان ایرانی اساتذہ کے ہم رتبہ ہے ۔ ان کا کلام بتاتا ہے ۔ کہ ان کی فارسیت میں وہی کمالات و محاسن کار فرما ہیں ۔ جو فارسی زبان کے مسلم اساتذہ کے مایۂ ناز ہیں ۔

پھر تذکرے کے بعض شعرائے عظام کے دو دو چار چار شعر نمونے کے طور پر درج کر لکھتے ہیں :۔

(۳) مندرجہ بالا مختلف کاشمیری پنڈت صاحبان کے جواہر ادبیہ بتلاتے ہیں کہ ان کی غزلیات میں افغانی ، سعدی ، حافظ شیرازی ، جامی ، خسرو ، طالب آملی ، نظیری نیشاپوری ، صائب ، شیخ علی حزیں اور قاآنی وغیرہم کی کیفیات موجود ہیں ۔ رباعیات میں عمر خیام ابو سعید ابوالخیر اور سرمد رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ

جھلک رہا ہے۔ قصیدے میں وہ فیضی، عرفی، انوری کے پیروان خاص اور مثنوی میں گو فردوسی مثال نہ ہوں۔ لیکن جامی، نظامی کے مقلدین با اختصاص ہیں۔ ان کے قلم نے تصوف، فلسفہ، پند، موعظت، عشق، معرفت، شوخی، معاملہ بندی، تخیل و محاکات غرض انواع و اقسام کے جذبات و خیالات کے دریا بہا دیئے ہیں۔ ان کے کلام کو دیکھ کر یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ اساتذہ ایران و اسلام کا کلام نہیں۔ ان کے فضلا و ادباء بزبان حال و قال گویا ہیں۔

بعہدِ خویش منم رشکِ سعدیِ شیراز — اگر از دست گلستان ز من بسے گلزار
بوجد روح کلیم از کلام من شب و روز — من از سلامتِ طبعِ سلیم دارم عار
ببین بہ نثر چہ مضمون ہا رقم کردم — ببین بہ شعر کہ دارد بہ علم من اشعار
پئے فسانہ بود مثنوی مناسب تر — قصیدہ را نہ تعلق نہ تیغ از دو سہ کار
پُر است ساغر و پیمانہ ام ز بادۂ علم — دہد بہ صدق گواہی تمثلقم سر کمار
بہ بوستانِ سخن کبک خوش خرام منم — نمونہ روشِ من ز زاغ ہا دشوار

ہے کسی کی ہمت جو کہدے "بوئے کچوری سے آید"!

یہاں تک فارسی کے شاعروں کا ذکر تھا۔ اب اردو شاعری میں کشمیری پنڈتوں کا جو مہتم بالشان حصہ ہے اُسکی نسبت فاضل تبصرہ نگار کا قول ہے:۔

(۴) یہ قوم پندرھویں صدی عیسوی میں سلطان زین العابدین مذکور الصدر کے بعد حکمرانوں کے مظالم اور ان کے جبر و استبداد کی وجہ سے جب کشمیر سے ہجرت کرکے پنجاب، اودھ، دہلی، آگرہ وغیرہ میں آبسی۔ تو فارسی لٹریچر کی خدمات کے ساتھ ساتھ اس نے عام ہندوستانی زبان "اردو" میں جو اس کی بھی مادری زبان بن گئی تھی۔ شان استادی پیدا کرکے دکھلا دی۔ اور وہ کسی طرح مسلمانوں سے جن کے سر زبردستی ایجاد اردو کا سہرا باندھ دیا گیا ہے۔ کم ثابت نہ ہوئی بلکہ شاہراہ ادب میں وہ مسلمانوں کے ہمعنان ہے۔

(۱) مثنوی کے ذیل میں پنڈت دیاشنکر "نسیم" لکھنوی کی "گلزارِ نسیم"

ایک عجیب و غریب مثنوی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس قسم کی مثنوی نگاری پر خامہ فرسائی کرنا عبث کہ عیاں راچہ بیاں ۔ تفصیلات کے متلاشی کو "معرکہ چکبست و شرر" مطالعہ کرنا چاہیئے ۔

(۲) "قصیدہ کے سلسلہ میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اپنے پیروں پر اپنے آپ کھڑی ہونے والی خود دار اور غیرت مند قوم ہے اور قصیدہ گوئی کے "مہذب کاسہ گدائی" ہونے میں شک نہیں غالباً اس قوم کی غیر تمندی نے اُسے اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا اور کسی فرد خاص نے اس صنعت شعر کو اپنا پیشہ نہ بنایا ۔ تاہم جن لوگوں نے ضرورتاً اس میدان میں قلمرانی کی اور قصیدے کہے خوب کہے مثلاً پنڈت رتن ناتھ سرشار آنجہانی کا ایک قصیدہ ہے

پھلیں گے پھولیں گے گلزار قوم کے اشجار

اُٹھا ہمالیہ پربت سے ابر گوہر بار "

کشمیری پنڈت شعرائے اُردو کے کلام کی نوعیت کی نسبت ارشاد ہے :۔

(۵) "کشمیری پنڈتوں نے بھی عام ہندوستانی اساتذہ کی طرح عہد بعہد محبوبہ غزل اردو کو نئے نئے جامے پہنائے اور حسن و عشق، ہجر، وصال، درد سوز، حب قوم، حب ملک، بیزاری دنیا، معرفت، تصوف، فلسفہ وغیرہ کے بیل بوٹوں سے اس کے جامہ کو گلکار کیا ہے ۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں" ۔

تبصرہ کے اُس حصّے کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کرتے ہیں ۔

(۶) "کلام محولۂ بالا میں میرؔ، سوداؔ، آتشؔ، ناسخؔ، غالبؔ، ذوقؔ، انیسؔ، امیرؔ، داغؔ، اکبرؔ، حالیؔ، اور جملہ اساتذہ اُردو کے کلام کی سی پختگی و سلیم المذاقی موجود ہے ۔ یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ آتش، انیس، غالب سے چونکہ اس قوم کو عقیدت خاص ہے لہٰذا اس کے کلام میں ان کی کیفیات زیادہ پائی جاتی ہیں اور لکھنؤ اور دہلی اسکول کا فرق بھی نمایاں ہو جاتا ہے" ۔

عام طور پر معاشرت اور عہد حاضر کی قیادت میں کشمیری پنڈت کس درجہ

تک حصّہ دار ہیں اس بارے میں رقمطراز ہیں:۔

(۷) "انگریزوں کے ساتھ انگریزی کا دور آیا۔ تو نہ صرف اعلیٰ اعلیٰ ڈگریاں اس قوم نے حاصل کیں بلکہ اپنی ادبیت اور عالی دماغی سے یہ ثابت کر کے دکھلا دیا کہ وہ اس میدان میں یوروپینس سے کسی طرح حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور حسن ادب میں بھی کم نہیں اس سلسلہ میں سر تیج بہادر سپرو ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل ڈی کے۔ سی۔ ایس۔ آئی اور پنڈت بشن نرائن ور بار ایٹ لا کا نام لے دینا کفایت کریگا۔[۵]

مولف کی عرق ریزی کی داد ان الفاظ میں دیجاتی ہے:۔

(۸) "کس قدر قابل افسوس بات تھی کہ اس جیسی عالی دماغ اور قابل تقلید قوم کا اب تک کوئی مستقل تذکرہ نہ تھا۔ جس سے اس کے کمالات پر بالتفصیل روشنی پڑ سکتی اور جو ہندو مسلمانوں کے اتحاد ہشتیشنہ کا آئینہ ہوتا۔"

ہمارے جناب پنڈت برج کشن صاحب کول بیخبر کے قابل نہ تاس نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے اس کے پورا کرنے پر کمر ہمت باندھی اور جناب پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق (پنشنر ڈپٹی کلکٹر یوپی) کے زور قلم نے اس کار اہم کو انجام دیدیا اور آج چشم بد دور "تذکرہ بہار گلشن کشمیر" کے نام سے جنت ارضی کے دلچسپ نظر فروز اور پر بہار علمی پھولوں کا سدا بہار گلدستہ ہمارے پیش نظر ہے۔

ممکن ہے کہ بعض تنگ نظر ہستیاں حضرت شوق کی اس جگر کاوی کو "انکا قومی کام" تصور کریں۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ پنڈت جی نے اس تذکرے کو لکھکر تمام ملک پر بڑا احسان کیا ہے۔ موصوف کی یہ کتاب ادب اردو میں ایک قابل قدر و عالی پایہ اضافہ ہے۔

---

[۵] چونکہ صاحب تبصرہ سرکاری افسر تھے۔ غالباً اسی وجہ سے پنڈت [illegible] وغیرہ اصحاب کے نام نامی کو ترک کر دینا مصلحت سمجھا گیا (کیفی)

تذکرے کے محاسن صوری و معنوی اور طباعت وغیرہ کی خوبیوں کا ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:۔

(۹) "کاغذ اعلیٰ قسم کا ولایتی استعمال کیا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی کے لئے صرف یہ کہنا کہ اعلیٰ قسم کی ہے۔ کتاب کی سخت توہین ہے کیونکہ انڈین پریس (الہ آباد) نے اپنے حسن انتظام سے ہندوستان میں یورپ کی طباعتی کرشمہ سازیوں کے جلوے دکھائے ہیں اور کادیانی پریس (برلن) کو گرد کر دیا ہے۔ گرد صفحات حواشی کی سرخ نگر گوشوں پر مدوّر لکیریں دلفریبی پر حکومت کنان۔ دیوان غالب کے جرمنی ایڈیشن (مطبوعہ کادیانی پریس برلن) کو شرمندہ کر رہی ہیں۔

کتاب کی شیرازہ بندی و جلد بندی بھی اس کو عالی پایہ مغربی کتابوں کی صف میں نمایاں کرتی ہے"

فاضل مولف کی نظر انتخاب اور دقت نظر کے یوں مداح ہیں:۔

(۱۰) "یہ تو تھے محاسن ظاہری اب اوصاف باطنی پر نظر ڈالیں۔ تو لائق مولف کی محنت و تلاش، دیدہ ریزی و جانفشانی پر منہ سے بے اختیار واہ نکلتی ہے۔ اختصار و جامعیت، برجستگی و خوش ترتیبی، اس کتاب کا جوہر خاص۔ زبان سادہ سلیس اور برمحل، طرز بیان صاف، شستہ و پاکیزہ ہے۔ اور یہ تمام امور فاضل تذکرہ نویس کی قدرت نگارش پر دال ہیں"

"اس تذکرہ کو ہم جدید تذکرہ نگاری کی ایک قابل تقلید تمثیل قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں حالات مختلف مستند کتابوں سے ماخوذ، مدلل اصول درایت پر بہت کچھ مبنی اور مولف کے ذاتی ریمارک کے ساتھ درج ہیں ادبائے زیر بحث کے متعلق خوش عقیدگی ہی سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ انکے عیب و ہنر دونوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر دلچسپی و دلاویزی نے کتاب کو اس قدر پرزور اور موثر بنا دیا ہے کہ وہ دل و دماغ پر چھا تی چلی جاتی ہے"

ارباب قوم سے کیا یہ توقع نا واجب ہے کہ وہ دوسری جلد کے نشر و اشاعت سے قبل پہلی جلد کو ہاتھوں ہاتھ خرید لیں گے اور اُس ادبی مذاق و علم پرستی کا عملی ثبوت دیں گے جس کو نہ صرف صاحب تبصرہ بلکہ تمام علمی دنیا تسلیم کرتی ہے۔ (کیفی)

قطعہ تاریخ تالیف و اشاعت

جناب شوق اور اُن کے شریک تدوین کو
سراہیں کتنا ہی۔ پھر بھی سخن رہے مجمل

کیا ہے طبع وہ مجموعۂ کلام لطیف
ملے جہان ادب میں نہ شاید اس کا بدل

بہت تھے ایسے زمانہ مٹا چکا تھا جنھیں
مٹانے کو تھی بہت سو کھ وقت کی اٹکل

پھر اُن کو زیست کی محفل میں لا بٹھایا ہے
یہ معجزہ بھی رہے گا جہاں میں ضرب مثل

بنا صحیفہ پارین مرقع رنگیں
چلایا اپنی مسیحائی کا وہ طرفہ عمل

نہیں یہ قوم پرستی۔ ادب پرستی ہے
ہے لائق صفت کے لائق یہ ان کا حسن عمل

فصاحت اور بلاغت کا ہے یہ گنجینہ
ثنا میں اس کی کہے قیل و قال کا ہو محل

اسے وہ غور سے دیکھیں یقیں نہیں جن کو
ادب ہے نافی اضداد و انتشار ملل

ہے دیدہ زیب بھی اور دلفریب یہ تالیف
کہ اک ادیب کی سعی جمیلہ کا ہے پھل

ہو ایک شعر میں تاریخ اور صفت اے کیفی
یہ سن کے دیکھا ہے کیا تو حساب بسط و جمل

بہار گلشن کشمیر کی ہے روح فزا
بجا ہے کہئے اگر اس کو۔ باغ فیض ازل

۱۹۳۱ء

تبصرہ از نتائج طبع وقاد ذہن نقاد سخنور بلند فکرت پنڈت دینا ناتھ چکن صاحب مستؔ کاشمیری

کشمیری پنڈتوں کی قوم کچھ سرزمین کشمیر کے محلِ وقوع کی حیثیت سے کچھ آب و ہوا کی تاثیر کے سبب سے اور کچھ اپنی مسلّمہ ذہانت۔ سنجیدہ خیالی۔ بیدار مغزی مناسبت طبع (Adaptability) اور حُسنِ صورت کے لحاظ سے ہندوستان بھر میں نہایت اہم اور ممتاز درجہ رکھتی ہے۔

اِس قوم کو قدرت نے کچھ اِس طرح کا دل و دماغ عطا کیا ہے کہ گردشِ روزگار کی سخت سے سخت آزمائش میں بھی یہ سُرخرو ہو کر نکلی۔ اور ع "زمانہ با تُو نہ سازد تو با زمانہ بساز" کے مصداق چرخِ ستمگر کی متواتر ستمرانیوں اور حشر آرائیوں کے باوجود یہ قوم آج تک برابر پھلتی پھولتی چلی جا رہی ہے۔ اپنی غیر معمولی قوتِ بُردباری۔ تحمل اور دانشمندی سے اس قوم نے ہر رنگ میں ایک رنگ پیدا کیا۔ حق شناسی اور روشنضمیری کے احساسات سے نہ صرف خود استفادہ کیا بلکہ اُوروں کی بھی رہنمائی کی۔

مہرشی کشپؔ کے وقت سے لیکر آخری ہندو راجہ سہدیو (جو ۱۳۲۰ء میں کشمیر کا حکمران تھا) کے وقت تک یہ قوم سنسکرت علم و ادب میں اعلیٰ درجہ کی سرگرمیاں دکھاتی رہی۔ اور اس میدان میں اُیسے اُیسے شہسواران کامل فن پیدا کئے جنھوں نے نہ صرف ہندوؤں کی عظیم الشان مذہبی روایات کا علم بلند رکھا بلکہ سنسکرت لٹریچر اور ہندوستان کے قدیم سائینس اور آرٹ کو ایک اُیسی روشنی سے مجلّا کیا جو آج بھی تمام اہلِ ہنود کے لئے چراغِ راہ اور مشعلِ ہدایت کا کام دے رہی ہے۔

اِس قوم نے شری سہوا جیسے انجینئر پیدا کئے جنھوں نے ستی سر (کشمیر)

کو سوپور اور بارہ مولہ کے نزدیک کاٹ کر پانی سے خالی کیا اور موجودہ کشمیر کی بُنیاد رکھی۔ پاتنجلی ایسے "یوگ درشن کرتا" اور عالم بے بدل۔ چرک اور واگ بٹ جیسے فنِ طب اور جراحی کے ماہرانِ کامل۔ جینت جیسے سنسکرت کے سکالر۔ کیّٹ جیسے ویاکرنی (گریمرین) اُوٹ جیسے ویدوں کا بھاشی کرنے والے۔ وشوگپتا۔ اور ابھنوگپتا جیسے شیو فلاسفی کے بانی اور ابھنند۔ بلا رتنا کر۔ کلّٹ۔ وغیرہ وغیرہ سینکڑوں عالمانِ باعمل اور عابدانِ اکمل کے علاوہ کلھن جیسے مورّخ (جن کی راج ترنگنی کے متعلق مستشرقین مغرب مسٹر وِلسن۔ ونسنٹ سمتھ اور سر سٹائن جیسے باکمال حضرات نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی قدیم تواریخی کتب میں صرف یہی ایک ایسی کتاب ہے جو نہ صرف مستند بلکہ بہترین حالات کی حامل ہے)۔ اسی قوم کے درخشندہ ستارے تھے۔

فارسی ادب کا آغاز اور کشمیر عہد اسلامیہ میں

راجہ سہدیو کی وفات کے بعد ۱۳۰۹ء بکرمی تک کشمیر میں شاہ میر کے عہد میں اسلامی حکومت کی مستقل طور پر بنیاد پڑی۔ سنسکرت لٹریچر کو لوگوں نے وقت کی مصلحت کے مطابق پسِ پشت ڈال دیا اور فارسی علم و ادب نے فروغ پانا شروع کیا۔ گو کشمیر پر حضرت عیسٰے سے دو سو سال پیشتر بھی ابو الغازی تاتاری اور چند اور تاتاری حکمرانوں نے بھی حملہ کیا تھا۔ سنہ ۹۹۷ء میں محمود غزنوی (جس کا ذکر راج ترنگنی میں بھی پایا جاتا ہے) اور اسکے بعد تیمور لنگ کے حملوں نے بھی کشمیر میں ہندو مذہب اور سنسکرت لٹریچر کی بنیادیں ہلا دیں تھیں۔ لیکن رینچن شاہ کے آغازِ حکومت کے ساتھ ہی اور اس کے بعد سلطان شمس الدین۔ سلطان جمشید۔ علاء الدین۔ شہاب الدین قطب الدین سکندر شاہ اور علی شاہ وغیرہ کے عہد میں تقریباً سو سال کے مسلسل عرصہ تک کشمیری پنڈت جبر و استبداد اور ظلم و ستم کا شکار مسلسل طور پر ہوتے رہے جس سے اُن کی عظیم الشان کلچر تباہ ہو گئی۔ مندر اور دیوالے تباہ و برباد ہو گئیں سنسکرت ادب کے بڑے بڑے اور عالیشان کتب خانے نذرِ آتش

ہوگئے۔ اس افسوسناک صورتِ حالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ کشمیری پنڈتوں کی خدا پرست اور امن پسند قوم کا شیرازہ بکھر گیا۔ کچھ تلوار کے گھاٹ اترے۔ کچھ جبراً اسلام قبول کر بیٹھے۔ کچھ جنتِ کشمیر کو حضرتِ آدم کی طرح خیر باد کہہ کر ہندوستان کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے۔ بچے کھچے چند گھرانے جو کسی قدر سخت جان نکلے اور حبِ وطن سے مجبور ہو کر کشمیر کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے انھوں نے اپنے حکمرانوں کی بیدردی۔ ظلم و ستم اور غیظ و غضب کا تجربہ باری اور جاں فشانی سے مقابلہ کیا۔ اور ایسی صورتِ حالات پیدا کر دی کہ نظامِ حکومت کے سر انجام دینے میں اُن کے بغیر کام چلنا دشوار ہوگیا۔ انھوں نے فارسی عربی علومِ مروجہ پر عبور حاصل کر کے سلاطینِ وقت سے کچھ کچھ ملازمتیں حاصل کر لیں۔ چنانچہ سلطان قطب الدین کے عہد میں (جو خود بھی شاعر تھا اور قطب تخلص کرتا تھا) فارسی خواندہ لوگوں میں کشمیری پنڈتوں کی اکثریت تھی۔

شری بھٹ | اس کے بعد ۱۴۹۹ بکرمی میں زین العابدین (بڈشاہ) کے عہد میں قدرت نے کشمیری پنڈتوں کی بےکسی۔ بےبسی اور آوارہ وطنی پر رحم کھا کر شری بھٹ (جس کی دُکان کے کھنڈرات آج بھی وچار ناگ سرینگر میں موجود ہیں) نامی ایک حکیم پیدا کیا جس نے ڈاکٹر بوٹن دربارِ جہانگیری کے مشہور ڈاکٹر کی طرح بڈشاہ کی ایک مہلک بیماری کا علاج کامیابی کے ساتھ کیا جس کے صلہ میں اس نے اپنی مظلوم اور مغلوب قوم کے لئے بہت سی مراعات حاصل کیں۔ کشمیری پنڈتوں کو مذہبی آزادی دلوائی۔ تلک لگانے اور پوجا پاٹھ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ جزیہ معاف کرایا۔ آوارہ وطن پنڈتوں کو واپس بلوایا۔ اُن کی تعلیم و تدریس کا انتظام کرایا۔ مکاتب اور مدرسے قائم ہوئے۔ فارسی عربی کی باقاعدہ تعلیم کے علاوہ سنسکرت پڑھنے کی بھی عام اجازت ہوئی۔ خود زین العابدین نے بھی شری بھٹ سے سنسکرت پڑھی۔ فارسی جاننے والے پنڈتوں کو حکومت کے ارباب بست و کشاد میں داخل کیا۔ دھوری بھٹ۔ بودھی بھٹ وغیرہ نے شری بھٹ

کے ساتھ مل کر بڈشاہ کے ایما سے سنسکرت اور فارسی لٹریچر کے بڑے بڑے کُتب خانے قائم کئے۔ فارس سے فارسی کُتب منگوا کر مکاتب میں داخلِ نصاب کی گئیں سنسکرت کُتب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ "مہا بھارت"۔ "برہت کتھا" اور دیگر کئی اور پُرانوں کو فارسی زبان کا جامہ پہنایا گیا۔ راجہ جے سنگھ کے (جس کے عہد تک راج ترنگنی لکھی جا چکی تھی) عہد سے اِس کے (زین العابدین) وقت تک راج ترنگنی کا ضمیمہ سنسکرت میں لکھوا کر اس کا فارسی ترجمہ کرایا گیا۔ غرضکہ اس طرح بڈشاہ کے عہد میں ایشیا کی دو مایۂ ناز زبانیں سنسکرت اور فارسی ترقی یاب ہوئیں۔ اور کشمیری پنڈتوں کی آوارہ روزگار اور مظلوم قوم کا ستارہ شیرہ بٹ کے فیضِ حکمت سے چمک اُٹھا اور انھیں کشمیرِ جنت نظیر میں آباد ہونے کا دوبارہ موقعہ ملا۔

شاہانِ مغلیہ اور کشمیر

زین العابدین کے عہدِ حکومت کے بعد کشمیری پنڈتوں کو پھر بُرے دن دیکھنے پڑے اور بڑی بڑی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن جب فارسی زبان کی عالی شان عمارت کا سنگِ بنیاد اُس کے عہد میں مستقل طور پر رکھا جا چکا تھا وہ بدستور قائم رہا اور آخر اِسی سنگِ بنیاد پر شاہانِ مغلیہ کے عہد میں ایک عالی شان محل تیار ہوا۔ عین اُسی زمانہ میں جبکہ اردو زبان دہلی اور اس کے گرد و نواح میں اچھی طرح منصۂ شہود پر آ چکی تھی۔ کشمیر میں فارسی زبان اپنی ترقی کی انتہائی منازل طے کر رہی تھی۔ اس زمانہ میں کشمیر کے اہلِ کمال کا شہرہ سُن کر ہندوستان اور ایران کے کئی مشہور اہلِ قلم اُن کی زیارت کو آئے۔

فیضی جیسے عالم تجید نے جب وہ اکبر کے ساتھ کشمیر آیا تھا یہاں کے اہلِ کمال کا اعتراف کیا۔ عُرفی جس کا قصیدۂ کشمیر لافانی شہرت رکھتا ہے۔ کشمیر میں کافی عرصہ تک رہا۔

دربارِ شاہجہاں کا ملک الشعراء کلیمؔ ہمدانی جب شاہجہاں کے ساتھ کشمیر آیا تو یہاں کی علمی ادبی سرگرمیوں اور مناظر کی دلفریبی نے اُسے ایسا مسحور کر دیا کہ سالہا سال تک یہاں سے جانے کا نام نہ لیا بلکہ بادشاہ نامہ کو بھی یہیں مکمل کیا۔ اسی کلیمؔ نے کشمیر کے مشہور شاعر غنیؔ کی تاریخِ وفات بھی کہی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ سخن کیا ہے کیونکہ بعض خصوصیات دونوں کے کلام میں یکساں پائی جاتی ہیں۔

صائب بھی ایران کو واپس ہوتے وقت کشمیر میں کئی برس رہا اور یہاں کے اہل کمال سے اُسے بہت کچھ یگانگت تھی۔

اس کے علاوہ اکبر کے عہد میں راج ترنگنی کے ضمیمہ کا ترجمہ فارسی زبان میں مُلّا شاہ محمد شاہ آبادی نے کیا ابوالفضل کے آئینِ اکبری میں غالباً اسی کا خلاصہ درج ہے۔

جہانگیر کے ایماسے حیدر ملک بن حسن ملک نے کشمیر کی ایک قدیم تواریخ جو راج ترنگنی سے ماخوذ ہے تصنیف کی۔ پنڈت نارائین کول صاحب عاجزؔ نے ۱۷۲۲ء میں سری دھر بٹ کے ضمیمہ راج ترنگنی کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ (افسوس ہے کہ پنڈت صاحب موصوف کا کلام اور حالاتِ زندگی راقم کو بہت کچھ تلاش کے بعد بھی ہاتھ نہ آئے اور نہ معزز مولفین "بہارگلشنِ کشمیر" کو شاید ان کے متعلق کچھ معلوم ہو سکا ہے)۔

مندرجۂ بالا سطور سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ شاہانِ مغلیہ کے عہد میں کشمیر میں فارسی و علم ادب نے انتہائی ترقی اور وسعت حاصل کی۔

فارسی ادب کا عام فروغ

فردوسیؔ۔ نظامیؔ۔ سعدیؔ۔ حافظؔ۔ مولانائے رومؔ۔ رباعیات خیامؔ وغیرہ وغیرہ اساتذۂ فارس کا کلام ہر ایک محفل و مجلس کو گرمانے لگا اور سرزمینِ کشمیر رشکِ ایران نظر آنے لگی۔ گھر گھر میں شعر خوانی۔ بیت بازی۔ غزل سرائی۔ قصیدہ نویسی اور تاریخ گوئی ہونے لگی۔

ہر ایک شادی و ماتم کے موقعہ پر جہاں چار احباب اکٹھے ہوئے فارسی زبان میں بات چیت ہونے لگی اور شعر و شاعری کے غلغلے بلند ہونے لگے بڑے بڑے اُستادوں اور شاگردوں کے الگ الگ حلقے قائم ہوئے۔ بڑے پُرجوش مشاعرے منعقد ہوتے اور ادبی معرکہ آرائیاں بعض اوقات مجادلہ کی صورت بھی اختیار کر لیتیں۔

اِن تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ فارسی زبان نے کشمیر میں ایک ہمہ گیر اور بےمثال حیثیت اختیار کر لی۔ چنانچہ اِس کا اثر آج تک یہاں موجود ہے۔ شادی بیاہ۔ زنار بندی کے موقعوں پر قصیدے اور تاریخیں کہہ کر لانے کا رواج اب بھی بڑی حد تک موجود ہے اور اِس زمانہ میں بھی جبکہ کشمیر میں فارسی جاننے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ کشمیری پنڈتوں کی جنتری ہر سال "نوروز" پر فارسی زبان میں شائع ہوتی ہے۔

اِس سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیری برہمنوں میں شعر و شاعری اور فارسی علم و ادب کا مذاق کس قدر عام اور خاص تھا۔

کشمیری پنڈت بیرونِ کشمیر اور فارسی اُردو

اسی طرح کشمیری برہمنوں کی ورخشندہ قوم کے جو جو ستارے ہندوستان کی فضا میں بکھر گئے تھے وہ بھی اپنی مناسبت طبع۔ زمانہ شناسی اور خداداد ذہانت کے جوہر سے چمک اُٹھے (اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ اِنہی بکھرے ہوئے ستاروں سے جبینِ ہند کی افشاں چُنی گئی ہے بلکہ آج بھی ہندوستان کے ظلمت کدہ کو اسی قوم کے چشم و چراغ روشن کر رہے ہیں) علوم و فنونِ متداولہ پر عبور حاصل کر کے وہ کمال پایا کہ جابر سے جابر مسلمان حکمران سے بھی بڑے بڑے منصب جلیل القدر عہدے اور جاگیریں حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

کشمیری پنڈت اور دیگر اقوامِ ہند نے فارسی ادب میں کیا حصہ لیا

راقم کا دعویٰ ہے کہ فارسی ادب کو ہندوستان بھر میں فروغ دینے میں ہندوستان کی دیگر اقوام میں سب سے زیادہ حصہ کشمیری پنڈتوں کی قوم نے لیا۔

کچھ لوگ کایستھ قوم کی خدمات اس بارے میں افضل تصور کرتے ہیں لیکن میرے پاس وجوہات ہیں جن کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ کشمیری پنڈتوں نے جس پیرایہ میں اور جس شانِ استادی کے ساتھ فارسی ادب کو چار چاند لگائے وہ ہندوستان کی کسی دوسری قوم کو نصیب نہ ہو سکا۔

کشمیر کی مختصر اور محدود وادی میں کم وبیش پانسو سال تک یعنی رینچن شاہ کے عہد سنہ ۱۳۸۹ب سے لیکر سنہ ۱۸۷۶ب یعنی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد تک اسلامی حکومت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس اثناء میں کشمیری پنڈتوں نے جن کا میلانِ طبع فطرتی طور پر علم و ادب کی طرف ہے فارسی لٹریچر میں ایک مستقل انقلاب پیدا کر دیا اور شعرائے قوم میں آپ کو اکثر اصحاب۔ فردوسی۔ نظامی۔ خاقانی۔ صائب۔ عرفی۔ طالب۔ کلیم۔ قاآنی۔ خیام۔ وغیرہ وغیرہ اساتذۂ فارس کے ہم پلّہ نظر آئیں گے۔ فارسی شاعری نے کشمیر میں اسلئے بھی نشو و نما پائی کہ جن امور پر فارسی شاعری کی بنیاد ہے وہ کشمیر میں ایران سے ہزار درجہ زیادہ موجود تھیں (اور ہیں) مثلاً حسنِ صورت۔ مناظرِ قدرت۔ باغ و بہار۔ دریا۔ چشمے۔ پہاڑ۔ برفباری۔ بہار و خزاں کی دلفریبیاں وغیرہ وغیرہ۔ اس سے شعرائے کشمیر کے جذبات کو بھی وہی تحریک ہوتی رہی جو کسی ایرانی شاعر کو ایران میں ہو سکتی تھی۔ یہ بات کایستھ قوم کو ہندوستان کے تپتے ہوئے میدانوں اور جھلسانے والی لُو سے کہاں میسر آ سکتی تھی۔ ناظرین "بہارِ گلشنِ کشمیر" کی پہلی جلد کے مطالعہ سے دیکھ سکتے ہیں کہ:۔

ضمیر۔ برہمن۔ سرور۔ آذر۔ اشکی۔ اصغری۔ اکبری۔ توقیر۔ خازن۔ ترکی۔ (جنکا صحیح تخلص بیتاب ہے اور جنکا جنگ نامہ فردوسی کے شاہنامہ کی ٹکر کا ہے)۔ ذیری (ان کا دیوان ایران کے بڑے سے بڑے شاعر کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے)۔ دریا۔ خرم۔ خوشدل۔ شعلہ۔ شور۔ سرشار وغیرہ کے علاوہ جلد دوم میں عیاش۔ فرخ۔ وارستہ۔ اخوند۔ مبتلا۔ ہری۔ نیکو وغیرہ وغیرہ حضرات کا کلام ایران کے کسی اچھے سے اچھے شاعر کے کلام کا لگا کھا سکتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ حضرات کشمیر و ہند کے رہنے والے تھے یا ایران و فارس کے۔ جہاں تک میری معلومات کام کرتی ہیں کایستھ قوم تو کیا ہندوستان کی اور کسی بھی قوم نے (بجز اہل اسلام) اتنے ایسے باکمال شعرا پیدا نہیں کئے اور ابھی تو کشمیری پنڈت شعرا کا کلام فراہم کرنے کی ابتداہی ہوئی ہے۔ "بہارِ گلشنِ کشمیر" گو آج دو ضخیم

جلدوں میں ہمارے سامنے ہے۔ لیکن تلاش و تجسس اور تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھنے سے ابھی ایسی ہی کئی اور جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔

فارسی کا زوال اور اُردو ادب کا عروج

زمانے کی عادت ہے کہ جس چیز کو یہ اپنے پورے عروج و اوج پر پہنچاتا ہے اُسے زوال اور ادبار کے دن بھی دکھلا دیتا ہے۔

فطرت کے اسی اصول نے فارسی زبان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو شاہانِ اسلامیہ کے ساتھ روا رکھا۔ اورنگ زیب کے عہد کے بعد شاہان مغلیہ کے نیّرِ اقبال کے غروب ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی زبان بھی زوال پذیر ہونے لگی۔ اور اُردو زبان جسکا دھندلا سا ستارہ خلفائے عباسیہ محمود غزنوی اور غوری کے عہد میں ہی شمالی ہند کے اُفق پر نمودار ہونے لگا تھا۔ اب مغلیہ طاقت کے زوال کے دنوں میں ایک آفتابِ عالمتاب کی صورت اختیار کرنے لگا اور آخر ہزار داستان اُردو کی نغمہ ریزیوں اور سحر کاریوں کے مقابلہ میں بلبلِ فارس کی خوش الحانی کام نہ دے سکی اور رفتہ رفتہ فارسی علم و ادب کا چرچا نفی کے برابر ہو گیا۔

غریب الوطن کشمیری پنڈتوں نے (جو زیادہ تر دہلی۔ لکھنؤ۔ آگرہ۔ الہ آباد ایسے مرکزی مقامات میں آباد تھے۔) اپنی موافقتِ طبع اور سریع الفہمی کے فیض سے اردو زبان کو بھی اس طرح اپنا کر لیا کہ گویا ازل سے ان لوگوں کی یہی مادری زبان تھی اور آج اس امر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس طرح کشمیری پنڈتوں کے ذکر کے بغیر نہ تو سنسکرت لٹریچر کی تواریخ مکمل ہو سکتی ہے اور نہ فارسی علم و ادب کا تذکرہ اسی طرح اردو زبان کی تواریخ بھی کشمیری پنڈتوں کے ذکر کے بغیر درجۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی اور آج اُردو ادب کا جس پہلو سے بھی جائزہ لیا جائے اس میں کسی نہ کسی کشمیری پنڈت کا دماغ ضرور کام کرتا ہوا نظر آئیگا۔

چونکہ مضمون طول کھینچ رہا ہے اس لئے صرف دو چار مثالیں اپنے بیان کی تصدیق کے لئے پیش کرتا ہوں۔ جن بزرگانِ قوم کے اسمائے گرامی ذیل میں آپ دیکھیں گے وہ "بہارِ گلشن کشمیر" کی دونوں جلدوں سے متعلق ہیں۔

سرشار | اُردو لٹریچر میں ناول اور افسانہ نویسی کی بُنیاد حضرتِ سرشار مرحوم نے اس دھوم دھام سے ڈالی کہ آج تک اُن کے پایہ کا کوئی دوسرا شخص نہیں اُٹھا فسانۂ آزاد نے (جس کی شہرت اب مغرب کے ممالک میں بھی پھیل چکی ہے) اُردو زبان کو ایسا فروغ بخشا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک شاعر کی حیثیت سے بھی آپ کا کلام وہ مذاقیہ اور خاص قسم کا رنگ لئے ہوئے ہے جسے اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے نئے انداز اور اپنی شوخ طبعی سے چمکایا۔

ہجر | پنڈت تربھون ناتھ ہجر مرحوم کی غیر معمولی لیاقت پر اودھ پنچ وغیرہ کے فائل گواہ ہیں۔ اُن کی نظم ونثر کو آج بھی قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

نسیم | جوانمرگ اور مشہور آفاق فطری شاعر دیا شنکر نسیم کی مثنوی گلزارِ نسیم کا جواب لکھنے کی بڑے بڑے عالموں نے کوشش کی لیکن ناکام رہے یہاں تک کہ علامہ شوق قدوائی مرحوم بھی اُن کے بامِ رفعت تک اپنی کمندِ تخیل نہ پہنچا سکے اور آپ کی غزلوں کا دیوان بھی اپنے رنگ میں خوب ہے۔

چکبست | نظیر اکبر آبادی نے اُردو شاعری میں جس رنگِ جدید کو رائج کیا تھا اور جسے مولانا حالی اور آزاد نے محض "نظم" (Versified Prose) کی صورت بخشی تھی اور نادر کاکوروی اور سرور جہان آبادی نے جسے رنگ وروغن عطا کیا تھا۔ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست نے اُس طرزِ جدید کو اپنی بلند خیالی معنی آفریں طبیعت اور علم وفضل کے فیض سے فروغ بخش کر "سچی اور حقیقی شاعری" کے زیور سے آراستہ وپیراستہ کیا۔ پنڈت صاحب موصوف نے مثنوی گلزارِ نسیم کا مشہور معرکتہ الآرا دیباچہ اور ان کے حالاتِ زندگی جدید طرز میں لکھ کر اُردو لٹریچر میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ اِس سلسلہ میں معرکۂ چکبست وشرر کی معرکہ آرائیوں نے اُردو ادب میں جو انقلابِ عظیم پیدا کیا اُس سے کون شخص واقف نہیں اور اردو لٹریچر کو جو عظیم الشان فائدہ اس سے پہنچا اُس سے کون انکار کرسکتا ہے۔

کیفی

علامہ پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی مدظلہٗ نے اُردو شاعری کے طرزِ قدیم و جدید کو ملا کر ایک ایسی اچھوتی اور نئی راہ نکالی جس پر قدامت پسند اور طرزِ جدید کے پرستار دونوں گامزن ہو رہے ہیں۔ آپ نہ صرف ایک گراں پایہ شاعر ادیب اور نقاد ہیں بلکہ اُردو لٹریچر کے ہر ایک میدان کے شہسوار ہیں۔

صحیح اور جدید طرز تمثیل نگاری کی بنیاد آپ نے ہی اپنا مشہور ناٹک راج دُلاری لکھ کر ڈالی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں جہاں کہیں بھی کوئی علمی ادبی کانفرنس خواہ وہ دکن میں منعقد ہو یا یو۔پی اور پنجاب میں آپ کی شرکت ضروری اور اہم خیال کی جاتی ہے۔

شمیم

رائے بہادر پنڈت شیو نرائن صاحب شمیمؔ کی ذات ستودہ صفات سے اُردو لٹریچر کو بیش بہا فائدہ پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔

سر سپرو

وقارِ ہند سر ڈاکٹر تیج بہادر صاحب سپرو کی ذات گرامی سے اُردو لٹریچر زیرِ بارِ احسان ہے۔ اُن کی ناقدانہ نظر کے جوہر کسی سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت طالب اور آنند نرائن

نوجوان شعرا میں میرے محترم دوست پروفیسر نند لال صاحب کول طالبؔ ایم۔اے ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور پنڈت آنند نرائن صاحب ملّا (گو بہارِ گلشنِ کشمیر میں اُن کے حالات اور اُن کا کلام بہت کم شایع ہوا ہے) کی شاعری اُنہی کی طرح ایک ہنگامہ خیز شباب کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ اور یقین ہے کہ اپنے وقت پر ہر دو اصحاب بہت نام پائیں گے۔

کشمیری پنڈتوں کے اخبارات اور رسالے

اُردو زبان کی عام اشاعت کے سلسلہ میں بھی کشمیری پنڈتوں نے نہایت اہم اور شاندار حصہ لیا ہے۔ پنجاب میں پنڈت مکند رام صاحب اور اُن کے خلفائے رشید پنڈت گوبند سہائے مرحوم اور گوپی ناتھ صاحب پنڈت نے مطبع متروِلاس اور "اخبارِ عام" جو اردو زبان کا سب سے پُرانا اخبار رہے قائم کر کے اُردو زبان کی بہت بڑی اشاعت کی۔ خصوصاً

ریاست کشمیر میں اردو زبان نے اسی آرگن کے ذریعہ بہت توسیع پائی۔

اس کے علاوہ کشمیری پنڈتوں نے وقت وقت پر بہت سے اخبار اور رسائل جاری کرکے اردو ادب کی بہت کچھ خدمت کی ہے۔ مثلاً:۔

پنڈت ہرگوپال کول خستہ مرحوم کے متعدد اخبارات "راوی"، "ریفارمر"، "پبلک نیوز"، "خیر خواہ"، "دیش اپکارک"۔

ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کا "کشمیر درپن" + جناب چکبست مرحوم کا رسالہ صبح امید اور ان سے پیشتر۔ مراسلۂ کشمیر۔ کشمیر پرکاش۔ مرآۃ الہند۔

پنڈت لچھمی نرائن صاحب کول کا سفیر کشمیر۔ کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کا "بہار کشمیر"۔ "اخبار صبح کشمیر" کی خدمات کا ذکر کرنا میرے لئے مناسب نہیں کیونکہ اس کے ساتھ راقم کا نام وابستہ ہے۔

دیگر بلند مرتبہ شعرا

مندرجہ بالا اسمائے گرامی اور ممتاز شخصیتوں کے علاوہ "بہار گلشن کشمیر" کی دونوں جلدوں میں آپ کو عالم متبحر اور فخر ہند پنڈت بشن نرائن در ابر۔ مکرمی جناب ساحر مدظلہ جیسے ادیب اور ساقی۔ سعد۔ بیخود۔ شوق (مولف تذکرہ ہذا) شاکر۔ زار وغیرہ وغیرہ ایسے شاعران نغز گفتار نظر آئیں گے جن کا کلام اردو زبان کے کسی بھی شاعر کے مقابلہ و موازنہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

کشمیری پنڈت شعرا کا کلام ابتک کیوں فراہم نہ ہو سکا

مجھے بار بار افسوس ہے تو اس بات کا کہ گردش روزگار نے کشمیری پنڈتوں کو گذشتہ سینکڑوں سال سے آرام اور چین کا سانس نہ لینے دیا۔ اس قوم کی تواریخ ہی کچھ ایسی پُر درد داستان ہے جس کا ایک ایک لفظ خون کے آنسو رلا دیتا ہے۔ اسے ہمیشہ آوارہ وطنی۔ مصیبت اور سراسیمگی کا سامنا رہا۔ اسی سبب سے آج تک اس قوم کو وہ عروج اور کمال حاصل نہ ہو سکا جو اسے اپنی دانشمندی۔ سیاست دانی۔ حسن تدبر اور ذہانت کے تناسب کے لحاظ سے نصیب ہو سکتا تھا اور یہی باعث ہے کہ کشمیری پنڈت شعرا کے کلام کا کوئی باقاعدہ اور دیرینہ ریکارڈ موجود نہیں۔ گو اب پریس کی برکت

بعض مشاہیر قوم کا کلام شائع ہو چکا ہے۔

مطبوعہ کلام شعرائے قوم

مثلاً مثنوی گلزارِ نسیم۔ دیوان کیف۔ دیوانِ فرخ۔ دیوانِ منتظر۔ فسانۂ آزاد اور سرشار صاحب کے دیگر ناول۔ معرکۂ چک بست و شرر۔ صبحِ وطن (کلام چک بست)۔ مضامین چک بست۔ بھارت درپن (مسدس علامہ کیفی) خمخانۂ کیفی (جو آپ کی ضخیم بیاضوں کا محض ایک ورق ہے) پریم ترنگنی (کیفی صاحب کی مشہور تمثیلی مثنوی) راج دلاری (ڈرامہ) تزک قیصری۔ عورت اور اُس کی تعلیم۔ مراری دادا۔ شوکت ہند وغیرہ (یہ بھی کیفی صاحب کی تصنیفات میں سے ہیں)۔

رشحات التخیل (کلام طالب) جناب شمیم کی متعدد کتب وغیرہ وغیرہ۔ لیکن صرف ان تھوڑی سی کتب سے ایک تشنہ لبِ ادب کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔

بہارِ گلشن کشمیر کی تصنیف و تالیف اور مولفین کی سعی بلیغ

انتہائی اطمینان اور خوشی کا مقام ہے کہ مکرمی جناب پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق معظمی دیوان اور جناب برج کشن کول گلشن اور جناب بیخبر کی مسلسل کوششوں اور محنتِ شاقہ کی بدولت اس کمی کی بہت بڑی حد تک تلافی ہو گئی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ مولفین "بہار گلشن کشمیر" نے اس تذکرہ کو مرتب فرما کر کشمیری پنڈتوں کی تواریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح کیا ہے اور نہ صرف اپنی قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے بلکہ اردو اور فارسی ادب کی شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔

ایسے تذکروں کی تالیف و تصنیف میں جن دقتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنھیں ایسے کام سے کبھی واسطہ پڑا ہو۔

اخبار صبح کشمیر مرحوم کی حیات کے دنوں میں راقم نے بھی شعرائے قوم کا تذکرہ مرتب کرنے کی سعی کی تھی۔ لیکن حالاتِ زمانہ اور کاروباری تفکرات نے مجھے ایسا کرنے کی فرصت نہ دی۔ یہ فخر اور عزت قدرت نے جناب شوق کی قسمت میں لکھ رکھی تھی اور شکر بلکہ ہزار ہزار شکر ہے اُس قدرت کا ملہ کا جس نے جناب شوق

کو یہ اہم کام پایۂ تکمیل پر پہنچانے کا فخر بخشا ہے۔

اگر چند برس اور یہ تذکرہ تالیف نہ کیا جاتا تو جس طرح آج تک اکثر شعرائے قوم کا کلام تلف ہو چکا ہے باقیماندہ جواہر پارے بھی زمانہ کے بے رحم ہاتھوں پیوند خاک ہو جاتے۔

تذکرہ بہار گلشن کشمیر تصاویر کے لحاظ سے اپنی قسم کے دیگر تذکروں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ معزز مولفین نے اس التزام اور جدت سے تذکرہ نویسی میں ایک نئی بات پیدا کی ہے۔ آیندہ کے تذکرہ نویس غالباً اس کی تقلید کرنے کی ضرور سعی کرینگے۔

وادی کشمیر میں ابھی تک کئی شعرائے قوم کا کلام اُن کے ورثا اور خویش و اقارب کے پاس موجود ہے لیکن افسوس ہے کہ میری اور جناب طالب کی سعی بلیغ کے باوجود ان اصحاب نے اُن دواوین اور کلیات کو ہمارے ہاتھ میں دینا تو درکنار ہماری نظروں تک سے بچائے رکھا۔ شاید یہ لوگ اُنھیں اپنے بزرگوں کی ایسی مقدس اور متبرک یادگاریں سمجھتے ہوں جن پر کسی غیر کی نظر نہیں پڑنی چاہئے۔ یا ابھی تک اُن کے دلوں میں وہ وسعت اور نظروں میں وہ دوربینی پیدا نہیں ہوئی جس سے وہ یہ سمجھنے کے اہل ہوتے کہ اگر اُن کے بزرگوں کا کلام شائع ہو جاتا تو دیمک اور کاغذ کے کیڑوں کی نذر ہونے کی بجائے زیادہ بہتر اور مفید ثابت ہوتا۔

بہرحال انسان ہمت ہار کر بیٹھنے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ اور ہم یا ہمارے دیگر ہمعصر بزرگان قوم کا کلام جمع کرنے کی تفتیش و تجسس اور ریسرچ میں منہمک رہ کر دو بہار گلشن کشمیر کے موجودہ گلدستے کو ایک عظیم الشان اور ہمیشہ بہار روضۂ رضواں کی صورت میں تبدیل کر کے نہ صرف اپنی قوم کے دل و دماغ کے لئے نزہت اور فرحت کا مزید سامان بہم پہنچائیں گے بلکہ دیگر اقوام عالم کو بھی اس سے مستفید کرنے کی کوشش میں مصروف رہیں گے۔

"بہارِ گلشن کشمیر" پر تقریظ منظوم و تاریخ

مرے گلشن کے گل ہوئے مثالِ بو پریشاں تھے
نظر آتے تھے افسردہ جو منظر خلد ساماں تھے

شمیم مشکبو پھرتی تھی آوارہ وطن ہو کر
صبا کرتی تھی انتشار راز غماز چمن ہو کر

بنا تھا سبزہ بیگانہ مرے صحن گلستاں کا
تھا اک اک تار میں انداز مجنوں کے گریباں کا

پریشاں باغ میں سنبل تھی آہوں کا دھواں ہو کر
اڑا جاتا تھا رنگِ گل بھی گردِ کارواں ہو کر

تڑپتی تھیں دلِ مضطر کی صورت آبشاریں بھی
مرے رخ کی طرح تھیں زرد گلشن کی بہاریں بھی

انگارے گل تھے آتش ریز تھا سایہ چناروں کا
مثالِ آئینہ تھا خشک پانی چشمہ ساروں کا

زباں تھی بند سوسن کی چمن میں جورِ گلچیں سے
ٹپکتا تھا لہو گلہائے نرگس چشم خونیں سے

تڑپ اٹھتا تھا دل میرا فغاں بلبل کی سن سن کر
مسل ڈالے تھے گلچینوں نے سارے پھول چن چن کر

پڑا تھا تفرقہ ایسا چمن میں بادِ صرصر سے
جدا تھی سرو سے قمری الگ بلبل گلِ تر سے

گریباں کا نشاں ملتا تھا کچھ سنبل کے تاروں میں
مرے لختِ جگر بکھرے پڑے تھے لالہ زاروں میں

خبر لیتا نہ تھا کوئی کسی کی کثرت غم سے
چمن والے تھے مصروف بکا تکلیف پیہم سے

جگر سے ہوک اٹھتی تھی نظر پڑتے ہی گلشن پر
ترنم آ کے بن جاتا تھا لب پر نالۂ مضطر

نہ زینت تھی نہ نزہت تھی نہ رونق تھی کہیں باقی
نہ تھی آرائش گلشن نہ وہ رنگ زمیں باقی

مرا گلشن تھا القصہ سراسر ننگ ویرانی
چلا آتا تھا مدت سے برابر ننگ ویرانی

مرے نالوں نے در کھولے فلک کے باثر ہو کر
خبر لی میرے گلشن کی کسی نے باخبر ہو کر

چمن کے بیل بوٹوں کو سنوارا شوق و الفت سے
مرے گلشن کو سینچا خون دل سے درد و محنت سے

جو پژمردہ تھے گل ان کو بہارِ جاوداں بخشی
نئے انداز سے پھر رونق باغ جناں بخشی

بجوئے خشک آبِ رفتہ آمد باز از رحمت
"بہارِ گلشن کشمیر" شد "آئینۂ فطرت"

۶ ۴ ۳ ۔ ۱۱۶۹

۱۹۳۳ء

مرقومہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۳ء

عشرت کشمیری

۱؎ جناب گلشن ... ۲؎ جناب جگموہن ناتھ رینہ شوق ... [illegible]

تبصرہ چکیدۂ قلم بلاغت رقم۔ فضیلت مآب جناب پنڈت نند لال کول صاحب

طالب کاشمیری

اُردو زبان کی خوش نصیبی سمجھئے یا علم دوست کشمیری پنڈت صاحبان کی قابلِ رشک ادب نوازی کا شوق جس نے ہمارے عالی تبار۔ قابلِ تعظیم اور واالاہم بزرگ جناب شوق کو تذکرۂ "بہار گلشن کشمیر" کے مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔ ایک ایسی جامع ومبسوط اور معقول تالیف پر تقریظ کی غرض سے قلم اُٹھانا مجھ جیسے ناچیز۔ ہیچمدان اور بحر سخن سے ناآشنا کا کام نہیں۔ یہ فرض انہیں با استعداد حضرات سے انجام دیا جا سکتا ہے جو اس کے اہل ہیں لیکن بقول الامر فوق الادب تعمیل ارشاد سے گریز نہیں کر سکتا۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ موجودہ زمانے میں ہمارے بعض ہموطن اور خاصکر انگریزی داں نوجوان شعر وسخن کو ایک فضول اور بے معنی چیز قرار دیکر اس کی طرف سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ قدیم ادب کو نظرِ حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور شاعری کو بیکاروں کے مشغلے سے زیادہ وقیع نہیں سمجھا جاتا۔ جہاں تک راقم الحروف کا خیال ہے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوان اردو اور فارسی کے علم وادب اور اس کے بیش بہا خزانوں سے ناآشنا ہیں۔ انگریزی لٹریچر کے سطحی مطالعہ نے ان کی طبیعتوں پر ایسا تسلط جما رکھا ہے کہ مغربی ادب کی کورانہ تقلید معیارِ تہذیب وسخن فہمی سمجھی گئی جس کا تباہ کن نتیجہ یہ نکلا کہ مشرقی علم وادب اور شعر وسخن سے جو روحانی سرور اور وجدانی کیفیت حاصل ہو سکتی ہے اس کو قبول کرنے کا احساس ان کے دلوں سے مفقود ہو گیا۔

انسان کی فطرت میں اکثر ایسے لطیف وپاکیزہ جوہر پائے جاتے ہیں جن کو جلا دینے کے لئے ادبی قابلیت کا نشو ونما پانا ضروری ہے۔ دماغی راحت کے

پاکیزہ جذبات کا بیدار کرنا شاعری کا کام ہے۔ شعر وسخن کا مذاق سلیم حاصل کرنے کے بعد جو کیفیت انسان کے دل و دماغ پر طاری رہتی ہے۔ اس کا لطیف اور پاکیزہ اثر دنیا کی معمولی اور مصنوعی راحتوں کے اثر سے زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ عوام کی خیرہ مذاقی کا یہ عالم ہے کہ اعلیٰ درجے کی علمی و ادبی کتابیں تو بہت کم بک جاتی ہیں اور ان کے مصنف اکثر خسارہ اٹھاتے ہیں لیکن مبتذل، فحش اور بازاری ناولوں کے مصنف اور ان کو چھاپنے والے مطبعے مالا مال ہو جاتے ہیں۔

شاعرانہ لطافت کا حظ اٹھانے کے لئے شعر وسخن کا مذاق صحیح ہونا لازمی ہے۔ بلا اس قید کے شاعری بے تال اور سُر کے گانے سے زیادہ دلکش نہیں ہو سکتی لیکن اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ محض وزن، ردیف، محاورہ کی صفائی اور زبان کے مصنوعی تکلفات کا نام شاعری نہیں ہے۔ شعر میں زبان کی پاکیزگی، لطافت کے علاوہ تاثیر بھی ہونی چاہئے۔ برخلاف اس کے حسن کلام اور انداز بیان بھی شاعری کے غیر ضروری جزو نہیں۔ شاعرانہ خیالات وہی ہیں جو جذبات کے سانچے میں ڈھلکر زبان سے نکلتے ہیں اور حسن بیان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ شاعر کے دلی جذبات خیالات کو تاثیر کا لباس پہنا دیتے ہیں اور اس کی زبان کا جادو مردہ الفاظ کو بیدار بنا دیتا ہے لیکن جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا شاعری کی لطافت اور تاثیر کو محسوس کرنے کے لئے شاعرانہ مذاق کے جوہر سے آشنا ہونا اور فطری جذبات کا پایا جانا ضروری ہے۔

تقریباً آٹھ سال کا عرصہ ہوا کہ اردو زبان کے مشہور شاعر جگت موہن لال رواں مرحوم نے شعر و سخن سے متعلق باہمی تبادلۂ خیالات کے سلسلے میں راقم کے پاس ایک تحریر ارسال کی تھی جس میں شاعری کا مفہوم انھوں نے کم و بیش انہی الفاظ میں ادا کیا تھا اور اسکے ساتھ ہی اپنا ایک منظوم بند بھی لکھ دیا تھا جو اب تک نہیں چھپا۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کیا جاتا ہے ؎

مست کر دیتی ہے ایسا یہ شراب سرجوش نظر آتی ہے نشہ حسن سے دنیا مدہوش

سیر جنت میں رہا کرتے ہیں چشم ولب گوش ۔۔۔ مجھ سے کہتا تھا جوانی میں مرا بادہ فروش

ہر گھڑی عالم بالا پہ نظر رہتی ہے

کہیں انسان کو دنیا کی خبر رہتی ہے

شعر کی خوبی یہ ہے کہ انسان کے دل و دماغ پر ایسا اثر ڈالے کہ اس کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر کے اس عالم کی سیر کرائے جو انسانی زندگی کی انتہائی معراج ہے اور جس کے لئے روح بیقرار اور محو تلاش ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شاعر کو یہ بات نصیب نہیں اور نہ ہر شعر میں اس قسم کی تاثیر پائی جاتی ہے لیکن جو شعر شعر کہلانے کا مستحق ہے اس میں یہ خاصیت ضرور موجود ہوگی۔ اس تحریر سے یہ مراد نہیں کہ یہ تذکرہ سراسر ایسے ہی شعرا کے کلام کا مجموعہ ہے اور نہ کسی تذکرے کی نسبت یہ دعویٰ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس سے فقط یہ دکھانا مقصود ہے کہ شاعری نہ تو بے معنی ہے اور نہ بیکاروں کا مشغلہ۔ بلکہ قوم۔ ملک اور ہر فرد بشر کے لئے یکساں طور پر مفید ہے بشرطیکہ اس سے متمتع ہونے کی استطاعت انسان میں موجود ہو۔ پس اگر جناب شوق نے اس قومی تذکرے کو مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا تو بلاشبہ ایک بڑی بھاری کمی کو پورا کیا اور ایک ایسے فرض کو انجام دیا جس کے لئے ہمیں عمر بھر اُن کا ممنونِ احسان ہونا چاہیئے۔

یہ تذکرہ بزرگانِ قوم کے حال وقال کا ایک بیش بہا مرقع ہے۔ اس میں ناظرین کو ہر قسم کے نواسنجانِ سخن نظر آئیں گے جو اپنی ترنم ریز نغمہ سنجیوں سے ہر قسم کے میٹھے راگ اور دلکش ترانے پیدا کرنے پر قادر ہیں اور اپنی دلفریب سریلی آواز سے قارئین کو وجد میں لانے کی کشش رکھتے ہیں۔ اُردو اور فارسی شاعری کو خواہ باعتبارِ نوعیتِ مضامین یعنی تخیل۔ معاملہ بندی۔ جدت۔ معاملاتِ حسن وعشق۔ بلند پروازی۔ فلسفہ۔ معرفت۔ تصوف۔ حکمت۔ پند و نصائح۔ زہد و رندی۔ مرثیہ گوئی۔ رزم و بزم۔ سوز و گداز۔ محاکات مناظرِ قدرت کے دلکش سین۔ حب الوطنی۔ سیاسی تحریک وغیرہ کے ملاحظہ فرمائیے یا صنوفِ شعر مثلاً غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ مخمس۔ مسدس

ترکیب بند۔ ترجیع بند۔ مستزاد۔ رباعی۔ تضمین۔ بے قافیہ وغیرہ کے لحاظ سے دیکھئے تو یہ تذکرہ کسی پہلو سے ناقص نہیں پایا جائیگا۔

خوفِ طوالت کے باعث تذکرے کے محاسن و معائب پر تفصیل کے ساتھ ریویو لکھنا ایک دشوار امر ہے۔ البتہ سرسری طور پر چند اہم اور خاص خصوصیات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا۔

اُردو زبان میں آج تک بیسیوں تذکرے قلمبند کئے گئے ہیں لیکن ان میں اور تذکرہ زیرِ نظر میں جو امتیازی فرق پایا جاتا ہے مندرجہ ذیل امور سے ان کا اندازہ کسی حد تک لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) اُردو کے دیگر تذکروں کا تعلق کم و بیش بہ حیثیت مجموعی بلا امتیاز مذہب و ملت تمام شعراء سے رہا ہے لیکن اس میں فقط ایک خاص قوم کے شاعر جمع کئے گئے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہماری قوم کی اردو و فارسی ادب کی خدمات بالتفصیل کے ساتھ محفوظ ہوئیں۔ جن کا اندراج موجودہ صورت میں کسی تذکرے میں ممکن نہ تھا۔

(۲) جتنے تذکرے آج تک لکھے گئے ہیں۔ ان میں کم و بیش یا تو محض فارسی شعرا کے حالات و کلام جمع کئے گئے ہیں یا محض اردو شعرا کے۔ برخلاف ان کے اس تذکرے میں دونوں زبانوں کے شاعر جلوہ گر ہیں۔

(۳) شعراء کے حالات عام طور پر تحقیق و تلاش سے بہم پہنچائے گئے ہیں اور انتخابِ کلام میں بخل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

(۴) اس تذکرے میں جتنے شعراء درج کئے گئے ہیں ان میں سے جن جن کی تصویریں دستیاب ہوسکیں شامل کی گئی ہیں۔ گویا اس شاہدِ رعنا کو صوری و معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔

(۵) تذکرے کی کتابت۔ طباعت۔ کاغذ۔ صفائی۔ ٹائیٹل پیج اور رنگینی وغیرہ نہ صرف دیدہ زیب اور دلپذیر بلکہ بے نظیر ہیں۔ اردو یا فارسی کی کوئی ان میں قسمتِ ہم

کتاب اس سے بہتر کیا اس کے برابر بھی زیور طبع سے آراستہ کی ہوئی راقم کی نظر سے آج تک نہیں گذری۔

کشمیری پنڈت صاحبان میں سے فارسی زبان کی شعر گوئی میں جن حضرات نے نام پیدا کیا ہے ان میں سے کئی ایسے ہیں جن کا کلام اساتذۂ ایران سے ٹکر کھاتا ہے اور تمام خصوصیات کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے کسی طرح یہ گمان نہیں ہوتا کہ اس کلام کے لکھنے والے غیر اہل زبان ہیں۔ جن بزرگان قوم کو نقل وطن کر کے کشمیر سے باہر جانا پڑا ان میں سے ایسے تین صاحب گذرے ہیں پنڈت چندر بھان صاحب برہمن۔ پنڈت لچھی رام صاحب سرور، اور پنڈت نرائین داس صاحب ضمیر۔ ان تینوں صاحبان کے کلام میں وہ تمام جوہر موجود ہیں جو ایران کے فارسی شعراء کے یہاں ضروری اور باعثِ زینت سمجھے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام پر نہ صرف فارسی اساتذۂ ہند ہی والہ و شیدا ہیں بلکہ خود ایرانی بجا طور پر ناز کرتے ہیں۔

ان کشمیری پنڈت شعراء میں سے جنہوں نے حدودِ کشمیر سے باہر کبھی قدم نہ رکھا اسی طرح دو صاحب کمال خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک پنڈت بھوانی داس کاچرو صاحب نیکو اور دوسرے پنڈت راجہ کول صاحب عرض بیگی المتخلص بہ دیری۔ حضرت نیکو فارسی و عربی کے علامۂ زبردست اور عالم متبحر تھے۔ موسیقی میں اس قسم کی بے نظیر رباعیات اور راگ باندھے ہیں کہ آج تک بے نظیر مانے جاتے ہیں اور ان کی ہر دلعزیزی کا پتہ اس امر سے لگ سکتا ہے کہ کشمیر میں جہاں پرانے طرز کا گانا اور موسیقی اب بھی بعض ساز و سرود کی محفلوں میں مروج ہے سازندہ و نوازندہ سینہ بہ سینہ ان کو محفوظ کرتے چلے آئے ہیں اور خاص و عام میں پسند کئے جاتے ہیں۔ آپ کا ایک مشہور ترجیع بند (جو راقم نے آپ کی مشہور تصنیف "بحر طویل" کے ساتھ تذکرہ میں شائع کئے جانے کی غرض سے جناب مولف کے پاس بھیجدیا ہے) پٹھانوں کی عملداری میں جبکہ فارسی کشمیر کی سرکاری اور درباری زبان تھی اس پایہ کا قرار دیا گیا تھا کہ سعدی۔ نظامی اور حافظ کے کلام کے ساتھ ساتھ درسی کتابوں میں شامل کیا گیا تھا۔ آپ کی

اپنی ایجاد کردہ "بحرِ طویل" بہت مشہور ہے اور فی الحقیقت لاجواب ہے۔ صاحبان ذوق اس کے مطالعہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ حضرت نیکو فارسی و عربی میں کس قدر دسترس رکھتے تھے۔ یہ دونوں کتابیں مصنف کی وفات کے برسوں بعد طبع بھی ہوئی تھیں۔ اس سلسلے میں یہ بیان کرنا بھی غالباً بے محل نہیں کہ آپ کی زوجہ محترمہ بھی زبان کشمیری میں نہایت اعلیٰ پایہ کی شاعرہ تھیں اور موسیقی کے راگ باندھنے میں آپ سے بھی گوئے سبقت لے گئیں تھیں۔ حضرت دیرکی صاحب دیوان تھے۔ یہ دیوان اس وقت تک موجود ہے لیکن افسوس ہے کہ بوجوہ اب تک اس کے طبع ہونے کا انتظام نہ ہو سکا۔ آپ کی نسبت مشہور ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب آنجہانی کے عہد حکومت میں جو سیاح ایران سے وارد کشمیر ہوتے رہتے آپ سے ملنے کا بہت شوق رکھتے تھے اور اکثر آپ کے مکان پر کلام سے لطف اندوز ہونے کی خاطر حاضر ہوتے تھے اور خوب دادِ سخن دیتے تھے۔ بہ اعتبار تخیل۔ جدت۔ فصاحت و بلاغت۔ زبان کی بندش اور محاورہ وغیرہ کے آپ کا کلام فارسی کے مشہور شعراء سے کسی طرح کم رتبہ کا نہیں۔ غنی کے بعد کشمیر میں اعلیٰ درجے کی فارسی شاعری کا چراغ فقط آپ کے دم سے روشن تھا۔

اردو شعراء میں سے چکبست مرحوم کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کا کلام پڑھئے اور ان کی غزلوں کا مقابلہ آتش و غالب سے کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ایسے مستند اور زبردست استادوں کے مقابلہ میں ان کا کلام بانی حال سے ہمسری کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ان کے مرثیوں میں میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کی شان اور تاثیر بوجہ احسن موجود ہیں۔ اگر راقم پر ہم قوم ہونے کی طرفداری کا الزام نہ لگایا جائے تو میں یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ چکبست کی بندش، وہاں میں زبان کی صفائی اور زور تاثیر کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔ آج کل سر محمد اقبال کی شاعری کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے لیکن غالباً ناظرین کو یہ سن کر تعجب نہ ہوگا کہ علاوہ مغربی استادوں کے وہ اس شہرت کے حاصل کرنے میں چکبست مرحوم کے بھی

مرہونِ منت ہیں۔ اقبال کی کئی مشہور نظمیں مثلاً "میرا وطن وہی ہے"۔ "نیا شوالہ"۔ "ستارہ" وغیرہ کا مضمون مرحوم کی نظم "خاکِ ہند" اور چند متفرق غزلوں کے اشعار سے اُڑا لیا گیا ہے۔ اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ مرحوم نے یہ نظمیں اقبالؔ سے برسوں پیشتر کہی تھیں اور آخر الذکر نے بعض نظموں میں تقریباً الفاظ بھی وہی استعمال کئے ہیں جو ان کے اشعار میں پائے جاتے ہیں۔ جدت۔ تاثیرِ سخن۔ زورِ کلام۔ چستیٔ بندش اور لکھنؤ کی شستہ اور ٹکسالی زبان کا نمونہ مطلوب ہو تو چکبستؔ کا کلام پڑھئے اور داد دیجئے۔ "صبحِ وطن" کے مطالعہ سے اس قول کی تصدیق ہو جائیگی۔ شاعرانہ مصوری سے قطع نظر کرکے ان کے فنِ تنقید اور نثر نگاری کی بہار مطلوب ہو تو "معرکۂ چکبست و شرر" اور "مضامینِ چکبستؔ" ملاحظہ فرمائیے۔

پنڈت رتن ناتھ در صاحب سرشارؔ مرحوم نے ناول نویسی میں کوسِ لمن الملک بجایا۔ اور فصاحت و بلاغت کے وہ دریا بہا دیئے کہ اہلِ ادب اور خاص و عام عش عش کرتے رہ گئے۔ اپنی شوخیٔ تحریر اور طرزِ خاص کے باعث نہ صرف اپنے وقت کے اعلےٰ درجے کے مصنف مانے گئے بلکہ آج تک ایک مسلم الثبوت اور لاثانی اُستاد اور اردو میں ناول نویسی کے موجد مانے جاتے ہیں۔ مرحوم کے بعد اُردو زبان نے بہت سے نثار اور فسانہ نگار پیدا کئے لیکن جو مقبولیت اور مرتبہ ان کے حصے میں آیا کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ اُردو زبان ابتدائے پیدائش سے اس وقت تک اس خاص انداز کی نثر نویسی کا نمونہ پیش نہ کر سکی۔ مرحوم کی ہمہ گیر طبیعت میں وہ جادو بھرا تھا جس کی نظیر ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتی۔ "فسانۂ آزاد" اس امر کا ایک زندہ ثبوت ہے کہ جس طرزِ تحریر کے وہ موجد تھے انہی پر ختم بھی ہوا۔ ان کا کلام منظوم بھی اپنے رنگ میں لاجواب اور خاص انداز لئے ہوئے ہے۔

علامۂ کیفی دہلوی مدظلہ نے ادبِ اردو کے مختلف شعبوں میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں ان کا مختصر طور پر بھی ذکر کرنا اس تقریظ میں ایک دشوار امر ہے۔ آپکی تصنیف "مسدس بھارت درپن" اہلِ ہنود کی گذشتہ عظمت۔ موجودہ ناگفتہ بہ حالت

اور آیندہ وسائل ترقی اختیار کرنے کا ایک ایسا مرقع ہے کہ جس کے مقابلہ میں مولانا حالیؔ کا مشہور مسدس "مدو جزر اسلام" بھی پانی بھرتا ہے۔ آپ کا ترکیب بند "عشق" باعتبار موضوع و زباندانی کے اُردو زبان میں ایک لاثانی یادگار ہے۔ ترکیب بند "باغِ دل" اردو کے شعبۂ تصوف میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اعلیٰ درجے کی غزلوں سے قطع نظر کر کے مناظرِ قدرت کے جو مرقعے صاحب موصوف نے اپنے معجز نگار قلم سے کھینچے ہیں اہلِ ملک کے لئے بیش بہا نمونے ہیں۔ آپ کے کلام میں سے کئی چیدہ نظمیں "خمخانۂ کیفی" کے نام سے حضرات محمد عمر نور الٰہی نے طبع کرائی ہیں ان کے مطالعہ سے روشن ہوگا کہ شاعری کی حقیقت کیا ہے۔ چودھری خوشی محمد صاحب ناظرؔ نے (جنھوں نے اس پر ایک مختصر تمہید تحریر فرمائی ہے) اس میں علامہ موصوف کی شاعرانہ قابلیت کی جو تعریف کی ہے قابلِ دید ہے۔ ان کے علاوہ "پریم ترنگنی" کے نام سے آپ نے جو لاجواب تمثیلی نظم تصنیف فرمائی ہے اس کی نظیر اردو لٹریچر میں ناپید ہے۔ اُردو زبان جس قدر بھی اس بیش بہا اضافہ پر ناز کرے بجا ہے۔ بہ حیثیت ایک نقادِ فن اور ڈرامانگار کے بھی آپ کا پایہ نہایت بلند ہے۔ "راج دلاری" اور "مراری داوا" لکھ کر آپ نے اردو میں نئے طرز کی ڈرامانویسی کی بنیاد ڈالدی۔ اول الذکر تصنیف کے لئے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو ۵۰۰ روپیہ کا انعام نذر کیا گیا۔ شہنشاہِ معظم جارج پنجم کے جشن تاجپوشی کے موقع پر تمام ہندوستان کے مشہور شعراء نے جو قصائد پیش کئے ان سب میں آپ کا قصیدہ اول درجے کا قرار دیا گیا جس کے لئے آپ کو ایک تمغۂ طلائی عطا ہوا۔ اس سے بڑھکر ہماری قوم کے ایک زبردست شاعر اور نثر نگار کی ہمہ گیر طبیعت اور خداداد ذہانت وطباعی کا اور کونسا ثبوت زیادہ وزن دار ہو سکتا ہے۔

پنڈت دیا شنکر نسیمؔ مرحوم کے نام نامی سے کون واقف نہیں۔ فنِ مثنوی میں آپ یکتائے روزگار تسلیم کئے گئے ہیں۔ "مثنوی گلزارِ نسیم" کی صنعت کاری کا کون صاحب مذاق قائل نہیں۔ جو تشبیہات اور استعارات اس مثنوی کا زیور ہیں اور

جن اشارات و کنایات سے آپ نے کام لیا ہے ان کی تعریف میں کون رطب اللسان نہیں۔ فصاحت و بلاغت میں اس مثنوی کے جزوِ اعظم ہیں اور اختصار اس کلام کا جوہر ہے۔ سینکڑوں مثنویاں لکھی گئیں۔ ہزاروں قصے منظوم ہوئے۔ بیسیوں شعرا نے جان توڑ کوشش کر کے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مرحوم کے طرزِ ادا کا تتبع کرنا چاہا لیکن کوئی صاحب کمال ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔

علاوہ بیشمار صاحبانِ ذوق اور دلدادگانِ شعر و سخن کے مولوی محمد حسین صاحب آزاد۔ علامہ شبلی نعمانی اور حضرت شوق قدوائی نے جن الفاظ میں اس مثنوی کی تعریف کی ہے ان سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ نسیم مرحوم کو کس بلا کی دقیقہ رس ذہن اور جدت پسند طبیعت ودیعت ہوئی تھی۔ آخر الذکر نے ان کی عقیدت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خود بھی ایک مثنوی "ترانۂ شوق" کے نام سے لکھی۔ لیکن جیسا کہ حضرت شوق نے خود اعتراف کیا ہے "مثنوی گلزارِ نسیم" کے درجے کو نہیں پہنچتی۔ یہ زبانِ اردو کی بدقسمتی تھی کہ نسیم عنفوانِ شباب ہی میں رحلت کر گئے نہیں تو خدا جانے آپ دنیائے ادب میں کیا کچھ کر دکھاتے۔ آپ کی یادگار غزلوں کی تعداد گو بہت کم ہے لیکن ان سے بھی شانِ اُستادی ظاہر ہے۔

پنڈت تربھون ناتھ صاحب ہجر مرحوم کا کلام ملاحظہ فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ اس گمنام صاحبِ کمال اور فطری شاعر نے قسامِ ازل سے کس قسم کی رنگین طبیعت پائی تھی۔ آپ کی طباعی۔ جدت پسندی۔ بے تکلفی۔ سلاست۔ روانی اور دیگر خصوصیات کلام ہر ایک طالبِ کمال کے لئے باعثِ رشک ہیں۔ آپ کی شاعری۔ زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی پر چکبست مرحوم نے "مضامین چکبست" میں کافی روشنی ڈالی ہے اور آپ کو پبلک سے روشناس کرا کے ایک قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔

مندرجہ بالا مستند اور چوٹی کے مصنفوں اور شاعروں کے علاوہ آشفتہ۔ ابر۔ بیدل۔ (کیلاس نرائن) ساقی۔ سعد اور شوق (مولف تذکرہ) کا رنگِ تغزل

اس قسم کی جھلک دکھا رہا ہے کہ پرانے مشہور اساتذہ اور شعرائے شیریں مقال کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے۔ تصوّف اور معرفت میں حضرت ساؔحر دہلوی کا کلام (فارسی و اردو) وجد آفرینی کر رہا ہے۔ شاکرؔ (شیونا تھ کول) اور رضاؔ دو ارکا ناتھ پنڈتا کا طرزِ سخن پرانے رنگ کے ساتھ ساتھ نئے خیالات اور موضوعات کا جامہ پہنے ہوئے نظر آتا ہے۔ زاؔر کے کلام سے ان کی علمی استعداد (خصوصاً فارسی میں) عیاں ہو جاتی ہے۔ صبؔر کی قصیدہ گوئی ایران کے اول درجے کے قصیدہ گو شعراء کی نظموں کا وہ جواب پیش کر رہی ہے کہ اس کی نظیر بمشکل ملے گی۔ پنڈت آنند نرائن صاحب ملا کے رنگِ جدید اور طرزِ سخن کے تیور بتا رہے ہیں کہ اگر آپ کی مشقِ سخن جاری رہی تو وہ زمانہ دور نہیں جب آپ چکبست مرحوم کے ہم پلہ قرار دیئے جائیں گے اور اس کمی کی تلافی کرینگے جو انکی بے وقت موت سے اردو ادب میں واقع ہوئی۔

بے انصافی ہوگی اگر اس سلسلے میں اپنے مشفق دوست اور خواجہ تاش پنڈت دینا ناتھ چکن صاحب مستؔ کا ذکر نہ کروں۔ اس گئے گذرے وقت میں بھی جبکہ کشمیر سے فارسی شاعری کا چراغ روز بروز گل ہو رہا ہے اور اکثر اہلِ وطن اُردو کے مذاقِ صحیح سے نابلد ہیں۔ اگر ناظرین ہندوستان کے موجودہ اور نئے رنگ میں کہنے والوں کے دوش بدوش طرزِ جدید کی شاعری کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہوں تو حضرتِ مستؔ کا کلام پڑھکر ان کو مایوسی نہ ہوگی۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اکثر ان شعراء سے متعلق تھا جنھوں نے ہندوستان میں نام پیدا کیا ہے اور جن میں سے بعض صاحبِ طرز کہلائے۔ اب ایک سرسری نظر ان صاحب کمالوں پر دوڑایئے جو کشمیر کی چار دیواری میں محدود رہے اور جن کی شہرت باوجودیکہ اس امر کی مقتضی تھی کہ اطرافِ عالم میں پھیل جاتی زمانہ کی ناسازگاری اور پریس کی عدم موجودگی کے باعث پردہ اخفا میں پڑی رہی۔ پنڈت تابہ رام ترکی صاحب بیتاؔب نے جنھوں نے ۱۹۰۸ء کرمی میں رحلت کی

رزمیہ نظم لکھنے میں وہ دادِ سخنوری دی ہے کہ باید و شاید۔ ان کا جنگ نامہ پڑھیے تو یہی معلوم ہوگا کہ فردوسی اور نظامی کی روحیں یکجا ہوکر ان کے قالب میں جلوہ گر ہوئی ہیں۔

پنڈت آفتاب بھان صاحب ذکا کا (جو ۱۹۳۳ بکرمی میں وفات پاگئے) کلام بلاغت نظام پیش نظر کیجئے تو دیوانِ شمس تبریز کا رنگ اس میں پرتو پذیر دکھائی دیگا اور بظاہر یہ محسوس ہوگا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی روح ان میں حلول کرگئی تھی۔

کشمیر میں اور کشمیر سے باہر جن کشمیری پنڈت شعراء کا شمار اچھے کہنے والوں میں ہے ان میں سے حضرات بہار۔ خازن۔ خوش دل۔ درویش۔ دیوہ کول رضا۔ زیرک (ہردو)۔ شعلہ۔ وارستہ اور ہرتی وغیرہم کے اشعار ملاحظہ فرمائیے تو ان میں ایران کے مشہور اساتذہ کی بیشتر خصوصیاتِ کلام نظر آئینگی۔ اسی طرح دیگر شعراء بجائے خود اپنے اپنے رنگ میں یکتا نازہیں۔

رسالہ "مشاعرہ" مین پوری بابت ماہ جنوری ۱۹۳۳ء میں مولوی سید نصیر الدین صاحب علوی ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی منصف باندہ نے اس تذکرہ کی جلد اول پر ایک فاضلانہ تبصرہ تحریر فرمایا ہے۔ جس انصاف پسندی اور ژرف نگاہی سے فاضل ریویو نگار نے نکتہ سنجی اور باریک بینی کی داد دی ہے انہی کا حصہ ہے۔ صاحب موصوف کا یہ تبصرہ ایک ادبی مقالہ سے کم نہیں۔ ابتدا میں مختصر مگر جامع طور پر ہندوستان کی تہذیب و تمدن اور تاریخی واقعات کا خاکہ کھینچنے کے بعد ملکی انقلابات اور کشمیری پنڈت صاحبان کا زبانِ فارسی و اردو سے تعلق دکھاتے ہوئے کتاب کے نفسِ مضمون پر اپنی زرّیں رائے کا جو اظہار کیا ہے اس سے آپ کی وسیع معلومات اور ادبی لیاقت کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ برہمن۔ درویش۔ اصغری۔ اکبری۔ ضمیر۔ سرور۔ ساقی۔ آذر۔ اشکی۔ ایمن۔ بیدل۔ توقیر۔ خوشدل۔ دریا۔ بسمل۔ رضا۔ صبر۔ سرشار اور تا بدراہم ترکی بیتاب کا نمونہ کلام پیش کرکے

آپ فرماتے ہیں اور بجا فرماتے ہیں "مندرجۂ بالا مختلف کاشمیری پنڈت صاحبان کے جواہر ادبیہ بتلاتے ہیں کہ ان کی غزلیات میں فغانی۔ سعدی۔ حافظ شیرازی۔ جامی۔ خسرو۔ طالب آملی۔ کلیم۔ نظیری نیشاپوری۔ صائب۔ شیخ علی حزیں۔ اور قاآنی وغیرہم کی کیفیات موجود ہیں۔ رباعیات میں عمر خیام۔ ابوسعید ابوالخیر اور سرمد رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ جھلک رہا ہے۔ قصیدے میں وہ فیضی۔ عرفی۔ انوری کے پیروان خاص اور مثنوی میں گو فردوسی مثال نہ ہوں لیکن جامی۔ نظامی کے مقلدین باختصاص ہیں۔ ان کے قلم نے تصوف۔ فلسفہ۔ پند۔ موعظت۔ عشق۔ معرفت۔ شوخی۔ معاملہ بندی تخیل و محاکات۔ غرض انواع و اقسام کے جذبات و خیالات کے دریا بہا دئے ہیں۔ ان کے کلام کو دیکھ کر یہ خیال ہی نہیں ہوتا کہ وہ اساتذۂ ایران واسلام کا کلام نہیں"۔

قصیدے کے بارے میں صاحب موصوف لکھتے ہیں "قصیدہ گوئی کے مہذب کاسہ گدائی ہونے میں شک نہیں۔ غالباً اس قوم کی غیرت نے انہیں اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ تاہم جن لوگوں نے ضرورتاً اس میدان میں قلم زنی کی اور قصیدے کہے۔ خوب کہے"۔

اپنے قول کی تائید میں مولوی صاحب نے سرشار اور سعد کے قصائد سے نمونے دئے ہیں[1]

رباعی کے متعلق فاضل مضمون نگار کے الفاظ ملاحظہ ہوں "اردو میں یہ صنف بہت کم لوگوں کا شعار رہی ہے اور ہر ایک شاعر کا اس ذیل میں بہت کم کلام ہاتھ آتا ہے۔ جو رباعیات ہاتھ آئی ہیں خوب اور بہت خوب ہیں" اس کے ثبوت میں ابر۔ راقم الحروف اور آذر کی ایک ایک رباعی درج کی گئی ہے۔

غزل پر اظہار رائے کرتے ہوئے صاحب موصوف رقمطراز ہیں :- فارسی کی طرح

---

[1] معلوم ہوتا ہے فاضل ریویو نگار نے "خمیہ" کا مطالعہ نہیں فرمایا ہے ورنہ ان کی ۔۔۔ غزل میں بیدار ... اور قصیدے میں ... نظر انداز نہ ہو جاتے۔ (طالب)

اردو میں بھی یہ قوم اس میدان میں بہت ہی عالی پایہ پر جلوہ گر ہے اور اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ سراپا حسن ہونے کے باعث سراپا درد بھی ہے۔ اسکے احساسات و جذبات مشتعل ہیں اور یہ وہ شے ہے جس سے قالبِ تغزل میں روح پھونکتی ہے۔ کشمیری پنڈتوں نے بھی عام ہندوستانی اساتذہ کی طرح عہد بہ عہد محبوبۂ غزلِ اردو کو نئے نئے جامے پہنائے اور حسن و عشق۔ ہجر و وصال۔ درد۔ سوز۔ حبِ قوم۔ حبِ ملک۔ بیزاریِ دنیا۔ معرفت۔ تصوف۔ فلسفہ وغیرہ کے بیل بوٹوں سے اس کے جامہ کو گلکار کیا ہے۔"

اس سلسلے میں مولوی صاحب نے اکبری۔ بیدل۔ تاباں۔ توقیر۔ چاند۔ ابر۔ رکن۔ رند۔ ساحر۔ سرشار۔ شاد۔ شوق۔ چکبست اور پنڈت اوتار لال بقایا کے کلام سے نمونے پیش کئے ہیں۔

آگے چل کر رنگِ جدید میں پنڈت آنند نرائن صاحب ملّا اور راقم الحروف کی ایک ایک نظم درج کرکے مجموعی طور پر اپنی رائے کا خلاصہ یوں درج کرتے ہیں:۔

"کلام محولۂ بالا میں میر۔ سودا۔ آتش۔ ناسخ۔ غالب۔ ذوق۔ انیس۔ امیر۔ داغ۔ اکبر۔ حالی و اقبال اور جملہ اساتذۂ اردو کے کلام کی سی پختگی و سلیم المذاقی موجود ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ آتش۔ انیس۔ غالب سے چونکہ اس قوم کو خاص عقیدت ہے لہٰذا ان کے کلام میں ان کی کیفیات زیادہ پائی جاتی ہیں اور لکھنؤ اور دہلی اسکول کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔"

یہ صاحب موصوف کی دریا دلی کہوں یا حسنِ ظن کہ ناچیز راقم الحروف کو اس قابل سمجھا گیا کہ رباعی اور طرزِ جدید کے سلسلے میں اسکا بھی ذکر آگیا۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

تذکرے کے محاسن کی نسبت تو میں ہرزہ سرائی کر چکا۔ اب اسکے نقائص کی جانب خیال کیجئے۔ قطع نظر چند فروگذاشتوں اور خامیوں کے جن کی نسبت مولوی سید نصیر الدین صاحب علوی نے اشارہ کیا ہے اور جو راقم الحروف سے بھی تذکرہ کے سرسری مطالعہ کرنے پر نظر انداز نہ ہوئیں اور جن کی طرف حضرت مولف کو اس سے بیشتر توجہ دلائی گئی اس میں اور نقائص بھی موجود ہیں۔ مثلاً آشفتہ دہلوی کے متعلق فقط تذکرہ "خمخانۂ جاوید" سے

حالات نقل کرنے پر اکتفا کی گئی ہے حالانکہ ایسے شاعر کی بنسبت مزید حالات اور کلام بہم پہنچانے میں زیادہ تحقیق وتلاش کی ضرورت تھی۔ عرصہ ہوا کہ ایک بزرگ قوم کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ حضرتِ آشفتہ نے ایک قابل قدر مثنوی (غالباً قصہ حاتم طائی) تصنیف فرمائی تھی اگر بزرگانِ قوم سے استفسار فرمایا جاتا تو غالباً کسی نہ کسی کے پاس اس کی نقل مل جاتی۔ اس کا انتخاب درج کرنے سے قارئین کرام یقیناً محظوظ ہو جاتے اور حضرتِ آشفتہ کے جوہرِ قابلیت زیادہ واضح طور پر نمایاں ہو جاتے۔ پنڈت آنند نرائن صاحب ملا ایک نوجوان ہونہار۔ زندہ دل اور موزوں طبع شاعر ہیں۔ ان کے حالات اور انتخابِ کلام کا حصہ اس تذکرے میں جتنا درج ہونا چاہیئے تھا نہیں ہے۔ میری رائے میں انکے متعلق حالات کا دستیاب ہونا یا ان کے کلام کا حسب ضرورت بہم پہنچانا مشکل نہ تھا۔ برخلاف اس کے بعض شعراء کے تحت میں زائد از ضرورت اشعار نقل کئے گئے ہیں بعض شعراء کے حصۂ کلام میں تضمین کی نظمیں بکثرت درج کی گئی ہیں جو طویل ہونے کے باعث پڑھنے والے کی طبیعت پر گراں معلوم ہوتی ہیں خصوصاً اس حالت میں کہ جب ان میں کوئی خاص دلکشی یا لطافت نہ ہو۔ مثال کے طور پر صابر کا کلام لیجئے جس کے لئے تقریباً تیس صفحے سیاہ کئے گئے ہیں۔ اس قسم کا انتخاب دینے سے بجائے اس کے کہ ناظرین کی دلچسپی کا سامان مہیا کیا جائے اور شاعر کے حسنِ بیان کا اظہار ہو انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے اور سخنگو کے عیوب کلام بکثرت منکشف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جناب صاحب کے حالات میں اختصار سے کام لینا چاہیئے تھا۔ مانا کہ حضرت صاحب شاعر بھی تھے اور ان کے حالاتِ زندگی سبق آموز بھی ضرور ہیں لیکن ایسے تذکرے میں ہر شاعر کے حالات کی کمی وبیشی کا انحصار اس کی شاعرانہ قابلیت اور زورِ طبع پر ہونا چاہیئے نہ کہ دیگر خصوصیات پر اس لئے کہ یہ تذکرہ ہے نہ کہ تواریخ۔

اخیر میں جناب شوق کی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کا ذکر نہ کرنا بعید از انصاف ہوگا جنھوں نے نہایت عرقریزی۔ جانفشانی۔ محنت شاقہ اور کاوش سے اس تذکرے کو مرتب کرکے اہلِ قوم کے حق میں احسان کی ہے۔ ایک تذکرہ نویس کو سینکڑوں

گمنام شعراء کے حالات بہم پہنچانے اور ان کو بالترتیب یکجا کرنے میں جن جن دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنھوں نے کبھی ایسے مشکل اور اہم کام کے لئے قلم اٹھایا ہو۔ میرا اپنا تجربہ شاہد ہے کہ جس وقت میں نے جناب شوق کی تعمیل ارشاد میں کشمیر کے فارسی شعراء کے حالات و کلام جمع کرنے کی کوشش کی تو کس قدر زیر باری اور دردسری کا شکار ہونا پڑا۔ باوجود ان تمام سہولتوں کے جو مجھے ایک مقامی آدمی کی حیثیت سے میسر تھیں اور اپنے بعض کرمفرماؤں اور علم دوست اصحاب کی اعانت شاملِ حال رہی محض چند شعراء کے حالات و کلام جمع کرنے کے لئے تقریباً دو سال تک دربدر خاک چھاننی پڑی اور پھر بھی خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ میرے مشفق دوست حضرتِ مست جن کو میں نے اکثر اوقات اس تلاش کے دوران میں ہمراہی کی تکلیف دی اس بیان کے شاہد ہیں۔ بصد مشکل آخون[1] (پنڈت ٹیکا رام جیو) ۔ آخون[2] (پنڈت لچھمن بٹ) ۔ بدر[3] ۔ بہار[4] (پنڈت لسہ کول) ۔ بقا[5] ۔ بلبل[6] ۔ بیتاب[7] (پنڈت تابہ رام ترکی) ۔ ثابت[8] ۔ چالاک[9] ۔ حضوری[10] (پنڈت دیوہ رام کاچرو) ۔ حضوری[11] (پنڈت ہرہ کول) ۔ خازن[12] ۔ خستہ[13] ۔ دلگیر[14] ۔ دیری[15] ۔ دیوہ[16] ۔ روشن[17] ۔ سائل[18] ۔ سعادت[19] ۔ سالک[20] ۔ سخنور[21] ۔ شاد[22] ۔ وفا[23] (پنڈت دیوہ رام سادھو) ۔ صبا[24] (پنڈت کیلاس کول) ۔ طالع[25] ۔ غیوری[26] ۔ فرخ[27] ۔ ماہ[28] ۔ مسرور[29] (پنڈت بلہ کاک فوطہ دار) ۔ مسکین[30] ۔ ناصر[31] ۔ نیکو[32] ۔ واسدیو[33] ۔ وارستہ[34] ۔ ہندو[35] ۔ ہری[36] ۔ پنڈت کرشن داس مٹھو[37] ۔ بختور[38] ۔ وشن[39] ۔ شاکر[40] (پنڈت کاشی ناتھ) ۔ وغیرہ کے حالات و کلام (اور وہ بھی بعض صورتوں میں نامکمل) دستیاب ہوئے۔ اس سے ناظرین والاتمکین خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ جب ان معدودے چند شعراء کی فراہمی سوانح و کلام میں مجھے اتنی دقتیں پیش آئیں تو جس صاحب کو

سینکڑوں شاعروں کے حالات وکلام کی تحقیق وتلاش مطلوب ہو اور وہ بھی دور اُفتادہ مقامات سے تو اس کی دقتوں اور مشکلات کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔

حضراتِ بیخبرؔ اور گلشنؔ بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اس تذکرے کی اشاعت وترتیب اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

میری دلی دعا ہے کہ جناب شوقؔ اور ان کے معاونین کو خدائے بزرگ وبرتر درازیِ عمر وصحت عطا کرے "تاکہ وہ بیش از پیش ایسے قومی کام انجام دینے کے قابل اور "بہارِ گلشنِ کشمیر" کا دوسرا ایڈیشن جامع ومکمل طور پر عنقریب شائع کرنے پر قادر ہوں۔ آمین ثم آمین۔ فقط

مرقومہ ۲۵ ؍ اپریل ۱۹۳۳ء

تقریظ منظوم از رشحۂ خامۂ جادو طراز سخنور نکتہ سنج
جناب پنڈت شیونا تھ کول صاحب شاکر

اپنے مخدوم و کرمفرما جنابِ شوق کا ۔۔۔ شکر ہم ہر وقت کرتے ہیں تہِ دل سے ادا
تذکرے کے دونوں حصّے ہیں جو پہلے دوسرے ۔۔۔ ہو گئے ہیں طبع کے زیور سے وہ آراستا
آپ کے لطف و عنایت کا ہو کیا ہم سے بیاں ۔۔۔ آپ کے خلق و محبّت کی ہے شہرت جابجا
آپ کا حسنِ لیاقت ۔ آفریں صد آفریں ۔۔۔ آپ کا رنگِ طبیعت ۔ مرحبا صد مرحبا
بے گماں ہے لایقِ داد ۔ آپ کی طبعِ بلند ۔۔۔ واقعی ہے قابلِ صاد ۔ آپ کی فکرِ رسا
تذکرہ شعرائے قومی کا جو لکھا آپ نے ۔۔۔ ہم تو کہتے ہیں کہ کوزے میں سمندر بھر دیا

اس سے پہلے جلد اول چھپ کے جب شائع ہوئی ۔۔۔ پڑھ کر اُس کو ہو گیا مسرور ۔ ہر چھوٹا بڑا
جس نے دیکھی شان اُسکی ۔ رہ گیا حیران وہ ۔۔۔ جس نے دیکھا حسن اُس کا ۔ بول اُٹھا واہ وا
ہے ورق ایک ایک اسکا رشکِ روئے گلرخاں ۔۔۔ اور ہے ایک ایک صفحہ اُس کا ماہ و مہ لقا
اُس پہ ہیں سو جان سے قربان مہر و ماہتاب ۔۔۔ اُس کا ایک اک شعر ہے ایسا لطیف و پُر ضیا
اُسکے ایک اک حرف سے ۔ بے آب موتی کی لڑی ۔۔۔ اُسکے ایک ایک لفظ سے ۔ شرمندہ لعلِ بے بہا
اس کے صفحوں پر نظر آتے ہیں نقطے اس طرح ۔۔۔ آسماں پر جیسے بکھرے ہوں ستارے جا بجا
بندشیں بھی چست ہیں الفاظ بھی ہیں دلفریب ۔۔۔ کیوں نہ ہو کانِ فصاحت قوم کا یہ تذکرا
یہ فصاحت ۔ یہ بلاغت ۔ یہ سلاست ۔ یہ زباں ۔۔۔ یہ نفاست ۔ یہ لطافت ۔ یہ متانت ۔ یہ ادا
چشمِ بد دور اس میں آتا ہے نظر ہر اہلِ قوم ۔۔۔ اہلِ علم و اہلِ فضل و صاحبِ فکرِ رسا

شاعری کو جو سمجھتے تھے کہ ہے شغلِ فضول ۔۔۔ اور شوقِ شعر گوئی کو جو کہتے تھے بُرا
جب پڑھا یہ تذکرہ ۔ عقل اُنکی حیران ہو گئی ۔۔۔ اور ذوقِ شاعری بھی دل میں پیدا ہو گیا
شاعری سے ہی عروجِ فکر ہے انسان کو ۔۔۔ شاعری میں ہی زباندانی کا آتا ہے مزا

شاعری سے آدمی میں جوہرِ تہذیب ہے
شاعری سے سیکھتا ہے ہر بشر خلق و وفا

شاعری کا دامنِ دل پر نہ جسکے رنگ ہو
کام کا کب ہے وہ کورا آدمی ہے نام کا

شاعری سے آدمی کو آتی ہے انسانیت
سچ جو پوچھو شاعری میں ہے کوئی جلوہ نما

آدمی وہ کیا۔ جسے شعر و سخن کا ہو نہ ذوق
پھول وہ کیا۔ ہو نہ جس میں رنگ و بُو گلزار کا

آنکھ وہ کیا۔ جس میں کچھ تاثیر کی طاقت نہ ہو
دل وہ کیا۔ دردِ محبت سے نہ ہو جو آشنا

وہ بدن کیا۔ ہو نہ جس میں رونقِ عہدِ شباب
وہ چمن کیا۔ ہو نہ جو فرحت فزا و پُر فضا

وہ بیاں کیا ہے۔ نہ ہوں جس میں بیانِ جذباتِ دل
وہ زباں کیا ہے۔ جو گویائی سے ہو نا آشنا

مختصر اب عرض کرتا ہوں جو کرنی ہے مجھے
کیوں ہو بارِ خاطرِ احباب طولِ مدعا

یہ بہارِ گلشنِ کشمیر کی جلدِ دوم
ہو گئی تیار چھپ کر اب بفضلِ کبریا

طائرِ مضموں ہیں اب شاخوں پر اسکی نغمہ زن
چھپ گئی یہ کیا کہ گویا در قفس کا کھل گیا

درحقیقت یہ "بہارِ گلشنِ کشمیر" ہے
کر نہیں سکتا ہے کوئی اس میں ہیچ چون و چرا

سیر کرتے ہیں یہیں سے گلشنِ کشمیر کی
مل گئی گھر بیٹھے ہم کو باغِ جنت کی فضا

کیا طرب افزا بہارِ گلشنِ کشمیر ہے
کیوں نہ ہو قربان اس پر جانِ اربابِ صفا

یہ وہ گلشن ہے خزاں اس میں نہ آئے گی کبھی
یہ وہ گلبن ہے۔ رہیگا جو ہمیشہ پھولا پھلا

اس میں آکر بس گئے ہیں قوم کے خورد و کلاں
اس میں آتے ہیں نظر خویش و عزیز و اقربا

جن کے گھر ہی میں بہارِ گلشنِ کشمیر ہو
گلشنِ فردوس میں کیا آئے پھر اس کو مزا

ہم کو گھر بیٹھے میسر سیر ہے کشمیر کی
ہم اب اپنے بھائیوں سے ملتے ہیں صبح و مسا

حضرتِ شوق آپ کی فکرِ رسا اعجاز ہے
سارے قومی بھائیوں کو [illegible] یکجا کر دیا

کر دکھایا زندۂ جاوید اہلِ قوم کو
واقعی یہ آپ نے کام مسیحائی کیا

دل میں جو ہردم ہے میرے - وہ یہی ہے آرزو
لب پہ جو ہر وقت ہے میرے - یہی ہے وہ دعا
گلشنِ قوم اپنا رونق پر رہے یا رب مدام
ہو نمونہ یہ بہارِ گلشنِ کشمیر کا

سب پہ اسکو فوق ہو شاکرؔ - یہی فایق رہے
خوبیوں میں اس کا ثانی ہو نہ کوئی دوسرا

فقط

قطعہ تاریخی از نتیجۂ فکر شاعر نازک خیال سخنور عالی ہمم
جناب پنڈت کنور گوری پرشاد صاحب ہمدمؔ اکبرآبادی

رشک فردوس کر دیا کشمیر
ہے بڑی بات نام کا رہنا
سر فدا کرنے آ رہی ہے بہار
حضرتِ شوقؔ واہ کیا کہنا

۱۴۰۸ + ۴۰۶   ۱۲ + ۳۱ + ۷۱

۱۹۳۳ء
۱۹۳۱ء

قطعہ تاریخ

از نتائجِ افکارِ گہربار عندلیبِ ریاضِ سخن
جناب دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب گلشن
رئیسِ لاہور

کشمر کے گلشن کی بہار — آہا! کیا روحانی ہے
سخن کے پھول کھلاتی ہے — خوشبو بھی مستانی ہے

نغمۂ بلبل سن گلشن
تذکرہ لاثانی ہے

۱۹۳۲ء

فہرست شعرائے مندرجہ تذکرہ بہار گلشن کشمیر جلد ثانی

بہ لحاظ تخلص

فہرست شعرا مندرجۂ ضمیمۂ جلد اوّل

فہرست تصاویر شعرائے مندرجہ تذکرہ بہار گلشن کشمیر جلد ثانی

بہ لحاظ تخلص

نوٹ:- تذکرہ "بہار گلشن کشمیر" کی جلد اول کے شائع ہونے کے بعد تصاویر دستیاب ہوئیں اس لئے:

(۱) پنڈت چندر بھان برہمن کے حالات اور کلام جلد اول میں صفحہ ۱۱۳ پر

(۲) پنڈت دھرم چند کول بلالی کے حالات اور کلام جلد اول میں صفحہ ۱۹۵ پر اور

(۳) پنڈت جنمیر ناتھ سپرو صابر کے حالات اور کلام جلد اول میں صفحہ ۲۱۵ پر ملاحظہ کیجئے۔



پنڈت شیو نراین بھان ۔ عاجز

اوم

تذکرہ بہار گلشن کشمیر

جلد دوم

عاجز پنڈت شیونرائن بھان صاحب خلف اکبر پنڈت سروپ نرائن بھان صاحب عاصی۔ آپ ہائی اسکول جموں ریاست کشمیر میں ایک مدت تک ہیڈ ماسٹر رہے اور اس کے بعد انسپکٹر مدارس مقرر ہوگئے اب آپ مستفید پنشن ہوکر جموں میں قیام پذیر ہیں۔

قطعہ تاریخ ناول موسوم بہ حیرت مصنفہ جناب ہمدم اکبرآبادی

کیا نثر تمہاری دل کشا ہے   اور نظم تمہاری بے بہا ہے
کیا کہنا تمہارا واہ ہمدم   ہر بات میں اک نیا مزا ہے
ہر بات نئی ہی سوجھتی ہے   کیا ذہن رسا ہے کیا ذکا ہے
مضمون رنگین عجب بندش   ہر فقرہ تمہارا چلبلا ہے
حیرت ناول کی دھوم سن کر   ہر ایک خریدنے چلا ہے
حاصل کرتے ہیں لوگ عبرت   ہر قول نصائح سے بھرا ہے
پڑھ کر حیرت کو سب ہیں حیراں   ہر لب پہ تمہاری واہ واہ ہے

سال ہجری میں لکھ دو تاریخ
اچھا یہ گلشن فضا ہے

۱۳۲۱ھ

عاجزؔ۔ پنڈت لچھمی نارائن بھان صاحب

خلف اکبر پنڈت جگت نرائن بھان صاحب۔ مفصل حالات عاصی اور خادم کی سوانح عمری میں درج ہیں۔ آپ فقیر منش بزرگ تھے ادھر ایشور بھگتی کی طرف آپ کی طبیعت کا زیادہ رجحان تھا۔

پرتھم میں گنیش جی کو دھیاؤں ۔۔۔ چرنوں میں اُنھوں کے سر نواؤں
جاسوں مجھے برہم گیان ہووے ۔۔۔ ست کرم میں میرا دھیان ہووے
بجے بجے سری کرشن جی مہاراج ۔۔۔ جگ کے تمہی سب سنوار ہو کاج
برہما بشن اور مہیش تم ہو ۔۔۔ بھیروں ٹھگ اور گنیش تم ہو
ایکادش رودر اور ہنومان ۔۔۔ سب انش تمہارے ہیں یہ بھگوان
رزبھے نرلیپ اور نراکار ۔۔۔ تم جوتی سروپ ہو نرادھار
سب لوک کے ناتھ ہو بدھاتا ۔۔۔ تم سرب ستی ہو پران داتا
آکاش پرتھی میں جو رچا ہے ۔۔۔ سبادا پرکاش آپ کا ہے
رکھو من دلی دیو اور تیج نیہ ۔۔۔ تیرے ہی سروپ ہیں یہ ایشور
سورج بشنو اندر اور چندرما ۔۔۔ تم سب میں بڑا جو پرم آنند
سب سے ملے اور سب سے نیارے ۔۔۔ تم نے یہ اننت روپ دھارے
تم بن کہوں اشتر کون سے کو ۔۔۔ جو ورشٹ میں آرہے ہے سو تم ہو
کچھ اور تو جانتا نہیں ہیں ۔۔۔ تم سب میں ہو اور تم میں سب ہیں
پرم ایشر پرم برہم سب کے ناتھ ۔۔۔ سر پر دھرے اپنا تم دھر دیا ہاتھ
یہ کون سی بات ہے بتاؤ ۔۔۔ اپنی مجھے یاد دے بھلاؤ
مجکو بھی تو اپنی بھگت دیجے ۔۔۔ دھرم اور کرم کی شکست دیجے
بھگوان یہ میری بنتی سن لو ۔۔۔ نرمل مری بدھی ایسی کر دو

جس سے تمھیں رات دن میں پاؤں
کسی اور میں من نہیں لگاؤں

ہے پربھو جو تمھارے چیت کو بھاوے
مجھے وہی ہر سمے بن آوے

کوئی ایسی کرپا ہو مو پہ ہے رام
بولیں مرے روم روم ہر نام

اچھا نہیں من میں کچھ دھروں میں
سب برہم کے آرپن کروں میں

اُپجے مرے چیت سے وہ کوئی گیان
جس سے پڑے تمھاری پہچان

سنسار کی ساری بات تج دوں
ہر چھن چھن میں تمھارا نام سمروں

من اور کرم سے مرا ہٹ جائے
چرنوں میں رہے تمھارے ہی آئے

ولہ

گنہ بخشو مرے سیتا کی عصمت کے تصدق میں
گنہ بخشو مرے رادھا کی الفت کے تصدق میں

سراپا جرم ہوں افعال سے اپنے میں نادم ہوں
مری بخشش ہو بھرت کی محبت کے تصدق میں

تعجب کیا جو ہو دیں عفو میرے جرم اور عصیاں
سدا ما کے سفر کی رنج و محنت کے تصدق میں

خطا و جرم سے میرے گذر اے صاحب حشمت
ہنومان جری کے زور و قوت کے تصدق میں

چھڑا دو مجکو اس زندان غم سے اے مرے مالک
جناب جانکی کی قید حسرت کے تصدق میں

مجھے اس کلبۂ احزاں سے اب جلدی رہائی دو
شری دیول منی کے زہد و طاعت کے تصدق میں

ترا ہی نام سمروں رات دن توفیق ایسی دے
شری دوارامتی کے کاخ و دولت کے تصدق میں

مجھے دونوں جہاں کی آبرو اور سرخروئی بخش
شری دُرپدستا کے پاس حرمت کے تصدق میں

مری عرض تمنا کو ملے درجہ اجابت کا
دُھرو سے بھگت کے ذوق عبادت کے تصدق میں

پڑا ہوں بیکس و تنہا خبر اے رام میری لو
شہ سگریو و انگد کی رفاقت کے تصدق میں

کرم سے اپنے میرا نامۂ اعمال مسعود کیجے
شری گنگا کی ہر اک موج رحمت کے تصدق میں

مجھے سر منزل مقصود دل پر اپنے پہنچا دو
طواف برج اور اسکی زیارت کے تصدق میں

طلوع صبح عشرت سے بدل ہو شام ناکامی
شب راس اور اسکے جشن عشرت کے تصدق میں

فنا دشمن ہو اور قائم ملے ہو کامنا پوری
تری قدرت و قوت اور شفقت کے تصدق میں

عطا کر نعمتِ دنیا بحسبِ خواہشِ خاطر — شری بادِ نکی چھل بل کی سخاوت کے تصدق میں
مرے دامِ تمنا میں پھنسا دے صیدِ مطلب کا — جٹایو طائرِ فرخندہ طلعت کے تصدق میں
مری کشتِ تمنا کو کرو شاداب رحمت سے — شری بندرابنِ محمود جنت کے تصدق میں
میں عاجز ہوں تو توانا ہے میں سائل ہوں تو داتا ہے — عفو کر جرم میرا فضل و رحمت کے تصدق میں

ولہ

دلا تجھکو گدائے درِ رگھبیر کافی ہے — حصولِ عیشِ دایم کو یہی تدبیر کافی ہے
نہیں درکار دیہیم و سریرِ خسروی ہم کو — ہمیں اقلیمِ عشقِ رام کی جاگیر کافی ہے
زباں سے نام سیتارام نکلے تا دمِ آخر — دلا دردِ محبت کی یہی تاثیر کافی ہے
برائے قطعِ زنجیرِ غم و افلاس و ناکامی — شری رگھبیر بھجن کی ہاتھ میں شمشیر کافی ہے
کہیں گو ہمکو کافر غم نہیں تسکین خاطر کو — جناب جانکی و رام کی تصویر کافی ہے
نہیں ہے منعمانِ دہر کی پروا ذرا ہمکو — ہمیں عاجز گدائے درِ رگھبیر کافی ہے

عاجز۔ پنڈت موتی لال کول شرغہ صاحب خلف پنڈت مہتاب رائے صاحب لکھنوی

آپ کے حالات زندگی جناب پنڈت برجکشور شیوپوری صاحب ریٹائرڈ تحصیلدار ریاست بھرتپور کے ارقام فرمائے ہوئے ہیں جو نہایت شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

جناب عاجز کے والد ماجد پنڈت مہتاب رائے صاحب پوسٹ ماسٹر تھے۔ جب وہ جوانی ہی میں انکی بصارت نے جواب دیا تو انھوں نے اپنی جگہ پر اپنے خویش بہنوئی پنڈت گوری شنکر صاحب شیوپوری دفت جبلی کو مقرر کرایا اور خود خانہ نشین ہو گئے۔ پنڈت موتی لال صاحب کے ایک بڑے بھائی پنڈت کنہیا لال صاحب مشتاق تھے اور چار بہنیں تھیں۔ بڑی ہمشیر پنڈت برجکشور صاحب کی والدہ تھیں۔ اور سب سے چھوٹی بہن پنڈت جواہر لال در صاحب کے عقد میں آئی تھیں۔ جنکے لڑکے پنڈت اقبال کشن صاحب کشمیر میں اکاؤنٹینٹ جنرل رہکر حال میں مستعفی پنشن ہوئے ہیں۔ عاجز اور مشتاق دونوں بھائیوں نے اپنی ماموں پنڈت شیو پرشاد کاک صاحب متخلص بہ مجبور کی خدمت میں رہکر تربیت و تعلیم پائی۔ اس سلسلہ میں جناب مجبور کے حالات زندگی ملاحظہ ہوں۔ جناب موصوف جب میر منشی ایجنسی راجپوتانہ تھے۔ ہوکر

بھرتپور سے اجمیر چلے گئے تو انکی جگہ پر موتی لال صاحب پولیٹکل ایجنسی بھرتپور میں میر منشی مامور ہوئے اور تین سال بعد آپ بھرتپور سے پولیٹکل ایجنسی الور میں تبدیل ہو گئے۔ پولیٹکل ایجنسی بھوپال میں پنڈت درگا پرشاد صاحب کاک منجانب ریاست عہدۂ وکالت پر مامور تھے جو اس زمانہ میں ایک ممتاز اور جلیل القدر عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ پنڈت صاحب موصوف نے جناب عاجزؔ کو وہاں طلب کر لیا اور اپنا نائب بنایا۔ بعد وفات کاک صاحب آپ عہدۂ وکالت پر سرفراز ہوئے کئی سال نیک نامی سے اپنے فرائض منصبی آپنے انجام دئے اور اسکے بعد آپ ریزیڈنسی گوالیار میں میر منشی مقرر کئے گئے۔ بھائی کے انتقال کرنے پر جناب پنڈت موتی لال صاحب ملازمت چھوڑ کر بھرتپور تشریف لے آئے آپکو بھائی کی جدائی کا بڑا غم ہوا تھا۔ استغفار و گریہ وزاری کرتے تھے کہ بصارت میں کمی آگئی۔ ۱۳۰۳ھ میں مہاراجہ صاحب منگل سنگھ والی ریاست الور کو ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے ضرورت ایک قابل اور ماہر افسر کی ہوئی۔ مہاراجہ صاحب نے اپنا وکیل و مختار بنا کر آپکو کوہ آبو پر بھیجا مقدمہ مہاراجہ کے حق میں فیصل ہوا۔ پھر مہاراجہ صاحب نے آپکو خاص الور کا تحصیلدار مقرر کر دیا۔ بینائی نے جواب دیدیا تھا آپکو الور سے بھرتپور آنا پڑا۔ اسی عرصہ میں آپکے اہل خانہ کا بعارضہ تپ دق انتقال ہو گیا۔ ۱۳۰۸ھ میں آپنے پنڈت امرناتھ جی کو متبنیٰ کیا ۱۳۱۵ھ میں بمقام دہلی آپ نے جنت کی راہ لی۔ امرناتھ جی اسوقت تک نارتھ ویسٹرن ریلوے میں بمقام جیند گارڈ ہیں۔ جناب پنڈت موتی لال صاحب بڑے سادہ مزاج خلیق ماہر فنون تھے آپکو علم موسیقی میں بھی دخل تھا ستار، دف و چنگ وغیرہ کے بڑے مشتاق تھے گنجفہ شطرنج چوسر اکثر کھیلتے تھے۔ اور پتنگ اڑانے میں بھی آپکو کمال تھا۔ جناب مرحوم کی پنڈت برجکشور شیوپوری صاحب پر کمال شفقت تھی۔ حالت بینائی میں تصنیف دیوان فارسی پر توجہ تھی اور اپنا کلام تحریر کراتے تھے۔ افسوس کہ جناب عاجزؔ کی تصنیفات باوجود کوشش کے دستیاب نہ ہو سکیں

عمر است کہ بیتاب ہمی بینی آں را — نقشے است کہ بر آب ہمی بینی آں را
دنیا خوابے ہست نہ کانی در روے — خوابے است کہ در خواب ہمی بینی آں را

غزلیات

عقدۂ گیسوئے پیچان تو بے چیزے نیست — آب و تاب رخ تابان تو بے چیزے نیست
چشمۂ آب حیات است پئے تشنہ لباں — شہرۂ چاہ زنخدان تو بے چیزے نیست
شمع ساں قطرہ زنی از سوختن پروانہ — جا تپش سوزش پنہان تو بے چیزے نیست
برگ ریزی مگر از نخل حیا تخم نواہی — گل صد برگ بداماں تو بے چیزے نیست
چہرہ زرد ہم زردی از حسن و ہراجان ادی — ایں نمود اری احسان تو بے چیزے نیست

صاف ایاست به گل کردنِ شمع جانم — چشمکی از لبِ خندانِ تو بے چیزے نیست
مصحفِ چهره که با کاکلِ هندو یک جاست — دعویٔ کفر به ایمانِ تو بے چیزے نیست
دیده باید که چو خو تنها سیرِ بازار کند — هر طرف جنبشِ مژگانِ تو بے چیزے نیست
رهزنت زلفِ سیه آمده عاجز ورنه — هر شبے خوابِ پریشانِ تو بے چیزے نیست

انداخت گرچه پردهٔ نور آفتابِ ما — یک ذره هم نماند زجانان حجابِ ما
از سوزِ معرفت چه بود التهابِ ما — جز شعشعهٔ جمال نباشد نقابِ ما
گو هست ما و من عقبِ خاک و آبِ ما — میخواست از یکے دلِ خانه خرابِ ما
دل بسته ایم تا بجمالِ جمیلِ یار — در سلکِ وحدت آمده دُرِّ خوشابِ ما
نقشے برآب در دلِ ما شکلِ عالم است — چرچید بر طلاطمِ دریا حبابِ ما
رندیم مست و بیخود و از خود خدا شناس — مفهومِ غیر کفر بود در حسابِ ما
از قطره بحر آمده و ز بحر قطره شد — موجِ تناسخ است درین انقلابِ ما
آن دل رمیده ایم که یکدم قرار نیست — سیماب پاره پاره شد از اضطرابِ ما

عاجز چو در مقامِ صفوت قدم زدیم
الله باد ناظرِ عیب و صوابِ ما

فدا ایم کرد اگرچه چشمِ آن شوخ — بود چشمِ تر هم از آن شوخ
خوشا وقتے ز گردش هاے گردون — که باشم مهمان و میزبان شوخ
خطاها بخشد و بے جرم گیرد — نباشد کس نظیرش در جهان شوخ
خبردار است لیکن از تغافل — نگیرد نامِ ما را بر زبان شوخ

خدا محبوب را توفیق بخشد
ز عاجز بے سبب شد سرگران شوخ

دلبرا مائلِ اغیار مباش — دور از طالبِ دیدار مباش
دلبری لازمهٔ عشق بود — بر درِ عشق خطاکار مباش

بحرِ اشتغالِ دل اندر محفل جز به عشاق طلب گار مباش
عاجزا در غمِ جاناں پرہیز
غافل از دیدۂ خونبار مباش

اے دل ز خویش رفتۂ رفتار کیستی سوداز دہ ز گیسوئے خمدار کیستی
داری چہ انقباض بہ افراطِ انتشار آخر بمن بگو کہ ہوا دارِ کیستی
دانی۔ مگر ہمتی صہبائے عاشقی مطلوبِ کیستی و طلب گارِ کیستی
سرتا بپا چرا شدۂ چشمِ منتظر آئینہ ساں بخواہشِ رخسارِ کیستی
حُسن راموسِ جاں میگویند ہم بدل نسبتِ آں میگویند
آنکہ تارِ نظرم با یار است مرداں موئے میاں میگویند
نازرا تیغِ دو سرنام نہند غمزہ را نوکِ سناں میگویند
وار و آں ماہ کہ ابرو و مژہ
طالباں تیر و کماں میگویند

دل مکانیست و لے رازِ مکیں نتواں یافت سرنوشتِ ازلی رازِ جبیں نتواں یافت
خاک گشتن بسرکوئے بتاں ناموریست گوہرِ کام بجز خاک نشیں نتواں یافت
آنکہ شد زندۂ جاوید بعشق از مُردن تا ابد ہیچ غم و رنج قریں نتواں یافت

مخمس بر غزل حافظ شیرازی

گردشِ تازہ بہر شام و سحر می بینم ہم بعالم زفلک سخت نظر می بینم
سربیہودہ بہ ہر فردِ بشر می بینم ایں بہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

باشد امروز یکے بہر دگر دشمن کام پختگی ہائے طبایع بود از فطرتِ خام
تکیہ دارند چہ بر دورِ فلک خاص و عام ہر کسے روزِ بہی می طلبد از ایام

مشکل این ست که هر روز بتر می بینم

برخ علم و عمل باب سعادت بند است ‌ ‌ ‌ تا سعادت بتفوق ز سعادتمند است
نیک را با غم و بد را بخوشی پیوند است ‌ ‌ ‌ ابلهان را همه شربت ز گلاب و قند است

قوت دانا همه از خون جگر می بینم

این زمانیست که باشند شریفان نالان ‌ ‌ ‌ بدگهر راست خصوصت به فراغت بالان
نه شنیدیم چنین وقت ز دیرین سالان ‌ ‌ ‌ اسپ تازی شده مجروح بزیر پالان

طوق زرین همه در گردن خر می بینم

فتنه برپاست بهر سمت چو شور محشر ‌ ‌ ‌ هیچکس را سر مهرے نبود با دیگر
بدل اهل جهان است تخالف یکسر ‌ ‌ ‌ دختران را همه جنگ است و جدال با مادر

پسران را همه بدخواه پدر می بینم

اختلافات دل خلق میسر دارد ‌ ‌ ‌ دل و جان را به تمتع اثر شد دارد
هر یکے واسطۂ کینه بدیگر دارد ‌ ‌ ‌ هیچ شفقت نه برادر به برادر دارد

هیچ مهرے نه پدر را به پسر می بینم

عاجز خسته چو شگفاند به تعظیم گلبن ‌ ‌ ‌ کندن کوه بود از سر زور ناخن
بوکه دلبند شود پندش این بے سرو بن ‌ ‌ ‌ پند حافظ بشنو خواجه برو نیکی کن

زان که این پند به از گنج و گهر می بینم

تاریخ وفات راے بہادر پنڈت ہیم نرائن صاحب کچر

ہیم نارائن ازیں دار فنا ‌ ‌ ‌ جانب خلد مکرم رفت حیف
وه چه گویم از برادر پرورش ‌ ‌ ‌ با همه خلق مجسم رفت حیف
نوجوان صاحب جاه و حشم ‌ ‌ ‌ وه چه با شان معظم رفت حیف
در جگر وابستگان را خار داد ‌ ‌ ‌ او چه گل سرسبز و خرم رفت حیف

روحِ پاکِ او باندازِ ملک | آہ در جنّت بیکدم رفت حیف
عیش و سوز و فرح رفت از قفنش | خورّمی باندرِ ماتم رفت حیف
حسرتے دارم بحالِ والدش | کُوز نطعت زندگی ہم رفت حیف
سال ہجری چوں زفوتش خواستم | دل زپہلویم ازیں غم رفت حیف

ہاتفم گفتار روے واے سال
بیم نارائن زعالم رفت حیف

۱۲۹۰ - ۶ تعمہ - جملہ عدد ۱۲۹۶ ہجری

تاریخ وفات اہلخانہ خود

دارم از مرگِ اہلخانہ غمے | کہ بیانش نمی توانم ہائے
آنکہ با من رفیق عمرے بود | زمشیت سپرد سش بخدائے
فرقتش گرچہ شاق تر بہ من است | چارہ ام نیست لیک جز برضائے
بیدلی بود گرچہ از دنیاش | طفلِ معصوم داشت دل برجائے
عالم فانی است جائے گذر | نیست بیش از شبے قیام سرائے
آتش و خاک جاے او چوں گشت | دلِ من سرد شد ز آب و ہوائے
بہرِ تاریخ فوت او دلِ من | خواست چوں یادگارے انشائے
برزبانم رسید سالِ مسیح | خانۂ من خراب شد اے وائے
سال ہجری دگر چنیں گفتم | ہائے کیں خانہ ام فتاد زپائے
۱۲۹۹ھ

غزل

از پئے خونم کہ ساماں گشتہ است | شاید آں خود سر بہ پیماں گشتہ است
وائے من گریم بہ ہجرِ غنچہ لب | واں گُل بیچارہ خنداں گشتہ است
نالہ ام مانند بہ سوزِ بلبلاں | وز سرِ شکم گُل بداماں گشتہ است

ازشناخ دَوَر ہاشم غالب آ | ربطِ جانم چوں بجاناں گشتہ است
ازنگاہش جرے تا شد تمام | ہم بہ زلفش دل پریشاں گشتہ است
روئے آں بت بافروغ بیشمار | کعبۂ ارباب ایماں گشتہ است

تاپرید کرد بر عاجز نظر
وارثِ تختِ سلیماں گشتہ است

عارف - پنڈت بھولا ناتھ صاحب متوطن فرخ آباد

حضرت عارف ایک ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے کہ دنیائے ادب میں اب کوئی اُن سے واقف نہیں۔ کوشش کی گئی تھی کہ اُن کے کچھ سوانح دریافت ہوسکیں لیکن ناکامیابی رہی۔ فرخ آباد میں پنڈت گوردھن داس صاحب شدان نے ایک کنواں بنوایا تھا اُس کے ستونوں پر دو تاریخیں فارسی میں کندہ ہیں جو کہ پنڈت سندر نرائن صاحب مشران نے عنایت کی تھیں وہ ذیل میں درج ہیں۔

(۱) چوں گشت بنا دہانِ ایں چاہ | لبریز شدہ ز آب گوہر
درایں چاہے بگفت عارف | پیوست دوام آب کوثر

(۲) براہ خیر سنی گوردھن داس | دہانِ چاہ بخت کرد ز [illegible]
نخواہد ماند خالی گفت عارف | دے ایں جوئے شہد و [illegible]

عارف - راجہ بھولا ناتھ صاحب کول فرخ آباد راجہ صاحب پنڈت [illegible] ناتھ صاحب کول [illegible] تلمیذ ساقی کے پروردہ تھے آپ کا ذکر حضرت ساقی کے حالات زندگی میں کیا گیا ہے۔ [illegible] دیوان [illegible] نایاب [illegible]

عاشق - پنڈت شیوکشن صاحب ذتو لکھنوی آپ نسیم لکھنوی کے ہمعصر تھے اور ناسخ لکھنوی سے [illegible] تھا کشمیری محلہ [illegible] رہتے تھے [illegible] اور دیگر [illegible] یو۔پی میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔ آپ پنڈت [illegible] صاحب [illegible] پنڈت [illegible] کے [illegible] تاریخ گوئی میں آپکو بڑا ملکہ تھا اور آپکی ہر وقت کی [illegible] میں [illegible] تھا [illegible] کی [illegible] کے سال کی [illegible] میں بمقام [illegible] آپ [illegible] ہونے آپکے [illegible] دیوان [illegible] تھے اور آپکے [illegible] صاحب [illegible] بمقام لکھنؤ [illegible] لوگوں میں [illegible] جاتے تھے [illegible]

گردو داده دل به برد سر خویشتن گرفت — بیداد بین که داده خود را ز من گرفت

تا شمع رو بجانب دگر جائے گرم کرد — آتش بجاں گرفت و دل از انجمن گرفت

بر نعش کشتگان غم عشق ناله ها — برلب چه گویمت که چه ها مرد و زن گرفت

تا کشته تو رو به نقاب کفن گرفت — بلبل قبا درید و دل از پیرهن گرفت

عاشق تو گفته غزل تر دریں زمیں

تا طوق زاغ مشک سواد ختن گرفت

روبرا آشنیست تار و بینه نه قاتل ز سنگ — بر بلاها ایں بلا آمد دگر نا دل ز سنگ

گردو خون جگر از دیده تر تو و ریخت — میدهد آب دم شمشیر را قاتل ز سنگ

زاهدا با سنگ زدن کفر است [illegible] — مدعائے بت پرستاں میشود حاصل ز سنگ

گردو آب زمزم دیده عاشق پاک ریخت — سنگ راه سیل گر سازد بهم ساحل ز سنگ

ناز و کرشمه را ادا کرد که کرد یار کرد — فتنه خفته را بپا کرد که کرد یار کرد

دل که بود در جفا [illegible] که کرد یار کرد — لب که بشکوه آشنا کرد که کرد یار کرد

جور و جفا ستم بپا کرد که کرد یار کرد — فتنه خفته را بپا کرد که کرد یار کرد

بر در جلوه گاه ناز ریخته خون عاشقاں — خانه کعبه کربلا کرد که کرد یار کرد

خون جگر [illegible] ریخته [illegible] — قامت طاقتم دوتا کرد که کرد یار کرد

[illegible] عاشقاں [illegible] — راز نهفته برملا کرد که کرد یار کرد

بر غزل [illegible] گفت چو عاشق حزیں

[illegible] تا قد این [illegible] که کرد یار کرد

[illegible] قاتل ما — واسطه بر ما و به سر دل ما

تا [illegible] ما — ره بجانب [illegible] دل ما

گذشت [illegible] — تا حنا بست دست قاتل ما

چوں نہ گردیم گرد خود امروز ... زخمِ تیغِ توشد حمائلِ ما
تا تو رفتی ز دیدۂ عاشق
ہست نقلِ تو نقلِ محفلِ ما

دارد سرِ سودا زدۂ من گلہ بسیار ... اے وائے من و دشتِ جنوں آبلہ بسیار
گویند باں مردمکِ دیدہ ز اشکم ... شد غرق دریں آب رواں قافلہ بسیار
تا چند کنم ضبط بدل آہ و فغاں را ... دارد نفسِ سینہ زتنگی گلہ بسیار
عمریست کہ آشفتہ دلی ہائے تو عاشق
دارد ز سرِ زلفِ بتاں سلسلہ بسیار

تا پا فشرد بر سرِ غم ہا غمے دگر ... جز خونِ دل نماند بچشم نمے دگر
ہر کس کہ دید محو تماشائے حسن شد ... دارد دیارِ عشقِ بتاں عالمے دگر
بر نعش کشتگانِ غمِ عشقِ گلرخاں ... جز بلبلِ حزیں نکند ماتمے دگر
بر داغِ سینہ پنبہ مینا چہ می نہی ... باید برائے زخمِ نہاں مرہمے دگر
عاشق چہ بیکسی ست کہ ہنگامِ نزع نیست
جز آہ و نالہ ہم نفس و ہمدمے دگر

تاریخ وفات میر ببر علی صاحب انیس لکھنوی

انیس مرثیہ گو تا کہ زیں جہاں بگذشت ... چہ گویمت کہ چہا بر دلِ رواں بگذشت
نبود شاعر و ذاکر چو او بہ ہند و عجم ... بجیرتم کہ چنیں زندہ دل چساں بگذشت
از انکہ نشو و نمایش ز لکھنؤ بودہ است ... سر خیالِ بلندش ز آسماں بگذشت
چہ بیں نزاکتِ طبعش کہ از سبک روحی ... برنگِ بوز گلستاں سبک گراں بگذشت
فغاں کہ مرد محبِ امام ہر دو سرا ... ز مرد نش چہ بگویم چہ بر جہاں بگذشت
چہ رفت از کفِ غم بر سرِ کس و ناکس ... چہ گویمت کہ چہا بر سرِ رواں بگذشت

ازاں زماں کہ بگوشم نوائے نوحہ رسید   بروز و شب چہ بگویم چہ از فغاں بگذشت
گذشت و نام نکو را بیادگار گذاشت   بدوش بادِ صبا بر سرِ جہاں بگذشت
چو کرد عاشقِ دل مردہ فکرِ تاریخش   بار تجال چنیں بر سرِ زباں بگذشت
فغاں زند پہ ندائے ہمیں رسید بگوش
انیسِ مونسِ اہلِ اعزا ز جاں بگذشت

ہمچو بسمل می طپد ایں عاشقِ شیدائے تو   من بقربانت روم پیداست در دل جائے تو
باغ سبز و راغ سبز و سبزہ بیگانہ سبز   تو کجا ئی ساقیا سبز است اینجا جائے تو
چوں نہ سازد با شبِ یلدا چہ سازد چوں کند   ہر کہ دارد دل اسیرِ زلفِ عنبر سائے تو
برق چشمک زن زکوہ و دشت و صحرا می رسد   جام پُر کن ساقیا خالی ست امشب جائے تو
گر نہ ریزم خوں زچشمِ تر چہ سازم چوں کنم   دل بجاں امروز دارد وعدۂ فردائے تو
گرچہ یک عالم ترا است از حسنِ مہرویاں مگر
عالمے دارد دگر ایں چہرۂ زیبائے تو

تا نالہ زخونِ شہدا رنگ برآوردہ   گلزار زچشمِ ترِ ما رنگ برآورد
از دستِ تو اے شوخ حنا رنگ برآورد   یا خونِ کسے بے سروپا رنگ برآورد
مالد کفِ افسوس ہمہ پنجۂ مرجاں   داغِ سرِ سودا زدہ تا رنگ برآورد
پیوستہ ست بخوں ہمچو شفق لالۂ نعماں   داغِ سرِ سودا زدہ تا رنگ برآورد
یا شمع و گل آمد بسرِ خاکِ شہیداں   آخر چو حنا دستِ دعا رنگ برآورد
گل جامہ قبا کرد بہ گلزار چو بلبل   خونم بکفِ پائے تو تا رنگ برآورد
بیشِ غزلِ فکر شہیدہ ایں غزلِ تر
عاشق چہ بگویم کہ چہا رنگ برآورد

مرغِ بسمل بخوں طپید کہ من   طپشِ دل چنیں کہ دید کہ من

رشکِ گلزارِ کوے او کہ کند   خون ز چشمِ ترم چکید کہ من
کہ رساند بمن نوید وصال   چشمِ نم دیدہ ام پرید کہ من
داغِ عشقش کہ بر جگر دارد   لالہ از خاکِ من دمید کہ من
کہ فشاند غبارِ خاطرِ یار   اشک از دیدہ ام چکید کہ من
کہ رساند بگوش او خبرے   نالہ از سینہ ام دوید کہ من
ماتمِ بلبلِ حزیں کہ کند   گل گریبانِ خود درید کہ من
لالہ در خوں نشست تا بکمر   دلِ بلبل بخوں طپید کہ من
نعشِ عاشق بکوے او کہ برد
گفت چشمِ ترِ شہید کہ من

طرفِ گلشن اشکِ گلگوں گل بداماں کیست   جعدِ سنبل طرۂ زلفِ پریشاں کیست
شورِ محشر خندۂ زخمِ نمایانِ کیست   مرہمِ دل خستگاں شورِ نمکداں کیست
صبحِ محشر خندۂ چاکِ گریبانِ کیست   بر سرِ شامِ خوباں چشمِ گریان کیست
بلبلِ بیدل برنگِ گل دُزدِ جیبِ قبا   در دلِ شوریدہ پیدا و در پنہانِ کیست
بے تو در محفل دلِ پروانہ سوزد چوں کباب   تیغِ آہِ آتشیں شمعِ شبستان کیست
رخنۂ بر روے کارِ زخمِ دل بیفتاد آہ   کارِ خود در پردہ سازد چشمِ فتّان کیست
روے آسایش ندارد از چہ رو پیشِ نظر
با تو عاشق صحبت دست و گریبانِ کیست

تا نالہ یا ز سینۂ سوزاں بر آمدہ   دود از دماغِ گنبدِ گردوں بر آمدہ
برہم نمود کارِ دو عالم بیک نظر   تا آں پری بزلفِ پریشاں بر آمدہ

قطعۂ تاریخ

ملکۂ وکٹوریا چوں شد شہنشاہِ جہاں   گشت دہلی از قدوم راجہ یارِ غیرتِ ارم



پنڈت کنہیالال صاحب عاشق

چوں بجایش ویسرائے ہند آنجا جا گرفت | داد انعام و خطاب از بخشش و جود و کرم
تا زمانِ مہر و ماہ و تا زوالِ مشتری | بادۂ جشن و طرب بادا ترا چوں جشنِ جم
گفت عاشق از جلوسش سالِ صوری معنوی | یکہزار و ہشت صد ہفتاد و چار و سہ بہم ۱۸۷۷

تاریخ ولادت فرزند بہ مشکوئے پنڈت نرنجن ناتھ عرف صاحب

شد تولد طفلِ نیک اختر زہے عیش و طرب | رقصِ زہرہ یک طرف گل بانگِ بلبل یک طرف
سالِ ہجری عیسوی آمد بہ یک مصرعہ بہم | وہ چہ نیک اختر نمایاں گشتہ از بیتِ شرف ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۳

عاشق پنڈت کنہیا لال صاحب صاحبوں راز داں خلف پنڈت ٹھاکر داس صاحب دہلوی

آپ کے والد مدرس اول مدرسہ شاستری دہلی میں تھے۔ اور آپ خود اکثر عہدہ ہائے گورنمنٹ انگریزی پر مامور رہے ۱۸۵۵ء میں راجہ مادھو سنگھ بہادر رئیس گڑھ امیٹھی ضلع سلطانپور اودھ کی ملازمت میں تھے دیوان عاشق۔ باغ عاشق معروف بہ مثنوی گل باصنوبر چہ کرد۔ تجسیم الحروف وصف مطول بحر العروض سالکیہ نثر گوہری۔ ترجمہ عمدۃ الانتخابات۔ سیر کشمیر۔ تاریخ بغاوت ہند آپ کی تصنیفات ہیں۔

باغ میں جلوہ وہ گل برزدہ داماں نکلا | شوق دیدار میں گل چاک گریباں نکلا
لب نہ پردہ وہ غارتگر ایماں نکلا | دل مرا سینۂ مشتاق بیاباں نکلا
مرہبہ شیفتہ کاکل پیچاں تھا مگر | شب جو دم سینے سے نکلا وہ پریشاں نکلا
دل نہ چاہا تھا کروں مقدم جاناں پہ نثار | اسکو دیکھا تو تصور ہی پہ قرباں نکلا

ولہ

بنانا سنگ مقناطیس سے تعویذ مدفن کا | بنا ہے دل مرے دلدار سنگیں دل کا آہن کا
گرفتار دو روزہ ہوں نہیں اک بات بھی آتی | طریق نالہ آتا ہے نہ مجھکو طرز شیون کا
نگہ جادو ہو انداز و کرشمہ سحر ہو جس کا | دل ناداں نہ کیونکر کھائے دھوکا ایسے پُرفن کا

صبح جس گل کو برنگِ رخِ خنداں دیکھا — شام کو زلف نمط اس کو پریشاں دیکھا
کون کہتا ہے کہ ہے جان کا دینا مشکل — عشق میں ہمنے تو مشکل کو بھی آساں دیکھا

ولہ

عشق میں چاک گریباں یہ فقط صبح نہیں — کہکشاں سے ہے عیاں چاک گریبانِ شب
واہ رے چرخِ ستمگر جو ہوا وعدۂ صبح — دامنِ صبح کو ٹانکا بگریبانِ شب

ولہ

ابھی پھنسا ہوں بتاؤ مجھے یہ ہم قفسو — کہ رسم نالے ہے یاں یا کوئی بکا کا رواج
نہ کیونکہ توڑیں یہ بُت حجرۂ دلِ عاشق — کہ کافروں میں نہیں خانۂ خدا کا رواج

ولہ

رنگیں ادائے پان جو کھایا تو کُھل گئے — جتنے تھے رنگ سرخ و سفید و سیاہ سبز
تجھے نصیب ہے تشبیہِ چشم محبوباں — عجب نصیب ہیں تیرے بھی او گلِ نرگس
فرقت کی تیرہ شب میں یہ عالم ہے ماہ کا — جیسا ہو جھلملاتا کوئی دود کا چراغ
مہرِ اسکندر رومی پہ بتِ چیں اپنا — آئینہ نے کیا انداز و ادا سے واقف

عاشق۔ پنڈت شیوراج ناتھ صاحب بقایا خلف اکبر

پنڈت کاشی ناتھ صاحب اتھایا [illegible]

تلمیذ مولوی سید نظام الدین صاحب نظام مصاحب نواب صاحب جاؤرہ

ہے آتشِ فراق سے سیماب وار دل — کیونکر قرار پائے مرا بیقرار دل
ہے عشق ایک پردہ نشیں کے تو چاہنے — اسرارِ عشق کا بھی ہے پردہ دار دل

ولہ

ہوں میں خود رفتہ نہالِ قامتِ پُرنور کا — سایہ میری قبر پر لازم ہے نخلِ طور کا
دیدۂ ساغر سے کیا چشمک زنی ہے بار بار — حال کچھ کھلتا نہیں اُس نرگسِ مخمور کا
کہتے ہیں وہ چھیڑ نیکو شعر سنکر غیر کے — تھا پسند انداز ہمکو عاشقِ مغفور کا
کعبہ چھوڑا دیر چھوڑا خاک چھانی دربدر — عشق میں تنے جنوں کے اپنی مٹی خوار کی
جب سے دیکھا ہے آئینہ عاشق — خود وہ عاشق ہیں اپنی صورت کے



پنڈت شیوراج ناتھ کول بقایا۔ عاشق

دو دو چیزوں کا مقابلہ سعہ خوبی جدا جدا آگے

دو پھول ساتھ پھولے قسمت جدا جدا ہے
نوشہ نے ایک پہنا لاشہ پہ اک چڑھا ہے

نکلے صدف سے موتی دو ایک ساتھ لیکن
اک بس گیا کھرل میں ایک تاج میں لگا ہے

ایک ہی شجر کی شاخیں دو ایک ساتھ کاٹیں
اک آگ میں جلائی اک کا بنا عصا ہے

دو بھائیوں کو دیکھو باہم جو ہیں حقیقی
ایک شاہِ نامور ہے اک شاہ جی بنا ہے

دو مُرغ اسیر آئے آنکے نصیب دیکھو
صدقہ میں ایک چھوٹا۔ اک ذبح ہو رہا ہے

عاشق۔ بخشی پنڈت بھولا ناتھ صاحب خلف راجہ پنڈت گوپی ناتھ صاحب دیوان سرکار مجد الدولہ

قیس نادان سراسر نظر آیا ہمکو
جا ہیں ہم دشت میں کیوں کوچۂ دلدار کو چھوڑ

غیروں کے بغل میں تو مرے جان ہا گرم
اس رشک سے آنکھوں نے مری خوں بہا گرم

عاشق۔ پنڈت دیا رام صاحب سابق صدر الصدور بنارس خلف پنڈت روپچند صاحب متوطن دہلی

عاشق اگرچہ یار نہیں تجھسے بولتا
بول اُس سے جس طرح سے بنے چھیڑ چھاڑ کر

تیزیِ نوکِ مژہ کو مرے دلسے پوچھو
دیکھا اس کانٹے کو آنکھوں سے تو کھٹکا دل میں

عاشق۔ پنڈت بدری ناتھ صاحب عرف صاحب خلف پنڈت سدا سکھ صاحب دہلوی

آپ ضلع متھرا میں بعہدہ پٹیرول (سپرنٹنڈنٹ) تمک بمشاہرہ تین سو روپیہ ماہوار مامور رہے اور آپ کے والد ماجد ریاست حیدرآباد دکن میں بعہدہ ریونیو منسٹری بارہ سال تک ممتاز رہے۔ ۱۸۵۵ء میں بمقام دہلی تقریباً ۵۴ سال کی عمر میں بدری ناتھ صاحب نے رحلت فرمائی۔

نوحه گری خامهٔ سیاه رقم در شیون بلبل شیوازبان همدم

ای بلبل گلبن نکوئی — وی تازه بهار خوبروئی
ای تازه نهال باغ رافت — گلدستهٔ بوستان الفت
ای دوحهٔ گلشن جوانی — وی نوبر نخل کامرانی
ای سرور همدمان سابق — وی مونس با دلم موافق
صد آه که از نظر نهفتی — در خواب اجل دراز خفتی
ناکام شدی هزار افسوس — از مکر و فریب چرخ سالوس
چون یافت خزان بهار عمرت — شد زرد چرا نگار عمرت
چون بلبل نغمه ریز جانت — پرواز نمود ز آشیانت
چون برق اجل به ناگهانی — افتاد به خرمن جوانی
آن سرو روان رشک شمشاد — چون گشت ز باد مرگ برباد
نازک بدن تو ای دلارام — پوشیده چرا کفن به اندام
سیمین بدنت چو نقرهٔ ناب — تابوت گزید از پی خواب
زین شیون رستخیز آثار — صد شورش حشر شد نمودار
یکتا رز سنبل پریشان — مو در خم زلف عنبرافشان
گردید شکسته رنگ گلشن — از صرصر تند و تیز شیون
پوشید به تن پرند مشکین — ریحان سیاه پوش غمگین
افسوس که نوگل جوانی — افتاد ز سیلی خزانی
دل تنگ چو غنچه چون نباشم — کز ناخن غم بود خراشم
ای لاله عذار سرو قامت — هجر تو بود مرا قیامت
غم برق بلا بخرمن من — افگند و بسوخت پاک خرمن

صد تیر جفا بہ پہلوے دل — انداخت غم و نمود بسمل
جز گریۂ تلخ و اشکِ گلگون — روزیم نشد ز بختِ واژول
از جورِ فلک گہے دلم تنگ — با بختِ سیاہ گاہ در جنگ
دنیاست مقام رنج و کلفت — پیدا کنِ صد ہزار حسرت

تاریخ

چو آں عفیفۂ عصمت قبابِ عفّت کوش — ز تنگنائے جہاں رفت سوے دار بقا
گداختم بہ غمش بسکہ روز و شب از درد — شدم ز غایتِ کاہش تنِ ہلال آسا
ز ماتمش ہمہ عالم بچشم تیرہ نمود — صباح در نظرم جلوہ کرد ہمچو مسا

عاشق - پنڈت اودت نراین صاحب لکھنوی

آپ کے سوانح عمری کے متعلق چند اصحاب سے جنکا وطن لکھنو ہے دریافت کیا گیا مگر کچھ حال معلوم نہ ہوسکا۔ آپ عاشق مزاج اور رنگین طبع تھے۔ آپکے چند اشعار ہاتھ آئے درج کئے جاتے ہیں:-

آئینہ دیکھا تو دل میں ہوا حیراں کیسا ۔۔۔ تو رہا کرتا تھا کیوں حسن پہ نازاں کیسا
قطرۂ اشک بنا گوہر غلطاں کیسا ۔۔۔ جوہر چشم مرا دیکھ لیا صاحب نے
کر دیا زلف پریشاں نے پریشاں کیسا ۔۔۔ چاک دامن ہے گریباں ہے پھٹا سر ہے کھلا
بلبل زار تجھے گل کی قسم سچ کہنا
عاشق زار ہمارا ہے غزل خواں کیسا

آج سیدھا نہ بنا دوں تو میرا نام نہیں ۔۔۔ کج رہا کج ہی سدا ایسے تجھے اے گردوں
دلکو ایک شغل ہے گو صورت آرام نہیں ۔۔۔ وصل دلدار نہیں ہے غم دلدار تو ہے
اس کا اچھا نظر آتا مجھے انجام نہیں ۔۔۔ جبکہ آغاز رہ عشق میں لب پر جاں ہے
چھوڑ کے کعبہ ملے کیوں نہ بتوں سے عاشق
تا بہ کفر ہے نہ بیچ اسلام نہیں

الٰہی قد ہے یا سرو چمن ہے ۔۔۔ بدن ہے یا سمن یا نسترن ہے
کہ جسکو دیکھ حیراں انجمن ہے ۔۔۔ نہیں معلوم کیا کچھ ہے وہ دلدار
ارے دل یہ تیرا دیوانہ پن ہے ۔۔۔ خیال زلف میں رہنا پریشاں
کہ گل پر تنگ اپنا پیرہن ہے ۔۔۔ خبر ہے کسکے آنے کی چمن میں
وہ پیشانی کی جو اسکی شکن ہے ۔۔۔ سراسر موج بحر حسن سمجھو
انوکھی آپکی جو یہ پھبن ہے ۔۔۔ پری میں ہے نہ حور جنتی میں



پنڈت شام نراین تنکو۔ عاشقؔ

صفت میں اب نہیں کتے ہو عاشق
کروہ تنگ شکر ہے یا دہن ہے

عاشق - پنڈت شیام نرائن صاحب تکو - خلف پنڈت رام نرائن صاحب تکو

آپ ریاست جیپور کی فتح پلٹن میں کپتان کے عہدہ پر ممتاز تھے - تمام عمر آپکا تعلق ریاست جیپور سے رہا اور تقریباً ۳۵ برس ہوئے کہ وہیں آپنے رحلت کی آپ موتی لال ٹھل صاحب کے صلبی لڑکے تھے اور رام نرائن تکو صاحب نے متبنیٰ کیا تھا -

نوحۂ وفات کنجبہاری لال خلف پنڈت کشن لال صاحب ٹھل

حسرتا کیونکر لکھوں اس غم کا حال
کی فلک نے مفت بیٹھے بیٹھے چال

دشمنی کیا تھی بھلا اس چرخ سے
یا اُٹھا کیا مال تھا اس چرخ سے

اسکو کس نے ایسا سکھلا یا غضب
راستہ کس نے یہ بتلا یا غضب

یوں ہی کج رفتار اسکا نام ہے
دیکھکر جلنا اسی کا کام ہے

کنج میں شامل بہاری لال تھا
کرشن کے گھر کا وہ گویا لال تھا

چار دن کی بات ہے ہم سب میں تھا
چار دن کی بات ہے وہ چل بسا

اُس کی فرقت میں کلیجہ شق ہوا
اُس کی رحلت سنتے ہی منہ فق ہوا

اور جانب دھیان کچھ جمتا نہیں
اشک بھی آنکھوں سے تھمتا نہیں

ہے بلاشک رنج کی ازتق یہ بات
بر عہدہ مالک ہے نہیں کچھ اپنے ہات

جسکو چاہے جب وہی پیدا کرے
یا امانت جیسے اُلٹی چھین لے

قادر مطلق اُسی کی ذات ہے
رنج و راحت دنیا اُسکے ہات ہے

جسم خاکی خاک بھی یا ور نہو
اس میں نور وا نجلا ہے گھر نہو

جسم میں جب نور ذاتِ حق پڑا
بر ہم سے جیو آتما ناحق ہوا

جسم کے باعث ہوا موسوم وہ
جسم کی صورت ہوا موہوم وہ

باپ کہلایا کہیں بیٹا کہیں   بھائی کہلایا کہیں پوتا کہیں
ماں کہیں بیٹی کہیں ماما کہیں   زن کہیں پھوپھی کہیں خالا کہیں
جبکہ نورِ حق ہوا ان سے جدا   جسم نامی خاک میں بس مل گیا
کس کا بھائی کسکا بیٹا کسکی ماں   کس کی دولت کسکی ثروت اور مکاں
ہے فقط مایا کا یہ جنجال سب   اسکے ہاتھوں سے ہوا پامال سب
ہے یونہی آواگون ہر صبح و شام   مستقل رہتا نہیں کوئی مدام
حق تو یوں ہے ذات اُسکی ایک ہے   جملہ شے میں جلوہ گر وہ ایک ہے
جسم فانی ہے فنا سے مت اُلجھ   بات جو تجکو کہوں ہیں وہ سمجھ
پریم کو دایم بقا ہے آشنا   اپنے دلکو بس اُسی سے تو لگا
تاکہ استغراق کا درجہ ملے   دایما سرور کا رتبہ ملے
ہے یہ سب اگیان سے سارا ظہور   گیان ہونے پر نہیں اٹھتے فتور
اپنے صانع کو نہ بھولا جو کوئی   عیش و عشرت میں بھولا جو کوئی
رنج و غم پر قانع و صابر رہا   مرضیِ مولا ہی پہ شاکر رہا
الغرض ہر کی ہوئی اُس پر نظر   مبند حسن اور مایا سے چھوٹا وہ بشر
جس نے سمجھا اسکو وہ عامل ہوا   سِرِّ حق سے واقف کامل ہوا

قول لو اور آہ کھینچو عاشقا
پریم جوتی میں یہ لنگا مل گیا
۱۲۹۱ھ = ۱۶۴ + ۱۱۲۲

نوحہ و تاریخ وفات پنڈت برج ناتھ ٹکو دار و غہ مستری خانہ ریاست جیپور

دورِ ایام کی خلش دیکھو   گردشِ چرخِ کجرو ش دیکھو
کیا کہوں کس بلا کا حادثہ ہے   غم فزا کیسا سخت واقعہ ہے
ہائے افسوس برج ناتھ ٹکو   نیم جاں کر کے چل بسا سب کو

کیا ہشیار اور شفیق تھا وہ — کیا مہذب تھا کیا خلیق تھا وہ
قوتِ بازوئے برادر تھا — ہائے وہ نورِ چشمِ مادر تھا
چشمِ مادر سے نورِ عین گیا — برِ دلبر سے عیش و چین گیا
غمِ حسرت دیا عزیزوں کو — رنجِ فرقت دیا رفیقوں کو
حسرتا ایسا مونس و ہمدم — ہو جدا دوستوں سے وائے ستم
وہ اُدھر رہروِ نجات ہوا — مجھکو فکرِ سنِ وفات ہوا
میں تفکر میں سر بجیب ہوا — کہ نزولِ سروشِ غیب ہوا

کھینچ کر آہ یہ کیا غوغہ
کہ مُوا برج ناتھ داروغہ

۱۹۴۴ - ۶ = تخرجہ باقی سنہ ۱۹۳۸ بکرمی

عاشق نوحہ گر نے دی یہ صدا — واصلِ برہم ہوا حبیب مرا

وله

جو بات بات پہ رُوٹھے علاج کیا اُسکا — کہاں تلک اُسے ہر روز ہم منائینگے

غزل

مرجائے کوئی رنج کسی کا نہیں ہوتا — بے درد مگر کوئی بھی تم سا نہیں ہوتا
تو غیر کا دم بھرتا ہے اپنا نہیں ہوتا — شکوہ نہیں کچھ کوئی کسی کا نہیں ہوتا
میں ہجر میں اے گل تیرے جسطرح ہوا زار — اسطرح کوئی سوکھ کے کانٹا نہیں ہوتا
اے دل غمِ فرقت کو غذا اپنی سمجھ لے — کچھ عشق مگر منہ کا نوالا نہیں ہوتا
اے ابر مرے نالوں سے ہو جائیگا طوفاں — فرقت میں ستانا ہمیں اچھا نہیں ہوتا

دل اپنا مکدّر بخدا رہتا ہے عاشق
پہلو میں جو وہ چاند کا ٹکڑا نہیں ہوتا

عاشق - پنڈت بدری ناتھ صاحب مندیا دھلوی

آپ کی فارسی کی قابلیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ آپ نہایت خلیق تھے اور پاکیزہ طبیعت رکھتے تھے دہلی میں آپ کی رشتہ داریاں مشہور خاندان وکیل والا ہا اور پنڈت پر بھاکر راؤ شیو پوری صاحب سے تھیں۔ آپنے ۱۳۲۳ھ میں بمقام سرودھنہ وفات پائی۔

اے رُخت بُردہ رونقِ گل را | زلفِ تو دادہ تابِ سنبل را
ابر جاں پرور است اے ساقی | بدہ از لطف ساغر مل را
آں کہ بشنید نالہٴ زارم | نشنود نغمہ ہائے بلبل را
از غمِ زلفِ مشکبارِ تو آہ | تیرہ شد روز گار سنبل را
اے کہ چشمِ فسوں گرت دردم | داد بر باد سحرِ بابل را

از رہِ لطف خیز و بہرِ عاشق
زود بیمائے ساغرِ مل را

بیا کہ بے تو لب جانِ عاشقِ تو رسید | بیا کہ گشت بر او تیرہ روزگار امشب
بیا کہ تاب فراقِ تو نیست بیش ازیں | بیا کہ ریختہ خوں چشم اشکبار امشب
بوعدہٴ کہ تو کردی دلم بسے خوش بود | وے گذشت بحسرت در انتظار امشب
بیا ز راہِ مروّت بطرفِ بالینش | کہ ہست عاشقِ تو سخت بیقرار امشب

تا نقشِ تو در دلِ حزین ست | دل جمع بُتان چین ست
ترکِ غمِ عشقِ دلبراں کن | ہشدار کہ فتنہ در کمین ست
ترسم کہ بعالم افگند شور | حسنِ نمکینِ گر تو این ست
تیرِ نگہ تو بے خطا زد | بر سینہ ازاں کہ دلنشین ست
تصویرِ تو در غمِ فراقت | تسکین دہِ خاطرِ غمین ست

تنگ آمدہ از دہانِ تنگت

دل تنگئ عاشقت ازین ست

جہاں اگر دہدت رنج زینہار مرنج — کہ نیست بوئے نشاطے دریں سرائے سپنج
جمالِ یار چناں دلفریب و دلجویست — کہ بر نہ سنجد میزانِ عقلِ نادرہ سنج
جبینِ روشنش از جبین نکو بود زاں ساں — چناں کہ خوش بہ نماید بزلفِ یار شکنج

جہاں ثبات ندارد دہند دل زردے
کہ نیست عاشق ازاں ہیچ امید غیر از رنج

حلال نیست شکایت زیار و نیست مباح — کہ ہست خوردنِ غم در فراقِ یار صلاح
حکایتِ غمِ ہجراں و آرزوے وصال — بود بنوکِ زبانم زشام تا بصباح
حبیب و ہم نفسِ خود زجنسِ خویش بخواہ — کہ ہست صحبتِ ناجنس سوہنِ ارواح

حدیثِ شکوہ مکن گاہ عاشقا کہیں قفل
بغیر صبر نہ بود ست دیگرش مفتاح

خراب کرد ہر یک اداے آں گلرخ — وگرچہ شرح وہم از جفائے آں گلرخ
خیال ہم نکند گرچہ سن برنگِ حنا — ہزار بار فتادم بپائے آں گلرخ

خبر ز حالِ خودم ہیچ نیست اے عاشق
ازاں زماں کہ شدم آشنائے آں گلرخ

داد از دستِ جورِ گردوں داد — کہ دلِ عاشقاں ندارد شاد
داورے کو کہ پیشِ او ببرم — از جفائے سپہرِ دوں فریاد
دست بر دل گذار و شکوہ مکن — باش از ہر چہ نیست خوش آزاد
داروے درد از دو نمی آید — آہ ازیں گنبدِ کہن بنیاد
دردمندے کہ دل طپد بہ برش — کند از دردِ بیکسی فریاد

داستانِ فراق اے عاشق

چو کنم سر که بس دراز افتاد

روئے تو چوں لاله بفصلِ بهار — زلفِ تو مشکیں چو نسیمِ تتار
رسمِ محبت ز جہاں گشت گم — جنسِ وفا نیست دریں روزگار
رفتنِ تو رفتنِ عمرِ من ست — آمدنت آمدِ خوشِ روزگار
رنگِ حنا بر کفِ پائے تو نیست — خونِ دلِ خسته ام ست اے نگار

ولہ

ساختن با غمِ جاناں نبود کارِ هوس — کارِ پروانهٔ دل سوخته ناید ز مگس
سر قدم ساخته در کوئے تو آیم شاداں — همچو آں مرغ که بیروں جهد از بندِ قفس
سر مکن حرفِ شکایت ز سپهرِ گردوں — بر میاور بجز از شکرِ خداوند نفس
سینه آماجِ خدنگِ نگهِ ساخته ام — دل پر خون شکنِ طرهٔ تو بستم و بس

ولہ

شفیق تر ز دلِ خود تو خود شاداں باش — بگوشهٔ بنشیں و ز خلق پنهاں باش
شرابِ ساغرِ توحید اگر بدست آید — بحکمِ قاضیِ دل در کشش و غزلخواں باش
شکسته رنگ برنگِ خزاں نشاید بود — شگفته چوں گل و مانندِ لاله خنداں باش

شتاب می رود ایں پیکِ عمر اے عاشق
تو نیز از پئے رفتن بفکرِ ساماں باش

صبوریت دهد از فکرِ روزگار خلاص — صبوریت دهد از چرخِ فتنه بار خلاص
صنم پرست مباش و خدا پرستی کن — که تا شوی ز الم هائے بیشمار خلاص
صفیرِ نالهٔ پر دردِ من اگر شنوی — ز بندِ الفتِ گلها شوی هزار خلاص

صدائے صور قریب ست عاشقا خواهم
کند ترا ز بلا فضلِ کردگار خلاص

طلب مکن ز جهان خرابِ آسایش — که می کشد بره و رسمِ دلنوازی خط
طمع مدار ز دنیا که را سخئے بخشند — که نشترِ المش خونرواں کند چوں قط

طبیب دردِ دلِ عاشقت اگر باشی
بہ من وارس و ہرگز مپوئے راہ غلط

عاجز بود بوصفِ جمالت زبانِ شمع — افزوں بود ثنائے رُخت از دہانِ شمع
عشق است ایں کہ آتشِ سودا بدل زند — کُو برکشد زبانۂ روشن بسانِ شمع
عیبِ کسے بہ پیشِ کسے گوید ار کسے — باید زبان بُرید لش آں دم بسانِ شمع
عاشق شد است بر رخِ یار و بغیرِ من
کس نیست آگہ از غم و دردِ نہانِ شمع

فرصت نشد کہ دامنِ وصلش رسد بکف — ایں عمر حیف در غمِ ہجراں بشد تلف
فرخندہ بخت آنکہ بعالم بکامِ دل — با اُو بود متاعِ گرانمایہ چوں صدف
فارغ نکمے نیم ز ستم ہایت اے سپہر
گردیدہ ام خدنگِ جفائے ترا ہدف

قرار نیست دلِ زار را بدردِ فراق — کہ ہیچ درد نباشد چو دردِ دوری شاق
قبول گر نکنی پیش کش کہ جانِ من ست — بسے بعید بود ایں طریق از اخلاق
قیامت است کہ اغیار را بہ بزمِ وصال
نوازی و منِ مہجور در بلائے فراق

کار عاشق اگر کشد بہ ہلاک — دلِ جاناں نمی شود غمناک
کس چو عاشق بعشقِ خوباں نیست
سینہ آماجِ کردہ و بے باک

لالہ زِ رخِ تو داغ بر دل — سرو از قدِ تست پائے در گل
لبریز شکایتم ز جورت — اے کردہ درونِ سینہ منزل
لب بستہ ز شکوۂ تو عاشق

گردیده اگرچه نیم بسمل

مرا بے روئے جاناں نیست آرام　　به برد آرامم آن سرو گل اندام
مرا روے تو خوشتر باشد از صبح　　سیه زلف تو بهر ما بود شام
مشو غافل چنیں از عاشقِ خویش
بسوئے او زن اے طناز یک گام

نیست چو روئے تو گلے در چمن　　روح فزاے بتِ سیمیں بدن
ناقهٔ لیلیٰ نکند ره غلط　　گاه سوئے عاشقِ خونیں کفن
نقدِ دل و دیں همه بُردی ز کف　　باز نکردی نگهه سوئے من
نالهٔ عاشق که بود شورِ حشر
لرزه در افگند بچرخِ کهن

ویراں شدست کشورِ دل از جفائے تو　　خلقے شهید غمزهٔ تیغ ادائے تو
در دم چه صبح و شام چه روز و چه شب بود　　شکرانهٔ نوازشِ و مدح و ثنائے تو
واقف ز حالِ خویش نیم هرگز اے نگار　　تا گشته چشمِ اشک فشاں آشنائے تو

ولہ

هر که اورا بود رخ چوں ماه　　مے زند بر دلم خدنگِ نگاه
همه عمرم گذشت در حسرت　　آه از بختِ خفته ام صد آه
هست محبوبِ من جهاں عاشق
آنکه در ملکِ حسن باشد شاه

یار من گرچه میکنی زاری　　نگذرد از رهِ ستمگاری
باده گو نیستم که در صفتِ عشق　　آهِ من میکند غمِ سلم داری
پاره اش مے برد دلم از دست　　غم تو مے رسد به غم خواری
یا رب ایں عشق دلبراں چه بلاست

کہ بعاشق کند جفا کاری

در دمِ تو خوں شد جگرِ سعی بیا نہا | چوں غنچہ بود در صفتِ لال زبانہا
خوردآنکہ زسرچشمۂ عشقِ تو دمِ آب | چوں بحر بہ شور آمد و گسست عنانہا
زلفِ تو کمند افگن و چشمِ تو سناں باز | واں غمزۂ خوں خوار بود آفتِ جانہا
از بہرِ تماشہ بسرم آی کہ اکنوں | از داغِ تو شد سینۂ و دل لالہ ستانہا

گر فہم کنی نغمۂ توحید چو عاشق
یکساں شنوی نالۂ ناقوس اذاں ہا

الٰہی شمع فانوسِ محبت کن زبانم را | تجلی زار کن از سوزِ عشق خود بیانم را
بجاں سوزی عطا کن از غمِ حسنِ ملاحت را | ازیں ہیچ شوق افزا صفا دہ کتابم را
سراسر بستیم را نقش لوحِ نیستی گرداں | زابرِ فیضِ لطفِ خود گلستاں کن خزانم را

بکش در چشمِ عاشق تو تیلے عین حیرانی
نشانِ خانۂ عنقا بکن نام و نشانم را

کشادم سیل خوں از چشم من آبِ روانم را | سراپا داغ گشتم کن تماشا گلستانم را
منم آں بلبلِ شوریدہ کز گل چوں جدا گشتم | بسوزد شعلۂ آہ و فغاں خویش جانم را
شبے در بزمِ وصلش سرکنم گر داستانِ خود | رود در خواب و زیں حیلت فرو بندد زبانم را

فزاید شورشے دیوانہ از زنجیر عاشق
خیالِ زلف او افزوں کند سودائے جانم را

تا یافتہ است لذتِ نامش زبانِ ما | شد کوزۂ نبات ز فیضش دہانِ ما
وا کن درِ قفس کہ ز دستت نمی رویم | ظالم شکستہ پائی ما شد ضمانِ ما
فریاد میکنیم بگردِ حریم او | شاید اثر کند بدلِ او فغانِ ما
زنجیرِ ساں فتادہ گریبانِ ما بپائے | خم بسکہ گشت قامت ہمچوں کمانِ ما

عاشق شدیم زار و نزار آں قدر بہ ہجر
کز نالۂ بدر رود از جسم جانِ ما

چند دل نہاں کنم عشقِ جنوں فزائے را — رخصتِ دلخراشی است نالۂ ہائے ہائے را
آہ ز ظالمے کہ در موسم گل نمی برد — سوئے چمن بسعی ہم مرغِ شکستہ پائے را
سوز دلِ تو آتشے تا بزند بجانِ غیر — آہ اثر کجا بود نالۂ وائے وائے را
جاں با جل چساں دہد آہ کسے بدیں ادا — رخصتِ قتل اگر دہی چشمِ کرشمہ زائے را

آنکہ ترا جمال داد وہ چہ شود اگر ز لطف
صبر عطا کند بدل عاشقِ مبتلائے را

از بسکہ شرر بار بر آمد نفسِ ما — آتش ہمہ بگرفت بچوب قفس ما
کز خون شود از زخم جگر ہر نفسِ ما — جز زخم دگر ہیچ نباشد ہوسِ ما
تا ناد گرم از پئے محمل نکشیدیم — ہر جا آبلہ گردید زبانِ جرسِ ما
از چمن خیالِ رخت اے سروِ گل اندام — بر برگِ سمن خندہ زند خار و خسِ ما

عاشق سرِ خود بر سرِ افلاک رسانیم
تا بوسہ بپایش بود از دسترسِ ما

تنہا نہ من شدم بغربت از وطن جدا — نالد روانِ قیس جدا کوہکن جدا
داغ خون و سینہ چاک ز رشکِ لبِ ورخت — لعلِ یمن جدا و گل اندر چمن جدا
یا رب خیالِ او نشود محو از دلم — تا تن ز جاں جدا شود و جانِ تن جدا
بیتابیِ شہیدِ تو کرد است زیرِ خاک — سر از بدن جدا و بدن از کفن جدا

یاد رخِ تو از دلِ عاشق نمی رود
کے بوئے نسترن شود از نسترن جدا

فکر آں کاکلِ دوتاست مرا — چہ بلا با نہ در قفاست مرا

منکہ زار و نزارم از ہجرت — طاقتِ بارِ غم کجاست مرا

دل بیک عشوہ بُرد و جاں خواہد

عاشق ایں طرفہ دلرباست مرا

اے سہی قد چو بسویت نظر افتاد مرا — نخلِ ہوش و خرد از بیخ بر افتاد مرا

مثلِ پروانہ برخسار تو دیدم اے شمع — آتشے بود کہ در بال و پر آفتاد مرا

خانۂ صبر ز طوفانِ سرشک آب گرفت — کار از بسکہ بایں چشمِ تر افتاد مرا

از ہوائے چمنِ خلد گذشتم عاشق

بر سرِ کوچۂ او تا گذر افتاد مرا

کشم از دل گر آہِ آتشیں را — بسوزم خرمنِ چرخ بریں را

نگاہت بس بود جانِ حزیں را — مکش اے یار بر من تیغِ کیں را

ہلال از شرم سر افگند در پیش — چو دید ابروے آں روشن جبیں را

رسد یارب گہے تا دامنش دست — منِ شیدائے جاں در آستیں را

عنانِ ہوش رفت از دست عاشق

چو دید آں لیلیِ محمل نشیں را

شمع ساں بر روے گرش تا نظر داریم ما — جا میانِ آب و آتش تا بسر داریم ما

حاصلِ ما بے نوایاں کے شود نقدِ وصال — یارِ بے پروا و آہِ بے اثر داریم ما

ہمتے اے خضرِ فرخ پے کہ تا منزل رسیم — ورنہ پائے لنگ و راہِ پُر خطر داریم ما

از تو کم اے شمع روشن اندریں محفل نئیم — آہِ گرم و رنگِ زرد و چشمِ تر داریم ما

کشتیِ گردوں شود طوفانی از طغیانِ اشک — آستیں از چشمِ تر روزے کہ بر داریم ما

عاشق از یادِ دُرِ دندان و یاقوتِ لبش

چشم پُر نم دایم و خوں در جگر داریم ما

به نگارم اگرش حالِ دلِ محزون را | دهم از خونِ جگر رنگِ دگر مضمون را
ماجرا کم کن و اے ابر برو از پیشم | اشکِ من واده بسیلاب دو صد جیحون را
نه درون غم شده پُر داغ ز دستِ عشقت | کرده ام از غمِ تو لاله ستاں بیروں را
فکرِ من راست شده معنیِ من گشت بلند | در نظر داشتم از بسکه قدِ موزوں را
نکشم آه شرر بار ز دل بیهوده | مگر آں روز که آتش بزنم گردوں را

وله

تنها نه جانِ زار خود اے جان و هم ترا | دین و دل و تحمل و ایماں و هم ترا
گر بعدِ مرگ بر سرِ خاکم گذر کنی | آتش ز سوزِ سینه بداماں و هم ترا
تو شمعِ بزمِ ستی و پروانه ات منم | تو آتشے بمن ده و من جان و هم ترا
با ایں همه جفا و ستم کے متاعِ دل | اے زود رنج دیر پشیماں و هم ترا

دل داغ و سینه چاک و جگر ریش و جاں فگار
عاشق چه شرحِ حالِ پریشاں و هم ترا

شد عشق رفیق و یار با ما | اے عقل ترا چه کار با ما
بلبل تو و صد هزار گلشن | ویں سینهٔ داغ دار با ما
بردی آرام و صبر و طاقت | بگذاشتی انتظار با ما
کردیم چساں قرار در خاک | رفت ار دلِ بیقرار با ما

عاشق بغلش ندیم زیں بیش
بوده است دلِ فگار با ما

گر بوے او دلا نشنیدی چه شد ترا | چوں گل سحر قبا بدریدی چه شد ترا
شبها فغانِ من نشنیدی چه شد ترا | روزے بدادِ من نرسیدی چه شد ترا
با آں که در رهِ تو فتادیم مثلِ خاک | بر پشتِ پائے خویش ندیدی چه شد ترا
شب از غمِ فراق بجاں آمدم اجل | بیرم بر سرم نرسیدی چه شد ترا

صد نو بہار آمد و بگذشت صد خزاں
عاشق گلِ وصال نہ چیدی چہ شد ترا

موم شد آہن و سنگ آب شد از گریۂ ما   کوہ یکدانۂ سیماب شد از گریۂ ما
دلِ مرغانِ اسیر آب شد از گریۂ ما   حلقۂ دام چو گرداب شد از گریۂ ما
نہ ہمیں دیدۂ پُر خوں شدہ چوں لالہ تر   کہ مژہ سبزۂ سیراب شد از گریۂ ما
عاشقِ خستہ شبِ ہجر زبس زار گریست
آسماں کشتیِ گرداب شد از گریۂ ما

وہ کہ سوئیم نظرے نیست ترا   از فغانم خبرے نیست ترا
خاکِ رہ گشتم و گاہے بغلط   بر سرِ من گذرے نیست ترا
از تپِ عشق چہ دانی زاہد   کہ کنوں دردِ سرے نیست ترا
نالہ ام سوخت دلِ اہلِ فلک   لیک در دل اثرے نیست ترا
چہ زنی گام براہِ عاشق
باش عشق جگرے نیست ترا

بشمع و با گل و شمس و قمر چکار مرا   من و خیالِ رُخت با دگر چکار مرا
بہ نالۂ کہ بنارد شرر چکار مرا   بآں فغاں کہ ندارد اثر چکار مرا
من و خیالِ گل و گوشۂ قفسِ صیاد   بسیرِ گلشن و با بال و پر چکار مرا
منم کہ سوختہ ام تخمِ آرزو ہا را   نہالِ آہ شدم با ثمر چکار مرا
چو شب فسانۂ عاشق بیار گفتم گفت
بَرَو بَرَو کہ بایں دردِ سر چکار مرا

ماہی شود کباب و زند شعلہ خس در آب   گر بر کشم ز سینۂ سوزاں نفس در آب
غیر از دلم کہ غرقہ بخوں نالہ میکند ؟   گویا کسے شنیدہ زبانِ جرس در آب

دل شد برونِ زخم ونشانش نیافتم — آرے سراغ دزد نیابد عسس درآب
تیرِ نگہ ز دیدہ گذشت و بدل رسید — چوں نرگس تو تیر نزد ہیچ کس درآب

عاشق بہ بحرِ اشک نشد ساحل آشنا
سے بر جہد زسعی فتد چوں مگس درآب

کدام دل کہ بدام نظر شکارِ تو نیست — کدام جاں کہ بہ تیغ ستم بکارِ تو نیست
کدام شب کہ مرا دل بہ برنگردد خوں — کدام روز کہ چشم در انتظارِ تو نیست

ز جورِ ہجر تو مشکل کہ جاں برد عاشق
کہ توے مہر و وفا در گلِ دیار تو نیست

پیش از نیم اعتبارے بودہ است — زانکہ بر دل اختیارے بودہ است
نے غمت امروز دلجوئی نمود — با غمش پیوستہ کارے بودہ است
دشتم کے شد ز دل ہر گرد باد — از سرِ خاکم غبارے بودہ است
چوں تو کے صیاد را چندیں تلاش — ہر خونِ ہر شکارے بودہ است
کے چنیں در ہجر بودم ناشکیب — با دلم صبر و قرارے بودہ است

وائے عاشق را بدل تا روزِ مرگ
حسرتِ دیدارِ یارے بودہ است

زبسکہ روز وشبم اشکباریٔ ذکر است — ز چشم ہر نفسم شرمساریٔ ذکر است
بداغِ سینہ اگر مرہمے نمی اید دوست — چہ بیشود کہ بدل زخم کاریٔ ذکر است
ہزار بار بچو نم فگند و رفت وے — ہنوز در دلم امیدواریٔ ذکر است

مگر خیالِ من امشب بخاطرش بگذشت
کہ بر زبان دلم بیقراریٔ ذکر است

بے حساب از تو کشیدم ستم در روزِ حساب — چہ شکایت کہ مرا از تو بہ داور نیست

عالمے بسکہ ز دستِ تو گریباں زدہ خاک — نیست دستے کہ بہ دامانِ تو در محشر نیست
سوخت سیارۂ من بسکہ ز آہِ پُر سوز — ہیچو من زیر فلک ہیچ سیہ اختر نیست
لذتے ناوک دلدوز نگاہش دارد — کہ بشمشیر و خدنگ و دمِ صد خنجر نیست
از خیالِ شکنِ سنبل و بالائے چو سرو — چہ بلاہا کہ بہر لحظہ مرا بر سر نیست

رحم بر عاشقِ مسکیں بکن اے سنگین دل
مثلِ او خانماں برباد دریں کشور نیست

ہر چراغے کہ شبِ ہجر دل افروختہ بود — بود داغے کہ بجاں عشقِ تو ام سوختہ بود
مژدہ اے جان کہ غم تازہ خریدم امروز — دادم آں نقدِ شکیبے کہ دل اندوختہ بود
از مژہ سوزن و تارے ز نگہ جیبش داشت — صورتِ خرقہ زصد جا جگرم دوختہ بود

وہ چہ آتش بہ دست بود کہ عاشق امشب
خواب در چشمِ من افسانۂ تو سوختہ بود

درد از ہجرِ تو دیدم کہ ندیدم ہرگز — آنچہ ایں بار کشیدم نہ کشیدم ہرگز
کامم ایں بود کہ در پائے تو میرم روزے — مردم از حسرت و ایں کام ندیدم ہرگز
ہر کرا حالِ نکو بود بکامے برسید — من ناکام بکامے نرسیدم ہرگز
باغباناً مکن از گوشۂ باغم بیروں — کہ من از باغِ تو یک میوہ نچیدم ہرگز

منم آں بلبلِ شوریدہ چو مرغِ خانہ
بر درت ماندم و جائے نپریدم ہرگز

گر فہم کنی نغمۂ توحید چو عاشق — یکساں شنوی نالۂ ناقوس اذاں را

ولہ

دوش داغِ تو چہ آتش بدل افروختہ بود — صبح دیدم کہ کتان و جگر سوختہ بود
دی ز شاگردیش اُستادِ قضا دم زد — سبقِ فتنہ ندانم ز کہ آموختہ بود
داغِ عشقِ شفقی چہرہ بتے سوخت و بس — سوخت خود ہم بشرارے کہ مرا سوختہ بود

دستِ بیدردِ جنوں چاک نگردد در جیب
عاشقِ دل شده از تارِ جگر دوخته بود

آں قیامت قد چو در گلشن خراماں بگذرد — سرو مانند پا بگل کبک از سرِ جاں بگذرد
روزگارِ ہجر گر چندے بہ پیشاں بگذرد — وقتِ چاکِ دل رسد کار از گریباں بگذرد
آرزو باشد شہید و یاس حرماں زندہ شد — اے اجل زود آ کہ کار از دردِ درماں بگذرد
غمزہ ات زینساں اگر تاراجِ دین و دل کند — زاہد صد سالہ ہم از دین و ایماں بگذرد

نوحہ گر باشد مصیبت بیکسی ماتم کند
از جہاں عاشق چو با صد یاس حرماں بگذرد

باز کارِ دلِ دیوانہ ز ساماں افتاد — مژدہ اے دوست کہ دستم بگریباں افتاد
جاں ز ہجراں بلب آمد جگر از غم بگداشت — دل پر خوں شد و از دیدہ بداماں افتاد
قمری و سرو بہم سوختہ چو پروانہ بشمع — طرفہ آتش ز فغانم بگلستاں افتاد
شد از اں روز کہ خونابہ نصیبِ چشمم — لختِ لختِ جگرم قسمتِ مژگاں افتاد
نیست شبنم عرق افتادہ ز خجالت بر گل — تا بہ گلزار نقاب از رخِ جاناں افتاد

منت مرہم عیسیٰ نکشد عاشقِ زار
الفتے داغِ جگر را بہ نمکداں افتاد

بر جمالِ تو نقاب است ضرور — کہ بگلزار سحاب است ضرور
مستم از گردشِ چشمِ تو مدام — کہ مرا جام شراب است ضرور
چشمِ عاشق کشیں فتاں ترا — شیمۂ ناز و عتاب است ضرور
زسر بازدہ سر آبلہ ہا — بحر را جوشِ حباب است ضرور

در غم از سوزِ جگر عاشق را
اشکِ گرمے چو کباب است ضرور

جاناں ز غمت چناں بجانم　　کز جان گذرم اگر توانم
از یاد تبسم تو هر دم　　بر زخم جگر نمک فشانم
چوں وصل تو دائما نباشد　　دایم بفراق شاد مانم
عاشق شدن ست زنده مردن
خود لذت زندگی ندانم

پس از مردن گذارد پا بخاکم گر نگار من　　بگیرد دامن گلبرگ او خار مزار من
نشان تیر او گردد مگر مشت غبار من　　ز مقناطیس باید ساختن سنگ مزار من
برو اے ناصح بیدرد عیشم را مکن ضایع　　چو بلبل صرف عشق گلرخاں شد روزگار من
جوانی رفت و عیش زندگی هم رفت اے ساقی
بیک شب گشت آخر شمع ساں فصل بهار من

خبرش نیست ز درد دل بیمار کسے　　یارب او نیز شود محو گرفتار کسے
صبر و آرام خرد طاقت و هوش و دل و دیں　　بفسوں برد ز من عشوهٔ عیار کسے
نشود داغ دلت تازه غم لاله رخے　　چه خبر باشدت از سینهٔ افگار کسے
وائے بر حال من سوخته آخر که نرفت　　تا دم مرگ ز دل حسرت دیدار کسے
اے خوش آں ذوق که صد پاره جگر خوں کردم　　می نمودم ز دم خنجر خونخوار کسے
تا کے فتد بخاک کند خوں جگر کسے　　اے وائے اگر باو برساند خبر کسے
زیں ساں رعایت دل عشاق اگر کنی　　مشکل که دل بمهر تو بندد دگر کسے
خوش لذتے گرفته تیرش دل حزیں　　اے وائے حسرت ار کشد از دل بدر کسے
اے دل چه ماند که سفر غافلی هنوز　　کوس رحیل کوفت ازیں شهر هر کسے
بر نعش عاشق تو که جاں داده در فراق
جز بیکسی نبود دگر نوحه گر کسے

عاشق - پنڈت مہاراجکشن مدن صاحب خلف پنڈت دیاندھان مدن صاحب دہلوی

آپ کا اور حضرت ساحر دہلوی کا خاندان ایک ہے - اس خاندان کے مفصل حالات جناب پنڈت جانکی ناتھ مدن صاحب تخلص بیجاںؔ کے سوانح عمری میں درج کیے گئے ہیں - افسوس ہے کہ آپ کا کلام بجز دو تاریخوں کے دستیاب نہوا -

تاریخ وفات پنڈت شیو نرائن بہار

وا دریغا شد نہاں زیر زمیں — شیو نرائن خاور مہر و وفا
گفت ہاتف سال رحلت بر ملا — یکہزار و ہشت صد ہفتاد و چار

ایضاً — ۱۸۷۴

شیو نرائن چو ازیں دار فنا کرد رحیل — دل عاشق شدہ در رنج و غمش گوشہ نشیں
بہر تاریخ وفاتش بہوز ہاتف پرسید — گفت در فکر مباش و بہ تفکر منشیں

بہر تاریخ وفاتش بسر جنت فکر
عدد نام سہ چند ان بکن و سمت بیں

عاصی - رائے بہادر پنڈت ہربیر ناتھ صاحب منٹو خلف پنڈت جانکی ناتھ صاحب منٹو لکھنوی آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ اکتوبر ۱۸۷۳ء ہے - آپ کے مورث زمانہ نواب شجاع الدولہ بہادر میں لکھنؤ آکر آباد ہوئے - آپکے جد امجد پنڈت پریم ناتھ صاحب منٹو - تحصیلدار و حضور تحصیل لکھنؤ تھے آپ نے تعلیم لکھنؤ میں پائی اور ۱۸۹۳ء میں بی - اے - کی ڈگری کیننگ کالج سے حاصل کی اور اس کے بعد سلسلۂ ملازمت شروع ہوا - اولاً رسشتہ کورٹ آف وارڈس بریلی میں رہے ۱۹۰۱ء میں ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے - اور بیس سال مختلف اضلاع صوبہ متحدہ میں تعینات رہے - ۱۹۲۱ء میں عہدہ اسسٹنٹ کمشنری انکم ٹیکس کانپور کے لئے



پنڈت ہری ہر ناتھ مٹو ۔ عاصی

آپ منتخب ہوئے اور اُسی سال خطاب رائے صاحب ملا ۱۹۲۳ء میں عہدہ کمشنری انکم ٹیکس صوبۂ متحدہ پر قایم مقامی کا فخر آپ کو حاصل ہوا اور بصلۂ خدمات حسنہ خطاب رائے بہادر گورنمنٹ عالیہ ہند سے عطا ہوا۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء میں بعمر ۵۵ سال آپ مستفید پنشن ہوئے اور بالفعل کانپور میں قیام پذیر ہیں۔

ہمکو صورت نہ دکھاتے نہ دکھاتے لیکن
غیر سے بھی تو نہ در پردہ اشارے ہوتے
جذبہ اتنا تو اثر تونے دکھایا ہوتا
ہم تو اُنکے تھے مگر وہ بھی ہمارے ہوتے

ولہ

روکا جگر پہ جب سے ہے چتوں کے وار کو
آتا نہیں قرار دلِ بیقرار کو
میں جانتا ہوں آپکے قول و قرار کو
سمجھاؤں کس طرح دل امیدوار کو
دیکھا جمال یار جدھر کو اٹھی نگاہ
کیوں کیجئے تلاش عبث کوئے یار کو
جوشِ جنوں میں ہمکو تو صحرا ہوا نصیب
گلشن پسند آیا ہے اُس گلعذار کو
کسکی مجال دیکھے تجلی روے یار
ہے انتظارِ وصل محض انتظار کو
محروم لوٹے کعبۂ و دیر و حرم سے ہم
دل ہی میں پایا جلوۂ روئے نگار کو
قطعِ امیدِ وصل ہے صورت سے آشکار
کرتا جدا ہوں جامہ کے ہر تار تار کو

جب یار ہو نہ پاس تو اپنا سلام ہے
مے کو گلوں کو باغ کو ابرِ بہار کو

اے ابر رحمت بر من نگاہے
بیم نہ داری باشد کہ گاہے
تو شاہِ شاہاں۔ من مور بے پر
عاجز و خستہ چوں پرّہ کاہے
بگذر ز عصیاں بہ پذیر توزش
سر تا بہ بوئیم پُر از گناہے
از فیض مرشد امید دارم
کہ دیگر ندارم من دستگاہے
بر من فگندہ امشب نگاہے
کردہ است بیروں از قعر چاہے

دہ وہ تجلی نا یدہ بہ گفتن خورشید ہے منور تر ماہے
خاموش عاصی ایں سر نگویند
شکرش ادا کن شام دیگاہے

عاصی جناب پنڈت سروپ نرائن بھان صاحب خلف پنڈت جگت نرائن صاحب اکبر آبادی

جہاں کہیں انقلاب روزگار اپنا قدم جماتا ہے وہیں سرد گرم کے مزے لوگوں کو چکھاتا ہے۔ حالانکہ کشمیر جنت نظیر مجسّم خطہ زمہریر ہے مگر اس کو بھی اس ستم قدم نے ایسے ایسے گرم گرم مزے چکھائے کہ سردمہری بتان بھی پانی پانی ہوگئی کچھ عرصہ ہوا دشمنوں و حاسدوں کی دست برد سے اس کو بہت کچھ لوٹا کھسوٹا۔ مذہبوں کے خون ہو گئے۔ سرمائے تلف ہو گئے۔ قحط الرجال ایسا واقع ہوا کہ آدمی عنقا ہو گئے ہماری قوم کشمیری پنڈتان پر بھی ایسا وبال آیا کہ وہاں اسنے گنے گھر باقی رہ گئے۔ مستورات برائے نام رہ گئیں۔ سنتے ہیں صرف گیارہ گھر ایسے رہ گئے تھے جن میں کشمیری دیویاں موجود تھیں۔ مجبوراً کشمیری پنڈتوں کو دیگر عورتوں سے شادیاں کرنی پڑیں۔ انہیں گیارہ گھروں میں بھان خاندان بھی تھا۔ عاصی صاحب کے بزرگ کشمیر سے دہلی میں آکر سلطنت مغلیہ سے وابستہ ہوئے۔ آپ کے والد اور دادا صاحبان ممالک متحدہ آگرہ اودھ میں نمک کے محکمہ میں ملازم تھے۔ ۱۸۶۸ء میں اس خاندان کی قسمت کا ستارہ طلوع ہو کر آفتاب بنا یعنی عاصی سا ہونہار سپوت تولد ہو کر اندھیرے گھر کو روشن کر گیا۔ زمانہ کے موافق آپ کی تعلیم انگریزی اور اردو میں ہوئی۔ آغاز ملازمت نمک کے محکمہ میں ہوا تھا مگر جگہ تخفیف میں آجانے سے تیس چار برس ہی میں یہ سلسلہ قطع ہو گیا۔ آخر کار آپ متھرا چلے گئے وہاں سے جناب دیبی پرشاد صاحب سے سفارشی خط بنام پنڈت ہیت رام صاحب دیوان ریاست ریواں ملک بگھیلکھنڈ



پنڈت سروپ نراین بھان - عاصی

لیکن تن تنہا آپ وہ وانہ کے تلاش میں کالے کوسوں روانہ ہوگئے ہمت مرداں مدد خدا کہتے ہوئے ریواں جا پہنچے مقدر نے یاری کی سررشتہ دار دیوانی و فوجداری مقرر کئے گئے۔ تیس برس تک ریاست کا کام بحسن تمام انجام دیتے رہے۔ مجسٹریٹ درجہ اول کے ہوکر خوب داد عدل گستری دی۔ چند بار رئیس ہیچ‌مدار ریاست اور مہاراجگان ریواں نے انھیں فاخر خلعتوں سے مزین و مفتخر کیا۔ عہدۂ مجسٹریٹی سے آپ نے پنشن لی۔ آٹھ نو برس مشکل سے اسے حاصل کیا ہوگا کہ مرض فالج نے اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ء میں آپ کو نکمہ کر دیا۔ پہلے دو حملے برداشت کرکے جان بچا گئے مگر آخری تیسرے حملہ سے آپ ایسے زیر ہوئے کہ مرکر ہی اوٹھے۔ چونسٹھویں سال منزل کو کرشن بھگوان کی بھگت اور پریم میں طے کرگئے۔ آپ کا سنہ ولادت سنہ ۱۸۵۰ء تھا آپکو جسمانی کثرت کا شوق تھا۔ ہندوستانی ورزش مرغوب تھی جفاکشی راست گوئی آپ کا شیوہ تھا۔ غیظ و غضب مزاج میں ضرور تھا مگر انصاف پسند بھی حد درجہ کے تھے۔ وضع قطع ہمیشہ سادہ رکھی۔ عمر بھر دنیاوی نمائشوں سے نفرت رہی۔ صبر و شکر۔ ضبط و تحمل تمام خوبیوں سے مملو تھے۔ منعم حقیقی نے آپ کو دولت اور اولاد دونوں سے صاحب نصیب کیا تھا پہلے پہل آپ کی طبیعت کا رجحان اُردو شاعری کی طرف ہوا۔ اپنا اُستاد کسی کو نہیں بنایا۔ آپ کی سب سے پہلی نظم اُردو کی اپنے مربی و معاون پنڈت بینی رام صاحب کے مستقل دیوان ہو جانے پر شایع ہوئی۔ اس کے بعد عاشقانہ غزلوں کا سلسلہ ملتا ہے۔ جس میں قدیم طرز اور پرانی طرحوں پر گوہر افشانی کی گئی ہے۔ ایک دیوان ردیف وار خود آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا آپ کے سب سے بڑے صاحبزادہ پنڈت شیو نرائن صاحب بھان عاجز کے پاس موجود ہے مگر افسوس کہ ہنوز زیور طبع سے مزین نہیں ہوسکا ہے۔

ریاست ریواں کی ملازمت میں ناگری پڑھی سنسکرت میں اچھی مہارت حاصل کی۔ وہاں کے راجہ صاحب کی بنائی ہوئی کتھا گوت سنسکرت کی راتدن پڑھا کرتے تھے۔ خود بھی کبت دوہے۔ چھند۔ چوپائیاں ہندی میں کہنے لگے۔ جن کی تعداد بھی بے شمار ہوگئی

آپ کی بنائی ہوئی سروپ ساگر دربار کشمیر میں انعامی کتابوں میں منظور شدہ ہے اور ہزاروں کاپیاں اسکی وہاں چھپ چکی ہیں آپ کے تینوں صاحبزادگان پنڈت بشو نرائن بھان عاجزؔ پنڈت پریم نرائن بھان اخترؔ اور پنڈت تربھون ناتھ صاحب بھان فریادؔ۔ بی۔ اے کو شوق سخن ہے اور حضرت عاصیؔ مغفور کے جوش طبع کو بحر عالم میں نمودار کر رہے ہیں

قطعہ تاریخ وفات از ہمدم اکبر آبادی

بزم شعرا ہائے بے رونق ہوئی — ہو گیا ہے کون یہ برباد آہ
لکھدو ہمدم ہائے تم تاریخ مرگ — حضرت عاصی گئے ناشاد آہ

سنہ ۱۹۷۱ سمبت = ۱۴۰۸ - ۱۷۱ - ۳۰ + ۶۰۳۵۷

قطعہ

ہوش ہی اپنے ٹھکانے ہیں کہاں — سانحہ جانسوز ہے ہوں مطلع
ہائے ہمدم اب کہاں عاصی نصیب — رشتۂ الفت ہے رائج منقطع

۱۴۱۶ - ۱۵ - ۲۱۲ - ۲۹۹ ، ۱۲ ، ۱۹ء

غزلیات

ہاتھ سے گر آپ کے ساغر عطا ہو جائیگا — خشک لب میں کچھ تو ہمکو آسرا ہو جائیگا
اسکی الفت کی نہ کی کچھ قدر تمنے تو کبھی — دل ہمارا پھیر دو بس اور کیا ہو جائیگا
بے سبب عاشق کو اپنے کوستے ہو کس لئے — اسکے حق میں دیکھ لینا یہ دعا ہو جائیگا
میں بھی جھوٹا تھا بھی میری ٹھہری غلط — آپکا تو جاؤ بیجا سب بجا ہو جائیگا

ولہ

شوریدہ تیرا سوئے بیاباں نکل گیا — وحشت کے ساتھ لیکے وہ ساماں نکل گیا
باد خزاں سے رنگ چمن کا خراب ہے — مدت ہوئی وہ بلبل بستاں نکل گیا
واللہ بدگمانی کی کچھ حد نہیں رہی — تربت سے کیا بچا کے وہ داماں نکل گیا

ولہ

نظر آتے ہیں میری جاں کے خواہاں کیا کیا — سنگدل ملتے ہیں غارت گر ایماں کیا کیا

ضبط کو دیکھئے بولا میں نہیں آپ سے کچھ
جی میں جو آیا کیا آپ نے جاناں کیا کیا

سوزے عشق میں پروانہ کے حالت یہ ہے
گل کترتی ہے کھڑی شمع شبستاں کیا کیا

ولہ

رخت ہے ساتھ میرے بے سروسامانی کا
لوتزہ و نہ رہا جامۂ عریانی کا

زخم دل اور جگر میں یہ تڑپے کیسی
کچھ مزہ ملتا ہے دیکھو نمک افشانی کا

سوز پروانہ کی کیا لوسی لگی ہے دلمیں
ہوگیا عشق عیاں شمع شبستانی کا

در بتخانہ ہے اور پائے بتاں پر سر ہے
اب نہ دعوے رہا کچھ ہمکو مسلمانی کا

ولہ

آہ سوزاں کا اثر کچھ بھی جو جاناں ہوگا
ہاتھ مل مل کے تو پھر کیسا پشیماں ہوگا

ظلم کا ہمتو خدا سے بھی کرینگے دعوے
حشر کو ہاتھ میں میرے ترا داماں ہوگا

چار دن فصل بہاراں کو اوڑا لے گلچیں
پھر نہ گل ہوگا نہ بلبل نہ گلستاں ہوگا

دہنِ شیریں سے کوثر کا پتہ ملتا ہے
کوچۂ یار بس اب روضۂ رضواں ہوگا

آگئی دست درازیِ جنوں کی باری
چاک وحشت سے ابھی جیب و گریباں ہوگا

دستِ قاتل سے تو ہے ہمکو شہادت منظور
منت احسان تیرا خنجرِ برّاں ہوگا

ولہ

کعبہ کی یا کلیسا کی عاصی نہیں ہوس
ہمکو تو بتکدہ کا فقط آسرا رہا

ولہ

قاتل کے دلکا آج تو ارماں نکل گیا
اچھا گلو پہ خنجرِ بیداد چل گیا

صورت بھی ہائے میری وہ پہچانتے نہیں
کیسا مزاج اونکا یکایک بدل گیا

پہلو میں دلکو ہاتھ سے تھاما نہیں گیا
کوچہ میں اوسکو دیکھ کے ظالم مچل گیا

دلمیں بھی سوز عشق کی جو لو لگی ہوئی
محفل میں غم سے شمع کے پروانہ جل گیا

ولہ

پامال ادا ناز کا کشتہ ہے مجھے سمجھو
بے واسطہ مٹی مری برباد نہ کرنا

اس کنج قفس میں ہی پڑا رہنے دو صیاد
اب فصل خزاں ہے مجھے آزاد نہ کرنا

اے شوخ یہاں عاصیِ بسمل کی لحد ہے
یاں ناز سے چل کر ستم ایجاد نہ کرنا

زلف کھولے ہوئے وہ بیٹھے ہیں — قہر ہے ظلم ہے بلا ہے آج
کیسے دامن میں سرخ ہیں دھبے — کسی عاشق کا خوں بہا ہے آج
حال بیمار کا ترے ہے خراب — کاہشِ ہجر جانگداز ہے آج

کل تو عاصی کا حال تھا ابتر
اوس کا کچھ حال پھر سنا ہے آج

ولہ
اے ساقی اسطرف بھی ذرا مہر کی نظر — ملجائے ہمکو ہاتھ سے ساغر کسی طرح

ولہ
تک رہی ہے مجھے حسرت سے قضا میرے بعد — ہاتھ ملتی ہے الگ دیکھو حنا میرے بعد
پیچ کھاوے گی جواب زلف دوتا میرے بعد — کسکے سر جاکے پڑیگی یہ بلا میرے بعد
قتل کرتا ہے تو کر سوچ لے لیکن دل میں — کون اُٹھائیگا ترے ناز و ادا میرے بعد

ولہ
ساقی ہے مے ہے باغ ہے ابرِ بہار ہے — میخوار خوش ہیں خانۂ خمار دیکھکر
زخمی ہوا تھا دل مرا تیرِ نگاہ سے — سر بھی جھکا ہے ہاتھ میں تلوار دیکھکر
طے ہو گی دیکھیں کسطرح مسلکِ عدم کی راہ — گھبراتا دل ہے منزلِ دشوار دیکھکر

عاصی ہمیں بھروسہ رحیمی کا اوسکی ہے
بخشے گا کیا نہیں وہ گنہگار دیکھکر

ولہ
اے بے وفا رہی نہ تمنا ہی دید کی — انکار کا نہ غم ہے نہ اقرار سے غرض
روزے نماز ہو چکے کعبہ کو جا چکے — زاہد کسے ہے مفت کی بیگار سے غرض
بے یار کیا کرینگے صراحی و جام کو — ساقی ہمیں ہے مے سے نہ گلزار سے غرض
ہم مست ہیں الست کے اے شیخ و برہمن — تسبیح کا نہ ورد نہ زنار سے غرض

محشر میں عاصی ہم نہ ڈرینگے عذاب سے
ہوگی وہاں خدا کو گنہگار سے غرض

اُن نگاہوں کی نہ شوخی کم ہوئی — چل رہی ہے ہر طرف تلوار صاف

جان جب نکلی تو جھگڑا مٹ گیا
عشق کا اچھا ہوا آزار صاف

کعبہ میں ناحق تلاشِ یار کی
بتکدہ میں مل گیا دیدار صاف

ہم تیرے ناز اٹھانے کے قابل نہیں ہے
پتھر کا اپنا کوئی کہاں سے بنائے دل

دن رات ہمکو رہتا ہے کھٹکا لگا ہوا
آفت کہیں سے ڈھونڈ کے تازہ نہ لائے دل

مے کے بجائے ہجر میں رونے کا شغل ہے
خونِ جگر کو پیتے ہیں غم ہے غذائے دل

اتنا ضرور آگے قدر انداز دیکھنا
تیرِ نگاہِ ناز سے بچنے نہ پائے دل

عاصی ہم آج دیکھنا روئیں گے زار زار
کسواسطے کوئی مرا آکر ستائے دل

ہوئے ہیں وہ زلفیں بنانیکے قابل
ہیں کالے کے منتر جگانے کے قابل

سمجھ لینا ظالم یہ نازک بہت ہے
نہیں دل ہے میرا ستانے کے قابل

مرے قتل میں دکھ نجائے کلائی
یہ شمشیر کب ہے اوٹھانے کے قابل

سمجھ لیجے عاصی یہ مہماں سرا ہے
یہ دنیا نہیں دل لگانے کے قابل

پہلو سے دلکو کوئی چورا کر لے گیا
کسکی نظر لگی کہ ہوئے بے خبر سے ہم

فرقت میں آپکی ہمیں وحشت یہ ہوگئی
کرتے ہیں باتیں رات کو دیوار و در سے ہم

کعبہ کو چھان ڈالا ہے جاتے ہیں دیر کو
عاصی تلاشِ یار میں نکلے ہیں گھر سے ہم

یہ آئینہ میں بھی او پری رو کچھ آج قدرت خدا کی دیکھی
یہ عکس کرتا ہے کیا اشارہ میں تیرا ثانی جواب میں ہوں

گہ انکساری ہے گاہ زاری بتوں سے بس اپنی لو لگی ہے
خدا گنہ اپنے بخش دیگا میں فکرِ روزِ حساب میں ہوں

نہ عاصی محشر کا کچھ ہے کھٹکا ازل سے میں بھی ہوں مستِ وحدت

کبھی خیالِ کباب میں ہوں کبھی میں شغلِ شراب میں ہوں

حرم چھوڑ کر بت کو کرتے ہیں سجدہ — مسلمان بھی سارے کافر ہوئے ہیں
بکھرنے لگے دیکھو گیسوئے جاناں — جو کالے تھے بے پردہ بے ڈر ہوئے ہیں
خدا حشر میں دیکھیں بخشے گا کیونکر — گناہوں سے تو کالے دفتر ہوئے ہیں

دیکھو قاتل کا بھی تیور نہ بدلجائے کہیں — صفت میں خنجر بیداد نہ چل جائے کہیں
رقص بسمل کا ذرا آنکھ بچا کر دیکھو — تھام لو اسکو کلیجہ نہ دہل جائے کہیں
شیخ جی محفل رنداں میں نہ آؤ جاؤ — سر سے دستارِ فضیلت نہ اچھل جائے کہیں

ولہ

نیم جاں خستہ جگر او بتِ کافر میں ہوں — مایلِ شور و فغاں ہائے نہ کیونکر میں ہوں
رات دن غیر دل پہ رہتی ہے تلطف کی نگاہ — ناز بیجا ترے سہنے کو ستمگر میں ہوں
ہتکڑی ہاتھوں میں پاؤں میں پڑی ہے بیڑی — اے جنوں دیکھ یہ پہنے ہوئے زیور میں ہوں
ہے خزاں رہنے دے اب کنج قفس میں صیاد — جان سے تنگ ہوں بے زار ہوں بے پر میں ہوں

کس ستمگار کے آنے کی خبر دیتے ہیں — نامہ بر دل کو تو سیماب سا کر دیتے ہیں
خم کے خم لا کے پلائے جا ہمیں تو ساقی — ہاتھ سے پیالے کو لے طاق پہ دھر دیتے ہیں
جان پروانہ کی لیتے ہیں تماشا کر کے — شمع کے گل کو وہ قینچی سے کتر دیتے ہیں

شعلہ رویوں سے ذرا دور رہو تم عاصی
ہنستے ہنستے ہی جلا سیکڑوں گھر دیتے ہیں

ہائے نازک مزاج ہو کتنے — باتوں باتوں میں روٹھ جاتے ہو
شکوۂ جور ہم نہیں کرتے — اولٹی صلواتیں تم سناتے ہو
آفتیں عشق کی کڑی ہیں بہت — شور دیوانوں کیوں مچاتے ہو
کبھی بنتے کبھی بگڑتے ہو — روپ کیا کیا سے نئے دکھاتے ہو

ولہ

نگہِ ناز کا ظالم تری بسمل میں ہوں — آبِ شمشیر کا پیاسا مرے قاتل میں ہوں

تمہیں سچے سہی سب باتیں تمہاری سچی — میں ہی جھوٹا سہی خود دعویٔ باطل میں ہوں
ہجر دلدار میں کیا ہو گئی حالت میری — درد پہلو میں ہے نم آنکھ میں بیدل میں ہوں
راتدن دلکو قیامت کا لگا ہے کھٹکا — فکر سے راہ عدم کے نہیں غافل میں ہوں
دلمیں ہے ٹھان لیا سر ہوں ہتیلی پہ لئے — آج قاتل سے مقابل سرِ محفل میں ہوں

وله

آج اپنے دل ناداں کو تو سمجھا دیکھو — اپنا دشمن ہے بنا آپ ہوا کیا دیکھو
دوستو ایک نیا اور تماشا دیکھو — عشق کا لائے ہیں بازار سے سودا دیکھو
بے وفاؤں سے پڑا کام خدا خیر کرے — دل پلٹتا نہیں تقدیر کا پلٹا دیکھو
خاک کیوں چھانتے ہو کعبہ میں رکھا کیا ہے — بتکدے چل کے مرے یار کا جلوا دیکھو

بانی پی پی کے جسے کوس لیا کرتے تھے
آسی عاصی کا یہ نکلا ہے جنازا دیکھو

نیم بسمل ہیں ادھر ایک اشارہ پھر ہو — نام ہو آپ کا اور کام ہمارا پھر ہو
دیکھئے کیا ہو مرے سینہ پہ رکھدو تم ہاتھ — اپنے جینے کا تو اے جان سہارا پھر ہو
آئینہ خانے میں لیجائینگے دم میں آکر — او پری دیکھنا شیشہ میں اوتارا پھر ہو

وله

لاکھوں منت سے بھی ساقی نہ ملا ایک چلو — ہم بھی کیا یاد رکھیں گے ترے میخانے کو
لو لگی شمع شبستاں کو کہو ہے کس کی — عشق کا سوز یہ کیا رہتا ہے پروانے کو
کعبہ جائیگی ہے خواہش نہ کلیسا کی ہوس — دل فدا ہوتا ہے بس دیکھ کے بتخانے کو

وله

ناز سے چل کے یہ کیوں فتنہ بپا کرتے ہو — خیر ہے تمکو ہوا کیا ہے یہ کیا کرتے ہو
چل کے بتخانہ خدائی کا تماشا دیکھو — کعبہ میں خاک ملے گا جو رہا کرتے ہو
کعبۂ دل کی مرے سیر کرو تم چلکر — بیٹھے بتخانہ میں کیوں بت سے رہا کرتے ہو
چاند سے چہرہ کو لگ جائیگا ناحق دھبا — منہ پہ کیوں برقع یہ ہر وقت رکھا کرتے ہو

وله

ایک پیالے سے بھلا سیری کہاں — خم کے خم لاکر ہمیں پلوائیے

لگ نہ جائے آپ کو اپنی نظر — آئینہ کو یوں نہ دیکھے جائیے
بندہ پرور کچھ تو ہو خوفِ خدا — بے سبب کیوں جھوٹی قسمیں کھائیے
کشتۂ حرماں کی آگے ہے لحد — پھول دو اس پر چڑھاتے جائیے

دلِ شیدا کو ترسایا نہ کیجے — دکھا کر منہ تو چھپ جایا نہ کیجے
مری تربت کو ٹھکرایا نہ کیجے — قیامت جا بجا ڈھایا نہ کیجے
ذرا گیسو کو سلجھایا نہ کیجے — نیا اندھیر دکھلایا نہ کیجے

ولہ

یار کی یاد مجھے روز رلا دیتے ہیں — داغِ دل داغِ جگر کیا مزا دیتے ہیں
ہو گئے محو ہیں کچھ یادِ بتاں میں ایسے — جا کے کعبے میں بھی ناقوس بجا دیتے ہیں
آج کھولے ہوئے بیٹھے ہیں وہ گیسوئے رخ پر — روز و شب دیکھو وہ کس طرح ملا دیتے ہیں

ولہ

نگاہِ ناز میں جادوگری ہے — تبسم میں طلسمِ سامری ہے
گلے مل مل کے کیا روئی ہے شبنم — نمی سبزہ میں ہے گل میں تری ہے
چمن میں کیا خزاں آئی ہے عاصی
نہ غنچے ہے نہ شاخِ گل ہری ہے

آئینہ خانہ میں حیران بنایا تمکو — اب تو کچھ سمجھے کہ اللہ کی قدرت کیا ہے
مینے تاکا بھی نہیں آنکھ سے دخترِ رزکو — ساقی یہ جھوٹی لگاتا ہے مجھے تہمت کیا ہے

عالم۔ راجہ پنڈت لچھمی نرائن کول غمخوار

راجہ صاحب مرحوم پنڈت جواہر ناتھ صاحب کول غمخوار المتخلص بہ ساقی کے والد کے پردادا تھے آپ کے حالات حضرت ساقی کی سوانح عمری کے ساتھ مفصل درج ہیں۔ افسوس ہے آپ کا ایک شعر بھی دستیاب نہیں ہوا۔

عبرت۔ پنڈت بشن نرائن ہانگل صاحب خلف پنڈت رادھا کشن صاحب



پنڈت کرتا کشن رینہ گڑ بڑ۔ عزیزؔ

آبرو سے گردِ صحرا اشک بس دھو دیتے ہیں — یہ لڑکپن سے مرا منہ دوڑ کے دھو دیتے ہیں
یاد آجاتی ہیں وہ جوشِ جنوں کی سختیاں — دیکھتے ہیں جب کسی مجنوں کو ہم رو دیتے ہیں
میرے حالِ زار پر کیونکر نہ ابر آنسو بہائے — نرم دل انسان پہ سختی دیکھکر رو دیتے ہیں

عجزؔ ۔ پنڈت نرائن صاحب کول

سنہ ۱۱۸۲ھ ہجری میں پنڈت نرائن کول صاحب متخلص بہ عجزؔ نے عارف خان صوبہ دار کشمیر کے عہد میں مختصر تاریخ کشمیر فارسی میں بحوالہ کلہن پنڈت کے تالیف کی تھی اسکا ایک قلمی نسخہ بمقام دہلی پنڈت بشمبر ناتھ صاحب دہلوی کی نظر سے گذرا تھا۔ آپ کا کلام نظم تبرکاً بھی کہیں نہیں ملا۔

عزیزؔ ۔ پنڈت کرتا کشن صاحب رینہ گرٹو ولد پنڈت مہتاب رائے صاحب مسکین

خط پنڈت کرتا کشن صاحب رینہ گرٹو از مقام دہلی

بر ضمائر صاحبان حکمت و تدبیر اعنے مہتمان مراسلہ کشمیر روشن و ہویدا باد نمسکار۔ بمعائنہ مراسلہ ماہ جولائی سنہ حال کہ بنام رہین رنگ چہرۂ شاہد وصول ریختہ انکشاف اکثر حقایقِ مشتبہ اش گردیدہ لاریب اصحابِ والاتمکین وارباب دانش آئین ہر انچہ زیب تسطیر فرمودہ اند بس نیکوست و خالی از نقودِ صداقت نیست میدانم و منقوشِ صفحۂ خاطر فاتر می نمایم کہ ہر رسمے از شہر بابرکت لکھنؤ سمت رواج خواہد یافت بلا تامل و اہمال سکنائے اقوام ایں دیار ہم بہ تتبع آں خواہند پرداخت دریں روزہا بحسب اتفاق روزے در گوشہ خانہ جا داشتم و خاطر ژولیدہ ام ملحوق بعض تعلقات بجا ہے کشید یکبار نسب حب وطن و برعکس آں شعرے چند از خامۂ خام رقم تراویدہ حسب منشاء مراسلہ برائے ملاحظہ اربابِ قوم ذیلِ ایں کتاب درج کردہ میشود بچشم اصلاح ملاحظہ فرمایند و سہو و خطا را معاف زیادہ بجز نیاز چہ۔

خوش آں رسم و آئینِ دیرِ کہن — خوشا ذوقِ مستی ز اہلِ وطن

خوش آں گل کہ در گلستاں بشگفد خوش آں بلبلے کز چمن پر خود
خوش آں سروِ یکتا بپائے قیام نمو دست در باغ آں بے خرام
خوش آں قمریاں در چمن نغمہ زن بخاکستری جامہ کردہ وطن
فتادست سنبل دریں گلزمیں پریشاں چو موہائے خوبانِ چیں
نسیم بہاری بگلشن خوش ست شمیم بہاری بگلشن خوش ست
بہارِ چمن از وطن بر تر ست قیامِ وطن از چمن خوشتر ست
بہارست در گلشنِ جائے خویش نباید کشید از وطن پائے خویش
بہارست اے بلبلِ نکتہ داں بہارست اے مرغ رنگیں بیاں
کسے کو شد از وطن پا بروں خطا میکند می نماید زبوں
ز دریا اگر ماہی آید کنار شود بیقرار و شود بیقرار
گہر از صدف سر چو آرد بروں بغلطد دوام و رود سرنگوں
بہارست ای ساقیِ لالہ رنگ بدہ پر لبالب مرا بے درنگ
چو حبِ وطن روز افزوں کند تہی ساغرم ز آبِ پر خوں کند
بقولِ ظہوریِ صاحبِ ظہور کشیدن مئے ناب باشد ضرور
حرامست بے می حرامست زیست بر احوالِ زہاد باید گریست
نہ چنداں کہ سازد ترا پر غرور ولے آں قدر تا رساند سرور
سبوئے خورد نش در وطن خوشتر ست و یا میل او در چمن خوشتر ست
منہ پائے بیروں ز اندازہ کہ تا بر نگوئی سخن تازہ
بگرداں عنانِ سخن زیں خیال قلم را رواں کن سرِ حفظ حال
ز حبِ وطن گرچہ گفتم بسے اجابت کند یا نسازد کسے
کنوں خامہ ام میرود زیں سخن رقم می نماید خلافِ وطن

ہوائے وطن گرچہ بس خوشترست | سواد وطن از سفر بہترست
ولے نیک بشنو تو اے نیک روز | چراغِ سفر را بدل بر فروز
نرفتہ اگر آدمی در سفر | بود مثلِ حیواں سراپا مگر
سیاحت بود کارِ اہلِ ہمم | سیاحت نمایند صاحب حشم
ز سیاحیِ دھر آید خرد | بماند جدا از عملہائے بد
ثمر از ولایت در آید بہ سند | فرنگی ز مشرق شد آنروی سند
شہانِ زمانہ ز اطراف ہا | نشستند ہر یک بجا ہا بجا
کشیدند اقلیم ہا زیرِ تیغ | نمودند جائے خودش بیدریغ
خصوصاً کسے کو بدہلی رسید | دریں شہر یکچند منزل گزید
بحُبِّ وطن گر نکرد التفات | دریں سرزمیں گشت ویرا برات
ز تاجر ببیں کز وطن میروند | بدریا و ہاموں قدم میزنند
فروشند سودا بگیرند سود | گذارند عمرے برقص و سرود
یکے اسپ ہا میخرد ز اصفہاں | یکے پیل ہندی ز ہندوستاں
ببیں نکتہ سنجانِ عرب و عجم | بعہدِ ملوکانِ دارا حشم
چہ اکبر جہانگیر و شاہ جہاں | ثریا مکاں بلکہ عرش آشیاں
ہمہ آمدند از پئے چاکری | رسیدند بر منصبِ حاضری
نکردند یادِ وطن گاہ باز | ہمیں جا سپردند جاں در نیاز
چہ خوش گفت ابوالفضل آں مرد پیر | سخن ہائے پاکیزہ و دلپذیر
سفر کن سفر کن سفر کن سفر | سفر کن کہ بسیاری آرد ظفر
غرض قصہ کوتہ نما اے عزیز | کہ کم خوش بود گفتگو ہائے تیز

تاریخ وفات پنڈت شیو نرائن بہار

زگیتی چو بربست رخت سفر   فلاطوں خرد عاقل و پر ہنر
ثمین گوہر بحر عقل کمال   گل گلشن دانش و خوش خصال
بہار چمن شیو نرائن بنام   سہی سرو باغ فراست تمام
گلے بود در گلستان فرنگ   بہار چمن زو شدے لالہ رنگ
بیفسرد چوں غنچۂ عمر او   زگلہا بروں شد ہمہ رنگ و بو
عنادل بگلشن شدہ نالہ زن   ہمہ قمریاں کو بکو نعرہ زن
بباغ جہاں شور محشر فتاد   چو آں سرو یکرنگ از سر فتاد

شدہ زعفرانی چمن در چمن
نسیم بہاری گذشت از وطن

کہ سوخت خار و خس آشیان بلبل را   وگر بہار برافروخت آتش گل را
ز اشکہا کہ فشانید در چمن بلبل   قبائے آب رواں زیب شد بر گل را
بزیر آب طرب خیز ساقیا در جام   بلند ساز دریں بزم بانگ قلقل را

عزیز منت دوناں چرا تواں برداشت
گرفتہ ایم بکف دامن توکل را

عشرت۔ پنڈت دیا دھان گنجو صاحب خلف پنڈت مہتاب رائے صاحب

آپ سنہ ۱۸۲۳ء میں بمقام جھپورر راجپوتانہ پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۰۱ء میں بمقام لکھنؤ آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ راجپوتانہ سے آپ پنجاب چلے گئے اور ہوشیارپور سے کرنل ایبٹ کے ہمراہ لکھنؤ میں آئے جہاں تحصیلداری کے عہدہ پر آپ مامور ہوئے اور مجسٹریٹ درجہ اول اور



پنڈت دیاندھان گنجور۔ عشرت

دیوانی کے اختیارات آپ کو عطا کئے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے زمانہ غدر میں گورنمنٹ برطانیہ کے آپ ایک بڑے وفادار خیر خواہ ملازم ثابت ہوئے۔ حکام اعلیٰ کے دلوں پر آپکی وفاداری کا ایک خاص اثر تھا چنانچہ مسٹر ایس۔ اے۔ ایبٹ کمشنر لکھنؤ نے لندن پہونچکر اپنے ایک خط میں آپ کی حسن خدمات کا خاص طور پر اعتراف کیا۔ ۱۸۷۶ء میں جب شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم بہ حیثیت پرنس آف ویلس لکھنؤ تشریف لائے تھے تو شہنشاہ مغفور کی استقبال کا کل انتظام پنڈت صاحب کے سپرد کیا گیا تھا چنانچہ اس خدمت کے صلہ میں گورنمنٹ سے آپکو خلعت عطا کیا گیا اور حضور قیصرہ ہند ملکہ وکٹوریا نے لندن سے ایک سرٹیفکٹ آف میرٹ مرحمت فرماکر ایک خاص اعزاز آپ کو بخشا۔ آپ کے اکلوتے لڑکے پنڈت اقبال نرائن آپ کے زمانہ حیات ہی میں جوانمرگ ہوئے مگر آپ کے ہر سہ نبیرگان پنڈت جگپال کرشن صاحب۔ پنڈت اندرکشن گنجور صاحب اور پنڈت کنور کرشن صاحب اپنے جد بزرگوار مرحوم کے نقش قدم کے پیرو ہیں۔ لکھنؤ میں ایک چھوٹا سا پارک موسوم بہ دیا ندعان پارک پنڈت صاحب مرحوم ہی کی یادگار میں تیار کیا گیا ہے اور پبلک کے لئے ایک فرح بخش مقام ہے۔

داد خم زلفیں سیاہش تاب دگر و تاب بہ دگر | آہ وگرشد دام بلا آں کاکل مشکیں تا بکمر
گر بمیرم از غمزۂ خوبان جاں مبتلائے عشقتر | کافر باشم گر بکنم در کوچۂ ایشاں باز گذر

عمدہ۔ رائے سیتارام صاحب خلف رائے زندہ رام صاحب مؤبد دہلوی شاگرد انعام اللہ خاں یقین

تیسرے فرزند رائے پنڈت زندہ رام صاحب مؤبد کے رائے پنڈت سیتارام صاحب عمدہ تھے۔ جب مؤبد صاحب معہ فرزندان کے الہ آباد دیں منصب جلیلہ مامور ہو کر آئے بیچارہ عمدہ پچیس سال کی عمر میں جوانمرگ ہوا۔ اور اس حادثہ کے غم و اندوہ سے مؤبد صاحب چھ مہینہ کے بعد رحلت گزیں جنت ہوئے۔ عمدہ کے دیوان فارسی کو جو دس ہزار بیت

سے کم نہ تھا خود موبد صاحب نے بعد اُسکی وفات کے مرتب کیا۔ تذکرۃ الشعرا موسومہ گلزار مضامین مرتبہ راے پنڈت ٹیکارام ظفر میں ظفرؔ نے حضرت موبد کی حالت جو جوانمرگ بیٹے کے صدمہ سے ہوگئی تھی اس طور پر بیان کی ہے کہ "از مرگِ پسر پدر را خواب و خور و راحت نفور شد۔ دریں غم بعرصۂ شش ماہ آں عارفِ کامل و عابد دریا دل چوں قطرہ بدریا واصل بحق گردید۔"

باہمدے نفس زدن ہم غنیمت است — ہمچوں حباب ہر نفسے دم غنیمت است
غمگیں مشو چو رام دلارام مانشد — اے عمدہ از غزالِ حرم رم غنیمت است

ولہ

دردِ دلِ مرا نشود از دوا علاج — افتادہ ام طبیب بدستِ تو لا علاج
عمدہ جاں دادم و گفتم بہ طبیب — مرگ را ہیچ دوا می باشد

ولہ

ناگہاں بُرد از دلم آرام — نور الابصار عمدہ سیتارام
شاعرِ خوش کلام و رعناے — قال و فالش بہر دو عالم تام
سوختہ بر کنارِ تربینی ہا — خوش نمودہ بباغِ طور مقام
گنگ و جمنا و سرسوتی باہم — مئے وحدت کشندہ جام بجام

ولہ

حکایتہا کنم مستانہ از جام و چمن دیگر — کشم مے ساقیا گویم سخن از عالمے دیگر
بوقتِ واپسیں شاید دمِ تیغِ تو بنوازد — بود زاں جام برلب آمدہ مہمانِ مے دیگر
بریں دل مردگاں چوں شمع مارا گریہ می آید — دریں محفل نباشد غیر از ینہم ماتمے دیگر
مکن آں زلف را بر چہرہ۔ جاناں درہم و برہم — شود درعالمِ جاں ورنہ درہم مہمے دیگر
بروز وصل او دارم غمِ روزِ جدائی را
شبِ ہجراں ز فکرِ وصل او دارم غمے دیگر
ز فیضِ اشک بالا در دلِ شب گشتِ اعمالم — شود اے عمدہ سیراب ایں زمیں از شبنمے دیگر

اشعار اُردو

مرے تابوت پر حاجت نہیں پھولونکی چادر کی | کہ میری نعش پردہ سرہ گل اندام پہونچیگا
خراب مجھکو نہ کر جان۔ آشنا کہکر | برا کرے ہے کسو سے کوئی بھلا کہکر

عیاش۔ جیرام پنڈت گھڑیالی ساکن طوسی مسجد سرینگر کشمیر

خاص کشمیر کے شعرا کے حالات زندگی دریافت کرنے میں ناچیز مولف کو سخت ناکامی ہوئی ہے۔ جناب عیاش کے سوانح باوجود سعی بسیار معلوم نہو سکے صرف اس قدر دریافت ہوا کہ آپ عدالت دیوانی یا فوجداری میں ایک اہلکار تھے۔ معلوم نہیں کہ کس سنہ میں آپنے انتقال کیا۔ چند غزلیات جو دستیاب ہوئی ہیں اُنکے ملاحظہ سے اندازہ فرمائیے کہ آپکی طبیعت کس قدر سلاست پسند۔ فصیح اور رواں تھی۔

غزلیات فارسی

دلبرا گوش کن تو زاری ما | رحم آور بدل فگاری ما
راز عشقے کہ در دل است مرا | فاش گردد ز اشکباری ما
خرمن ماہ بر فلک سوزد | گر بچرخ آمد آہ وزاری ما
ہمچو من کیست بختور امروز | کہ کند یار غمگساری ما
گر دبہ کوتاہی آورد عمرم | کہ دراز است بیقراری ما
رفت بیروں ز چشم طفل سرشک | چکنم نیست اختیاری ما
داغ مُہر نبوت است بدل | آفریں ہا بہ بختیاری ما
در فن دلدہی و عشاقی | استوار است استواری ما
دین و دنیا و دل فدائے توشد | چہ شود گر کنی تو یاری ما
آپناں بخت بد گرفت گلو | کہ بجاں است جاں سپاری ما

مست گشتم ز چشم او در خواب | صاف آں بہ ز ہوشیاری ما
بندہ سازم بدام زلفش دل | غیر ازیں نیست رستگاریِ ما
با تو اے عقلِ خام کارے نیست | در جنوں است پختہ کاری ما
پا بگل ماندہ ام بہ کوئے قسمت | بخدا کن تو دستیاریِ ما
نعش من چوں بکوئے تو گذرد | یاد کن یاد دوستداریِ ما
بادۂ خونِ دل مدام خوریم | اے خوشا حال میگساریِ ما

تازہ شعرے فصیح گو عیّاش
کہ ہمیں است یادگاریِ ما

اے مہرباں تو دور بیفگن ز رو نقاب | تا آفتاب و ماہ نناز د بہ آب و تاب
دیدم رخش ز دیدہ فزوں شد سرشک من | نورے ز آفتاب فشاند بچشم آب
دامن تراست از عرقِ تو بہ شبنم | ساقی ز ابر شیشہ بروں آر آفتاب
زیں بعد منع گریہ کنم ہر دو دیدہ را | کز آبِ اشکِ ما شدہ یک عالمے خراب
از چرخِ پر فریب امیدِ بہی مدار | راضی نگر دتشنگیِ ہیچ کس سَرِ اب
طاقت کجا کہ تابِ فراقِ تو آورد | ایں دل بسانِ زلف در افتد بہ پیچ و تاب
جامم زمے تہی است خرابم دریں بہار | برخیز ساقیا تو قدح پر کن از شراب
ایدل کدام عیش بہ ایں عیش میرسد | کز اشک خویش بادہ خورم از جگر کباب

ثابت قدم براستی عیاش ار شوی
باشی ز بخت سبز چو شمشاد کامیاب

در آمد از درم جانانہ امشب | ز نورش شد منور خانہ امشب
بگردروے آں شمعِ گل اندام | ہجومِ بلبل و پروانہ امشب
بدہ پیمانہ پر ساقی پیاپے | مبادا پر شود پیمانہ امشب

هوس پروانه وارم چوں سمندر   بر آتش پر زنم مردانه امشب
دلم از یادِ چشمش شد چناں مست   که گویا بود در میخانه امشب
پئے تاراجِ دیں و عقل و ایماں   بتاز اے شوخ من ترکانه امشب
در آیم در چمن چوں عندلیباں   غزلخوانی کنم مستانه امشب
بر آمد آں پری از پرده ناصح   بگو خود چوں شوم فرزانه امشب
خیالِ آں صنم بگذشت در دل   دریغا کعبه شد بتخانه امشب

سرِ آشفتگی داری گر عیاش
بخواں از زلفِ او افسانه امشب

گلِ روے تو دیدنم هوس است   خار از دل کشیدنم هوس است
در گلستاں چمیدنم هوس است   گل ز گلزار چیدنم هوس است
دل ز دنیا بریدنم هوس است   دامن از خلق چیدنم هوس است
بهر پابوسِ آں پری رخسار   همچو کاکل خمیدنم هوس است
پیرهن دوختی عبث ناصح   که گریباں دریدنم هوس است
در تهِ پاے لاله رخسارے   همچو سبزه دمیدنم هوس است
اندریں باغ همچو مرغِ چمن   یکدو روزے پریدنم هوس است
یادِ قسمت وصال را چکنم   زهرِ هجراں چشیدنم هوس است
نشترِ غمزه را تو آبے ده   که رگِ جاں بریدنم هوس است
بخدا دور کن نقاب ز رو   حسنِ بے پرده دیدنم هوس است

نیز عیاش همه تن ما شو
که بجاناں رسیدنم هوس است

عیش آں کس مدام می باشد   که شرابش بکام می باشد

نسبت قامتش مکن با سرو | سرو را کے خرام می باشد
خال در زیرِ زلف پیچانت | دانہ در زیرِ دام می باشد

ولہ

لبش بخندہ کہ بازاست چہ می باید کرد | شیوہ اش راکہ دراز است چہ می باید کرد
عمر کوتاہ شد و راہ بپایاں نرسید | منزلِ عشق دراز است چہ می باید کرد
بہر یک ناز بجاناں دل و ایماں دادن | لازم اہلِ نیاز است چہ می باید کرد
روز وصلش دلِ من گریہ کناں میگوید | کہ شبِ ہجر دراز است چہ می باید کرد
بردہ ہوش و خرد و جان و دلم دلبرِ من | چشم با غمزہ براز است چہ می باید کرد

بیخود از دیدۂ عیاش بروں آمد اشک
اشک در پردہ دراز است چہ می باید کرد

لالہ رخسارے مرا دیوانہ کرد | کبک رفتارے مرا دیوانہ کرد
اے طبیباں حال زارم بشنوید | چشم بیمارے مرا دیوانہ کرد
خال ابرویش دلم از دیدہ برد | دزد طرارے مرا دیوانہ کرد
مہرورزی کردم و قہرش فزود | رحم بیزارے مرا دیوانہ کرد
اے سخنداناں دماغ آشفتہ ام | نغز گفتارے مرا دیوانہ کرد

ولہ

بہر تاراج عقل و ہوشم کرد | غمزہ با چشم اتفاق امروز
عشق پر سوز خانۂ دل را | کرد غارت بہ طمطراق امروز
کن خدر کن حذر کہ مردم را | اتفاق است در نفاق امروز

بہر تو خوار و زار شد عیاش
بخدا کن تو اش وفاق امروز

دلا بہ درد فراقش بگو چہ چارہ کنم | ہمیں بس است کہ سویش یکے نظارہ کنم
اگر بنالہ در آیم ز سستی طالع | اثر درونِ دلِ بخت سنگ خارہ کنم



پنڈت کنور نرنجن ناتھ مدن ۔ عیش

پیادہ در برِ جاناں رسید نتوانم | ہمرکبِ دلِ خود جانِ خود سوارہ کنم
آمد آں شوخ بہ بازار چہ باید کردن | برقع افگندہ ز رخسار چہ باید کردن
اے کماں ابروے من گر تو نہ دشمن ئی | پشت محراب بدیوار چہ باید کردن
نبض بیں باش طبیبا ہمراراست بگو | کہ علاجِ دل بیمار چہ باید کردن
گفتم از بوسہ دری زندہ شوم گفت از ناز | زندگی پیشِ من اظہار چہ باید کردن
زلفِ پر پیچ و خمِ خویش میفگن بر رو | حافظِ گنجِ سیہ مار چہ باید کردن

گر سرِ دانش نیستی آگہ عیاش
سخن مخزنِ اسرار چہ باید کردن

عیش۔ کنور پنڈت نرنجن ناتھ۔ مدن صاحب خلف راجہ دینا ناتھ

مدن صاحب آپ راجہ دینا ناتھ مدن کے اکلوتے لڑکے تھے۔ زمانہ عروج سلطنت پنجاب میں راجہ صاحب مرحوم مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مشیر خاص تھے اور مہاراجہ انکو اپنا سچا خیر سگال سمجھتے تھے۔ کنور صاحب فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ آپ ظریف الطبع خلیق اور منکسر المزاج رئیس تھے۔ منکا ایشور ناتھ مدن اور برجموہن ناتھ مدن آپ کے دو لڑکے تھے۔ دونوں بھائیوں نے عالم شباب میں رحلت کی۔ کنور صاحب نے ۴۹ برس کی عمر پا کر ۱۸۹۲ء میں بمقام لاہور بہشت بریں کی راہ لی۔ صرف ایک نظم ذیل بمشکل دستیاب ہو سکی۔

خُم کے خُم کے جوشش مستی میں لنڈھا دیتے ہیں | شور میخانہ میں ہو حق کا اُڑا دیتے ہیں
وہ سب فکر دو عالم کی مٹا دیتے ہیں | دمبدم ساقی و مطرب کو صدا دیتے ہیں

موسم گل میں ہم اک دھوم مچا دیتے ہیں

دیکھتے جاتے ہو کیسا ہے میرا حال تباہ | نام جانے کا بھی پھر لیتے ہو خالق کی پناہ
ابھی مر جاؤں گا دم توڑ کے اے غیرت ماہ | نزع میں ہوں میری بالیں سے نہ اُٹھے للہ

آپ کس وقت میں بندہ کو دغا دیتے ہیں

کیا سماں ہے دلا طبعِ بُتِ خود سر میں　　کیا وہ سوچے ہیں طبیعت ہے بڑی چکر میں
ظلم ایسا نہ سنا ہوگا زمانہ بھر میں　　یہ نئے طور کا انصاف ہے اُن کے گھر میں

غیر کرتے ہیں خطا ہمکو سزا دیتے ہیں

کس کا قابو میں ہے جی جوشِ جنوں میں ناصح　　پھر نہ سمجھانا کبھی جوشِ جنوں میں ناصح
یاں ہے کچھ اور چڑھی جوشِ جنوں میں ناصح　　کون سنتا ہے تیری جوشِ جنوں میں ناصح

خضر بھی آئیں تو ہم راہ بتا دیتے ہیں

یا خدا کیوں میں ہوا عاشق و شیدا اُن کا　　ہے سراپا ستم و جور کا پتلا اُن کا
ظلم اسمیں بھی ہے شامل جو ہے غمزہ اُنکا　　جب میں روتا ہوں تو اللہ رے ہنسنا اُنکا

قہقہوں میں میرے نالوں کو اُڑا دیتے ہیں

اُٹھ گیا ہائے زمانہ سے محبت کا اثر　　ایسی بے قدر ہوئی چیز یہ اے رشکِ قمر
غور تو کیجئے اس وقت طبیعت ہے کدھر　　جنسِ دل آپ گراں سمجھے ہیں اک بوسے پر

دھیان اتنا نہیں کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

عیش جو اُن کا طریقہ ہے وہ سب بیجا ہے　　غور تو کیجئے اس میں اُنھیں ملتا کیا ہے
رُو برو اُن کے صبا کی جو غزل گاتا ہے　　کریں تعریف بھلا ذکر تو اُس کا کیا ہے

چٹکیوں میں وہ مغنّی کو اُڑا دیتے ہیں

غافل - پنڈت سروپ نرائن صاحب ہاکسر دہلوی خلف پنڈت

بشن نرائن صاحب ہاکسر - آپ اندازاً اٹھارہ سال کی عمر میں دہلی سے بمشاہرہ سو روپیہ ماہوار ریاست اندور میں سپرنٹنڈنٹ پریس مقرر ہو کر گئے تھے - جب آپکی لیاقت کا حال مقامی حکام انگریزی کو معلوم ہوا تو آپکی خدمات اپنی گورنمنٹ میں منتقل کرالیں آپ اولاً بعہدہ میر منشی ایجنٹ نیٹو اسسٹنٹ ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا مامور ہوئے اور ترقی پاکر مستقل پولیٹکل ایجنٹ کے عہدہ تک پہونچے آپنے تقریباً ۲۰ سال تک پنشن پائی اور ۷۵ سال کی عمر پاکر بمقام اندور ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا



پنڈت جگموہن ناتھ ہکو۔ فدا

غافلا بس کن وزیں شعلہ زبانی باز آ
تا بدل داغ بسوزند سخندانے چند

ولہ

در خواب دیدم لام الف دل گفت تعبیرش چنیں
باشد قدِ دلبر یکے زلفِ چلیپائے دگر

ولہ

چوں خود در آہ نیست تاثیر
اے دل شودے دہنہ فریاد
از پندِ من وز صبر حسرتے
برگیر کہ آخرت کند شاد

ولہ

ببالید آں قدر سرو از پناہش
کہ ماہ و مہر باشد حدِّ جاہش

فدا۔ پنڈت جگموہن ناتھ ہکّو صاحب دہلوی۔ خلف پنڈت جوالا ناتھ ہکّو صاحب

پنڈت جگموہن ناتھ صاحب ہکّو متخلص بہ فدا آپ کا زمانہ دہلی کے نامی گرامی شعرا آغا شاعر صاحب ارشد گورگانی۔ سائل دہلوی وغیرہ وغیرہ کے صحبت میں گذرا ہے آپ دہلی کے ایک معزز خاندان کشمیری پنڈتان میں سے ہیں جنکے بزرگان معزز رؤسائے دہلی میں سے تھے آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی پنڈت جوالا ناتھ صاحب عرف ہکّو تھا۔ بچپن ہی سے شعرِ و سخن کی جانب میلان طبع تھا ابتدا میں عالیجناب مرزا سرفراز حسین صاحب طرار دہلوی شاگرد رشید مرزا نوشہ غالب سے فخرِ تلمذ حاصل کیا کچھ عرصہ تک اُستاد مرحوم سے اصلاح پائی حسب اتفاق ایک روز آپ نے ایک غزل تصنیف کر کے اُستاد مرحوم کے رو برو پیش کی جسکا مطلع یہ تھا۔

جلاتے آہِ شرر فشاں سے فلک سے ہم انتقام لیتے
جو رہتے جیتے ہم اور کچھ دن تو تجھسے بدلے تمام لیتے

اُستاد مرحوم نے سنکر فرمایا کہ صاحبزادے اب تمہارے کلام کو اصلاح کی ضرورت نہیں ہے خود ہی اپنا کلام پڑھا کرو یہ حکم اُستاد مرحوم کی زبان سے کچھ ایسا نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اُستاد رہگرائے عالم بقا ہوئے اسی عرصہ میں آپ کے والد بزرگوار کا تبادلہ بمقام انبالہ چھاؤنی بعہدہ وکیل کمشنری ہو گیا چنانچہ آپ بھی اُن کے ہمراہ انبالہ

تشریف لائے اور یہیں ملازمت اختیار کی وہاں بھی آپ کے کلام نے شہرت پائی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بیرشاعرہ کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی جسپر آپ عرصہ قریباً دس سال تک ممتاز رہے اس دوران میں معزز شعرا و اصحاب نامی گرامی کے اصرار سے آپ نے اپنا کچھ کلام بشکل دیوان ترتیب دیکر دیوان فدا کے نام سے طبع کرایا جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا حتیٰ کہ ایک نسخہ بھی آپ کے پاس نہ رہا۔ اس وقت آپ کا سن ۹۵ سال کا ہے مگر خدا کے فضل سے آپ کی تندرستی ابھی تک بدستور ہے آپ کا سن ولادت ۱۸۴۸ء ہے یہ وہ سال مبارک تھا جسوقت ایشیائی شاعری کا عروج کمال پرتھا معلوم ہوتا ہے کہ آپنے مرزا غالب۔ خواجہ حیدر علی آتش۔ حضرت ناسخ و امانت کے کلام کی خوب سیر کی ہے۔ بندش الفاظ۔ محاورات اور ضرب المثل کی آپ کے کلام میں کمی نہیں ہے۔ تشبیہ اور استعارات سے آپکے اشعار مالامال ہیں قریباً بیس بائیس سال کا عرصہ ہوا کہ آپ کی طبیعت میں کچھ ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ علم تصوف و فلسفہ کی جستجو میں سرگرداں رہنے لگے آخر کار جوئندہ یابندہ کا مضمون صادق آیا اتفاقاً شیخ المشائخ مولانا و سیدنا حضرت سید ابرار صاحب مکی مدنی کی خدمت میں آپ کی رسائی ہوگئی تھوڑے ہی عرصہ میں آپ اُنکے طالب ہوئے۔ مرشد کی نظر آپ پر کچھ ایسی پڑی کہ آپ نے اپنا کلام عشقیہ ترک کرکے نعتیہ کلام کی طرف قلم اُٹھایا۔ اس میں بھی وہ نمایاں ترقی حاصل کی کہ نعت گو اساتذہ نے آپ کی پختہ کلامی کی داد دی۔ حضرت مضطر مرحوم خیرآبادی آپ کے کلام کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔

اوس پڑ جائیگی گلشن میں گلو پر آخر
گر ترا عارضِ رنگیں عرق افشاں ہوگا

جوشش اشک کا اپنے بھی عجب ہے عالم
قطرہ سے بحر ہوا بحر سے طوفاں ہوگا

چل فدا جانب صحرا کہ بہار آئی ہے
راہ تکتا تری ہر خار بیاباں ہوگا

ولہ

قاصدا جسکو سمجھتا تھا میں نامہ اُن کا
وائے حسرت کہ مرے قتل کا محضر نکلا

تھی لکاوٹ نہ ترے دل میں تو کیوں اے قاتل
ہم پہ ترک ترک کے ترا میان سے خنجر نکلا

ولہ

دل مرا پھر عاشقِ زلفِ چلیپا ہوگیا — پانوں پھر زنجیر میں پھر سر میں سودا ہوگیا
موسمِ گل کو تو آنے دے ذرا دستِ جنوں — چاکِ دامن کا ابھی سے کیوں تقاضا ہوگیا
اور بھی پھیری چھری اُس نے گلے پر روک کر — رقصِ بسمل بھی ستمگر کو تماشا ہوگیا
گر نہ تھے تم باعثِ مرگِ فداے خستہ تن — کیوں عزاداروں میں پھر چرچا تمہارا ہوگیا

ولہ

اس اُجڑے ہوے دل کو کیا دیکھتے ہو — کبھی یہ مکاں بھی تھا مسکن کسی کا
نہ گنجِ شہیداں میں ٹھکرا کے چلئے — کہ آخر تو یہ بھی ہے مدفن کسی کا
کسی نے تو مجھے چھڑایا کسی کو — قیامت میں پکڑوں گا دامن کسی کا
جھلکتا ہے آنکھوں میں کیا کیا ہمارے — فدا جلوۂ روئے روشن کسی کا

ولہ

مردم دیدۂ عاشق سے اگر پردہ ہے — خانۂ دل میں بنا لیجئے مسکن اپنا
کیوں نہ کانٹوں پہ گلستاں میں عنادل لوٹیں — حیف گلچیں نے بھرا پھولوں سے دامن اپنا

ولہ

اب میرے آہ و نالہ کی تاثیر دیکھنا — رہنا سنبھل کے او فلکِ پیر دیکھنا
مانی سمجھ کے کھینچنا۔ خاکہ اوڑاوں گا — بگڑی کہیں جو یار کی تصویر دیکھنا
زنداں میں غل یہ کیا ہے کہیں ہلگئی نہو — انکی اسیرِ زلف کی زنجیر۔ دیکھنا
مضموں نئے ہیں طرز نئے۔ بندشیں نئی — ہے کس بلا کی یار کی تحریر دیکھنا
اُمیدِ قتل قطع ہوئے اسکے ہاتھ سے — کھنچتی ہے مجھسے یار کی شمشیر دیکھنا
دبتے ہمارے خوں کے ہیں قاتل جو تیغ پر — بنجائینگے یہ جوہرِ شمشیر دیکھنا

ولہ

نہ نکلا دو دِ دل ضبطِ فغاں سے ہمنے گو مانا — مگر آخر تو دل کو تونے اے سوزِ نہاں پھونکا
تری برقِ تبسم نے پھر حسن کیا کہئے — ہمارے خرمنِ ہستی کو دم میں ہگیاں پھونکا

ولہ

آہ سوزاں کی مری تاثیر کیا جاتی رہی — کیوں اثر ہوتا نہیں یارب مری فریاد کا
دیدۂ حسرت سے تکتا ہے گلوئے سخت جاں — ہاتھ رک جاتا ہے وقتِ ذبح جب جلاد کا

ایک مرتبہ آپ گوالیار سے کسی وجہ سے ناخوش ہوکر بھوپال تشریف لے گئے اور خان بہادر اسرارحسن خانصاحب نصیر المہام ریاست بھوپال کے مکان پر فروکش ہوئے اور ایک درخواست دربارہ حصول ملازمت پیش کی خانصاحب نے فرمایا کہ اس درخواست کو نظم کرکے عنایت فرمایئے تو مناسب ہوگا چنانچہ آپ نے فی الفور قلم برداشتہ اُس کو نظم میں تحریر فرمایا جو یہاں پر درج کی جاتی ہے واقعی خوب فرمایا ہے۔

مشعل سے آفتاب کے ڈھونڈوں اگر جہاں | سلطانۂ عالیہ* سا میں کب پاؤں مہرباں
چارہ گرِ غریب دوا سازِ بے کساں | ہم نطق و فضل و فیض ہم کی تمام جاں
یہ باغ سبزہ بختوں سے خالی نہیں کبھی | جنکی شمیم خلق سے گلزار بوستاں
ابلغ وہ اسقدر کہ بلیغوں کے ہوش گم | افصح وہ اسقدر کہ زباں گنگ خوش بیاں
لکھوں جو وصفِ جوہرِ شمشیرِ آبدار | آبِ رواں کی طرح ہو سیفِ قلم رواں
جلّادِ چرخ کانپ اُٹھے دیکھ لے اگر | گاوِ زمیں بھی مانگے پناہ کہکے الاماں
تعریفِ راہوار میں لکھوں تو ہے بجا | چلنے میں بادِ تُند فلک سیر بیگماں
تعریفِ نظم و نسقِ بیاں تو کروں مگر | یہ طاقت و مجال یہ تابِ قلم کہاں
القصہ اسکو ختم کروں لکھ کے مختصر | دارا حشم فریدوں فرو شاہِ نکتہ داں
لازم ہے اب مجھے بھی کروں عرض حال کچھ | پر جو لکھوں یہ فکر ہے ہو مختصر بیاں
بیمار کردیا مجھے بیکاری نے حضور | ہاتھ آئے اپنے شربتِ دینار تو کہاں
افلاس بے قیاس نے ثابت نہیں رکھا | ہے انتہا کہ پاؤں میں ٹوٹی ہیں جوتیاں
اور اس پہ کارِ شادیٔ دختر ہے زود تر | ہر لحظہ فکر میں ہوں کروں کیا شہِ زماں
ناچار عرض خدمتِ عالی میں ہے حضور | بہرِ خدائے عزّوجل شاہِ دوجہاں
مجھ خاکسار کی بھی ہو اک عرض مستجاب | مل جائے روزگار مجھے بھی شہِ جہاں
خدمت میں تاکروں دل وجاں سے تیری ثنا | اور تجھ پہ اپنے جوہرِ ذاتی کروں عیاں

* علیا نواب سلطان جہاں بیگم

ہے تجھکو چار علم میں اے شاہ دسترس — انگریزی اُردو فارسی و ناگری زباں
دیوانی فوجداری و قانون حال سے — ہے تجھکو پوری واقفیت اے شہِ جہاں
حاضر ہوں امتحان کو بھی اے شاہ ذی حشم — طیار ہوں میں گر ہو بہرِ امتحاں
ہوں وارثی فقیر شہا مجھ پہ رحم ہو — دیجے طفیل وارث و مولا علی اماں

بہ تقریب جشن ولادت شریمنت ہز ہائنس مہاراج جیواجی راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر والیٔ ریاست گوالیار ایک جلسہ زیر صدارت حضرت مضطر خیرآبادی بمقام ٹاؤن ہال لشکر ریاست گوالیار میں منعقد کیا گیا تھا جسمیں بیرون جات سے نامی گرامی شعرا مدعو کئے گئے تھے اُس میں آپ کو بھی بغرض شرکت مدعو کیا گیا تھا اور مصرع مطروحہ دُعائیہ تھا اور یہ قید تھی کہ غزلیات دعائیہ ہونی چاہئیں چنانچہ اس موقع پر آپ نے جو مخمس دعائیہ تحریر فرمایا تھا وہ درج ذیل ہے۔

مصرعِ طرح — تجھے اے موتیوں والے نیا گوہر مبارک ہو

یہ تاجِ شانِ شاہانہ ترے سر پر مبارک ہو — یہ شوکت اور یہ حشمت اے فریدوں فر مبارک ہو
سرِ دنیا کو تیری خاکِ سنگِ در مبارک ہو — ہمیں تجھسا لئیق اور قدرداں افسر مبارک ہو
تجھے اے موتیوں والے نیا گوہر مبارک ہو

چمن میں شاخِ نخلِ عیش جب تک بار آور ہو — قدِ موزوں سے جب تک منفعل سرو و صنوبر ہو
خوشی سے چہچہ زن تا یہ بلبل شاخِ گل پر ہو — گلوں کے بھیس میں جب تک شمیم روح پرور ہو
تجھے اے موتیوں والے نیا گوہر مبارک ہو

فلک جب تک رہے سایہ فگن دنیائے فانی پر — مسیحا حکمراں جب تک ہو چرخِ آسمانی پر
رہے یہ آبِ قلزم جوش سے جب تک روانی پر — خضر کو ناز ہو جب تک حیاتِ جاودانی پر
تجھے اے موتیوں والے نیا گوہر مبارک ہو

تری تلوارِ جوہردار میں نصرت کا ہو جوہر — رہے زیبِ کمر دائم ترے شمشیر اور خنجر

رہے چشمِ عطائے دولتِ برطانیہ تجھپر | ملے پھر جاہ و حشمت تجھکو اس سے اور بھی بڑھکر
تجھے اے موتیوں والے نیاگوہر مبارک ہو

کہاں چرچا ترے مولود کا جاکر نہیں پھیلا | صبا نے کون سے گلشن میں پہنچایا نہ یہ مژدہ
جو دیکھا دیر و کعبہ میں تو تھا وہاں بھی یہی چرچا | ہر اک شیخ و برہمن انگلیوں پر اپنے جپتا تھا
تجھے اے موتیوں والے نیاگوہر مبارک ہو

کرے تحریر کیا تاب قلم جو عدل سلطانی | پلایا تو نے بکری شیر کو اک گھاٹ پر پانی
بجا ہے گر کہیں ہم تجھکو اب نوشیرواں ثانی | رہے تجھپر فدا کی یہ دعا ہے ظلِ سبحانی
تجھے اے موتیوں والے نیاگوہر مبارک ہو

میری بزمِ سخن میں خوش بیانی دیکھتے جاؤ | یہ ہے جوشِ طبیعت کی روانی دیکھتے جاؤ
ستم ہے میری میت پر کسی کا ناز سے کہنا | کسی کمبخت کی مٹتی جوانی دیکھتے جاؤ
بوقت ذبح بھی اُف تک نہ کی جلاد اسکو کہتے ہیں | یہ شمشیر میری بے زبانی دیکھتے جاؤ
مری شمع لحد یوں دم بدم خاموش ہوتی ہے | پس مردن بھی میری بے زبانی دیکھتے جاؤ
گلے پر پھیر کر میرے وہ قاتل ہنسکے کہتا ہے | شہید ناز خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ
غزل لکھی ہے تمنے یا فدا موتی پروئے ہیں
ہے ہر مصرعہ میں جسکے دُرفشانی دیکھتے جاؤ

کیا رسائی کی توقع آہ بے تاثیر سے | سرٹپک کر آگئی واپس در بے پیر سے
جب مقدر ہی نہو ممکن نہیں تدبیر سے | بیش کچھ جاتی نہیں تدبیر کی تقدیر سے
ہر طرح سے دل کو لے لیتا ہے آخر شوخ چشم | ناز سے انداز سے تحریر سے تقریر سے
مانی و بہزاد کیوں خاک اُڑاتے ہیں عبث | جبکہ گویائی نہیں کیا فائدہ تصویر سے
سخت جانی نے بڑی قاتل کو عاری کر دیا | کام خنجر سے بر آیا اور نہ کچھ شمشیر سے
پائے وحشی کیا سمجھتے ہیں جنوں کے جوش میں | لاکھ گو باندھا کرے ان کو کوئی زنجیر سے

وہ لپٹ جائیں جو آکر میرے سینہ سے فدا
حسرتیں دم میں نکل جائیں دلِ دلگیر سے

خوب آیا رحم اُن کو حالِ مضطر دیکھکر — اور بھی برہم ہوئے حالت کو ابتر دیکھکر
صبح کو دیکھا جب اُس آئینہ روئے آئینہ — رہ گیا حیران وہ حیراں کو ششدر دیکھکر
ہم ہیں مستِ جامِ عشقِ چشمِ میگونِ صنم — کیا کرینگے اب سوئے مینا و ساغر دیکھکر
نونہالانِ چمن پر اوس سی کچھ پڑ گئی — باغ میں بوٹا سا قد تیرا گلِ تر دیکھکر
ہم وہ مشتاقِ شہادت ہیں جھکا دیتے ہیں سر — نیام سے قاتل تیرے خنجر کو باہر دیکھکر

ایک دفعہ سوامی دیانند جی اُنسے ملنے کے لئے تشریف لائے آپ نے اُن کو قصیدہ مختصر لکھکر پیش کیا جسکو سُنکر وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہم اسکو طبع کراکر معتقدین میں تقسیم کرینگے چنانچہ اُس کا درج کرنا یہاں بھی خالی از لطف نہ ہوگا۔

قصیدہ

مژدہ اے فصلِ بہاری کہ جنوں کا ہے اُبھار — دل کو پھر دشت نوردی کا ہوا شوق اکبار
دیتی ہے بادِ صبا آبلہ پائی کو نوید — سرو قد ہے پئی تعظیم ہر اک نوکِ خار
بلبلیں باغ میں پھرتی ہیں عجب اترائی — چلتی سو ناز سے ہیں کبکِ دری کی رفتار
دیکھکر ہوتا ہے لعلِ یمنی شرمندہ — سرخ پوشاک پہنکر ہے کھڑا لالہ زار
بیگماں ہوتا ہے مستی کی اوداہٹ کا گماں — دیکھکر غنچۂ سوسن کا نظارہ اکبار
باغ میں نرگسِ شہلا نے ہیں کھولی آنکھیں — گیندے باندھے ہوئے ہیں سر پہ بسنتی دستار
سرو و شمشاد و صنوبر ہیں کھڑے صف بستہ — واہ کس شان سے واللہ کھلا ہے گلزار
منتظر کسکی ہیں آمد کے جو یوں پھرتی ہیں — نوعروسانِ چمن پہن کے جوڑے گلنار
کسکی آمد کا ہے سامان یہ نسیمِ سحری — کس گلِ رعنا کی خاطر ہے یہ اتنا پسار
ایک حیرت ہے کہ چھائی ہے عجب گلشن میں — دم بخود دیکھکے تھا جسکو میں مثلِ دیوار

آئی اتنے میں ندا ہاتفِ غیبی کی وہاں
پاسبانانِ چمن خواب سے جاگو ہشیار

پھر گلگشتِ چمن آتے ہیں سوامی مہاراج
قدمِ فیض سے جنکے ہوا صحرا گلزار

نام نامی بھی ہے کیا پیارا سوامی دیانند
شبدھ سے جنکے ہے آنند و دیا کا اظہار

فیض بخشی کا یہ عالم ہے کہ سبحان اللہ
نظرِ مہر سے جس سمت کو دیکھا اکبار

کر دیا دولتِ دنیا سے اُسے مالا مال
نہ رہا فکرِ معیشت کا اُسے ڈر زنہار

کیا لکھوں آپ کے اوصافِ حمیدہ کا بیاں
بے شمار ہو جو کوئی شئے تو ہو کسطرح شمار

پھر بھی لازم ہے لکھوں مختصراً کچھ احوال
مہرشی عارفِ کامل شہ ذی عزّ و وقار

الغرض آپکے لکھوں میں کہاں تک اوصاف
کہ ہے اس طولِ امل کے لئے دفتر درکار

اے فدا روک قلم نغمہ سرائی کب تک
کہ نہیں وقت ہے اب کرنیکا کچھ اور اظہار

جو شکایت سے مبرا ہو وہ اُلفت کیا ہے
جسمیں الفت نہ ہو شامل وہ شکایت کیا ہے

خاک ہو ایسے مسیحا سے بھی اُمیدِ شفا
جس نے اتنا بھی نہ پوچھا تری حالت کیا ہے

دیکھکر زخم ہلالی مرے تن پر پوچھا
کشتۂ ابروئے خمدار ۔ یہ حالت کیا ہے

اُمّتِ آں شہِ والا ہے تو پھر تجھکو فدا
دغدغہ حشر کا کیا فکرِ شفاعت کیا ہے

بام پر پھر آج وہ بُت بے نقاب آنیکو ہے
شرم سے روئے قمر پر پھر سحاب آنیکو ہے

جذبِ الفت نے پسِ مردن بھی دکھلایا اثر
میری تربت پر عدو بھی ہمرکاب آنیکو ہے

اوس سی پڑ جائیگی سارے گلوں پر باغباں
سیرِ گلشن کو مرا رشکِ گلاب آنیکو ہے

سایۂ مشکل کشا جب سر پہ اپنے ہے فدا
پھر ہمیں کیا ڈر اگر روزِ حساب آنیکو ہے

چشمِ مستِ یار میں سرمہ کی کب تحریر ہے
قتلِ عاشق کے لئے چلتی ہوئی شمشیر ہے

تجو گیسو کو تمہارے خوب یہ زیور ملا — زیبِ گردن طوق ہے تو پاؤں میں زنجیر ہے
جائے عبرت ہے مرقع عالمِ ایجاد کا — جس جگہ دیکھو نئی صورت نئی تصویر ہے

خوفِ خورشیدِ قیامت ہو فدا کو کس طرح
آپ کے جب سایۂ دامن میں یا شبّیر ہے

قضا دیتی ہے ہمکو ہر گھڑی آنیکی کیا دھمکی — توقع زندگی کی اپنی کسکو ہے یہاں دم کی
نمایاں جلوۂ طاقِ حرم ہے بیتِ ابرو سے — ترے چاہِ ذقن میں کیفیت ہے چاہِ زمزم کی
اٹھا پھاہا نہ زخموں سے مرے جرّاح جلدی سے — بھری ہر ایک زخمِ دل میں اپنے آگ ہے غم کی
گماں ہوتا ہے چشمانِ صنم سے ہو نہ ہم چشمی — نظر آتی ہے گر صورت کہیں بادام توأم کی

نہ ڈر جائیں کہیں وہ اسے فدا دیکھو کہا مانو
وہ کم سن ہیں نہ دکھلاؤ انھیں تصویر ضیغم کی

جلاتے آہِ شرر فشاں سے فلک سے ہم انتقام لیتے — جو جیتے رہتے ہم اور کچھ دن تو تجھ سے بدلے تمام لیتے
مری تھی پُر درد وہ کہانی اگر وہ سنتے مری زبانی — تو بیٹھ جاتے پکڑ کے دل کو جگر کو ہاتھوں سے تھام لیتے
جو نامِ تیغِ نگاہِ قاتل زباں پہ آتا زبانِ کشتی — وہ مار کھاتے کہ یاد رکھتے کبھی جو زلفوں کا نام لیتے
زمیں پہ پھینکی شراب ساری یہ بات کیا محتسب تھی تیری — اگر بگڑتے یہ رند تجھ سے تو قطرے قطرے کے دام لیتے

اگر تصوّر میں بھی تم آتے فدا کے ایماں قسم خدا کی
تمہاری تسبیح پھیرا کرتے تمہارا ہر وقت نام لیتے

گذر وحشت میں گر اپنا کبھی سوئے بیاباں ہو — پئے تعظیم استادہ ہر اک خارِ مغیلاں ہو
اگر رونے پہ آمادہ ہماری چشمِ گریاں ہو — تو ہر قطرہ بنے دریا بپا دریا سے طوفاں ہو
رہا گر پنجۂ وحشت کا یونہی زور اور کچھ دن — تعجب کیا جو پُرزے پُرزے اپنا جیب و داماں ہو
نفس بھرتا ہے دم ہر دم میں ہر دم بے ثباتی کا — بھروسہ ایسے دم پر کیا ہو جو دم بھر کا مہماں ہو
تلاوت زلفِ کافر مصحفِ رخ کی کرے ہر دم — غضب ہے سامنے رکھا ہوا ہندو کے قرآں ہو

تمہیں بت ہو تمہیں بتخانہ ہو تم ہی برہمن ہو — تمہیں دل ہو جگر ہو جان ہو اور دین و ایماں ہو
دلِ پُر داغ کی دیکھو بہار اگر مرے دل میں — اگر منظورِ خاطر آپ کو سیرِ گلستاں ہو

تمنا ہے فداؔ کی بس یہی اک شافعِ محشر
کہ سر پر سایہ افگن آپکی رحمت کا داماں ہو

ہجر کا عالم بسر اے دلربا کیونکر ہوا — کیا بتاوں حال دل کیا کیا ہوا کیونکر ہوا
تو ہی چارہ گر ہوا تو ہی دوا ٹھیرا تو پھر — عقل حیراں ہے یہ دردِ لا دوا کیونکر ہوا
غیر اچھا میں برا یونہی سہی پر اے حضور — یہ تو کہئے وہ بھلا اور میں برا کیونکر ہوا
دیکھکر تجھکو نہ گر خود بیں ہوا وہ کم نما — پھر بتا اے آئینہ وہ خود نما کیونکر ہوا
حالِ دل سُن سُن کے میرا اُن کو آتا ہے مزہ — پوچھتے ہیں بار بار ہاں کیا ہوا کیونکر ہوا
اور سے رکھتا نہیں جب میں غرض تیرے سوا — پھر گمانِ بد تجھے اے دلربا کیونکر ہوا
غیر کا شکوہ عبث ہے اے فداؔئے کم نصیب — تیری قسمت ہی بُری ہے وہ برا کیونکر ہوا
کیوں بٹھاوں نہ تجھے رشکِ قمر آنکھوں پر — مجھکو منظور ہے خاطر تری سر آنکھوں پر
چشمِ مخمور پہ کس کے ہوئیں شیدا یارو — نشہ سا رہتا ہے کیوں آٹھ پہر آنکھوں پر
عین دھوکا ہوا خورشید گہن میں آیا — بال بکھرے کبھی آنے جو نظر آنکھوں پر

تیغ و خنجر سے نہ الفت ہو تیرے کیوں مجھکو
دل جو ابرو پہ فداؔ ہے تو جگر آنکھوں پر

تمہاری چشمِ فتاں پر نہ کب میں دل سے مائل ہوں — تری تیغِ نظر کا کب نہ میں اے جان بسمل ہوں
لگاوٹ قاتل و مائل کی جلاّد اسکو کہتے ہیں — ہے خنجر میرا دلدادہ میں اسپر دل سے مائل ہوں
تجمّل دیکھکر میرا ہوا جلاّد بھی ششدر — صدا اسنے مرحبا خنجر سے نکلی میں وہ بسمل ہوں

ولہ

دوستی تجھ بت سے او بیماں شکن کیونکر بنے — تو مسلماں ہوگیا جب تجھپہ ہم کا فر بنے
تاب کے ضبطِ فغان و آہ و نالہ تا بہ کے — تا بہ کے مُنہ سے نہ بولے آدمی پتھر بنے

چشم میگوں صنم کے عشق کا مارا ہوں میں
ساقیا مٹی سے میری شیشہ و ساغر بنے

دل لگانے کا مزہ جب تجھکو آئے ناصحا
جو مرے دلبر بنی ہے وہ تیرے دلبر بنے

ولہ

جھکا سر عجز سے اے کلک لکھ کچھ حال سرور کا
بیاں کرنا ہے تجھکو وصف نورِ پاک اطہر کا

پلا دے کھول کر دل مجھکو بھی اے قاسم کوثر
کہ میں بھی ایک مدت سے ہوں پیاسا جام کوثر کا

ہیں عاشق حق کے نورِ پاک ہیں محبوب خالق ہیں
فرشتوں اور رسولوں سے بڑھا رتبہ ہے سرور کا

شرف کیونکر مدینہ کی زمیں کو ہو نہ عالم میں
بنا ہے روضۂ اقدس جہاں پر اپنے سرور کا

شفیع المذنبیں صاحب ہو اپنا ہادی و رہبر
فدا پھر خوف ہو کیا ہمکو کئے روز محشر کا

دیر سے رتبہ بڑا کعبے کا ایماں ہوگا کیا
ہم بھی دیکھیں گے کہ اب ہندو مسلماں ہوگا کیا

خم کے خم پی کر بھی جو بہکے نہ انساں ہے وہی
پی کے تھوڑی سی بہک جائے وہ انساں ہوگا کیا

ہیں غلامانِ غلام سیدِ ابرار ہوں
میرے آگے قصۂ گبر و مسلماں ہوگا کیا

شیخ نے اب بیعتِ پیرِ مغاں کر لی قبول
آج میخانہ میں دیکھیں عہد و پیماں ہوگا کیا

ولہ

یہ شورِ ستم ہے خانہ خراب کیسا
جس پر عنایتیں ہوں اُس پر عتاب کیسا

رخ سے ہٹا کے پردہ دکھلا جمال اپنا
پہلو میں بیٹھکر پھر مدنی حجاب کیسا

سب کچھ دیا اے سیدم چاہا جو کچھ فدا نے
دیتے ہو مجھکو مدنی سوکھا جواب کیسا

عشق بتاں میں کسکو ہے دھیان نیک و بدکا
واعظ عذاب کیسا زاہد ثواب کیسا

حامی ہے اُسکا مدنی اور ہے شفیع سنوسی
محشر میں پھر فدا کو خوفِ حساب کیسا

تمنا دل کی بر آئیگی ختم المرسلیں کب تک
میں ان آنکھوں سے دیکھونگا مدینے کی زمیں کب تک

یہ ڈر ہے راز سربستہ کہیں افسانہ ہو جائے
چھپاؤں رازِ اُلفت میں شفیع المذنبیں کب تک

برستی ہے تری رحمت جہاں آٹھوں پہر یارب
میں دیکھونگا الٰہ العالمیں وہ سرزمیں کب تک

کرو ایفائے وعدہ خاک ڈالو پچھلی باتوں پر — رہیگی یہ تری مدنی نہیں ہاں ہاں نہیں کبتک

میں مدّاحِ سنوسی ہوں نیا رنگِ طبیعت ہے
رہینگے اے فداؔ میرے سخنور نکتہ چیں کب تک

جلوۂ دیر و حرم مدنی کے میخانے میں ہے — لذّتِ جامِ مئے عرفاں پیمانے میں ہے
چھوڑکر بتخانہ میں کیوں جاؤں کعبہ زاہدا — جب تیرے اللہ کا گھر میرے بتخانے میں ہے
ایک ہی ساغر میں مدنی سیرِ دو عالم ہو گئی — کیا اثر اللہ و اکبر تیرے پیمانے میں ہے
دیر سے مطلب ہمیں کیا ہمکو سجدے سے غرض — نورِ وحدت کی جھلک جب دل کے پیمانے میں ہے

بیکدہ سے اپنے تو مدنی نہ اسکو دور کر
بھک منگا اک یہ فداؔ بھی تیرے میخانے میں ہے

عشق کی منزل میں مومن اور کافر ایک ہے — راستے دو ہیں مگر دونو انکا رہبر ایک ہے
لوگ کہتے ہیں محمّد مصطفےٰ محبوب ہیں — میں یہ کہتا ہوں احد احمد سراسر ایک ہے
ہر دو نورالعین ہیں چشمِ بصیرت کور کو — شانِ احمد رتبۂ سبطِ پیمبر ایک ہے
سنگِ موسیٰ ہے کوئی اور سنگ مرمر ہے کوئی — رنگتیں گو مختلف ہیں پھر بھی پتھر ایک ہے
مسجدوں میں ہے موذّن مندروں میں برہمن — شورِ ناقوس و صدا اللہ و اکبر ایک ہے

گر خدا کعبہ میں ہے تو کون بتخانے میں ہے
اِس سے ثابت ہے فداؔ اللہ و اکبر ایک ہے

خانۂ کعبہ جو ٹوٹا غم نہیں بن جائے گا — بن سکیں گے قصر ہائے دل نہ پھر ٹوٹے ہوئے
ہے وہ مجھ رندِ خراباتی کی تربت کا نشاں — شیشہ و ساغر کے ٹکڑے ہوں جہاں ٹوٹے ہوئے
کس طرح ہو بزمِ مدنی میں بھلا میرا گذر — پاسباں مانع اِدھر مدنی اُدھر روٹھے ہوئے
وائے قسمت وہ بلا ہمسکو کبوتر نامہ بر — جسکے بازو بھی ہیں شل شہپر بھی ہیں ٹوٹے ہوئے

ابتو کہنا مان لو مدنی فداؔ آئے زار کا

تم رہو گے کب تک اے آقا پیر کو چھٹے ہوئے

کوئی غافل کوئی بیخود کوئی مستانہ رہے — اس طرح آباد و مدنی تیرا میخانہ رہے
حالِ دل مدنی سناؤں یوں سنوسی کے حضور — اشک آنکھوں میں زباں پر تیرا افسانہ رہے
آج تو بر آئے ساقی تیرے رندوں کی مراد — عید کا دن ہے کھلا دن رات میخانہ رہے

ولہ

کروں وصفِ پیمبر میں کہاں ایسی زباں میری — رقم ہو شانِ مدنی مجھ سے یہ طاقت کہاں میری
فلک چکر میں آتا ہے زمیں تک کانپ اٹھتی ہے — پہنچتی ہے درِ ایجاب پر جس دم فغاں میری
سناؤں کسکو جاکر قصۂ رنج و الم اپنا — تمہیں سنتے نہیں مدنی جو غم کی داستاں میری
کھٹکتی میں یہ چشمِ باغباں میں بیطرح ہر دم — جلادے آتشِ گلزار تو ہی ڈالیاں میری
تمہارے عشق میں مدنی جو کچھ دیکھنا تھا دیکھا — دکھائے دیکھئے اب اور کیا قسمت یہاں میری

اپنی رحمت سے تو مولا رنگدے — جیسا جی چاہے تو ویسا رنگدے
رنگ دیتا ہے تو اچھا رنگدے — وارث و ابرار کا سا رنگدے
شوخ رنگوں کا تو میں قائل نہیں — ہلکا ہلکا جو گیا سا رنگدے
گو کہ میں اس رنگ کے قابل نہیں — صدقۂ ابرار مولا رنگدے

بے فدا کی تجھ سے اتنی التجا
او رنگیلے شاہ بلھار نگدے

حسنِ خوباں میں نیا گل یہ کھلا میرے بعد — زلف کا رنگ دھواں بنکے اڑا میرے بعد
میں تو یاں چین سے مرقد میں پڑا سوتا ہوں — اب کسے ڈھونڈتی پھرتی ہے قضا میرے بعد

ولہ

کن فکاں کس نے کہا تھا مجھے معلوم نہ تھا — کون پردے میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا
کون تھا عاشقِ شیدا مجھے معلوم نہ تھا — کون معشوق بنا تھا مجھے معلوم نہ تھا
قم باذنی و انا الحق کی صدا کسکی تھی — شمس و منصور میں کیا تھا مجھے معلوم نہ تھا
ہر جگہ تو ہی تو تھا یہ مجھے معلوم نہ تھا — میم احمد میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

میں تو سمجھا تھا نکلتی ہے میرے دل سے صدا — تو میرے دل میں بسا تھا مجھے معلوم نہ تھا
تنِ خاکی کو سمجھتا تھا میں اپنا مسکن — گھر مرا زیر زمیں تھا مجھے معلوم نہ تھا
طور کو تو نے جلا کر کیا سُرمہ اک دم — بنکے موسیٰ تو ہی غش تھا مجھے معلوم نہ تھا

ولہ

کہیں شاہِ ہر دو سرا بن گیا تو — کہیں شانِ شمس الضحیٰ بن گیا تو
کہیں بنکے منصور بولا انا الحق — کہیں دار کا فیصلا بن گیا تو
کہیں بنکے ساقی بنا رند مشرب — کہیں عابدِ پارسا بن گیا تو
کہیں بنکے خوشبو تو پھولوں میں مہکا — کہیں بلبلِ خوش نوا بن گیا تو
بنا دردِ دل دردمندانِ الفت — کہیں آپ دارالشفا بن گیا تو
کہیں بنکے مدنی ہوا آشکارا
فدا کا کہیں رہنما بن گیا تو

فدا۔ پنڈت شیوکشن لال صاحب ہستوالو خلف پنڈت سریکشن لال صاحب ہستوالو فرخ آبادی

پنڈت شیو کشن لال ہستوالو تخلص فدا عالی خاندان آدمی تھے۔ آپ کے والد ماجد میں منصفی تھے اور آپکے دادا کا نام پنڈت دیارام ہستوالو تھا جو بنارس میں سب جج اور نہایت متدین حاکم تھے۔ پنڈت دیارام اور ان کے بھائی پنڈت سیتارام کو فرخ آباد میں حکام ضلع کی خدمت میں بہت رسوخ حاصل رہا۔ حضرت فدا پانچ برس کی عمر میں نورِ نظر دیبی ماتا کے نذر کر چکے تھے مگر دیدۂ دل اسقدر بینا تھا کہ سبحان اللہ صل علیٰ ایک مرتبہ کسی سے ملے تو عمر بھر اُس کی آواز سے شناخت کر لی۔ اپنے مکان میں اور باہر اسطرح ٹہلتے تھے گویا ذرا بھی آنکھوں سے معذور نہیں۔ علم موسیقی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور ستار۔ دلربا۔ سُر سنگھار۔ الغوزہ۔ ہارمونیم وغیرہ بجا سکتے تھے مثل ابراہیم عادل شاہ حاکم بیجاپور ممدوح ظہوری کے اُن کا قول تھا کہ علم موسیقی اصل ہے اور دیگر علوم اس کے

فروع ہیں۔ اُن کا کتب خانہ فارسی اور اردو کتابوں کا فرخ آباد میں لاجواب تھا جو کتاب چاہتے فوراً صندوق یا الماری سے اس طرح نکال لاتے تھے کہ انکھیاروں کو رشک ہوتا تھا۔ کسی کی پشت دست پر ایکدفعہ ہاتھ رکھکر اُسکی شناخت ایسی کرلیتے تھے کہ اگروہ شخص بیس تیس برس بعد ملے اور خاموش رہے تو فقط اُسکی پشت دست پر ہاتھ رکھکر اُسکو پہچان لیتے تھے۔ آریا سماجی تھے اور اُردو فارسی اور زبانِ دری پر عبور کامل رکھتے تھے۔ بھاشا سے بھی بدرجۂ اوسط واقف تھے۔ دری زبان میں خطوط ایسے لکھوا سکتے تھے کہ سوائے واقف زبانِ دری کے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا تھا اردو فارسی کے شاعر تھے سخن سنجی کا ملکہ اور ذہن نقّاد خدا داد پایا تھا اردو کا روزمرّہ بہت فصیح بولتے تھے۔ صفیر فرخ آبادی کے شاگرد رشید تھے اور فن موسیقی میں رجب علی بیگ کلاونت (اُستاد مہاراجہ صاحب جے پور) کے شاگرد تھے۔ زبان فارسی میں اسپیچ دینا اُن کے لیے مشکل نہ تھا اور مقفیٰ عبارت فی البدیہہ بول سکتے تھے۔ نہایت حاضر جواب اور لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے۔ آخر عمر میں اپنے والد ماجد سے ناخوش ہو کر ترک وطن کیا اور ریاست شاہ پورہ میں ایک مدرسہ میں مدرس فارسی مقرر ہوئے۔ اور چار برس راجہ کی خدمت کرکے ۱۸۹۶ء میں بعارضہ لواسیر خونی راہیِ ملک بقا ہوئے۔ افسوس ہے کہ ایسے عجیب غریب شخص کی سوانح عمری مفصل نہیں لکھے گئے۔ اگر ایسا شخص یورپ میں پیدا ہوا ہوتا تو اُسکے سوانح اسقدر لکھے گئے ہوتے کہ اُسکی اصلی تصویر کا ایک ایک خط و خال نظر کے سامنے آجاتا۔ کلام بھی اُن کا تلف ہوگیا بمشکل چند اشعار ہاتھ آئے جو درج کئے جاتے ہیں

کہاں ہیں موج کے پرساغر شراب میں تیر — خطِ شعاع کے ہیں جرمِ آفتاب میں تیر
ہر ایک اہلِ فنا کو ہدف بنا نہ سکا — کبھی دو سار نہ دیکھا دلِ حباب میں تیر
چُنا ہو گردن و پہلو نے تیغ و خنجر کو — ہمارے دلکو پسند آئے انتخاب میں تیر
وہ میرے خون میں تر کرکے مجھے کستے ہیں — جنکو کے لائے ہیں دیکھو تو ہم شہاب میں تیر

جگر ہے اپنی طرف کھینچتا دل اپنی طرف — ہمارے سینہ میں آکر پڑا عذاب میں تیر
مری گزک میں بھی سامان نُقل ہے منظور — بجائے سیخ پروتے ہیں وہ کباب میں تیر
شام سے ہے شب وصل آج یہ دھڑکا مجھکو — کل چلے جاؤگے تم چھوڑ کے تنہا مجھکو
چپ کیا بے دہنی نے تیری ایسا مجھکو — بات کرنی بھی نہیں آتی ہے گویا مجھکو
ہوگئی آج دعائے ملک الموت قبول — دم بخود اب نظر آتے ہیں مسیحا مجھکو
خیر کچھ بات نہیں ہے وہ نہ مانیں کہنا — میں بھی جانے کا نہیں اب جو بلایا مجھکو
اب اگر چھوڑ کے جاتے ہو کہاں جائے غریب — عمر بھر میں تو غمِ ہجر نے پایا مجھکو
سنتے ہی نامِ حسیناں اسے غش آتا ہے — خاک خوش آئے فدا کا یہ طریقا مجھکو

فدا۔ پنڈت دیا ندھان صاحب اکبر آبادی

سنہ ۱۲۵۵ھ میں مہاراجہ بلونت سنگھ بنارس کے مشاعروں میں جایا کرتے تھے صرف دو شعر ایک تذکرہ شعرا میں نظر سے گذرے۔

تیرے جاں بازو نہیں اے شیریں دہن ہم بھی تو ہیں — بے ستونِ عشق کے فرہاد فن ہم بھی تو ہیں
دے رہیں اپنی نیابت باغمیں اے باغباں — خوب رکھوالی کرینگے نعرہ زن ہم بھی تو ہیں

فدا۔ پنڈت برج کشن صاحب گنجور۔ خلف پنڈت ہری کشن گنجور صاحب فیض آبادی

آپ کو تھوڑے زمانہ سے فکر سخن کا شوق پیدا ہوا ہے۔ تازہ کلام ملاحظہ ہو۔ ماشاءاللہ انداز سخن خوب ہے۔

دل سے نکل کے آئی تھی دلمیں نہاں ہوئی — جو برق عشق دہر میں شعلہ فشاں ہوئی
پُر درد وہ فسانہ تھا میرا کہ میرے بعد — دنیا نہ حشر تک کبھی افسانہ خواں ہوئی
شوق بتاں سے دلکو ہوئی گو خلش مگر — دلکی خلش ہی رہبر کوئے بتاں ہوئی
کیا کیا حسین آئے ہیں پڑھنے کو فاتحہ — تربت ہماری مرکز حسن جہاں ہوئی

کچھ ہو سکا سکون کا ساماں نہ اے فدا
جب جب وہ آئے بام پہ آہ و فغاں ہوئی

تعلق عشق سے رکھے نہ نام ہوش پر جائے
کمالِ بیخودی یہ ہے کہ ہستی سے گذر جائے

نہ صحرا کو ترا دیوانہ بستی چھوڑ کر جائے
کہاں اُٹھے کہاں بیٹھے کدھر آئے کدھر جائے

ہماری یاس کا عالم بھی یارب کیا قیامت ہے
دعاؤں سے تسلی ہو نہ تشویش اثر جائے

کبھی تو میں شمیم زلف سے بدمست ہو جاؤں
کبھی تو میرے شانہ پر ترا گیسو بکھر جائے

نہ پروا ہو ہمیں پھر ایک قطرہ کی بھی محشر تک
جو تیرے ہاتھ سے ساقی ہمارا جام بھر جائے

وہ برق عشق جسکو درد کہتے ہیں محبت میں
کبھی دل کے طرف آئے کبھی سوئے جگر جائے

فدا گھر بیٹھے چشم شوق پر جلوے ہویدا ہوں
اگر صحرا نوردی چھوڑ کر تو اپنے گھر جائے

روئے منیر زلفِ سیہ فام چاہئے
اک صبح چاہئے مجھے ایک شام چاہئے

برہم نظام دھر ہو تیری بلا سے ہو
تیری نظر کو اک دلِ بدنام چاہئے

حسرت سے تک رہا ہوں ترے ہاتھ کیطرف
اب اور کس طرح سے کہوں جام چاہئے

دلکو نگاہ ناز کی جنبش کے ساتھ ساتھ
اک اضطراب و لرزش ناکام چاہئے

قربت کی خواہشیں ہیں نہ شوقِ وصال ہے
مجھکو تو ایک جلوۂ سرِ بام چاہئے

زاہد کے لب پہ نام بھی جسکا نہ آسکے
مجھکو فدا وہ بادۂ بے نام چاہئے

فراق ـ پنڈت موتی رام صاحب منشی ـ دہلوی

آپ پنڈت اجودھیا پرشاد صاحب منشی متخلص بہ مبتلا کے جدِ امجد تھے۔

اے زروئے تو گلِ تر در کنار آئینہ را
وے ز مژگانِ تو در دل خار خار آئینہ را

بسکہ در ہجرانِ او رُخ تیرہ شد از الم
زخم ناخن گشتہ جوہر در کنار آئینہ را

تا چہ سازد با دلِ زارِ فراقِ ناتواں
آنکہ کرد از سایۂ مژگاں فگار آئینہ را

فدا- حکیم سیتل پرشاد صاحب گجور

شب کو جو سرِ گیسوئے شبگوں آیا — بس مارِ سیہ کا ہمیں افسوں آیا
مصرع جو لکھا بنگیا سروِ گلشن — جب یاد کسی کا قدِ موزوں آیا

ولہ

بین العدم میں ہیچو جو دِ انساں — اس گردشِ چرخ سے ہے عالم حیراں
یہ نقشِ جہاں ہے صورتِ وہم و خیال — باقی و مدام ہے فدا ے ہماں

ولہ

اک سطحِ خاک کو کیا ہے گلشن — اک لوحۂ ارض کو بنا یا مدفن
بخشتا ہے کسی کو یاں سمور و قاقم — رکھتا ہے کسی کو یاں تہِ گور و کفن

ولہ

گلدیوں میں اصلا نہیں کچھ بوئے وفا — کچھ بھی نہ ملیگا اُن سے بجز جور و جفا
پامالِ خزاں ہوتا ہے یاں باغِ وصال — ہے بادِ سموم یاں کی سب آب و ہوا

ولہ

ناظر جو نظر کرے بعینِ خاطر — ہر صنع میں صانع ہے عیاں و ظاہر
ہر گل میں ہے مثلِ بو شجر میں ہے نمو — موجود ہے ہر جگہہ خدا ے قادر

ولہ

جلوہ ہے شجر میں اور ثمر میں اُس کا — جاری ہے نام بحر و بر میں اُس کا
ہر برگ زباں ہے حمدِ باری میں ولا — ہے تخم نما عجب ثمر میں اُس کا
آثارِ جلالِ حق نہیں ہیں پنہاں — انوارِ جمال آپ ہیں مہ سے رخشاں
سیارہ سے ہے عجب مشیت ثابت — افلاک سے سب رفعتِ قدرت ہے عیاں

ولہ

امید مجھکو ہے یہی لطفِ کریم سے — ہر وقت ہے دعا یہی ربِّ رحیم سے
داخل ہو دل مرا تری عرفانِ ذات میں — چھٹ جائے ہر گھڑی کی یہ امید و بیم سے

ولہ

بگیا د جہاں کی بے بقائی ظاہر — ہر شئے کی یہاں ہے بے وفائی ظاہر
کاشانہ ہے وجودِ گل میں فطرت سے نہاں — ہر غنچہ دہن کی کج ادائی ظاہر

نقاشِ ازل کا نقش قدرت دیکھو — ولہ — صنّاعِ جہاں کا رنگ صنعت دیکھو
صورت سے عیاں ہے بہتر معنیٰ ازل — گلرویوں کے رخسار کی رنگت دیکھو

فرحت۔ پنڈت دیبی پرشاد صاحب سنگلو لکھنوی

ہمہ جا جلوۂ جانانۂ و جانانہ یکیست — پیشِ صاحب نظراں کعبہ و بتخانہ یکیست
بحقیقت چو رسیدیم نہ دیں ماند و نہ کفر — راز چوں فاش شود محرم و بیگانہ یکیست
دیدۂ آئینہ محواست بروے بد و نیک — پیشِ حیراں تو زنداں و پریخانہ ہر یکیست

شدہ غوّاص بدریاے حقیقت فرحت
در نگاہش خزف و گوہر یکدانہ یکیست

اگر آہے کشم از سینۂ تالب ہاے من سوزد — جگر سوزد گلو سوزد زباں سوزد دہن سوزد
من بیمارِ دل سوزے ندارم از پئے تسکیں — مگر شمع کہ شبہا بر سرِ بالین من سوزد

بایں قامت کہ در گلشن شود گرمِ خرامیدن
صنوبر چوں چنار از نارِ غیرت در چمن سوزد

آئی ہر ایک مصیبت یوں ہی ٹل جاتی ہے — ولہ — کام چل جاتے ہیں ہر بات تو رہ جاتی ہے
کشمیر میں تاریک گھٹا ہیضہ کی چھائے — ولہ — مظلوموں کے گھر بار کو یوں آگ لگائے
پھر قحط کا طوفان وہ خاک ایسی اُڑائے — دانہ بھی کسی گھر میں کوئی رہنے نہ پائے

حیرت ہے کہ اس موقع پہ ہم آنکھ چرائیں
کہلائیں تو ہم قوم مگر کام نہ آئیں

فرحت۔ راجہ پنڈت کیشو ناتھ منشی صاحب بنارسی خلف بالاجی منشی

شاگرد حضرت امانت لکھنوی سنہ ۱۲۷۶ھ میں آپ نے وفات پائی

لبوں پہ نالہ ہے اشک آنکھوں سے صورتِ شمع ڈھل رہے ہیں
تپِ جدائی میں آج کیا کیا بخارِ دل سے نکل رہے ہیں

جو حال پوچھیں تو کہیو قاصد عدم کے جانے کے قصد سے وہ
لحد میں ٹھہرینگے آج جا کر مکاں سے اپنے نکل رہے ہیں

کچھ ایسی دریا سے آشنائی بڑھی ہے صدقے میں چشم تر کے
کہ موجیں ہم سے لپٹ رہی ہیں حباب ٹوپی بدل رہے ہیں

خط اُس ستمگر کو دیکے قاصد یہ کہنا احوال سب ہمارا
کہ اب تو نبضوں سے ہاتھ اُٹھا کر طبیب ہاتھوں کو مل رہے ہیں

کیا یہ کہا حضور نے گھر میں ہمارے آ گئے کیوں
جذبۂ عشق آپ کا کھینچ کے ہمکو لے گئے کیوں

اُٹھتے ہی خواب ناز سے ہائے غضب ٹوکتے ہیں
قہر خدا سے جو ڈرے فتنہ کو وہ جگا گئے کیوں

سن کے شکایت جفا کہتے ہیں مسکرا کے وہ
ناز و ادا کو جو ستم سمجھے وہ دل لگائے کیوں

سواری در پہ آ پہونچی جب اُس لیلیٰ شمائل کی
بلائیں لینے کو دوڑیں تمنائیں مرے دل کی

خیال کوچۂ دلدار وقت نزع آتا ہے
کہ جیسے جستجو ہو ڈوبنے والے کو ساحل کی

جو رکھتے ہیں تحمل اُف نہیں کرتے اذیت میں
صدا سننے میں کب آئی شکستہ شیشۂ دل کی

تڑپ کر رنگ کیا اپنا جمائے گی میرے آگے
ادائیں کچھ دنوں سیکھے ابھی بجلی میرے دل کی

نظر آئی جہاں شکل اے بت بے پیر پتھر کی
تصور میں ترے میں بن گیا تصویر پتھر کی

ترے کوچے میں او بت دیکھکر ساری خدائی کو
فرشتے کہتے ہیں اللہ رے تسخیر پتھر کی

نظر آتی ہے جب تختی یشب کی اسکے سینہ پر
تو کہتا ہے مرا دل ہائے رے تقدیر پتھر کی

ولہ

خال عارض پہ ترے آتے ہیں اُڑ کر گیسو
گرتے ہیں دانہ پہ مانند کبوتر گیسو

اُترے دریا میں نہانے جو فسوں گر گیسو
پانی پی پی کے اُگلنے لگے گوہر گیسو

فرحت - پنڈت کدارناتھ کاؤ صاحب خلف پنڈت بدری ناتھ صاحب

وہ مجھ بیمار کو جب دیکھنے آئے تو یہ بولے
ٹھکانا میرے کوچے میں نہیں ہے تیرے مدفن کا

متاعِ صبر و طاقت لیگئے وہ لوٹ کر فرحت
دکھا کر راہ میں صورت کیا یہ کام رہزن کا

عنادل کو فقط افسوس ہے اپنے نشیمن کا
خزاں کی فصل آتے ہی مٹا سب رنگ گلشن کا

ہے قد شمشاد نرگس آنکھ سنبل زلف چہرہ گل
انہیں کو دیکھکر ہے لطف ملتا سیر گلشن کا

کڑی کب تک اٹھائے اور کہاں تک سختیاں جھیلے
الٰہی یہ کلیجہ ہے نہ پتھر کا نہ آہن کا

مثالِ مہر و مہ دایرہ تابندہ ہوتا ہے
اگر قرطاس پر لکھتا ہوں وصف اس رخ روشن کا

چمن میں آتشِ گل اسقدر بھڑکی ہے اے گلچیں
گماں ہوتا ہے ہر اک دیکھنے والے کو گلخن کا

گریباں کی طرح سے چاک کر اے بخیہ وحشت
رہے ثابت نہ کوئی تار مجھ وحشی کے دامن کا

فرحت - پنڈت شیو ناتھ صاحب ۔ شاگرد بحر و امانت لکھنوی

سنہ ۱۸۸۱ء میں جونپور میں سکونت پذیر تھے اور زیادہ حال معلوم نہوا۔

اکیلے میں کہتے اگر کچھ گلا تھا
بگڑنا تمہیں غیر کے آگے کیا تھا

دم نزع تم آگئے خیر گذری
نہیں تو یہاں خاتمہ ہو چکا تھا

ولہ

ہنستے ہیں میرے زخم چھڑکتے ہو جب نمک
ایسے نہ دیکھے ہونگے نمکخوار بے نظیر

سینے پہ اس پری کے نظر آتے ہیں حباب
کچھ معجزے یہ محرم آب رواں کے ہیں

ولہ

خدا نے نام دولت کو یہ بخشا ہے شرف دیکھو
اُچھلتا آب فوارہ ہے دولت خانے کی

فرحت - پنڈت کدار ناتھ صاحب دکھنی عرف ناتھن پرشاد ولد پنڈت بستی رام صاحب دکھنی شاگرد امانت۔

پہونچا فلک پہ شکو میرا بائے افتخار
اُس نے کہا جو مجھسے دیا میرے آگے ہاتھ

کیوں قاصدوں نے در پہ کیا ہے مرے ہجوم
اُس گل کو خط میں بھیج چکا ہوں صبا کے ہاتھ

رسوا کیا ہے الفتِ دندان یار نے
نیچی ہے آبرو گہر بے بہا کے ہاتھ

کب دیکھتے ہیں آئینگے اُس شوخ کے قدم
ہم برہمن سے پوچھتے ہیں یہ دکھا کے ہاتھ

فرحت نہ بند غم سے ہراساں ہو اسقدر
مشکل کشائی ہے تیری مشکل کشا کے ہاتھ

فرحت۔ پنڈت اندر پرشاد کچلو صاحب خلف پنڈت لکا پرشاد صاحب دہلوی

آپنے دہلی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ کی طبع نہایت رسا تھی مذاق میں خاص ملکہ تھا نثر نہایت سلاست اور خوبی سے تحریر فرماتے تھے۔ مراسلہ کشمیر اور سفیر کشمیر میں آپکے مضامین قومی تنازعہ اور دیگر امور کے نسبت نکلتے تھے۔ کشمیر پرکاش بھی آپ کے مضامین سے بہرہ ور ہوتا تھا مظفرنگر میں بسلسلہ وکالت مستقل قیام تھا اور وہیں ۱۹۱۵ء ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی

ہاں دلا چوں شعلۂ و موج از چہ داری اضطراب
زاہ وا خشکِ خویش تا کے گہ بہ آتش گہ بہ آب

ہمچو تارِ زلفِ یار از لطف موج ہوا
از پریشانی بود تارِ نفس را پیچ و تاب

در بہارستانِ ہستی غافل از فکرِ خزاں
گاہ خنداں گاہ گریاں صورتِ برق و سحاب

ماندۂ سرگشتہ در دشتِ خطا چوں گرد باد
دور بر فرسنگہا افتادی از راہِ صواب

بستۂ دل را پئے کسبِ لذائذ در جہاں
ہمچو آہو می دوی از تشنگیہا بر سراب

اینکہ میدانی نباشد جز تو ہم در خیال
وینکہ مے بینی نباشد جز تعین در حساب

میکنی بر عہد پیری تکیۂ ایں ابلہی است
رفت چوں طفلی ز دست افسوس ایامِ شباب

تکیہ بر دنیا و ما فیہا چرا داری چرا
ایں ہمہ باشد بنائے بر ہوا نقش بر آب

بہتر آں باشد کہ داری بر کلامم گوشِ دل
از صفاؤ صدق رو آری بداں عالیجناب

حبذا عالی جنابے کز شعاعِ ذرہ اش
میکند از صدقۂ دل مہر و مہ نور اکتساب

بگفت پت و شرحِ منِ سیتا رمن شری رامچندر
ماحیِ جرم خلایق حامیِ روزِ حساب

وہ چہ نام است اینکہ از فیضِ کرامتہاے او
سر بسر عصیاں شود طاعت خطا گردد صواب

وہ چہ نام است اینکہ در کاشی سد اشبگلگو گ   مجرماں را یکند ایمن بہ بینش از عذاب
وہ چہ نام است اینکہ چوں بالقلب خواندش ہالیک   راز پنہاں کرد پیدا ؑو رقم زد خوش کتاب
وہ چہ نام است اینکہ چوں سہواً اجالِ ہالکرد   دیدہ تا براہم زد از عیش ابد شد بہرہ یاب
وہ چہ نام است اینکہ نتوانست از فیضش رسید   ز آتشِ جوالہ تا قصر بہیکن التہاب
در ادب گاہش بود شیورا کجا تابِ سخن   غیر تسلیم است. بر ہمارا کجا وخل جواب

ہاں دلا بگذ ار غیبت را کہ میخوانم کنوں
حاضرانہ مطلع روشن ترین از آفتاب

مطلع ثانی

اے فروغ جلوہ ات در دیر ہستی بے نقاب   پردہ ہائے چشم خود بیں را اگر گویم حجاب
از محیطِ حلم سنگینِ تو کف باشد زمیں   گنبدِ گردوں بود در قلزم علمت حباب
میتواں بردن بسر عمرِ عزیز از لطفِ تو   کیست در عالم کہ آرد شدّہ ات تابِ عتاب
اے توئی کز جلوہ رُوئے منور دادہ   گوہر ایلاں دختر تہورا چو خورشید آب و تاب
اے توئی کز بازوئے پُر زور بشکستی دہنک   وار ہانیدی جنگ را از شکنج پیچ و تاب
اے توئی کز دولتِ دیدار کردی ستفید   عابدانِ صاف دل را از قدومِ ستطاب
اے زہے طالع کہ برخاکِ درت سایم جبیں   اے خوشا بختی کہ گردم بر درِ تو بہرہ یاب
رحمتِ ہادی شود سوئے اجو دھیارو کنم   از غبارِ رہِ کنم گلگونہ رُوئے ستاب
فیض بخشا آستانت قبلۂ حاجت رواست   غیر ازیں فرحت نمی خواہد دعائے مستجاب
بر زمیں تا انقلابِ آسماں دارد قرار   از تناسخ تا پذیرد از قوالب انقلاب

از قیودِ ایں و آں آزادگی بخشی بروح
فارغم داری ز بیم جُرم و اُمیدِ تو

آزاد تر سے سینہ میں کینہ نہیں رکھتے   جس سینہ میں کینہ ہو وہ سینہ نہیں رکھتے

ہو جاتے ہیں دریائے محبت کے وہی پار   تنکے کا بھی جو لوگ سہارا نہیں رکھتے
رنگت ہے نزاکت ہے لطافت ہے مگر حیف   ایک بوئے وفا یہ گل رعنا نہیں رکھتے
لقمان بھلا عشق کا کیا ہو گا معالج   اس درد کی درماں تو مسیحا نہیں رکھتے
گو نرگس و گل نام کو اچھے ہیں پہ فرحت   گوشِ شنوا دیدۂ بینا نہیں رکھتے

مناجات

اے مائلِ حرص و ہوا سر یرام را دھا کرشن گو   تا کے بغفلت مبتلا سر یرام را دھا کرشن گو
بنیاد بودِ خود ببیں بیجاست فکر آن و ایں   بگذار وقت واپسیں سر یرام را دھا کرشن گو
پر غافلی در کار خود از نا سزا کردار خود   بگذر ز گیر و دار خود سر یرام را دھا کرشن گو
تا جان در آمد در جسد گشتی اسیر نفس بد   خواہی اگر عیشِ ابد سر یرام را دھا کرشن گو
ثبت انچہ شد در ابتدا بے جہد پیش آید ترا   بیہودہ میگردی چرا سر یرام را دھا کرشن گو
جسم و جہاں فانی ست بس قطعِ نظر کن ازین ہوس   تا میتوانی زد نفس سر یرام را دھا کرشن گو
چشم تامل باز کن برگِ سفر را ساز کن   وارستگی آغاز کن سر یرام را دھا کرشن گو
حرص و ہوا را ترک دہ برحبِ دنیا دل منہ   خواہی اگر انجام بہ سر یرام را دھا کرشن گو
خود می نیندیشی بدل دنیاست قید جاں گسل   خواہی شدن آخر خجل سر یرام را دھا کرشن گو
در بندِ غم ہستی چرا بالا ستی پستی چرا   دل در جہاں بستی چرا سر یرام را دھا کرشن گو
ذی عزتی عزت طلب لت چہ جوئی بے سبب   فکر کن و باز از ادب سر یرام را دھا کرشن گو
راہے است تنگ و پر خطر بار گراں بردوش و سر   بر منزل ار خواہی گذر سر یرام را دھا کرشن گو
زور و ریا منبو و نکو باز آ ازیں گفت و شنو   صدق و صفا کن آرزو سر یرام را دھا کرشن گو
سود ے نیابی جز زیاں در چار سو گن و مکاں   نقدے میفگن رائیگاں سر یرام را دھا کرشن گو
شہوت طمع نخوت غضب نفعے نہ بخشد جز تعب   بگذر ازیں شور و شغب سر یرام را دھا کرشن گو
طبع از فسادت صاف کن ترکِ خودی و لاف کن   لختے بدل انصاف کن سر یرام را دھا کرشن گو

ظلم است بر جاں بے جہت غفلت ز فکرِ عاقبت | آخر بکن فکر خودت سر یرام رادھا کرشن گو

عمرے بدنیا ساختی دُر در خلاب انداختی | چوں قدر خود نشناختی سر یرام رادھا کرشن گو

غول اند در شکلِ بشر از اہلِ دنیا کن حذر | گر خیر خواہی سر بسر سر یرام رادھا کرشن گو

فرصت ز کف شد ہسر تا بگذشت عمرِ بے بقا | بر مطلبِ باشد جفا سر یرام رادھا کرشن گو

کارِ تو نبود تا ازیوں بگذار بندِ نفسِ دُوں | یعنی کہ از صدقِ دروں سر یرام رادھا کرشن گو

گاہے نہیں گاہے چناں یکساں نمی ماند جہاں | خواہی اگر آرام جاں سر یرام رادھا کرشن گو

لطف و عطایش واہ واہ گفتار و کردار تہ چہا | حق ناشناسی تا کجا سر یرام رادھا کرشن گو

مستی چرا ہشیار شو خوابی چرا بیدار شو | در فکرِ استغفار شو سر یرام رادھا کرشن گو

نابود دان ایں بود النقصاں شمار ایں سود را | در موقفِ یاہو درآ سر یرام رادھا کرشن گو

والہ مشو عزلت گزیں دل نہ پئے بہبود دیں | مرگ است ہر دم در کمیں سر یرام رادھا کرشن گو

ہر چند خوانی سر بسر بید و پران و شاستر | نبود جز ایں حرف دگر سر یرام رادھا کرشن گو

یاری ز کس ہرگز مجو فرحت بگوشِ دل شنو
سر یرام رادھا کرشن گو سر یرام رادھا کرشن گو

فرقت - پنڈت دیبی پرشاد صاحب خشا آپ خلف پنڈت ٹھاکر پرشاد صاحب خشا یہ لکھنوی شاگرد امانت

قصیدہ در مدح جناب ڈیبس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع اناؤ

حمدے کہ خدائے دو جہاں را شاید | نعتے کہ رسول انس و جاں را باید

از خامۂ خشک و دو زبانِ تر ما | الحق کہ بہ تحریر و بیاں کے آید

قصیدہ

دے مجھے فکر بلند ایسی اب اے ربِّ قدیر | عرش سے لاؤں وہ مضموں کہ نہ ہو جسکا نظیر

اس قصیدہ کا وہ ہو مطلع و حسنِ مطلع / بڑھ کے ہو مطلعِ خورشید سے جسکی تنویر
معجمہ حرفوں کے نقطے جو بنیں سیارے / دائرے مہملہ حرفوں کے ہوں کُل مہرِ منیر
کہے سورج کہ یہ ہے میرے کرن کا کوئی تار / مرکزِ کاف سطح میں بھی ہو یہ تنویر
استدعوام میری طبعِ رسا کا ہو بلند / مرغِ زرّینِ فلک کو کروں جب چاہوں اسیر
بعد مطلع کے جو ہر شعر کروں میں موزوں / اُن پہ تاروں کو اُتارے یہ فلک بے تاخیر
ابر ہر مصرعۂ برجستہ سے ہو بارشِ نور / طبعِ روشن میری دکھلائے جو اپنی تاثیر
ہو نہ قرطاس کو افشاں کی بھی حاجت اصلا / اپنی قدرت سے وہ لفظوں کو عطا کر تنویر
چھین لوں سحر کہ نظم میں میں گردوں سے / مہرِ تاباں کی سپر اور مہِ نو کی شمشیر
تھا میں مشغولِ دعا جو ہوئی پیدا اک حور / جس سے کاشانہ میرا ہو گیا جنّت کا نظیر
عالمِ نور جو تھی سر سے وہ تا ناخنِ پا / میں نے پوچھا یہ کہ اے رشکِ دو مہرِ منیر
کس چمن کی گلِ رعنا ہے تو اس گلشن میں / کونسا ہے وہ مرقّع تو ہے جس کی تصویر
لعلِ خوش رنگ تو ہے جسکی وہ معدن ہے کہاں / دُر ہے جس بحر کی تو ہے کہ نہیں اس کا نظیر
کی ہے جو جلوہ گری میرے سیہ خانہ میں / شمع کی طرح نہ کر بند زبانِ تقریر
مہرباں دیکھ مجھے پا گئے وہ رشکِ خورشید / دُر فشاں یوں ہوئی تھی گو کہ حیا دامنگیر
ہے اگر تم نظر اپنی ترقی تجھکو / مدحِ ممدوح میں کر ایک قصیدہ تحریر
سن کے اُس مہر سے یہ بہرِ حصولِ مقصد / نظم یہ مطلعِ روشن کیا با صد توقیر

مطلع

آسماں سے ہے تیری بڑھ کے جہانیں توقیر / ذرّۂ خاکِ کفِ پا ہے ترا مہرِ منیر
کیا تیرے چہرۂ روشن کو قمر سے نسبت / کہ یہ ہے شمس تو وہ شمس سے پاتا تنویر
مصحفِ رخ کی صفت میں ترے مداح کو ہے / احتیاجِ قلمِ قافیۂ بیضا تفسیر
شاہد آئینہ ہے اس قول کا میرے یا تو / تیرے ہمشکل اگر ہے تو ہے تیری تصویر

قطع بند

تیرے اجلاس کی تعریف بھلا کیا میں کروں
کہ عدالت اسے کہتے ہیں صغیر اور کبیر

جلوہ گر ہوتا ہے دم بھر کو تو جس کرسی پر
ناز کرتی ہے وہ کرسی کہ ہیں ہوں عرش نظیر

بعد تحریر بیانات فریقین و گواہ
جبکہ لکھوائے کسی مثل پہ تو حکم اخیر

ہوکے ناراض ترے حکم سے گر کوئی فریق
صدر میں جاکے مرافع کرے یا صرف کثیر

حکم منسوخ ہو تیرا نہ کسی صورت سے
خط تقدیر سے کچھ کم نہیں تیری تحریر

روبکاری میں ہر ایک وقت میں پیش حکام
وکلا دیتے ہیں سب فیصلوں کی تیرے نظیر

نام قانون ہے جسکا وہ زباں ہے تیری
ایکٹ کہتے ہیں جسے سب وہ ہے تیری تحریر

فیصلہ پر ترے ممکن نہیں دست اندازی
ہیں وہ نادان جو مرافع کی ہیں کرتے تدبیر

شرق سے غرب تلک فیصلوں کی تیرے ہے دھوم
ہند کیا دیتے ولایت میں ہیں سب اسکی نظیر

لوگ سب کہتے ہیں یہ طرفہ عدالت ہے تری
وہ بھی خوش ہوتا ہے دیتا ہے جسے تو تعزیر

ہے عدالت کا تیری جانوروں کو بھی لحاظ
شیرنی بچہ آہو کو پلاتی ہے شیر

دل جلائے جو تیرے عہد میں پروانہ کا
بزم میں کاٹے سر شمع کا فوراً گل گیر

بخشتا ہے تو اُسے کو وہ طلائے احمر
مانگتا ہے جو طلا کوئی بمقدار شعیر

مشک مانگا جو کسی نے تو دیا اُسکو ختن
زعفراں جس نے طلب کی اُسے بخشا کشمیر

جو دے تیرے ہی آباد ہوا قیصر گنج
فیض سے تیرے کالپ گھر یہ ہوا ہے تعمیر

لکھا حکم ایسا کہ جس سے وہ ہوا باغ و بہار
خط گلزار میں کی جس نے کہ عرضی تحریر

تو سکندر ہے اسسٹنٹ ارسطو ہیں تیرے
تیرا اقبال ہے مشہور تو اُن کی تدبیر

جسکا ہے ابر سیہ نام وہ ہے تیری سپر
برق کہتے ہیں جسے سب وہ ہے تیری شمشیر

تتمہ

ہوگیا خلق کو راحت کا سفینہ اٰتاؤ
تجھسے دریائے کرم کا ہوا جب وہ جاگیر

خاص بنگلہ تیرے رہنے کا ہے جوائے فیاض
فیض آباد ہے نام اُسکا اودھ میں تحریر

خاکِ درکو ہے تیری حق نے دیا یہ رتبہ
آگے ہے جسکے کہیں خاک سے بدتر اکسیر

ہے جو دیوانہ تیرے حکم رواں کا دریا
پاؤں میں موج کی رہتی ہے ہمیشہ زنجیر

بس قصیدہ کو کر اب ختم یہاں سے فرقت
چند اشعار دعائیہ تو اب کر تحریر

لعل خوش رنگ کا جب تک کہ یمن ہے مسکن
دُرِ شہوار کی جب تک کہ صدف ہے جاگیر

جب تلک باغ میں گل اور ہے گل میں خوشبو
جب تلک بلبلِ شیدا کی ہے گلشن میں صفیر

جب تلک چرخ بریں پر ہیں کواکب روشن
جب تلک دھر میں ہے شمس و قمر کی تنویر

جو کہ ہیں دوست ترے وہ رہیں دلشاد مدام
جو کہ اعدا ہیں تیرے وہ رہیں ہر دم دلگیر

اشعار اُردو

ولہ

مھندی سے پہلے نقرہ سونے کے ہوگئے
اے سیمتن عجب ہیں تیرے کیمیا کے ہاتھ

اختر مرے نصیب کا ہو جائے آفتاب
پاؤں جو اپنے ہاتھ میں اُس مہ لقا کے ہاتھ

ملتا ہوں رو کے خوں کفِ افسوس رات دن
دکھلا دے اے خدا بتِ رنگیں ادا کے ہاتھ

فرقت رکھا ہے بزم امانت میں جنے پاؤں
چومے نہ کس طرح سے سخن پرور آکے ہاتھ

فریاد۔ پنڈت تربھون ناتھ جی صاحب بھان بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ اکبر آبادی حال مقیم کھڑگپور بنگال

صاحبزادہ اصغر جناب پنڈت سردپ نرائن صاحب بھان المتخلص عاصی عمر ۲۴ سال۔ خویش پنڈت کاشی ناتھ صاحب در متوطن ریاست جاورہ۔ آگرہ میں اسکول



پنڈت تربھون ناتھ ہجاں - فریاد

کی زندگی ختم کرکے ملازمت کی تلاش میں خلاف مرضی والدین کھڑگپور بنگال چلدے۔ وہاں ریلوے اسکول میں ملازم ہوگئے۔ وہاں بھی علم کا شوق دامنگیر رہا۔ کلکتہ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہوئے۔ مدرسی کا امتحان بی۔ ٹی۔ بھی وہیں پاس کیا۔ ابھی تک وہیں ملازم ہیں۔ سنجیدگی ومتانت ان کے مصاحب خاص ہیں۔ گوشۂ تنہائی کی زندگی پسند ہے۔ تکبر ونخوت سے سروکار نہیں۔ جفاکشی تن دہی کے عاشق ہیں۔ صبر وشکر ان کے مزاج کا خاصہ ہے۔ والد صاحب کی طرح ان کا بھی استاد سوائے منشی ازل کے کوئی نہیں۔

تمام کلام خداداد قابلیت کا نمونہ ہے۔ پرانی اور نئی شاعری دونوں کے طرفدار ہیں۔ گو پرگو نہیں ہیں مگر جسقدر کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ جناب ہمدم اکبرآبادی سے خصوصیت کے ساتھ انس رکھتے ہیں۔

قطعہ تاریخ ولادت فریاد صاحب مصنفہ جناب ہمدم

سنئے سن ولادت فریاد اہل فن کا — صانع نے جب بنائی شکل اسکی پیاری پیاری
ہاتف پکارا ہمدم کیا منشی ازل نے — عاصی کے سر پہ باندھی دستار بختیاری

۱۸۸۹ء

غزل

خیال یار ہمیں صبح وشام رہتا ہے — یہ درد وہ ہے جو دل میں مدام رہتا ہے
شب فراق میں اپنا یہ کام رہتا ہے — کہ دل میں یاد تری لب پہ نام رہتا ہے
تمام حسرت وارمان گھر کے آئے ہیں — مری لحد پہ بڑا اژدحام رہتا ہے
پلادے ساقیا جی بھر کے آج رندوں کو — چھلکتا بادۂ ہستی کا جام رہتا ہے

سنا ہے ابتو خدا دوست ہوگئے فریاد
لبوں پہ ورد سدا رام رام رہتا ہے

دیگر

وہ جلوہ پھر آیا نظر بیٹھے بیٹھے — چلا پھر مرا دل کدھر بیٹھے بیٹھے
چلاتے ہیں تیر نظر بیٹھے بیٹھے — بڑھے کیوں نہ درد جگر بیٹھے بیٹھے

تلاطم ہو اشکوں کا دنیا میں برپا — جو برسیں میری چشم تر بیٹھے بیٹھے

کہاں ایسی تقدیر فریادؔ تیری

چلے آئیں وہ تیرے گھر بیٹھے بیٹھے

ہاتھ دکھ جائیگا کیوں ہاتھ میں تلوار رہے — وار کرنے کو یہی ابروئے خمدار رہے

وائے ناکامیِ تقدیر رہیں وا آنکھیں — بعد مرنے کے بھی ہم طالبِ دیدار رہے

لطمۂ موج کا کیا ہو مری کشتی پہ اثر — ناخدا جب کہ میرا خالق و ستار رہے

مرضِ عشق سے اچھے نہ ہوئے جیتے جی — نازِ عیسیٰ بھی اٹھا کر یہاں بیمار رہے

رنج و غم درد و الم ہائے شبِ فرقت میں — یہی ہمدم یہی مونس مرے دو چار رہے

سرگرداں رہے ہم دائرہ الفت میں — جستجو میں تری ہم صورتِ پرکار رہے

آئے فریادؔ جو وہ غیرت یوسف اس جا

اکبرآباد بھی اک مصر کا بازار رہے

شباب آیا یوں گلبدن دھیرے دھیرے — پھلے پھولے جیسے چمن دھیرے دھیرے

نکلتی ہیں پھر اُن کے عارض سے زلفیں — لگا چاند میں پھر گہن دھیرے دھیرے

مقدر کی گردش نہیں ہے تو کیا ہے — چھٹا آگرہ سا وطن دھیرے دھیرے

ملے لذتِ عشق رہ رہ کے دل کو — چلا تیر ناوک فگن دھیرے دھیرے

دیگر

کیا دھواں دھار گھٹا وحشت چھائی ہے یہاں — لو چلو میکشو پھر اپنی بن آئی ہے یہاں

ہم نہیں ڈھونڈتے کعبہ میں کلیسا میں تجھے — تیری تصویر کلیجہ سے لگائی ہے یہاں

رنج و غم حسرت و ارمان سے سب آگئے پیچھے — لاش دل کی انہیں چاروں نے اٹھائی ہے یہاں

سرنگوں بیٹھے ہیں ارمان میری میت پر — بیکسی دیکھئے سر پیٹنے آئی ہے یہاں

وحشتِ قیس کی اب کچھ بھی حقیقت نہ رہی — تیرے دیوانہ نے وہ شکل بنائی ہے یہاں

شاعری لوگ نرا سمجھیں تو سمجھیں فریادؔ

ڈگری بی۔اے کی اسی شوق سے پائی گئی یہاں

خزاں میں شکل دکھاتی ہے پھر بہار مجھے
چڑھائے آیا ہے تربت پہ کوئی ہار مجھے

بتوں کے عشق میں کیونکر۔خدا کی یاد آئے
ابھی تو بادۂ نخوت کا ہے خمار مجھے

بنا ہوں ساکن بنگال چھوڑ کر کشمیر
ہوا ہے صندلی رنگوں کا جب سے پیار مجھے

تُلے ہوئے ہیں وہ فریاد قتل پر میرے
ہے لاکھ شکر کہ سمجھا ہے جاں نثار مجھے

ملاتی نہیں شرم سے آنکھ دیکھو
نظر جب سے نرگس پہ ڈالی ہے تم نے

یہ کیسے مسیحا ہو۔قاتل ہو سب کے
کبھی جاں مردہ میں ڈالی ہے تم نے

جھکی جاتی ہے شرم سے تیغ ابرو
کسی بے گنہ پر نکالی ہے تم نے

تصدق نہ فریاد ہو شمع رو پر
اگر تو خدا سے لگالی ہے تم نے

ملے کیوں نہ فریاد بی ٹی کی ڈگری
بزرگوں کی اکثر دعا لی ہے تم نے

پیغام مبارکبادی بتقریب شادی کتخدائی پنڈت سری نرائن جی

فرزند پنڈت شیو نرائن بھان صاحب

مہمان بنا بیٹھا ہے وہ ماہ لقا آج
شاید کہ مقدر کا مرے چاند چڑھا آج

کھلنے لگیں کلیاں مرے پھر گلشن دل کی
پھر عیش و مسرت کی لگی چلنے ہوا آج

ہوتی ہے خزاں آج ہوا میرے چمن سے
لائی ہے خبر فصل بہاری کی صبا آج

گلگشت میں معروف حسینان چمن ہیں
اٹھلاتی ہوئی پھرتی ہے پھر باد صبا آج

آئی ہے مرے گھر پہ کسی گل کی سواری
صدقہ میں اترتی ہے جو رہ کے صبا آج

مسرور نہ کیوں اختر و فریاد ہوں عاجز
بھائی کا جو دلبند ہے پہ دھان چڑھا آج

کچھ شغل ضرور ایسا ہو دل جس سے بہل جائے — اچھی سی پلا ساقیا بدمست بنا آج
انکار نہ پینے سے ہو اب حضرت ہمدم — ساقی ہے نیا، شیشہ نیا، جام نیا آج
میخانہ کا در کھول دے ساقی ترے صدقے — خوشبو سے بھری آتی ہے جنت کی ہوا آج
خرم رہیں دولھا و دلہن بزم جہاں میں — بیٹھا ہوں اُٹھائے ہوئے میں دست دعا آج
بیساختہ تحسین نکل آئی زباں سے
جب کان میں فریاد ترا نام پڑا آج

مزارِ دل کا اگ ہو ہماری تربت سے — کہ بعد مرنے کے آئے ذرا قرار مجھے
تری زلف پیچاں کے سودے میں پھنس کر — ہوا مفت یہ دردِ سر بیٹھے بیٹھے
نوک کی ہم سے نہ لی خارِ مغیلاں نے کبھی — عمر بھر دشت نوردی میں بھی ہشیار رہے
گلوں میں تیری سی کچھ بھی تو رنگ و بو نہ ملی — حسین جتنے تھے آئے نظر میں خار مجھے
بزمِ اغیار میں شرکت مجھے منظور نہ تھی — کششِ یار مجھے کھینچ کے لائی ہے یہاں

فرخ۔ پنڈت راجہ کاک در ساکن صفاکدل سری نگر کشمیر

آپ نے بعمر باسٹھ سال سمت ۱۹۰۱ بکرمی میں در عہد مہاراج گلاب سنگھ رحلت کی

بنازم ترک چشم شوخ ابرو کمانے را — چو برگردد کند از یک نگہ کار جہانے را
چناں در ہجر گار وے دہم سر نالۂ رنگیں — کہ بلبل گرد سر گردد چو من رنگیں بیانے را
بقصد من کمان زہ کردہ می آید زگیگ طالع — ہدف از سینہ میسازم خدنگ سخت جانے را
ز دوقِ کہنۂ تزویر بگذر بشنو اے زاہد — روانِ تازہ گر خواہی ببیں سرو روانے را



پنڈت راجہ کاک در - فرتیج

بگل بیتابی آں تمثیل کہ دارد خار در بستر — قبائے نازمی زیبد بہ بر نازک میانے را

ولہ

ناگہاں از پردہ بیروں تاختہ دلدار ما — اے حریفاں پردہ بگذار و خدا در کار ما
چشم بیدار و نگاہے از نواے نور نگاہ — باہمہ تر دامنی ہا چشم گوہر بار ما
بسمل تیغ نگاہم از تبسم شربتے — تازہ مرہم بر نمی تابد دل افگار ما
رفتن ز خویش دیدن یار است پیش ما — دیوانگی نشانۂ کار است پیش ما
از صاف باطنی شدہ ام محو روے او — خورشید و ماہ آئینہ دار است پیش ما
رنگے نہ بست گل بہ بہاراں بچشم من — رنگ شکستہ رشک بہار است پیش ما
پروانہ شد و لیکہ بشمع رخش ز ذوق
فرخ بداں چراغ مزار است پیش ما

شمع میگو بید بہ اہل بزم ہنگام سحر — نیست اینجا پایداری گریہ می آید مرا
خاک راہش گشتم و دامن فشاں از من گذشت — بردباراں خاکساری گریہ می آید مرا
از کمند زلف او فرخ دل بیچارہ را
نیست روے رستگاری گریہ می آید مرا

نہاں میداشتم داغ دل و درد نہانی را — چہ سازم چہرۂ کاہی و اشک ارغوانی را
اگر خواہد شبیہہ چشم بیمارت کشد شاید — بعینہ گر شود نرگس قلم در دست مانی را

ولہ

تنہا بہ آب دیدہ نہ بستیم خواب را — بے آب ساخت چشم ترما سحاب را
بر چہرہ خ میشود گل خورشید جعفری — چوں جلوہ میدہی سر سنبل نقاب را
فرخ اسیر زلف تو دارد دل عزیز
ظالم متاب سنبل پر پیچ و تاب را

از تعلق خاطر آزاد میخواہیم ما — ایں دل ناشاد خود را شاد میخواہیم ما
دین و ایماں جان و دل نذر بتاں کردم تمام — خیر مقدم لے جنوں امداد میخواہیم ما

دلنوازی از دم شمشیر او دارم امید — آب کام تشنہ از پولاد میخواہیم ما
خاک راہت گشتم و دامن کشاں رفتی زمن — داد از دست تو اے بیداد میخواہیم ما

ولہ

برداشتی ز چہرۂ گلگوں نقاب را — بے پردہ ساختی بخدا آفتاب را
گر زگسش نکرد فسونہائے سامری — در چشم ما کہ بست بگوئید خواب را
خواہم کہ بر کنم ز بتاں دل کجا برم — ایں سینۂ پر آتش و چشم پر آب را
بیحاصلی است حاصل ایں سبز کشت چرخ — ما آزمودہ ایم جہاں خراب را
میخواستم کہ پا کشم از دست بیخودی — یاراں چہ میکنم دل پر اضطراب را

فرخ حیات نقش بر آب است ہوش دار
چشمے کشا بہ عبرت و بنگر حباب را

منو د اشکم چناں طوفاں کہ گیرد کوہ و صحرا را — چساں می بندم از خاشاک مژگاں روئے دریا را
صبا از من پیامے بر بمجنون جنوں پیکر — جنوں سالار می آید بروں خالی کند جا را
نکرد آہم اثر در خاطرت ظالم عجب دارم — کہ آہ آتشینم تو تیا میکرد خارا را

ولہ

چو شمع آتش اشکے کہ ریخت چشم تر امشب — گداخت قالب مارا ز پاے تا بسر امشب
چو شمع سوزم و دم بر نمیزنم ز غمت — چرا بحال نزارم نمیکنی نظر امشب

چو فرخ از تب شمع رخش دلم سوزد
ز سوزش دلم اوراکہ میبرد خبر امشب

ز اشک دیدۂ ما آبشار را دریاب — ز داغ شیشۂ مالالہ زار را دریاب
ستارہ ریز ز شام است تا سحر چشمم — بر آ و دیدۂ شب زندہ وار را دریاب

اسیر دام ہوس تا بکے شوی فرخ
ز کار بیخبری روزگار را دریاب

بالاے بلند تو برافراخت چو قامت — برخاستہ از روے زمیں شور قیامت

برباد شد از تابِ غمت جانُ دل آخر	اینک رخِ زرد است و دمِ سرد علامت
فرخ چه کنی شکوه ز ناکامی دوران
یک قطره نریزد فلکِ سفله بجامت

در چمن آمد چو پنهان آں پری	رنگ گل از چهره پریدن گرفت
بهر سراغ دلِ گم کرده پے	خون دل از دیده دویدن گرفت
تا شده فرخ به غمش آشنا
از خود و بیگانه رمیدن گرفت

جاں سپردم بغمت تمت جانے باقی است	قدمے رنجه کن از لطف کہ آنے باقی ست
از گل و لاله نشاند چمنِ دهر تهی	رفت گر لیسته بلے غنچه دہانے باقی ست
فرخ امروز رود از تبِ هجرش برباد
گر مرا در تن بیتاب توانے باقی ست

غم دهی و دلم صبری چه عیار ریست	مرو مرو که نه شرطِ مروّت و یاریست
شنو که چوں دلِ من گرم نوحه و زاریست	ببیں که خون دل از دیده ام چساں جاریست
به دوش بارِ گنه خارِ معصیت در پا	امید یاریم از فضلِ حضرتِ باریست
ز کارہائے جہاں دست کش نشیں بیکار	که ختم کارِ جہاں عاقبت به بیکاریست
مجوے رسم وفا از پری رخاں فرخ
که راه و رسم پری طلعتاں جفا کاریست

ز آئینه همچو آئینه غرقابِ حیرتم	کاں ساده دل ز ساده دلی روبروئے کیست
دامن کشاں گذشتی و ظالم نگفتی آه	کایں از فتادگانِ سرِ خاکِ کوئے کیست
فرخ چو نیست منزلِ او جز حریمِ دل
در حیرتم که سجده مُردم بسوئے کیست

چشم مردم شود از دیدن خالت روشن   مردم دیدهٔ و خالِ تو مگر ہر دو یکے است

پرتو روے تو ز پرتوِ خورشید سحر   بخدا در نظرِ اہل نظر ہر دو یکے است

پیکرم دیدهٔ تر سوز و دل ز آه جگر   دل سوزانِ من و دیدهٔ تر ہر دو یکے ست

دیگر

بنوش بادهٔ گلرنگ اگر دلت تنگ است   علاج تنگدلی با شراب گلرنگ است

فدائے قدرت اویم که در خزاں و بہار   برنگ ہا شده ظاہر اگرچه بیرنگ است

غم ز دل نزاد چه میباید کرد   بر دل افتاد چه میباید کرد

به چمن رفتی و بلبل با گل   کرد فریاد چه میباید کرد

مشقِ دیوانگیم پیر جنوں   کرد ارشاد چه میباید کرد

لبِ لعل تو دلِ فرخ را
نکند شاد چه میباید کرد

دل سر زلف او رہا نکند   آشنا ترک آشنا نکند

ظالم از سوز عشق بیخبر است   خنده بر گریه ام چرا نکند

دل ز جورِ لبِ تو پرخوں است   چه شد ار لب بشکوه وا نکند

گفتم از زلف او بگیرم دل   دل ہمی گویدم خدا نکند

نشود وا دلِ غمیں فرخ
جامهٔ صبر تا قبا نکند

سحر آگه ز بیوفائیِ گل   بلبل از ناله خبرم کرد

عشق عقلم ربود و داد جنوں   آں چناں بودم ایں چنینم کرد

سر سوداے زلف او فرخ
فارغ از فکر آں و ایںم کرد

در دلِ ہر که خیالِ تو بیکدم گذرد   سر سوداے دو عالم بدلش کم گذرد

نگسلد رشتهٔ عشق تو ام از گردن جاں — گرچه سر رشتهٔ عمرم همه از هم گذرد
نگذشته است ز طوفان فنا بر مردم — هرچه بر روے من از دیدهٔ پرنم گذرد
در شب هجر تو از غم ننهم دست بدل — غم آنست مبادا که دل از غم گذرد

وله

چشم بیمار تو بیمارم کرد — غم زلف تو گرفتارم کرد
بود در خواب بزلفت دستم — بخت بد آمد و بیدارم کرد
از گرانباری این عمر دراز — طرز ناز تو سبکسارم کرد
کرده بود عقل ز خود بیخبرم — چشم مخمور تو هشیارم کرد

فرخ از اشک بخوں بودم غرق
خنده بر گریهٔ من یارم کرد

کرده منظور نظر خود بینی — تا در آئینه تماشا میکرد
آب گردید و شد از دیده برول — یافت دل انچه تمنا میکرد
نه حنا بود که ز انگشت نمود — فتنهٔ بود که برپا میکرد

فرخ از زیر و زبر کردن زلف
دل مارا ته و بالا میکرد

باز دل برده ز من غمزهٔ پنهانے چند — دوستاں باز ستانید بدستانے چند
پشت ایماں شده از مصحف روے تو قوی — کفر زلفت زره افگنده مسلمانے چند

ز اشک خونیں مے ناب و ز جگر لخت کباب
چیده در بزم تو فرخ سر و سامانے چند

بعد ازیں ترک حیا خواهم کرد — جامهٔ صبر قبا خواهم کرد
داد از دست تو فردا نه هلم — محشر امروز بپا خواهم کرد

بهواے سر زلفش فرخ

فکر در فکرِ رسا خواہم کرد

زسہ جامے دہد لعلِ سخندانِ تو اے کافر　　زبر دل می برد برگشتہ مژگانِ تو اے کافر
گریبانت بصد جا پارہ خواہی دید دریکدم　　اگر دستم رسد فردا بدامانِ تو اے کافر
ز عارض آب و گل بردی ز کاکل تاب سنبل ہم　　گل و سنبل ازاں شد بندہ فرمانِ تو اے کافر
رقیباں گرمِ مے نوشی بہ بزمت ہیچ میدانی
کہ فرخ بود وقتے از ندیمانِ تو اے کافر

ز دل تنگی نمی نالم بدل دارم غمے دیگر　　غمِ دل با تو گویم گر دہی دل یک دمے دیگر
ز مسجد ہیچ نکشاید بعالم گفت زاہد　　درِ میخانہ بکشا تا ببینی عالمے دیگر
بلند و پست گوید ناصحِ عاقل نمی داند　　کہ میر قصدِ دلِ دیوانہ بر زیر و بمے دیگر
چہ پرسی جستہ جستہ فرخ از درمانِ دردِ من
نسازد چارہ اش را غیر مردن مرہمے دیگر

ظالم ز بندِ زلف تو دل چوں رود جائے دگر　　دام است در یکپائے او زنجیر در پائے دگر
دیوانہ ہر رویت شوم آشفتہ مویت شوم　　در دل ندارم غیر ازیں جاناں تمنائے دگر
فرزانہ گو یک نظر بیند رخِ خوبِ ترا　　دیوانہ باشد گر کند میلِ تماشائے دگر
عرق از روئے چو گل ریختنش را بنگر　　آب و آتش بہم آمیختنش را بنگر
می رہاز سرم از غمزہ کشد سوئے خودم　　باز پیوستن و بگسیختنش را بنگر
چشم از چشم تو دارد نگہے چشمِ ترم　　خونِ دل از مژہ ہا ریختنش را بنگر
دلِ فرخ حذر از دامِ بلا کے دارد
با سرِ زلفِ خود آویختنش را بنگر

گشتہ ام نغمہ سرا در ہوسِ تازہ گلے　　بلبل ایں نغمہ سرائی ز من آموزد امروز
در بغل شیشہ و در دست قدح یار آمد　　چہ مدد کرد بمن طالعِ فیروز امروز

پختۂ کارِ جنوں گویند مجنوں را ولے خاطرِ سوزندۂ ما خام میداند ہنوز
شہرۂ آفاق گردیدم زعشقش در جنوں شہرۂ آفاق را گمنام میداند ہنوز

دیگر

خوشا روزیکہ سازد عزمِ میداں وقتِ جولانش شوم خاکِ رہ و برخیزم آویزم بدامانش
نہ پندش جائے میگیرد نہ بندش پائے می ساید دلِ دیوانۂ دارم کہ در ماندم بدرمانش
زکفرِ زلفِ او ازرہ فتادم ہمرہاں راہی کہ دوزد دیدۂ ایماں دو چشمِ نامسلمانش
نماید جائے در دل جلوۂ قدِ دلارایش نشاند پائے در گِل سرو را سروِ خرامانش
نہ تنہا روزِ من چوں شب شود از زلفِ او فرخ
نشانِ صبحِ محشر ہم دہد چاکِ گریبانش

لافید شکر بالبت از پوست بیروں کردمش خندید مینائے کفت مے در گلو خوں کردمش
دانی کہ دلبر با دلم چوں کرد من چوں کردمش او از غضب خوں کرد و من از دیدہ بیروں کردمش

چو شمع زند بسینہ غمِ او بہ یکطرف ہوشم برد دو نرگسِ جادو بہ یکطرف
دیدم کہ دیر و کعبہ شود رہزنم زعشق ناز و نمو و رُوے دلم رُو بہ یکطرف

دیگر

ہرگز نگرد آشنا بانبضِ من انگشتِ کس درماندہ از درماندگی دستِ طبیباں در بغل
دانائے رازم کے کند در روزِ دیوانم خجل کاوردم از بیدانشی دیوانِ عصیاں در بغل
بہرِ نثارِ مقدمت اے نورِ چشمِ مردمے دارم ز چشمِ خونفشاں یاقوتِ رمّاں در بغل
ہر داغِ پنہانی نگر شمعے است تاباں در نظر بہرِ تماشایت دلم دارد چراغاں در بغل

دیگر

تیغ بر تن شدہ مویم ز سیہ کاریِ دل وائے اگر اشکِ ندامت نکند یاریِ دل
در شبِ ہجرِ تو خوں گشت و شد از دیدہ بروں قدمے رنجہ کن از لطف بدلداریِ دل
نیست تنہا جگرم از ستمِ او پُر خوں چہ جگرہا کہ نشد خوں ز ستمگاریِ دل

دیگر

دل بے سکون و دامنِ دلبر زکف بروں از کار رفتہ کار شد از چارہ چارہ ام
گفتی کہ آہ سرد و رُخ زرد از چہ رُو دست ظالم ندیدۂ جگرِ پارہ پارہ ام

فرخ نمود دست صبا جیب غنچه چاک
دستم نمیرسد بگریبان پاره ام

نه از دورنگی لیل و نهار می ترسم   دگر دش نگه چشم یار می ترسم
دراز وعدهٔ وصل است و عمر پا بر کاب   ز فرصت کم و از انتظار می ترسم
زخون ماست به پرهیز چشم بیمارش   ز گوشه گیری پرهیزگار می ترسم
دلم از خویش غافل بود شب جائیکه من بودم   رخش آئینهٔ دل بود شب جائیکه من بودم
ید بیضا کف ساقی تجلی جلوهٔ مینا   چه جاے سحر بابل بود شب جائیکه من بودم
بچشم نیم بازم خوانده و از چشم دگر راندم   حیا با ناز شامل بود شب جائیکه من بودم

وله

دم گرم از غمش گر سر نمیکردم چه میکردم   چو انگر فرش خاکستر نمیکردم چه میکردم
بمینا بادهٔ گلگوں و مینا در کف ساقی   بمے سجادهٔ رنگین گر نمیکردم چه میکردم
خطرناک است راه عشق بازان در خطرناکی   دل دیوانه را رهبر نمیکردم چه میکردم
ز استاد جنوں فرخ بدرس عشقبازیها
کتاب بیخودی از بر نمیکردم چه میکردم

در روز بهی چه میکنم من   با دست تهی چه میکنم من
از خاک در تو سر فرازم   با تاج شهی چه میکنم من
بر پاے دلم ز زلف زنجیر   ظالم چو نهی چه میکنم من
فرخ در کوے میفروشان
با دست تهی چه میکنم من

مردیم و بردیم با خویش همراه   آہے و صد درد و دردے و صد آه
با روے خوبت مه را چه نسبت   استغفر الله استغفر الله
لعل لبش را شنفتیم و گفتیم   الحمد لله الحمد لله

بر زلف درویش سیخوانم از بر   والليل و والشمس شام و سحرگاه
دیدیم و چیدیم ما دسته دسته   گلهای حیرت زین باغ دلخواه
دور از تو گر حور کوثر فروشد
فرخ نخوشد واللہ و باللہ

بهر ما دلشدگان باده بیار ای ساقی   هست یک گردش چشم تو بکار ای ساقی
بیشمارم قدح می ده و اندیشه مدار   هرچه آید بسرم روز شمار ای ساقی
بزم گرم است و بیک جرعه نسازی با ما   گله دارد ز جفایت دل زار ای ساقی
می بده می که بغیر از نقد در دستت   سر مینا و سر زلف نگار ای ساقی
فرخ آن روز شود از غم هستی آزاد
که کشد نرگس مستت بخمار ای ساقی

ساقی اگر بادهٔ نابی داری   بخشش ده که صوابی داری
گرت از خون شهیدان پرسند   بشکر خنده جوابی داری
تشنگان را بده می چند بیاب   تو ئی امروز که آبی داری
خانه آباد نداری خبری   که چو من خانه خرابی داری
فرخ از دیدهٔ تر وز لب خشک
لب نانی دم آبی داری

دلم از دست تو تنگ است تو هم میدانی   پای دیوانه لنگ است تو هم میدانی
با دل بیدل یکرنگ خود ای شعبده باز   چشم شوخ تو دو رنگ است تو هم میدانی
سرو لافی بقد دلبر ما گاه خرام   پای رفتار تو لنگ است تو هم میدانی

دیگر

ای آنکه خدا داده ترا روی دگل بوئی   بگذر ز جفا جوئی خو کن به نکو خوئی
منوش می باقی می بوس لب ساقی   ای شیخ ازین بهتر از جنت چه میجوئی

نقش ہست مے رنگیں ساقی و لب شیریں　　ناصح بخدا بنگر نا دیدہ چہ میگوئی

طراری و عیاری ختم است بتو ظالم　　غم دادی و دل بردی دل بردی و جاں جوئی

داغ سیہ دل را ہر گز نتواں شستن

از دیدۂ تر فرخ بگذر ز سیہ شوئی

فغاں - پنڈت لالجی پرشاد صاحب ہکو

آپ مولوی امام بخش صہبائی دہلوی کے شاگرد تھے ریاست بہاولپور میں عرصہ دراز تک مدار المہام رہے۔

آنکہ بر ہیچ دہیم طعنۂ بیجاے کرد　　نشۂ حسن ترا کاش تماشاے کرد

کاش از بہر مساواتِ من و خصم فلک　　قہر با لطفِ ترا عام بہ جاے کرد

ہیچ تکلیف مداواے دلم داشت لبت

چشم بیمار ترا ورنہ مداواے کرد

بر رخ تابانِ خویش زلف معنبر شکن　　زاہد صد سالہ را خار بہ بستر شکن

نالۂ ما را چو نیست رنگ تماشاے دوست　　مرغ جاں سوز خیز بال کبوتر شکن

غمزہ و ناز و ادا تشنۂ خوں اند و بس　　در رگِ جانِ ما ایں دو سہ نشتر شکن

توبۂ عشاق چیست مشغلۂ روز ابر　　گر شب وصلے رسد از تہ اخگر شکن

یار طلب میکند نقد دلت را فغاں

دل بدہ از دست یا خاطرِ دلبر شکن

فقیر - گوپال پنڈت در ساکن صفاکدل سری نگر کشمیر

آپ نے بعمر ۹۵ سال سمت ۱۸۵۵ بکرمی میں وفات پائی۔ عبد اللہ خاں حاکم کشمیر اُس وقت بر سرِ حکومت تھے۔

رفتم بکوے میکدہ درد اشود نشد　　گفتم فلک بکامِ دل ما شود نشد

دانم که این معامله در حشر اوفتد | گفتم که صلح ما و تو آنجا شود نشد
آن پیر میفروش که عمر عزیز ماست | هرچند خواستیم که از ما شود نشد

ای گوش بحرف هم نگذاری چه توان گفت | بی بحر شنیدنی و نه زاری چه توان گفت
باغیر هزار مهر و با ما صد کین | دیدیم که داری و نداری چه توان گفت

فانی شدن جهان که آن در نظر است | اندیشهٔ آخرت از ان خوشتر است
امروز بکن که هست پا بر سر خاک | فردا چه کنی چاره که خاکت بسر است

وله

در علم ظهور او همه خلق جهان | گویند یکی یکی چنین است و چنان
من گفتم و گویم که نهان است و عیان | چیزی که عیانست چه حاجت به بیان

وله

ای یار دمی چه بی تو نتوانم زیست | پس گو که میان ما و تو فرق ز چیست
بینی چو به تحقیق بروی من و خود | دانی که تو معشوق کدام عاشق کیست

وله

در جان و دلم حرص و طمع پای نهاد | فکر زر و سیم بیش از پیشم داد
جز رنج ز زندگی بگو حاصل چیست | امروز مرا که غم ز فردا افتاد

ای یار تو از نیک و ز بد هوش نکردی | گفتم که بما رحم بکن گوش نکردی
یک ذره و یک روز فراموش نکردی | امروز مرا جور بکم از دوش نکردی

مستزاد

ماییم که ترک مال دنیا کردیم همت اینست | از بهر خود آرام مهیا کردیم دولت اینست
در راه وصال دوست از دل وز جان بستیم کمر | چیزی که نداشتیم پیدا کردیم قدرت اینست

دیگر

زین غمکده آه غمگساران رفتند غم ماند بجان | نسرین بدنان و گلعذاران رفتند بلبل بفغان
مادر پی این قافله ماندیم چو گرد افتاده براه | یاری ز که جوئیم که یاران رفتند دامن افشان

دیگر

پیری آمد دل ز تمنا شد سرد چشم از دیدن | در چهره شکن نشست و در پهلو درد پا از گشتن
نی گوش بجا ماند و نی طاقت و هوش از سر گو | یاران رفتند چه میباید کرد باید رفتن

دردِ تو کردہ است شیدا دلِ من	درد ادلِ من دردا دلِ من
بیداو تا کے داواز تو دارد	اینجا دلِ من آنجا دلِ من

غزل

امروز سوے ما نظرے کن اگر کنی	فردا کنی چو بر سرِ خاکم گذر کنی
گر بعد من بخاک من آئی ازیں چہ سود	دستے بدست مالی و تا کے بسر کنی
یکبار شکوہ گوش اگر سر بسر کنی	ترکِ ستم اگرنہ کنی مختصر کنی
بینی چگونہ حال ستمدیدگانِ تست	یکبار اگر نگاہ بہ ایں چشم تر کنی
گفتم کہ دردِ عشق بگویم بہ پیش تو	ترسم کہ راز فاش بجائے دگر کنی
جور و جفا بگفتِ رقیباں بحال ما	چندانکہ گومیت کہ مکن بیشتر کنی
کردم فغان و عدہ خلافی تمام شب	آں نیستی کہ ترس ز آہِ سحر کنی
روزیکہ لطف عام کنی درمیان خلق	دارم امید آنکہ مرا ہم خبر کنی
طالع کجا و بخت کجا یاوری کند	بر رُوے ما بزعم رقیباں نظر کنی

خواند اے فقیر ترا مردِ آں زماں

خود را بہ تیر غمزۂ او چوں سپر کنی

نگار۔ پنڈت دیا شنکر صاحب نؔکو لکھنوی خلف پنڈت تلوک چند صاحب نؔکو

آپ کی تعلیم فارسی زبان میں لکھنؤ میں ہوئی منتہی کتب درسیہ پڑھنے کے بعد آپ کو شاعری کا شوق ہوا فارسی زبان میں آپ مرزا ناطق مکرانی کے اور اردو میں خواجہ آتش کے شاگرد ہوئے آغاز شباب میں کلکٹری ضلع گونڈہ کی سررشتہ داری پر تقرر ہوا پھر مہاراجہ صاحب بہادر بلرام پور نے آپ کو اپنی ریاست میں لیکر افسر منشی خانہ مقرر کیا آپ کی وفاشعاری اور خوش لیاقتی جب رئیس کے دلنشین ہو گئی

تب آپ اسسٹنٹ نائب ریاست مقرر ہوئے بعد انتقال مہاراجہ صاحب کے مہارانی صاحبہ منتظم ریاست ہوئیں اور انھوں نے آپ کو مشیر خاص مقرر کیا۔ ۶۰ سال کی عمر میں رہگرائے ملک بقا ہوئے۔

آپ کے پاکیزہ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس میں دشوار پسندی کی جھلک کہیں نہیں پائی جاتی بلکہ آپ کی طبیعت کو سلاست اور لطافت زبان سے ایک خاص لگاؤ تھا۔ آپ صاحب دیوان تھے اُس کا ایک قلمی نسخہ آپ کے خلف اکبر پنڈت شیو شنکر صاحب نگم جج عدالت خفیفہ ریاست دھولپور نے عنایت فرمایا تھا چنانچہ اُس کا انتخاب قدردانان سخن کے تفنّنِ طبع کی غرض سے پیش کیا جاتا ہے۔

غزلیات اُردو

سودا ہے اپنی آنکھ کو چشمِ سیاہ کا — خارِ مژہ میں الجھا ہے دامن نگاہ کا
سودا تمام عمر بتوں کا رہا مجھے — سر پہ پہاڑ لے کے چلا ہوں گناہ کا
پائے نگہ میں کسکے چبھا میں نہیں نگار — مہماں سرائے دہر میں کانٹا ہوں راہ کا

ولہ

نہ کوئی راہبر اپنا ہے نہ یاور اپنا — ساتھ اپنے ہے فقط ایک مقدر اپنا
مست رکھتا ہے مجھے دل مئے وحدت سے مدام — یہی خُم ہے یہی مینا یہی ساغر اپنا

ولہ

میں کیا کہوں کہ اپنا سا منہ لیکے رہ گئے — صاف آئینے سے مُنہ پہ جو اُن کے دیا جواب
لکھتا تو ہوں خط اُس بت بیرحم کو نگار — پر دل میں خوب سمجھا ہوں جو آئیگا جواب

دیگر

نغمۂ مینا و رقصِ ساغر و رنگِ شراب — خون رُلواتی ہے یادِ صحبتِ دوشینہ آج
ڈر یہ ہے اپنے وہ عاشق خود نہ ہو جائیں کہیں — بس چلے تو روبرو آنے نہ دوں آئینہ آج

ولہ

جب شبِ فرقت میں دھوکے سے چلی آتی ہے نیند — آنکھوں کے ڈھیلوں سے کیا کیا ٹھوکریں کھاتی ہے نیند
کون کہتا ہے کہ فرقت میں نہیں آتی ہے نیند — آتی ہے پر اپنا سا منہ لیکے پھر جاتی ہے نیند
چبھتے ہیں خارِ مژہ گڑتے ہیں ڈھیلے آنکھ کے — یہ بہانہ کر کے فرقت میں سرک جاتی ہے نیند

بند ہیں جب تک کہ آنکھیں نیند بھی ہے قید میں
چشم کے وا ہوتے ہی کافور ہو جاتی ہے نیند

میں نے ہجر یار میں سونے کی کھائی ہے قسم
گرد میری آنکھوں کے بیکار منڈلاتی ہے نیند

مردمان چشم کے حصہ میں ہے شرم و حیا
بند کر لیتی ہیں آنکھیں جب کبھی آتی ہے نیند

ہجر میں سوتے رواں رہتے ہیں اشکوں کے فگار
آنکھوں میں جائے کا موقع ہی نہیں پاتی ہے نیند

صدمہ ہائے ہجر کے کس منہ سے ہم شکوے کریں
زخم دل خود دیدۂ گریاں پہ ہیں خنداں ہنوز

واہ رے ضبط و تحمل واہ رے صبر و قرار
دل نہیں افشائے راز درد کا خواہاں ہنوز

دیکھا ہے دزدیدہ نظروں نے جو عاشق کی طرف
چشم شوخ یار سے برگشتہ ہیں مژگاں ہنوز

وصل میں بھی یاد فرقت کی ڈراتی ہے فگار
طفل اشک چشم سے چھوٹا نہیں داماں ہنوز

دل

آشنائے گوش ہوتی ہی نہیں آواز شمع
دید کے قابل ہے اس محفل میں سوز و ساز شمع

باعث جلوہ ہوا برقع حسینوں کے لئے
پردۂ فانوس میں چھپتا نہیں ہے راز شمع

کب تلوّن کو گذر ہے اہل دل تک دیکھ لو
ایک ہی صورت پہ ہے انجام تک آغاز شمع

آتش سوز اور ہے نور تجلی اور ہے
جلنے میں پروانہ کے مطلق نہیں انداز شمع

دمبدم سرگوشیوں سے صاف روشن ہوگیا
کوئی بجز گلگیر محفل میں نہیں ہمراز شمع

نشۂ صہبائے عشق یار ہے دل میں فگار
ہے پر پروانہ میں مضمون سوز و ساز شمع

دل

لائے ہیں مست ازل ساتھ ہی میخانۂ عشق
سینۂ خم شیشہ ہے دل، آنکھیں ہیں پیمانۂ عشق

جل گیا شمع کے آگے تو کھلا یہ مضمون
پر پروانہ میں تھا مطلب پروانۂ عشق

بلبلوں کی نہیں گلشن میں عبث نغمہ زنی
گوش گل کے لئے درکار ہے افسانۂ عشق

دل

خون آنکھوں سے جاری ہے مگر اف نہیں کرتے
رونے کا ہمارے ہے نیا ڈھنگ نیا رنگ

جب تک تھی گلستاں میں رہی سبز قدم یہ
قدموں سے ترے لگ کے نیا لائی حنا رنگ

دل

بزم جاناں میں جو پہونچے تو گئے ہوش و حواس
نہیں معلوم کہاں آئے کدھر بیٹھے ہم

اپنی عالم سے نرالی ہے نشست و برخاست | اٹھے با آہ تو با دیدۂ تر بیٹھے ہم

ولہ

رو رو کے کیا ہے راز افشا | یہ مردم چشم پردہ در ہیں
دیوانے ہیں دید کے ہم عاشق | پابند سلاسل نظر ہیں
بے نام و نشان کے ہم ہیں بندے | ماشا اللہ نامور ہیں ما
آزاد ہیں قید سے قفس کی | ہم طائروں میں شکستہ پر ہیں
تسکین سی دل کو ہو گئی ہے | عزم آج کچھ اور ہی مگر ہیں
واں زلف اگر ہوئی پریشاں | یاں ہوش و حواس منتشر ہیں

ولہ

زہے زیر کلاہ سر دلبر گیسو | اپنے جامے سے ہوئے جاتے ہیں باہر گیسو
چھین لیتے ہیں دل عاشق مضطر گیسو | سر چڑھے یار کے کیونکر نہ کریں شر گیسو
کبھی ہٹتے ہیں کبھی آتے ہیں زنجیر گیسو | خوب پہچانتے ہیں یار کے تیور گیسو
دل صد چاک ستانہ کا بلا یہ بدلا | ہاتھ سے شانہ کے تنگ آتے ہیں اکثر گیسو
آئینہ روبرو ہے حسن کی آرائش ہے | بھویں تنتی ہیں سراسر ہیں بلوں پر گیسو
کاکل آشفتہ ہے زلفیں ہیں پریشان خاطر | مانگ ہے سکتہ کی حالت میں تو ششدر گیسو
کیوں نہ مغرور رہوں کس طرح نہ لیں بل کی نگار | دولت حسن سے ہیں آج تونگر گیسو

ولہ

لے چلی ہے کھینچکر اس انجمن کی آرزو | دیکھئے کیا گل کھلاتی ہے چمن کی آرزو
کیا توقع کوئی رکھے اور تجھسے اے فلک | لے گئے ہیں سیکڑوں دلمیں کفن کی آرزو

ولہ

لٹا یا کاروان عمر رواں کا | ارے بیہوش گردن موڑ کر دیکھ
نہیں صحبت بھلی حیرت زدوں کی | نہ اے گل آئینہ آنکھوں پھر دیکھ
بیابان جنوں یہ کہہ رہا ہے | ابھی لیجاتی ہے وحشت کدھر دیکھ
دم شمشیر کو کیا دیکھتا ہے | شہید ناز پرور کا جگر دیکھ
تری الفت ہی بس زنجیر پا ہے | ہمیں صیاد تو آزاد کر دیکھ

صورت تازہ دکھاتا ہے ہر اک انساں کو — صاف تو یوں ہے کہ ہے بیشک فسونگر آئینہ

ولہ

واہ ری عظمت تری اللہ رے قدرت تری — جائے مصحف رکھتے ہیں بت اپنے سر پر آئینہ
بسکہ پیرو یہ بھی ہے دیوانگان عشق کا — خاک اپنے منہ پہ مل لیتا ہے اکثر آئینہ

ولہ

آج سنتے ہیں کہ دورِ جام واں محفل میں ہے — واہ ری قسمت یہاں دل کی تمنا دلمیں ہے
کون ہے ساقی سے جو کرتا نہیں اظہار عشق — جوش صہبائے محبت شیشہ ہائے دل میں ہے
ہجر میں اُس گل کے نالے ہیں نہاں پر لب پہ آہ — اشک آنکھوں میں جگر میں سوز حسرت دل میں ہے

ولہ

ہر ہر قدم پہ لوٹتی پھرتی ہے باغ میں — بادِ صبا کی چال بھی ستانہ پن کی ہے
کعبہ میں کچھ کنشت میں کچھ میکدہ میں کچھ — کیفیت اک نئی تری ہر انجمن کی ہے
آرائش جمال میں شانہ کے ہاتھ سے — شامت اسیر زلفِ شکن در شکن کی ہے

خمسہ بر غزل نامی

قصد خونریزی کا دل میں ہے نہ کچھ بیداد کا — کس طرح شکوہ کروں میں اُس ستم ایجاد کا
ہے نزاکت سے گراں نالہ مری فریاد کا — قتل سے میرے یہی مطلب ہے اُس جلاد کا
ہو نہ آیندہ کسی کو حوصلہ فریاد کا

نام ہے گلشن خزاں میں اک اسیر آباد کا — خار کو حاصل ہے رتبہ خنجر فولاد کا
کالعدم ہے سننے والا نالہ و فریاد کا — نخل بندِ باغ بھی ہے آشنا صیاد کا
ہم صفیر اللہ ہے اب بلبل ناشاد کا

بوئے گل سونگھی نہ دیکھی صورتِ سرو چمن — صحبتِ شیریں ہوئی حاصل نہ دید نسترن
کیوں نہ ہر ساعت رہے گھیرے مجھے حُبِ وطن — میں وہ بلبل ہوں دیکھا عمر بھر روئے چمن
آنکھ کھلتے ہی نظر آیا قفس صیاد کا

پھنس گیا ہوں وائے قسمت کونسے آزار میں — بلبلیں کانٹا سمجھتی ہیں مجھے گلزار میں
کاہ کی مانند کاہیدہ ہوں ہجر یار میں — ناتواں ایسا ہوں یادِ قامتِ دلدار میں

جانتی ہیں قمریاں سایہ مجھے شمشاد کا

فصل گل ہے آج مرغانِ چمن کا ہے عروج | سرو سے سرسبز کیا شانِ چمن کا ہے عروج
پھولوں کے خرمن میں دہقانِ چمن کا ہے عروج | پھر بہار آئی عروسانِ چمن کا ہے عروج
دے رہی ہیں بلبلیں مژدہ مبارکباد کا

رابطہ تو نے بڑھایا بادِ صرصر سے مگر | چار ہی دن میں مٹا خاطر سے صحبت کا اثر
کج ادائی چھوڑ او ظالم خدا کا خوف کر | اے صبا جوشِ خزاں کی آئی گلشن میں خبر
منہ کو آتا ہے کلیجہ بلبلِ ناشاد کا

دل میں کیا کیا ولولے اٹھتے ہیں کیا کیا ہے ہوس | جان کو صیاد کی روتے ہیں ہر دم ہر نفس
بیکسی کا ہو برا یارب نہیں چلتا ہے بس | موسم جوشِ بہاراں ہے مرغانِ قفس
تک رہے ہیں دیدۂ حسرت سے منہ صیاد کا

ہو گئے نخل چمن یکبار بے برگ و نوا | منہ لپیٹے باغباں رہتا ہے دن دن بھر پڑا
رنگ گلشن چار ہی دن میں مبدل ہو گیا | آئی ہے فصل خزاں بدلی گلستاں کی ہوا
آشنا کوئی نہیں اب بلبلِ ناشاد کا

خاک میں ملنا ہے اک دن بیگماں سمجھے رہو | ہے سفر درپیش زادِ راہ کا ساماں کرو
خانماں برباد لوگوں کا بھی کہنا مان لو | غافلو نقش و نگارِ قصر پر نازاں نہ ہو
خواب مرقد ہے تماشا عالم ایجاد کا

بلبل آزاد ہوں ہے قید کی طاقت کہاں | پاؤں رکھنے کا نہیں اصلا قفس کے درمیاں
طائرِ جاں صاف اڑ جائیگا بے شبہ و گماں | کیا سزاوارِ جفا ہو وہ اسیر ناتواں
ناز اٹھانا ہی جسے دشوار ہو صیاد کا

قول ہے صادق فگار خستہ و افگار کا | ہے سراسر ظلم اب مجنوں کو کہنا بیوفا
آفریں احسنت اے رحمت خدا کی مرحبا | دیکھکر رنگِ شفق ناحق یہ شیریں نے کہا

سر پہ اُس پیرِ فلک کے خون ہے فرہاد کا

عریاں جو انکے ہاتھ میں شمشیر ہو گئی
بے پردگیِ شاہدِ تقدیر ہو گئی

دیکھا نگاہِ گرم سے ہمنے تو وہ چھپے
در پردہ اپنی آنکھوں کی تقدیر ہو گئی

ولہ

حالِ دل جو ہے بیاں کیا کیجئے
رازِ پنہاں کو عیاں کیا کیجئے

دردِ دل اور شبِ ہجرِ صنم
اک کہانی ہے بیاں کیا کیجئے

جس جگہ کوئی کسی کی نہ سنے
حضرتِ دل کہو۔ واں کیا کیجئے

ننگ و ناموس وفا مانع ہے
شبِ فرقت میں فغاں کیا کیجئے

دم نہ مارا تہِ خنجر ہمنے
بے زبانی کا بیاں کیا کیجئے

ولہ

مانند آسمان دلِ پُر اضطراب ما
داغِ فراقِ یار بود آفتابِ ما

ہنگامِ قتل باہمہ خونِ جگر گریست
ابرِ سیاہِ تیغ بحالِ خرابِ ما

ما شہسوارِ عرصۂ ایامِ فرقتیم
رنج و غم است قطرہ زناں در رکابِ ما

آزادگیست مشربِ رندانِ بادہ نوش
آتش زند بر پنبۂ مینا شرابِ ما

عشقِ پری رخاں بدلِ ماست آشکار
گنجیدہ است بحر درونِ حبابِ ما

شدہ آتش زدہ از آہِ جگر خانۂ ما
مردمِ دیدہ کند گریہ بافسانۂ ما

بسکہ ما گوشہ نشینیم بمیخانۂ عشق
ہوش از مغزِ فلاطوں بردافسانۂ ما

شعلۂ عشق کسے بسکہ سراپایم سوخت
کارِ صد شمع نماید پرِ پروانۂ ما

گریہ بر برق کند خندۂ بیجا صلِ ما
خندہ برابر زند گریۂ مستانۂ ما

ولہ

اے مہ برافگن از رخِ زیبا نقاب را
چوں شبنم آب کن زحیا آفتاب را

تا صبح چہ صرفہ نی بر واز ما کشید ہم
از خامشی جوابِ سوال و جواب را

در بحرِ خلق واقفِ ہستی اگر شویم
دائم عمرِ خضر ثباتِ حباب را

غم چیست یار مائلِ قتل است اگر فگار
رہ نیست در حریم دلم اضطراب را

ہمیخواہم کشم آہے کہ سوزد چرخ گرداں را
عطا کن قوتے یارب دلِ زار و پُر ارماں را
اگر عشق بتاں در دل چنیں ناخن زنی دارد
یقینم شد کہ خواہم چاک زد داماں ایماں را
نگاہِ پاکِ من ہر دم بود بر مصحفِ رویش
مجلا کردہ ام از پردہائے چشم قرآں را

فگار از تختۂ مشق خیال کفر و دیں تا کے
بیا اکنوں بسر کش ساغر صہبائے عرفاں را

در شب ہجرش بباب آہ و فغاں داریم ما
شکوہ از دستِ جفائے آسماں داریم ما
نیست صیادے کہ در بند قناعت افگند
بر ہر نخل تمنا آشیاں داریم ما
شکوۂ جور و جفایت نیست بر لبہائے ما
ہمچو زخم خود دہانِ بے زباں داریم ما
نیست در عالم کسے کز حال ما دارد خبر
اندرونِ سینہ صد زخمِ نہاں داریم ما
از نصایح دل بتنگ آمد جانا چوں جرس
نالہا از دست جورِ کارواں داریم ما

در تلاش آں مہِ بے مہر و بدخوائے فگار
ہر زماں گردش برنگِ آسماں داریم ما

از داغ و اشک و آہ بہارِ خودیم را
حیرت نگر کہ آئینہ دارِ خودیم ما
دیوانہ گشتہ ایم و تغافل شعار ما
دانکہ ہوشیار بکارِ خودیم ما
بر حالِ زارِ ما نتواند رسید کس
خوش حال بیکسی کہ حصارِ خودیم ما
از خویش رفتہ ایم و نداریم جائے خویش
چوں قلزم رواں بکنارِ خودیم ما

صد شکر شکوۂ ز جفائے کسے نماند
نازیم نام را کہ فگارِ خودیم ما

در بیابانے کہ مجنوں گم شود جائے منست
داغ بر دل خاک بر سر خار در پائے منست

بارخِ خنداں تو شمشیر اُو جاں میدہم — وائے بر عالم کہ جانبازی تماشائے منست
گردشِ گردونِ دُوں بے ہجر بوجہ نیست — روز و شب ایں خرقہ پوش چرخ جویا منست

ولہ

درخیالِ اورسیدن آرزوست — درمیاں خود را ندیدن آرزوست
حیف تاثیرِ فغاں نشنا ختم — حالیا دم درکشیدن آرزوست
درہوائے کوئے آں رشک پری — ہمچو رنگِ رخ پریدن آرزوست
خنجرش تیز است و قاتل شوخ تر — وائے بر دل کش طپیدن آرزوست

عاشقم مجنوں نیم گو را فگار
ہر زماں داماں دریدن آرزوست

ہوس را خواندہ ام از خود فراموشی بتِ مسجد — ندادم دست خود گاہے در آغوشِ بتِ مسجد
تمنائے دلم چوں دامنم بگرفت نالیدم — بخواندم آیت تکبیر در گوشِ بتِ مسجد
ہوائے دل بہر جائیکہ خواہد می برد ما را — مگر تختِ سلیمانی بود دوشِ بتِ مسجد

سلامے از فگار بے سروپا خواہش دل را
معاذ اللہ دستِ پاکِ آغوشِ بتِ مسجد

در و مندم ہمدم من نالۂ زار است و بس — طایر جانرا دلِ پُر داغ گلزار است و بس
چوں بمنزل گاہ راحت میتوانی وارسید — بال دل پُر آرزو بیت بس گراں بار است و بس
ہمسری با سرفراں کردن از دیو انگیست — سایۂ دیوار زیر پائے دیوار است و بس
اے کہ پروازت میسر نیست بر بامِ علا — بال و پر بر کن کہ ایں ہم از تو بسیار است و بس

ولہ

ہمچو آئینہ رخت پاک و صفا می بینم — چہرہ تم می برد از خود چو ترا می بینم
صورت یار ندانم چہ فسوں پرداز است — واللہ و شیفتہ اش خلق خدا می بینم

روز و شب قافلۂ عمر رواں است فگار
نالہ ہائے کہ کنم بانگ درا می بینم

دیده را از اشکِ خونیں رشکِ دریا ساختم — سینه را از خارهائے ہجر صحرا ساختم
ناله‌ام در ہجر کارِ صورِ اسرافیل کرد — بیتو اے خورشید طلعت حشر برپا ساختم
بسکه یادِ زلفِ مشکینت پریشاں ساخت دل — چاک دامانِ شکیبائی وصد جا ساختم
کردم اعجازے بہ ہجرت اے مہِ بے مہرِ من — آب و آتش از سرشک و آه یکجا ساختم
حیف می آید مرا بر کردهٔ خود ہر زماں — تکیه بر کارِ جہانِ بے سر و پا ساختم
عشقِ تو ورزیدم و از کفر و دیں فارغ شدم — مرغِ دل را در ہوایت رشته بر پا ساختم

وله

خاک گشتیم و ہماں مایهٔ صد گوں ہوسیم — بالِ پرواز کشادیم و درونِ قفسیم
بے زبانی چه بلا شہرهٔ آفاق نمود — ناله در دل گره و قافله را جرسیم
وائے بر ما و صد افسوس بر ایں غفلتِ ما — که ندانیم کجا آمده ایم و چه کسیم
مایهٔ صبر کسے برد و ندانیم فگار
مدتے ہست که در سعی و تلاشِ عسسیم

یاد آں روزے که رازِ عشق در دل داشتم — در نظر ہا کارم آساں بود و مشکل داشتم
بے تو اے بت چوں نگہ صد راه چشم بود من — مردمک ساں پائے در آغوشِ منزل داشتم
نازشِ دارم بشوقِ خوشتن ہنگامِ قتل — چشم بر شمشیر و سر بر پائے قاتل داشتم
شکوه بر لب نیامد و آمد بلب جانِ عزیز — للّٰه المنّت عیارِ عشق کامل داشتم

خوشتر بود گریستن از ناگریستن — امّا بپردهٔ دل شبہا گریستن
شرط است در طریقِ وفا مہر پیشه را — رفتن ز چشم و ز آبلهٔ پا گریستن
گرد و غبارِ ہستی خود را بآب ده — دردِ فراق راست مداوا گریستن
نیامد ز کس چو آبله پایانِ دشتِ شوق — بر داغہائے لالهٔ صحرا گریستن
آموخت از که چشمِ من ابرِ نو بہار — از شرم آب گشتن و دریا گریستن
شادی و غم یکیست اگر نیک بنگری — خندیدن از پیاله ز مینا گریستن

مفگن بنائے کون ومکاں را بسیلِ اشک
بس کن بس اے فگار حذر از گریستن

ایکہ بعشقِ تو بود جور وجفا سزائے من — زین ہمہ بگذری اگر وائے من و وفائے من
طاق شداست طاقتم در غمِ ہجر تو صنم — اینکہ زہوش میروم نالہ بود عصائے من
داغِ الم زدیدہ ریخت خونِ الم بجائے اشک — کم نبود ز خندۂ گریۂ ناروائے من
رنج والم کشیدۂ صدمۂ ہجر دیدۂ — حیف ستم رسیدۂ اے دل باوفائے من
پیش کسے نبردہ ام حاجتِ خویشتن فگار — بندۂ دیگرے نساخت شکر خدا خدائے من

ولہ

گفتم کہ بود رہزن دیں گفت نگاہے — گفتم کہ دگر باز ہمیں گفت نگاہے
گفتم دل عاشق کہ برد گفت کہ عشوہ — گفتم کہ دگر خوشتر ازیں گفت نگاہے
گفتم چہ بود شادی و غم گفت کہ حرفے — گفتم چہ بود مہر وچہ کیں گفت نگاہے
گفتم کہ بیک چشم زدن جان و دل و دیں — آیا کہ برد چنیں بہ جبیں گفت نگاہے
گفتم کہ فریبندۂ دل گفت کہ امید — گفتم کہ دم باز پسیں گفت نگاہے
گفتم دلِ عاشق چہ بود گفت حبابے — گفتم صنم پردہ نشیں گفت نگاہے

گفتم کہ سراپائے فگار است ہمہ زخم
یارب کہ زند بخیۂ بریں گفت نگاہے

تخمس بر غزل صاحب

چو غنچہ حجلہ نشینِ رباضِ امکان باش — چو لالہ با دلِ پُر داغ شاد و خنداں باش
درونِ گلشن عالم چو اہلِ عرفاں باش — ز خار زار تعلق کشیدہ داماں باش
بہر چہ میکشدت دل ازاں گریزاں باش

جہاں گذشتنی و منزلے سر راہ است — ز حرص با طلبِ عز و دولت و جاہ است
بہ ایں ترانہ رسد ہر دلے کہ آگاہ است — درونِ خانۂ خود ہر گدا شہنشاہ است

قدم بروں منہ از حدِ خویش و سلطاں باش

تلاشِ نام و نشاں خود فراموشیٔ خلق است — در طلب زدن از هرزہ کوشیٔ خلق است
اگر بہ طینتِ تو حق پوشیٔ خلق است — کدام جامہ بہ از پردہ پوشیٔ خلق است

بہ پوشِ چشمِ خود از عیبِ خلق عریاں باش

اگر بہ تختِ نشینی ز افتخار تو نیست — وگر بخاک سرشتی ز انکسار تو نیست
ازینکہ چشم زدن ہم بہ اختیارِ تو نیست — تمیزِ نیک و بدِ روزگار کارِ تو نیست

چو چشمِ آئینہ در خوب و زشت حیراں باش

سخن شناس و سخن گوست بے سخن صائب — بہ آفریدنِ معنی است ذوالمنن صائب
چہ نغمہ ایست کہ سر دادہ ہمچو من صائب — ز بلبلانِ خوش الحانِ ایں چمن صائب

مریدِ زمزمۂ حافظِ خوش الحاں باش

مخمس بر غزلِ نوری

یار پیشِ نظر و چرخ بکام است اینجا — فارغ از ہر دو جہاں مست مدام است اینجا
بیخود از خویش شدن عیش تمام است اینجا — بزمِ عشق است و حدیث از مے و جام است اینجا

سخنِ پختۂ واعظ ہمہ خام است اینجا

نہ چو فرہاد نہ چوں قیس جدا می بینم — جلوۂ یار نمایاں ہمہ جا می بینم
صاف گویم کہ چو اربابِ صفا می بینم — ہر طرف می نگرم نورِ خدا می بینم

کعبہ و دیر ندانم کہ کدام است اینجا

بر رخت تا نظر افتاد مرا اے ساقی — شدم از عالمِ اسباب جدا اے ساقی
رنگ حالِ من بے سر و پا اے ساقی — از مے عشق بود مستیِ ما اے ساقی

بادہ و جام و خم و شیشہ حرام است اینجا

مہر بر لب زدہ رمز و اشارات فروش — یا بہ نعرہ آمدہ دست ہمی بر سر دوش

وی چہ خوش گفت بدر آز درِ خانۂ ہوش گوش بر گفتۂ زاہد مکن و بادہ بنوش
فکرِ ناموس مکن ننگ ز نام است اینجا

رنج و غم عیش و فرح با دلِ آگاہ یکیست بانگِ شادی و طرب نالۂ جانکاہ یکیست
معنیِ نکتۂ توحید ہر آن گاہ یکیست تو ریا شاہ و گدا ہر دو در ین راہ یکیست
گر شہنشاہ جہانست، غلام است اینجا

تضمین بر غزل حزیں

فکر داریں نمودیم عبث گوئے مقصد نہ ربودیم عبث
حیف بر خویش فزودیم عبث ہرچہ بستیم و کشودیم عبث
ہرچہ گفتیم و شنودیم عبث

شادی و غم کہ بعالم برپاست طرح ہم رنگی بالِ عنقاست
مشکلے ہست کہ از ما برماست غفلتِ حادثۂ دہر بلاست
دررہِ سیل غنودیم عبث

گاہ در بیت و حرم رخت کشید گہ بہ بتخانہ اقامت ورزید
گرچہ ہر سو دلِ دیوانہ دوید راہِ مقصود بجائے نرسید
پائے پر آبلہ سودیم عبث

بے ثباتی جہاں خود پیداست ہست گر نیست عدم نیز کجاست
طائرِ روحِ چنیں نغمہ سراست عرصۂ ہر دو جہاں تنگ فضاست
بالِ پرواز کشودیم عبث

قطرہ از بحر جدا گشتہ حزیں دل چو پابند ہوا گشتہ حزیں
بود نابود زما گشتہ حزیں عالمے چہرہ نما گشتہ حزیں
صیقلِ آئینہ زدودیم عبث

مناجات

اے خیالت کلید قفل بقا
گنج وحدت نما دلِ ما را

اے کہ یادِ تو گوشۂ تسلیم
وے کہ ذکرت فرازِ بامِ رضا

اے کہ ذاتِ تو لایزال آمد
قدرتت لاتعد و لاتحصیٰ

اے کشایندۂ درِ روزی
وے نمایندۂ صباح و مسا

اے فروزندۂ مہ و خورشید
وے فرازندۂ خیامِ سما

اے برآرندۂ مرامِ قلوب
وے نگارندۂ خطِ سیما

اے گدائے درت شہانِ زمن
وے شہنشاہِ ملکِ استغنا

من و آوارگیِ دشتِ فضول
بود آمادگیِ دستِ عطا

منم آں زاہدِ زمانہ فریب
کہ و مہ بوریاش بوئے ریا

دلِ من وقفِ بسترِ غفلت
جانِ من صرفِ کاہشِ بیجا

نہ سرم را دماغِ روزِ شمار
نہ دماغ مرا سرِ عقبیٰ

سینہ ام عادتش جگر خائی
جگرم کارش سینہ کوبی ہا

چشم من ز آبِ اشکِ غم لبریز
لبِ من چشم بر مطالب ہا

پائے من دستبردِ ہرزہ دوی
دستِ من پائمالِ حرص و ہوا

آخر ایں باکہ میتواں گفتن
خضر را ہم وسلے بظلمت ہا

آہ و اشکم بباد و رفت بخاک
ایں یکے تحت و آں دگر بالا

ہمہ عمرم گذشت در غفلت
نے عبادت نہ زہد نے تقویٰ

ہمہ طاعات ماست مکر و جدل
ہمہ عادات ماست عُجب و ریا

آب اشکم کہ شور افتاد است
چکند دور خشکیِ لب را

جز متاعِ گنہ چہ میدارم
کہ کنم پیش روزِ بیم و رجا

در خرابات دھر افتادم سخت بدست و محض لا پروا
بشکند تا خمار محشر و می ما جرعۂ از شراب صدق و صفا
آخر این درد و غم مرا تا کے آخر این داغ و زخم تا بکجا
من اگر عاصیم تو غفاری من اگر ظالم تو رحم نما
گر نسازی وراز دست قبول وائے بر ما و عذر خواہی ما
این فگار حزین و دل خستہ غم مخور گرچہ کردہ بیجا
گوش کن گوش وقت شادیہاست کز سر عرش میدہند ندا
زین ندامت کہ پیش آوردی موج زد بحر رحمت مولےٰ
داغ عصیاں کہ بر جبیں داری ہمہ صاف است ز آب رحمت ما

فہیم - پنڈت سندر لال صاحب ولد پنڈت بدری ناتھ صاحب لکھنوی - شاگرد منیر

آپ کا قیام کانپور میں رہتا تھا

عارض پہ اُنکے کیوں نہ ہلے بار بار زلف ہے باغ حسن کے لئے ابر بہار زلف
زنجیر توڑی پنجۂ سنبل نے غضب کیا شانے سے اُس پری کے ہوی تار تار زلف
خوشبو ہے زلف حور کی موج نسیم میں صحن چمن میں کس کی ہوئی مشکبار زلف
سنبل کا بوجھ اُٹھ نہیں سکتا ہے باغ سے رخسار پہ ہے فرط نزاکت سے بار زلف
نرگس کے پھول بالوں میں رکھے اگر وہ گل بنجائے صاف شاخ گل انتظار زلف
ڈوبی ہوئی ہے عطر لطافت میں اسقدر اے گل بنی ہے موج نسیم بہار زلف
شبو کے پھول کھل گئے کھولی جو تمنے زلف صحن چمن میں ہو گئی شام بہار زلف
شانہ سے بال ایک نہ سیدھا ہوا اے فہیم قسمت سے میری پیچ جو لے مستعار زلف
جس روز بے نقاب وہ صورت دکھائینگے ولہ قلعی کھلے گی آئینۂ آفتاب کی

قائم مزاج ہمنے نہ دیکھا کوئی حسیں   دیکھا دن آفتاب کا شب ماہتاب کی

فیض - پنڈت کرتا کشن صاحب ڈبو لکھنوی

لوٹتے خوں میں تہِ خاک سے بسمل آکر   دیکھتا میرے تڑپنے کو جو قاتل آکر

ولہ

قامتِ دلجو ترا دیکھ کے گل باغمیں   بھول گئیں قمریاں سرو کی رعنایاں

ولہ

قیس پوشم کنید بعد از مرگ   جیب و دامانِ تار تار مرا

ولہ

شد کشتہ بہ تیغ کہ جہاں سر بسر امروز   بر نعش کسے نیست کسے نوحہ گر امروز

از بلبلِ شوریدہ کہ دی بود غزلخواں   در صحنِ چمن نیست بجز مشتِ پر امروز

از سرمہ زدی سنگ و دمش تیز نمودی   داری سرِ قتل کہ بہ تیغِ نظر امروز

از نازکشی تو بہ طرفِ کلہ را   بر ریختنِ خونِ کہ بستی کمر امروز

چشمِ تو چہ چشم است کہ از تیز نگاہش   بے زخم ندیدم بجہاں یک جگر امروز

عشق کہ زد اے فیض ترا در جگر آتش
کز چشم تو اشکے نہ چکد جز شرر امروز

ہمیں نہ شمع بعشقت در انجمن میسوخت   دلم بسینۂ و پروانہ در لگن میسوخت

زخون بیگنہش داشت مایۂ روغن   چراغ لالہ کہ بر گور کوہکن میسوخت

دلم چگونہ نمودے فغاں بلند آنجا   زبانِ شمع بہ بزمے کہ بے سخن میسوخت

پس از ہلاک تن من چو شمع در فانوس   بداغِ عشق جگر سوز در کفن میسوخت

ہمی نہ بود دلم گرم نالہ چوں بلبل   ہزار داغ بدل بے رخت چمن میسوخت

جدا از بزم تو اے دشمنِ قرار مرا   بسانِ برق رگ جان بہ تن میسوخت

چہ سوز بود کہ امشب تمام شب اے فیض
ترا چو شعلۂ و سرتا بپا بدن میسوخت

مشتعل کردم ز اشکِ گرم داغِ خویش را   روشنی از روغن افزودم چراغِ خویش را

در تمنائے وصالش زیں جہاں تا لامکاں — آنچناں رفتم کہ گم کردم سراغِ خویش را
لالہ زارِ داغِ غم شد تازہ از فیضِ سرشک — ما بآبِ شور پروردیم باغِ خویش را
با حریفاں می زنی جامِ شراب و مَن زغم — بے تو بر سر می زنم خالی ایاغِ خویش را
گر بہ بزمِ میکشاں زاہد نیاید نیست غم — بہتر از گلزار کردم راغ راغِ خویش را
ساختم ما ہمچو فیضؔ مبتلا با داغِ دل
یافتم باغِ جناں گنجِ فراغِ خویش را

قمرؔ ۔ پنڈت بشن چند رصاحب وشن کول ۔

تاریخ وفات شری مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب بہادر والی کشمیر ۔

چو رحلت کرد از دنیائے فانی — شہِ رنبیر سنگھ والیِ کشمیر
بہ ہر جا شد خبر از رحلت او — نمودہ ماتمش ہر طفل و ہر پیر
شنیدہ چوں قمرؔ ایں حال جانکاہ — پئے تاریخ او شد عزمِ تحریر
بگفتم سالِ رحلت از سرِ آہ — کہ شد ماتم ز جموں تا بہ کشمیر

دیگر

شہِ رنبیر سنگھ چوں از جہاں شد — نمودہ ہر کسے افسوسِ رحلت
شنیدم اے قمرؔ چوں ایں خبر را — ز ہاتف خواستم تاریخِ رحلت
بگفتا در جوابم از ہمہ وائے — بگو ایں ہندوی تاریخ موت
۱۹۴۲

دیگر

شہنشاہ کشمیر جنت نظیر — بہ بستند رخت از سرائے فنا
بہ ہر گوش ایں رنج ماتم رسید — دریں ورطۂ غم شدہ مبتلا
پئے سالِ ہجری چو از فکر بس — کہ ہاتف قمرؔ را ہمیں زد ندا
حسابش پئے سال گر تو زنی — برفت از فنا سوئے دار البقا
۱۳۰۲ ہجری

کامل ۔ پنڈت بھولا ناتھ صاحب سپرو

خط مرسلہ۔ پنڈت بشمبر ناتھ صاحب در۔ مقام جاورہ بنام مہتمان مراسلہ کشمیر جناب کاملؔ بگلشن آباد جاورہ مدت العمر قیام ساختہ در سنہ ۱۲۶۵ھ بگلگشت گلشن جہاں پرداختہ اند تاریخ وفات شانست کہ (بھولا ناتھ کامل مرد بیہات) پنڈت صاحب موصوف در کلیم کلامی ید بیضا داشتند و در سخوران و نشیان کامل از کمال عبارت آرائی در سائی کلام خود علم امتیازی افراشتند پوست کندہ میگویم کہ مغز فطرت بودن کاریست محال و کوس استادی زدن امریست دور از واہم و خیال ہرچند ما پست ہمتاں کوتہ نظر راچہ یارا کہ خیالات بلند ہمچو استاداں را آشنائے لب وزبان سازیم و بغرض جوہر نازک خیالاں پردازیم لیکن غزلیکہ از تصنیفات شان بیاد منست می نگارم۔

بہ لعل لب بخوں بنشاندہ یاقوت احمر را
بدنداں زنجی برخاک آب روئے گوہر را

نہ تنہا نالہ می ریزد دلم کز شوق دیدارت
بود صد بحر طوفاں در بغل ایں دیدۂ تر را

پئے تحریر وصف نوبہار گلشن حسنش
ز شاخ گل قلم زیبد رگ گل تار مسطر را

نہ تنہا آسماں سوز ز اختر داغہا بر دل
کہ ہر شب باشد از شوقت پریدن چشم اختر را

بدستم شاخ سنبل گشت کلک نکتہ پردازم
رقم زد بسکہ وصف کاکل و زلف معنبر را

نمیدانم ز درد فرقتش تا چند اے کاملؔ
دل نالان من بر سر در آرد شور محشر را

تا نظر بر جلوۂ دیدار جاناں کردہ ایم
مشکلات عشق را بر خویش آساں کردہ ایم

از جنون عشق چوں اخگر سراپا سوختیم
راحت جاوید از بہر دل و جاں کردہ ایم

تیشہ ہا از بس چو فرہاد حزیں بر سر زدیم
در غم شیریں خود از مرگ ساماں کردہ ایم

کاملا بر ماست از عشق نہانی صد بلا
تا دل و جاں بر زن نگار قرباں کردہ ایم

صد بلا جور و جفا از طرفِ جاناں میرسد — ناز بر داریم و سر بر خطِّ قربان کرده ایم

گریہ کردن روز و شب در ہجرِ آں رنگیں قبا
از ہزاراں اشکِ خونیں گل بداماں کرده ایم

پریروے گزشد روزے سرِ راہِ دوچارِ من — شده دیوانۂ رویش دلِ پُر اضطرارِ من
نگاہش بُرد بس سررشتۂ جمعیت از دستم — ز زلفِ عنبرینش شد پریشاں روزگارِ من
دلم مانند ماہی می طپد در سینۂ محزوں — رواں دریائے خوں گشتہ ز چشمِ اشکبارِ من
سلامت چوں برم کشتیِ جاں از بحرِ بیتابی — اگر آں شوخِ بے پروا نیاید در کنارِ من

قدم رنجہ نما و یک نظر فرما سوئے کامل
ز حد بگذشت در ہجرت ستمگر انتظارِ من

بے تو تا چند دلم نالہ کشیدن گیرد — اشکم از دیدۂ خونبار چکیدن گیرد
اے خوش آندم کہ تنِ خستہ بخاکِ کُویت — از دمِ تیغِ نگاہِ تو طپیدن گیرد
گلِ مقصد دہدت یار براہِ شوقش — سرِ خارے کہ بپائے تو خلیدن گیرد
سوئے گلشن گذر افتد چو خوش اندام مرا — قامتِ سرو بہ تعظیم خمیدن گیرد

کامل از فرقتِ آں شوخ زبس بیتابم
یارِ مقصود دلم چند رسیدن گیرد

بہاریں گلشنِ باغِ بیان ست — کہ از اشعارِ رنگیں گل فشاں است

ولہ

سہی سرویست گلزارِ بیاں را — رگِ ابریست با ایں بوستاں را

ولہ

چو سربازاں بہ بیں با دیدۂ تر — خورد تیغِ ستم پیوستہ بر سر

ولہ

اگر از سینہ چاکے سر فشانست — بجانش رشتۂ الفت چساں است

ولہ

ہر یاد وست ہم آوازِ بلبل — نمایاں نالِ اُو ہمچوں رگِ گل

ولہ

چہ نسبت نالِ اُو را بارگِ جاں — کہ باشد رشتۂ جانش بہ ترباں

ندیده ہیچ گہ چشم جہاں بیں — چنیں تسبیح رشکِ عقدِ پرویں
سزد ہر دانہ اش را اہلِ عرفاں — کشند ش گرد درونِ رشتۂ جاں
بود ہر دانہ اش در چشم مردم — بچرخِ یادِ حق رخشندہ انجم
کند ہر دانہ اش گل فیضِ جاوید — جہاں را سبز شد زو کشتِ امید
ہمانا رشتہ اش از تارِ جاں است — کہ دلہا مائلِ پیوندِ آں است
نمایاں شمسہ اش چوں شمسِ پُر نور — الٰہی چشم بد بادا ازو دُور

وله

زمستاں جلوہ گاہ زمہریر است — زِ بُرشِ تیر ہمرنگ حریر است
زمستاں در جہاں تا چہرہ بنمود — برآورد از نہادِ عالمے دود
چو از دم سردیِ سرما بجاں ست — بلب جاں آمدہ خلقِ جہاں است
عجب نبود کہ در آتش سمندر — فتد در لرزہ چوں سیماب یکسر

شد از دست جفائے موسمِ برد
دل ہر بینوا از زندگی سرد

صد شکر بدرگاہِ خداوند جہاں را — کامروز چو نوروز نشاطے ست جہاں را
ہرچند سخن سنجی و دعوائے معانی — ہرگز نہ رسد ہمچو منِ ہیچمداں را
شد راہ نما شوق بطبعم کہ وہم آب — در وصف چنیں جشنِ طرب تیغ زباں را
واللہ کہ زیباست ازیں بزم بہاریں — گر رشک کند خوں بجگر باغِ جناں را
پیدا کند آہنگ زمیں زہرہ ز گردوں — پا کوبیِ ایں انجمنِ عیش فشاں را
پامال شد از بسکہ ز پا کوبیِ خوباں — از غم نتواں یافت زمیں بزم نشاں را

روز خمہ زبس ناخنِ تازہ و بدل و جاں
مطرب طرب افروز شدہ کوچ رواں را

شد فصلِ گل آراست زمیں را و زماں را — گل کرد نشاطے دگرے اہلِ جہاں را

وقت ست کہ چوں لالہ بود سوے گلستاں — جام مے گلرنگ بکف پیر و جوان را
ہر سبزۂ تر طوطی سبز است کہ دارد — در پیش نظر آئینۂ آب روان را
از جوشِ گل و لالہ در اطرافِ گلستاں — خوں گشتہ بصد رنگ جگر باغِ جناں را

اے ساقیِ گلچہرہ سبک خیز عطا کن
با کامل خوں گشتہ جگر رطلِ گراں را

در صفتِ باغ

تعالی اللہ چہ گلزارِ بہاریں — کہ در وے حور و رضواں گشتہ گلچیں
شکستہ رشک ایں جا دیدہ گلزار — ہزاراں خارِ غم در جانِ فرخار
بہارِ ایں چمن دور از خزاں است — سزد گویم کہ گلزارِ جناں است

کہ دیدہ آں چنیں باغِ بہاریں
کہ دیدہ گشت زو صد رنگ گلچیں

چہ صحنِ گلستاں ہر صبح بلبل — بریزد در ہوایش رنگ غلغل
بذکرش تر زباں سوسن بہ بستاں — بفکرش غنچہ را سر در گریباں
ہوا دارش بود ابرِ بہاری — کہ می سازد زباراں اشکباری
بود چشمِ چمن حیران رویش — صبا ہر صبح دم در جستجویش

بشوقش در چمن گلہائے خنداں
زشبنم ہر سحر با چشم گریاں

بہارست و بصحنِ باغ بلبل — فگندہ ہر طرف صد رنگ غلغل
مدہ از دست اندر صحنِ گلزار — لبِ جوئے و لبِ جام و لبِ یار
در اطرافِ چمن امروز چوں گل — بکش با گلعذاراں ساغرِ مُل
بچیں با صد ہزاراں کامرانی — گلِ عشرت ز باغِ زندگانی

موسم گرما

زبس آتش که کرده در جهان دود — فلک باب سقر بر خلق بکشود
وزین آتش که پیدا از سموم ست — مزاج آهن و خارا چو موم است
بتن کاهی هوا شد گرم آهنگ — ازاں هر کوه با کاهست هم سنگ

زمین دارد لباس شعله در بر
شده گرما محیط بحر و هم بر

سلطان رسل آنکه نموده دم تیغش — در قبضهٔ تسخیر عرب را و عجم را
فخر بشر و سرور عالم که ز نعتش
تیر فلک از دست بینداخت قلم را

قصیده در مدح محتشم الدوله نواب غوث محمد خاں بہادر شوکت جنگ

اے رائے تو چراغ شبستان آفتاب — روئے تو آتش زده در جان آفتاب
لذت ستانِ کام ز خوانِ نوالِ تو — هر صبحدم فلک بود از نانِ آفتاب
اعمیٰ (نابینا) بعون راے تو افگنده از نظر — صیدره کمند بر سرِ ایوانِ آفتاب
چوں روز روشن است که پوشانده راے تو — از نور جامه بر تن عریانِ آفتاب
ماه آمده چراغِ شبستانِ دولتت — در بزم تست ساغرِ گردانِ آفتاب
شد کامیاب نعمتِ انوار سرمدی — بر خوانِ فیضِ طبع تو مهمان آفتاب
پروردگانِ سایهٔ لطفِ تو بے خبر — روزِ جزا از گرمیِ سوزانِ آفتاب
از مطبخ نوالِ عمیم تو دایما — گردوں وظیفه یاب شد از خوانِ آفتاب
میلے است گرم از پئے چشمِ حسودِ تو — در دیده ها شعاعِ درخشانِ آفتاب
از اشتعالِ شعلهٔ خشمِ تو تا ابد — آتش فتد ز جیب و گریبانِ آفتاب

از اشتعالِ شعلۂ قہرِ تو تا ابد
گل میکند چراغِ فروزانِ آفتاب

روشن بیانِ خامۂ معنی طرازِ تو
صد بار طعنہ زن شدہ درشانِ آفتاب

خواہد عطارد از پئے مدحِ ضمیرِ تو
کلکِ شعاع و صفحۂ رخشانِ آفتاب

یابد رموزِ صفحۂ افلاکِ رائے تو
فہم رسائے تست ورق خوانِ آفتاب

جائے کہ پردہ برفتد از روئے رائے تو
گردد ہم چگونہ ثنا خوانِ آفتاب

برخاکِ آستانۂ قدرِ تو آسمان
از سر نہد کلاہِ زرافشانِ آفتاب

بشکست زادۂ دل و طبعِ تو بیگمان
بازارِ قدرِ گوہرِ تابانِ آفتاب

مانندگیِ نظارۂ روئے تو نے عجب
تا حشر بازدیدۂ حیرانِ آفتاب

ابروے تست بیت ہلالی بچشمِ دل
حسنِ تو ہست مطلعِ دیوانِ آفتاب

چوں افگنم کمندِ سخن از فکرِ نارسا
کاخِ تو برتر است ز طیرانِ آفتاب

دارد فلک بکف پئے خونِ عدوئے تو
تیغِ ہلال و خنجرِ برّانِ آفتاب

کلکش نگر کہ با خطِ روشن کشیدہ است
خوش خطِ نسخ بر خطِ ریحانِ آفتاب

بشکست خارِ حسرت و اندوہ صد ہزار
در پاش پنجہ ات بدل و جانِ آفتاب

ہر با صفت پرستشِ مہر رخت کند
تا مہرِ آتشے زدہ در جانِ آفتاب

کامل بہ فیضِ مدحتِ نواب محتشم
کلکِ من است شمعِ شبستانِ آفتاب

قصیدہ دیگر

اے بر سپہرِ حسن رخت انورِ آفتاب
گردوں نہاں ز نورِ تو چوں پیکرِ آفتاب

از دفترِ جمالِ تو بودہ است یک ورق
روئے ترا چگونہ سزد ہمسرِ آفتاب

صبحِ عذارِ تو شبِ یلدا در آستیں
شامِ خطِ ترا باید در برِ آفتاب

باریدہ تا سحابِ کفت بر سرِ جہاں
دامانِ خود نمود پُر از گوہرِ آفتاب

یکرہ نظر بچشمِ کاخش گر اوفتد / گردد ہزار بار بگردِ سر آفتاب
جاوید پشتِ دست نہادست بر زمیں / در پائے کاخِ دولتِ تو یکسر آفتاب
باشد بہ بزمِ عیشِ تو در گردشِ ابد / سیمیں پیالۂ مہ و جامِ زر آفتاب
بر روئے تو چگونہ نیاید کہ از ازل / از کانِ رایت آمدہ یک گوہر آفتاب
آئینہ اش چگونہ نگیرد جلا کہ دید / از قلبِ نور پاشِ تو روشن گر آفتاب
ہر جا کہ شمعِ فکرتِ طبعِ تو گل کند / پروانہ اش چہ دور بگردد دگر آفتاب
دارد برنگِ شبنمِ شاداب دائما / اندر ہوائے طبعِ تو چشمِ تر آفتاب
بنگر کہ با ہزار زبان است جاوداں / روئے ترا بچرخ ثنا گستر آفتاب
تا تربیت ز مہرِ ضمیرِ تو دیدہ است / دایم یکان شدہ است گہر پرور آفتاب
برگیر پردہ از رخِ روشن کلامِ خود / تا چوں درم رود بہ نثارِ سر آفتاب
مصئون ز اختلالِ کسوفش ابد کند / از مشرقِ ضمیرِ تو تابد گر آفتاب
اوجِ فلک برتبۂ فکرت بود حضیض / معنیِ روشنِ تو کشد خط بر آفتاب
کلکِ تو بر شہاب کشیدہ است خطِ نسخ / خطِ ترا نہادہ بفرمان سر آفتاب
ہر نکتہ کہ سر زدہ از طبعِ روشنت / بشنیدہ طعنِ ظلمت ازو یکسر آفتاب
نوابِ محتشم کہ بہ پیشِ ضمیرِ او / در دیدہ باز ذرہ بود کمتر آفتاب
گر زد در روئے دشمنِ بدگوہرش ندید / گردیدہ از چہ ہمچو گلِ عصفر آفتاب
چشمش فتد بروئے حسودِ تو نے عجب / گر گل کند بدیدہ چو نیلوفر آفتاب
گر مطلعش بود دلِ اعدائے تو شود / چوں زنگِ دیدہ آئینہ تا محشر آفتاب
از بارگاہِ عرش مماسِ تو چشمِ خود / روشن کند ز سرمۂ خاکِ در آفتاب
مہرت بہر کجا کہ برافروخت آتشے / کمتر عیاں بچشم شد از اخگر آفتاب
تنہا ہمیں ہلال رکابش نبودہ است / باشد بجنگِ جاہِ تو زینِ زر آفتاب

حاسد نہ بیند ار بکلامم عجب مداں
شپّر چو کور نہ چشم کشاید بر آفتاب

تا در سوادِ عالمِ امکاں ز اوجِ چرخ
باشد فروغ بخش و ضیا گستر آفتاب

بیند وبالِ کوکبِ بختِ عدوئے تو
باد از شرف بذاتِ تو فرماں بر آفتاب

ریزد از لبِ لعلِ تو گر چناں گوہر
شود بہ بطنِ صدف آب بیگماں گوہر

عجب نباشد اگر از کواکبِ رخشاں
نثارِ فرقِ تو سازند عرشیاں گوہر

زہے فگندہ کلامِ تو اہلِ عالم را
بجیبِ سامعہ صد گنجِ شایگاں گوہر

گہِ تکلّمِ لعلت چہ دور جوہرِ گل
پئے نثار در آرد اگر زباں گوہر

چنیں کہ نقدِ صفا یافت زاں دُرِ دنداں
بہ بست در گرہِ خویش جاوداں گوہر

ز حسرتِ عرقِ روئے ہمچو خورشیدت
اہ بدیدۂ تر ہست در جہاں گوہر

کفِ نوالِ تو افشاندہ خلقِ عالم را
فزوں ز حیطۂ تعداد بیکراں گوہر

بعید نیست فشانید بخاکِ سینۂ قدری
چو اشکِ دیدۂ گریانِ عاشقاں گوہر

زداد‌ہائے دل و طبعِ نکتہ پردازت
بہ بیں کہ غرقِ عرق ہست جاوداں گوہر

گہر فشاں چو شود خامہ ات ہمی ریزد
بہ خاکِ آب رخِ خویش بیگماں گوہر

شود ضمیرِ منیرت چو درجِ او گردد
فروغِ خانۂ خورشیدِ آسماں گوہر

ز بحرِ طبعِ تو باشد پدیدۂ عالم
ز آفتاب دریں تیرہ خاکداں گوہر

شد آشنا چو بہ آں دستِ قلزمِ احساں
بآبروے ابد گشت کامراں گوہر

عجب نباشد اگر بعد ازیں شود نایاب
ز فرطِ جود و عطایت بہ بحر و کاں گوہر

بسر نہ در صدفش بود گر ہواے کفت
چرا بدیدۂ تر گشت زود عیاں گوہر

بایں امید کہ روزے گذر کنی گل را
بدامن است ز شبنم بگلستاں گوہر

شگفت نیست اگر رنگِ کہربا گردد
ز دیدِ روئے حسودِ تو در زماں گوہر

کند عبورِ خیالش چو در دلِ خصمت　　چو مردمک بنظرہا شود عیاں گوہر
ببیں کہ ثقبِ قلم بسفتہ است چساں　　بمدح سنجی ذاتِ خدایگاں گوہر
امیر محتشم الدولہ آنکہ از سخنش　　بدیدہ رشتۂ جانہاے قدسیاں گوہر
گہر فروشِ ضمیرش ز معنیِ روشن　　بچار سوے جہاں چید صد دکان گوہر
منم کہ خامہ ام از گنج خانۂ معنی　　بفرقِ مدحِ تو افشاندہ بیکراں گوہر
فزاید آبِ رخِ من اگر بدہر سزد　　کہ از ثنائے تو دارم بگوش جاں گوہر

بیادِ یارِ تو در دہر بخت تا باشد
فروغ بخشِ سرِ تاجِ خسرواں گوہر

تاریخ طیاری محل مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر بہادر اندور

سزد کہ چرخ بگرد و بگر سپش نازاں　　کہ شودہ خویش سرِ رفعت باوجِ عرشِ عظیم
ز عظمتش چہ بپرسی کہ گنبدِ گردوں　　چو نقطہ ایست کہ بینی درونِ دائرہ جیم
چو دید شمۂ او شمس با ہزار زباں　　شدہ است گرم ثنایش دوام از تعظیم
چو سر کنم سخن از استواریش چہ عجب　　شود متانتِ فکرم محیطِ ہفت اقلیم
ز نقشِ کاری او دیدہ یک قلم بجہاں　　نگار خانۂ ارژنگ صورتِ تقدیم
عجب مداں کہ قلم ہمچو شاخِ زر گردد　　بمدح سنجی زرکار آں خجستہ حریم
بسانِ نور کہ در چشم جاے او باشد　　قیام گاہ امیریست آں مقامِ نعیم
غلط سپردہ ام ایں رہ کہ نیرِ اعظم　　شرف طرازِ محل شد ز روے فیضِ عمیم
ہماے دولتِ جاوید با ہزار شرف　　بآشیانۂ اقبال بودہ است مقیم
ہماں کہ روزِ تقابل بعرصۂ ہیجا　　وجودِ خصم بیک ضربِ تیغِ اوست دو نیم

ہماں کہ گشتہ بمیداں ز سطوتِ ذاتش
ہژبر او بہ صفت مردہ آہ از بس بیم

کاملؔ - پنڈت سداسکھ کاک صاحب

عربی فارسی میں استعداد کامل رکھتے تھے اور نظم و نثر میں دستگاہ تمام عربی کی تحقیق ایسی تھی کہ کلام مجید سب حفظ تھا فصاحت اور بلاغت میں دستگاہ تمام رکھتے تھے عمر قریب سو برس کی تھی تمام عمر سفر میں صرف کی آخر کار لب گنگا جی عالم بالا کی راہ لی چند غزلیں بطور یادگار درج کیجاتی ہیں۔

فسردہ خاطر ہجرم ز وصل یار مپرس
خزاں رسیدہ بہارم ز نو بہار مپرس

خراب سرمۂ و نبالہ دار آں چشم
ز نیزہ داری آں ترکِ شہ سوار مپرس

باشکِ سرخ و رُخِ زرد و چشم تر بنگر
بیانِ حالِ دلِ خستۂ نزار مپرس

کتابت لبِ لعلش برنگ غنچہ بگو
چو گل حقیقتِ چاکِ دلِ فگار مپرس

مشبکؔ آبلہ ہا شد بپائے چوں غربال
ز کاوِ کاوِ سرِ نوکِ خار زار مپرس

ز دیدہ جز برہِ انتظار یار مبیں
زلب بغیر حدیث وصال یار مپرس

صفائے معنی و الفاظ کاملا دریاب
نتیجہ ما حصلش۔ یا مآلِ کار مپرس

یاقوت بجوں غوطہ خورد گردہن نیست
گوہر بصدف آب شود گر سخن نیست

چوں سنبلِ مشکیں نشود در ہم و برہم
گر پیچ و خمِ زلف شکن در شکن نیست

خالت حبشی زادۂ و رخسارہ یمانی
الحق کہ خطا نیست سہیلِ یمن نیست

کاملؔ چو گہرہائے سمیں ریختی از کلک
بر نظمِ تو احسنت کہ سلکِ کہن نیست

بیخواہم ازیں دائرۂ تنگ برآیم
بر نام قلم در کشم از ننگ برآیم

تنگ آمدہ از گوشہ نشینی دلم اکنوں
سر بر کشم و چوں شرر از سنگ برآیم

بے رنگ شوم آب صفت از ہمہ رنگی
زیں خرقۂ ایوانیؔ نیرنگ برآیم

چوں نیست مرا داعیہ جز نقش شکستن — از صلح گذشتم زور جنگ برایم
اکنوں من صحرائے جنوں خار مغیلاں — بے پیش و پس از قافیۂ تنگ برایم
پیش نظر قافیہ سنجان معانی — آں قدر ندارم کہ بہ پاسنگ برایم

اے آنکہ کنوں با دل پُر درد چو کامل
از سازشِ یاراں کج آہنگ برایم

تیر مژگان تو در سینۂ وطن پیدا کرد — خاک زد بر دل و صد گونہ چمن پیدا کرد
آنکہ عمر ابد از آبِ دم تیغ تو یافت — رشتۂ زندگی از تارِ کفن پیدا کرد
ترکِ چشم تو زد نبالۂ و مژگانِ دراز — دشنۂ و نیزہ پئے کشتنِ من پیدا کرد
بر لب غنچہ کہ نزدیک رہت بود بہ باغ — ہر بوسیدن پائے تو دہن پیدا کرد
خامہ در دست من از وصف لبِ خاموشی — چاک زد بر جگر و صیتِ سخن پیدا کرد
باز دیوانہ دلم ہمچو گل تازہ بہار — چاک در پیرہن از پنجہ زدن پیدا کرد
ستم ایجاد نگاہِ تو زبد مستی ہا — دورِ صد حشر بہ یک چشم زدن پیدا کرد
طوطئ طبع بخلوت گہِ دل بود خموش — پردۂ آئینہ بکشاد و سخن پیدا کرد
چرخ مائل برہِ وصل شب ہجراں بود — رشتۂ آہ کمند ز زمیں پیدا کرد
جوشِ آنکس کہ ز شوقِ دمِ شمشیر کسے — شمع گردید و سمر تازہ بہ تن پیدا کرد
گر قدم رنجہ کنی صد طبق آرم بہ نیاز — چشم از گریہ بسے دُرِّ عدن پیدا کرد

کامل تازہ خیال از مئے دیریں سالہ
معنیٔ تازہ در الفاظِ کہن پیدا کرد

امروز بسنت است و بہار است بہ بینید — نقل و مئے گلگوں و نگار است بہ بینید
بر شاخِ صنوبر گل اگر دیدہ نباشد — پیمانۂ مے بر کفِ یار است بہ بینید
چوں رازِ دلم فاش نمود اشک بمژگاں — منصور صفت بر سر دار است بہ بینید

در صحنِ چمن یاسمن و سرو و بنفشہ　　گُل جلوہ کناں با دو سہ یارست بہ بینید
گل چاک زدہ جیبِ خود و رفت بہ بازار　　پیداست رُخے ورنہ چہ کاراست بہ بینید
در جمعِ عزیزاں بہ پریشانیِ غربت
خارِ دو جہاں کامؔل زار است بہ بینید

دم درکش و پاسِ دلِ آں ماہ نگہدار　　آئینہ مکدر نشود آہ نگہدار
پاسِ دلِ شب گر نتوانی ز کہولی　　دست زن و دامانِ سحرگاہ نگہدار
بیزود شود فکرِ دو جہاں را بہ لگد زن　　خود را ز سرِ صحبتِ خودخواہ نگہدار
غافل مشو از پاسِ نفس یک نفس ای جاں　　زآمیزشِ خامانِ دلِ آگاہ نگہدار
رسوائیِ عشق است کشادن لبِ افغاں　　گر بر جگرے لب بہ گزد آہ نگہدار
پا بر کش اے کامؔلِ مجبور ز کویش
شاید گذرے بر تو کند راہ نگہدار

مست ذوقم در خراباتِ مغاں جائے منست　　دل صراحی - دیدہ ساغر گریہ صہبائے منست
مسند آرائے بیابانم کہ در دیوانگی　　خشتِ بالیں - خار قالیں خاک دیبائے منست
نازپرورِ تغافل بیقراری تا بکے　　دیدہ گریاں - سینہ بریاں - جاں بہائے منست
از صفائے طینتم جوہر شناساں آگہ اند　　طبع دریا موجِ مضموں در سخنہائے منست
پادشاہِ ملکِ فقرم کامؔلا در عہدِ خویش
تختِ ہاموں چترِ گردوں نالہ شہنائے منست

تیر ترا بدقت کنم از جان تازہ　　باشد عزیز خاطرِ مہمان تازہ
بلبل گر از دماغ کہ سیرِ چمن کند　　دارم ز داغِ سینہ گلستان تازہ
چندانکہ کاستم بخیالِ جمالِ تو　　دیگر فزود حسنِ تراشان تازہ
خاکم بباد رفتہ و بر مشہدم ہنوز　　دارد سمندِ نازِ تو جولان تازہ

از بہر آنکہ تازہ گرفتار گشتہ ام
زنجیر تازہ خواہم و زندان تازۂ

کامل بقولِ طالب آملی بفصلِ گل
گشتیم عندلیبِ گلستانِ تازۂ

دل خوں شدن از طرزِ جفائے کہ تو داری
جاں سوختہ از رسمِ وفائے کہ تو داری

واللہ بہ خوبانِ جہان نیست کسے را
ایں عشوۂ وایں نازو ادائے کہ تو داری

جانبر نشود عاشقِ بیچارہ بعالم
زیں خنجرِ مژگانِ رسائے کہ تو داری

از عرضِ تمنائے دلِ خویش گذشتم
راضی شدم اے جان برضائے کہ تو داری

اے ہرزہ درا زاہد کم حوصلہ خاموش
بیزارم ازیں وضعِ ریائے کہ تو داری

گفتی بخدا رخ بنمایم نہ نمودی
محجوب شو اے بت زخدائے کہ تو داری

شب تا بہ سحر شعلۂ آوازِ تو کامل
میسوخت دلِ من بہ ہوائے کہ تو داری

چنانکہ شد زمئے لعل چشمِ جاناں سرخ
نشد شگوفۂ بادام در بہاراں سرخ

صبا ز خاکِ شہیداں چو بگذرد بہ چمن
بدیدہ جلوہ کند داغ و لالہ یکساں سرخ

چہ قدر و قیمت دو مژگان خوں فشاں دانند
ندیدہ ہر کہ ز ابرِ سیاہ باراں سرخ

بَرد چو قطرۂ اشکِ من ابر نیسانے
شود بہ بطنِ صدف ز ہر نگ مرجاں سرخ

بخونِ کامل من دست خویش رنگین کن
کہ از حنا نشود پنجۂ تو چنداں سرخ

ترجیع بند اردو

گبر کو معجزا دکھائیں گے
آتشِ رشک میں جلائیں گے

شیخ کو راہِ دیں بتائیں گے
ہم حرم کو کبھی نہ جائیں گے

درِ جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

دیر سے برہمن کو مطلب ہے   شیخ مسجد میں طالب رب ہے
سب کا دنیا میں دین و مذہب ہے   ملتِ عاشقان یہی اب ہے

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

سیر کی ہمنے باغ عالم کی   دیکھی شانِ بہار ایکدم کی
کچھ خبر تھی نہ رنج کی غم کی   آتش عشق دل میں یوں چمکی

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

ساقیا بھر کے جام سے لانا   کس کی مسجد کہاں کا بتخانہ
ہمکو معبد اگر ہو بنوانا   جس زمیں پر ہے تیرا اتخانہ

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

کہتے ہیں ہم پکار کر سر عام   دین و مذہب سے کچھ نہیں ہے کام
دوست رندوں کے ہے خدا کا نام   ہمکو سوئے حرم ہے سجدہ حرام

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

بتکدے میں جو نور کا ہے ظہور   نار کی جا شرار شعلۂ طور
لن ترانی ہو گبر کی مغرور   کار موسیٰ نہیں ہے ہمکو ضرور

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

ہے وہی خاک دو جہاں کی بنا   اور بنا جسم آدم و حوا

ہمکو طوف حرم کی ہو جو ہوا — پھر کمر باندھ کے بنام خدا
در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

ہے جہاں میں وہی بحق واصل — جسکو حاصل ہوئی صفائی دل
قصۂ کفر و دیں ہے سب باطل — راہ حق بس یہی ہے اے کامل
در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

کامل۔ پنڈت سورج بھان زتشی صاحب

محو توحیدم مرا وصل و فراقِ یار چیست — از خودم نا آشنا یا آشنایم کار چیست
مست او بیخود بود از نشۂ جام الست — مشرب رند و طریق زاہد ابرار چیست
دفترِ عالم عبارت باشد از یک لفظ عشق — چونکہ این حرفم سبق شد حاجت تکرار چیست
دود آہم کرده سقفِ آسمان را نیلگون — ماہِ من بینم اثر در شعلۂ این نار چیست
نیست سنبل مشکبوئے گل بود خارے زخار — نسبتے با کاکلِ یار و گلِ رخسار چیست
کامل از مدح جمالش مہر تاباں شد غزل
با فروغ مقطع تو مطلع انوار چیست

منم مشتاقِ دیدار نگارے — بتِ غارتگرِ صبر و قرارے
گلستان پیکرے غنچہ دہانے — سمن بر سرو قدے گلعذارے
شب تار است با زلف سیاہش — جبینش ماہ با صبح بہارے
بعشق چشم او نرگس بگلشن — سراپا گشتہ چشم انتظارے
سزد گر ابروے خمدار او را — دہم نسبت بہ تیغ آبدارے
بہ یاری ست یکتائے زمانہ — بشوخی دلربائے روزگارے

ستم ہایش۔ نگنجد در حساب ے   کرم ہایش نیاید در شمار ے

من اے کامل رضایش بہر حال

رضا دارم کہ دارد اختیار ے

کامل۔ پنڈت ٹھاکر داس صاحب اکثل دہلوی

۱۸۶۶ء میں آپ دہلی میں وکیل دیوانی تھے اور پنڈت نرائن داس صاحب اکثل ضمیر کے بڑے بھائی تھے آپ کی اولاد ابتک دہلی میں سکونت پذیر ہے اُن کے نبیرہ زادہ پنڈت اومکار ناتھ صاحب اوکثل بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی وکیل ہائی کورٹ پنجاب دہلی میں وکالت کرتے ہیں۔

مثلِ مہتاب روے تو چہ خوش است   عنبریں زلف موے تو چہ خوش است
شوق در وصل عاشقاں داری   چشم بد دور خوے تو چہ خوش است
بہ تمنا کلام از تو کنم   اے صنم گفتگوے تو چہ خوش است
کردہ ام ہر طریق سیر جہاں   استقامت بہ کوئے تو چہ خوش است
ساقیا بخش جام پے در پے   ایں پُر از مے سبوئے تو چہ خوش است

شوق داری بہ دید نفش کامل

بخدا آرزوے تو چہ خوش است

مرا راحت از زندگی دوش بود   کہ آں ماہ رویم در آغوش بود
چناں مستِ دیدار حیرانِ عشق   کہ دنیا و دینم فراموش بود
چگویم مئے لعلِ نوشیں گوار   کہ زہر از کفِ دست او نوش بود
بدیدار و گفتار جاں پرورت   سر و پائے من دیدۂ ہوش بود
موذن غلط کرد بانگ نماز   کسے باز داند کہ باہوش بود

بخواہش مگر دیدۂ کاملا



پنڈت جگجیون ناتھ تکرو۔ کامل

زباں در کشِ امروز کاں دوش بود

تاریخ ولادت نبیرۂ خود پیارے لعل او گھل مہجور

از کائنات بسکہ تعلق نمودہ ام — در شوقِ پُور پُور تعشق نمودہ ام
الہام غیب داو ندا از دماغ خویش — شد نونہال اسپ تصدق نمودہ ام

سنہ ۱۳۵۴ ہجری

ولہ

پلٹ کر جو دیکھا سرِ راہ اُسنے — لگا تیر اک بازگشتی جگر پر

کامل - پنڈت جگ جیون ناتھ تکرو بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی

خلف پنڈت راج ناتھ تکرو صاحب مقیم الہ آباد۔ آپ کی تاریخ ولادت ۲۰ر نومبر سنہ ۱۸۸۲ء تھی آپکو مرض تھائیسس لاحق تھا۔ افسوس کہ ۱۸ر فروری سنہ ۱۹۳۱ء کو بمقام الہ آباد آپنے بہشت بریں کی راہ لی۔

بس دم بخود ہوں کس سے کہوں حالِ زار کو — پتھر بنا لیا ہے دلِ بیقرار کو
وعدہ کیا انھوں نے غنیمت سمجھ لیا — تسکین تو ہوئی دلِ امیدوار کو
گیسو بکھر کے کیا رخ تاباں پہ آ گئے — شرما دیا ہے جلوۂ لیل و نہار کو
غفلت کی نیند کم نہیں سوئے حضور آپ — اُٹھئے بھی دور کیجئے اب تو خمار کو
ہر اک جا جلوہ آرا ہے لگا ہونے نہاں ہوکر — ہوا ہے خانۂ دل میں مکیں تو لامکاں ہوکر
بھٹکتا پھر رہا ہوں بھول کر راہ حقیقت کو — سمائے جب سے ہو دل میں تیرے وہم و گماں ہوکر
گلِ عارض پہ اترانا عبث ہے ان حسینوں کا — نہ اوڑ جائے بہار آئی ہوئی رنگِ خزاں ہوکر
نگاہِ شوخ پر ہے ابروئے خمدار کا طرّہ — شکار آساں ہے انکے لئے تیر و کماں ہوکر
جسے آنسو سمجھتے ہو وہ قطرہ خونِ دل کا ہے — تڑپتی ہیں رگیں پہلو کی غم میں بجلیاں ہوکر

یہ اپنی شومیِ قسمت کہوں اور کیا کہوں کامل
تجھے مایوس رکھیں وہ مسیحائے زماں ہوکر

کچلو۔ جناب پنڈت کامتا پرشاد صاحب کچلو خلف پنڈت کالکا پرشاد کچلو صاحب

آپ کا مولد شہر دہلی ہے۔ آپ نے ریاست گوالیار میں عہدہ ہائے مختلف پر ممتاز رہکر خدمات سرکاری انجام دیں۔ ابتداً آپ تحصیل دار مقرر ہوئے اور اپنی محنت اور کارگذاری سے کچھ عرصہ بعد عہدہ صوبات پر ترقی یاب ہوگئے۔ اس ذمہ دار عہدے کے فرائض بھی آپنے اس قابلیت سے انجام دئے کہ وہاں سے آپ ممبر بنچ اپیل مال مقرر فرمائے گئے۔ یہاں بھی آپنے جس فراست و دانائی سے خدمات انجام دیں انکی قدر افزائی ہو کر آپکو عہدہ جلیلہ ناظم جاگیرداران عطا فرمایا گیا۔ اسی عہدہ سے آپ پنشن پر ریٹائر ہو کر بمقام گوالیار سکونت پذیر ہیں۔ رقم پنشن آپ کو ساحہ ۵ ماہوار ملتی ہے۔ فخر روسائے زماں ہز ہائینس مہاراجہ سر مادھو راؤ صاحب بہادر سیندھیا خلد آشیاں آپ کو زمرہ وفادارا و بہی خواہاں خاص تصور فرماتے تھے اور آپ کو بھی حضور ممدوح سے خاص عقیدت تھی جسکی تصدیق آپ کی غزلیات کے اکثر اشعار سے بخوبی ہوتی ہے۔ آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی ہے۔

غزلیات کچلو صاحب

رہنے کو کوچۂ بت عیار چاہیئے — سجدے کو آستانۂ دلدار چاہیئے
اوکتا گیا ہوں ہجر میں دلدار چاہیئے — جو میرا دل بہلائے وہ غمخوار چاہیئے
مجھکو ہے عشق ایک پری رو کا اے طبیب — نسخہ میں صرف شربت دیدار چاہیئے
میں داستان غم انھیں اپنی سناتو دوں — لیکن زباں میں طاقت گفتار چاہیئے
خود رفتہ ہو رہا ہے جو دھیان میں ترے — تسبیح سے غرض ہے نہ زنار چاہیئے

ولہ

جیتے جی اپنی عبا یا گلا بھلا کرتے رہے — خیر خواہوں کا وہ پورا مدعا کرتے رہے
ہاتھ سے اپنے رقیبانِ جام کرتے تھے کام — اور دل ہی دل میں یاد کبریا کرتے رہے



پنڈت کامتا پرشاد کچلو - کچلو

جان دی پیری میں اسدرجہ تھا حبِّ وطن — نزع میں بھی یادِ شکریہ ملا کرتے رہے
آشیانِ یار کے ایسے رہے کچھ جیبہ سا — ہم نمازوں کو برابر ہی قضا کرتے رہے
زندگی سے تنگ ہیں۔ اب موت آجاگئیں
حق سے کچلو رات دن یہ التجا کرتے رہے

جہاں دیکھئے وہیں پایئے یہ بتایئے وہ کہاں نہیں
جو ہے کور باطن و بیخبر انہیں ملتا اُسکا نشاں نہیں
ترے ظلم او بتِ بیوفا میں کہونگا حق سے ذرا ذرا
مرا دل نہیں کہ جگر نہیں کہ دہن نہیں کہ زباں نہیں
وہ ہے کیفِ بادۂ عشقِ یار کہ ہے اسمیں مست بھی ہوشیار
یہ سرورِ ساغرِ مے نہیں یہ خمارِ خوابِ گراں نہیں
مٹے حیف کتنے ہی خانداں نہیں آج اونکا کہیں نشاں
وہ زمیں نہیں وہ فلک نہیں۔ وہ مکیں نہیں وہ مکاں نہیں
تری قدرتوں کو سمجھ سکیں یہ نہیں ہے عقل نہیں ذرا
ترے وصف کو جو بیاں کریں تو ہمارے منہ میں زباں نہیں
کہوں تجھسے کچلو نے خستہ کیا کہ سرورِ عشق میں کیا ملا
ہے دہن میں یوں تو مرے زباں پہ زبان کو تابِ بیاں نہیں

تمہارے قول کا مجکو بھروسہ ہی نہ جاں کیا ہو — زباں سے کہتے کیا ہو اور کرتے برملا کیا ہو
فدا تھا دل سے میں جسپر بھروسہ جسکو تھا مجھپر — وہی جب ہاتھ سے جاتا رہا تو پھر گلا کیا ہو
وہ الفت وہ عنایت وہ کرم وہ لطف وہ احساں — قلم عاجز ہے کیفیت رقم کس کس کی کیا کیا ہو
نہ وہ ساقی نہ وہ مطرب نہ دخترِ رز نہ پیمانہ — جو محفل ایسی پھیکی ہو تو پھر اسمیں مزا کیا ہو
ترے ہی دم قدم سے تھی بہارِ گلشنِ عالم — نہیں ہے تو تو رنگِ بزمِ ہستی خوشنما کیا ہو

اے حضرتِ دل اُنکے اب ظلم کا کیا شکوا
پہلے ہی سمجھنا تھا جب آپ نے الفت کی
جب پردہ نشینونکو پردے سے ہوئی نفرت
پرواہی نہیں رہتی پھر عزت و حرمت کی
دنیا میں رہے جب تک عقبیٰ کا نہ کچھ سوچا
جب وقتِ سفر آیا تب سوجھی عبادت کی
کیا حشر کے دن ہوگا دھڑکا ہے یہی دل میں
امید ہے بس تیری۔ اور تیری شفاعت کی

ولہ

روز کے وعدوں سے تیرے میں پریشاں ہوگیا
خانۂ دل کیا مکانِ یاس وحرماں ہوگیا
تیرے دل لینے سے اک گونہ تسلی ہوگئی
میرا اوجڑا سا مکانِ دل گلستاں ہوگیا
کیا بتاؤں میں نظر کس خوبرو کی کھا گئی
خانۂ کچلو ارم تھا اب بیاباں ہوگیا

کشتہ۔ پنڈت جگت نرائن صاحب دہلوی مقیم لاہور

قطعہ

ہمارا بس چمنِ دہر میں ہو گر بلبل
ورق گلوں کے زرِ گل سے زرنگار کریں
حضور بادشہِ عشق غمزہ و عشوہ
ہمارے واسطے گر معجزہ انکا کریں

ولہ

یقین ہے کہ رہائی غمِ فراق سے ہو
بقول شخصے کہ جو چاہیں اہلکار کریں
ہمارے قتل پہ قاتل کمر کسے کیونکر
وہ ڈھونڈھتا ہے خود اپنی کمر کئی دن سے

کشتہ۔ پنڈت ترلوکی ناتھ صاحب

نظم بر اتفاق

اس نظم کو جناب کشتہ نے کشمیری پنڈت نیشنل ایسوسی ایشن لاہور کے ایک جلسہ منعقدہ ستمبر ۱۹۱۱ء میں پڑھا تھا۔

ز اتفاق مگس شہد سے شود پیدا
خدا چہ لذتِ شیریں در اتفاق نہاد

کیا ہوا بدلی ہوائے دوجہاں ہے آجکل
ہوگیا مشکل حصول آب و ناں ہے آجکل
قوم کیا۔ پسماندگانِ کارواں ہے آجکل
نام تھا جسکا کبھی۔ وہ بے نشاں ہے آجکل

مٹ گئی دل سے ہمارے سب امنگ قومیت
دن بدن پھیکا ہوا جاتا ہے رنگِ قومیت

دیکھتے ہیں روبرو آنکھوں کے سب تصویر ہم — اور سنتے ہیں ہمہ تن گوش ہو۔ تقریر ہم
کھو کے سب بیٹھے ہیں اپنی طاقتِ تسخیر ہم — خاک ہیں اب۔ گو کبھی مشہور تھے اکسیر ہم

باہمی نااتفاقی نے کیا رسوا و خوار
ہو گئیں ناچاقیاں پیدا۔ کہاں ہے اقتدار

دیکھئے ہم میں ترقی کی عجب رفتار ہے — اک سبھا کیا۔ یاں سبھاؤں کی ہوئی بھرمار ہے
دیں کا دھو کا کہیں نام و معرم پرچار ہے — شاہِ راہِ کامیابی کا نیا معیار ہے

جو ہوا خفتے وہیں اس نے نئی کھولی سبھا
ہو گئے والنٹیرز اسکیں وہی ہولی سبھا

مان لیں لو یا سب اپنا ایسے ہوں اپنے اصول — منہ بندھی کلیاں بنو۔ بنتے ہو کیوں تم آپ پھول
چھوڑ دو نااتفاقی سے بھلا ہے کیا حصول — یہ سبھاؤں کے بھی جھگڑے جتنے ہیں سب ہیں فضول

لطف اسمیں کچھ نہیں۔ رنگت ہو اور نکہت نہ ہو
صورتیں چینی کی ہوں۔ اچھی مگر سیرت نہ ہو

قوم کا شیرازہ جب بگڑیگا تو ہوگے خراب — اپنی بربادی کو دیکھو گے بنظر خوف و یاس
سانس ہے جب تک کہ سینہ میں تو قائم ہیں حواس — دیکھ لو انجام کو اپنے ذرا کر لو قیاس

ان دنوں نااتفاقی کا دلوں پر دور ہے
دیکھو سنبھلو اب زمانے کی ہوا کچھ اور ہے

سنتے ہو اے حاضرین قوم اپنی سرگذشت — جام غفلت سے رہو گے کب تلک تم بادہ مست
مٹ چلے ہو تم سمجھ لو۔ وقت ہے بالا و پست — اب قیامِ زندگی کا ہے ضروری بند و بست

گر نہ سمجھو گے تو ہو جاؤ گے سب برباد تم

شان و شوکت اپنی کھو بیٹھو گے رکھنا یاد تم

کشتہ شوق حمیت قوم کا ہو ہر بشر — ہے دعا راضی ہو اپنے کام سے پرشور
پھر دکھا دیں غیر قوموں کو محبت کا اثر — ہمت و محنت کا آخر کچھ تو پاؤ گے ثمر

بانگ اٹھیگی تمہاری قوم اک آواز سے
مثل آئینہ جلا دینا اُسے اعجاز سے

کشمیری۔ پنڈت کیشو ناتھ صاحب چکبست لکھنوی

چڑھو جو کوٹھے پہ رخ سے نقاب اٹھائے ہوئے — تو بھاگے ابر میں چاند اپنا منہ چھپائے ہوئے
اٹھا نہ بار محبت کا جسے دنیا میں لاؤ — کفن میں اسلئے اپنا ہیں منہ چھپائے ہوئے

اخیر وقت ہے کشمیریو ہو رہو ہوشیار
وہ چلدئے کہ جو گودوں کے تھے کھلائے ہوئے

نوحہ در وفات پنڈت لچھمی نرائن صاحب

کیا شقاوت ہے تجھے اے فلک ظلم نشاں — غنچے جو کھلنے نہ پائے وہ ہوئے صرف خزاں
کیسے شمشاد قدوں کو کیا تونے پامال — خاک میں تونے ملایا ہے ہر اک سرو رواں
نونہالوں کو تو پامال کیا کرتا ہے — تیرے اس جور و تعدی کا کروں کس سے بیاں
سب سے بڑھکر ستم تو یہ کیا ہے تونے — اُس کو بیجان کیا یعنی جو تھا جانِ جہاں
جسکے مرنے سے ہر اک شخص کو ہے رنج و الم — اور زباں پر بھی جاری ہے بصد آہ و فغاں

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

آتش غم نے گلستاں میں کیا ہے وہ اثر — گل گلنار بھی سوزاں ہے برنگ اخگر
نہیں سنبل نظر آتا ہے گلزار میں جو — پھیلا ہے بلبل ناشاد کا بس دود جگر
برگ سوسن ہی نہیں ٹوٹے پڑے گلشن میں — بیٹھنے کو صفِ ماتم کے ہے نیلی چادر

پہلوئے گُل میں نہیں خار لگے ہیں یہ جو — پھول کے غنچۂ دل پر ہیں یہ چلتے نشتر
پتیاں بھی کفِ افسوس ہیں ملتی غم سے — آہ بھر بھر کے یہی کہتا ہے ہر ایک شجر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ماتمی کپڑے ہے پہنے ہوئے سوسن یکسو — قمریاں ایک طرف غم سے ہیں کرتی کو کو
قطرے شبنم کے سمجھتے ہیں جسے اہل نظر — چشم سے نرگس شہلا کے ہیں نکلے آنسو
گُلِ صد برگ نے بھی سینہ زنی ایسی کی — کپڑے سب خون میں ڈوبے ہیں ٹپکتا ہے لُہو
سوگ میں ایک جگہ ہے گُلِ مشکیں بیٹھا — نخل تابوت شدہ نخل چمن در غم او
ہیں کھُلے بال پریشان اُدھر ہے سنبل — سرو کہتا ہے اُدھر خاک بسر بر لب جو

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

بسکہ ماتم ہے عروسانِ چمن میں برپا — باغ میں غنچے چٹکتے ہیں یہ آتی ہے صدا
چاک داماں ہیں کسی جا گُلِ نسرین و سمن — زہر اس رنج میں کھاتا ہے کہیں پر سبزا
سینہ لالہ کا بھی پُر داغ ہے اس حسرت سے — بلبلیں باغ میں دیتی ہیں گلوں کو پرسا
فرطِ اندوہ سے شق ہے جو شقائق کا جگر — کثرتِ غم سے چمن حلقۂ ماتم ہے بنا
حادثہ جب سے یہ جانکاہ سنا ہے اس نے — خاک اُڑاتی ہوئی کہتی ہے یہی بادِ صبا

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

داستانِ الم انگیز کا لکھنا ہے محال — رنج جتنا ہے لکھے یہ نہیں خامہ کی مجال
مہر کا رنگ ہوا زرد اسی صدمہ سے — ماہِ نو کو بھی اسی رنج سے ہے اضمحلال
ضبط گریہ نہیں گو فرطِ الم میں ہوتا — اشک کے قطروں سے اس آگ کا بجھنا ہے محال

صبر لازم ہے ہر کیف کہ ہے باعث اجر　　اس مصیبت میں ہے ہر شخص کو گو سخت ملال
ختم کر حالِ جگر سوز کو اے کشمیری　　کافی ہے ایک ہی بیت فقط بر معتال

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

تاریخ وفات پنڈت لچھمی نرائن صاحب در

ایں چنیں مرگ نوجوان خلیق　　ہر کہ شنود ملال افزاید
از سرِ نوحہ کلکِ من فی الفور　　گفت اورا خدا بہ بخشاید

۳۲ ـــ ۱۸+۵۰ = ۱۹۰۴ء

تاریخ وفات پنڈت امرناتھ کول ولی

ولا چوں امرناتھ پنڈت ولی　　ز دنیا سفر کرد سوے بہشت
ز روے غم و شیونِ جانگزا　　سنِ ہجریش خانہ من نوشت

۱۰۰۰ ۳۰۰　　سنہ ۱۳۰۰ھ

تاریخ جشن کتخدائی پنڈت راج نراین چکبست

کہ خدا شد چو نورِ دیدہ من　　شکر ہا مر خداے را بیحد
بست چارم ربیع الاول وال　　سال ہجری ست یکہزار و سہ صد

سنہ ۱۳۰۰ھ

دیگر

برادر زادہ ام از فضل خالق　　شدہ چوں کتخدا با عز و تمکیں
ز روے انبساط و فرح گفتم　　قرانِ شمس با زہرہ شدہ است ایں

۸۰

۱۸۰۲
۱۸۸۱
سنہ ۱۹۰۳ء



پنڈت کشوری لال کاٹجو ۔ کشور

پنڈت کشوری لال کاٹجو صاحب خلف پنڈت جواہر لال کاٹجو صاحب

آپ بتاریخ ۱۹ راکتوبر سنہ ۱۸۸۱ء بمقام دہلی پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے جد بزرگوار پنڈت موتی لال کاٹجو صاحب تحصیلدار تھے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں فورمن کرسچین کالج میں تعلیم پاکر آپ نے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور سنہ ۱۹۰۴ء میں ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کیا اس امتحان پنجاب یونیورسٹی میں آپ کا دوسرا نمبر تھا۔ ماہ نومبر سنہ ۱۹۰۷ء میں آپ کی شادی رائے صاحب پنڈت روپ کشن ہنڈو صاحب کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی تھی سنہ ۱۹۰۴ء میں آپ نے بمقام گجرات وکالت شروع کی اور سنہ ۱۹۱۰ء میں لاہور آکر عدالت العالیہ چیف کورٹ پنجاب کے ایڈوکیٹ ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں گجرانوالہ ڈویژن کے آپ گورنمنٹ پلیڈر مقرر کئے گئے۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں بوجہ تندرستی خراب رہنے کے آپ گجرات کو واپس چلے گئے۔ ۴ر اگست سنہ ۱۹۲۰ء کو بمقام بیکانیر رہگرائے ملک بقا ہوئے۔ آپکی نظمیں جوش بہبودی قوم سے مملو ہیں۔

آہ جب کوئی میرے دل کا شرارا چمکا — چرخ پر بن کے وہ مریخ کا تارا چمکا
تیری ابرو ہی کی کافی ہے ذراسی حرکت — اپنی شمشیر کو ظالم نہ خدارا چمکا

ولہ

دیکھکر مجکو عبث آپ خفا ہوتے ہیں — میں تو لایا ہی نہیں حالِ زبانپر اپنا
مارے غیرت کے تو ہو جائیگا پانی پانی — گر دکھاؤں میں تجھے اشک کا گوہر اپنا

ولہ

مرے رونے پہ وہ بھی بول اٹھے — تھمینگے آخر اب اشک رواں کب
نہو کیونکر مرا دل پارہ پارہ — قمر کے سامنے ٹھہرے کتاں کب
قیامت قد ترا رفتار محشر — بپا محشر نہیں سرو رواں کب
جنہیں اک بات کرنا شاق گذرے — سنینگے وہ ہماری داستاں کب
میں ہوں وہ تشنہ لب میکش کہ جبکے — قدم لیتا نہیں پیر مغاں کب

کب سمندر کو کہیں ہم دیدۂ تر کا جواب　　جبکہ اک اک اشک اپنا ہو سمندر کا جواب
ہر قدم رفتار کا تیری ہے محشر کا جواب　　ہر ادا تیری ہے اعجاز پیمبر کا جواب

ولہ

دیوانہ ہوں نہیں مجھے زنجیر سے غرض　　مجکو ہے اسکی زلف گرہ گیر سے غرض
آنکھوں میں دل میں سینہ میں ہر جا بسے ہیں آپ　　ہمکو نہیں ہے آپ کی تصویر سے غرض
کیا ضرورت ہے اگر ہاتھ میں تلوار نہیں　　قتل عشاق کو کم ابروئے خمدار نہیں
دیکھ لی آپ کی بس ہم نے نشانہ بازی　　ایک بھی تیر کلیجہ کے ہوا پار نہیں

ولہ

میرے قاتل کے ابرو میں جو خم ہے　　مقابل اسکے کب تیغ دودم ہے
ترحم کاتب قسمت کہ تیرے　　زمین و آسماں زیر قلم ہے

ولہ

ادھر بھی اک نگاہ لطف کیجئے　　کہ جاں اب شائق سیر عدم ہے
پیچ کھاتی ہے تیری زلف جو ناگن کیطرح　　دیکھ ظالم مجھے ڈسنے یہ بلا آتی ہے
اُنسے امید وفا تم بھی عبث رکھتے ہو　　ان جفا پیشوں کو کب کرنی وفا آتی ہے

ولہ

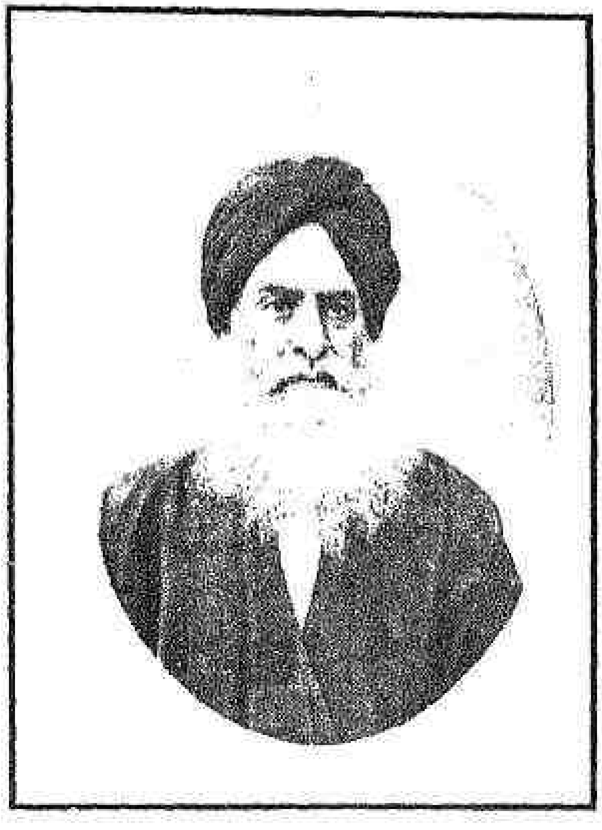
او جفاکار تجھے کیا پایا　　مفت میں تجھ پہ جاں فدا کر کے
اے فلک تیرے ہاتھ کیا آیا　　مجھے بیکس سے یوں دغا کر کے
تم سنو یا نہ کچھ سنو میری　　جا دونگا غرض مدعا کر کے

ولہ

ملا تجکو نہ میرے بعد مجھسا جاں فروش آخر　　مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

ولہ

دل دکھانا ترا قیامت ہے　　یوں ستانا ترا قیامت ہے
ایک بجلی سی کوند جاتی ہے　　مسکرانا ترا قیامت ہے
رنگ لایا مگر دل غمگیں　　رنگ لانا ترا قیامت ہے
بل نہ اے زلف خم میں کھاتا تو　　پیچ کھانا ترا قیامت ہے
آزمائش میں قتل عام ہوا　　آزمانا ترا قیامت ہے



پنڈت شیو ناتھ چک ۔ کیف

کشور۔ پنڈت برج کشور صاحب دہلوی

۱۸۸۸ء کے قریب آپ میواڑ میں داروغہ سایر تھے اور فارسی اُردو میں فکر سخن کرتے تھے آپ کا ایک شعر تذکرہ شعراء ہنود میں درج ہے۔

کہتے ہیں رکھ کے زلف کو رخسار صاف پہ — گویا کہ آئینہ میں ہنود دار بال ہے

کول۔ ایم پی۔ کول صاحب

آپ دربار ہائی اسکول جودھپور میں اسسٹنٹ ماسٹر ہیں

شب تنہائی میں کیا ہو گی حالت اُس پریشاں کی — کہ جس نے دیکھی ہو مر مر کے صورت شام ہجراں کی

ہماری جاگی قسمت جب تھا کی نیند سوے ہم — کہ شاید بھی ہے پس مردن انہیں ایفائے پیماں کی

مکرتے ہیں مکرنے دو انہیں روز جزا آئے دل — شہادت دینگی چھینٹیں خود بخود خون شہیداں کی

نگاہ ناز سے شاید کسی نے مجھکو دیکھا تھا — کسک سی ہو رہی ہے دل میں تیر نوک پیکاں کی

تجھے بھی کول اب اہل وطن مجنوں سمجھتے ہیں
سراسر ہے تو بندش میں کسیکی زلف پیچاں کی

زمانے میں کسی کو بھی نہ ہم نے ہمنوا پایا — جسے دیکھا الگ دیکھا جسے پایا جدا پایا

جگہ کیا پوچھتے ہو تم دل وحشی کے رہنے کی — وہیں کا ہو رہا جس جا کسی کا آسرا پایا

نہ کوئی ہے مرا ہمدم نہ کوئی مہرباں اپنا — زمانہ میں جسے پایا اُسے ناآشنا پایا

کیف۔ پنڈت شو ناتھ صاحب چک خلف پنڈت بیجنا تھ چک صاحب

آپ ممالک متحدہ کے مختلف اضلاع سہارنپور۔ فیض آباد۔ گونڈہ اور اُناؤ میں ایک نیک نام اور ہردلعزیز تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر رہے گورنمنٹ برطانیہ سے پنشن لینے کے بعد آپ ریاست جیپور اور ٹھکانہ کیتھری میں دیوان اور سپرنٹنڈنٹ رہے اور اسکے بعد ۱۹۰۸ء میں واپس تشریف لاکر لکھنؤ میں قیام پذیر ہوئے۔ فن شاعری سے آپ کو ایک خاص اُنس تھا جس زمانہ میں کہ آپ گونڈہ میں تشریف رکھتے تھے آپ نے ایک ماہواری رسالہ موسوم بہ گلدستہ کیف جاری کیا تھا۔

افسوس ہے کہ اُس گلدستہ کی ایک کاپی بھی باوجود تلاش کے دستیاب نہیں ہوئی۔ آپ ۱۹۱۴ء میں رہگرائے ملک بقا ہوئے آپنے ایک دیوان مطبوعہ اپنی یادگار میں چھوڑا ہے۔ آپ ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ آپ کا دیوان سلاست و لطافت زبان اور دلنشین تراکیب اور بندشوں کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

کس جگہ ڈھونڈے تجھے والۂ و شیدا تیرا
جب کہیں خاص نہیں کوئی ٹھکانا تیرا

دلِ سرگشتہ جو شیدا ہو تو شیدا تیرا
سرِ شوریدہ کو سودا ہو تو سودا تیرا

جب نہیں دیر و حرم میں ہے ٹھکانا تیرا
پھر تجھے پائے کہاں چاہنے والا تیرا

تو وہ یکتا ہے کہ جس کا نہیں ثانی پیدا
کوئی بتلائے کہاں ہے کوئی ہمتا تیرا

کچھ نظر آئے نہ پھر اُسکو بجز نورِ جمال
ہو خبردار اگر ڈھونڈنے والا تیرا

اُس بت کافر پہ اپنا دل جو شیدا ہو گیا
کفر ایماں ہو گیا کعبہ کلیسا ہو گیا

دین و ایماں جان و دل ہوش و خرد صبر و قرار
کھو چکے سب آفت اس دل کا لگانا ہو گیا

پھینک دو نگا چیر کر پہلو سے تجکو بیگماں
ہجرِ جاناں میں دلا گر درد پیدا ہو گیا

کیفؔ امیدِ رہائی قیدِ وحشت سے نہیں
پاؤں کی زنجیر اب دامانِ صحرا ہو گیا

ہے دردِ جگر ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا
رازِ دلِ شوریدہ نہاں ہو نہیں سکتا

مٹھی میں دبایا ہو مرے دل کو جو اگر
کیا دزدِ حنا پر یہ گماں ہو نہیں سکتا

کیوں آہ سے لب پر جو نہیں عشق کی لو ہے
جبتک کہ نہیں آگ دھواں ہو نہیں سکتا

کیسا ہے کہاں ہے وہ بتائے کوئی کیا کیفؔ
بے نام و نشاں کا تو نشاں ہو نہیں سکتا

آہ بھی لب پہ تھی اور نالۂ شبگیر بھی تھا
رات سمجھا کوئی اور اے فلک پیر بھی تھا

اپنے شکووں کا بتایا اُسے خود ہنسنے جواب
ساتھ ہی نامہ کے تھی خطِ تقدیر بھی تھا

پیاس بسمل کی بجھانے کے لئے مقتل میں
آب خنجر بھی تھا آبِ دمِ شمشیر بھی تھا

اُس کی محفل میں سوا تیرے بتا تو اے کیفؔ
کوئی خاموش بھلا صورت تصویر بھی تھا

گلہ جور و جفا کا عاشقِ ناشاد کیا کرتا
تیرے بیداد کی پیشِ خدا فریاد کیا کرتا

نہ تھا جوشِ جنوں میں جب لہو کا ایک قطرہ بھی
رگوں کو چھیڑ کر پھر نشترِ فصاد کیا کرتا

حرم اور دیر میں تھا شورِ ناقوس و اذاں بیجا
کوئی جب سن نہ سکتا تھا تو میں فریاد کیا کرتا

تیری قدرت کا جلوہ دیکھتا تھا میں حسینوں میں
سواد وحدت کے کثرت میں کسی کو یاد کیا کرتا

رہا چپ اور دیکھا آنکھ بھر کر اسکی صورت کو
اب اس سے بڑھ کے یہ دل کیفؔ اور امداد کیا کرتا

کسے خبر ہے کہ روزِ شمار کیا ہوگا
خدا ہی جانے کہ انجام کار کیا ہوگا

دیا ہے دلکو ہوں پہلو میں ہاتھ رکھے لیکن
جو بیقرار ہے اُسکو قرار کیا ہوگا

گناہگار ہیں روزِ حساب گر اے کیفؔ
جو سب سے پہلے ہو میری پکار کیا ہوگا

دیکھئے اللہ اکبر ہے یہ شانِ کوئے دوست
ہوش میں آتے نہیں وارفتگانِ کوئے دوست

بند ہوتا ہی نہیں ہے راستہ آٹھوں پہر
آتے جاتے ہیں ہمیشہ رہروانِ کوئے دوست

جو گیا واپس نہ آیا بس وہیں کا ہو رہا
پوچھے پھر کوئی کسی سے کیا نشانِ کوئے دوست

فصلِ گل آئی میانِ بوستاں مدت کے بعد
عندلیبوں نے بسایا آشیاں مدت کے بعد

طائرِ جاں تن سے کہتا ہے یہ وقتِ واپسیں
چھوٹتا ہے اب یہ اپنا آشیاں مدت کے بعد

قتل تو کرتے ہو لیکن حشر کی بھی ہے خبر — رنگ لائیگا یہ خونِ عاشقاں مدت کے بعد
چین سے میں کیوں نہ سوؤں قبر میں پھیلا کے پاؤں — ہاتھ آئی ہے عجب جائے اماں مدت کے بعد
ہے مجھے اس دل سے کھٹکا یا الٰہی خیر ہو — پھر نہ ہو پیدا کہیں دردِ نہاں مدت کے بعد
چشمِ پرنم نے کیا رسوا مجھے اُس کے حضور — فاش آخر ہو گیا رازِ نہاں مدت کے بعد

وہ ہوں گم گشتہ میں راہِ عشق میں اے کیفؔ زار
خضر بھی ڈھونڈے تو پائے کچھ نشاں مدت کے بعد

کچھ نہ پوچھو کیا مچاتے دھوم ہیں میخانہ میں — بر سرِ لطف و کرم ساقی کو جب پاتے ہیں رند
جب نہیں رہتی خبر دنیا و مافیہا کی کچھ — "خاک بر سر کُن غمِ ایام" راگ گاتے ہیں رند
نشہ میں ہوں چور کتنا ہی مگر یہ لطف ہے — محتسب کا نام سنتے ہی سنبھل جاتے ہیں رند

دورِ ساغر سے نہیں ملتا ہے اک دم بھی قرار
گر کبھی اے کیفؔ میخانہ میں پا جاتے ہیں رند

جنوں میں بھی بچے ٹکڑے نہیں آرائش رہی باقی — کہ ٹانکا گوکھرو صحرا نے میری جیب و داماں پر
ہوئے وارفتہ زاہد دیکھکر شکلِ صنم ایسی — اُٹھا جب ہاتھ سبحہ پر پڑا تارِ گریباں پر
ہمیں بھی سخت جانی پر ہے اپنی ناز اُتنا ہی — ہے جتنا ناز اے قاتل تجھے شمشیرِ براں پر
چھپاؤں کسطرح رونیکو اپنے روزِ ہجراں میں — مچل جاتے ہیں طفلِ اشک غم گرتے ہی داماں پر

رہائی قیدِ بدنامی سے مرنے پر بھی کب پائی
بنی ہے شکلِ مجنوں چارسو دیوارِ زنداں پر

انھیں پردہ ہے کس سے جلوہ دکھلائیں عیاں ہو کر — وہ میرے دل میں بیٹھے ہیں نظر سے کیوں نہاں ہو کر
تلاشِ یار میں نابود ہو کر بعد مدت کے — پتا اُسکا لگایا ہمنے آخر بے نشاں ہو کر
نمک پاشی کی کرتا التجا زخمِ جگر کیونکر — نہ تھی جب نطق کی طاقت آ بنے شکلِ دہاں ہو کر

بتا اے سینۂ صد چاک دل سے کیا عداوت ہے

جور و کا تیر کو رستہ میں تو نے درمیاں ہو کر

پائے وحشت دوڑتا ہے پھر بیاباں کی طرف — بڑھ رہا ہے ہاتھ پھر جیب و گریباں کی طرف
ہو بُرا اس ضعف کا اب پاؤں بھی اُٹھتے نہیں — تک رہے ہیں اسلئے خارِ مغیلاں کی طرف
قبلِ محشر ہو اگر منظور محشر دیکھنا — چلتے پھرتے جائیے گورِ غریباں کی طرف

سینہ چاکی صبحِ محشر کی جسے ہو دیکھنا
اک نظر دیکھے مرے چاکِ گریباں کی طرف

آہ کے ہمراہ ہر دم منہ کو آجاتا ہے دل — آتشِ فرقت سے سینہ میں جلا جاتا ہے دل
آسماں تک ہے پہونچتا بعد مرنے کے غبار — خاک ہوتے پر بھی اوج اپنا دکھاتا ہے دل
سہتے سہتے رنج و غم حالت یہ اپنی ہو گئی — دلکو کھاجاتا ہے غم اور غم کو کھاجاتا ہے دل

عشق کے دربار میں بھی کیا عجب دستور ہے
نذر میں دینار کے بدلے دیا جاتا ہے دل

چشمِ مستِ یار کا بیمار ہوں — تشنہ کام شربتِ دیدار ہوں
مر کے لاتا میں وہاں کا کچھ پتہ — دور ہے ملکِ عدم ناچار ہوں
آمد و شد ہے نفس کی دمبدم — ہو گیا ثابت کہ میں اک تار ہوں

گلرخوں کو دل میں دی بیٹھے جگہ
اس لئے آنکھوں میں سب کے خار ہوں

کیا خرابی ہے بادہ خواروں کی — ساقیا بزم میں شراب نہیں
روئے زیبا کا والہ و شیدا — کونسا خانماں خراب نہیں
بھولتا ہے عیش تو ہستی پر — آسرا دم کا اے حباب نہیں

کیف اب سنبھلو ہوش میں آؤ
شیب ہے عالم شباب نہیں

دل کے شکوے اے پری ہم کیا کریں　　ہو گیا دیوانہ جب غم کیا کریں
کھل کھلا کر ہنستے غنچے کہتے ہیں　　روئے گر روتی ہے شبنم کیا کریں
بندگی کا جب نہیں دیتے جواب　　سر بتوں کے سامنے خم کیا کریں
تو سلامت ساقیا دے ایک جام　　تیرے ہوتے منتِ جم کیا کریں
دل ہے پہلو میں طرفدارِ بتاں　　ایسے بیگانہ کو محرم کیا کریں

ولہ

میری چپ میں تیری طرزِ بیاں میں　　مزہ دل میں میرے تیری زباں میں
پلا دے آبِ خنجر اور قاتل　　ابھی باقی ہے دم اس نیم جاں میں
دہاں زخم کرتا وصفِ خنجر
مگر خود ہے کلام اسکی زباں میں

پہلے اک تیر کر کے سر دیکھو　　چیر کر پھر مرا جگر دیکھو
ناتواں اور سہوں میں جورِ فلک　　مجھکو دیکھو مرا جگر دیکھو
چھوڑ کر دیر و کعبہ دل میں رہو　　گر بتو تم کہیں یہ گھر دیکھو
گم ہوا دل ہے اور جگر زخمی　　سینہ شق ہے اِدھر اُدھر دیکھو
دل لگا ہوں سے ہو گیا گھائل
اشک لائے ہیں یہ خبر دیکھو

آتے ہیں تیرِ نظر آنے دو　　ہم بھی ہیں سینہ سپر آنے دو
گرمیاں اُن کی کرینگی ٹھنڈا　　تا بلب آہِ سحر آنے دو
دل جگر تکتے ہیں تیرِ مژگاں　　ایک ادھر ایک اُدھر آنے دو
تیرِ نظّارہ ادھر آنے دو　　ہیں یہ غمخوار جگر آنے دو
کعبۂ دل میں بتو تم آ جاؤ　　جلوہ اپنا ہی نظر آنے دو
ہم بھی جائینگے سوئے ملکِ عدم　　جانے والوں کی خبر آنے دو

ان بتوں کا دیکھکر حسن و جمال — کافر اک دم میں خدائی ہو گئی
دل گیا ایماں گیا اس عشق میں — جان بھی اپنی پرائی ہو گئی

جب گلے ملنے لگایا پیار سے
تیغِ قاتل سے صفائی ہو گئی

خنجر لینا خبر گلو کی — ہے تجھکو قسم مرے لہو کی
عریانیِ تن لباس اپنا — حاجت اُس کو نہیں رفو کی
اللہ رے ہماری سخت جانی — تیغِ قاتل بھی خون تھوکی
دل لے گئی جان ہے تن میں باقی — چوکی ظالم نگاہ چوکی
ساقی بھر کر پلادے اک جام — ہو خیر تری- تیرے سبو کی

دل لے گیا ناز سے ادا سے
گھاتیں دیکھو تو حیلہ جو کی

نظر اُس آنکھ پر جب سے پڑی ہے — ہماری آنکھ جادو سے لڑی ہے
سمجھا کیا خبر لیگا کسی کی — جب اُسکو آپ ہی اپنی پڑی ہے
قضا لڑتی ہے جھسے اسکے آگے — اُسے اپنی مجھے اپنی پڑی ہے

کیا دلاور ہے کہ ہر دم تری تلوار سے دل — کہے جاتا ہے کہ ہاں اور نیا وار چلے
بعد مرنیکے کسی کو نہ دکھائی صورت — منہ لپیٹے ہوے چادر سے خطاوار چلے
محبس زلف میں جاکر ہوئے ہمسر دونوں — ایک رسی میں بندھے کافر و دیندار چلے
مرتے دم وضع کے پابند یہ دونوں نرہے — اک روش راہِ عدم غافل و ہشیار چلے

بزم رنداں میں یہ چرچا ہے کہ مےخوار اُٹھا
کیف کے نام پہ کیوں دور نہ ہر بار چلے

کہے میری بھی کچھ اور پھر سنے تیری بھی کچھ باتیں
تیرے کوچہ میں گر اک دم کے دم بادِ صبا ٹھہرے
نہ پوچھا دردِ دل دیکھا نہ بیمارِ محبت کو
بوقتِ نزع دم بھر کے لئے ٹھہرے تو کیا ٹھہرے
اڑا لیجائے گا وزدِ حنا دستِ نگاریں سے
اگر ہاتھوں میں تیرے طائرِ رنگ حنا ٹھہرے

کرے ضبطِ فغاں جب دل تو تبلا کیف فرقت میں
لبوں پر آکے پھر کس طرح آہ نارسا ٹھہرے

غزلیات فارسی

عمرے گذشت جاناں در اشتیاق رویت
جاں بر لبم رسیدہ اکنوں در آرزویت
در دیر و کعبہ رفتم مے خانہ نیز دیدم
صحرا نوردگشتم آخر بہ جستجویت
نہ بہ کفر آشنائیم نہ بسوئے دیں گرائیم
زدم بہ دیر و کعبہ کہ فتادہ ام بکویت

ز نشاط سر خوشم من ز خمار فارغ ام من
کہ شراب صاف خوردم ہمہ نوش از سبویت

نوشم شرابِ شوق و ندانیم زاہدا
خوفِ عذابِ پرسشِ روزِ حساب چیست

اے رند گوش بر سخنِ واعظاں منہ
از کیف پرس لذتِ جام شراب چیست

دلم بہ پرو بغرسود ابتدا ایں است
سرم بریدو بگفتہ کہ انتہا ایں است
گہے بسوئے حرم گہ بہ دیر می آئی
دلا ہنوز تو یکسوئی خطا ایں است
جمالِ دوست چو دیدی چرا شدی بیخود
تو خود بسنج کہ داند چو ماجرا ایں است

بگشت خندۂ آں نازنیں چو کیف مرا
بغمزہ گفت ادائش ہمیں قضا ایں است

قصہ از دیر و حرم خوانی ہنوز
واعظا طفل دبستانی ہنوز
مردم و ہستم بحیرانی ہنوز
تو ز من غافل ز نادانی ہنوز

عمرِ فانی آخر آمد آہ آہ — خستہ جانم از پشیمانی ہنوز
حیف از سرِ نفس واقف نئے — بیخبر از حالِ عمرِ فانی ہنوز

کن تلاشِ رہبرِ کامل بدل
کیفؔ سرِ حق نمیدانی ہنوز

محو دیدارِ دلربا شدہ — زاہدا غافل از خدا شدہ
دل زخود می بری در آئینہ — اللہ اللہ چہ دلربا شدہ
میروی سوئے خانۂ کعبہ — دشمنِ دینِ پارسا شدہ
آہِ دل۔ باز جاذبِ خود بنما — تانگویم کہ نارسا شدہ
چہ بدیر و حرم چہ ارض وسما — جلوہ افروز جا بجا شدہ
در حریمِ دلم نمی آئی — گرچہ باہر دل آشنا شدہ

کیفؔ از پیچ زلف حوروشے
مبتلائے عجب بلا شدہ

مناجات

اے نام تو حرزِ جاں جہاں را — اے ذکرِ تو زندہ دارِ جاں را
حمدِ تو ترا سزد خدایا — وصفت چہ کند زبانِ گویا
اے داورِ داوراں بہ ہستی — پیشت چہ بلندی و چہ پستی
اے شافیِ دردِ دردمنداں — اے حامیِ کارِ کارِ بنداں
تو مالک و خالق و معبود — تو حاکم وعا وے و مسجود
ستار کریم و یاورے تو — غفار و رحیم و داورے تو
رزاقی و شانِ تو ہمیں است — وز خوانِ تو خلق ریزہ چین است
از کن شدہ ہرچہ ہست ظاہر — وز رازِ تو کس نگشت ماہر

هرانچه بخواستی عیان شد — هرانچه بخواستی نهان شد
امر تو بعلم عالم آرا — مشیت بارادهٔ کارفرما
ذات پاک تو هست اکبر — وز هر چه صفت کنند برتر
ذاتت بصفات شد هویدا — اسرار نهفته گشت پیدا
دادی ما را هرانچه داریم — شکر تو چرا بجا نیاریم
این حشمت و جاه ارمغانی — وین دولت و مال و کامرانی
این عشرت و عیش و رنجی — وین صورت و فهم و نکته سنجی
علم و ادب اندر آفرینش — حلم و ادراک و عقل و بینش
دادی ما را بری ز شرکت — از جود و کرم بلطف و رحمت
امّا چو جهول راه ماندو — شکر تو دمی زما نیامد
نفس امّاره شد چو غالب — برگشته شده دلم بقالب
قلبی که سلیم و رهنما بود — گم گشت در رهِ خطا بیهود
مجهول بماند از عبادت — مشغول نشد دمی بطاعت
صد حیف که زندگی سر آمد — صد حیف که مرگ بر سر آمد
کشتی عمل به بحرِ عصیان — در عین تلاطم است هر آن
دارد چشمی ز جوشِ رحمت — جوید موجی ز بحرِ رحمت
باشد بکنار آرد آنرا — موجِ کرمت ز قعرِ دریا
شرمنده و نادمم ز افعال — ظاهر بر تست جمله احوال
شد فسق و فجور دشمنِ من — بهتان و دروغ رهزنِ من
غرقِ گنه است هر بنِ مو — هیهات که بوده ام سیه رو
اکنون بکمال جست و جوئے — دارم بضمیر آرزوئے



حضرت پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی

خواہم کہ بقیۂ حیاتم | از بند ہوس دہی نجاتم
رحمے کن و ساز رستگارم | کز کردۂ خویش شرمسارم
اینک بدرت نہادہ ام سر | با حال تباہ و دیدۂ تر
مطلوب توئی دعا بہانہ | مقصود توئی دگر فسانہ
از لطف بہ بخش ہر گناہم | وز نیک و بدم مپرس الہٰم
فردِ عصیانِ من بکن چاک | اے پاک نمائے پاک و ناپاک
یارب چو بھینے وغفّار | بگذر زخطائے ایں گنہگار
یارب بطفیلِ کبریائی | یارب بتصدّقِ خدائی
یارب بکرامتِ کریمے | یارب بہ بزرگئے رحیمے
یارب بکمالِ ذاتِ پاکت | یارب بہمہ صفاتِ پاکت

مقبول دعائے کیف راکن
فارغ ز دعا و مدعا کن

کیفی۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب خلف پنڈت کنہیالال صاحب

یقیناً وہ لوگ یادگار زمانہ کہلانے کے مستحق ہیں جنھوں نے پرانا اور نیا دونوں زمانوں کا رنگ دیکھا ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ پرانی مشرقی تہذیب اور مغرب کی نئی روشنی کے محاسن کو اپنی طرز زندگی اور ادبی مذاق میں سمویا ہو۔ ایسی مبارک ہستیاں ملک میں اب کم نظر آتی ہیں۔ علامہ پنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب کیفی اُن معدودے چند ہستیوں میں سے ہیں۔ شاعری کے اعتبار سے آپ اس وقت دہلی کے اُن چار استادوں میں ہیں جن کو دہلی کی موجودہ شاعری کے عناصر اربعہ کہنا زیبا ہے۔ یعنی سائل۔ بیخود۔ ساحر۔ اور کیفی۔

آپ کے بزرگ خطۂ جنت نظیر کشمیر سے بادشاہ فرخ سیر کے عہد میں ہندوستان آئے اور دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ چونکہ فارسی میں طاق اور سیاق و سباق میں کامل تھے سلطنت

کے مرکزی دفاتر میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز ہو گئے۔ انیسویں صدی عیسوی کے اول ربع میں بوجہ انتزاع سلطنت ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کی اور اُس وقت کے اعلےٰ عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ آپ کے والد پنڈت کنہیا لال راجہ بھرپور سنگھ کے عہد میں نابہ میں افسر پولیس تھے۔ کیفی صاحب کی ولادت ۱۳ر دسمبر ۱۸۶۶ء کو بمقام دہلی ہوئی۔ ابھی بہت صغر سن تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ انکی تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی۔ بازار سیتا رام میں رہتے تھے۔ قریب ہی حکیم پورے والے کا مطب تھا اور ان کے ہاں مکتب بھی تھا، اس میں آپ کو داخل کیا گیا اور پرانے طریق کے مطابق میاں جی سے فارسی کی تعلیم شروع ہوئی۔ آپ کی فارسی کی تکمیل گھر پر اپنے نانا صاحب سے ہوئی جو اس زبان کے جید فاضل تھے اور انگریزی کی تعلیم سینٹ سٹیفنس کالج دہلی میں۔

شاعری کا مذاق آپ نے اپنے ایک بزرگ پنڈت نرائن داس ضمیر دہلوی سے ورثہ میں پایا۔ شاعری کی ابتدا اس زمانہ کے مذاق اور رواج کے مطابق غزل سے ہوئی مگر خود آپ کے قول کے مطابق یہ رنگ پختہ نہ ہونے پایا تھا کہ اسے ترک کر دیا۔ اس کا باعث اول تو زمانہ کی رفتار اور پسند عام ہے اور دوسرے حضرت آزاد مرحوم و خواجہ حالی مغفور کی صحبتوں اور ادب مغربی کا اثر کہنا چاہیے۔ نیچرل شاعری کے رنگ میں جناب کیفی نے ایک جدت یہ داخل کی کہ خشک موضوع میں رنگین بیانی کی چاشنی آمیز کی۔ شاید آپ پہلے شاعر ہیں جس نے تغزل کا رنگ و روغن سیدھی سادی نیچرل شاعری پر چڑھا دیا۔ آپ کی شاعری کا تیسرا دور تصوف کے دلکش مرقعے پیش کرتا ہے۔ اس میں بھی تغزل کی ادا اور رس کی چاشنی ہے۔ اس ضمن میں آپکی طویل نظمیں عشق مجاز، وطن کی ٹیر، ترانۂ حقیقت، باغ دل، اور بزم ترنگی، قابل ذکر ہیں۔ اب چند سالوں سے آپ کی وقار کا رجحان روحانیت کی طرف ہے۔ مگر بخلاف مغربی روحانیت کے آپ کے ہاں روحانیت و تصوف کا چسکا اس روحانیت جدید کو دو آتشہ کر دیتا ہے۔ علامہ کیفی فارسی اور انگریزی کے فاضل اجل ہیں۔ ہندی کے پورے ماہر، عربی اور سنسکرت بھی جانتے ہیں۔ ان کا مطالعہ یورپ کے ادب اور ڈراما میں مکمل اور عہد حاضر تک ہے۔ آپ اول شخص تسلیم کئے جاتے ہیں جس نے اردو میں ڈراما کے موضوع پر مضمون لکھا۔ ۱۹۳۲ء میں لکھنؤ یونیورسٹی نے آپ کو ایکسٹنشن لکچر دینے کے لئے مدعو کیا اور آپ نے کئی نہایت عالمانہ لکچر تاریخ اور اردو شاعری پر انگریزی زبان میں دئے۔ اسی سفر میں انجمن اردوئے لکھنؤ کی درخواست پر ایک لکچر اردو میں بھی دیا جس کا موضوع تھا اردو اور لکھنؤ۔ یہ معرکۃ الآرا لکچر لکھنؤ ہی کے ایک رسالہ اشارہ میں چھپ چکا ہے اور علامہ کیفی کے تبحر اور ماہرانہ طرز تنقید کا زندہ ثبوت ہے۔ اسی طرح ستمبر، اکتوبر ۱۹۳۳ء میں آپ اردو کے متعلق ایک کانفرنس میں حیدرآباد بلائے گئے جو حضور نظام دکن کے حکم سے منعقد ہوئی تھی۔ اس موقع پر آپ نے ایک نہایت عالمانہ لکچر مبادیات فصاحت کے موضوع پر عثمانیہ یونیورسٹی میں دیا جو رسالہ اردو اورنگ آباد دکن میں شائع ہوا ہے۔ آپ کے حیدرآباد کے قیام میں ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت وزیر اعظم دکن نے

آپکے خیر مقدم میں ایک عظیم الشان دعوت دی اور ایک بزم مشاعرہ منعقد کی۔ ہز ایکسلنسی نے سر مشاعرہ ان الفاظ میں علامہ کیفی کا ذکر کیا ہے۔

کہتا ہے شاد بھی یہی کیفی سے باخلوص
مشہور خاص و عام ہے اُن کی سخنوری
جو جو نفوس اب ہیں غنیمت سمجھ انھیں

دنیا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
کامل ہیں ایسے شاعر تو کہیں سب ہے
ہر اک وحید دہر ہے یکتا کہیں جسے
(رسالہ بزم تخاد)

کیفی صاحب نے ۱۹۱۵ء میں یورپ کا سفر کیا اور وہاں اکثر علما اور ادیبوں سے ملاقات کی۔ قریباً تیس سال کے عرصے سے پنجاب میں قیام ہے۔ زیادہ تر پنجاب اور کشمیر کے خوش کلام آپ کے مشورۂ سخن سے فیضیاب ہیں۔ جن میں خواجہ عبدالمسیح پال ایم اے۔ ایل ایل بی۔ اثر صہبائی۔ پروفیسر پنڈت نند لال کول طالب۔ ایم اے۔ ایم او ایل۔ سید ذو الفقار علی رضوی تسیم۔ ملک حبیب اللہ حبیب اور پنڈت دینا ناتھ مست کابلی وغیرہ۔

آپ کی نظموں کا ایک مختصر مجموعہ شایع ہو چکا ہے۔ دیگر تصانیف مطبوعہ جہاں تک معلوم ہوا ہے حسب ذیل ہیں۔ نظم میں بھارت درپن۔ خمخانہ کیفی۔ پریم ترنگنی۔ شوکت ہند۔ تزک قیصری۔ اور نثر میں عورت اور اسکی تعلیم۔ چراغ ہدایت۔ پریم دیوی۔ جہنتا را نا (نیم تاریخی ناول) ڈراما راج دو لاری۔ اور ڈراما مراری دادا۔ دونوں ڈرامے اپنے طرز میں بے نظیر ہیں۔ آپ کے مضامین نثر کا مجموعہ بھی جلد طبع ہونے والا ہے۔ کیفی صاحب کا طالب علمی کا زمانہ تھا کہ پنڈت بشن نرائن صاحب در مرحوم کی یورپ سے واپسی پر ہندوستان کی کشمیری پنڈت برادری میں بہت ہلچل پڑی۔ کیفی صاحب نے اس موقع پر ایک نہایت جوشیلی اور پرزور نظم لکھ کر شایع کی۔ اگرچہ اس کا لب و لہجہ کچھ تو عمر اور کچھ اسوقت کے ہنگامہ خیز حالات کے تقاضے سے کہیں کہیں جگہ کرخت اور ناخوش آیند ہو گیا ہے لیکن اوایل شباب سے آپ کے حب قومی کے جوش کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ لکھنؤ کی سوشل کانفرنس اور لاہور کی کشمیری پنڈت نیشنل ایسوسی ایشن کے اجلاسوں میں آپنے اکثر حصہ لیا اور اپنے خیالات کا اظہار نظم و نثر میں کرتے رہے۔ اس کے علاوہ کشمیری پنڈتوں کے قومی رسالے مثل سفیر کشمیر۔ مراد آباد۔ کشمیر پرکاش لاہور۔ کشمیر درپن۔ اور آباد آپ کے رشحہ قلم سے شاداب اور مالا مال ہوتے رہے ہیں۔ اب بھی لاہور کے بہار کشمیر پر کبھی کبھی عنایت ہوتی رہتی ہے۔ سیاسیات سے آپ کا قلم ہمیشہ محترز رہا۔ سیاسیات پر بہت کم لکھا لیکن جو کچھ کبھی لکھا وہ سلیم المزاجی اور اعتدال کا جوہر ہے۔ ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ آپنے مدح میں کسی والئے ریاست کی کبھی ایک سطر بھی نہیں لکھی البتہ شہنشاہ جارج پنجم دہلی میں دربار تاجپوشی کے لئے جب تشریف لائے تھے تو آپ نے اس موقع پر ایک قصیدہ تصنیف فرمایا تھا جو تمام اردو منظومات میں بہترین قرار دیا گیا اور گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو ایک تمغہ اور سند اعزازی عطا ہوئی۔ حضرت کیفی نے نہایت صلح پسند اور مرنجان مرنج طبیعت پائی ہے لیکن نقد و نظر کے بارے میں آپ کی سخت گیری بے پناہ ہے۔ اردو کا پایہ تفضیلات کیا ہے اس کے اظہار کے لئے ہم بزم شاد کے قول پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے ایک پختہ مغز اور کہنہ مشق شاعر ہیں صاحب موصوف اس زمانہ کی یادگار ہیں جبکہ ہندوستان اور خصوصاً دہلی کے ہندو مسلمان ماں جائے بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مذاق، ایک رنگ، اور ایک زبان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کیفی صاحب میں اسلامی کلچر اور قدیم مودۃ کے نمایاں آثار نظر آتے ہیں۔ اردو سے معلّی ان کی مادری زبان ہے نظم اور نثر میں انکی کئی کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ آج کل ڈراما کی طرف خاص توجہ ہے۔ ان کی بعض تصنیفات گورنمنٹ سے انعام اور پبلک سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ علامہ موصوف ریاست کشمیر میں اسسٹنٹ فارن سکرٹری کے عہدہ جلیلہ سے سبکدوش ہونے کے بعد ایک پہاڑی ریاست چنبی میں مجسٹریٹ اور کلکٹر کے فرائض ادا کرتے رہے۔ لیکن ادبی مشاغل برابر

جاری رہے۔ اب آپ آخر الذکر منصب سے بھی دست کش ہو کر بقیۃ العمر صرف ادبی اور علمی مشاغل اور اپنی تصانیف کی تکمیل و نظر ثانی میں صرف کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دعا ہے کہ آپ کا یہ عزم پورا ہو۔

رُوپ چا لیسا یا حُسن فطرت

بزم حُسن فطرت کیا بیخودی کی دنیا ہے ذرّہ ذرّہ ساغر ہے قطرہ قطرہ صہبا ہے
غور سے اگر دیکھو کائنات عالم میں حسن کا ہے اک طوفاں جو ازل سے برپا ہے
سنگ میں شجر ہیں وہ برگ میں ثمر ہیں وہ رنگ حسن میں ڈوبا اس کا چپّا چپّا ہے
نغمۂ یہ جنّت کا وہ رباب فطرت کا گل میں پتّیاں کچھ ہیں بلبل ایک چڑیا ہے
بلبل ایک مشتِ پر گل ہے برگ ہائے تر کیا انھوں نے دیوانہ دہر کو بنایا ہے
گل تو کیا ہے سبزے میں دیکھو اسکی بیداری جو ہے تم کو بیگانہ حسن کو یگانا ہے
پنکھڑی سے کم دلکش کب ہے داغ لالہ کا گو بیوں کے جھرمٹ میں جلوہ گر کنہیا ہے
اس میں کچھ تنوّع ہے اور نہ پھول پھل اسمیں سرو پر ہے جو عالم کس قدر سہانا ہے
قمری اس پہ مرتی ہے اس پہ وجد کرتی ہے حُسن اسکو کہتے ہیں حُسن تمام اس کا ہے
حُسن چاند تاروں میں حسن ہے بہاروں میں حُسن ہے خزاں میں بھی آنکھ کو جو بھاتا ہے
داد حُسن کی دی تم نے میگساری میں کبک کو ذرا دیکھو کتنا اس کا شیدا ہے
آنکھ خلق کی پڑتی کیوں نہ بزم انجم پر ہے ذروح خوبی کی حُسن کی وہ دنیا ہے
ہے زمیں سے گردوں تک حسن کی ضیا پاشی کہکشاں تجلّی کی ایک بہتی گنگا ہے
وہ دھنک کی دلدوزی اور رنگ آمیزی شاہ عشق نے اٹھکر یا کبا وہ کھینچا ہے
وہ کلیلیں موجوں کی سینے پر سمندر کے ان کے سر پہ کیا سجتا موتیوں کا سہرا ہے
دل میں شام کو جاکر تم شفق کی چھب دیکھو جذب حُسن فطرت کا دلربا نظارا ہے
حُسن کیا ہے انسان کا ایک قیدی زنداں کا ایک قطرہ طوفاں کا اس میں آ سمایا ہے
حسن نوع انساں کا بھی ہے دلربا۔لیکن نسبت ایک قطرے میں اور بحر میں کیا ہے
اس کی آنکھ کی تشبیہ کیوں ہے چشم نرگس سے آدمی ری خلقت میں حُسن کا جو پتلا ہے
کیوں مماثلت ہے یہ گل سے ایک چہرے کی حُسن کا اگر مرکز حرف جسم زیبا ہے

تم میں لالہ رخ کوئی اور سیمتن کوئی — کوئی مہر طلعت ہے کوئی ماہ سیما ہے
آنکھ نرگسی ٹھیرے زلف عنبریں ٹھیرے — اور پھر کہے جاؤ حسن آدمی کا ہے
دیکھ کر تم آئینہ کیا ہو ساجد و شاکر — تم نیاز سمجھے ہو جس کو ناز بیجا ہے
حسن کب مقید ہو ایسی تنگ نظری کا — اک بہارِ عارض سے کیوں یہ جوشِ سودا ہے
حسن کی ہے آئینہ فطرت اور مشاطہ — غازہ اور گلگونہ اس کے منہ کو تکتا ہے
شانِ حسن کی یہ ہے دل میں ولولے اٹھیں — روح تازگی پائے اس کا جذب ایسا ہے
تازگی دلوں کو ہو اوج حوصلوں کو ہو — امرت اس کو کہتے ہیں یہ دمِ مسیحا ہے
ہوں تعینات اس کے دائرے پہ کیا عامل — حسن حاویِ کل ہے اس کی ہر کہیں جا ہے
حسن ہے ہر اک شے میں حسن ہے ہر اک نے میں — کوئی دیکھنے والا کوئی سننے والا ہے!
دل بھی کھینچ لیتا ہے چین بھی ہے یہ دل کا — دلبری و دلداری کا یہ ڈھب نرالا ہے
خواہشوں کے محشر کو اس سے ہے سکوں ملتا — نفس کی ہواؤں کو خاک میں ملاتا ہے
حسن ہے فنا کرتا حسیاتِ اسفل کو — ذہنیاتِ الطف کو رنگ روپ دیتا ہے
فیلسوف کی حجت اس میں چل نہیں سکتی — حسن روحِ ہستی ہے حسن عالم آرا ہے
یہ جمال روح افزا جس کے قلب میں چمکا — جنتِ نظر اس کو یہ تمام دنیا ہے
پتا پتا جنگل کا اس کو سورۂ یوسف — جس کے دیدۂ دل میں حسن کا اجالا ہے
ایک رنگ کا پرتو دہر کی ہے نیرنگی — کثرت اور وحدت میں فرق جزو و کل کا ہے
آدمی بہک اٹھتا ہے جہل کے تقاضے سے — دم بخود ہے کل خلقت کچھ تو اس نے دیکھا ہے
جلوہ حسنِ فطرت کا اپنے دل کے اندر دیکھ — یہ جو تیرا سینہ ہے ایک طورِ سینا ہے
حسن عشق کا ہادی عشق خلق کا ناجی — راز ہے یہ ہستی کا مت سمجھ تماشا ہے
اس کا راگ گاتا ہوں اس سے کیف پاتا ہوں — سطح بیں تو کچھ سمجھا حسن نام کس کا ہے

حُسن کی دنیا

دَیر و حرم میں کس لئے بھٹکا کرے کوئی
خالق کو کیوں نہ خلق میں دیکھا کرے کوئی

حُسنِ ازل کی ہر کہیں ظاہر ہے آب و تاب
ہاں شرط ہے کہ دیدۂ دل وا کرے کوئی

مشاطۂ ازل نے جہاں کو سجا دیا
اس کا مشاہدہ نہ کرے یا کرے کوئی

دیکھے ہلال کا جو افق میں یہ بانکپن
ابروئے ناز پھر نہ اشارا کرے کوئی

افشاں جبیں چرخ پہ کیا کہکشاں کی ہے
اختر شمار اس کا نظارہ کرے کوئی

ہے حُسن ڈال ڈال تو خوبی ہے پات پات
کانٹوں میں کیوں گلوں کو گھسیٹا کرے کوئی

قطرے میں بحر۔ ذرّے میں خورشید دیکھ لے
یہ آنکھ یہ نگاہ تو پیدا کرے کوئی

دُنبالہ نوکِ خار ہے چشمِ غزال کا
مژگاں سے شانہ کاریٔ صحرا کرے کوئی

یہ تیرہ خاکدان بنے خُلد کا سماں
چشمِ دروں کو گرمِ تماشا کرے کوئی

تسنیمِ حُسن کا ہے رواں چشمہ رات دن
کیا خواہشِ عراقی و صہبا کرے کوئی

اب وقت ہے کہ پھول گُل و یاسمن کے ہوں
کب تک مروں کو رات کے رویا کرے کوئی

محدود ہے یہی گُل و سنبل تک اُن کا علم
زیبا نہیں کہ نازشِ بیجا کرے کوئی

یہ بھی تو زلف و رخ کے تصدق میں جو ہے
وابستہ کیوں پھر اس سے دل اپنا کرے کوئی

ہم نے یہ کب کہا کہ جو انسان ہو حسیں
اُس کی طرف سے آنکھ کو اندھا کرے کوئی

اپنا تو یہ یقیں ہے ہر شے میں حُسن ہے
تُو نے میاں سے کیوں اُسے باندھا کرے کوئی

وہ شے ہے کونسی کہ میسّر نہیں یہاں
کس چیز کی جہاں میں تمنا کرے کوئی

شکرِ خمار جس کے ہو در پئے وہ کیا سرور
کیوں آرزوئے ساغر و مینا کرے کوئی

خود بندِ یاس میں نہیں پھنستا تو کیا ہے یہ
کیوں بڑھ کے اپنی حد سے تمنا کرے کوئی

کشتِ امید سبز نہ ہو جوئے اشک سے
پایاب کیوں نہ سر کا پسینا کرے کوئی

کب نوک دار کزلک حرف ازل بنی
کیوں بانس پر کسی کو چڑھایا کرے کوئی

پیکِ خیال کی بھی ہو حرکت جسے گراں ... کیا چشمِ شوق سے اُسے دیکھا کرے کوئی
کیا کہہ رہا تھا اور کدھر جا پڑا خیال ... یہ شانِ بیخودی ہے نہ شکوا کرے کوئی

ولہ

جو نظریہ ہے حُسن کا وہ ناقص الاساس ... اس پر نہ قصرِ وہم بنایا کرے کوئی
خط کا تناسب اور تو اُزن ہے رنگ کا ... جو کچھ بھی حُسن ہے اُسے پیدا کرے کوئی
چند آڑے ترچھے بنکے نشیں میں ہیں فقط ... ہاں! ہے کہ اس کی نقل کا دعوےٰ کرے کوئی
مکتوبِ فن ہے فن جو ہے نیچر کی نقل ہے ... کیا فرقِ اصل و نقل کو افشا کرے کوئی
پھر بھی جو سچی نقل کے ماہر ہیں اہلِ فن ... اُن کے کمال ہی سے افادا کرے کوئی
قدرت نے جو دیا تمہیں رعنائی کا سبق ... ہے یہ بھی شاذ اُس کا اعادا کرے کوئی
دنیا بھری پڑی ہے مناظر سے حُسن کے ... ہو دل کا تزکیہ جو نظارا کرے کوئی
بدخلقیوں نے خلق کی بدنام کر دیا ... وہ شے ہے ورنہ حُسن کو پوجا کرے کوئی
بویا غرض کا بیج جو اس حُسن زار میں ... ثمرہ عمل کا اپنے سمیٹا کرے کوئی
بندہ جو نفس کا ہے نہ ہو بندہ حُسن کا ... کیوں ننگِ خلق حُسن کو رسوا کرے کوئی
جو شے ہے وہ نظر میں ہے اپنی تو دلفریب ... اس کو جنوں جو سمجھا ہے سمجھا کرے کوئی
فطرت کا حُسن شانِ جمالی کا ہے شہود ... پیدا تو ایسی حُسن کی دنیا کرے کوئی

کیفیؔ تو اس کی خوبیِ ذاتی پہ ہے فدا
تا طرۂ سخن کو سنوارا کرے کوئی

گیت بہار

کیا مست گھٹا چھائی ... متوالی ہوا آئی
پھولوں کی یہ رعنائی ... سبزے کی یہ زیبائی

ہے فضلِ خدا ساقی
دے خم ہی لنڈھا ساقی

پرجوش و خروش آئے خمخانہ بدوش آئے
تسنیم فروش آئے وہ صیقل ہوش آئے
آنکھیں تو اُٹھا ساقی
ہاں خوب چھکا ساقی

پیمانۂ کیف ہے گُل مستانہ نوا بلبل
جُودِ کششِ صد قلقل ہے مست جہاں بالکل
دے تو بھی صلا ساقی
رندوں کو بُلا ساقی

اس بحرِ ترنم میں امواجِ تبسم میں
طوفانِ تکلم میں دلچسپ تلاطم میں
اُٹھ بہرِ خدا ساقی
بن راہ نما ساقی

گردش میں ہو پیمانہ چکر میں ہو میخانہ
فرزانہ ہو دیوانہ دیوانہ ہو فرزانہ
وہ دور چلا ساقی
دوران کو جگا ساقی

سر معرضِ طوفاں ہو دل حشر بداماں ہو
ہوش اتنا گریزاں ہو بیہوشی کا ساماں ہو
سب ہوش مٹا ساقی
مدہوش بنا ساقی

آنکھوں میں سرور آئے اور قلب میں نور آئے

شعلے لئے طور آئے   شیشے لئے حور آئے

وہ جام پلا ساقی
اعجاز دکھا ساقی

اک شور مچا دے تو   اک آگ لگا دے تو
سوتوں کو جگا دے تو   مُردوں کو جِلا دے تو

کر حشر بپا ساقی
خمخانہ لٹا ساقی

رندوں کی یہ تقریریں   کوثر کی ہیں تفسیریں
زاہد کی وہ تکبیریں   ماضی کی ہیں تعزیریں

فردا کو بھلا ساقی
لطف آج اڑا ساقی

امرت کی وہ ماں جائی   ہے دخترِ رز آئی
سب اس کے ہیں شیدائی   کیفیؔ ہے کہ سب آئی

چھلک اور چھلکا ساقی
پی اور پلا ساقی

ہاں دور پیا پئے ہو   ہر رند جم دے کے ہو
یہ فرض نہیں مے کہو   ہاں ایسی کوئی شے ہو

چھوٹے نہ خودی باقی
چیز ایسی بلا ساقی

طلوعِ سحر

تھا دور ابھی منزل ابھی لشکرِ سحر   سر جنگ شب سے بہانے کے دنیا کو دی خبر

شبنم کے قاصد آگئے غباروں میں بیٹھ کر — ان سے صبا نے سن کے خبر کی یہ مشتہر
سرگوشیاں تھیں غنچوں میں ہے کس کا انتظار
جو رایتِ شفق ہوا مشرق سے آشکار

آ کر جو کی نسیم نے شوخی سے گدگدی — تو ہر کلی کی آنکھ وہیں چٹ سے کھل گئی
بلبل کی جانب اس نے اچانک نگاہ کی — کچھ دیکھ کر ادھر ادھر اک بار ہنس پڑی
تھی تاک میں شمیم وہیں پر لگی ہوئی
اسکی بدولت اسکی چمن میں ہنسی اڑی

چپکے سے کیا نسیمِ سحر نے سنا دیا — غنچوں کے دل کو فرطِ طرب سے کھلا دیا
بادِ سحر نے معجزہ اپنا دکھا دیا — شبنم کے چھینٹے دے کے چمن کو جگا دیا
غنچے بھی کھل کھلا کے گلستاں میں ہنس پڑے
انگڑائی لے کے سرو و صنوبر ہوئے کھڑے

رنگِ شفق سے تھا جو افق ملکِ زر نگار — یکمشت گل نے کیسۂ زر کر دیا نثار
دلکش عروسِ باغ کا تھا حسن اور نکھار — صدقہ ہزار جاں سے تھی عندلیب زار
منہ شاہدانِ گل کے جو شبنم نے دھوئے تھے
سنبل کے بال بال میں موتی پروئے تھے

چھایا ہوا تھا دہر میں اک نور کا سماں — دھویا ہوا تھا آب سے رخ حور سے جہاں
انجم کا آسماں سے کھسکا تھا کارواں — مہتاب کے بھی منہ پہ اڑی تھیں ہوائیاں
شب زندہ دار چرخ کا بھی رنگ فق ہوا
غالب ہر ایک رنگ پہ رنگِ شفق ہوا

نکلا جو خیمے سے شہِ گیتی ستانِ صبح — حاضر پئے سلام ہوئے افسرانِ صبح
فوجِ شعاع لے کے بڑھا قہرمانِ صبح — لہرا رہا تھا چرخِ فلک پر نشانِ صبح

ڈنکا ہوا طیورِ چمن کی صفیر کا
اک غل تھا آمدِ شہِ گردوں سریر کا

فوجِ شعاع کی ہوئی آمد کی جب یہ دھوم　　تو ہو گیا فلک سے ہوا لشکرِ نجوم
مشرق میں یوں ہوا شہِ خاور کا جب قدم　　آنکھوں پہ رکھے سب نے قدم اس کے چوم چوم

اک دم میں شب کی تیرگی کافور ہو گئی
دنیا چمک کے اک کرۂ نور ہو گئی

برسات کی بہاریں

برسات کی بہاریں　　موروں کی وہ جھنگاریں
وہ جاں فزا پھواریں　　وہ گاین آبشاریں
پُرجوش جوئباریں
دھومیں مچا رہی ہیں
برسات کی بہاریں　　دل کو لبھا رہی ہیں

اک دھوم سی مچا دی　　گھنگھور چھا رہی ہیں
دنیا کی نیند اڑا دی　　سوتے جگا رہی ہیں
امرت کی لے کے دھاریں
کیا امڈی آ رہی ہیں
برسات کی بہاریں　　دل کو لبھا رہی ہیں

آئیں اور آ کے چھائیں　　اٹھلاتی وہ گھٹائیں
کوئل نے بھی سنائیں　　مستانی وہ صدائیں
زاہد کا دل سنواریں
مستی سی چھا رہی ہیں

برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
کیا سج گئی ہے ہستی وہ دھند و کار آئے
چھائی دلوں پہ مستی میخانے وہ لنڈھائے
ہوش و خرد سدھاریں
کسریں ہی کیا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
ہے دل میں جوش اُٹھاتا بادل کا وہ گرجنا
کیا ناچ ہے نچاتا وہ جلترنگ بجنا
جذبوں کو جو اُبھاریں
حوریں یہ گا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
مدماتی لڑکھڑاتی چلتی ہیں کیا ہوائیں
مہکاتی وجد لاتی اُن کی ہیں سب ادائیں
حسنِ جہاں نکھاریں
قسمیں یہ کھا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
ہے وہ طلسمی موسم اُترا ارم زمیں پر
پشت و بلند عالم گم ہو گیا ہے یکسر
جن و ملک پکاریں
آوازیں آ رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں

کیا دن لگے گلوں کو پھلواریاں کھلی ہیں
دیکھو تو بلبلوں کو کیا چہچہا رہی ہیں
بھولیں وہ سب پکاریں
منگل منا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں

پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو ہے کیا انیلی
مینا کی اور چپے کی آوازیں وہ رسیلی
نا ایک بھی بازی ہاریں
وہ شہر ملا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں

برپا جہاں فغاں تھی بلبل کے چہچے ہیں
خاک اوڑ رہی جہاں تھی سبزے کے لہلہے ہیں
پھولوں کی یہ قطاریں
کیا گل کھلا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں

کوثر ہو پانی پانی جھرنے کی وہ پھبن ہے
پائے نئی جوانی جو اس میں غوطہ زن ہے
امرت کی ہیں یہ دھاریں
مردے جلا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں

چھایا وہ جوش شادی   غم جانتا نہیں دل
تیغ ادا کا اس کی   ہے گر کوئی ہے بسمل
ہیں پیار کی یہ ماریں
سب دکھ بھلا رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں
ارمان و شوق کی ہیں   دل میں بھری ترنگیں
کیا کیا مچل رہی ہیں   بے چین ہیں امنگیں
وہ شوق کی پکاریں
جی میں سما رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں
تمکین و ضبط بھولے   حسن و شباب والے
گھر سے نکل کے جھولے   امرئیوں میں ہیں ڈالے
کب تک وہ من کو ماریں
پینگیں بڑھا رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں
مسحور کر رہی ہیں تہ تہ   ڈھولک کی پیاری تھاپیں
دل میں اتر رہی ہیں   کجری کی وہ الاپیں
وہ میگھ اور ملاریں
جادو جگا رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں
اٹھتی امنگ کہیو نکہ   واہیں- دلو پہ ڈالیں

قابو نہیں ہے دل پر   آنچل کو کیا سنبھالیں
بالوں کو کیا سنواریں
آپے سے جا رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں

یہ دیکھ کر کلیلیں   چپلا بھی مسکرائی
مژگاں کی تیز بھالیں   کھائیں تو تلملائی
تیر نظر کی آریں
کیا قہر ڈھا رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں

تخلیق عالم۔ ترجمہ رگ وید منڈل ۱۰-۱۲۹

محقق سوچ میں ہے کیونکر اس کا ماجرا کہئے   جہاں کیونکر ہوا پیدا۔ اسے کہئے تو کیا کہئے
اسے مایا کا کھیل۔ اسکا سبب حکم خدا کہئے   ہے عاجز فہم انساں۔ مدرکہ کو نارسا کہئے
جہاں پردے کے پیچھے کیا ہوا کرتا ہے عالم میں
بتاتے ہیں تمہیں لکھا ہے جو ویدِ معظم میں

نہ ہستی کی حکومت تھی نہ رنج اس جا عدم کا تھا   نہ تھا یہ آسماں ہی۔ اور نہ پُر نور اسکا جلوا تھا
نہ ابر کا یہ دل بادل زمیں کے سر پہ چھایا تھا   نہ تھا چاند اور نہ تھا سورج نہ نور افشاں ستارا تھا
محیط اور حاوی کُل کون تھا۔ کون اسمیں مضمر تھا
اگم پانی تھا یا ذخار و مواج اک سمندر تھا

نہ تھی جب موت تو کیسے حیاتِ جاوداں ہوتی   تعین اور حد کی قید دنیا میں کہاں ہوتی
تمیزِ روز و شب، پھر جلوہ گر کیونکر یہاں ہوتی   یہ حالت وید میں ہے اُس زمانے کی بیاں ہوتی
وہی اک واحد مطلق تھا کل برہمانڈ میں حاوی
یہاں اسکے علاوہ کوئی شے تھی اور نہ تھا کوئی

اندھیرا ہر کہیں گھنگھور عالمگیر چھایا تھا ۔ نہ تھی جب روشنی پیدا۔ نمایاں جب نہ سایا تھا
سمندر تھا کہ تاریکی کی موجوں میں سمایا تھا ۔ سراسر تخم ہستی کو اندھیرے نے چھپایا تھا
مگر کب تک چھپا رہتا وہ یوں اس خاک ظلمت میں
ظہور اس کا ہوا اگنی سے پرکرتی کی صورت میں

ہوا تب سب سے اوّل پریم کا دلکش گذر اس پر ۔ اُبل اُٹھا یکایک ایک چشمہ قلب کے اندر
ہوا رشیوں کا ہردے اسکی تحریکوں سے متاثر ۔ تصور میں وہ ڈوبے دیکھ کر یہ تازہ تر منظر
تجلّی ریز دل میں معرفت کا جب ہوا جلوا
تمیز اُن کو ہوئی مخلوق و نامخلوق میں پیدا

اندھیرا ہو گیا کافور ان کرنوں سے جب یکسر ۔ ہوئی یہ فکر دامنگیر اس کا کس جگہ ہے گھر
وہ اوپر ہے کہ ہے نیچے۔ یہ غوطہ تھا یہی چکر ۔ یہی تھی جستجو اُن کو وہ اندر ہے کہ ہے باہر
ادھر مصروف تکوین اور تھی حاوی کل شکتی
محیط کل ادھر چیتنیہ تھا۔ عامل تھی پرکرتی

کسے عین الیقیں ہے کون ہے دعوے کہ سکتا ۔ کہ یہ خلقت ہوئی کیونکر کہاں و بیج اُپجا تھا
جگت اُتپتی کی اس خلاق کو تھی یا نہ تھی اچھا ۔ یہ ہے وہ راز سربستہ کہ حیرت میں ہیں سب دانا
ہے جس کو غیب کا علم اور گہری ہے نظر جس کی
حقیقت اُس پہ بھی شاید نہیں ہے کھلی اس کی

گیتا کا فلسفۂ عمل

جب کُرو چھیشتر کے میدان میں لشکر آئے ۔ سُورما خود و زرہ پہنے میں سج کر آئے
برق دم۔ سیل صفت۔ تند لگاور آئے ۔ اور تھوان مہاوت کے برابر آئے
فوجیں ترتیب سے جمتی تھیں صف آرا ہو کر
جگمگاتی تھی انی نیزوں کی تارا ہو کر

اوپچی بن کے نبرد آزما آئے رن میں تن زرہ میں تھا تو تھا جوش جلادت من میں
اُن میں مشہور تھا ایک ایک وغا کے فن میں فوج ارجن میں تھا یا لشکر دریو دھن میں
تھی چکا چوند وہ کھانڈونکی چمک سے چھائی
دھند سی آنکھ میں اک پیر فلک کے آئی

جنگجو دونوں فریقوں کے ابھی آتے تھے اور ترتیب سے میداں میں جم جاتے تھے
شہسواروں کے پرے گھوڑونکو چمکاتے تھے پیدلوں کے جتھے قلعوں کو بھی لرزاتے تھے
اک نیستاں تھا وہ میدانِ وغا بھالوں سے
دن تھا کھانڈوں کے چمکنے سے تو شب ڈھالوں سے

حال یہ تھا کہ یکایک ہوا اک شور بلند آ گئے لے کے وہ ارجن کو کشن چند مکند
جو مچلتے تھے وہ چپ چاپ ہوئے پیل و سمند جھنجھناتی تھی نہ تلوار نہ ہلتی تھی کمند
ایک دم چھا گیا جنگاہ میں سنّاٹا سا
بت کدہ بن گیا گویا کہ وہ میدانِ وغا

سب کی آنکھیں تھیں اودھر انکی تھیں فوجونکی طرف جانچی ارجن نے کشن جی نے وہاں اک اک صف
تب دل ارجن کا جسے جنگ میں تھا بسکہ شغف دفعتاً ہو گیا مایوسی کے پیکاں کا ہدف
یاس نظّارۂ جنگاہ سے نرغہ لائی
دل پہ ارجن کے غضبناک اُداسی چھائی

ان عوارض میں جو مہراج نے اُپدیش کیا اس کے ہر رمز کی۔ نکتے کی ہے حامل گیتا
جس کو آنکھوں پہ جگہ دیتی ہے ساری دُنیا مجھ کو منظور نہیں اسکا یہاں دوہرانا
عطر جو اُس کا ہے وہ تکو بتاتا ہوں میں
حکم پاک آپ کا بس یاد دلاتا ہوں میں
"نیتیم" کہہ کے کشن جی نے کیا ختم کلام فلسفہ اس میں کرم یعنی عمل کا ہے تمام

سنئے کرتے ہیں جو ارجن کو ہدایت گھنشام — یاس کو چھوڑ دے اور کر تجھے کرنا ہے جو کام

تجھ پہ جو فرض ہے کرنا وہ تو ہر حال میں کر
عظمتِ فعل ہے تعقلات سے کہیں بالاتر

فرض سے اپنے جو ہٹ جائے گنہگار ہے وہ — اسکو ہمدرد نہ کہہ۔ سخت غرضدار ہے وہ
رحمدل وہ نہیں۔ بزدل ہے جفاکار ہے وہ — مکت پد پانے کا ہرگز نہ سزاوار ہے وہ

کیونکہ یہ فرض ہے۔ کر اس لئے تو فرض ادا
اس کے پھل اور نتیجے کی نہ الجھن میں جا

غور سے سن۔ تو سمجھتا ہے جسے دل یا من — اس کے اندر تو جلا بھگتی کی پاکیزہ اگن
ہر نفس چاہئے جاری رہے یہ پاک ہون — آہوتی کے لئے کر باسنا من کی ارپن

رہ کے پانی میں نہ تیرا ہو ذرا دامن تر
ہے نجات اس میں۔ یہی مارگ ہے سب سے بہتر

ادب اور شعر کی تحدید

نظرِ ایثار کی گر چشمِ دل میں جاگزیں ہوتی — ہماری سعی میں توفیق "اجر المحسنیں" ہوتی
نظر آتی اسے خورشید کی تنویر ذرے میں — بجائے خوردہ بیں گر آنکھ اپنی خوردبیں ہوتی
جنوں کیسا؟ کہاں کی اشک شوئی عشق صادق میں — نہ ہوتا چاک دامن میں نہ منہ پر آستیں ہوتی
گذاری عاشقی میں عمر۔ پھر بھی یہ تمنا ہے — الٰہی ترجمانِ دل نگاہِ واپسیں ہوتی
اسی مجہول و عاطل عشق پر دل سے نکلتا ہے — نگاہِ آخری یارب نگاہِ اولیں ہوتی
جو کوشش ہے تو یہ۔ اور دل کی خلوت میں ہے تو بس اتنی — جہاں کو پھونک دیتی ایسی آہِ آتشیں ہوتی
محبت ہے وہ شعلہ جو دبانے سے بھڑک اٹھتا — کسک اس درد کی وہ ہے جہاں اٹھتی وہیں ہوتی
نہ پہنچا خاکِ راہِ عشق تک کتنا بھٹکا گردوں — فرومایوں کی ہمسایہ نہیں یہ سرزمیں ہوتی
جدا اس عشق سے ہے یہ خیالِ عشق شاعر کا — سبے آبِ زر بھلا سونے کے پانی میں کہیں ہوتی

سخن سنجی کی ہم بس یہ غرض غایت سمجھتے ہیں
کہ بزم شعر میں برپا صدائے آفریں ہوتی

اثر اخلاق پر جو اس سخن سنجی کا پڑتا ہے
نہ کیوں بے ربط اس سے اپنی تحریر جبیں ہوتی

مذاق شعر بگڑا اور طرزِ معشرت بگڑی
طبیعت کیوں نہ درد انگیز باتوں سے حزیں ہوتی

اثر کو کر دیا محدود مطلق درد میں ہم نے
نہ کیوں تعریف اچھے شعر کی اندوہگیں ہوتی

محاسن میں سخن کے گرچہ درد و سوز ہیں شامل
مگر موقوف انھیں پر شعر کی ہستی نہیں ہوتی

خلوص اور عشق ہوتے ہم ردیفِ شعر تو دل میں
حسد ہوتا نہ عالم سوز نا بغض و کیں ہوتی

ادب اور شعر سے جو کام دنیا میں نکلتے ہیں
یہاں بھی اُنکی وقعت کاش مانوسِ یقیں ہوتی

ادیب اور شاعر ایسے تھے یہاں اک بار بھی جنکی
برائے دفع صد آفات سدِ آہنیں ہوتی

چلن ایسا کہ اُن کی ہاں میں کن کی تاب و طاقت تھی
نہیں جس بات پر کرتے قیامت تک نہیں ہوتی

جو کہتے منہ سے وہ کرتے۔ وہی کرتے جو شایاں تھا
عمل کیا؟ اُن کی غور و فکر بھی حق کے قریں ہوتی

اگر باغ سخن کو خونِ دل سے سینچتے شاعر
زمینِ شعر میں پیدا فضائے عنبریں ہوتی

حقیقی کھینچتا جذبات و محسوسات کی شکلیں
تو حصے میں قلم کے عظمتِ روح الامیں ہوتی

دلی جذبات پر گر نظم کا نظم و نسق ہوتا
زباں سے جو نکلتی بات بیشک دلنشیں ہوتی

بھرے ہوتے یہاں خرمن حقایق اور معانی کے
بجائے نکتہ چیں گر طبع اپنی خوشہ چیں ہوتی

بلندی دونوں میں اور ہوتی عزم میں رفعت
تو مشت خاک اپنی زینتِ چرخ بریں ہوتی

زبانوں میں اگر اردو کو جا ملتی تو کیا ملتی
نہ کیوں وقعت جہاں میں اپنی کم سے کمتریں ہوتی

جو اخذ و ترکِ جذبِ منفعت ہوتا شعار اپنا
تو پھر قبضے میں اپنے دولت دنیا و دیں ہوتی

جو لینا چاہیے تھا کام اگر وہ شعر سے لیتے
مکاں سے لامکاں کی ہلک تک زیرِ نگیں ہوتی

جلے دل کی یہ باتیں گوش دل سے گر سنی جاتیں
تو یاروں کی زباں پر جائے نفریں آفریں ہوتی

تمنا ہے یہ کیفی کی یہی اُس کی دعا تجھ سے
ادب اور شعر کی تجدید رب العالمیں ہوتی

زندہ دلی

جیتے جی موت کے دھڑکے سے مرے جاتے ہو / یہ بھی اے دوستو جینے میں ہے جینا کوئی
موت آنی تو ہے لابُد۔ مگر اک بار فقط / خالی آن کا تو نہیں موت سے لمحہ کوئی
جب مروگے تو بہت روئیں گے کیا فکر اسکی / سوگ اپنا بھی کیا کرتا ہے دانا کوئی
موت کی تم کو ہے مجھے فکر تمہارے دل کی / مردہ دل شخص کا جینا بھی ہے جینا کوئی
زندہ دل مر کے بھی دنیا میں جیا کرتے ہیں / ہے یہ وہ راز کہ اس راز کو سمجھا کوئی
زندگی یہ ہے کہ ہو زندہ دلی انساں میں / اس سے بڑھکر نہیں دنیا میں مسیحا کوئی
نقش خاتم کی طرح دبکے ابھرتے ہیں سوا / اہل ہمت کو مٹائیگا بھلا کیا کوئی
اصل میں موت کا بیما ہے وہ۔ یہ یاد رہے / زندگانی کا بھی کر سکتا ہے بیما کوئی
زندگی کا ہو تو بس زندہ دلی سے بیما / کہ سقوط اور تعطل نہیں جس کا کوئی
اُس کو بیدرد کہو درد کی ہے جس کو تلاش / عشق کا دل میں نہیں اُسکے شرارا کوئی
تو یہاں آیا ہے خوش ہنسنے کو خوش کرنے کو / رونے رلوانے سے تو خوش نہیں ہوتا کوئی
معجزے اور چمتکار پہ سر دُھنتا ہے / کیونکہ پھر تجھ سے یہاں کام ہو سیدھا کوئی
کشمکش زیست کی ہر پیمانے میں جو ہے جاری / اُس کے سر کرنے کا پہلو بھی نکالا کوئی
یہ صفِ جنگِ حیات اور وہ صفِ ماتم ہے / عمل اور مرثیے کا فرق سمجھتا کوئی
ہمت اور زندہ دلی سے اُسے حل کرنا ہے / رونے دھونے سے بھی حل ہوتا ہے عقدہ کوئی

بہار کشمیر

سرنگوں کب تک رہوگے رنج و افکار میں / آؤ تم کو لے چلیں اک پُر فضا گلزار میں
ہے یہ وہ گلشن ہے بلبل جسکی ہر اہل نظر / ہے تمنا جس کی برابر یار اور اغیار میں
طبع شاعر کی روانی کی دکھاتی ہے ادا / ہے وفورِ جوش اتنا ہر جوئبار میں
چشمے سرجیون ہیں ایسے جن پہ کوثر ہو نثار / چشم گردوں نے بھی دیکھے ہوں گے اس سنسار میں

آنکھ جب اس پر پڑی جنّت نظر سے گر گئی ایسی کب ہونگی بہاریں سُرگ کے گلزار میں
ہے ہتک کشمیر کی کہنا اسے جنّت نظیر سامنے آنکھوں کے یہ۔ وہ بس دلِ احرار میں
لالۂ و ریحاں۔ سمن اور گل اگر ہیں باغ میں بن ہیں بہار اور بُوئے کستوری بسی کہسار میں
حسنِ فطرت کے مناظر صحت افزا اس قدر ہے مرضِ مفقود چشمِ نرگسِ بیمار میں
بر محل ہے گر نسیمِ باغ ہے جلوہ فروش سبزے کی لپٹیں کہاں ہیں نافۂ تاتار میں
تم نہ پاؤ گے کہیں جو ہے یہاں جوشِ نمو پھوٹتی کونپل ہے چوبِ دشنۂ منجار میں
ہے لبِ آب ایک گلشن اور ہے اک زیرِ آب ڈل بھی لاثانی ہے دنیا کے دیار امصار میں
مارتا ہے کیا سفیدہ آب دُر کو ٹھوکریں روندے جاتے ہیں گہر اس بزم گوہر بار میں
دست افشاں ہے چنار اس درجہ ہے جوشِ نشاط ہے بھرا خونِ حنا یاقوتِ دستِ افشار میں
برف کی یہ چوٹیاں الماس کے سرپیچ ہیں ان بزرگوں کو ملے قدرت کے جو دربار میں
ایک سے اک بڑھ کے ملتے ہیں مناظر دلفریب دیکھو وادی میں جدھر جاؤ جہاں کہسار میں
پھول ہیں چشمے ہیں۔ میووں کے شجر اور مرغزار چپّہ چپّہ دب رہا ہے لطفِ حق کے بار میں
پھر اس دریا دلی سے یہ خزانے بے بہا کیا نچھاور کر رہی ہے وادی و کہسار میں
قدرتِ حق صنعتِ انساں سے ہے شیر و شکر کھول کر آنکھیں ذرا دیکھو تو شالا مار میں

گلشنِ کشمیر کے اوصاف قابض دل پہ ہیں
ہو سکیں کیونکر بیاں کیفی وہ چند اشعار میں

حکیم اجمل خانصاحب کے مرثیے میں سے

کہتے ہیں نام کو باقی ہے نشانِ دہلی چل بسے لوگ جو تھے روح و روانِ دہلی
مٹ چکی گرچہ بہت شوکت و شانِ دہلی کچھ ہو۔ تھی ذاتِ مقدّس تری جانِ دہلی

جانِ دہلی میں نہیں وہ سہی اجڑا سا دیار
آج پھر کس لئے کل ہند ہوا ماتم دار

تجھ سے ولی کی نہیں ہند کی دلداری تھی ہر رگ و پے میں ترے حُبِّ وطن ساری تھی
دوستداری تھی۔ رواداری تھی۔ غمخواری تھی ہاں، تعصّب سے تری طبع بہت عاری تھی

جن میں ہوں جمع یہ گُلِ وصفِ وہ کم انساں ہیں
یہی اوصاف حَسَن حُبِّ وطن کی جاں ہیں

اک سرِ حلقۂ اربابِ صفا تھا نہ رہا ایک روحِ تنِ اخلاص و وفا تھا نہ رہا
محفلِ شعر میں جانِ فصحا تھا نہ رہا خدمتِ ملک پہ دل جس کا فدا تھا نہ رہا

تو نہ ہوگا تو تری یاد رہیگی دل میں
شمعِ محفل ہو ترا ذکر ہر اک محفل میں

سیکھتا تجھ سے کوئی قوم پہ قرباں ہوتا درد سینے کو وطن کا ہمہ تن جاں ہوتا
قول اور فعل کا آساں نہیں یکساں ہونا جوہر انسان کا ہے ہمدردیِ انساں ہونا

سروری چیست بگو خادمِ اخواں بودن
غمِ ابنائے وطن خوردن و شاداں بودن

لالہ لاجپت رائے صاحب کے مرثیے میں سے

جرم میں عشق کے مستوجبِ تعزیر بھی ہو طوق گردن میں ہو اور پاؤں میں زنجیر بھی ہو
ہو سناں دل میں کہیں سینے میں اک تیر بھی ہو ہو کے بسمل خمِ فتراک کا نخچیر بھی ہو

حُریت کے تو وکیلوں کا یہی زیور ہے
چھاؤں تلواروں کی اور جیل ہی ان کا گھر ہے

حُریت کیا ہے بلا بیم و رجا ہو جانا قومیت کیا ہے عزیزوں پہ فدا ہو جانا
زندگی ہے رہِ خدمت میں فنا ہو جانا وطنیت ہے تعصّب سے رہا ہو جانا

اس حقیقت کو وطن کا جو ہو شیدا جانے
اس کی در خود غرض اور تنگ نظر کیا جانے

داغِ دل چاکِ جگر نقشِ تسلی نہ ہوا
خونِ عاشق ہے وہ جب تک متجلّی نہ ہوا

اس پہ بھی شک سے بری جذبۂ قومی نہ ہوا
مان لیں جس کو کبھی ایسا تو کوئی نہ ہوا

دیش بھگتی کے ترے گُن تو سبھی گاتے ہیں
مدعی تک تری نیکی کی قسم کھاتے ہیں

رنگِ تغزل

حُسن جلباب عدم سے جو درخشاں نکلا
وجد میں کون و مکاں ہو کے ہمہ تن رقصاں نکلا

ہے جہانگیر ضیا پاشئ حُسنِ تکوین
اب تو ارمان ترا عالمِ امکاں نکلا

ہے خطوظِ دل و روح بشریت اسکیں
حُسن کی بزم سے کوئی نہ پریشاں نکلا

موقع حیرت کا نہیں یہ تو ہے خوش مستی کا
کام تجھ سے نہ کوئی دیدۂ حیراں نکلا

ہے عدو ذہنیت خلق کا رنج اور ملال
قید اندوہ میں پھنس کر کوئی انساں نکلا

جو سمجھتا ہے کہ انساں ہے ضعیف البنیاں
ذہن سے اُس کے نہ اندیشۂ شیطاں نکلا

حُسن کو جس نے دو روزہ کہا کوتہ بیں تھا
اُس کے سینے سے نہ خارِ غمِ عصیاں نکلا

گوش و گردن نے جو پھیلائے ترے دستِ سوال
لعل و الماس سے پُر کوہ کا داماں نکلا

عارضی زیب گلے کا جو ترے ہار ہوئی
بحر سے سلسلۂ گوہرِ غلطاں نکلا

حُسنِ قدرت سے ہے انسان کی حُسن آرائی
غمازۂ عطر کا گل بوٹے سے ساماں نکلا

ہے شرابورِ حُسن سے عالم کی فضا
اس کا گلشن ہی نہ اک بندۂ احساں نکلا

برق کا ہے وہ تبسم کہ ہے شکر خندۂ گل
حُسن ہر رنگ میں ہر شان میں لرزاں نکلا

حُسن کا ہے یہ وفور اس کو نہ کہہ دل تنگی
رنگ بھی سینے سے غنچے کے پرافشاں نکلا

ذرّۂ انتاج سعادت ہے پرستارِ حُسن
نفس کا لوث ہی بس رہزنِ ایماں نکلا

سبزہ کاہ ہے یا ہے گل و برگِ گلبن
حُسن ہر رنگ میں ہمیں سرو ساماں نکلا

ہے گل حُسن سے لبریز یہ دنیا کیفی

نظرِ قلب کا بھی تنگ ہی داماں نکلا

جو محو محویت نظارہ وہ حسن ہنگامہ کار ہو گا
جو گل عروس چمن بنا ہے گلے کا بلبل کے ہار ہو گا

بت اُٹھ کے بھاگینگے بتکدے سے پناہ لینگے حرم میں جا کر
نقاب اٹھا کر جمال آرا اگر وہ رعنا نگار ہو گا

وہ نور جب ہو گا محفل آرا تو شمع و پروانہ جل بجھینگے
رہینگے ہم۔تم ہی جب نہ باقی تو کون کس پر نثار ہو گا

دُوئی کی حد سے جو عشق گزرا تو کچھ نہ برق نظر نے چھوڑا
شہید الفت کا سینۂ اہل دل کے اندر مزار ہو گا

جو برق بن کر تڑپ رہی جو ابر بن بن کے رو رہا ہے
وہ میری بے چین آرزو ہے یہ میرے دل کا بخار ہو گا

بنے نہ تم شمع ساں پگھل کر بجھنگے نہ پروانہ وار جل کر
تو پھر محبت کی انجمن میں کہاں تمھارا شمار ہو گا

ریاض الفت ہے بیتِ راحت یہاں سے کیا دخل آہ و زاری
یہاں جو ہو گا ملول و محزوں وہی فنا کا شکار ہو گا

جو آہ نکلے گی قید ہو گی برنگ بُو غنچے کے دہن میں
جو نالہ اُٹھیگا سرو آسا وہ قیدیِ جو بیار ہو گا

وہ داغ لالہ کے دل کا ہو گا پڑیگا تبخالہ جو جگر میں
بنیگی پتھرا کے آنکھ جھرنا اگر کوئی اشکبار ہو گا

ہے شرط پھنک جائے جسم و جاں تک مگر نہ اُوڑا دھوئیں تک
نہیں سر ضبط راز جس کو وہی سزا وارِ دار ہو گا

پیا پیالۂ مئے مغاں کا تو شورِ محشر سے بھی نہ چونکا
ہے نشۂ دردِ عشق ایسا کبھی نہ جس کا خمار ہوگا
لگی ہے دھن جب سے اُس صنم کی رہی سدا ہم کو تیری نگی
یہ ہم نہ پھر ہم رہینگے کیفی یہی جو لیل و نہار ہوگا
بتائیں کیا تجھ کو چشمِ پرنم ہوا ہے کیا خون آرزو کا
بنا گلِ داغِ یاس و حسرت جو دل میں قطرہ بچا لہو کا
دبے جو گھٹ گھٹ کے دل میں ارماں وہ برق بنکر فلک پہ تڑپے
جو ولولے جی میں رہ گیا تھا وہ بلبلہ اب ہے آب جو کا
عبث ہے تو چارہ گر پریشاں نہ تجھ سے کچھ بن پڑیگا درماں
کہ ہو تو تارِ نفس سے ساماں جراحت دل کے ہو رفو کا
کھلا لبِ گور سے یہ عقدہ کہ خواب تھی سب نمود ہستی
وقوف نا محرمِ منزل کمال ہے میری جستجو کا
ہے نفی ذات اور نسخ ہستی وصال جاناں کی شرطِ اول
بھرا سناٹے کُل جہاں ہے اگر ہے تو درشنوں کا بھوکا
طلسم دیر و حرم ہے تجھ پر ہنوز دلّی ہے دُور ناداں
وہاں ترا خاک دل لگے گا وہ ہے سراسر مقام ھو کا
خبر کسے صبح و شام کی ہے تعینّات اور قیود دیکھے
نماز کس کی وہاں کسی کو خیال تک بھی نہیں وضو کا
نہیں محیطِ رسوم و ملّت ہے بے نشاں منزلِ حقیقت
وہاں نہ سمرن کی ہتکڑی ہے نہ طوق زنّار ہے گلو کا
ہیں غرق بحرِ مئے محبت وہاں ہے کیفی یہ سب کی حالت

ہے وصل ساقی کی بزم میں کیا صراحی و ساغر و سبو کا

دل اگر لب پہ جگر نوک مژہ پر ہوگا
آہ و گریہ میں اثر تیرے برابر ہوگا

مانعِ گردشِ تقدیر سلاسل ہے نہ طوق
گر نہیں پانوں میں تو سر میں یہ چکر ہوگا

آہِ سوزاں کی ہے اشکوں سے اگر لاگ تو ہو
قطرہ گر بحر نہ ہوگا تو سمندر ہوگا

ہوں تصنع سے بری ایک ہے ظاہر باطن
دل میں جو ہوگا وہی اپنی زباں پر ہوگا

منہ سے جو کہہ دیا سمجھو اُسے پتھر کی لکیر
فرق اُس میں نہ کبھی بال برابر ہوگا

نورِ الفت کے سوا کچھ دلِ صافی میں نہیں
نالہ جو اُٹھیگا آئینہ کا جوہر ہوگا

صاف و شفاف ہے آئینہ صفت دل اپنا
میل لائیگا جو ہم سے وہ مکدر ہوگا

ہوگیا وقت ہر اک شے کا مقرر کب کا
وصلِ جاناں کا مگر وقت مقدر ہوگا

کل سے خطبے کی تو شب رندوں نے دیکھی تفسیر
آج کیا حضرت واعظ سرِ منبر ہوگا

زاہد آئینہ ہے مرکوز دل اس حلقہ میں
شیشۂ مے تجھے آئینۂ محشر ہوگا

ولہ

کیا ہوا مرکزِ ہستی اگر انساں نہ ہوا
آبرو خاک ہے قطرہ کی جو طوفاں نہ ہوا

سخت مشکل ہے کہ ہمت یہ ہوئی سہل پسند
کام ٹھہرا وہی دشوار کہ آساں نہ ہوا

پھر عجب کیا ہے عدم سے جو ہوئی دلچسپی
درخورِ وسعتِ دل عالمِ امکاں نہ ہوا

کھیل سمجھا کئے عالم کے کرشموں کو ہم
دلِ خود رفتہ کسی بات سے حیراں نہ ہوا

ہیں مرے دل میں وہ آہیں کہ نہیں جو بجلی
آنکھ میں ہے مری وہ قطرہ کہ طوفاں نہ ہوا

حوصلہ کس کو ہے دل چیر کے دکھلاؤں کسے
وہ شرر اس میں ہے جو سنگ میں پنہاں نہ ہوا

جامہ پہنے رہا پروانوں کی جانبازی کا
شعلہ فانوس کے پردے میں بھی عریاں نہ ہوا

قید میں سبحہ و زنار کی پھنستا کیونکر
حلقہ در گوش رہا مرکزِ ایماں نہ ہوا

غم رہا اُن کا جو دوزخ میں پڑے جلتے ہیں
میرے خوش ہونے کا جنت میں بھی ساماں نہ ہوا

اب تو یہ حضرت ساحر کو شکایت نہ رہی

کیفی سحر تو آج غزل خواں نہ ہوا

یا الٰہی مجھ کو یہ کیا ہو گیا دوستی کا تیری سودا ہو گیا
دوستی کیا اسیری کا دھیان ہے قید سے آزاد اتنا ہو گیا
کیسی آزادی اسیری کیا ہے شے جب فنا رنگِ تمنّا ہو گیا
جب تمنّا اور ڈر جاتا رہا تو ہر اک شے سے مبرّا ہو گیا
یوں مبرّا ہو گئی جب کوئی ذات بند پھر نغمہ صفت کا ہو گیا
جب ہوا او صاف سے کوئی بری عیب کیونکر اُس میں پیدا ہو گیا
خود پرستی یا اسے جو کچھ کہو اب تو یہ عالم ہمارا ہو گیا
بیخودی نے محو حیرت کر دیا آپ میں اپنا تماشا ہو گیا
جسکو دیکھا آپ ہی آیا نظر
رنگ اب کیفی یہ اپنا ہو گیا

کرشمہ ریزیِ حسن سے کیوں بھٹک رہا ہے تو دنگ ہو کر
شکستہ پا ہو کے کاش گرتا اک آستانے پہ سنگ ہو کر
شکست رنگ امید کی ہے صدا وہ ضبط آزما کی نکلی
گلوے مینا سے ہو کے قلقل جگر سے یم کے ترنگ ہو کر
ہے دعوئے عشق خامکاری یہ ظالم ایسا ہے ستم قاتل
چڑھا جو سر کو بخار بن کر تو دل میں بیٹھا ہے زنگ ہو کر
تعقلِ حسنِ ظاہری بھی نہیں سکونِ دلی کا موجب
کہ صبر سے ایک لحظہ بیٹھا کبھی نہ تیمور لنگ ہو کر
یہ باغ عالم ہے جائے عبرت دو روزہ دولت ہے حسن صورت
وہ پھول کانٹوں میں رل رہا ہے جو سر چڑھا شاخ و سنگ ہو کر

شباب میں بھی عجب فسوں تھا بہار ہی تھی یا جنوں تھا
جو سر میں آیا سرور ہو کر تو دل پہ چھایا اُمنگ ہو کر

ہے انکی گمنامی عین شہرت ہے ان کی وارستگی تشخّص
کر رو شناسِ شہ و گدا ہیں فقیر بے نام و ننگ ہو کر

وہ حسن سے پائی رم شعاری ہے جس سے چشم سراغ عاری
ہوا ہیں بُو ہو کے جا سمایا کھلا رخِ گل پہ رنگ ہو کر

کرشمۂ حسن جانستاں کی ستم ظریفی کا کیا بیاں ہو
کہ دل میں یہ درد بن کے بیٹھا جگر سے نکلا خدنگ ہو کر

نہ کوہ و صحرا میں نکلی حسرت کہیں بھی پائی نہ جب فراغت
میں نقطۂ دل میں آسمایا جہاں کی وسعت سے تنگ ہو کر

یہ مجھ کو بیحس کیا ہے کیفی مئے محبت کی بیخودی نے
کہ خواہشیں دل کی اُڑ رہی ہیں گلوں کے چہرے کا رنگ ہو کر

کہاں تم رہ سکو گے مجھ سے پردے میں نہاں ہو کر
یہ چھپنا آنکھ سے ممکن نہیں دل میں عیاں ہو کر

خیال یار ہم سے دور ہو تو پھر کہاں تم ہوں
سمایا ہے رگوں میں خون ہو کر تن میں جاں ہو کر

کیا دم ناک میں اس داستاں کا کل نے زمانے کی
رہے کب تک کوئی بتیس دانتوں میں زباں ہو کر

تہیدستان الفت گر تماشا جذب کی کرتے
اتر آہوں سے اُڑتا پیرہن کی دھجیاں ہو کر

نہ آنا تھا نہ آیا چین بیمار محبت کو
کسی صورت کسی پہلو یہاں رہ کر وہاں ہو کر

نئے روپ اور رنگت سے مرے ارماں نکلتے ہیں
شرار آہ ہو کر اشک ہو کر اور فغاں ہو کر

پتا پوچھو نہ تم گم گشتگانِ راہ الفت کا
ہیں عنقا کی طرح مشہور بے نام و نشاں ہو کر

کروں رو دھو کے جی ہلکا تو کس کے سامنے یارب
جنوں سا لگ گیا ہے ہمنشیں کو رازداں ہو کر

جو دیکھا بیکسی گور غریباں پر برستی ہے
تو حسرت چھا گئی ہے شمع کشتہ کا دھواں ہو کر

تم اب خود دیکھ لو اعجاز کیا ہے بزم ساقی میں
جو تائب ہو کے آئے تھے گئے پیر مغاں ہو کر

ولہ

عہد وفا سے یہ نہیں اقرار ہی نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں انکار ہی نہیں

اُن کو تو ضد یہ ہے کہ نہ ہوگا جو میں کہوں
جھوٹے نہیں وہ قول سے انکار ہی نہیں

کیا بھولے بنکے کہتے ہیں پھر کوئی کیا کرے
اُس کو تو اک جنوں ہے وہ بیمار ہی نہیں

اس کا علاج ایک ہے اب تم سے کیا کہیں
اچھا دوا سے ہو یہ وہ آزار ہی نہیں

نظروں میں تیرا داؤں میں خنجر بھرے ہوئے
پھر کیا ہوا کمر میں جو تلوار ہی نہیں

گل کیا ہے پتے پتے میں اک شان دلبری
آنکھیں تمھاری طالب دیدار ہی نہیں

اب آپ ہی بتائیں کہیں کس سے کیا کہیں
جب کوئی امر حق کا روادار ہی نہیں

کایا پلٹ ہوا ہے زمانہ کچھ اس قدر
وہ خلق وہ سلیقۂ گفتار ہی نہیں

دنیا کی بات کیفیؔ بیخود سے کیا کریں
مست الست وہ تو ہے سرشار ہی نہیں

پردہ دار ہستی تھی ذات کے سمندر میں
حسن خوب کھل کھیلا اس صفت کے منظر میں

حسن عشق میں ہے یا عشق حسن میں مضمر
جوہر آئینہ میں یا آئینہ ہے جوہر میں

عشق محشر آرا کی طور پر گری بجلی
حسن لن ترانی کی رہ سکا نہ چادر میں

خاک دیر و کعبہ کی خوب چھان لی تو نے
اب ذرا جھکا کر سر دیکھ من کے مندر میں

دیکھ اے تماشائی گل ہے رنگ و بو بالکل
امتیاز ناممکن ہے عرض سے جوہر میں

گل میں اور بلبل میں کون جانے کیا گزری
چشم پوش ہستی تھی اس برہنہ منظر میں

اونچی بناتے ہیں حسن کو سخن گو کیوں
کاٹ اُن اداؤں کا کب ہے تیغ و خنجر میں

فرط سوز الفت میں دیکھ کر سکون دل کا
بجلیاں مچلتی ہیں بادلوں کے محشر میں

چارہ گر کو حیرت ہے ارتقائے وحشت سے
پاؤں میں جو چکر تھا آ رہا ہے وہ سر میں

حسرت اور ارماں کی ہو کہاں سے گنجایش
ہے وہی میرے دل میں ہے وہی مرے سر میں

ہوں وہ رند یا صوفی مست اُسکی دھن میں ہیں
جانے کتنے میخانے بھر دئے ہیں کوثر میں
چرخ کیا اُتر آیا آج فرش گیتی پر
رند بھی ہیں چکر میں میکدہ بھی چکر میں
مے وہ ہوش بر انگن اور نظر وہ صہبا پاش
مست کیوں نہ ہو کیفیؔ ایک دو ہی ساغر میں

ولہ

غم دنیا نہیں پھر کونسا غم ہے ہم کو
فکر و اندیشۂ عقبےٰ سے بھی رم ہے ہم کو
دہن غنچہ سے پیغام وفا سنتے ہیں
غازۂ عارض صد ہمت عدم ہے ہم کو
قول یہ سچ ہے کہ خود کردہ کا درماں کیا ہے
داور حشر پہ ناحق کا بھرم ہے ہم کو
اُگلے لقموں میں نہیں قند مکرر کا مزا
سخت بے لطف حیاتِ پیہم ہے ہم کو
زیست کی کشمکش اور مرگ کی قربت کا الم
آمد و رفتِ نفس تیغ دو دم ہے ہم کو
بیٹھے بیٹھے جو کٹے پھر تگ و دو سے حاصل
ہر نفس جادۂ ہستی میں قدم ہے ہم کو
ذرّہ ذرّہ میں نظر آتی ہے تصویر صنم
سر بسر رشکِ صد دیر حرم ہے ہم کو
حال دل لکھتے نہ لوگوں کی زباں میں پڑتے
وجہ انگشت نمائی یہ قلم ہے ہم کو
آنکھ کیا ڈالئے اُس گل پہ جو کُھلا جائے
کیفیؔ دل اپنا ہی گلزار ارم ہے ہم کو

لطفِ ایام جوانی اور ہے
دن کٹے کی زندگانی اور ہے
الفتِ دل کی نشانی اور ہے
ظاہری شیریں زبانی اور ہے
ہیں بناوٹ کی یہ سب باتیں حضور
دل سے ہو جو مہربانی اور ہے
کیا ہوا دنیا پہ جو قبضہ کیا
ملکِ دل کی حکمرانی اور ہے
داستانِ عشق تم مجھ سے سنو
قیس و لیلےٰ کی کہانی اور ہے
ذرّہ ذرّہ سے عیاں نورِ ازل
اب کی طرز لن ترانی اور ہے
برق میں شعلے میں یہ گرمی کہاں
سوزشِ درد نہانی اور ہے
آدمی بت اور بت تصویر ہو
گفتگوئے بے زبانی اور ہے

اب تو جاتے ہیں ملینگے پھر کبھی　　گر یہاں کا دانہ پانی اور ہے
بندشِ الفاظ ہے کچھ اور شے　　لطفِ اسلوبِ معانی اور ہے

اسکو کیفی کب پہنچ سکتا کوئی
میر کی شیوا بیانی اور ہے

زندگی کا کس لئے ماتم رہے　　ملک بستا ہے مٹے یا ہم رہے
دل رہے پیری میں بھی تیرا جواں　　آخری دم تک یہی دم خم رہے
چاہئے انساں کا ہو دل غنی　　پاس مال و زر بہت یا کم رہے
کیا اُسی جنت کی یہ تحریص ہے　　جس میں کچھ دن حضرتِ آدم رہے
وصل سے مطلب نہ رکھ تو عشق کا　　دم بھرے جا دم میں جب تک دم رہے
لاگ اک دن بن کے رہتی ہے لگاؤ　　ہاں لگاوٹ کچھ نہ کچھ باہم رہے
عشق نے جس دل پہ قبضہ کر لیا　　پھر کہاں اُس میں نشاط و غم رہے
شرق سے جب نور چمکا پھر کہاں　　برگ گل پر قطرۂ شبنم رہے
حسن کی دنیا کا دایم ہے شباب　　حشر تک اس کا یہی عالم رہے

ہے سرورِ حسن کیفی لازوال
در خورِ ظرف اس میں بیش و کم رہے

اک خواب کا خیال ہے دنیا کہیں جسے　　ہے اُس میں اک طلسم تمنا کہیں جسے
اک شکل ہے تفننِ طبعِ جمال کی　　اس سے زیادہ کچھ نہیں دنیا کہیں جسے
خمیازہ ہے کرشمہ پرستئ دہر کا　　اہلِ زمانہ عالمِ عقبےٰ کہیں جسے
اک اشک وارمیدۂ ضبطِ غمِ فراق　　موجِ ہوائے شوق ہے دریا کہیں جسے
باوصفِ ضبط رازِ محبت ہے آشکار　　عقدہ ہے دل کا عقدِ ثریا کہیں جسے
برہمزنِ حجاب ہے خودرفتگیِ حسن　　اک شانِ بیخودی ہے زلیخا کہیں جسے

عکس صفائے قلب کا جوہر ہے آئینہ — وارفتۂ جمالِ خود آرا کہیں جسے
رم پیشوہ ہے صنم تو ہے رم آشنا یہ دل — حاصل ہے مجھ کو عیش مہیا کہیں جسے

سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں دہر کا وجود
کیفیؔ یہ بات وہ ہے معمّا کہیں جسے

جس کو ظاہر نہ کیا شعلہ سینائی نے — راز وہ فاش کیا حُسن کی رعنائی نے
چشم دل وا ہوئی اے حُسن! محبت بیدار — طرفہ جادو یہ جگایا تری انگڑائی نے
گل پہ بلبل ہے فدا سرو پہ قمری ہے نثار — گل کھلائے ہیں یہ کس کی چمن آرائی نے
کر دیا کثرتِ جلوہ نے نظر کو خیرہ — دیکھنا تھا جو نہ دیکھا وہ تماشائی نے
دلِ صافی میں نہیں جوہرِ ذاتی کے سوا — دیکھ لو رکھ کے ہزار آئینوں پر آئینے
ایک دم بھی نہ تصور میں اکیلا چھوڑا — انجمن میں مجھے رکھا مری تنہائی نے
پیکرِ خاک ہے تو چرخ پہ چھا مثلِ غبار — تجھ کو مٹی میں ملایا ہے جبیں سائی نے
روحِ تازہ دلِ مردہ میں سرایت کرتی — مردہ تن ہی تو کئے زندہ مسیحائی نے
کاش ہر چیز میں تو اپنا ہی جلوہ دیکھے — محو کر رکھا ہے تجھ کو جو خود آرائی نے

سوچ تو کس کو سناتا ہے یہ باتیں کیفیؔ
تجھ کو دیوانہ بنایا تری دانائی نے

نسیم باغِ ارم ہے صبا جہاں کے لئے — نہیں وہ روح و رواں صرف گلستاں کیلئے
ہے مہر و ماہ کا فیض ایک سا ہر اک شے پر — یہ راہ باٹ کے دیوے ہیں کل جہاں کیلئے
زباں بنی ہے بشاشت کا راگ گانے کو — نہ داستانِ غم و حسرت و فغاں کیلئے
کھلینگے دیدۂ دل چھوڑ گریہ۔۔رہ آنند — ہے سرمہ خاکِ الم چشمِ خوں فشاں کیلئے
تو مست کھا کے ہے بھل اور سونگھ کر یہ پھول — نہ تھے مزے یہ مشام اور فقط دہاں کیلئے

ہو نورِ حُسن جو دل میں تو ہر نفس تیرا — شمیم باغِ جناں ہو مشامِ جاں کے لئے
سمجھ کے زیست کو دو روزہ کیوں ہوا مایوس — جہاں ہے تیرے لئے اور تو جہاں کے لئے
جو موت آئی ہے آکر رہیگی اپنے آپ — تو پالتا ہے یہ کیوں روگ اپنی جاں کیلئے
شباب جیسے لڑکپن کے بعد لابُد ہے — اسی طرح ہے بُڑھاپا بھی ہر جواں کیلئے
بنی ہے تیری ہی خاطر تو ساری موجودات — زمیں کا لقمہ نہ تُو جورِ آسماں کے لئے
جو کائنات کا خلاق ہے خدا تیرا — تو دل میں آگ نہیں کیوں ہراسِ جاں کیلئے
ہے وقت حل ہو معمائے حال و استقبال — زمانہ یہ نہیں ماضی کی داستاں کے لئے
عیاں جو ہے اُسے پنہاں پہ چھوڑتا کیوں ہے — کیا یہاں کا ہی کام آئیگا وہاں کے لئے
نہیں ہے تجھ میں جو ایثار اور جانبازی — تو مُنہ اُٹھائے چلا کیوں ہے امتحاں کے لئے
ہو جس میں حوصلہ وہ ڈگمگائے یہ ساغر — ہے ظرف کی بھی ضرورت مئے مغاں کے لئے
اٹل ہے عزم ہی تیرا نہ حوصلہ ہی بلند — قزمے کس لئے پھر تو نے آسماں کے لئے
رہینِ بخت کا اختر بھی اوج پر ہوگا — بنینگے اور ستارے "جیب" آسماں کے لئے
قوی دلوں کو ہے میدانِ امتحاں دنیا — تماشاگاہ ہے اک قلبِ ناتواں کے لئے
وہ آئیں بزمِ عمل میں جو کام کے ہیں لوگ — جگہ نہیں یہ تماشائی نوحہ خواں کے لئے
تسلی رکھ ابھی ترکش سے آیا چٹکی میں — جو تیر چاہئے اس سینۂ تپاں کے لئے
جو حوصلوں کو اُبھارے وہ جذبِ شانِ قلم — اُجاگرے قلب کو یہ شرط ہے بیاں کے لئے
تو کیا غرابت و تعقید سے کے بیٹھا ہے — دلوں پہ قبضہ ہے معراج ہے زباں کے لئے

غزل نے پائی ہے کیفی نئی نرالی شان
یہ ظرف تنگ نہیں وسعتِ بیاں کے لئے

انتخاب کلام فارسی

بیا ساقی بدہ گردش بہ محفل جامِ مینا را — بدر کن از دلِ رنداں غبارِ رنج دنیا را

چه رنجِ دهر، ایں بازیچهٔ اطفال را ماند — بزن یک جام و از سر پاک برکن فکرِ عقبیٰ را

گر آید گریه بالا خوانیِ ایں چرخِ فرومایه — بیفگن در تهٔ تحت الثریٰ عقدِ ثریا را

چه وقتِ خوش قدح برکش ز دستِ ساقیِ مهوش — غمِ دنیا و دیں از خاطرِ نظری شده مارا

تصرف بر حواسِ خویش شرطِ باده پیمائیست — دهد ساقی نه ایں پیمانه دستِ باده پیما را

سویدا می شود هر قطرهٔ خوں در تنِ عاشق — چه دانی منزلت اے چاره گر ایں جوشِ سودا را

چو ذوقِ دردِ مضرابے پئے تارِ نفس آمد — پذیرد کے مریضِ عشق از عیسیٰ مداوا را

گرت چشمِ بصیرت هست در هر ذره دریابی — تجلائے که سر در پائے خود افگند موسیٰ را

در آشوبِ تمنائی که آزادی ازاں خواهی — هنوز اندر قفس دانند مرغِ رشتهٔ بر پا را

میسر شد کسے را پئے سپردن در رهِ الفت — ز پا از پنجهٔ مژگاں بر آرد خارِ صحرا را

به خود چوں در زند خود را دُرِ شهوار می گردد — کمالِ قطره افزوں می کند توقیرِ دریا را

ترا معجز بیاں گفتن سزد اے کیفیِ خوش گو
که در یک کوزه کردی آبِ رکنا باد و جمنا را

شهیدِ خنجرِ نازِ تو تیغ دار انند — نثارِ گردهٔ کوئے تو شهریار انند

ترا حیا و مرا ضبطِ عشق شد غماز — زبانِ حال شناسا چه پخته کار انند

به آه و گریهٔ عاشق فلک هم آهنگ است — ظهورِ جذبهٔ دلِ خسته باد و بار انند

مسلّم است که هست اضطراب ضدِ سکوں — حیرِ عشقِ تو ازیں راه بیقرار انند

ز فورِ نورِ جمالش حجابِ چشم گشت — خوشا کساں که طلبگارِ پرده دار انند

کجائی ساقیِ مهوش بیا و حلقه بزن! — که مستِ ساغرِ دل جامِ میگسار انند

بیا به بزم نما جلوه هائے حسنِ ازل! — ز شوقِ چشم به راهت امیدوار انند

نه ارزو ایں که تو ساغر کشیدی بر سرِ تیغ! — به جیں غریقِ خمِ باده، باده خوار انند

به بزمِ ساقیِ ما ہیں که طرفه نیرنگیست — به حالتے همه مستاں و هوشیار انند

گر بود کہ آہنگ من یکے فہمند　　زقیدِ کعبہ و ویراں کہ رستگار انند

منم ز کیفیِ جامِ مغاں کہ مستِ الست
زرنگ مستیم آگاہ رازدار انند

راحت جاں، فتنہ سامانی ہنوز　　در دل و از دیدہ پنہانی ہنوز
ذرہ ذرہ آئینہ دارِ جمال　　آشکارا راز پنہانی ہنوز
مایۂ ہستی دل و دل نذرِ تو　　تا نہ پنداری کہ ارزانی ہنوز
خود شناسی ہست از خود رفتگی　　تو نہ آئی خود کہ بیدانی ہنوز
دل رہینِ یاس و جاں وقفِ سکوں　　ایں چنیں ذوقِ تن آسانی ہنوز
کارفرما ہست در چشمت کہ بود　　سحر ایں ہنگامۂ فانی ہنوز
تو بہ حاشا کہ اہلِ دردِ عشق　　در پئے تا شیرو درمانی ہنوز
می شناسی صومعہ را از حرم　　شاد زی یار امسلمانی ہنوز

حلِ رازِ عشق می خواہی زعقل
دم مزن کیفی کہ نادانی ہنوز

ساقیا رطلِ گراں دہ در خمار افتادہ ام　　از غمِ دنیا و عقبیٰ زیر بار افتادہ ام
از کفِ افسوس یاراں دستگیری مشکل است　　من برنگِ سبزہ در پائے چنار افتادہ ام
خاکسارم گو بہ ظاہر نسبتِ اعلیٰ مراست　　مثلِ آب جو ز تیغ کوہسار افتادہ ام
جوہرِ ذاتم بہ میزانِ فلک سنگین شد　　تا ز چشمِ اعتبارِ روزگار افتادہ ام
استوارم لیک ز آشوبِ زماں ایمن نیم　　سایہ بر آبم ز سرو جویبار افتادہ ام
راحت و رنج دو عالم محو گردید از دلم　　تا من از تیرِ نگاہِ تو شکار افتادہ ام
زاہدا جذب و کشش دارد چہ خاکِ میکدہ　　بارہا استادہ گشتم بار بار افتادہ ام

مشک در تاتار کیفی کے ابی از رو بہ زیگ

قدر من افزود تا دور از دیار افتاده ام

من نہ از گفتۂ بہماں و فلاں می گویم — آنچہ دارم بہ دلِ خویش ہماں می گویم
اے بسا من سخن از راز بہ خود می رانم — داوری ہائے جہاں را بہ جہاں می گویم
در دلِ آئینہ جوہر صفتم جلوہ نما — آنچہ از حال تو پیدا است ہماں می گویم
سر کنم زمزمۂ عشق و محبت شب و روز — نہ حدیثِ غم و اندوہ و فغاں می گویم

ہندیم حُبِّ وطن ہست سرورم کیفی
ایں سخن گرچہ بہ حرفِ صفہاں می گویم

نیست آساں بہ رہِ عشق تو قرباں بودن — تا ز ہر موئے تن آید نہ رگِ جاں بودن
ہست در قعرِ فنا گوہرِ محبوبیِ خلق — نیست آساں بخدا یوسفِ کنعاں بودن
جامہ شد جملہ قبا جوشِ جنوں است ہموں — کاش بودے پئے ہر چاک گریباں بودن
طرّہ بر طرّہ کشودو نہ و بے رفت ز دست — از خمِ زلف بیاموز پریشاں بودن
عشق ایمانِ من و حُسن پرستی دینم — اندریں حال چہ کافر چہ مسلماں بودن

ولہ

ببند دیدہ کہ آنست کفر و ایماں بیں — نظارہ کہ جہاں دیدہ است کم آں بیں
شگافتہ و چاک دلِ خستہ کے توانی دید — نگاہ تست ہمیں چاک جیب و داماں بیں
بہ کنہِ حق نہ رسیدہ ز علم می لافند — بہ خیرگی و دلیری نکتہ چیناں بیں
بیا بہ چشم و باز از گدا ز عشق ملاف — نہاں بہ پردۂ چشم ہزار طوفاں بیں
بہ حُسنِ نرگس و ریحاں چہ می فروشی دل — فگن بہ سینۂ سرو طرفہ تر گلستاں بیں
دل و جان بیقرارم تپد از غمِ جدائی — سزد ار ز مہر رویت بہ مریضِ خود نمائی
ہمہ تن غبار گشتم بہ رہت نثار گشتم — بہ ہوائے آں کہ گاہے سرِ رہ گزار آئی
ہمہ فخر و بے نیازی ہمہ غمزہ عشوہ سازی — من و عجز و راستبازی تو و ناز و کج ادائی
تو ز صدق دور گشتی ز ریا نفور گشتم — بہ تو زاہدا مبارک رہ و رسمِ پارسائی



کرنل سر کیلاس نراین ہاکسر۔ کیلاس

تو زدَیر چوں گسستی بہ حرم دل از چہ بستی   نہ ایں راز بر تو داشتند کہ خدمت در خدائی
ہمہ رند بیگساراں ز زمانہ رستگاراں   ق   بہ ولائے دوستداراں ز خلوص آشنائی
در میکدہ کشادند بہ گروہے بار دادند
بہ دروں خرام کیفیؔ کہ تو یار باصفائی

کیلاس۔ کرنل کیلاس نارائن صاحب ہاکسر۔ بی۔ اے۔ سی۔ آئی۔ ای
خلف پنڈت ہرنرائن ہاکسر صاحب

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۷۸ء میں بمقام دہلی ہوئی آپ کے دادا صاحب رائے بہادر پنڈت دھرم نرائن صاحب ہاکسر سی۔ آئی۔ ای اندور میں بعہدہ میر منشی صاحب ایجنٹ گورنر جنرل مامور تھے بعدہ چند سال تک گوالیار میں مہاراجہ مادھوراؤ صاحب سیندھیا کے اتالیق رہے اور بالاخر اسی شہر لشکر گوالیار میں رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ آپ کے دادا صاحب کی وفات کے تقریباً تین سال بعد آپ کے والد ماجد نے بھی یہیں انتقال فرمایا۔ کرنل صاحب موصوف نے وکٹوریہ کالج گوالیار سے امتحان بی۔ اے الہ آباد یونیورسٹی کا پاس کیا اور بعد سند یابی اسی کالج میں ۱۸۹۹ء لغایت ۱۹۰۲ء آنریری پروفیسر ہسٹری اور فلسفہ کے رہے۔ بعد ازاں ۱۹۰۳ء لغایت ۱۹۱۲ء آپ سرینت کیلاس باشی مہاراجہ مادھوراؤ صاحب سیندھیا کے پرائیوٹ سکریٹری رہے اور اسی درمیان میں آپ نے کچھ عرصہ تک عہدہ انڈر سکریٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کی خدمات بھی انجام دیں۔ ۱۹۱۲ء میں آپ پولیٹکل ممبر حضور دربار مقرر ہوئے چنانچہ ابھی تک آپ اسی عہدہ پر ممتاز ہیں مگر چند سال سے مہاراجگان ہند نے آپ کی قابلیت کی قدردانی فرماکر آپ کو بعہدہ ڈائرکٹر پرنسیز اسپیشل آرگنائزیشن مامور فرمایا ہے اور آپکی خدمات دربار گوالیار سے عاریتاً لے لی ہیں۔ اسی سلسلہ میں صاحب ممدوح نے

کئی بار انگلستان تشریف لیجا کر وہ کام انجام دئے ہیں جو فی زمانہ کسی پر مخفی نہیں ہیں آپ نے ریاست گوالیار میں جس قابلیت و محنت و جانفشانی و دیانت سے کام انجام دیا ہے اگر اُسکی تشریح کی جاوے تو اُس کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ حضور مہاراجہ صاحب بہادر کیلاس باشی آپ کو ایک انمول مددگار و جاں نثار اور ایک بے نظیر وفادار سمجھتے تھے جسکی تصدیق آپ کے ٹائیٹل مشیر خاص بہادر سے بھی ہوتی ہے۔ کرنل صاحب موصوف کو حضور کیلاس باشی شبانہ روز ایوان شاہی میں اپنے پاس ہی رکھتے تھے اور کسی وقت بھی اُن کو آپ کی جدائی گوارا نہوتی تھی۔ جس وقت کہ مہاراجہ مادھوراؤ صاحب فرمانروائے ریاست گوالیار نے بمقام پیریس اس جہان فانی کو پدرود کیا تو اُس وقت بھی کرنل صاحب موصوف حضور ممدوح کے پاس تھے بلکہ جہاں تک معلوم ہوا ہے حضور کیلاس باشی اُنہیں کے زانو پر واصل بحق ہوئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کرنل صاحب موصوف اپنے اوصاف حمیدہ کے خود ہی جواب ہیں آپ کو ذہانت و ذکاوت و فراست خداداد حاصل ہے جو انسانی کوشش سے میسّر ہونا دشوار ہے۔ آپ کی تحریر انگریزی بے نظیر ہے تو تقریر بے مثال ہے کسی صاحب نے آپ کی شان والا میں کیا خوب کہا ہے۔

آپ کے حسنِ لیاقت کی کروں کیا توصیف
قافیہ تنگ ہے میرا مری عاجز ہے زباں

اہلِ علم۔ اہلِ عمل۔ اہلِ ذکا۔ اہلِ خرد
اہلِ سیف۔ اہلِ قلم۔ اہلِ ہنر۔ اہلِ زباں

عقل سے علم سوا۔ علم سے ہے عقل فزید
آپ نازاں ہے جو وہ آپ پہ ہے وہ بھی نازاں

علم انگریزی میں وہ آپ نے پایا ہے کمال
کہ ہیں سب اہلِ فرنگ آپ کے آگے حیراں

جو یہاں آپ کو سر گرم تکلّم دیکھے
شہر لشکر پہ گذرنے لگے لندن کا گماں

آپ حل کردیں اگر عقدہ ہو مالا ینحل
آپ کی عقل غضب۔ فہم بلا۔ عمر جواں

آپ دربار میں اس طرح نظر آتے ہیں — جسطرح بزم میں ہو شمع - کہ ہو جسم میں جاں
آپ کی ذات سے ہے قوم کا بھی روشن نام — کریں کشمیریوں کے آپ یہاں پشتیباں
قوم کا فرض یہ ہے آپ پہ ہو دل سے نثار — کون ہے وہ جو نہیں آپ کے زیر احساں
آپ کو دیکھ کے ہوتی ہے مسرت دل میں — فکر و اندوہ کا رہتا نہیں پھر نام و نشاں
آپ کی دید سے بیمار غم اچھا ہو جائے — ناتواں دیکھے تو حاصل ہو اُسے تاب و تواں
آپ کے حق میں نکلتی ہیں دعائیں دل سے — ہر بنِ مو مرا کہتا ہے یہی ہو کے زباں
یا الٰہی رہیں جب تک یہ مہ و خور روشن — اور جب تک رہے گردش میں یہ چرخ گرداں
صورتِ باغ تر و تازہ رہیں آپ مدام — سایۂ عاطفتِ شاہ میں با امن و اماں
فتح و نصرت ہو پرستار ہمیشہ کے لئے — مہر اقبال رہے آپ کے گھر میں رخشاں
روز افزوں ہو ترقیٔ زر و عیش و طرب — شاد و آباد رکھے آپ کو ربِ دو جہاں
شاد سے بڑھکے نہیں کوئی لغت دفتر میں — چھان مارو جو جہاں ہند سے تا انگلستاں
لیکے برہان سے تا قاطع برہاں دیکھو — اسی اک لفظ میں مضمر ہے مرادِ دو جہاں
ناتوانوں کو توانا ہی مدد دیتے ہیں — شاد و آباد وہی رہتے ہیں بے ریب و گماں
جو کہ دیگا وہی لیگا یہ ہے اک امر بدیہہ — یہی قرآن کہے - یہ ہی کہے وید و پران
اُسکو سب کہتے ہیں داتا جو دیا کرتا ہے — اور داتا ہے وہی جو کہ ہے ربِّ دو جہاں
دو جہاں تک کہ بنے - دینا ہے فرضِ اعظم — لینا ہے کارِ زناں دینا ہے کارِ مرداں
مہر کی طرح جلال آپ کا چمکے دن بھر — ماہ کی طرح جمال آپ کا شب بھر تاباں

آپ کی استعداد علم فارسی کی بھی درجہ کمال کو پہونچی ہوئی ہے - آپ شاعر نہیں ہیں لیکن اپنی علمیت فطری ذکاوت سے جب کبھی آپ کو نظم لکھنے کا موقع پیش آیا تو آپ نے وہ اشعار موزوں فرمائے جو ہر آئینہ قابل قدر و لایق داد ہیں چنانچہ آپ کا کچھ کلام جو دستیاب ہوا ہے پیش کیا جاتا ہے -

نظم تہنیت وقت ولادت باسعادت ولیعہد مبارک یعنی حضور مہاراج جیواجی راؤ سندھیا بہادر

ہزاروں شکر لاکھوں شکر درگاہ الٰہی میں
کلی کے بعد پھول آیا نہالِ باغ شاہی میں

اک ایسا نور چمکا روزنِ دیوار شاہی میں
سپیدی گھول لی تقدیر نے اپنی سیاہی میں

سمندر کہ رہا ہے چپکے چپکے گوشِ ماہی میں
مبارک ہو خدا نے لعل بخشا قصر شاہی میں

کسر عزت کی کیا تھی اس سے پہلے تاجِ شاہی میں
اب اک طرّہ زیادہ ہوگیا ہے کج کلاہی میں

خدا نے پھل جو لکھا تھا نصیبِ عالیجاہی میں
بہاریں لیکے آخر آہی پہونچا باغِ شاہی میں

اک ایسا ناخدا آیا کہ دریا نے قسم کھالی
کہ اب میں ایک بھی کشتی نہ ڈالونگا تباہی میں

زوالِ تیرہ بختی کے لئے تعطیل ہے کچھ دن
قلم بھی اب کئی دن تک نہ ڈوبے گا سیاہی میں

دعا کیا موتیوں والیکے بیٹے کے لئے کی تھی
جو چلے کھینچ کر یونس رہے تھے بطنِ ماہی میں

خدا سے یہ دعا آٹھوں پہر کیلاس کرتا ہے
بسر ہو عمر یونہیں دامنِ دولت پناہی میں

مناجات

خدایا حالِ من غیر است اکنوں
دلم خستہ و بشکستہ تو پُر خوں تا

تراشایان کنی بر من ترحّم
مرا واجب کنم قطعِ تغشم تا

زمان بے بہائے عمرِ خود را
تصرّف کردہ ام بیکار و بیجا

عبث کردم فرامش وعدۂ خود
نکردم خیر در امکانِ من بود

حقیرِ کون را نعمت شمردم
عسل و افتہ سم را من بخوردم

کنونم شد زماں از دستائے وائے
سزد گر نالہ بر داریم چوں نائے

بعینِ نفس این بر بادیم کرد
مطیع و ساعیِ دنیائے دوں کرد

چناں در بند خود این زال پیچید
کہ یابم ہستیِ خود من بوا دید

تسلسل بوده است افعالِ مذموم ندانم چارهٔ از طالع شوم
ز تو دارم امیدِ رستگاری قلم در کش گناہم را تو باری
کنوں شرم آیدم از کردهٔ خود قصورم نیست شیطاں رہبرم بود
برفتم ہر کجا او رہبری کرد منِ گمراه را او گمرہی کرد
خداوندا ہدایت کُن تو مارا براهِ راست در آور تو مارا
که جز ذاتِ تو شافعیم کسے نیست مفر جز دستِ خاوندیِ تو نیست
نصیبِ من مکُن نارِ جہنم نجاتم وا دی ورو نیا چو از غم
چو فردا حال کردارم بپرسی مده پاداش اعمالم به ترشی
دعائے ما بجز اینست شاہا
که در آور براه راست اورا

گرامی۔ پنڈت شنکر جیو آخون۔ ساکن رعناواڑی سرینگر کشمیر

آپ نے پچھتر سال کی عمر پاکر سمت ۱۹۱۲ بکرمی میں وفات پائی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اُس وقت حکمراں کشمیر تھے۔

رباعی

خار خارے نیست از قاقم قناعت کیش را پشتِ تختِ بہر راحت بس بود درویش را
یک رباعی ہر کہ گوید گرامی ایں زماں چوں مسیحا می بَرد بر چرخ چارم خویش را
زاں شمع لالہ رخ ہمہ کس درد و داغ داشت شعر پروانہ خویش را زمیاں با چراغ داشت

غزل

نباشد شیوهٔ غیر از تحمّل بردبارا نرا زحرفِ سخت نتواں بُرد از جا کوہسارا نرا
نباشد درمیاں گر روئے ابر امروز میدانم جوابِ صاف خواہد داد ساقی بادہ خوارا نرا
گرامی با زبانِ حال شمع بزم میگوید

باشک و آه باید ساختن شب زنده داران را

چو آب حکم کسے در دیار ما جاریست
که خامه اش چو رگِ ابر در گہر باریست

زبخت خون دلم چشم یار دانستم
که ترک آب گرفتن دلیل بیماریست

ہزار داغ فلک خود ز اختراں دارد
ترا توقع مرہم ز چرخ زنگاریست

ہمیشه برلب فواره ایں سخن جاریست
که اوج دولت دنیائے دوں نگونساریست

ولہ

روشنم گردید ایں معنی ز گردِ کارواں
وقت رفتن زیں جہاں ہر کس مکدّر میشود

از پر طاوس ایں معنی گرامی روشن است
ہر که دارد بخت سبزے صاحب زر میشود

ولہ

نے ہمیں از زلف او کارم بجاں افتاده است
دل به آں چاہِ ذقن زیں ریسماں افتاده است

ہیچکس بے داغ از دستِ بتانِ ہند نیست
آتشے زیں دودماں در ہر طرف افتاده است

شمع آساں ایں رہِ تاریک باید کرد صاف
چوں بگردن رفتن ہندوستاں افتاده است

شب اگر راہِ عدم دشوار بس یاراں چرا
در پئے ہم کارواں در کارواں افتاده است

ہمچو نارنجے که ہر فواره بگذارد کسے
خوف آں خودسر گرامی بر زباں افتاده است

بساں شمع کافوری نه تنہا گریه شب کردم
چناں از سرد مہری ہائش افسردم که تب کردم

ندارم غیرِ وصفِ چشم خوباں بر زباں حرفے
جدا چوں توامِ بادام از ہم تا دو لب کردم

گرامی میگزم زاں روئے انگشت ندامت را
که در ہنگام مستی از لبش بوسه طلب کردم

نگسلد چوں گہر و رشته گرامی از ہم
ہست پیوند سر زلفِ بتاں با سر ما

واسوخت مسدس بمنزله سراپا

اے سہی سروِ خیال قدِ تو یار من است
جلوهٔ ناز تو آرام دل زار من است

سر کنم شکوه که زلفِ تو در آزار من است
عشوه با غیر و تغافل ہمه در کار من است

بر من ایں جور و ستم اے شہِ خوباں تا چند
لطف کن لطف کہ بربادِ تو باشم تا چند

ماہ من رشکِ قمر چہرۂ تاباںِ تو شد   نورِ خورِ فلک از جبہۂ رخشاںِ تو شد
دین و دل باختۂ نرگسِ فتّانِ تو شد   چشمِ آہو ہدفِ ناوکِ مژگاں تو شد

اے ہلال ابروے خورشید لقا مہر نما
دردمندم نگہے از تو مرا ہست دوا

سرمۂ چشم تو من عین بلا می بینم   وسمۂ ابروئے تو ہوش ربا می بینم
نوکِ مژگانت سرِ خارِ جفا می بینم   عشوہ ات رخنہ گرِ قصرِ وفا می بینم

گوشۂ چشم تو آہوئے حرم کرد شکار
چشمِ عنبر شدہ حیران و گرفت است خمار

رنگ گلگونہ ات اے شوخ صنم رشکِ چمن   خالِ مشکینِ تو شد داغِ غزالانِ چمن
حسنِ جاں بخشِ تو زینت دہِ خوبانِ زمن   کے تواں گوشِ ترا کرد لقب برگِ سمن

بُنِ گوشِ صدفیں رنگ ترا بندہ شوم
طرزِ جیبائی و نیرنگِ ترا بندہ شوم

بینیت برگِ گلِ گلبنِ نازست و ادا   معنیِ شقّ قمر گشت ہویدا آنجا
غنچہ تنگ است بہ پیشِ دہنِ تو گویا   زاں سبب چاک گریباں زند از بادِ صبا

لبِ لعلت ز سخن دُر چکد لعلست و گہر
دُرِ دندانت ز یاقوت لبانت خوشتر

از زبانت چہ دہم شرح کہ گلبرگِ تر است   نمکِ خندۂ تو چاشنیِ گل شکر است
بوسہ ات روح فزا تر ز نسیمِ سحر است   ذقنت نخلِ بہی را ز نکوئی ثمر است

زلفِ پیچاں ترا دامِ بلا می بینم

گروت قبۂ از چشمِ صفا می بینم

ہست آغوش تو چوں باغ جنان پُر ز سرور   بدنِ نازکت از زینت و زیں غیرتِ حور

بر دو دوشے بصفا باد گزند از وے دور   گرد از چاکِ گریبانِ تو خورشید ظہور

سرورا بار نباشد ز قدت شد پیدا

از دو پستانِ مصفا دو ترنج زیبا

تحفت از قند زد و قاقم بخدا یاد دہد   عرقت شبنم گلبرگ صبا یاد دہد

چاکِ پیراہنت از نور و ضیا یاد دہد   سینہ ات آئینۂ تازہ جلا یاد دہد

نارپستانِ تو افشرد دلم اے رعنا

ساعدت مشعلِ نور است مرا راہ نما

پنجہ ات پنجۂ خورشید جہاں افروز است   پر از حنائے کف تو رنگ شفق فیروز است

ناخنت تاب دہِ ماہ شبِ نوروز است   شکمت گردۂ مہ را ز صفا جانسوز است

ناف را گر بہ ہد نسبتِ چشم آہو

خامہ باریک شود از کمرت یکسر مو

درمیان دو سرینت کہ بلور ناب است   ناخنے سر زدہ پنہاں و خفی نایاب است

دستۂ فشردن از ساق تو بس بے آب است   و ز کف پات جگلو ہم کہ سر سنجاب است

سایہ ات نور دہِ عالمِ بالا باشد

موشے کو کہ باین حسن و سراپا باشد

وصف خوبیت ہمیں بود کہ کردند نہاں   در اماں باشی بہ الطاف خداوند جہاں

دارد از لطف گرامی ز تو امید نہاں   بگذر از جور و جفا مہر و وفا کن اے جاں

دل خوشم ساز نیاز سے ہمہ اندازے

بہ نگاہے سخنے عشوۂ جاں پردازے

شامه پیرائے دماغ دگرانت بینم　　پرتو شمع و چراغ دگرانت بینم
مئے گلرنگ ایاغ دگرانت بینم　　مایۂ عیش و فراغ دگرانت بینم

مثنوی در زینت بادشاه

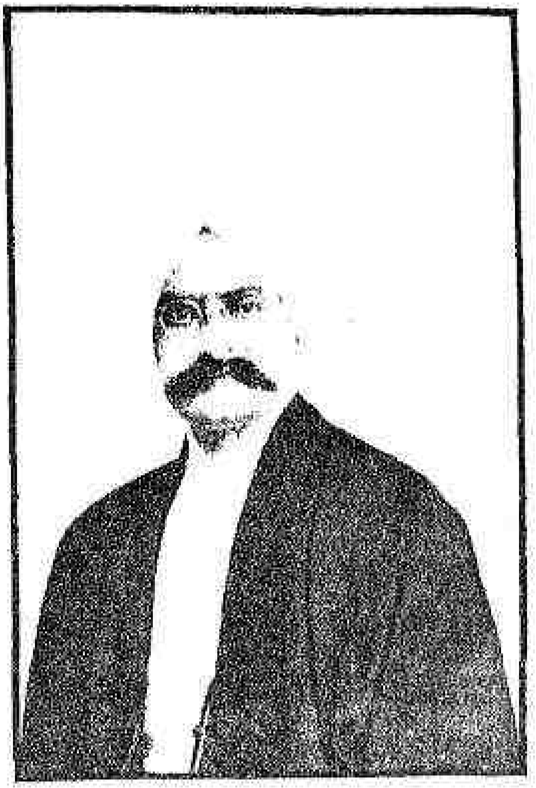
سحرگه چوں ز شیر آتشیں دم　　گوزن و گور کرد از آسماں رم
شکار افگن شکار افگن بہر سو　　فرس را کرد مہمیز تکاپو
خدنگش حلقه بسته گرد آہو　　چو مژگاں گرد چشم آں کج ابرو
غزالے دید ناگه در تگ و تاز　　چو چشم خود سراپا شوخ و طناز
دل صیاد صید گردن او　　شکار آہوئے شیر افگن او
به نخچیرش شهنشه آرزو کرد　　سمند شیر پیکر گرم پو کرد
غزال از هیبت آں شیر بدست　　بوحشت زاں شکارستاں بروں جست
شه از دنبال او گرم تگاپو　　رواں آہو رواں شه در پے او
رم آہو بچشمش گردے انگیخت　　تو گوئی سرمۂ افسونگراں ریخت
بگرد دشت گشت و کوه بنوشت　　نه از کوهش نشانے یافت نه از دشت
در آں حسرت که نیمے رفت از روز　　ز گرمی شیر گردوں شد جہانسوز
فلک قاروره آتش فشاں شد　　بیاباں کوزۂ مینا گراں شد
لبش کز تشنگی چوں کوزه تفتید　　زبانش چوں خزف در کوزه بکپید
چناں از جوش دل آمد بفریاد　　که آہوئے رمیده رفتش از یاد
در آں وادی که دشت پر بلا گشت　　ز بے آبی شہید کربلا گشت
نه دریائے رواں جز چشم پر آب　　نه آبے در میاں جز قطرۂ آب
قضارا دید خوش بنگلہے از دور　　بنا مینزد چو باغ خلد پر نور
سبک رو اسپ چوں باد سحر کرد　　نسیم آسا براں بستاں گذر کرد

بہر سو باغ را میگشت و میدید — گل امید از ہر شاخ میچید
چمن گاہش فرح بخش دل تنگ — شگفته ہمچو باغ حسن صد رنگ
نشسته زیر شمشادے که بود — بسانِ عاشقے در پائے دلبر
ہنر پروردہ پیرے نغز گفتار — ز نخل عمر برخوردار سرشار
بگفتش اے گلِ گلزار خوبی — غلام سرو آزادِ تو طوبی
چہ نامے نامدارم می نمائی — چہ کامے کامگارم می نمائی
ملک گفتش کہ اے پیر نکوفن — سپاہی مردے از فوج شہم من
بنخچیر آمدم با شہ سحرگاہ — نگندم صیدہا در مطرحِ شاہ
غزالے دیدم از بیغولہ تنگ — فرس کردم بصیدش تیز آہنگ
پلنگ آسا بداں آہو دویدم — چو عنقا گردے از راہش ندیدم
بر وبہ بازیِ آں صید طنّاز — فتادم از رکاب خسروی باز
ز رنجِ راہِ دور و تابِ گرما — وے از آب دادم ناشکیبا
ز روے لطف بالب تشنگاں ساز — دریں گرمی بہ آبِ سرد بنواز
رواں شد در زماں پیرِ سبکبار — ز شاخِ ناربن برچید یک نار
لبالب کرد جام از شربت نار — بدستِ شاہ داد آں جام سرشار
بخورد از دست خضر آبِ حیاتش — رواں شد آب در جوئے حیاتش
زمانے رفتہ گفتش اے کہن زاد — ز بارِ غم دلت چوں سرو آزاد
برِ باغت کہ شیریں تر ز قند است — زکاتش سوئے دیواں گو چند است
بگفتا شاہ نیکو نیت افتاد — رعیت از چنیں بند است آزاد
چو شہ بشنید اندیشید زیں پس — اگر بیش و کمی گیرم ز ہر کس
فراہم میشود بے رنج گنجے — زراعت پیشہ را زاں نیست رنجے

پس آنگه رفتن ره کرد تدبیر   بمنّت خواست جام دیگر از پیر
گران تمکین سبک از جائے برجست   بخدمت همچو ساقی جام در دست
به آئین نخستیں چند نارے   که ز آبش پُر کند پیمانه بارے
نه جائے کفایت کرد آبش   جگر خوں شد چو نار از اضطرابش
گرفت از نار بن یک نار دیگر   دہاں کاسه نصفے هم نشد تر
چنیں از شاخ چندیں نار برچید   بر ویش هم لب ساغر بخندید
زد از حیرت زمانے دست بر دست   بناکامی ز پائے نخل برجست
برِ شه نار در دل شد روانه   گرفته برکف آبِ نار دانه
بنوشانید جامش کام ناکام   خود از اندوه خوں میخورد چوں جام
شهنشه نیز هم زاں شربتِ کم   بلب گر خورد از دل خورد برهم
بدو گفت اے چو من صد تشنهٔ آب   ز شربت خانهٔ جودِ تو سیراب
دریں نوبت بفرما بر چه تقدیر   تو خود دیر آمدی و کاسه باسیر
جوابش داد پیرِ نغز گفتار   که اے معنی رسِ ماهیّتِ کار
نکرده حرفهٔ من یا چوں تو مهماں   ز شرمت درگذر در شیرهٔ جاں
ولیکن ماجرائے کار اگر هست   بگویم با تو بر نوع دگر هست
که در اول شدم یک نار چیدم   ز آبش جام را سیراب دیدم
کنوں از یک رساندم کار تا ده   تهِ ساغر نیامد پُر زماده
ازیں نیرنگِ رنگ اندره پریدم   برنگِ نار دل در بر کفیدم
بپرسیدش که اے پیرِ کهن سال   چه باشد باعثِ تبدیلِ ایں حال
بگفتا اے جوانِ نیک محضر   یقیں دانم که شاهِ عدل پرور
بدل اندیشهٔ بیداد کرد است   دلِ دولت ز خود ناشاد کرده است

فلک رانیت بہ نارے افروخت — کہ آب اندر عروق ناربن سوخت
چو بشنید ایں سخن زاں پیر دلریش — پشیماں گشت از اندیشۂ خویش
کہ از خود کامی از جویم چنیں کام — نہ بید خام خونم باد در جام
زباں بار دگر بکشاد از بند — بخواہش گفت اے نخل برومند
سبک برخیز از جا پا برہ نہ — گراں گر نایدت جام گراں دہ
رواں شد سوے نخل نار چوں آب — کہ برگیرد ز آب نار جلاب
چو جوے عدل جاری شد دگر باز — قدح لبریز گشت از آب یک بار
زشادی باز آمد پیش مہماں — شگفتہ چوں گل و چوں نار خنداں
لب ساقی چو خنداں دید چوں جام — بشکر عدل شکّر ریخت از کام
بشد جام از کف ساقی و نوشید — بشکرانہ کف دستش ببوسید
چو از احسان خویشم شاد کردی — ز بند تشنگی آزاد کردی
کنو دارم امید اے نکتہ پرواز — کنی واقف مرا بر رمز ایں راز
بگفتش اے جوان معرفت جو — نکو رائے و نکو روئے و نکو خو
مگر نشنیدی از پیر سخن سنج — تو ایں پند گرامی چوں ز صد گنج

چو نیت نیک باشد پادشا را
گہر خیزد بجاے گل گیا را



دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول ۔ گلشن

گلشن - دھرم رتن دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب

خلف پنڈت دوارکا ناتھ کول صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پنجاب نبیرہ دیوان پنڈت شنکر ناتھ صاحب کول جھرالائی رئیس و آنریری مجسٹریٹ لاہور

آپ کی ولادت ۴ جنوری ۱۸۸۰ء کو لاہور میں ہوئی۔ ۱۸۹۹ء میں ایف اے کا امتحان فارمن کرسچین کالج لاہور سے پاس کیا۔ ۱۹۰۱ء میں بوجوہات خانگی آپ کو کالج چھوڑنا پڑا۔ اور بی۔ اے کی ڈگری آپ حاصل نہ کرسکے۔ آپ پنجاب کے نامی خاندانی رؤساء میں سے ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں پنجاب گورنمنٹ نے ڈویژنل دربار کی کرسی کا اعزاز آپ کو عطا فرمایا ۱۸۹۰ء میں گورنمنٹ عالیہ نے ضلع لاہور میں ایک ہزار ایکڑ آراضی کا آسان شرائط کا پٹہ بیس سال کے لئے پنڈت پریم ناتھ صاحب فرزند اکبر دیوان پنڈت شنکر ناتھ صاحب کو ان کے والد مرحوم کی وفادارانہ خدمات کے صلہ میں عطا کیا تھا۔ اس جنگل کو آباد کرکے موضع کا نام پریم نگر رکھا گیا اور ۱۹۰۹ء میں جناب گلشن نے اس کی ملکیت حاصل کی۔ آبادی سے ایک میل کے فاصلہ پر ریلوے اسٹیشن بھی موسوم بہ پریم نگر ۱۹۱۳ء میں قائم ہوگیا ہے۔ پریم نگر میں ڈاکخانہ اور مدرسہ آپ ہی کی توجہ سے قائم ہوا۔ اور علاوہ ایک کوٹھی اور باغ کے رفاہ عام کے لئے آپ نے ایک تالاب آٹھ چاہات آبنوشی اور ایک شادی خانہ بھی تعمیر کرایا ہے۔ ماسوا اسکے آپ نے سناتن دھرم کالج لاہور کی لائبریری اور سرسوتی بھنڈار اٹاوہ کے پنشن آلیہ کی تعمیروں اور فراہمی کتب میں۔ اور کشمیری پنڈتوں کی دھرم شالاؤں کی تعمیروں میں جو بمقام اٹاوہ جمنا گھاٹ اور ہردوار اور نیز بندرابن ملحقہ ٹھاکر دوارہ آنندی بائی واقع ہیں زر کثیر صرف کیا ہے۔ امرتسر میں بٹ کھوکے شوالہ کشمیری پنڈتان کے فنڈ۔ دریائے راوی کے قریب جاجج گئوشالہ لاہور کے فنڈ۔ کانگڑہ بھگوتی کے نئے مندر کے تعمیری فنڈ اور کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن

لاہور کے قومی اخبار۔ تہوار اور سالانہ جلسوں کے انعامات۔ تعلیم اور یتیمان و بیوگان کے امدادی فنڈوں میں کافی روپیہ دیا ہے۔ سناتن دھرم کالج لاہور میں آپ کے ۱۹۱۹ء کے ایک مستقل فنڈ سے ۵ ماہوار کا وظیفہ ایف۔اے کلاس کے ایک مستحق طالب علم کو ہر سال دیا جاتا ہے اور آپ کورکشیتر کی کشمیری پنڈتوں کی دھرم شالہ میں ستیہ نارائن کا ایک مندر بھی عنقریب تعمیر کرانے والے ہیں جس کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔

نیز آپ نے کنگ ایڈورڈ میموریل فنڈ لاہور کو ۱۹۱۰ء میں۔ کارونیشن سیلیبریشن فنڈ کو ۱۹۱۱ء میں۔ پنجاب امپیریل انڈین ریلیف فنڈ کو ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۹ء میں۔ پنجاب ایئرو پلین فلیٹ فنڈ کو ۱۹۱۵ء میں۔ موٹر ایمبیولینس فنڈ کو ۱۹۱۶ء میں۔ بسنت جارج ایمبیولینس لوکل کمفرٹس فنڈ کو ۱۹۱۶ء میں۔ لیڈی او ڈائرز پنجاب کمفرٹس فنڈ کو ۱۹۱۸ء میں۔ اول و دوئم انڈین وار بونڈ کو ۱۹۱۸ء میں۔ لیڈی چیمز فورڈ میٹرنٹی اینڈ چائلڈ ویلفیئر لیگ کو ۱۹۲۰ء میں۔ پرنس آف ویلز ریسپشن فنڈ کو ۱۹۲۲ء میں اور وائسرائے کے جاپان ریلیف فنڈ کو ۱۹۲۳ء میں اپنے چندوں سے بہت کچھ امداد پہنچائی ہے۔

دیوان صاحب اپنے عقیدہ میں اعلیٰ درجہ کے سناتن دھرمی۔ مخیّر۔ ہمدرد اور منکسر المزاج ہیں ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۵ء تک سناتن دھرم سبھا لاہور کے آپ وائس پریسیڈنٹ رہ چکے ہیں اور ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۳ء تک آپ نے پنجاب بینکس ایسوسی ایشن کے آنریری اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدہ کی خدمات انجام دی ہیں۔ سناتن دھرم کالج لاہور کی مینیجنگ کمیٹی کے ممبر آپ پانچ سال رہے اور ۱۹۱۹ء سے اس وقت تک شری سنسکرت پستک آستی سبھا اٹاوہ کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے پریسیڈنٹ ہیں ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۰ء میں کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کے بھی آپ پریسیڈنٹ رہ چکے ہیں۔ کیمپ ٹیمپرینس لیگ۔ پنجاب برہمن سبھا۔ سناتن دھرم سبھا اور کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کے سالانہ جلسوں کی صدارت کا اعزاز آپکو حاصل ہو چکا ہے۔

۱۹۳۰ء میں شری بھارت دھرم مہامنڈل بنارس نے آپکو "دھرم رتن" کے خطاب کا اعزاز بخشا ہے۔

آپ کی زوجہ محترمہ آنریبل پنڈت بشمبر ناتھ صاحب عرف صاحب ایڈوکیٹ الہ آباد کی پوتی ہیں اور آپ کی اکلوتی دختر پنڈت مدنموہن ناتھ رینہ ایم۔اے۔ایل ایل۔بی ایڈوکیٹ الہ آباد و خلف پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر کو منسوب ہیں۔ آپ نے بنگلہ نمبر ۱۰ البرٹ روڈ الہ آباد موسوم بہ "سرسوتی نواس" خرید لیا ہے اور ۱۹۳۱ء سے آپ مستقل طور پر الہ آباد میں سکونت پذیر ہیں۔

آپ کو شاعری کا شوق یوں تو کالج کی تعلیم کے زمانہ ہی سے تھا مگر جب سے آپ نے الہ آباد کو اپنا مستقل قیام گاہ قرار دیا اس شوق میں ترقی ہوتی گئی چنانچہ ۱۹۲۲ء و ۱۹۲۳ء میں دو عالیشان مشاعرے آپ نے اپنے بنگلے پر منعقد کئے جن میں منتخب شعرائے دہلی و لکھنؤ و دیگر مقامات کے شریک ہوئے تھے۔ جو لطف اُن مشاعروں میں حاصل ہوا تھا وہ ابھی تک ساکنان الہ آباد کے دلوں میں تازہ ہے۔ آپ کی شاعری کا ایک خاص رنگ ہے اور اُس رنگ میں آپ خوب کہتے ہیں۔

آپ کی تصنیفات "پیام گلشن بہ مشتاق جام"، "اتفاق"، "مختلف کھیلوں کے کھلاڑی"، "وطن کی کہانی"، "خطاب بہ بھارت"، "خطاب بہ کشمیری پنڈتان" اور کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کی چار صدارتی تقریریں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

۱۹۰۱ء میں راماین اور مہابھارت کی کتھا کے متعلق ایک بند آپ نے کہا تھا وہ درج ذیل ہے

کتھا رام/کرشن جی کی کہانی نہیں ہے
طبیعت کی خالی روانی نہیں ہے

رہائی کے طالب کا رہبر وہی ہے | امر کے شجر کا بھی اک بر وہی ہے
مصیبت کو کاٹے جو خنجر وہی ہے | حقیقت کے عاشق کا دلبر وہی ہے

جو دم بھر کرو رام/کرشن کی یاد جی سے
بجھائے بجھیگی نہ یہ لو کسی سے

سخن

الفاظ کے ہر پردہ میں مانند بوئے گل
رہتے ہیں چھپے رازِ حقیقت کے معانی
جب دل سے کرو ساز تو وہ سوز ہو پیدا
کھل جائے درِ گلشنِ اسرارِ نہانی

لفظ سخن تین حروف س - خ - ن سے مرکب ہے۔ اگر س سے مراد سرچشمہ خ سے خیالات۔ ن سے نفیس ہو تو سمجھنا چاہئے کہ

سخن نفیس خیالات کا سرچشمہ ہے

دہن میں آدمی کے ہے سخن گویا زباں ہوکر
سخن الفاظ کے پیکر میں ہے روحِ رواں ہوکر

سخن رہتا ہے دائم مرشدوں کا اک نشاں ہوکر
سخن کے پھول کھلتے ہیں گلستاں بوستاں ہوکر

خدا کا حکم کُن بھی اک سخن تھا جسکی قدرت سے
نہاں ارض و سما جو تھے نظر آئے عیاں ہوکر

سخن واعظ کا کرتا ہے اثر پیدا ہر اک دل میں
کبھی ایمان و دیں ہوکر کبھی وہم و گماں ہوکر

دلِ دشمن کو کرتا ہے سخن تسخیر دم بھر میں
محبت قطع کرتا ہے کہیں "تیغِ زباں" ہوکر

جداگانہ سخن کا جلوہ ہے معشوق و عاشق میں
ادھر ہے آفتِ جاں تو ادھر آرامِ جاں ہوکر

سخن سے جبکہ ہو جاتا ہے طاری وجد کا عالم
بیاں کچھ کر نہیں سکتے وہ حالت ہم زباں ہوکر

سخن ہی کا دھواں تھا جو گھٹا تھا اُٹھ کے سینے میں
دلِ مظلوم سے نکلا وہی آہ و فغاں ہوکر

سخن ہی ہے جو بھڑکاتا ہے اک شعلہ عداوت کا
وہی دیتا ہے پیغامِ محبت درمیاں ہوکر

کبھی بے پردہ ہوتا ہے وہ بنکر رہنما سب کا
کبھی پردے میں آتا ہے سخن اک رازداں ہوکر

شگفتہ ہیں جو گلہائے سخن علمی گلستاں میں
بنے اُن کی بوئے مستانہ کا شیدا باغباں ہوکر

سخندانانِ نامی جن پہ ہم کو ناز ہے ابتک
رہے ہیں اس سخن ہی کی زمیں پر آسماں ہوکر

یہ وہ جوہر ہے جسکے جوہری ہی قدرداں دیکھے
صلہ شاہوں سے پایا ہے سخن نے مدح خواں ہوکر

سخن ہی اک دعا ہے اور سخن ہی بد دعا بھی ہے
سخن کلمہ ہے جو زیبِ گلو ہے حرزِ جاں ہوکر

سخن اک سچا وعدہ ہے جو ہر گز ٹل نہیں سکتا
سمجھ کر قول دے پھر جو مناسب جان جاں ہوکر

سخن کندہ نہیں ہے گر تو سکہ بے حقیقت ہے
حقیقت میں سخن ہے حکمراں شاہ جہاں ہوکر

سخن ہی کی کسوٹی پر بشر کو لوگ کستے ہیں
کھرا کھوٹا نکل آتا ہے آخر امتحاں ہوکر

مرید و پیر جو پاس سخن کرتے ہیں دنیا میں
چمکتے ہیں وہی روشن ضمیران زماں ہوکر

سخن بینو! سخن فہمو! سخن سنجو! سخندانو!
یہ ہے وقت مدد رہیے سخن کے پاسباں ہوکر

سخن گنجینہ ہے گلشن خیالات نفیسہ کا
لٹاؤ جتنا تم چاہو بڑھے گا بیکراں ہوکر

ناروا بھی ہمکو ناصح سب روا ہو جائیگا
جب کبھی دل اپنا راضی برضا ہو جائیگا

قرض جس جس کا ہے دینا جب ادا ہو جائیگا
قید سے قیدی بھی اپنی لبس رہا ہو جائیگا

دل مرا جب رازِ حق سے آشنا ہو جائیگا
اُس کا میں ہو جاؤنگا اور وہ مرا ہو جائیگا

خاک میں جب مل کے تو بھی خاک سا ہو جائیگا
سہل تر منزل کا تیرا راستہ ہو جائیگا

دل کا آئینہ ترا جس دم صفا ہو جائیگا
عکس وحدت دیکھ کر اُس میں فدا ہو جائیگا

جب نشان بے نشاں ڈھونڈھے گا اپنے دل میں تو
ہو کے روشن داغ دل خود رہنما ہو جائیگا

لوح دل سے جب دوئی کا نقش تو دیگا مٹا
لطف دنیا خود بخود سب بے مزہ ہو جائیگا

کیا رہیگا بجز دل بے درد خود غرضوں کے پاس
دل سے درد اور درد سے جب دل جدا ہو جائیگا

نغمۂ دلسوز سننے کو بھی ترسینگے یہ کان
ایک دن جب سازِ ہستی بے صدا ہو جائیگا

خواہشوں کا اک عجب پتلا ہے انسان لطیف
جب ہوس بجھ جائیگی وہ بھی ہوا ہو جائیگا

چشم باطن سے کریگا اپنی جانب جب نظر
تجھ پہ ظاہر زندگی کا مدعا ہو جائیگا

اسقدر ہے محو غفلت کچھ نہیں تجھکو خبر
کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو جائیگا

بندۂ عاصی کو گلشن وقت کا ہے انتظار
جب خودی کو چھوڑ دیگا خود خدا ہو جائیگا

نئی تدبیر سے بنتی ہوئی تقدیر دیکھیں گے — جب آئینہ میں دل کے یار کی تصویر دیکھینگے
اِدھر کھینچ آئینگے خود یا وہ کھینچینگے اُدھر ہمکو — کشش کیسی دل کی کتنی ہے یہ اب تاثیر دیکھینگے
مقابل ہوں خمِ ابرو کے کیونکر روبرو آنکے — سرِ تسلیم خم کر دینگے جب شمشیر دیکھینگے
نہیں سُنتے جو میری زندگی میں بات تک میری — مرے مرنے کے پیچھے کیا مری تحریر دیکھینگے
نکلکر ہم تو گلشن جا رہے ہیں کوئے جاناں سے — دکھائیگی ہماری جو ہمیں تقدیر دیکھینگے

جب ہاتھ دھو کے بیٹھے ہیں دنیا میں دیں سے ہم — ہیں تو سبھی جہاں میں مگر ہیں نہیں سے ہم
گھر اس نے لاکھوں پھونکے۔ کلیجے جلائے ہیں — بس دُور کیوں نہ بھاگیں مئے آتشیں سے ہم
در پردہ راہبر وہ رہ جلوہ گر بنتا — بے پردہ تاکہ مل سکیں پردہ نشیں سے ہم
خود جال ہم بنا کے پھنسے مثلِ عنکبوت — باندھا کسی نے ہے نہ بندھے ہیں کہیں سے ہم
اس آس میں کہ ہو کبھی ہم پر نگاہِ مہر — جی سے لگائے بیٹھے ہیں لَو مہ جبیں سے ہم

اختر فلک پہ جیسے دُرخشاں ہیں رات دن
چمکیں گے اس زمین پہ گلشن نگیں سے ہم

نہیں ہیں بے قیامت آفرینش اُسکی یہاں میں — وہی ہے درد کا درماں وہی ہے درد درماں میں
نہ گھبرا عیش کے مفتوں کبھی رنج و مصائب سے — کہ راحت کا ہے پنہاں راز غم کے ساز و ساماں میں
بہارِ عیش کا آخر خزانِ غم پہ ہوتا ہے — یہی پژمُردہ گُل کہتا تھا بلبل سے گلستاں میں
جو گُل ہیں خوشنما ان میں نہیں ہے نام کو خوشبو — محبت سے ہے خالی دل کا ساغر چرخِ دوراں میں
مثالِ آب و روغن یہ جدائی تو نہیں اچھی — تعلق کیجئے پیدا کہ جیسا ہے تن و جاں میں
جہاں کے آئینہ میں دیکھ کر نقشے میں حیراں ہوں — کوئی خنداں۔ تو روتا ہے کوئی حالِ پریشاں میں
ہر اک اپنی جگہ سے جا رہا ہے بامِ ترقی پر — مخل کوئی کسی کے کیوں ہو راہِ دین و ایماں میں
سمجھ کا پھیر ہے اس کی نہ سمجھے گر کوئی انساں — نہ کچھ مشکل ہے مشکل میں نہ آسانی ہے آساں میں

ہر اک کا درس باقی تا دمِ آخر رہا۔ گلشن
نہیں کامل ہوا کوئی بھی دُنیا کے دبستاں میں

چمن کو من کے سینچو رے سے گلشن پریم کا پانی
کھلیں گے خوشنما گل اور خوشبو دار و لاثانی
تکبر کی جھلک ہر بات سے اُن کی نمایاں ہے
کریں گے خاک وہ اپنے دیر دل کی نگہبانی
کسی کی رہبری کیا کر سکیں گے خود جو گمرہ ہیں
کبھی اندھے نے بھی کی ہے کسی اندھے کی دربانی
پرانے چونہ مٹی کی عمارت مثلِ آہن ہے
سمجھ کر قدر کر تو اے نئی بنیاد کے بانی
دلوں کا انقلاب ایسا ہوا ہے اس زمانے میں
نہیں سنتا کسی کی کوئی سب کرتے ہیں من مانی
دلِ روشن وہ ہے جو جان لے اک رازِ عالم کو
وہی ہے چشمِ بینا دیکھ لے جو راہِ حقانی

سخن سے اس قدر نا آشنا ہوں دُور ہے مجھ سے
سخن گیری سخن دُزدی سخن سازی سخن دانی

ستارا جبکہ روحانی بلندی پر دُرخشاں تھا
نہ جھگڑے تھے نہ فکریں تھیں نہ دل میں کوئی ارماں تھا
تلاشِ گوہرِ مضموں میں تھا بحرِ تفکّر میں
جب اُبھرا اس تلاطم سے تو دیکھا اک گلستاں تھا
عدالت جب تھی عادل کی تو دل ہی دیکھے جاتے تھے
گرانبارِ گنہگاری سے دل۔ دل ہی میں لرزاں تھا
بشر شر سے بھرا ہے اُنس ہو تو جانئے انساں
بگاڑا حضرتِ آدم کو جس نے دل ہی شیطاں تھا
نہ جانا زندگی کا مدّعا جس نے تو کیا جانا
گیا جو وقت غفلت میں نہ ہونا ہو یکساں تھا
دگرگوں ہو گیا رنگِ رُخِ عاشق مگر پھر بھی
زباں سے اُف نہیں نکلی کچھ ایسا دردِ پنہاں تھا

سخن گیری سخن سازی سخن دُزدی تھی دُور اُس سے
مگر پاسِ سخن تھا اس لئے گلشن سخن داں تھا

وہ گُل میں مثلِ بُو ہے وہ نور میں ضیا ہے
ہو کر عیاں نہاں ہے یہ طرفہ ماجرا ہے
کرتا بشر وہی ہے ہوتی ہے جیسی خواہش
ہوتا ہے دل میں جیسا ویسا ہی دیکھتا ہے
ملتی ہے رنج و راحت اُتنی ہی ہر کسی کو
جتنا کہ اُس کا جس سے دُنیا میں واسطا ہے
صورت جہاں میں جیسی ہے مختلف ہر اک کی
ویسی ہی ہر کسی کی قسمت جُدا جُدا ہے

راحت کو ڈھونڈتے ہو گلشن عبث جہاں میں
اس دہرِ بے وفا میں کیا رنج کے سوا ہے

ہوا ہو دردِ دل جس سے مسیحا وہ دوا دینا — میں خود کو بھول جاؤں کوئی ایسی مے پلا دینا
مصیبت دے تو قوت جھیلنے کی اے خدا دینا — کمالِ عشق پر پہونچا کے سولی پر چڑھا دینا
جہاں کی جس قدر مصروفیت ہیں انکو کم کر کے — خدا کی راہ میں بھی وقت و دولت کچھ لگا دینا
زباں سے بات جب نکلی تو پھر آتی نہیں واپس — بہت مشکل ہے تحریرِ قلم کو خود مٹا دینا
بُرا تھا یا بھلا دُنیا سے اب تم جانے والے کی — بھلائی یاد رکھنا اور بُرائی کو بھلا دینا
بہت مشکل ہے کارِ ترکِ دُنیا حضرتِ انساں — اسی مشکل کو آساں کر کے ہے لازم دکھا دینا
بہار آخر ہوئی دَورِ خزاں بھی چند روزہ ہے — پیامِ گُل یہی بلبل کو اے بادِ صبا دینا
اگر واقف نہیں ہو تم کہ کیا ہے فرضِ انسانی — تو سن لو خوابِ غفلت میں جو سویا ہو جگا دینا
ترے در پر بھٹکتا کوئی تشنہ لب جو آ نکلے — محبت سے بھرا اک جامِ اُلفت تو پلا دینا

تو شاکی کیوں ہے شاکر رہ رضائے حق پہ اے گلشن
سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے گردن جھکا دینا

ہر گُل اک آئینہ ہے عروسِ بہار کو — حیراں ہے اپنے دیکھ کے نقش و نگار کو
ہم نے جہاں میں شادی و غم دیکھے اس طرح — دامانِ گُل میں جس طرح پیوستہ خار کو
تقدیر جب بُری ہو تو تدبیر کیا کرے — کوئی کبھی مٹا نہ سکا ہونہار کو
گنجینہ حق کے راز کا ہے قفلِ دل سے بند — ملتا کلیدِ عشق سے ہے راز دار کو
سیرِ جہاں سے سیر ہے کیوں دل یہ پوچھئے — دیکھا ہے جس نے جلوہ دیدارِ یار کو
قدرت کا راز جان کے انجان بن کے رہ — واجب نہیں ہے پردہ دری پردہ دار کو
بیتاب کر دیا ہے اسے شوقِ دید نے — سمجھاؤں کس طرح میں دلِ بے قرار کو

اچھا کہو۔ بُرا کہو گلشن کو کیا غرض
خدمت سے اپنی کام ہے خدمتگزار کو

خود غرض سب تھے کسی کا کوئی غمخوار نہ تھا — جز خدا کوئی مصیبت میں مددگار نہ تھا

محوِ دنیا تھا مگر دیں سے خبردار نہ تھا — جاگنا ایسا تھا گویا کہ وہ بیدار نہ تھا
ناز تھا عقل پہ قدرت پہ نہ تھی کچھ بھی نظر — فکرِ امروز تھی فردا سے خبردار نہ تھا
صورتِ خوب پہ مرنے کو تیار تھے سب — سیرتِ خوب کا کوئی بھی خریدار نہ تھا
دورِ کلجگ ہے گنہ لازم و نیکی برباد — اس خطا پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا
محوِ نظارہ تھا میں دل کے تماشہ گر میں — اک تماشہ تھا کہ جو بر سرِ بازار نہ تھا

تھیں تھا بو میں اسے لا نہ سکے اے گلشن
ورنہ سرکش تو کبھی دل کا یہ رہوار نہ تھا

ظاہر ہے اس جہان کو ہرگز بقا نہیں — کر اُس کی تو تلاش کہ جس کو فنا نہیں
جور از دل ہے کس سے کہے کون برملا — پروا نہیں ہے تم کو ہمیں حوصلا نہیں
پودے کو سینچتے ہو وھرم کے اُدھم سے — کہتے ہو پھر کہ ہائے یہ پودا پھلا نہیں
کیا جانے دردِ دل کوئی ناآشنائے درد — کانٹا کسی کے پاؤں میں جب تک چُبھا نہیں
زندہ نہیں جو چھوڑ گیا نام بد یہاں — جو نیک نام ہو کے جیا وہ مرا نہیں
وہ قوم کیا نہ جس میں ہو پابندیِ قیود — وہ قوم کیا بڑے کا جہاں و بدا نہیں
ضرب المثل ہے پیاسا ہی جائیگا چاہ پر — پیاسے کے پاس تو کبھی کنواں گیا نہیں
جتنی کہ خواہشیں ہوں بُری دُور کیجئے — بھڑکا ہوا ہے نفس کا شعلہ بجھا نہیں
کچھ جانتے ہو آئے کہاں سے کدھر چلے — کیا کر رہے ہو کیا ہے کیا اور کیا نہیں
اس رہ میں دیکھنے کے لئے آنکھ چاہئے — کیا دیکھو گے کہ نور نہیں چشم وا نہیں
ہے لازمی کہ علم کے ہو ساتھ کچھ عمل — باتوں سے خالی پیٹ کسی کا بھرا نہیں

گلشن نے جو سنا تھا۔ لکھا۔ تم نے پڑھ لیا
کہنا نہ پھر کہ ہم سے کسی نے کہا نہیں

جب سرد ہوئی گرمیِ بازارِ محبت کی — اُلفت تھی یہاں جس سے اُس سے ہی عداوت کی

وحدت میں نظر آیا کثرت کا ہمیں جلوہ — کثرت میں بھی وہ دیکھی جو شان تھی وحدت کی
جب صدق و صفا چھوڑا اور دھرم سے منہ موڑا — راحت کی جو گھڑیاں تھیں اب میں وہ مصیبت کی
اعمال ہوں جب اچھے ہوتا ہے اثر اچھا — عادت ہی سے پڑتی ہے بُنیاد طبیعت کی
بازیچۂ طفلاں ہے ہر فعل جدھر دیکھو — دو دل کے جہاں، بیٹھے سوجھے گی شرارت کی
غافل کے لئے دُنیا اک عیش کا ساماں ہے — بینا کے لئے عالم تصویر ہے عبرت کی
پھل اپنی ہی کرنی کا آجاتا ہے جب آگے — ناحق یہ شکایت ہے پھوٹی ہوئی قسمت کی
ہستی سے قائم ہے یہ شور جہاں اب تک — رہتے ہیں خبر پا کر خاموش حقیقت کی
برسوں میں کہیں جا کر کچھ ہوگا تمہیں حاصل — باندھو گے کمر حضرت جب آج سے خدمت کی
آرام کے طالب کو ہے چین نہیں دم بھر — پوشیدہ مصیبت ہے ہر شکل میں راحت کی

بدلی ہے زمانے نے کروٹ جو اِدھر گلشن
وہ بات بنی آخر بگڑی تھی جو مدت کی

سنو سادہ نفس کو ہمیں سے کیا یہ بہم نکلتا ہے — جو تو ہے بس وہی میں ہوں یہی سو ہم نکلتا ہے
جو ہے بے درد کیا جانے کسی کے درد پنہاں کو — دل پُر درد ہی سے درد کا مرہم نکلتا ہے
ہے ظاہر بیں یہ دُنیا حال دل سے کیسے واقف ہوں — جسے خرم سمجھتے ہیں وہی پُر غم نکلتا ہے
زمانہ کی دو رنگی دیکھئے اور بے ثباتی بھی — خوشی کوئی مناتا ہے کسی کا دم نکلتا ہے
تماشاگاہ عالم بھی عجب عبرت کی اک جا ہے — اِدھر آتا ہے ظالم اور اُدھر ماتم نکلتا ہے
صفائی کے وہ پیرو ہیں جو رازِ دل سمجھتے ہیں — جو بد باطن ہیں اُن کی بات میں بھی خم نکلتا ہے
کوئی سرشار جا کر آج کہہ دے میرے ساقی سے — یہ ساغر دل کا کیا کم ہے جو جامِ جم نکلتا ہے

خدا کی مہر و بخشش کا کرشمہ دیکھئے گلشن
نکلتے ہیں جدھر وہ دیکھنے عالم نکلتا ہے

شکایت ہم کو اپنی ہے نہیں ہے کچھ زمانے کی — حقیقت کو چھپاتا ہے یہ باتیں ہیں بہانے کی

ہوا ہے دہر سے قلبِ بشر ہے منقلب ایسا
تمیز اب کر نہیں سکتا وہ بیگانے یگانے کی

کھرا کھوٹا پرکھنے کے لئے کستے ہیں سونے کو
مصیبت کی گھڑی ہوتی ہے یاری آزمانے کی

موافق اپنے مطلب کے ہر اک گڑھتا ہے منصوبے
خبر لیکن نہیں اُس کو خدا کے کارخانے کی

سمجھتے ہیں ۔ زمانہ ہم سے جیسی چال چلتا ہے
مگر ہم کو نہیں وہ چال آتی ہے زمانے کی

جو کرنا ہے وہ خاموشی سے کر دیکھے گی سب دُنیا
نہ شہرت دے اگر ہمت نہیں کر کے دکھانے کی

ہجومِ غم سے ہم کو اپنی ہی قسمت کا رونا ہے
فلک تدبیر میں مصروف ہے اسکے مٹانے کی

اُجڑنا جب بدا ہے ہاتھ سے صیّاد کے اک دن
منائے خیر کب تک کوئی اپنے آشیانے کی

صدا طوطی کی سُنتا کون ہے نقار خانے میں
مگر آواز پہونچے گی کہیں تو اس ترانے کی

جب گُنہ بڑھتا ہے اک قہرِ خدا ہوتا ہے
آبِ شمشیر سے طوفان بپا ہوتا ہے

یادِ رب آتی ہے انسان کے دل میں اُس دم
جب مصیبت کے وہ پنجے میں پھنسا ہوتا ہے

عیش کی ہوتی ہیں دُنیا میں بہاریں لیکن
ایسے آغاز کا انجام بُرا ہوتا ہے

ایک قانون پہ قائم ہے نظامِ قدرت
وہی ہوگا جو ہوا اور سدا ہوتا ہے

یہ مثل سچ ہے نہیں فرق سرِ مو اس میں
جو بھلا کرتا ہے اُس کا ہی بھلا ہوتا ہے

چوٹ پر چوٹ کے پڑنے سے دلِ پُرغم پہ
زخم بھرنے نہیں پاتا کہ ہرا ہوتا ہے

دیکھتا ہوں تو نظر آتا ہے کچھ اور یہاں
ایک حیرت ہے کہ کیا کرتا ہوں کیا ہوتا ہے

قیدیِ جسم نے جب طرزِ رہائی سیکھی
قید سے جسم کی اُس دم وہ رہا ہوتا ہے

گوشِ دل سے جو مخاطب نہ ہو گلشن اُس سے
ناروا ہوتا ہے جو کہنا روا ہوتا ہے

حالِ دل کرتی ہیں روشن صورتیں تقریر کی
طبع سے ہوتی ہیں ظاہر رنگتیں تحریر کی

حیف ہے تقدیر نے یاری نہ کی تدبیر کی
آرزو سے دل نہ نکلی عاشقِ دلگیر کی

ہو گئے آزاد جو اب روکئے تو آپ انھیں
ہم بھی دیکھیں کونسی ہیں بندشیں زنجیر کی

حق پرستی اس کو کہئے بُت پرستی یہ نہیں
ہم پرستش کرنے والے ہیں تری تصویر کی

خامشی بھی آدمی میں ایک اعلیٰ وصف ہے
بات میں ہوتا ہے پیدا وزن اک گمبھیر کی

واہ وا کرتے ہیں گلشنؔ جن کو کانوں کا ہے رس
پوچھ تو اشعار نے کچھ دل پہ بھی تاثیر کی

جامۂ انساں ملا ہے شکر اس کا کیجئے
عاقبت بالخیر ہو کچھ فکر فردا کیجئے

بن کے سودائی جہاں میں حق کا سودا کیجئے
کیا کہے گا کوئی اس کی کچھ نہ پروا کیجئے

چاہتے ہیں آپ گر طالب تو ایسا کیجئے
اُس کے شیدا آپ ہوں یا اُسکو شیدا کیجئے

کون کب آ نکلے در پر کیا خبر کس بھیس میں
اپنے سائل سے کبھی مُنہ کو نہ موڑا کیجئے

ہے مٹانا نام کا بدنام کرنا نام کو
سب نشاں اپنا مٹا کر نام پیدا کیجئے

جب تری خدمت سے راحت اور فرحت کچھ نہیں
مصلحت گلشنؔ یہی ہے اب کنارا کیجئے

جہاں میں زندگی مثلِ حباب ہوتی ہے
جو ہستی ہوتی ہے گویا سراب ہوتی ہے

ظہور جلوۂ حق سے حجاب رہتا ہے
خودی کی دل پہ جو حائل نقاب ہوتی ہے

خدا ہی اس سے بچائے تو بچ سکے انساں
جو آب شر ہے وہی تو شراب ہوتی ہے

اُسی کا قہر ہے جس کو کہ حشر کہتے ہیں
اُسی کی مہر ہے جو بے حساب ہوتی ہے

خدا ہی رکھے تو رہتی ہے بحر عالم میں
بشر کی آبرو موتی کی آب ہوتی ہے

جو شعر تیرا ہے گلشنؔ وہ ہے سبق آموز
جو بات کہتا ہے تُو لاجواب ہوتی ہے

کچھ نہیں ہوں ایک بھولے وقت کی میں یاد ہوں
اور وہ بھی کیا ہے گویا صورت فریاد ہوں

نیستی ہستی فقط اک سانس پر موقوف ہے
گھر ہوا پر ہے بنا میں ایسا بے بنیاد ہوں

صاحبِ تدبیر ہوں تقدیر کا لیکن مطیع — دیکھئے تو قید ہوں کہنے کو میں آزاد ہوں
جبکہ دل غالب ہے مجھ پر آپ ہی اپنا ہوں صید — اور جب غالب ہوں دل پر اپنا خود صیاد ہوں

کس کی ہو گلشن شکایت کس سے شکوہ اور گلا
عمر کرنی ہے بسر خواہ شاد یا ناشاد ہوں

بند ہے رازِ دو جہاں مصرعۂ زرنگار میں — بازیٔ ہستی و فنا دل کی ہے جیت ہار میں
یادِ خدا کی فکر کو کوئی نصیب ہوا نہ دن — عمر بھی ہو چلی تمام وقت کے انتظار میں
جب سے کہ قول و فعل میں رنگِ دوئی عیاں ہوا — فرق دلوں میں آگیا گھٹ گئے اعتبار میں
اپنی اسے خبر نہیں غیر سے ہے وہ بے خبر — فرق نہیں ہے اور کچھ مست میں ہوشیار میں

دورِ زمانہ اور ہے حالتِ دل کچھ اور ہے
رنگِ بہار گلشن اب پیدا نہیں بہار میں

مثلِ بوئے گل نہاں وہ آنکھ کے تل میں رہے — راز کے مانند پوشیدہ مرے دل میں رہے
آنکھیں سو جائیں تو سو جائیں مگر ہنگامِ خواب — یار کا ہر دم تصور جاگتے دل میں رہے
آئے ہیں وہ میرے دل میں اپنا بہلانے کو دل — ناز اٹھانے کے لئے ہم اُن کی محفل میں رہے
حیف ہے دُنیا کے دھندے تو رہیں جاری ترے — اور خدا کا نام لینا تو فاضل میں رہے

رنگ ہی وہ کیا ہے مل جائے جو رنگِ غیر سے
دیکھو گلشن کو جدا وہ سب سے محفل میں رہے

تو کون مالک ہے دوسرا کا اگر وہ ذاتِ خدا نہیں ہے

وہ ایک ہے دوسرا نہیں ہے کوئی بھی اُس کے سوا نہیں ہے

تو نقدِ جاں کو لُٹا کے جلد سے نہ پھیر میں پڑ سزا جزا کے

مرنے سے بے بہرہ ہے بقا کے وہ جس کو ذوقِ فنا نہیں ہے

زمیں میں جو جنس جس نے بوئی وہی ہے آخر میں اُس نے کاٹی
بُرا کسی کا جو کوئی چاہے تو اُس کا ہرگز بھلا نہیں ہے
جو آج طاقت ہے کل نہ ہوگی جو آج عزّت ہے کل نہ ہوگی
جو آج دولت ہے کل نہ ہوگی بہارِ گلشن سدا نہیں ہے

دہن سے بات جب نکلے وہ نکلے با اثر ہو کر
صدف سے جیسے نکلے آب کا قطرہ گہر ہو کر
وہ نا بینا ہی اچھّا ہے نہیں آتا نظر جس کو
وہ ہے کس کام کا بینا نہ دیکھے جو نظر ہو کر
چلو جھک کر اگر ہے علم و طاقت جاہ و زر حاصل
ہمیشہ سرنگوں رہتی ہیں شاخیں باثمر ہو کر
دلِ پُر آرزو کے اضطراب و شوق کو دیکھو
خیال اب کوئے جاناں کو چلا پیغامبر ہو کر
جسے دُنیا نہیں ہے دھرم سے اپنے وہ غافل ہے
کریگا کیا اگر زندہ رہا با زور و زر ہو کر
جہاں کا یہ تعلّق بھی تو اک تیرِ نیم جگر ہے
اِدھر سے جو گیا وہ لوٹ آتا ہے اُدھر ہو کر
ہو اسرارِ نہاں کی واقفیت کا اثر دیکھو
دہن پر مُہرِ خاموشی ہے لگتی با خبر ہو کر
وہی ہے وقت خوش جو وقفِ خدمت ہو چکا ورنہ
گذرتی عمر ہے ساری یونہیں شام و سحر ہو کر

سخن کی آب بیقدری سے جاتی ہے سنو گلشن
نہ رولو موتیوں کو تم خرد سے بہرہ ور ہو کر

پہلے سب چھوٹے بڑوں کے چلتے تھے ارشاد پر
اب نہیں ہے کچھ بھی قابو اپنی ہی اولاد پر
چھوڑ کر حق کا بھروسہ اور رہِ ایمان و دیں
کی ہے قایم اپنی ہستی تم نے کس بنیاد پر
دست و پا اپنے ہلا کر عقل سے کچھ کام لو
کب تلک بیٹھے رہو گے غیر کی امداد پر
ایک تیشے نے کیا تھا سارا قصہ ہی تمام
کس بلا کا کوہِ غم ٹوٹا سرِ فرہاد پر
وہی انساں ہے جس کو کچھ تمیزِ حق و باطل ہے
وہی شیدا ہے دُنیا عاشقِ دیں ہو یہ مشکل ہے
اگر ہیں خواہشیں جھوٹی تو تدبیریں ہیں لاحاصل
ملے گا آخرش اُس کو وہی جو جس کے قابل ہے

کدورت اور خصومت جا گزیں جس دل میں ہو گلشن
حقیقت میں محبّت سے وہی نا آشنا دل ہے

یاروں سے آجکل کے نبھیں یاریاں کہاں — دم لینے دیتی ہیں انھیں خودغرضیاں کہاں
اُلفت سے پیدا ہوتی ہے اُلفت جہان میں — تالی اک ہاتھ سے ہے بجی جانجاں کہاں
گو مِل کے لاکھ بیٹھیں مگر دل پھٹے ہوئے — پرلطف یکدلی کی وہ یکرنگیاں کہاں
آنکھوں کا وہ لحاظ دلوں کا ادب گیا — اب اس رَوِش میں پہلی سی وہ خوبیاں کہاں
ساحل کا کچھ پتا ہے نہ ہے ناخدا کوئی — طوفاں میں دیکھیں بہتی ہیں اب کشتیاں کہاں
دل محوِ لہو و لعب ہے جب اپنا رات دن — حل مدّعاءِ زیست ہو پھر مہرباں کہاں
کرتا ہے ذبح طائرِ بے پر کو بے گُنہ — ظالم کا ہاتھ اور یہ ننھی سی جاں کہاں
قسمت کے آگے عاقل و ناداں سب ایک ہیں — چلتی ہیں ہوشیار کی دانائیاں کہاں
جھیلی ہیں سختیاں تو ملے گی مراد بھی — حاصل ہوا ہے سود کبھی بے زیاں کہاں

جی بھر کے سَیر کیجیے ہے چاروں کی سیر
گلشنؔ کہاں پھر اس کی یہ شادابیاں کہاں

کون مشکل ہے کہ جس کا نہیں آساں ہونا — ہے مگر ہاتھ میں تقدیر کے ساماں ہونا
مدّعا زیست کا گلشنؔ نے سمجھ رکھا ہے — علم کی شمع پہ پروانہ ساں قرباں ہونا

نظر سے ہیں دُور جن کے نزدیک راہ حق کے دکھانے والے
انھیں کے نظروں میں دُور خود ہیں خودی سے مُنہ کو چھپانے والے
جو محوِ خاموشی ہوگئے ہیں وہ کر دکھائیں گے کچھ یہاں پر
وگرنہ دُنیا میں دیکھ ڈالے بہت سی باتیں بنانے والے
ہم اچھے ہیں گر۔ زمانہ اچھّا' بُرے ہیں گر ہم۔ بُرا زمانہ'
زمانہ ہم سے ہے یاد رکھئے ہمیں تو ٹھہرے زمانے والے
عدم سے ہستی میں آئے لیکن ہمیں وہ جلوہ نظر نہ آیا
ہم اس لئے ہیں کمر کو باندھے نشانِ ہستی مٹانے والے

جو راہِ صدق و صفا ہے اُس کو نہ چھوڑے اخلاقِ خوش کا انساں
اگر صفائی ہے دل پہ غالب تو کون ہونگے دبانے والے
عبث ہے یہ شور و شر جہاں کا پتا نہیں ملتا لامکاں کا
کبھی بھی کھڑکی سے دل کی جھانکا ہے تجھے کہیں کیا بتانے والے
یہ راہ ہے تنگ و تار لیکن ہے سیدھی ایسی کہ بے تامّل
چراغِ دل رہنما اگر ہے بڑھے ہی جاتے ہیں جانے والے
گُلِ مراد اُن کا ہے شگفتہ ہیں سرخرو دو جہاں میں گلشنؔ
جو سر کو اپنے مثالِ گُل ہیں رضائے حق میں جُھکانے والے

"اے بشر دیکھ سبق کیا یہ شجر دیتا ہے"

جس کے ہے نام میں شر کیا وہ بشر دیتا ہے
جب خدا دیتا ہے دامن کو وہ بھر دیتا ہے

اے بشر دیکھ سبق کیا یہ شجر دیتا ہے
مارتا تُو تو ہے پتھر وہ ثمر دیتا ہے

آپ گو گرمی میں تپتا ہے جُھلس جاتا ہے
اپنے سایہ میں وہ ٹھنڈک ہی مگر دیتا ہے

تو ٹھٹھرتا ہے تو پہونچاتا ہے گرمی وہ تجھے
جب جَلا کر تُو اُسے داغِ جگر دیتا ہے

بادِ باراں سے وہ ہوتا ہے پریشاں لیکن
ہر پرندے کو وہ آرام کا گھر دیتا ہے

جب بھٹکتا کوئی پھرتا ہے مسافر گُمراہ
دُور سے اُس کو وہ راحت کی خبر دیتا ہے

وہ غریبی میں بھی ہوتا ہے سہارا دم کا
پھل کا پھل دیتا ہے اور پھل سے وہ زر دیتا ہے

صبر اور شکر سے ہے جھیلتا صدمے جاں پر
اور ہستی کو نثار - اس پہ بھی - کر دیتا ہے

راہ میں اُس کی اسی طرح لگا تن من دھن
رزق جو تجھ کو یہاں شام و سحر دیتا ہے

علم

علم وہ ہے بحر جس کی تہ بتانا ہے محال — علم وہ طاقت ہے شیطاں ہو گیا ہے پائمال
علم وہ دولت ہے جسکو ہے نہیں ہرگز زوال — آدمیت کے لئے ہے علم کا زیور کمال

بے بہا جوہر ہے شہ قیمت سے بھی معذور ہے
ہو رفیق عاشق کا اپنے اس کا یہ دستور ہے

علم کا گنجینہ ہے ہر ایک کے سینہ میں بند — قفل دل کا عاجزی سے کھولنا ہے دل پسند
پھر کلیدِ عقل سے بھی کام لے اے ارجمند — ہیں جو خوش اخلاق وہ ہیں علم ہی سے بہرہ مند

خود نمائی اور جہالت علم سے کافور ہے
روشنی میں آؤ تاریکی سے گر منظور ہے

برہمہ گیانی بھی اسی وِدّیا سے ہوتا ہے ضرور — ڈھیل جب اپنی ہے تو اس میں کسی کا کیا قصور
زندگی کی ناؤ کا آسان نہیں ہونا عبور — سُن یہ نکتہ عالموں نے جو کہا ہے ذی شعور

کیوں خودی کی مے سے غافل ہو رہا مخمور ہے
بوجھ سے تو دب رہا ہے اور منزل دور ہے

صاحبو اب علم کی الفت کو دل میں ٹھان لو — عزتِ علما کو اپنی آپ عزت مان لو
سرستی دیوی کی عظمت خوب تم پہچان لو — اُسکے جلوہ کی جھلک میں رازِ دل کو جان لو

گر صفائے دل نہیں ہے تو بشر مجبور ہے
ہاتھ جب خالی ہے پھر وہ کس لئے مغرور ہے

مخمس

نام سے ایشور کے کر ہر کام کا آغاز تو — دھیان میں اُسکے ہی کر تارِ نفس سے ساز تو
راہِ حق پر طائرِ جاں کر سدا پرواز تو — ذاتِ مطلق کو سمجھ اور کر اُسی پر ناز تو

جتا بھلا تیرا اسی میں ہے کبھی اور ہوگا بھلا

جس قدر ہیں رازِ حق تُو اُن سبھوں کو جان لے — واقفانِ راز کو اچھی طرح پہچان لے
اُن کی صحبت میں ہمیشہ رہنا جی میں ٹھان لے — وقت ہے گر ہو سکے مٹی سے سونا چھان لے
دیکھ! پھر ایسا نہ ہو تُو روئے رکھ کر سر پہ ہاتھ

مقبلانِ حق نے ہے جو کچھ سُنا۔ تیرے لئے — عارفانِ وقت نے جو کچھ کہا۔ تیرے لئے
عالمانِ دین نے جو کچھ لکھا۔ تیرے لئے — رہنمایانِ جہاں نے جو کیا۔ تیرے لئے
کام آ اوروں کے تُو بھی عمر ورنہ کھوئیگا

نُورِ حق جو جلوہ گر ہے اُس سے ہیں سب بہرہ ور — چشم روشن ہو کے تُو نابینا مت بن اے بشر
اس چمن میں کیسے کیسے گُل کھلے ہیں خوب تر — دیکھ عبرت کی نظر سے دیدۂ دل کھول کر
خوابِ غفلت میں پڑا سوتا رہے گا تابکے

دل دُکھانا ہر کسی کا جان من اچھا نہیں — ہے زبانِ تلخ جس میں وہ دہن اچھا نہیں
ہو کپٹ سے جو بھرا ایسا وہ من اچھا نہیں — فتنہ پردازی کا کوئی بھی فن اچھا نہیں
داغِ عصیاں پہلے دھو لے تا کہ دھبا دور ہو

دل میں آنے دے نہ ہرگز دیکھ ناقص بات کو — ترک کر دے بے تامّل کارِ واہیات کو
ہوش میں آ دن گیا۔ اب کیا کریگا رات کو — غیر کے نقصان سے ہے نقصان اپنی ذات کو
ہے مثل کاٹے گا ویسا بوئے گا جیسا یہاں

کیوں سمجھتا ہے بڑا خود کو کہ ہے تُو اک حقیر — دیکھ کر مت جَل ترقّی دوسرے کی اے امیر
عیب پر اپنے کیا کر نکتہ چینی اے بصیر — ہیں ہنر جو دوسروں کے اُن سے گوندھ اپنا خمیر
سونا بن جائیگا چھو جائیگا گر پارس سے تُو

دھوپ چھاؤں کا ہے نقشہ باغِ عالم بے گماں — آج اگر اس میں بہار آئی ہے کل ہو گی خزاں
خارِ غم بکھرے ہوئے ہیں چار سُو گلشن یہاں — کس پہ اتراتا ہے تُو بوئے وفا کا گُل کہاں
کچھ بھی ہو تُو رکھ مگر اک فرض خدمت بے غرض

قطعات و رباعیات

خدا کو کون یہ کہتا ہے بے نشاں ہے وہ ۔۔۔ خدا کا نام نہ ہوتا جو بے نشاں ہوتا

غرور کرنا نہیں بھلا ہے اُٹھا کے سر جو چلا گرا ہے
یہی تو شیطاں کو بھی ہوا ہے گرایا اُسکو اسی خودی نے
نہ اترا اپنے تو تاج و زر پہ یہ سُن جو نازاں تھے کرّ و فر پہ
گرا کے اوجِ شہی سے در پر مٹایا گردوں کی پالسی نے

لوگ کہتے ہیں کوئی راہ دکھاتا ہی نہیں ۔۔۔ ہم یہ کہتے ہیں کوئی دیکھنے والا ہو تو
چاہ ہے آب سے پُر پیاس نہیں خود باقی ۔۔۔ کیسے کھنچ آئے کوئی چاہنے والا ہو تو

کچھ کچھ تو بہتری کے بھی آثار ہو گئے ۔۔۔ سہ سہ کے ظلم و جور خبردار ہو گئے
اپنا تھا ملک اپنی حکومت، سب اپنے تھے ۔۔۔ اک خواب دیکھتے تھے کہ بیدار ہو گئے

جو بن پڑے سو کر لو کل کون جانتا ہے ۔۔۔ کیا گل کھلیں زمیں پہ کیا رنگ آسماں ہو
اک دل بناؤ ایسا سب مل کے جس میں بیٹھیں ۔۔۔ ایسی زباں ہو پیدا جو دل کی ترجماں ہو
اس چند روزہ گھر پہ قبضہ نہ کر کے بیٹھو ۔۔۔ ٹھہرو تم اس میں جیسے کوئی غیر کا مکاں ہو
تیر و کماں کا ہرگز محتاج وہ نہیں ہے ۔۔۔ ہو آہ تیر جس کا دستِ دعا کماں ہو
قدرت کے کارخانۂ حکمت سے کب ہیں خالی ۔۔۔ یہ بھی بہار اک ہے گلشن میں جب خزاں ہو

کیا لگاتا ایسے پردیسی سے کوئی اپنا دل ۔۔۔ اس رباطِ دہر میں آ کر جو دم بھر رہ گیا
ظلم کے بدلے تو ظالم ہی کا جلنا خوب ہے ۔۔۔ ایک دُنیا ہو گئی غارت اور وہ گھر رہ گیا

پیا تھا سانپ نے گو دودھ زہر آخر بنا اُس کا ۔۔۔ مثالِ خصلتِ خود سرشیر کی حالت بنالی ہے
نہ غم ہے اور نہ شادی ہے نہ ہے کچھ نیک و بد میں جا ۔۔۔ جہاں تک ہمنے سمجھا ہے یہ دُنیا سب خیالی ہے
مصیبت ہی کا چابک راستہ پر سب کو لاتا ہے ۔۔۔ نہ بھولیں ہم خدا کو اسلئے یہ گوشمالی ہے
ہے منزل ایک پر راہیں جدا ہیں واں پہونچنے کی ۔۔۔ نہ بھٹکے راہ میں رہرو یہی صاحب کمالی ہے

راہِ عرفاں میں عجب دیکھا گیا انساں کا ڈھنگ ۔۔۔ ہوش میں تھی بیہوشی اور بیہوشی میں ہوش تھا

ایک قصہ تھا ہوا ختم رہا عشق کا نام   جان شیریں نہیں تیشہ نہیں فرہاد نہیں
رنج و غم حسرت و حرماں کا یہی ہے مسکن   خانۂ دل کو نہ سمجھو کہ یہ آباد نہیں
سیرتِ خوب سے ہے خوبیِ صورت کو جِلا   زیب و آرائش تن حسن کی جاداد نہیں
پڑے جب عیش و عشرت میں تو آزادی کی دُھن سوجھی   ہوئی نا اتفاقی جب تو آزادی کا پھل پایا

کرو قابو میں اپنا نفس سرکش   اگر اچھے ہو تم اچھا زمانہ   نہیں اچھا بُرا ہے وقت کچھ بھی
بھلائی ہے سلامت کا نشانہ   یہ ہے کلجگ کا دورِ بے تمیزی   طریقے چھوڑ دو سب وحشیانہ
مئے عشرت سے ہیں مخمور و غافل   بلا کے دام میں آیا ہے دانا   صداقت ہے نہ ہے دل میں محبت
یہاں رہ جائیگا کیا جز فسانہ   سمجھ تو لے کہ بعد از مرگ تیرا   نظر میں ہے نہ بیگانہ یگانہ
جہالت کے پروں سے کیا اُڑیگا   کہ عنقا را بلند است آشیانہ

امیری غریبی میں رہتے ہیں یکساں   دل اپنا خوشی سے بجھائے ہوئے ہیں   غم اوروں کا جو دیکھ سکتے نہیں ہیں
جو دنیا کی دولت لٹائے ہوئے ہیں   اُنھوں نے خزانہ ہے عقبیٰ کا پایا   قناعت کا تکیہ لگائے ہوئے ہیں

لاکھ چاہے پر چھپا سکتا نہیں ہے کوئی بھی   اپنی صحبت کے اثر کو تخم کی تاثیر کو
چھوٹ جاتا غم کے ہاتھوں سے تو کچھ مشکل نہیں   توڑ دو قیدِ تعلق کی اگر زنجیر کو
سُننا اور پڑھنا ہے لاحاصل اگر سمجھو نہیں   حاصلِ تقریر کو اور معنیِ تحریر کو

ہو زباں الگ یا زمیں الگ رہوں جا کے چاہے کہیں الگ
مرا درد دل سے نہیں الگ مرے دل سے درد جدا نہیں
ہے کسی کی آئی اگر قضا وہی ہوگا ہونا ہے جو بدا
نہیں ہے مرض کوئی لادوا مگر اُس کی کوئی دوا نہیں
جو نثار کرتے تھے ہم پہ جاں جنھیں ہم بھی کہتے تھے مہرباں
گئے چھوڑ کر وہ ہمیں کہاں کہیں ملتا اُن کا پتا نہیں
ترا گلشن ایک جو رنگ ہے یہ عجیب کہنے کا ڈھنگ ہے
یہ وہ درد دل کی ترنگ ہے جسے دیکھا اور سنا نہیں

سدگورو اپدیش

"اگر کچھ دیکھنا چاہتا ہے۔ ہو نیچا۔ دیکھ اوپر۔ کچھ دیکھیگا
ہو اوپر۔ نیچے دیکھیگا۔ ضرور نیچا دیکھیگا"

ہے چاہتا اگر تو دیکھنا کچھ تو بس ہو نیچا یہی رو ہے ۔ تو دیکھ اوپر تو دیکھیگا کچھ۔ سمجھ لے اس کا جو مدعا ہے
تو ہو کے اوپر جو نیچے دیکھیگا۔ دیکھیگا تو ضرور نیچا ۔ یہ ایک اپدیش برہما آشرم نے بکل جگت کو عطا کیا ہے

آخری پھول

کشمیری پنڈت بابا کھنکھٹا کے جانشین چیلے
شری وِدّیا پیٹھ اٹاوہ کی روحِ رواں۔ عالم باعمل۔
راز دارِ اسرار دو عالم۔ شری ۱۰۸ سوامی برہما ناتھ سدھ آشرم
مہاراج جی نے دوشنبہ ۱۸ مئی ۱۹۲۵ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کیطرف رُخ پھیرا
اور اودّیا کے بحر ناپیداکنار میں وِدّیا کے بیڑے کو اپنے سیوکوں کے سمیت
منجدھار کے اندر بغیر کسی ناخدا کے اتھاہ ناچھوڑا

اوم شانتی! اوم شانتی!! اوم شانتی!!!

قطعہ تاریخ

سُورج تھے وِدّیا کے اور وہ دھرم کے اوتار تھے
کوئی کچھ سمجھا نہیں غفلت کا تھا پردا پڑا
چندروار ایکادشی بیساکھ شکلا کی تھی آہ!
چلدئے برہما آشرم جگ ہاتھ ملتا رہ گیا

سمت ۱۹۸۲ بکرمی

قطعہ تاریخ وفات

پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی

حقیقت کھل گئی دنیا کی گلشن آج ہر دل پر ۔ کہ جو کچھ دیکھتے ہیں سب یہ ہے اک خواب بیداری
ابھی چکبست اسٹیشن پہ تھے راے بریلی کے ۔ تھی واپس لکھنؤ جانے کی پوری اُن کی تیاری
کہ قزاقِ اجل نے آن لوٹا اس مسافر کو ۔ ہوئی فالج کے سر جاں قبض کرنے کی گنہگاری
وقوعہ ہے سن چھبیس ۱۹۲۶ بارہ فروری کا یہ ۔ کہ ٹوٹا کوہِ غم یک لخت ملک و قوم پر بھاری
بہائے آٹھ آٹھ آنسو جواں کی لاش پر سب نے ۔ جب آئی یاد دل میں اُس کی دلداری و غمخواری
وکالت گرچہ پیشہ تھا سخن کے تھے مگر ماہر ۔ وہ تھے خوش خلق رکھتے تھے جدا اپنی وضعداری
گئے دنیا سے اے چکبست تم کیا ہم تو کہتے ہیں
گئی صحبت سخن کی آہ! رونق بزم کی ساری

سمت بکرمی ۱۹۸۲

"خطاب بہ کشمیری پنڈتان"

جناب گلشن کا ایک منظوم لکچر ہے جس میں بائیس مضامین پر بائیس ہی بند کہے گئے ہیں اور ہر بند میں نو شعر ہیں۔ اس ترکیب بند کے مضمون وار چند منتخب اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:-

خطاب بہ قوم	اے قومی بہی خواہو! اے قومی سخندانو!	اے قوم کے داناؤ! اے قوم کے دیوانو!
	پھر جوش تلاطم ہے منجدھار میں ہے کشتی	ہشیار ذرا ہو کر دیکھو تو نگہبانو!
	"پنڈت ہوں میں کشمیری" فخر اپنا یہی سمجھو	"میں قوم کا خادم ہوں" سب من میں یہی ٹھانو
	گر چاہتے ہو بہتر ماضی سے ہو مستقبل	واجب ہے کہ تم اپنے اب حال کو بھی جانو
	سنتے ہوئی اک مدت گلشن یہ تری تانیں	مرکز پہ کشش سب کو لے آئے تو ہم جانیں!
حال قوم	تھی چال غریبانہ وہ ہو گئی مستانہ	تم بن گئے مستانے! وہ رہ گئی افسانہ!
	حلقے سے نہ جا باہر رہ مل کے یگانوں میں	اپنوں سے جدا رہ کر ہو جائے گا بیگانہ
	جب تفرقۂ قومی باقی نہ رہا ساقی	کیوں جام محبت سے خالی رہے میخانہ؟
	تفریح میں سب دولت اور وقت نہ کر غارت	تہذیب کا بھی آخر کچھ ہوتا ہے پیمانہ
	عاقل کو اشارہ اک کافی ہے محبت کا	"ہے قوم تری شمع تو اس کا ہو پروانا"
	جب قوم نہیں ہوگی تم ہوگے تو کیا ہوگا؟	جب تم ہی نہیں ہوگے کیا قومی بھلا ہوگا؟
خطاب بہ خواہش انسانی	اے خواہش انسانی! سن بات یہ لاثانی	مشکل ہے جہاں بینی آساں ہے جہاں بانی
	نخوت ہی تجھے آخر عظمت سے گرا دے گی	اک روز سزا دے گی تجھ کو یہ تن آسانی
	ان باتوں کو لوگوں کی سن سن کے میں ہوں ہنستا	جس قوم پہ ہوں مرتا اس قوم کو ہوں روتا
خطاب بہ پروردۂ قوم	دشمن کو کہیں کوئی کیوں ڈھونڈھے ضرورت کیا؟	جب شومی قسمت سے اپنا بنے بیگانہ
	کیوں ہوتے ہو اے بھائی تم اپنے لئے کانٹے؟	دیکھو ہو اگر بینا! سمجھو ہو اگر دانا!
	جس پیڑ کے اک پھل ہو جڑ کاٹتے ہو اس کی	مٹ جاؤ گے تم خود ہی ہو جائے گا نام عنقا!
	پیوند لگاؤ گے گر نسل سے تم باہر	اپنا نہ رہا جب وہ پھر غیر کا کیا ہوگا؟
	تو منتخب قدرت اعمال سے ہے اپنے	اور باعث بدنامی افعال سے ہے اپنے
حب الوطنی	باہر نہیں وہ گل کی رنگت جو چمن میں ہے	جب تک کہ چمن میں ہے اک روح بدن میں ہے
	گو کانٹوں پہ بلبل ہے فرقت میں وہ اس گل کی	نالاں ہے مگر پھر بھی خوش اپنے وطن میں ہے
مرکز و حلقہ جات	خورشید وطن سے جب اک نور کا عالم ہو	روشن نہ کیوں پھر قومی خدام کا ہو گھر گھر
	جو کام کرو رکھنا تم دل پہ نظر ہر دم	جلدی میں بہت باتیں جاتی ہیں بگڑ اکثر
	ہو جائیں گے غیر اپنے دشمن نہ کوئی ہوگا	تو قصد تو کر پہلے۔ ہونا ہے وہی ہوگا
قومی تعلیم و پنچایت	یہ جسم ترا قومی ہو سکتا ہے تب قابل	اعضا کی ہو مضبوطی جب پوری تجھے حاصل
	پابند قواعد ہوں ہر طبقہ کے سب یکساں	انصاف کے کرنے کو ہوں قوم کے جب عادل

جب قوم ہے تو قومی تعلیم بھی ہے لازم ۔ ہے علم سے کھل جاتا سب رازِ حق و باطل

عورتوں کے فرائض

اخلاق کا پیمانہ ہو جاتا ہے جب اعلےٰ ۔ خواہ مرد ہو یا عورت اٹھ جاتا ہے خود پردا

یہ سینہ شیں اور تیہیں واجب ہیں ابھی تک سب ۔ جب تک کہ چمن سدھرے ہر طبقہ کے انساں کا

تعلیم مناسب کی عورت کو ضرورت ہے ۔ گھر کا تو نہیں اچھا چل سکتا ہے یہ چرخا

جوانی کی شادی کے نتائج

بچپن کی جو شادی تھی کچھ ایسی تھی تدبیریں ۔ ہو جاتی تھیں لڑکی پہ سسرال کی تاثیریں

اب رونا ہے کیا اس کا یہ اور زمانہ ہے ۔ کب راچھے ہیں ملتے اب مثل میں تصویریں

کیا خاک کریں گی گھر پہچانتی ہیں کس کو! ۔ آزادی کی دلدادہ! بے دھرمی کی تعبیریں!

آزاد بیوہ اور جوان کی خواری

بتلائے کوئی ہم کو یہ یاری ہے یا خواری ۔ بگڑی کو بگاڑا ہے یہ اور گنہگاری

اور کنواری کی بیزاری

آزاد ہیں جو لڑکے کیا خوب بہانہ ہے ۔ شادی نہ کریں گے وہ جب تک کہ ہے بیکاری

مطلب تو ہے حضرت کا بیواؤں کی شادی ہے ۔ افسوس ہے اب ان کا رہ جائیں گی جو کنواری

سوچو تو ذرا دل میں اے قوم کے غمخوارو! ۔ اس کنواری کی بیزاری قسمت کی جو ہے جاری

کب تک وہ دل آزاری سہ سکتی ہے دکھیا ۔ رکھے گا جو عزت سے چل دے گی وہ بیچاری

کمزوری ہے اخلاقی! اگر قوم اسے مانے ۔ وہ کیا نہیں کر سکتی؟ کچھ کرنا اگر چاہے

بڑھاپا

جس قوم میں ہو پیدا دم اسکا ہی تھم بھرنا ۔ بس زندہ اسے رکھنا اور اس پہ سدا مرنا

بچے دھرم سے ہوتی ہے مت دھرم پہ بس اسلئے ۔ اور دھرم سے ہوتی ہے دنیا کی سدا شوبھا

صد شکر ہوئی حاصل گلشن کو شگفتہ وشی ۔ تھا فرض یہ کہہ دینا اب چاہئے خاموشی

اقوالِ بزرگانِ قدیم

جو آغاز جس کام کا نیک یار ۔ خوشی بخش ہوتا ہے انجام کار ۔ تو کر شکر پرماتما کا مدام

شکایت سے ہر دم زباں اپنی تھام ۔ بزرگوں کا فرمان تو کر قبول ۔ کبھی بول مت بے ضرورت فضول

کبھی ضد نہ کر تو کسی بات پر ۔ نصیحت پہ ہر ایک کی کان دھر ۔ مدارات مہماں کو ہرگز نہ چھوڑ

عزیزوں سے اپنے تو رشتہ نہ توڑ ۔ ہمیشہ پڑوسی کا رہ پردہ دار ۔ نہ کر کام ایسا جو اک دن ہو خوار

نہ اپنے لئے چاہ کسی کا بُرا ۔ سبھوں کے بھلے سے ہے اپنا بھلا ۔ بھلائی کی طاقت نہیں ہے اگر

بُرا بھی کسی کا نہ کر جان کر ۔ نہ جل دیکھ کر دوسرے کو کبھی ۔ نہیں انگلیاں پانچ ہیں ایک سی

خوشامد نہ کر بات کہہ صاف صاف ۔ چھپے گا نہیں جو ہے لاف و گزاف ۔ نہیں حرص کا بڑھنا اچھا کبھی

طمع راسہ حرف است ہر سہ تہی ۔ حکومت کی کرسی پہ بیٹھے اگر ۔ تو انصاف کرنا سمجھ سوچ کر

دکھا مت حکومت کا تو دبدبہ ۔ یہ بس چار ہی دن کا ہے طنطنہ ۔ ہے ایذا رسانی جسے یاں پسند

اسی کو پہنچتا ہے آخر گزند ۔ مصیبت جو آئے تو گھبرا نہ تو ۔ جو بویا ہے کاٹے گا تو جو بہ جو

جو چاہے تو دے آج محتاج کو ۔ خدا جانے کل پاس کچھ ہو نہ ہو ۔ روا خالی ہاتھوں تکبر نہیں

ہمہ شاخ پُر میوہ سر بر زمیں ۔ نہ ہو جس کا ایفا وہ وعدہ نہ کر ۔ بد عہدی سے ہوتا ہے بیشک ضرر

ہر اک بازی سے آپ کو تو بچا
پرکھتا ہے ہر شخص کھوٹا کھرا

ملازم ہے آ اپنے نرمی سے پیش
کہ ہر دور خوش دل کُنند کار بیش

یہ آتشِ غضب کی بُری ہے بلا
تو آبِ محبت سے اُس کو بجھا

رہے قُرب روشن دلوں کا مُدام
گزار اُن کی صحبت میں تو صبح شام

ہوس میں نہ تو کیمیا کے بھٹک
سمجھ لے یہ اچھی نہیں ہے لٹک

نکال اپنے منہ سے نہ گالی کبھی
خلوں کی نہیں آہ ہوتی بھلی

محبت سے قائم کر اچھی نظیر
حقارت کریگا تو ہوگا حقیر

نظر عیب پر اپنے رکھ تو سدا
ہُنر دوسروں کا سبق ہو ترا

غریبی امیری کا مت کر خیال
سدا ایک سا ہے نہیں سب کا حال

زباں ایک ہے تو نہ کر بات دو
نہ ہمجنس میں آبرو اپنی کھو

کسی دوست پر تو نہ کر اعتبار
یہ باطن میں دشمن بظاہر ہیں یار

نہ لے ایک کوڑی کسی سے بھی وام
کہ ہوگا تو بے زر خریدا غلام

تو احسان کرکے نہ احساں جتا
نہ مٹی میں اپنے کئے کو ملا

فراموش احسان اُس کا نہ کر
عنایت کی تجھ پر ہو جس کی نظر

رہے ظاہر و باطن اک ساں مدام
بغل میں چھُری مُنہ میں ہے رام رام

سمجھ سوچ کر کام جو تو کرے
تو دستِ تاسف نہ ملنا پڑے

جہاں میں کسی کا نہیں ہے کوئی
جو کام آئے اپنے ہے اپنا وہی

جو جانے تو اپنی سی جاں غیر کی
تو ہو غم سے غم اور خوشی سے خوشی

کرو پیار بچوں کو بیشک مگر
نہ ہو لاڈ اتنا کہ ہوں وہ نڈر

لکھاؤ پڑھاؤ کہ ہوں باتمیز
ہُنرمند ہوں اور ہر دل عزیز

اُنھیں دھرم کی اپنے تعلیم دو
کہ اچھے بُرے کی خبر اُن کو ہو

نہ رکھ کم سِنی کی تو شادی روا
بڑھاپے کی شادی سے ہے روسیا

تو صحت کا رکھ اپنی ہر دم خیال
ضعیفی نہ ہو تاکہ تجھ پر وبال

صبح اُٹھ کے تو مانگ حق سے دعا
یہ لاکھوں دواؤں کی ہے اک دوا

نہ ہرگز کہو آپ کو تم باصفا
جو اپنے ہی مطلب کا ہو آشنا

وہ بیباک رہتا ہے جو پاک ہو
نہیں آنچ آتی کبھی سانچ کو

گرے گا وہی توڑ کر جو چلا
بڑے بول کا سر ہے نیچا سدا

نہ رکھ موت کا اپنے دل پر خطر
تو چھوڑیگا اک دن کرایہ کا گھر

گزر جائینگے یونہیں لیل و نہار
بنہ دل بریں دیرِ ناپائدار

دکھانا چراغ اُس کا ہوگا بھلا
جو خود بھی اندھیرے سے بچکر چلا

بزرگوں کے یہ پند ہیں سودمند
سخنہا سے گلشن رہیں دل پسند

گنجو - پنڈت پرتھی ناتھ گنجو صاحب

بجز ذیل کے دو بندوں کے آپ کا مزید کلام دستیاب نہیں ہوا۔ از خمسہ بر غزل
دیوان پنڈت شیو ناتھ کول صاحب مفتقر

دل آزاری کہاں تک اے ستمگر اب تو باز آجا
ستاتا ہر گھڑی مظلوم کا ہوتا نہیں اچھا
بہ منت تجھ سے کہتے ہیں ہمارا مان لے کہنا
جفا کو چھوڑ دے بہرِ خدا آجا نہ اب ترسا
نہ ترسا عاشقِ دیدار کو او کافرِ ترسا

ہوائے گلستاں میں آج یہ کیسی شمیم آئی
کہ بلبل ہر روش پر بے طرح پھرتی ہے گھبرائی
نہالانِ چمن جھک جھک کے ہیں محوِ تماشائی
نسیمِ صبح نے زلفِ معنبر کس کی بکھرائی
کہ حالِ سنبلستاں سر بسر ہے آج ابتر سا



پنڈت موتی لال بکو۔ گوہر

گوہر۔ پنڈت موتی لال ہکھو خلف الرشید پنڈت باپو رام صاحب ہکھو دہلوی

ریاست تاجپور ضلع بجنور میں راجہ پرتاب سنگھ بہادر کے صاحبزادگان یعنے کنور صاحبان کے تعلیم کے لئے اتالیق مقرر ہوکر تاجپور میں مقیم ہوئے اور پنشن یاب ہوکر ازاں بعد بدایوں میں اپنے بڑے لڑکے پنڈت جیالال صاحب ہکھو کے پاس تشریف فرما رہے اور نیز پسر اصغر پنڈت موہن لال صاحب کے ساتھ الہ آباد میں ایک سال اور رویلو بند میں ایک سال نو ماہ مقیم رہکر بعمر تقریباً ۷۰ سال بتاریخ ۲۱ اگست ۱۸۹۵ء میں اس دار فانی سے رحلت کی آپ کا ایک دیوان موسوم بہ سلک گوہر پنڈت جیالال صاحب نے ۱۸۸۹ء میں طبع کرایا تھا چنانچہ چند اصحاب قوم کے پاس یہ دیوان موجود ہے۔

زبس ہے عرصۂ توحید میں ثابت قدم میرا
بفیضِ حمدِ ایزد دل بنا ہے جامِ جم میرا
کیا گمراہ ہے مجھکو تسلسل نے وساوس کے
نکلنے دے مجھے اس سے یہ کیونکر پیچ و خم میرا

وله

جاتے ہیں کوچہ میں اُسکے ہم بھی اکثر دل کیساتھ
آپ ہی گر ہم نہ سمجھے دل کو سمجھائیں گے کیا
ناصحو مجبور ہوں ورنہ نتائج عشق کے
جانتا میں بھی ہوں مجھکو آپ سکھلائیں گے کیا

وله

کھو دیا دیکے دل اور داغ جگر کا پایا
اور کچھ آکے یہاں ہمنے نہ کھویا پایا۔
دل قوی کرکے گئے ہم بھی کہ کچھ عرض کریں
جب ہوا سامنا کہنے کا نہ یارا پایا

وله

تھے جو دو ہمدم مرے وہ بھی ہیں اب نا آشنا
آہ سوزاں میری کیا اور نالۂ شبگیر کیا
پھینکدیتے جوشِ وحشت میں ہیں سب کو توڑکر
تیرے دیوانوں کے آگے طوق کیا زنجیر کیا

وله

لگن نہیں ہے جو پروا نہ کی اسے یارب
تو انتظار میں کس کے نہیں ہے سوتی شمع
جلا تو دیتی ہے عاشق کو اپنے آخر کار
اُسی کے غم میں ہے جل جل کے جان کھوتی شمع
ہمیں تو ناز تھا رونے پہ اپنے اے گوہر
پر اب جو دیکھا تو کیا کیا ہے دُر پروتی شمع

وہ ہو کے خون آنکھوں سے کب کا ٹپک گیا
غمخوار تم ہو پوچھتے کیا ماجرائے دل

گوہر ہوئی سحر ہوا سب قافلہ رواں
کہتا ہے ہر نفس یہ ہمارا درائے دل

ولہ

سمجھاتے رہتے ہم ہیں دل بے قرار کو
ہمدرد اپنے درد کی خود ہی دوا ہیں ہم

جب تک کوئی اڑا دے نہ یاں سے ہماری خاک
کوچہ میں تیرے جم گئے جوں نقش پا ہیں ہم

ولہ

لخت دل ٹپکے تو میں اُن کو چراغاں سمجھا
جو گرا اشک اُسے گوہرِ غلطاں سمجھا

قُم عیسیٰ میں تری بات کو جاناں سمجھا
لب جاں بخش کو میں چشمۂ حیواں سمجھا

لکھا ہوگا وہی اس میں جو ہے قسمت کا لکھا
خط کے مضمون کو میں دیکھ کے عنواں سمجھا

اس سمجھ پر تیری پتھر پڑیں اے زاہد خشک
خاک بھی تو نہیں ماہیتِ رنداں سمجھا

پردۂ معرفتِ حق میں یہ نیرنگی ہے
آشکارا اُسے کوئی۔ کوئی پنہاں سمجھا

ٹکریں کھاتے پھرے دیر و حرم میں لیکن
سمجھا کوئی نہ وہاں اور نہ کوئی یاں سمجھا

بیقراری سے نہیں سود ذرا بھی گوہر
عشق میں صبر و سکوں چاہیئے ناداں سمجھا

سہتے سہتے رات دن اسکی جفا
ہو گیا پتھر جگر گھبرائیں کیا

لوٹتا قدموں پہ ہے یہ طفل اشک
ایسے ہم نا فہم کو سمجھائیں کیا

کچھ نہیں ہے جز متاع معصیت
پاس اپنے ارمغاں۔ لیجائیں کیا

گوہر اُس کے کان تک قصہ ترا
وہ تو سنتا ہی نہیں پہونچائیں کیا

دیکھ کر سینۂ غربال ہمیں
اپنا دل اور جگر یاد آیا

سوئے ہم رات کو پروقت سحر
جاگ اُٹھے جبکہ سفر یاد آیا

ہم کو یہ دیکھ کے ساون کی جھڑی
اپنا پھر دیدۂ تر یاد آیا

چند سے مجبور رہے یاں بھی مگر
چلدئے جب ہمیں گھر یاد آیا

دل مرا صبر و تحمل کے جو قابل ہوتا ناصحا کیوں مرا جینا مجھے مشکل ہوتا
جلوہ گر روئے صنم ہوتا اُسی میں غافل دل میں گر پردۂ پندار نہ حائل ہوتا
قتل ہوتے ہی ہوا سرو میں ورنہ گوہر
ہاتھ ہوتا مرا اور دامنِ قاتل ہوتا

مشتہر جب مرا فسانہ ہوا اس کی شہرت کا یہ بہانہ ہوا
اے طبیبو سنا ہے تمنے کبھی دردِ دل قابلِ دوانہ ہوا
دیکھنا پڑتا اور بھی کیا کیا مرنا میرا بھی کچھ بُرا نہ ہوا
کیا ہو سوتے سحر ہوئی گوہر
قافلہ سب کا سب روانہ ہوا

جہاں سے کھو دیا ہے اس نے ہمکو کریں اُس کے تغافل کا گلا کیا
ہمارے قتل میں ہے کیا تامل بھلا اس میں دِیت کیا خوں بہا کیا
اگر ٹوٹے کوئی شیشہ صدا ہو شکستِ شیشۂ دل کی صدا کیا
نہ کر نفرت ہیں سب بندے خدا کے کوئی بھی ہو۔ بُرا کیا اور بھلا کیا
ہر اک غارت گرِ جانِ حزیں ہے
کرشمہ۔ غمزہ۔ کیا ناز و ادا کیا

پیاسے مرتے ہیں مدت سے دیدے اے ساقی خدا کے واسطے اک بھر کے ہمکو جام شراب
طلاقِ حق سے ہے اُن کو ہے جنکا ظرف وسیع غلط کہا ہے کہ کھوتی ہے ننگ و نام شراب
بھلا میں کس سے کروں جا کے میری جاں فریاد دل تمہیں سنو نہ سنو میری مہربان فریاد
یہ کیا ستم ہے کہ آتے ہی موسمِ گل کے رہا نہ ایک بھی گلشن میں آشیاں فریاد
کوئی پھرا نہ وہاں سے نہ دی جرس نے صدا بہت روانہ ہوئے یاں سے کارواں فریاد
ہیں گوہر اُس بتِ بیرحم سے بہت شاکی
کریگا جا کے تو کس کس کی واں بیاں فریاد

گر کریں آہ و فغاں اور نالۂ شبگیر ہم
آسماں اور اک بنائیں زیرِ چرخِ پیر ہم

ضعف کی حالت ہے اب ایسی کریں دم توڑتے
یا جنوں کے جوش میں تھے توڑتے زنجیر ہم

عشوہ و ناز و ادا ان سب نے مارا ہے ہمیں
ہو سکیں کس طرح سے کس کس کے دامن گیر ہم

تا اُٹھائے سر نہ وہ اُس شمع رو کے سامنے
شمع کا سر کاٹنے کو رکھتے ہیں گلگیر ہم

زلف سے اُلجھا تھا دل اور آپنے باندھا ہمیں
ہو خطا اور وہ کی اور ہوں قابلِ تعزیر ہم

اپنا ہم دامن تر دیکھ کے روتے ہیں بہت
ہم سے کرتا ہے گلہ گوشۂ داماں کیا کیا

تُو تو حیران ہوا ایسا ابھی سے گوہر
دیکھنا بدلے گی یہ صورتِ دوراں کیا کیا

اُس سے کچھ بھی کہا نہیں جاتا
اور چُپ بھی رہا نہیں جاتا

کہیں آئیں نہ آفتیں اُس پر
کیا کہیں دل دیا نہیں جاتا

کوشش اے چارہ گر عبث ہے تری
زخمِ دل کا سیا نہیں جاتا

کیا کہوں حالِ عشقِ خانہ خراب
اس میں کیا کیا کیا نہیں جاتا

قصۂ درد تیرا اے گوہر
کیا کریں کچھ سنا نہیں جاتا

کور باطن ہی ہر اک شیخ و برہمن نکلا
دیدۂ اہلِ ریا دیدۂ سوزن نکلا

راہبر جانتے ہم جس کو تھے رہزن نکلا
دوست سمجھے تھے جسے ہم وہی دشمن نکلا

کارواں گل کا ہوا جبکہ چمن سے رخصت
بلبلِ شیفتہ با نالہ و شیون نکلا

کھودا گلچیں نے جو نرگس کا چمن اے گوہر
کشتگانِ نگہِ یار کا مدفن.... نکلا

دل کو جس پر تھا اعتبار اپنا
ہوا آخر نہ وہ کبھی یار اپنا

گُل نہیں سنتے عندلیبوں کی
کہیں کیا حالِ دل ہزار اپنا

پہنچا دامن تلک نہ آسکے بھی
ناتواں ایسا تھا غبار اپنا

تھے سبھی یار اپنے مطلب کے
کوئی دیکھا نہ غمگسار اپنا

یہی وحشت میری خزائیں رہی — کہ نہ تھا دل پہ اختیار اپنا
دیکھیں اب رنگ کیا دکھاتا ہے — بلبلو موسم بہار اپنا

ولہ

ہم کیا کہیں کہ عشق میں کیا کیا نہو سکا — کچھ بھی تو دردِ دل کا مداوا نہو سکا
نالوں نے میرے گریہ کیا اُسکے دلکو موم — اے آہِ گرم تجھ سے بھی اتنا نہو سکا

قاتل نے خوں بہا میں دیا اتنا خوں بہا
گوہر سے اپنے خوں کا دعوی نہو سکا

اُسکو شاہنشہِ بقا دیکھا — راہ حق میں جسے فنا دیکھا
دی جلا جس نے اپنے ہی دل کو — اُس کو جامِ جہاں نما دیکھا
ایک سے سب ہیں پھر یہ کیا ہے طلسم — شاہ کوئی ۔ کوئی گدا دیکھا

جب کھلی آنکھ اپنی اے گوہر
کچھ نہ ہمنے بجز خدا دیکھا

کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتے ہیں تقدیر کے پیچ — آئیں کیونکر کہیں اللہ کی تحریر کے پیچ
کرتا دنیا میں ہے تدبیر بہت یہ ناداں — پر نہیں کھلتے بشر سے کبھی تقدیر کے پیچ

باتوں باتوں میں الجھ جاتے ہیں عشاق کے دل
گفتگو میں ہیں کچھ ایسے بتِ بے پیر کے پیچ

کچھ مدد کرتی ہے تقدیر نہ تدبیر ہنوز — آہ بھی آہ نہیں کرتی ہے تاثیر ہنوز
شمع کا سر تو لیا کاٹ بلا جرم و خطا — کفِ افسوس مگر ملتی ہے گلگیر ہنوز

کیوں چڑھی رہتی ہے ہر دم تری ابروئے قاتل
خوں کی پیاسی ہے مگر یہ تیری شمشیر ہنوز

زحمت نہیں آئینہ کو کچھ خاک سے ہرگز کب آتی کدورت ہے دلِ اہلِ صفا میں
زنجیر کی زلفوں سے رہائی ہوئی مشکل ڈالا ہے میرے دلکو خدا کیسی بلا میں

گوہر ہو فنا موت سے پہلے رہِ حق میں
شاید تجھے حاصل ہو بقا اپنی فنا میں

ایک دم بھی اُسے قرار نہیں کیا کروں دلپہ اختیار نہیں
خنجرِ جورِ چرخ نیلی سے کس کا سینہ ہے جو فگار نہیں
میکشو میکدہ میں دنیا کے مست ہے جو کہ ہوشیار نہیں
خاکساری سے میرے دل میں کبھی مثلِ آئینہ کچھ غبار نہیں
دورِ ساغر تو چلنے دے گوہر زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

ولہ

چاک کر دیتے ہیں گل اپنی قبا جبکہ وہ بندِ قبا باندھتے ہیں
نیتِ سجدۂ محرابِ بتاں اب تو ہم صبح و مسا باندھتے ہیں
ہوتا غنچوں کا ہے دل رشک سے خوں جب وہ ہاتھوں میں حنا باندھتے ہیں

کچھ نہ کی اُس نے رسائی گوہر
آہ کو کیوں یہ رسا باندھتے ہیں

رکھے نہ رکھے کوچۂ دلدار میں اسے سونپا ہے اپنی خاک کو اب تو صبا کے ہاتھ
انساں ہے زندہ تا بدمِ رحلتِ نفس ہے کوچ کارواں کا تو بانگِ درا کے ہاتھ

ولہ

جو کچھ گذرتی مجھ پہ ہے اے مہرباں نہ پوچھ کیوں قابلِ بیاں نہیں یہ داستاں نہ پوچھ
کیا پوچھتا ہے حالِ غمِ دل تو ہم نفس ہے رکھا ہے دل میں اسے میہماں نہ پوچھ

ظاہر نہیں ہے اُس کے دہان و کمر کا حال
ہمدم بڑی دقیق ہے یہ چیستاں نہ پوچھ

غم سے فرصت نظر نہیں آتی — کیا کریں موت گر نہیں آتی
ماہرو تیرے انتظار میں اب — نیند بھی رات بھر نہیں آتی
جو گیا اُس جہان کو اُس کی — پھر یہاں کچھ خبر نہیں آتی
نہیں معلوم اُس پہ کیا گذری — نامہ بر کی خبر نہیں آتی
کسی صورت بھی دکھوائے گوہر
اسکی صورت نظر نہیں آتی

جمالِ یار کی کیوں جستجو ہے — ہر ایک گل میں اُسی کی رنگ و بو ہے
درِ بیت پر ہے سر اور چشم پر نم — ہماری وہ نماز اور یہ وضو ہے
برائے نام ہے یہ سب من و تو — نہ میں ہوں اور نہ وہ ہے اور نہ تو ہے
یہ کیسا دور آیا ہے کہ جس میں — نہ ساقی ہے نہ ساغر اور سبو ہے
ترا ظاہر ہے کچھ باطن ہے کچھ اور
عبث زاہد یہ تیری گفتگو ہے

دل میں اک زخم نہانی اور ہے — بات یہ اب سمجھے جانی اور ہے
اندنوں کچھ سرگرانی اور ہے — آپ کی یہ مہربانی اور ہے
قصۂ مجنوں پورانا ہو گیا — اب نئی اپنی کہانی اور ہے
مئے وحدت نے کیا ایسا ہے سرشار مجھے — کوئی دیوانہ ہے سمجھا کوئی ہشیار مجھے
کر سکا ضبط نہ منصور یہی خامی تھی — جانتا میں بھی ہوں لیکن نہیں گفتار مجھے
ابتو جینے کی تمنا بھی نہیں چارہ گرو
کر دیا عشق نے کچھ ایسا ہی ناچار مجھے

بسکہ غم میں ڈبو دیا ہمکو — تم سے اس دل نے آشنا کر کے
کب وہ سنتا ہے ہم غریبوں کی — کیا کریں عرض مدعا کر کے

آخر اس بت کو ہم نے رام کیا — لائے ڈھب پر خدا خدا کرکے
مجھے بے بال و پر کو اے صیاد — دیکھ پچھتائیگا رہا کرکے
مجھے شوریدہ سر کا قصہ بھی — کیوں مٹایا نہ سر جدا کرکے
حیف محروم تیرے در سے پھرا — میں تو آیا تھا آسرا کرکے

جس سے گوہر نہ ہو امیدِ وفا
لوگے کیا اُس سے تم وفا کرکے

بہار ہی میں کیا تو نے آشیاں برباد — تری بلا سے ہم اے باغباں رہے نہ رہے
دل اُسکو دیکھے رہے فکرِ جسم کیا باقی — مکیں ہی جب نہ رہا پھر مکاں رہے نہ رہے
کیا ہے وعدۂ فردا پر اُس کے آنے تک — خدا ہی جانے کہ ہم خستہ جاں رہے نہ رہے

ولہ

اگرچہ بیوفا دنیا میں ہیں سب نازنیں ہوتے — جفاکاری میں پر تم سے نہیں ہوتے نہیں ہوتے
ہوا و حرص دنیا کی ہوئی ہے سدِّ رہ اپنی — نہ ہوتی یہ تو ہم بھی طائفِ عرشِ بریں ہوتے

ولہ

بلبلو میں اُڑ سکوں کیا جورِ صیاد سے — اب رہی طاقت نہ بازو میں نہ قوت آہ کی
جوشِ وحشت میں گذر میرا ہوا جو نجد میں — دیکھکر حالت میری مجنوں نے بھی اک آہ کی

رند ساری عمر رہ کر اب ہے کعبہ کو چلا
دیکھو پیری میں یہ حرکت گوہرِ گمراہ کی

یہ بے رحمی کہ بازو توڑ کر آزاد کرتے ہیں
ستم کیا کیا نئے ہم پر نہ یہ صیاد کرتے ہیں
میں اس امید پہ ہوں غوطہ زن دریائے وحدت میں
کہ غرقِ اصول کی خضر اکثر بڑی امداد کرتے ہیں
گئے گو دین و دنیا سے مگر پھر بھی یہی ڈر ہے
کہ اب دیکھیے حضرتِ عشق اور کیا ارشاد کرتے ہیں

غزلیات

دل و دیں زلفِ دوتا میخواہد   غمزہ بینم کہ چہا میخواہد
پیشِ مرگ آنکہ فنا میخواہد   گوئیا آبِ بقا میخواہد
بگذرم من ز سرِ ہوشِ خرد   اگر آں ہوش رُبا میخواہد
حیف - داند نہ طبیبِ ناداں   مرضِ من چہ دوا میخواہد
زاہدا باش کہ حق از من و تو   دیدہ باید کہ کرا میخواہد
نالۂ و آہ فغانم کافیست   یار اگر نغمہ سرا میخواہد
نیک و بد نیست بدستِ منِ مست   میکنم ہرچہ خدا میخواہد

دُرِ مقصود بکفت می آری
گوہر از فضلِ خدا میخواہد

ہشیاری است غافل ایں عینِ مستیِ ما   بیہودہ نیست یاراں ایں بت پرستیِ ما
معذور دار مارا حقا اگر بگوئیم   زاہد نہ تو آگر از حق پرستیِ ما
غافل ز رتبۂ خود ہستیم و ایں ندانیم   کونین گشتہ پیدا از بحرِ ہستیِ ما
گو ز آب و گل خمیرِ ما پابگل سرشتند   ہمت ببیں رسیدہ تا عرش پستیِ ما

گوہر ز ہمتِ خود صد شکر رفتہ رفتہ
تا دامنش رسیدہ کوتاہ دستیِ ما

آشیاں ست کنجِ خانۂ ما   باشد آہ و فغاں ترانۂ ما
بر درے بہر آب و ناں نرویم   اشکِ چشم است آب و دانۂ ما
حیف آدم بطبعِ یک دانہ   کرد برباد آشیانۂ ما
چہ عجب لطفِ حق بہ بخشاید   بر من و حالِ بیکسانۂ ما

بہر عشاق وہ راے گوہر

سجدہ گاہست آستانۂ ما

رباعیات فارسی

از بہر چہ تو دیدۂ نمناک آخر — از بہر چہ ملول و غمناک آخر
فرزند و عیال وزر بکارت ناید — خاکی و بدی خاک و شوی خاک آخر

ایضاً

گفتم کہ مبند دل بہ دنیائے دوں — کاینجاست ہمہ شعبدۂ و مکر و فسوں
کن قطع تعلقات ز ابنائے زماں — زینہا دل بسیار عزیزاں شدہ خوں

ایضاً

تا کے باشی تو نا مسلماں گوہر — تا چند نجور و فسق و عصیاں گوہر
برخیز و قدم بنہ بہ راہِ ایماں — خواہی نشوی خوار و پشیماں گوہر

ایضاً

فریاد ز جور گردشِ افلاکی — کاں داد مرا ضعیفی و غمناکی
تابِ سیلابِ غم نیارد ہرگز — دقتیکہ کہن شد ایں بنائے خاکی

ایضاً

تا چند کماں شود قدِ چوں تیرم — تا کے بہ غمِ ایں و غمِ آں میرم
باشد بے سود حُبِّ دنیا گوہر — اکنوں بہتر کہ کنجِ عزلت گیرم

گوہر-پنڈت پرکتی ناتھ صاحب

آپ کے حالات دریافت نہ ہو سکے

محرابِ بیت ابرو سے کہتا ہوں بار بار — کعبہ کدھر ہے قبلۂ عالم تمام شب

لل ایشوری

لل ایشوری کے حالات زندگی سے یوں تو سیکڑوں کہانیاں منسوب کیجاتی ہیں لیکن اُن روایتوں میں سے صرف وہ روایتیں جو تحقیق و تدقیق کے بعد قابل اعتبار معلوم ہوئیں یہاں درج کیجاتی ہیں۔ لل ایشوری کی تاریخ ولادت کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ مگر ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سید علی ہمدانی کی ہمعصر تھیں جو ۱۳۰۹ء سے ۱۳۸۵ء تک کشمیر میں موجود

لل ایشوری نے کتنی عمر پائی اور کس سنہ میں انتقال کیا۔ اس کے متعلق بھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ کشمیر میں وہی درجہ رکھتی ہیں جو بھگت کبیر اور رامانند وغیرہ ہندوستان میں رکھتے تھے۔

لل ایشوری پانڈرینٹھن (سرینگر کے نزدیک چند مسلمانوں کی آبادی ہے) کے ایک مشہور کشمیری پنڈت گھرانے کی بہو بتائی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لل ایشوری کی ساس ان کے ساتھ بہت بڑا سلوک روا رکھتی تھی اور کوئی وقت طعن وتشنیع جبر وتشدد سے خالی نہیں جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے خواب وخور اُن پر حرام تھا اور اکثر اوقات فاقہ کشی کی نوبت آتی تھی۔ چنانچہ اُن کی ساس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ لل ایشوری کے کھانے کی تھالی میں ایک سل بٹہ رکھ دیتی تھی اور اُس پر تھوڑا سا بھتہ (اوبالا ہوا چاول) بکھیر دیتی تھی جس سے گھر کے افراد یہ سمجھتے تھے کہ لل ایشوری کی تھالی کھانے سے بھری ہوئی ہے۔ لل ایشوری کے ایک واکیہ (کشمیری زبان میں نظم) سے اس روایت پر کافی روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے

ہنذ مارن کرن کٹ　　　لل ٹلہ وٹ چلہ نہ زاہ
یعنی گھر میں بھیڑ ماریں یا بکری لیکن لل کے لئے سل بٹے کے سوا اور کچھ نہیں

لل ایشوری کی زندگی ایسے واقعات سے تلخ ہو گئی تھی آخر کار اُس نے گھر بار کو خیرباد کہا اور پانپور کے ایک بدھ بابو برہمن سے (جو ایک مرتاض کامل بتایا جاتا ہے) "گورو دکشا" لیا اور یوگ اور شیو فلاسفی کے مطالعہ میں مصروف ہو گئی۔

لل ایشوری فلاسفی اور یوگ کے مدارج پر کامل طور پر حاوی تھی۔ شروع شروع میں تو لل ایشوری آبادی سے دور جنگلوں اور ایکانت میں سکونت پذیر رہی لیکن آخر میں وہ گاؤں گاؤں اور شہر بہ شہر مستانہ وار پھرنے لگی اور اسقدر بیخبری کا عالم اُس پر طاری ہوا کہ اکثر اوقات برہنہ تن پھرنے میں بھی اُسکو ننگ وعار نہ تھا مجذوبوں کیطرح کبھی گاتی کبھی روتی اور کبھی ہنستی تھی۔

لل ایشوری کے جو واکیہ آجکل ملتے ہیں وہ کسی مستقل کتاب سے ماخوذ نہیں کئے گئے ہیں بلکہ لوگوں کو سینہ بہ سینہ جو کچھ یاد تھا اُسے قلمبند کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں سرگریرسن اور سر رچرڈ ٹمپل کی مساعی قابلِ تحسین ہیں کہ جنھوں نے محنتِ شاقہ اور زرِ کثیر صرف کرکے لل ایشوری کے واکیہ اور حالات زندگی فراہم کرکے دو مستقل کتابیں انگریزی نظم و نثر میں لکھی ہیں۔ لل ایشوری کی وفات کے متعلق یہ بات زبان زدِ خاص و عام ہے کہ بجبہاڑہ گاؤں میں ایک مسجد کے نزدیک جب اُسکی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر رہی تھی تو نور و ضیا کا ایک شعلہ بلند ہوا اور خلا میں پھیل کر غائب ہو گیا۔ لل ایشوری کے تقریباً دو سو واکیہ ابتک فراہم ہو چکے ہیں جن میں سے چند واکیہ تبرکاً یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

	لفظی معنی
(۱)	
لَل بوہ درآئیس لولرے	میں لل انتہائے شوق سے جستجو میں نکلی۔
ژانڈان لوسُم دِین کیہو راتھہ	تیری تلاش دن رات کرتی رہی۔
وُچھم پنڈت پننس گھرے	میں دیکھتی ہوں کہ آخر وہ فاضل اجل پنڈت میرے ہی گھر میں ہے۔
شوے میہ روٹُم منس نچھترہ ساتھہ	اور یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں نے اُسے پا لیا
(۲)	
دمہ دمہ کورمس دمن ہالے	آہستہ آہستہ میں حبسِ دم کرتی رہی، اور پھر مجھے اپنی ذات کا علم ہو گیا۔
پرزلیوم دیپہ تہ ننیم زاتھہ	اور اندرونی چراغ روشن ہو گیا
اندریوم پرکاش نیبر ڈیو ٹھہم	اسطرح میں نے اپنی اندرونی روشنی کو باہر پھیلا دیا
گٹ رو ٹُم تہ کرمس تھپہ	آخر اسی اندھیرے میں (دل کی گہرائیوں میں) مجھے روشنی کی شمع مل گئی۔

تشریح

لل ایشوری ان دو واکیوں میں کہتی ہیں کہ میں خدا کی تلاش میں دن رات آوارہ رہی اور ہر مقام پر اُس کو تلاش کیا لیکن آخرکار اُس کو اپنے ہی دل کے اندر موجود پایا اور یہ احساس مجھکو یوگ کے بل سے ہوا۔

(۳)

لفظی معنی

پرتے پان یم سۆ تے مونئے — جو اپنے پرائے کو ایک ہی سمجھے
یم ہیبہِ مو نوے دین کیھو راتھہ — جس نے دن اور رات کو یکساں جانا
یم سے اود یہ من سانہن — جس کے دل سے دوئی دور ہوگئی
یم ڈینوٹھے سور گرو ناتھہ — وہی اپنے اصلی گرو کو پہچان سکتا ہے

(۴)

دیو وٹا دیور وٹا — بُت بھی پتھر کا ہے اور مندر بھی پتھر کا
پٹھہ بونا چھے اکھہ وٹا — کلس سے بُنیاد تک سب کچھ پتھر کا ہے
پو جا کس کرکھہ ہوٹ بٹا — اے دانا پنڈت تو کس کی پوجا کر رہا ہے
کرمنس تہ پونس سنگھٹا — اپنے دل اور اپنی روح کو حبس دم سے یکساں کردے

(۵)

راجہ ہنس اُستھہ سپدک کوئے — کبھی تو راج ہنس کی طرح تھا اور اب تو گھوگے کی طرح بے زبان ہے۔
کُستام چولے کیا تہام ہیتھہ — کوئی تیری کوئی چیز لے کر بھاگ گیا ہے
گرٹہ گو بندتے گرٹہ ہوٹ گوٹنے — چکی بند ہوگئی اور چکی کا منہ بھی بند ہوگیا
گرٹہ ول چولے پہلہ پہل ہیتھہ — پنسہارا اناج وغیرہ لے کر چلدیا

یعنے

کبھی تو تو رس بھرے ترانے گاتا رہتا تھا اور شراب ہستی سے سرمست تھا لیکن اب موت نے تیری طاقت گویائی تجھ سے اس طرح چھین لی جس طرح پنسہارا چکی کے بند ہو جانے پر اناج وغیرہ لیکر چلدیتا ہے۔

(۶)	لفظی معنی
زینہٖم کریو تھہ گرٚ بِھس	تو نے ماں کے پیٹ کے اندر جو وعدہ کیا تھا
پچیتھ کر بہا پے ایتٔی	وہ تجھے کب یاد آئے گا؟
مرنہ برو نٹھوے مرٚ یا	مرنے سے پیشتر ہی مر جاؤ
مرتھہ مرتبہ ہرٚ ئی	اس سے تمھارا رتبہ بلند تر ہوگا

(۷)	
رتھہ مٚنیا تراؤن خرہا	تو اپنے گدھے کو آوارہ نہ چھوڑ
لُوکہ ہنز گنگ وار کھہ ای	وہ لوگوں کے زعفران زاروں کو تباہ کر دیگا
تتہٕ کُس واری تھرہا	اس گدھے کی اس حماقت کی ذمہ واری اُس کے مالک پر ہوگی
یِتہٕ نُنبس کرٚ ٹھل پے ای	کیا تو وہاں برہنہ تن ہو کر چابک کھانے کو تیار ہو جائیگی؟

معنی

لل ایشوری دل کو ایک گدھا تصور کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ تو اُس کو اپنے قابو میں رکھ اور کام کرودھ لوبھ موہ وغیرہ سے ہمیشہ بچائے رکھ۔ ایسا نہ ہو کہ تو اِن کے قابو میں پڑ کر جہنم کا سزاوار ٹھہرے۔

نوٹ۔ ناچیز مولف جناب پنڈت دینا ناتھ چکن متخلص بہ حسرت کی عنایت کا مشکور ہے کہ اُنھوں نے اس قدر زحمت گوارا کرکے لل ایشوری کے حالات زندگی ارسال فرمائے ہیں۔

نوشا۔ مہاراجہ دیا رام بہادر مستوفی الملک روشن جنگ

فرزند اکبر مُوبد مُوبدان رائے زندہ رام پنڈت متخلص بہ واجد۔ آپ کے منجھلے بھائی رائے پنڈت ٹیکا رام صاحب مُوبد متخلص بہ ظفر تھے۔ اور اُن کے چھوٹے رائے پنڈت سیتا رام صاحب عمدہ تھے یہ روایت صحیح ہے کہ مہاجی سیندھیا ناظم سلطنت کے حکم قہری سے مہاراجہ بہادر دیا رام ہاتھی سے پامال کر دئے گئے تھے۔ سوانح عمری ظفر ملاحظہ ہو۔

هر نفس چه رنجانی جانِ مبتلائے را — اے صنم نیازاری بندهٔ خدائے را

اے زعهد بیگانه دل بصرفِ تو دادم — چوں ز دل تواں انداخت حرفِ آشنائے را

با کس نمی گویم ماجرا بجز گریه — هر کسے جدا گوید از تو ماجرائے را

چشم تو ببند از و فتنه در دلِ عارف — زلفِ تو زند بر هم دینِ پارسائے را

عشق هر کجا باشد میکشد بخود حسنش — سوئے برگِ کاہ ہست جذبہ کہربائے را

آں صنم قدمے بر دل گر زناز بگذارد — سجدهٔ سر کنم ز دل دیدهٔ نقشِ پائے را

چشم من نمی افتد جُز بروئے نیکویش

بسکه عاشقم لوقا شوخِ میرزائے را

لوقا۔ پنڈت بشن ناتھ صاحب مُوبد

آپ رائے پنڈت زندہ رام صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ خط نستعلیق و شکستہ وغیرہ خوب لکھتے اور مجلدی و کاغذ سازی و مُذہبی و نقاشی و طرّاحی و مُجدّ رمی و روشنائی و شنجرف کے بنانے میں ید بیضا رکھتے تھے۔

دوئی بمحفلِ وحدت اگرچه بے ادبی است — برنگِ آئینه دل صاف محوِ حق طلبی ست

زبانِ طعنهٔ عشاق اے رقیب به بند — بهار گریهٔ ما خنده هائے زیر لبی است

یقیں بگوش تو یک روز میرسد ظالم — صفائے گوهرِ دل گرد عائے نیم شبی است

برو بکعبهٔ دل زاهدا برائے خدا — مرو به مسجد و بتخانه ایں چه بو العجبی است

تواں بخویش رسیدن ز نشهٔ تدبیر — ز دونِ شیشهٔ تقدیر بادهٔ ربی است

ماہر۔ پنڈت رتن لعل صاحب مجو خلف پنڈت گلاب رائے صاحب مجو

ساکن سابق دہلی

آپ کے بھتیجے پنڈت شیو نرائن صاحب مجو خلف پنڈت کنہیا لعل صاحب مجو المتخلص بہ مبارک ایک عرصہ دراز تک شاہجہانپور میں بہ سلسلہ ملازمت سکونت پذیر رہے۔ جناب ماہر کا ایک دیوان

فارسی چار دیوان اُردو قلمی پنڈت صاحب موصوف کے پاس موجود تھے اتفاقیہ تذکرہ بہار گلشن کشمیر کا ذکر آنے پر پنڈت صاحب موصوف نے بلا تکلف یہ چاروں دیوان مجکو عنایت فرمائے جنکا انتخاب تذکرۂ ہذا کا زینت بخش ہے۔ جناب ماہر نے دیوان اول میں خاص اپنے قلم سے اپنے سوانح عمری مختصراً درج فرمائے ہیں چنانچہ اسکی نقل بجنسہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

امابعد یہ حقیر فقیر پنڈت رتن لعل مجّو تخلص بہ ماہر پسر پنڈت گلاب رائے مجّو برہمن کشمیری ساکن سابق دہلی عرض کرتا ہے کہ میں عرصہ چوالیس برس سے اس ضلع شاہجہانپور میں ہوں اور پینتیس ۳۵ برس اسی ضلع میں ملازم سرکار دو لتمدار کار رہا آخر کار بوجہ پیرانہ سالی و نیک نیتی و خوش قسمتی اپنی عہدہ محرری جوڈیشل حضور تحصیل شاہجہانپور سے ۱۱ اگست ۱۹۰۱ء کو پنشن پائی چونکہ ایک عرصے سے مجکو شوق شعر و سخن کا تھا لہذا اکثر صاحبان اہل ہنر کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور سید ارشاد علی عرف ملا شاد ساکن شاہجہاں پور محلہ جعینڈ اکی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا۔ سید صاحب موصوف سے اصلاح غزلیات میں لیتا رہا چونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں میری طبیعت نے جولانی دکھائی اور روزانہ دو چار غزلیں کہتا رہا لہذا چند غزلیات بہ محنت و جانفشانی روزمرہ تیار کرکے یہ گلدستہ بنایا جس کا نام دیوان ماہر رکھا۔ اگرچہ یہ دیوان اس لایق نہیں ہے کہ سخن سنجان روزگار و صاحبان ذی ہنر اس کا ملاحظہ فرمائیں تاہم اگر نظر عنایت سے غور فرما کر دیکھیں تو جو نقص و غلطی ظاہر ہو اصلاح دیں۔

خالی نہیں انسان کوئی عیب و ہنر سے　　ممکن ہو تو دیکھیں وہ توجہ کی نظر سے
کس طرح ہو انسان کو جینے کا بھروسا　　پھرتی ہے اجل دیکھو کفن باندھ کے سر سے
میں چھوڑتا ہوں اپنی نشانی یہ پس مرگ　　ہر شعر مرا کم نہیں ہے لخت جگر سے

جناب ماہر ایک مشاق اور پرگو شاعر تھے۔ آپ کا کلام شاعری کے مختلف اصناف کا ذخیرہ ہے بندش الفاظ سلاست و لطافت زبان قابل داد ہے۔ آپ کے اشعار میں سوز و گداز مسائل اخلاق و تصوف کا رنگ جابجا جھلکتا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کی عمر نے وفا نہیں کی

ورنہ آپ کے زمانہ حیات میں آپکا دیوان اول تو ضرور شایع ہو جاتا۔

اگر خواہی بہ بینی جلوۂ رخسار زیبا را — وولی بگذار روشن کن ز وحدت چشم بینا را
ز نورِ مہر او ہر ذرہ مہرے در بغل دارد — ز تابِ جلوہ اش حاصل تجلی گشت دلہا را
بہار باغ عالم کے شود آخر ز دیدن ہا — ندارد صنعتِ او انتہا نیرنگ تماشا را
بہر سوے کہ چشم خویش را وا کردہ می بینم — نیاید در نظر جز روئے او شکل دگر ما را
اگر خواہی کہ عمرِ خود بہ یادش میکنی آخر — بیا در مذہبِ آزادگاں بگذار دنیا را

وله

بدل جا دادہ ام آں دم خیالِ زلف پیچاں را — ز پاے خویشتن تا کردہ ام آباد زنداں را
ز دامانِ تعلق گرچہ صد آزادگی دادم — ولے خاریست از عریانیم خارِ بیاباں را

وله

ساقی بخاک ریخت چو جام شراب را — ہر ذرہ در کنار گرفت آفتاب را
غفلت پسند طالعِ بیدار کے شود — در چشم خویش راہ ندادیم خواب را
اندیشہ کن ز بحرِ فنا بے خبر مباش — نظارہ کن ز دیدۂ عبرت حباب را

وله

ز روے شمع او روشن بہ عالم گشت محفل ہا — نہ سوزد کے ز سوزِ عشق او پروانۂ دل ہا
ز دستِ ناتوانی در غمِ ہجراں چناں تنگم — کہ یک گام است طے کردن بہ پیشم سخت منزل ہا
من آں دیوانہ مجنونم کہ لیلا در بغل دارم — چرا مثلِ جرس فریاد و سازم پیشِ محمل ہا

وله

ز شوقِ پاے بوس خار از زنداں کشتم پا را — کنم پیوند از دامانِ خود دامانِ صحرا را
ز شہر سوے صحرا مثل مجنوں گر نہم پا را — ز محمل پردہ بردارم بہ بینم روے لیلا را
زمینِ کوچۂ او در بغل سیرِ چمن دارد — بہ بیں از شوخیِ رنگ حنا نقشِ کفِ پا را

کجا در جستجوے ساقیِ مہوش روم ماہر
بدستم ساغرے در بغل دارم مینا را

جسمِ عریاں را خوش آید کے لباسِ تنگ تر — رنگ ہم بار گراں شد حیف جسمِ زار را
آرزو دارم کہ بہر شکر او مثل زباں — در دہانِ زخم دارم خنجرِ خونخوار را

حیرتے دارم بسر سازم چساں روزِ فراق   جز غمِ ہجرِ تو دیگر مونس و غمخوار نیست
ساغرِ ما از غمِ افلاک ہرگز پر نشد   ہم چو من ساقی بہ عالم دیگرے غمخوار نیست
فتنۂ محشر سرِ تسلیم بر بالیش نہاد   کمتر از شورِ قیامت گردشِ رفتار نیست

ولہ

مضطرب گل می شود از گریہ ہائے عندلیب   چاک سازد غنچہ ہم دامن بہ ہائے عندلیب
باغباں ہم دشمنِ جاں صورتِ صیاد شد   نیست جز گل در چمن حاجت روائے عندلیب
بوئے گل صیاد می آید بہ تحریکِ صبا   ہست در کنجِ قفس عشرت سرائے عندلیب

ولہ

بے قراریم دل درد طلب را چہ علاج   طپشِ سینۂ و بیداریِ شب را چہ علاج
خواب در چشم نیامد بہ شبِ تارِ فراق   وائے حسرت لبِ فریاد طلب را چہ علاج
تا بکے حسرتِ دیدارِ تو در دل دارم   پردہ از رخ نہ کشد دستِ ادب را چہ علاج
گرچہ پوشیدہ کنم رازِ محبت لیکن   اضطرابِ دل و بیخوابیِ شب را چہ علاج

ولہ

جوششِ ابرِ سیہ دیدۂ گریاں دارد   برق را در بغلِ آہِ شرر افشاں دارد
ہیچ کس نیست کہ شاکی نبود در عالم   شیوۂ جور و جفائے تو نہ پایاں دارد
شبِ تاریک نہ پوشیدہ فقط رختِ سیاہ   صبح ہم در غمِ ما چاک گریباں دارد
حاجتِ سبحہ و زنار نہ دارم ز ازل   رشک از مذہبِ ما گبر و مسلماں دارد

خاکِ صحرائے جنوں بر بدنِ ما کافی است
خواہشِ جامہ نہ ما ہر تنِ عریاں دارد

آئینہ ز نظارۂ جاناں گلہ دارد   شانہ ز سرِ گیسوئے پیچاں گلہ دارد
در جوشِ جنوں بار گراں شد بہ تنِ زار   از خاکِ بیاباں تنِ عریاں گلہ دارد
چوں دستِ جنوں بر سرِ دامن نرسیدہ   از دامنِ ما چاکِ گریباں گلہ دارد
چوں وحشتِ دل عزم کند سوئے بیاباں   زنجیر ز پابندیِ زنداں گلہ دارد
بنگر کہ شدہ صورتِ شانہ ہمہ تن چاک   تا ہم ز دلم گیسوے جاناں گلہ دارد

گلگیر را برائے خدا پیشِ او مبر
در بزمِ تست تا بہ سحر میہمانِ شمع

سوزد چرا بہ بزمِ جہاں جانِ زار را
واقف کسے نہ گشت ز رازِ نہانِ شمع

از چشمِ خویش اشک ز حسرت بر آورم
ماہر بہ پیشِ یار کنم گر بیانِ شمع

بعد مردن ہم میسر شد نہ راحت زیر خاک
تنگ میدارد مرا آغوشِ تربت زیر خاک

از صدائے صور ہم بیدار گشتن مشکل است
خفتہ ام غافل چناں از خوابِ غفلت زیر خاک

می رسد گرد و غبار خاک ماہر آسماں
کم نہ شد بعد از فنا ہم اوجِ ہمت زیر خاک

ولہ

تبدیل گشت شکل ز رنج و غمِ فراق
پرواز کرد از رخِ ما چوں غبار رنگ

ماہر ز چشمِ غور چو بینی بوقتِ سیر
دارد ہزار ہا چمنِ روزگار رنگ

وارد دلِ ناشاد و ما صد داغِ ہجراں در بغل
آہِ شرر افشاں بہ لب اندوہ و حرماں در بغل

گو رند مشرب گشتہ ام در اصل بودم پارسا
در دست دارم جامِ مے پوشیدہ قرآں در بغل

پیشِ تو سر خم کردہ ام از بارِ او افسردہ ام
چشمِ تو داری تا بکے شمشیرِ عریاں در بغل

اے شوخِ بے پروا ببیں دیوانۂ وارفتہ را
داماں دارد بر گلو چاکِ گریباں در بغل

مجنوں کجا و من کجا آں نجد دارد زیرِ پا
دارم ز پا مردیِ خود صد ہا بیاباں در بغل

ماہر ز غم چشم است تر صد داغِ ہجراں در جگر
آہ و دلم شام و سحر آتش فروزاں در بغل

ز جوشِ وحشتِ دل چاک کردم جیب و داماں را
تلاشِ سوزنِ خارے جنوں بہرِ رفو دارم

بہارِ لالہ زار از داغ ہائے سینہ می بینم
بہ چشمِ خوں فشاں مثلِ گلِ تر رنگ و بو دارم

ز دل افتادہ ام چوں سبزۂ بیگانہ در گلشن
نہ مثلِ خار خو دارم نہ چوں گل رنگ نے بو دارم

نہ پائے رہ روان خاکِ بسر داریم در رہے
بروئے خاک چوں نقشِ کفِ پا آبرو دارم

بہ شب ہائے جدائی حالِ زارم کس نمی پرسد
گہے بینم فلک راگاہ از دل گفتگو دارم

بے وجہ نیست از غمِ ہجراں گریستن
دل
ہست از ازل بہ قسمتِ انساں گریستن

شایانِ طبع نیست زدرد و غمِ فراق
بر رخ نہادہ گوشۂ داماں گریستن

معدوم گشتن است زگرمیٔ آفتاب
شبنم صفت بہ صحنِ گلستاں گریستن

در فصلِ نوبہار زحسرت بروئے گل
باید ترانۂ بلبلِ نالاں گریستن

ماہر ہزار رنج وہد گردشِ فلک
نادانی است صورتِ طفلاں گریستن

اے دلبرِ رعنائے من از من چرا رنجیدۂ
وے شمعِ بزمِ انجمن از من چرا رنجیدۂ

بر روئے تو وارفتہ ام وز زلفِ تو دل بستہ ام
زار و پریشاں گشتہ ام از من چرا رنجیدۂ

وے غیرتِ لیلا ہو ہیں مجنوں منم صحرا نشیں
دارم بہ تن خاکِ زمیں از من چرا رنجیدۂ

دارم نظر بر روئے تو دل دادہ ام بر خوئے تو
افتادہ ام در کوئے تو از من چرا رنجیدہ

ایں ماہر شیدائے تو دارد بہ سر سودائے تو
سر می زنم بر پائے تو از من چرا رنجیدۂ

بیکسیم نیست کسے اے غمِ ہجراں مددے
شبِ ہجراں مددے حسرت و حرماں مددے

سرد مہری بتاں دردلِ ما یخ بستہ
آہِ سوزاں مددے آتشِ پنہاں مددے

شکوہ از جانبِ ما دستِ جنوں می دارد
چاکِ داماں مددے جیب و گریباں مددے

جوشِ خوں بہرِ شہادت رگِ گردن دارد
تیغِ براں مددے ابروئے جاناں مددے

ماہر از دیدۂ ما رفت بر دل لعلِ سہ تنگ
دامنِ ما مددے پنجۂ مژگاں مددے

ز چشم پر غضب تیغِ محبت و چیں بر جبیں داری
بخونریزی جانبازاں کشیدہ آستیں داری

ز حسنِ روز افزوں چہرہ و مہ زیر نگیں داری
سحر از روئے روشن شب ز زلفِ عنبریں داری

عجب حال تو می بینم ز جوش وحشت اے ماہر
نہاں خاریست در دامن بسر خاکِ زمیں داری

غزلیات اُردو

حیرت ہے یہ پردہ سا ہے کیا بیچ میں حائل
منہ دیکھ کے رہجاتا ہوں میں ارض و سما کا

ہے کون جو پابند محبت کا نہیں ہے
پایا ہے مزہ کس نے نہیں مہر و وفا کا

وله

مٹا کر اپنی ہستی زندگی میں خاک ہونا تھا
زمیں پر نقشِ پا بنکر ہمیں بیباک ہونا تھا

چھپاتے ہم تنِ عریاں کو اپنے جوشِ وحشت میں
تجھے اے خاک صحرا دامنِ پوشاک ہونا تھا

تماشا دیکھتے پھر سرکشی کا تیری۔ آنکھوں سے
زمیں کا بوجھ سر پر تیرے اے افلاک ہونا تھا

ہے جوش اشک دیدۂ تر میں رکا ہوا
دریا سا ہے حباب کے اندر بھرا ہوا

دل میں نشانِ داغِ محبت نہیں رہا
اندھیر ہے چراغ ہے گھر کا بجھا ہوا

جوہر دکھا رہی ہے تری تیغِ آبدار
دھبہ نہیں ہے خون کا قاتل لگا ہوا

تھا ایک داغ دل میں ہوا اب ہزار داغ
لایا ہے رنگ دیکھئے کیا گل کھلا ہوا

وحشت زدہ کی اپنے ذرا شان دیکھئے
دامان چاک ہے تو گریباں پھٹا ہوا

وله

ٹپکا نہ ایک اشک بھی چشم پرآب کا
پانی سے بھر رہا ہے کٹورا حباب کا

ہے چشم تر بھی خشک کہاں نے خمار ہو
اندھیر ہے کہ خالی ہے پیالا شراب کا

ماہر شراب ناب پئیں کس طرح سے ہم
الٹا ملا نصیب سے پیالا حباب کا

آنکھوں میں وہ عالم ہے تیری جلوہ گری کا
خورشید پہ شک ہے مجھے خط نظری کا

کیا ہووے رہائی کی خوشی قید قفس سے
رُلواتا ہے عالم مجھے بے بال و پری کا

پوشیدہ ہی رہنے دے ذرا راز نہاں کو
اے نالۂ دل کام نہ کر پردہ دری کا

بھولے ہوئے غربت میں ہیں ہم راہ وطن کو
اے پیکِ اجل قصد کر اب ہم سفری کا

گو شورِ قیامت بھی ہوا سر پہ و لیکن
اب تک وہی عالم ہے مری بیخبری کا

طلوعِ صبحِ محشر ایک شر ہے سینہ سوزاں کا
چراغِ شام سایہ ہے ہمارے داغِ ہجراں کا

جنوں نے ہاتھ دوڑایا جب اپنا صبحِ فرقت میں
گریبانِ سحر بھی ہو گیا چاک اپنے داماں کا

ہمیشہ باعثِ دورانِ سر ہے دورِ جام اپنا
نہیں شکوہ ہے کچھ برگشتگیِ چرخِ گرداں کا

نہ دیکھا روزِ روشن ایکدن شب ہائے ہجراں میں
چراغِ صبح پر سایہ پڑا شامِ غریباں کا

سیہ بختی میں کرتا ہے رفاقت کون اے ماہر
اندھیرے میں نظر آتا ہے سایہ بھی نہ انساں کا

بنائے کس طرح بلبل چمن میں آشیاں اپنا
نہ وہ غنچہ نہ وہ گل ہے نہ وہ ہے باغباں اپنا

گریباں چاک گل ہے غنچہ ہے خاموش حسرت سے
گئی بلبل کہاں لیکر چمن سے آشیاں اپنا

مرے دیوانہ پن کا کسقدر رہے شور گلشن میں
بھرا کرتا ہے دامن پتھروں سے باغباں اپنا

ولہ

مجھسے برگشتہ تیری تیغِ ادا بھی میں نہ تھا
ڈھونڈتی پھرتی مجھے میری قضا تھی میں نہ تھا

تیری آرائش نے اے قاتل کیا مجھکو ہلاک
خون میرا پاؤں سے ملتی حنا تھی میں نہ تھا

لیکے وہ تیغِ ستم مقتل میں جب پھرنے لگا
مونہہ ہر اک کا دیکھتی پھرتی قضا تھی میں نہ تھا

ولہ

گمراہ تیری طرح نہیں ہوں گا برہمن
تو بت کا ہے بندہ تو میں بندہ ہوں خدا کا

ہٹنے کا نہیں سامنے سے وہ ترے ہرگز
آئینہ ہے خود محو تیری ناز و ادا کا

کس طرح ہووے گذر اپنی میانِ کوے دوست
ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا نشانِ کوے دوست

محو ایسا ہوں جو کرتا ہے کوئی کچھ ذکر بھی
میں سمجھتا ہوں وہ کرتا ہے بیانِ کوے دوست

منتیں غیروں کی کچھ کس واسطے جا کر کریں
دل ہی جب اپنا ہوا ہے پاسبانِ کوے دوست

ولہ

جوشِ وحشت میں جو ہم پہونچے سوئے میخانہ آج
شیشہ پر شیشہ گرا پیمانہ پر پیمانہ آج

اے صبا کیا گیسوئے جاناں سے کچھ جھگڑا ہوا
کر رہا ہے چاک جو اپنا گریباں شانہ آج

ولہ

ابرو کے آگے ہے نہیں خنجر کی احتیاج
وہ تیغ ہے بنے نہیں جوہر کی احتیاج

تڑپ رہے ہیں زمیں پر چمک کے گرمی سے ۔۔۔ ہر ایک ذرّہ کی شاہد ہے آفتاب میں روح
سبو سے شیشہ میں شیشہ سے آئی ساغر میں ۔۔۔ بھٹکتی ہے کسی مفلس کی یہ شراب میں روح

وله

ہجر کی شب میں کہیں صورت بھی دکھلاتی ہے نیند ۔۔۔ پتلیوں سے وصل کی شب میں لپٹ جاتی ہے نیند
رنج فرقت میں بلانے سے نہیں آتی ہے نیند ۔۔۔ دور ہی سے دیکھکر آنکھوں کو اڑ جاتی ہے نیند
سرمہ بنکر پھیل جائے کسطرح سے کیا کرے ۔۔۔ راہ بھی جانیکی آنکھوں میں نہیں پاتی ہے نیند
جیتے جی آنکھوں سے نفرت ہے فراق یار میں ۔۔۔ بعد مردن خود بخود کس پیار سے آتی ہے نیند

چھوڑ دوں مژگاں کی چلمن جی میں ہے ماہر مرے
اندلوں آنکھوں میں آئیسے جو شرماتی ہے نیند

موںہہ کھولے ہوے آبلے نکلے کفِ پا میں ۔۔۔ پیدا ہو زباں رکھدیں جو منہ خار کے منہ پر
جب جانیں کہ منہ پھٹ ہیں بہت زخم جگر کے ۔۔۔ شکوہ تو کریں اُس بتِ خونخوار کے منہ پر
تڑپا جو دم ذبح ترا عاشق شیدا ۔۔۔ غش کھا کے قضا گر پڑی تلوار کے منہ پر
اے رحمتِ حق بہر خدا اپنی زباں سے ۔۔۔ کچھ کہدے تسلی کو گنہگار کے منہ پر

یہ بھی ہے طفیل عاشقِ جانباز کے خوں کا
کیا رنگ جما ہے تری تلوار کے منہ پر

وله

ترے آتے ہی اوڑا رنگ چمن بو ہو کر ۔۔۔ مہندی چھپ چھپ گئی شبنم گری آنسو ہو کر
غیر سرمہ کی طرح ہوں تری آنکھوں میں عزیز ۔۔۔ میں کھٹکتا رہوں نظروں میں رگ بو ہو کر
کدھر ہے کوئے جاناں کیسے پہونچوں میں کماں ہو کر ۔۔۔ بتا دے راہ مجھکو اے زمیں تو آسماں ہو کر
رُکے ہیں اشک آنکھوں میں ہماری کیوں رواں ہو کر ۔۔۔ حبابوں میں یہ دریا رہ نہیں سکتا نہاں ہو کر
لگانا وار قاتل بار بار اچھا نہیں ہوتا ۔۔۔ دہانِ زخم میں رہ جائیگا خنجر زباں ہو کر
کہاں جاؤں نکلکر گردشِ تقدیر تو دیکھو ۔۔۔ اوڑاتا ہے فلک پھر خاک سر پر بدگماں ہو کر
ہوا ہے جوشِ وحشت اسکو بھی میری طرح ماہر

گریبانِ سحر جو اڑ گیا ہے دھجیاں ہوکر

تشنگی سے لایا مقتل میں مقدر دیکھکر
منہ کھلا زخمِ جگر کا آبِ خنجر دیکھکر

ولہ

ہر طرف پھیلی ہوئی زلفِ دوتا ہے سر پہ
کوئی آسیب ہے یا کوئی بلا ہے سر پہ

محو اتنا نہ برہمن ہو ذرہ اوپر دیکھ
بت اگر فرشِ زمیں پر ہے خدا ہے سر پہ

ولہ

جھک گیا سر میرا آکر کوچۂ قاتل کے پاس
تھک گیا اے وائے حسرت پہونچکر منزل کے پاس

دشت میں اب تو نشانِ قبرِ مجنوں بھی نہیں
خاک جو باقی تھی اڑتی پھرتی ہے محمل کے پاس

ہائے کچھ تو پوچھ لیتا خون میرا بعدِ قتل
اتنا بھی دامن نہیں ہے خنجرِ قاتل کے پاس

ہوگئی بیتاب حسرت سے تڑپتا دیکھکر
تیغِ قاتل اب پہونچ سکتی نہیں بسمل کے پاس

سخت جانی کی شکایت اپنی کس منہ سے کروں
خنجر بے آب ہے سنتا ہوں میں قاتل کے پاس

درد فرقت سے جو ماہر صبر ہوتا ہی نہیں
کوئی پتھر رکھ لیا ہوتا اٹھاکر دل کے پاس

مست و میخوار جھکائے ہوئے سر آتے ہیں
کیا یہ میخانہ بھی کوئی ہے زیارت واعظ

جام ہی پینے دے توبہ تو کریں گے آخر
ابھی آئی نہیں جاتی ہے قیامت واعظ

ولہ

عشق میں پروانہ کے جلتی ہے حسرت سے سدا
عاشقوں میں رکھتی ہے وہ ہمتِ مردانہ شمع

تجھکو رہتا ہے یہاں شام و سحر کوچ اور مقام
بزمِ عالم ہے ترے آگے مسافر خانہ شمع

منہ چھپاکر پردۂ فانوس میں روتی رہے
منہ سے پروانہ کی گر سن لے مرا افسانہ شمع

مست تو شب بھر رہی اب صبح ہوتی ہے نمود
کیوں نہ لبریز تیری عمر کا پیمانہ شمع

دن کو غیرت سے تجھے وہ منہ دکھا سکتی نہیں
رات کو آتی ہے تیرے آگے مایوسانہ شمع

جگر نہ سینہ میں ہے اور نہ دل ہے پہلو میں
ہوا ہے کیسے یہ برباد گھر نہیں معلوم

خیال کرکے نہ دل میں مرے خدا جانے
وہ بے خبر ہوں کہ مجھے اپنی خبر نہیں معلوم

زمیں پہ گرتے ہیں طفلِ سرشک گھبرا کر
تجھے ذرا بھی کچھ اے چشمِ تر نہیں معلوم

کبھی ہے کس پہ تیغ ادا نہیں معلوم — دکھاتی کس کو ہے غمزہ قضا نہیں معلوم
غم فراق سے اب دم میں دم نہیں باقی — یہ ابتدا ہے ابھی انتہا نہیں معلوم

ولہ

کیا ہے ابروئے خمدار نے برگشتہ مژگاں کو — عجب کیا ہے جو گر تیغ بھی شمشیر چشکی میں
یہ صدقہ ہے نگاہِ یار کا ابرو کا مژگاں کا — کمر میں تیغ ہے برچھی بغل میں تیر چشکی میں
بڑھا گر جوش سودا اے جنوں کچھ بھی تو سن لینا — دبا کر توڑ دونگا پاؤں کی زنجیر چشکی میں
اٹھائیگا جو سر پھر جوشِ سودائے جنوں ماہر
ہلا دینگے پکڑ کر عرش کی زنجیر چشکی میں

میرے رہنے کے لئے بنوا رہی ہے گھر زمیں — سیکڑوں من خاک ڈالے گی مرے سر پر زمیں
کیوں نہ میں ملکِ عدم کی یاد میں رویا کروں — آسماں ایسا وہاں ہے اور نہ ایسی سرزمیں
بعد مردن بھی دبا ہوں دو بلاؤں کے تلے — آسماں اوپر زمیں کے اور مرے سر پر زمیں
اے فلک تو ہی بتا جاؤں کدھر میں ناتواں — پاؤں رکھنے کی جگہ دیتی نہیں تل بھر زمیں
تنگ جینے سے ہوں ماہر گر نہ آئیگی اجل
پاؤں پھیلا کر اٹھا لونگا ابھی سر پر زمیں

زہے تقدیر گریباں جو گلے ملتا ہے — وائے تقدیر کہ قدموں پہ رہے سر دامن
تنِ عریاں نے کیا دستِ جنوں سے نادم — چاک کرنے کو گریبان نہ میسر دامن
ہم فقیروں کو ہو کیا خاک تمنائے لباس — جامہ خاک ہے اور خاک کا بستر دامن
تیری خواہش ہے مجھے ہوں تیرے در کا میں فقیر — کیا ضرورت ہے جو پھیلاؤں میں گھر گھر دامن

ولہ

کیا تھا اسقدر سیراب آبِ تیغِ قاتل نے — دہانِ زخم سے بہتا رہا میرے لہو برسوں
کیا پابندِ حسرت ایسا ضعفِ ناتوانی نے — رہا تارِ رگِ گردن مرا طوقِ گلو برسوں
تیرے جاتے ہی حسرت سے اڑا رنگِ چمن ایسا — نہ آئی غنچہ و گل میں ذرا بھی رنگ و بو برسوں
کسی کے اشتیاقِ سجدۂ محرابِ ابرو میں

کیا ہے ہنے ماہر آبِ خنجر سے وضو برسوں

ترے کوچہ میں صورتِ نقشِ پا ہم
پڑے خاک پر ٹھوکریں کھا رہے ہیں

ہٹے ہم تو اوچھی پڑی تیغِ قاتل
وہ نادم ہیں ہم دل میں پچھتا رہے ہیں

ولہ

غیر کے جی پہ جو صدمہ ہو تو نالاں ہوں میں
کوئی روتا ہو تو منت کشِ داماں ہوں میں

وائے حسرت نہ گرا آنکھ سے اک آنسو بھی
کب سے پھیلائے ہوئے گوشۂ داماں ہوں میں

ولہ

اسیری میں بھی اب تک ہے وہی دیوانہ پن اپنا
ہلایا کرتے ہیں بیٹھے ہوئے زنجیر زنداں میں

ولہ

ساقیا میخانہ کو مقتل سمجھنا چاہئے
خونِ مینا کون سے دن چشمِ ساغر میں نہیں

ایک آنسو جوشِ گریہ سے نہ ٹھہرا آنکھ میں
اے حباب اتنی بھی گنجائش ترے گھر میں نہیں

ولہ

کس طرح سے قفس میں داخل ہوں کیا کروں
قاتل کہیں ہے میں ہوں کہیں اور قضا کہیں

کسکو سناؤں رو کے شبِ ہجر کا میں حال
پہلو سے چل دیا دل دردآشنا کہیں

ولہ

بت پرستی کی شہادت تری دیتا ہوں میں
تو برہمن ہے تو ناقوسِ کلیسا ہوں میں

کیوں ڈبوئے نہ مجھے بحرِ فنا مثلِ حباب
سر اٹھائے ہوئے گرداب میں پھرتا ہوں میں

صورتِ نقشِ قدم خاک اڑانے کے لئے
پاؤں پھیلائے ہوئے راہ میں بیٹھا ہوں میں

گردشِ چرخ سے خود خاک میں مل جاؤنگا
نہ بگاڑو مجھے مٹی کا کھلونا ہوں میں

تیرا انداز ہم اے چرخِ کہن سیکھتے ہیں
خاک سے خاک میں ملنے کا چلن سیکھتے ہیں

اے جنوں غنچہ صفت تنگ قبا سے ہو کر
پھاڑنا صورتِ گل جامۂ تن سیکھتے ہیں

ولہ

دردِ دل سے جو گرے آنکھ سے گر آنسو
خاک پر کیا ہی تڑپ کر ہوئے مضطر آنسو

کھیل رونے کا ہوا خوب یہ میری آنکھوں کو
کبھی دامن پہ گرے اور کبھی منہ پر آنسو

ختم ہیں ہم پہ ساقی جو دیے میخانہ
ساغرِ چشم میں ہم پیتے ہیں بھر بھر آنسو

ماہر دیدۂ نم دوست ہیں اس گردۂ عالم میں (؟)
میرے دامن میں بھرے رہتے ہیں اکثر آنسو

خاک میں ملتے جو ہیرا دھوئے جاتے ہیں (؟)
کس لئے آنکھ سے آتے ہیں نکل کر آنسو

خاک اوڑائیگی تیری گریۂ وزاری ماہر
ہوتے ہیں سوئے زمیں آنکھ سے رہبر آنسو

کیا بیہوش مجھکو چشمِ مستِ نازِ ساقی نے — بھلایا نشّہ نے دو جام کے سارے زمانے کو
کیا ہے شوخ چشم آئینہ کو نظارہ بازی نے — چڑھایا بندشِ گیسوئے تیرے سر پہ شانے کو
نشانِ سجدہ ہر ایک نقشِ پا کو جانتا ہوں میں — حریم کعبہ سمجھا ہوں تمھارے آشیانے کو

ولہ

دیکھ لیتے ہیں تصور میں تیری صورت ہم — کششِ دل نے دکھایا یہ اثر آنکھوں کو
کس طرح اشکوں کو اپنے نہ میں قاصد سمجھوں — دل پہ صدمہ ہو تو دیتے ہیں خبر آنکھوں کو

ولہ

عجب کیا توڑ ڈالیں سبحہ و زنار کو دونوں — پلادے جام مے ساقی جو تو شیخ و برہمن کو
ہوا ہے جام مے کو فخر تیرے ہاتھ میں کیسا — جھکا لیتا ہے شیشہ بھی ادب سے اپنی گردن کو
ہمیں اب وحشت دل دیگی کیا ترغیب عریانی — نچھوڑونگا کبھی میں ہاتھ سے صحرا کے دامن کو

ولہ

شب فرقت میں کسی نے تو دیا ساتھ مرا — بیکسی ملنے کبھی بھولے سے آجاتی ہے
کیا کہوں جب تیرے آنیکی خبر سنتا ہوں — بیخودی آکے میرے ہوش اُڑا جاتی ہے

ولہ

بے حجابی نے تری کھول دیا بندِ نقاب — کیوں حیا آنکھوں میں شرمائی ہوئی پھرتی ہے
حسرت و یاس نے نظروں سے گرایا تھا مگر — بیکسی سینہ سے لپٹائے ہوئے پھرتی ہے
سخت جانی سے میری پھر گیا منہ خنجر کا — زیست سے موت بھی شرمائی ہوئی پھرتی ہے

ولہ

رونے میں میرا اشک آنکھ سے باہر نکل آئے — ڈوبے ہوئے دریا کے شناور نکل آئے
محروم پھرے خانۂ خمار سے ساقی — خالی ہی لئے ہاتھ میں ساغر نکل آئے
سر سبز ہوئے دہر میں پامالی کے خاطر — سبزہ کی طرح خاک سے باہر نکل آئے

ولہ

پاؤں تک سر سے تری زلفِ رسا آپہونچی — دونوں ہاتھوں سے بلا لینے ادا آپہونچی
پس گئے سیکڑوں دل پاؤں سے ملتے ملتے — خون کرتی ہوئی ہاتھوں میں حنا آپہونچی

سر بکف سیکڑوں مقتل میں ہیں دیکھیں ماہر

زندگی کس کی ہے اور کسکی قضا آپہونچی

سبو میں شیشہ میں خم میں نہ ٹھہری دخترِ رز
کسی کے دیکھنے کو بے حجاب ہو کے پھری

یہ کس کی زلفِ سیہ دیکھکر ہوا غافل
سیاہی آنکھوں کے پردے میں خواب ہو کے پھری

ولہ

محبت دخترِ رز کی لائے میخانہ میں شرمانے
جھکایا سر نہ شیشہ نے لگایا منہ نہ ساغر نے

جدا حصہ ہر اک نے دولتِ عشقِ صنم پایا
جگر نے داغ نالہ دل نے آنسو دیدۂ تر نے

حنا خوں کر کے اپنا پاؤں میں مہندی لگا آئی
بنایا غازۂ رخ رنگ سے اپنے گلِ تر نے

وضو کر کے لہو سے ہم کرینگے وصفِ قاتل کا
زباں دی ہے دہانِ زخمِ دل کو تیرے خنجر نے

مجھے ہنگامۂ محشر میں کوئی بھی نہ پوچھے گا
خطِ اعمال دھو ڈالا ہے میرے دیدۂ تر نے

ولہ

تصویر کسکی ہے درِ دل پر لگی ہوئی
ہے آنکھ اس پہ آئینہ بن کر لگی ہوئی

پوچھیں گے سب سے پہلے مجھے روزِ حشر میں
میری ہی فرد ہے سرِ دفتر لگی ہوئی

نیت تو دیکھو خالی کئے پی کے خم کے خم
تو بھی ہے آنکھ جانبِ ساغر لگی ہوئی

دل جل رہا ہے پہلو میں اور سینہ میں جگر
ہے دونوں گھر میں آگ برابر لگی ہوئی

منہ تک رہی ہے خنجرِ قاتل کا دیر سے
پیچھے قضا کھڑی ہے برابر لگی ہوئی

مشقِ خرامِ ناز قیامت سے کم نہیں
ہے ہر طرف تیرے صفِ محشر لگی ہوئی

اٹھیں گے جیت ہار کے ماہر بساط سے
دنیا ہے ایک بازیٔ چوسر لگی ہوئی

آہ بھی لب پہ ہے آنسو بھی رواں رہتا ہے
کیا کہوں درد میرے دل میں کہاں رہتا ہے

شعلۂ آہ جو سینہ میں نہاں رہتا ہے
آگ لگ جاتی ہے گھٹ گھٹ کے دھواں رہتا ہے

نالۂ دل سے نکلتی ہے صدائے ناقوس
بت پرستی نہ کروں تو بھی گماں رہتا ہے

دل میں ڈھونڈوں تجھے یا دیر و حرم میں جا کر
وہ جگہ مجھکو بتا دے تو جہاں رہتا ہے

لب بہ لب ہو کے نہ کی خنجرِ قاتل سے نے مدد
بے زباں ہائے میرا زخم وہاں رہتا ہے

بیخودی میں نہیں کچھ اپنی خبر کیا معلوم　　میں کہاں ہوں دلِ وارفتہ کہاں رہتا ہے

دو بدو ہو کے کس امید پہ دیکھے ماہرؔ
آئینہ سے بھی تیرا عکس نہاں رہتا ہے

بیخودی اپنا کام کرتی ہے　　ہوش اُڑا کر سلام کرتی ہے
ہم تو مرتے ہیں آپ ہی غم سے　　کیوں قضا اپنا کام کرتی ہے
شیشہ میں بند ہو کے دخترِ رز　　بے دہن بھی کلام کرتی ہے
تیغ سفاک زندگی بھر کا　　دم میں قصہ تمام کرتی ہے
حسرتِ دل رولا رولا کے مجھے　　دو نو لبریز جام کرتی ہے

سخت جانی کے خوف سے ماہرؔ
تیغ قاتل سلام کرتی ہے

نہ دل رہا نہ رہی دل کی آرزو باقی　　بس ایک جانِ حزیں رہ گئی ہے تو باقی
پڑا ہوں نقشِ قدم بن کے لاکھ آگے گرد وں　　ابھی ہے خاک اوڑانیکو سر پہ تو باقی
چلی ہے کیسی ہوا باغ میں یہ گلچیں　　نہ رنگ گل میں رہا اور رہی نہ بو باقی
یہ آئی کیسی بلا میکدہ میں اے ساقی　　نہ شیشہ ہے نہ ہے ساغر نہ ہے سبو باقی

ولہ

نگاہِ ناز جب میرے طرف لیکر سناں نکلی　　ادا بھی پھیر کر منہ دل میں لینے چٹکیاں نکلی
لئے خنجر تیری ابرو جوانے جاں جہاں نکلی　　نگہ بھی پیچھے پیچھے ہاتھ میں لیکر سناں نکلی
میں وہ ننگِ خلایق تھا نہ رویا کوئی میت پر　　کیا غم بیکسی نے حسرتِ دل نوحہ خواں نکلی
حبابِ آب ہی بحرِ فنا میں ڈوب کر نکلے　　ابھی تک پر نہ میری کشتیِ عمر رواں نکلی
اشاروں میں وہ باتیں کرتے ہیں ہم چشم سخن گو سے　　نگاہِ ناز جسکو سمجھے تھے ہم وہ زباں نکلی
زمیں پر بھی نہ رہنے پایا میں نقشِ قدم بنکر　　نشاں میرا مٹانے خاکِ پائے رہرواں نکلی

مبارک ۔ پنڈت کنہیالال صاحب تشنگلو عرف مجو خلف اکبر پنڈت گلاب رائے صاحب مجو متخلص بہ خورم متوطن دہلی

آپ کی ولادت ۱۸۴۵ء میں بمقام نجیب آباد ضلع بجنور ہوئی جہاں آپ کے والد بسلسلہ ملازمت عہد نواب نجیب الدولہ میں دہلی سے آئے تھے۔ آپ کے والد نے جب آپ خورد سال ہی تھے بمقام بجنور رحلت کی۔ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کی پرداخت بہ سرپرستی پنڈت جیالال رینہ اپنے ماموں کے نہایت فارغ البالی کے ساتھ ہوئی۔

شروع ہی سے آپ کی طبیعت مائل بہ تحصیل علم رہی اور اُس پر قوت حافظ خداداد تھی۔ لطف ربانی شامل حال تھا بس بلا استمداد غیرے دنگل سخن رانی میں آپ ایک پہلوان سخن پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ تک بوسیلۂ پنڈت سندر لال جی در رئیس انبالہ داروغہ گذرگھاٹ و آبکاری رہکر بہ ایام غدر آخر لڑائی کے زمانہ میں آپ کو لکھنؤ آنا پڑا جہاں منشی گری و گماشتہ گری کسریٹ کرکے بمقام شاہجہانپور چلے آئے۔ شاہجہانپور میں چار سال تک آپ سررشتہ دار رہے اسکے بعد بعہدہ کورٹ انسپکٹر پولیس مامور ہوکر بمقام بنارس ۹ سال آپ کا قیام رہا۔ بنارس سے آپ کا تبادلہ بریلی کو ہوا جہاں آپ نے اٹھارہ سال تک اُسی خدمت کو انجام دیا۔ حکام بالادست نے آپ کی حسن خدمات کی قدر فرماکر آپ کو بعہدہ ڈپٹی کلکٹری ممتاز کیا۔ پانچ برس بعد ۱۸۹۳ء میں آپ نے پنشن لی آپ فارسی کے عالم متبحر تھے۔ فارسی کے طرف زیادہ خیال مائل رہا۔ فارسی میں آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔ سوانح عمری خود موسوم بہ خراج ملک حیات عرف خضر منور انشائے صنعت کتاب نثر میں۔ مثنوی سیر باغ بطرز عشقیت و فرخ درم بطرز نل دمن فیضی۔ و مطمع خیال بطرز شاہنامہ دباغ فیض و اختراع وجود وہدیہ تسخیر دستینہ شورش چند مثنویات و قصائد اکثر بطرز عرفی و واسوخت و دیوان فارسی مکمل۔ اردو میں ایک دیوان علاوہ مثنوی گلشن تعشق بطرز گلزار نسیم و مثنوی بہار عشق اور ایک واسوخت کے آپ کا یادگار ہے۔ یہ جملہ تصانیف

قلمی پنڈت شیونراین صاحب مجوز خلف حضرت مبارک کے پاس بمقام شاہجہانپور موجود ہیں۔ افسوس ہے کہ ان میں سے ایک کتاب بھی زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل نظر کے سامنے پیش نہیں ہوئی ہے اور سب نسخے ایک بستہ میں بندھے ہوئے پڑے ہیں۔

الا اے سر بغواصی منہ در قلزم دلہا   کہ آساں غوطہ در گرداب و ماندن باز مشکلہا

مرو اے در عمیق آب بحر فطرت دلہا   کہ آساں رفتن اندر قعر و گشتن باز مشکلہا

ز جام بادہ مستی سرور طبع نہ ساقی   کہ از جوش خم پیر مغاں مینا کشد دلہا

ز مژگاں قطرہ اشکم میکشد حیرت چو نگہ او   شعاع شمس مے سوزد ز تاب آب ساحلہا

جگر چوں پنبہ کن بر شعلہ شمع عشق میگوید   بود پروانۂ مجلس دل سوزان بسملہا

رہ ظلمات د خوف خار و صحرائے پر از وحشت   گذار ماہی گیرند غول سخت منزلہا

مبارک تا تو می خواہی بہ آگاہے باد مانی
ز صورت رو بمعنی معنی آسان مشکلہا

نہادن بانہی سر عنبریں رمز خیالی را   بمشک نافہ آغشتن ز خوشبو مغز خالی را

بزیر شست و شور گنج نمو واندر کف عالم   کہ سبزہ بر روشہائے گلستاں پائمالی را

رفوئے چاک داماں را بالا غر رشتہ از تارے   رہ می دستے بود پیوند جیب خستہ حالی را

فسون آہ بر لخت دلم زن بہر تسخیرش   چناں بہر طلسم آرند مغز خرفہ سفالی را

مبارک می نماید گل گل رنگیں بجو دستے
تو آمیزہم بخون خویش رنگ خوش خصالی را

شد تار شب بغفلت گیسو شود نشد   انجم کشید باز دُر تو شود نشد را

ہم چشم تا نگشت غزال اے بچشم تو   نشانے کشید باز بہ ابرو شود نشد را

منزل نمود بس قدم شوق از اشتیاق   بود آرزو کہ رہ بہ تگاپو شود نشد

خورشید از ضیا لب بام آمد آخرش   با جلوہ ہیچ حسن رخ تو شود نشد

جز گریہ ہیچ پیش مبارک نماند آہ
مژگاں نگند اشک بہ قابو شود نشد

اے کہ با تیغ نگہ ترک بتاز آمدۂ — دست بوسم کہ بسا دست دراز آمدۂ
نازنینانہ تو از بہر نیاز آمدۂ — جلوہ ات باد کہ اے جلوہ طراز آمدۂ
اے نگہ باز چہ شوخی بہ فدائے دل و جاں — با تو ادوم ہمہ از بہر کہ باز آمدۂ
اے خدا را مزن از شکوہ لبِ خویش بکس — زانکہ از عاشقِ خود محرمِ راز آمدۂ
باش بہر لہجۂ خوش تا کہ بہر دل گذری — اے کہ از حسنِ گلو سوز بہ ساز آمدۂ
ہمدم غیر مشو اے بتِ من بہر خدا — بندہ ات گشتم و تو بندہ نواز آمدۂ
یادِ تو بود بدل تا قدمت رنجہ شود — زندگانی بود اے عمر دراز آمدۂ
عشق عجب منصب خوش با من و با تو دارد — من چو محمود شدم تو بہ ایاز آمدۂ

صبحدم از نظرِ نغمۂ مبارک بر دوش
مرگ خوش کردہ کہ از بہرِ نماز آمدۂ

تاریخ اجرائے مراسلہ

وہ چہ خوش طالع کہ شد نامہ بنام کشمیر — مرحبا نامہ کہ سر نامۂ تدبیر شدہ
جوہر عرض و جود شش بصفات دانشت — بالیقین صدق بقلب از سر تاثیر شدہ
نقش کالجبر معانی ست بصاحب نظراں — عالمے بہرِ تصور کہ بہ تصویر شدہ
نکتۂ حسن نشانے ست نشانِ مطلوب — طالباں را طلبِ حسن بہ تحریر شدہ
کلمۂ پند کہ بند ست دل اے دریا دل — خوابِ غفلت زدگاں را سرِ تعبیر شدہ
کز نقوطِ ضمنش دائرہ دل قطرہ نما — لوحِ محفوظ بود مرکزِ دل گیر شدہ

اے مبارک چو بریں گل گذری تو چو صبا
سال تاریخ بگو گلشن کشمیر شدہ
۱۳۰۴ھ



پنڈت اجودھیا پرشاد منشی ۔ مبتلا

مبتلاؔ - پنڈت اجودھیا پرشاد صاحب منشی خلف پنڈت گنگادھر صاحب منشی دہلوی آپ کے جدامجد پنڈت موتی رام فراقؔ تھے آپ اندور میں پیدا ہوئے لیکن آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ زیر سایہ بزرگان خود دہلی ہی میں گذرا۔ آپ چار حقیقی بھائی تھے۔ ہرپرشاد جنی دھر۔ آپ اور رام نرائن ۱۲۵۳ہجری مطابق ۱۸۳۷ء میں آپ کے برادر کہیں رام نرائن نے عین عالم شباب میں بمقام دہلی انتقال فرمایا۔ اس سے پیشتر آپ کے ایک چچا بنام بھوانی پرشاد والد ماجد اور دادا پنڈت موتی رام منشی اور سب سے بڑے بھائی ہرپرشاد بھی وہیں اس دارفانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ اپنے سرپرستوں کی وفات کے بعد آپ دہلی سے اپنا گھر بار اٹھا کر بھانڈیر اپنے برادر اکبر جنی دھر جی کے پاس جو وہاں بعہدہ تحصیلداری مامور تھے چلے آئے تھے لیکن آپ جہاں رہے وہاں سے دہلی برابر آتے جاتے رہے کیونکہ وہاں آپ کے بزرگوں کی جائداد تھی اور آپ کے دو چچا ٹھاکر پرشاد اور نند کشور وہیں رہا کرتے تھے۔ آپ کی ابتدائی ملازمت دربار جھانسی سے شروع ہوئی۔ وہاں آپ رانی صاحبہ جھانسی کے وکیل تھے۔ غدر سے پہلے آپ مع اپنے عیال و اطفال کے جھانسی سے گوالیار آگئے تھے۔ یہاں آکر آپ کو اندازاً ۴۱ سال کی عمر میں مہاراجہ جیواجی راؤ سیندھیا کی سرکار سے عہدہ صدر منصفی عطا ہوا۔ آپ بیش و کم ۱۵ سال تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ جب منصفی ٹوٹی تو آپ ضلع سکرواری کے نائب صوبہ مقرر ہوئے جسکی صوبات قصبہ جورہ میں تھی۔ ۱۸۷۲ء میں آپ کے جورہ تشریف لیجانے کے ۴ مہینہ بعد مادھو مہاراج پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت کی تاریخ جو آپ نے لکھی اُس کے حسب ذیل شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس عہدہ کو پاکر سخت رنجیدہ تھے۔

پیش ازیں از کرم بلشکر خاص ۔۔۔ بندہ را منصف عدالت گفت
جور گردوں کنوں بجورہ فگند ۔۔۔ ز استانش مرا بہ ہجرت گفت
کمتریں چاکرم بدرگاہش ۔۔۔ فخر دارم بر انچہ خدمت گفت

اور تھا بھی ایسا ہی کیونکہ یہ عہدہ آپ کے سابق عہدوں سے کہیں کم تھا۔ چنانچہ اپنی کوشش اور مہاراجہ صاحب کی نوازش سے آپ ایک سال کے بعد ہی لشکر واپس بلالئے گئے اور چند ماہ کے بعد آپ کو مہارانی صاحبہ کو قانون پڑھانے کا کام سپرد ہوا جسکو آپ نے تین سال تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔ آخری حصہ عمر میں آپ گوالیار کی طرف سے دربار وکیل مقرر ہو کر اندور بھیجے گئے وہاں جانیکے تین برس بعد آپ نے سنہ ۱۸۸۴ء میں تقریباً ۶۳ سال کی عمر میں انتقال کیا اور جہاں پیدا ہوئے تھے وہیں پیوند خاک بھی ہوئے آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی شادی سے دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے لیکن لڑکے کم سنی ہی میں راہی ملک بقا ہو گئے۔ آپ کی پہلی بیوی نے گوالیار ہی میں انتقال کیا۔ چونکہ آپ کا کوئی فرزند نرینہ نہیں تھا اسی لئے اپنی ہمشیرگان کے مجبور کرنے سے آپ نے دوسری شادی ۵۱ برس کے سن میں کی اور اس بی بی سے آپکو چار فرزند ہوئے آپ کا ایک پسر اور دو پوتے لشکر گوالیار میں سکونت پذیر ہیں۔ آپ مولانا صہبائی کے شاگرد رشید تھے۔ اس کا آپ کو بڑا فخر تھا چنانچہ اس فخر کا اظہار آپ جا بجا شعروں میں کرتے ہیں

مبتلا جرعہ ز جام دگراں نوش نکرد — میکشی مصطبۂ حضرت استاد آمد
مبتلائے جرعہ خوار ساغر صہبائیم — مست بودن از شراب غیر کے شاید مرا
زدم شراب سخن چوں ز جام صہبائی — بہ بیں کلام من مبتلا چہ رنگین است
تا چو صہبائی زباں داں اوستاد مبتلاست — بہتر است از خون ایراں خاک ہندستان ما
من جرعہ خوار بادۂ صہبائیم مدام — گر مبتلا است مست غزلخوانی من است

مبتلا کو مشاعروں سے خاص دلچسپی تھی اور لشکر میں آپ کے مکان پر مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے مگر اکبرآباد کے مشاعروں میں شرکت فرمانا بھی اپنا فرض سمجھتے تھے گو اسوقت ریل نہیں تھی اور سفر میں دقت ہوتی تھی مگر آپ اپنے شوق سے مجبور تھے۔ آپ کے اکثر آگرہ جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ بنسی دھر جی اسوقت میں سرکار انگریزی کے

پنشندار ہو کر بھانڈیر سے آگرہ آ گئے تھے چنانچہ انھوں نے اپنی سکونت کے لئے ایک مکان بھی وہیں بنوایا تھا اور مرتے دم تک وہ وہیں رہے۔ آپ کا فارسی کلام اعلیٰ پایہ کا ہے عموماً تمام غزلیات کے مطلع قابل دید ہیں پھر ہر شعر کی سلاست و آبداری قابل داد ہے۔ آپ کے ایسے اشعار خصوصیت کے ساتھ لائق ستائش ہیں جو معرفت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ علاوہ فارسی کے گاہ گاہ اردو شعر بھی خوب فرماتے تھے جناب مبتلا کے نسبت تذکرۂ گلستان سخن کے مولف مرزا قادر بخش صابر لکھتے ہیں جوان متین خوش مزاج نیک رفتار دوست تا محبت افزا سعادت نہاد پنڈت اجودھیا پرشاد معروف بہ منشی۔ اخلاق حمیدہ اُسکے مثل نکہت گل مشام نواز اور کردار پسندیدہ اُس کے اہل روزگار کی اوضاع سے ممتاز۔ اُس کی زباندانی سے ہند کو اصفہان پر صد با سخن اور اُسکی نکتہ طرازی سے نقاط حروف خالِ محبوب پر طعنہ زن۔ مشق سخن جناب اُستادی مولوی امام بخش صہبائی سے بہم پہونچائی حق یہ ہے کہ سخن کی نزاکت اور الفاظ کی متانت اور کلمات کی تنگ ورزی اور تراکیب کی کرسی نشینی دائرہ ستایش میں محصور نہیں ہو سکتی۔ مبتلا صاحب دیوان تھے جس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اُس کا ایک قلمی نسخہ ناچیز مولف تذکرہ ہذا جگموہن ناتھ رینہ کے پاس ہے۔ انتخاب کلام ناظرین والا تمکین ملاحظہ فرمائیں۔

حُسن سر داد چو آں جلوۂ یکتائی را — عشق آموخت بخود شیوۂ رسوائی را
می کشد جامِ دورنگی چمنستانِ جہاں — تا دو بالا کندش نشۂ رعنائی را
حُسنِ پوشیدۂ و پیدائے تو در دیر و حرم — بُردہ از رہ۔ نگہِ شوق تماشائی را
باز سر کردۂ و غلطیدہ بسوئیت آیم — تا نشانم بدرت نقشِ جبیں سائی را

مبتلا گوشہ گزید از ہمہ در خود نہ رسید
بست بر خویشتن عبث تہمتِ تنہائی را

دو بستہ بپائے خود حنا را — خوں شد دل از انتظار ما را

از دین بگذشته ام بشفقت — اے بت نظرے بمن خدا را
طوفان بر روے آب آورد — از گریه سپهر من ماجرا را
دل برده ز یک جهان نیازم — عیاری طرهٔ دوتا را
خاکم برباد رفت و نامد — رحمے برحال من صبا را
چرا خوب این چنیں یا رب نمودی شکل خوباں را — که هم دل باختیم و در رهِ شان هم دین ایمان را
سر حرفے ندارم در خیالِ زلفِ پرتابش — کجا باشد دماغِ گفتگو خاطر پریشاں را
چو آید فصل گل هر کس کند دامن پر از گلها — من از لختِ جگر پر می نمایم جیب و داماں را

مده اے مبتلا چشم ترم را رخصتِ اشکے
که خواهد کرد این طفل آشکارا راز پنهاں را

دستگیر ما نشد گاهے ز لطف — بارها در پایش افتادیم ما
در گلستانِ جهاں مانند سرو — پا به گِل داریم و آزادیم ما
اے خدا بر تشنه کاماں رحمتے — کشتهٔ شمشیرِ بیدادیم ما
گاه در صحرا گهے در کوے یار — چوں غبارِ خانه برباد یم ما
پُر ز گوهرہاے غلطاں کردهٔ داماں ما — خانه ات آباد باد اے دیدهٔ گریاں ما
مصحفِ رخسار را گلزار در پہلوئے زلف — در کفِ هندو مده سر رشتهٔ ایماں ما
هر چه کرد این طفلِ اشکم کرد ورنه پیش از این — هیچ کس آگه نبود از سوزشِ پنهانِ ما
در گداز و سوز ما چوں شمع و چوں پروانه ایم — شعلهٔ عشقے که آتش میزند در جانِ ما

ولہ

یا بمرادِ دل رساں خاطرِ غم رسیده را — یا بکش از تنم بروں جان ستم کشیده را
اشک چرا نه ایستد بر مژه ام که میدهند — رخصتِ آرمیدگی خار بپا خلیده را
اے ز عتاب رفته از سرِ لطف باز آ — راحتِ وصل کن عطا رنجِ فراق دیده را

خواهی اگر خبر شوی از دل مبتلاے خویش

پیش نظر دے گزار مرغ بخون تپیده را

ز آه آتشیں شد خانۂ تاریک دل روشن — خدا خوش دارد ایں چشم و چراغ دودمانے را
اگرچہ چیتے برابرو میزنی بر من نگاہے ہم — چرا تیرے نہ بکشائی کشیدی گر کمانے را
چنیں پیمانۂ چشمے کہ یارب گردشے دارد — کہ چار اطراف عالم مست دیدم مردمانے را
بیا اے قصہ خواں از بہر خواب راحتش برخواں — ز بخت خفتہ و بیخوابیِ من داستانے را
کنم مشق جبیں سائی ازاں بر سنگ میخانہ — کہ تا از سجدہ گیرم سخت سنگ آستانے را

از پردہ برآ اے بت محبوب وجود آرا — برگیر نقاب از رخ پر نور خدا را
شد سلسلہ جنباں جنون دلم از سر — در کوچہ آں زلف کہ رہ داد صبا را
راه ورو شے نیست بجز و گم شدگاں را — جوید زرہ گم شدگاں راہنما را
از زہد یک انبار و خریدار کسے نیست — یارب چہ شد ایں سجدہ فروشان ریا را
زلف تو بلا بلکہ سر جملہ بلا ہاست — خود آمدہ بر رو تو پس افگندہ بلا را
خیزد دل دیوانہ اگر نالہ گری را — افتد کہ پر در نگہ ز رخ بال پری را
اے وائے من آں گم شدہ راہم کہ در آنجا — گم کردہ خضر نیز طریق خضری را
ایں لالہ از آں گلشن و خون جگراں ست — کز داغ من اندوختہ خونیں جگری را
رفتم بسلوک خبر و گم شدم از راہ — یارب سوے من راہ نمائے خبری را

ولہ

نسیم کویش و باد بہار ہر دو یکے ست — شمیم زلفش و مشک تتار ہر دو یکے ست
چو حسن پردہ نشین و چہ عشق رسوائے — فتادہ پردہ چو از روے کار ہر دو یکے ست
بشادی و غم روشندلاں تفاوت نیست — فروغ شمع بہ بزم و مزار ہر دو یکے ست
ازیں چہ غم کہ خزاں آمد و بہار گذشت — جدا ز یار خزاں و بہار ہر دو یکے ست

بیا ز خون دل مبتلا حنا بربند
کہ رنگ خون و حنائے نگار ہر دو یکے است

آہ از دل کہ بیادِ قدِ جاناں برخاست   سرو ہرگز نہ بایں رشک ز بستاں برخاست
بزمِ خوباں ہمہ صورت کدۂ تصویر است   ہر کہ بنشست وزاں جا ہمہ حیراں برخاست
دلِ من پہلوئے زلفِ تو بہ کفر نشست   در برش مصحفِ رخ دید مسلماں برخاست
دردِ عشقِ تو بہ تسکینِ دلِ زار نشست   اے خوشا درد کہ خود از پئے درماں برخاست

دیدم چو بیقراریِ سیماب دل طپید   آیا نمونۂ دلِ صد پارۂ کسے است
روزِ شمار نامِ جفایش نہم وفا   تا کس بگویدش کہ ستمگارۂ کسے است
ایں سبزۂ مزارِ شہیدانِ ابرواں   خوش یادگارِ خنجرِ خونخوارۂ کسے است
افزود از طبیب و دوا دردِ مبتلا
بیچارہ ایست آنکہ پئے چارۂ کسے است

بے ادب سوئے بزرگاں منگر ہمچو حباب   یک نفس زیست چو نگریست بدریا گستاخ
عشوہ و ناز و ادا غمزہ و شوخی و حیا   یک جہاں است پئے غارتِ دلہا گستاخ
خونِ مستاں ہمہ بر گردنِ تو خواہد بود   محتسب سنگ مزن بر سرِ مینا گستاخ
مبتلا را چہ جنوں زد کہ بیک نغمۂ وفا
شد ببازارِ محبت پئے سودا گستاخ

ہر دیدہ کجا درخورِ دیدارِ تو باشد   ہر سینہ کجا مخزنِ اسرارِ تو باشد
گل جامہ زند چاک و خورد خار بسینہ   شاید کہ چو ما والۂ رخسارِ تو باشد
ناکام برآید ز شفا خانۂ عیسیٰ   آں خستۂ بیچارہ کہ بیمارِ تو باشد
بر چشمۂ خورشید بشوید قدمِ خویش   آں آبلہ پائے کہ طلبگارِ تو باشد
دل بعشقِ تو گرفتار ہماں است کہ بود   جاں ز درد و غمِ تو زار ہماں است کہ بود
ہر شب کوتہ و افسانۂ عشقِ تو دراز   آرزومندیِ اظہار ہماں است کہ بود
بارہا سیرِ گلستانِ رخت کردم باز   شوقِ گل چیدنِ دیدار ہماں است کہ بود

مبتلا بادہ مکرر ز لبت خورد و ہنوز
غافل و باخود و ہشیار ہماں است کہ بود

یکے توئی کہ ترا حسن دلربا بخشند — یکے منم کہ مرا درد جاں گزا بخشند
توئی کہ فرق ترا طرۂ دوتا بخشند — منم کہ جانِ مرا سر بسر بلا بخشند
بہ ترک چشم چہ گویم بمن جہا بخشند — کہ مشتِ خاک ستانند و کیمیا بخشند
مرو بکعبہ مرو زاہدا کہ دشوار است — بایں گذر کہ تو داری ترا صفا بخشند
زغیر قطع نظر کردہ چشم آں داریم — کہ ہم چو سرمہ ترا جا بچشم ما بخشند
دراں مقام کہ مقبول سوزِ سینۂ ماست
گناہ خلق بیک آہ مبتلا بخشند

بے جسم و بے جان آفریدند — دل از کف شد چو جانان آفریدند
مرا دردیست بے درماں دگر شد — مرا خاطر پریشان آفریدند
اگر در سر نبود نقش خودنمائی — چہ سر است اینکہ انسان آفریدند
تماشا کردہ ام دیر و حرم را — چہا پیدا و پنہان آفریدند
دمے از بیخودی فارغ نباشند — چہ ہشیاری بمستاں آفریدند
بگلشن عندلیب و مبتلا را
بکوئے او غزل خواں آفریدند

دل عشاق چہ خوش لیل و نہارے دارد — کہ بزلف و رخِ جاناں سروکارے دارد
عشق را رنگِ دگر داد شکستِ رنگم — اندریں باغ خزاں نیز بہارے دارد
تا بکویش نہ نشیند ہمہ بر باد دہد — یارب ایں باد ز خاکم چہ غبارے دارد
ہیچ سر نیست کہ خالے بود از سودائے — سرِ ما نیز بسودائے تو کارے دارد
ہیچ میخوارہ ندیدیم بمستی مخمور — لیک چشمِ تو کہ مست است و خمارے دارد

زمینِ خاکسارم بگو اے فلک چہ دیدی   کہ بایں بزرگواری پئے سجدہ اش خمیدی
ہمہ حسرت از تو اشکم کہ چرا ز دل رسیدی   بسرِ تو چون نگریم کہ بخاک آرمیدی
تو ز خود نبودی آگہ کہ ز من رسیدہ بودی
بخود آں زماں رسیدی کہ بہ مبتلا رسیدی

اے لالہ رُخ بہارِ گلستانِ کیستی   وے گلعذار رونقِ بستانِ کیستی
از فرقتِ تو شور بعالم فگندہ ایم   امشب نگارِ من نمکِ خوانِ کیستی
اے مبتلا ز بسکہ تو فریاد می کنی
آگہ نیم کہ عاشق و خواہانِ کیستی

گفت روزے دلم کہ پیمان کن   رازِ عشقش ز غیر پنہان کن
پئے عہدِ وصالِ او خود را   در رہِ تیغِ عشق قربان کن
گر بخواہی حیاتِ جاویدی   جانِ خود را فدائے جانان کن
مبتلا خاکِ کوئے آن محبوب
وقفِ فرق و جبینِ ایمان کن

تو عین نوری و کس را نظر نمی آئی   حیا ز کیست کہ از پردہ بر نمی آئی
گذشت از نظرم ہر چہ خوب و زشت آمد   ہمیں توئی کہ بایں رہگذر نمی آئی
کجا تو رفتۂ ای دل چہ رفتہ بر سرِ تو   کہ دیر شد بہ برِ من دگر نمی آئی
اگر بہ بیخودی از خود خبر شدن خواہی   چرا بمیکدہ اے بیخبر نمی آئی
بزہدِ خشک ترا زاہدا نمی پرسند   بروزِ حشر چرا چشم تر نمی آئی
ازان دلا تو برون از حریمِ جانانی
کہ مبتلائی و از خود بدر نمی آئی

بہ ہم چشمانِ خود این دیدۂ غم دیدہ دارم   زغم خوارانِ خود دل دارم و رنجیدہ دارم

چرا روزِ جزا از بازپرس بیش کم ترسم — که من بر فرقِ خود بارِ گنه سنجیده دارم
بجائے خویشم و آئینه ام احوالِ عالم را — که در پہلوئے دل اندر جہاں گردیده دارم
بیادِ آں لبِ پر شور شورے می کنم برپا — ازیں غافل که در پہلو دلِ شوریده دارم

خدارا آں رخِ پوشیده از عالم مپوش از من
که من چوں مبتلا چشم از جہاں پوشیده دارم

بمژگاں ناوک اندازی و از ابرو کماں داری — غرض یک آفتی صید افگنی یا آنکه عیاری
خدا نا ترس با کفر آشنا بیگانه از دینی — وفا دشمن بتِ نامہرباں شوخِ جفاکاری
مرا دیدی که بیمارش شدم چشمک زدی برمن — نمی گوئی بچشمِ خود چرا بر خویش بیماری

چه داری در دل از نیرنگیِ اطوار حیرانم
که دلداری به غیر و مبتلائے را دل آزاری

خرابِ دیدۂ گریانِ خویشم — کبابِ سینۂ بریانِ خویشم
بصحرائے جنونم داد تکلیف — فدائے عقلِ سرگردانِ خویشم
چرا چوں خار گیرم دامنِ گل — که گل در دامن از بستانِ خویشم
گراں تا گشته ام بر خاطرِ یار — خسک در چشم هم چشمانِ خویشم
چرا میرم که جاں از تن برون رفت — که من جاں دادۂ جانانِ خویشم

یکے از مبتلایانِ تو هستم
ز دل بیدل بجاں از جانِ خویشم

پا براهِ عشق از روز یکه محکم ساختم — سینه پُر غم دل پر آتش دیده پُر نم ساختم
ناله یک ساعت زدم با گریه یکدم ساختم — سینه را گلشن نمودم دیده را یم ساختم
سخت در ماندم چو جا دادم بدل عشقِ ترا — آه کنجِ عافیت را خانۂ غم ساختم

اے مسلماناں ز دیں بگذشتم و چوں مبتلا

پشت در محرابِ ابروے بتاں خم ساختم

اے صبا سلسلہ جنبانِ جنون آمدۂ — بگو از کوچۂ زلف کہ بروں آمدۂ
چیست حالِ دلِ از خویش بروں رفتۂ ما — بگوائے اشک کہ اینک ز دروں آمدۂ
مرگ خواہم کہ مرا زندۂ جاوید کند — مردم اے زیست ز دستت کہ زبوں آمدۂ
گر نہ بگداختی اے دل بخیالِ رخِ یار — ارچہ در چشم تر من ہمہ خوں آمدۂ

مبتلا را کہ شب اے دل تو ز پہلو رفتی
چہ بر او رفت چہ دانی کہ کنوں آمدۂ

قدِ تو تا در نظرم جلوہ کرد — فتنۂ صد حشر بپا کردہ ام
خاک شدم تا کہ بکویت رسم — ہمسری بادِ صبا کردہ ام
تا بہ رہِ عشق قدم ماندہ ام — خاک بسر خار بپا کردہ ام

دل

دیدم از جوشِ غمت بحر و برے — ایں لب خشکے و آں چشم ترے
مہر از عشق تو در تاب و تپ است — چرخ دیوانۂ بے پا و سرے
در ہوائے سر کوئے تو بہار — چیست آشفتۂ خونیں جگرے
ہمہ تن آئینہ ساں حیران است — بر رخت دیدۂ صاحب نظرے

مبتلا گر نہ ز جاں بے خبر است
باشد او را چہ ز جاناں خبرے

بیا اے جاں گرہ از خاطرِ ناشاد بکشا — بہ بندِ شرم باشی تا کجا بندِ قبا بکشا
کجی انگن در ابرو راستی آموز مژگاں را — بایں صورت کمانے برکش و تیرِ جفا بکشا
بزلفت صد گرہ خوشتر کہ دل وابستہ تر باشد — کہ می گوید کہ ایں دیوانہ را از زنجیر پا بکشا
ز بحرِ غم رساند کو بساحل کشتیِ ما را — درِ رحمت خدایا بر رخِ آں ناخدا بکشا

دلِ دیوانہ خواب از چشم تو آخر بُرید یکشب

بگوشِ آن پری افسانهٔ از مبتلا بگشا

دمے ز گریه نه آسود دیدهٔ ترِ ما — پُر است از مے گلگوں مدام ساغرِ ما

ز گریه سوزشِ دل میشود فزوں حیف است — که آب کار چو روغن کند بر اخگرِ ما

بحیرتیم که سیماب یا رمِ آهو است — تپد مدام دلِ بیقرار در برِ ما

بسانِ شمع نه پیچیم سر ز راهِ وفا — جدا به تیغِ جفا گر کنی ز تن سرِ ما

دلا مبار ز چشم اشکهائے بے حاصل — عبث بخاک مریز آبروئے گوهرِ ما

دمے بخواب نروم تا ز غم برآسایم — غمِ تو آید و خار افگند به بسترِ ما

فگنده شور بعالم کلامِ شیرینم — گران به وصفِ لبت شد بهای شکرِ ما

نداد رخصتِ خوابے به مبتلا امشب

تپیدنِ دلِ وحشت شعارِ مضطرِ ما

پُر ز گوهرهائے غلطاں کردهٔ دامانِ ما — خانه ات آباد بادا اے دیدهٔ گریانِ ما

مصحفِ رخسار را مگذار در پہلوے زلف — در کفِ هندو مده سر رشتهٔ ایمانِ ما

برقِ بیتابانه خود را در تهِ ابر آورد — از گزندِ گرمیِ آهِ شرر افشانِ ما

تا چو صهبائی زبان دانِ استادِ مبتلاست

بهتر است از خونِ ایران خاکِ هندستانِ ما

خط بگردِ رخِ تابانِ تو بے چیزے نیست — روئے این کفر بایمانِ تو بے چیزے نیست

دلِ من بوئے از آن گیرد و چون گل بشگفد — غنچهٔ گوئے گریبانِ تو بے چیزے نیست

چشم نیش از نگهت زخمِ دلِ من دارد — کاوشِ ناوکِ مژگانِ تو بے چیزے نیست

دانم ای دل که شرابے و کبابے داری — عشق مهمانِ بسرِ خوانِ تو بے چیزے نیست

دردِ عشق است که درمان نپذیرد ای دل — خلق درماندهٔ درمانِ تو بے چیزے نیست

پیرویِ سوئے حرم ای دل و من میگویم — که خدا بادِ نگهبانِ تو بے چیزے نیست

مجنوں دست و گریبان شدہ باشی دائم
مبتلا چاک بدامانِ تو بے چیزے نیست

ندیدن جلوۂ حسنِ تو دیدن آرزو دارد   شنیدن ہم زلب نے شنیدن آرزو دارد
نمیدانم چرا یارب دل اندر سینہ ام خوں شد   مگر از چشم خون بارم چکیدن آرزو دارد
دلا امروز جنس معصیت را از رخ بالا کن   کہ چوں رحمت طلبگار خریدن آرزو دارد
ببالِ جاں کند مشقِ پریدن طائرِ شوقم   کہ گردِ بام جانانم پریدن آرزو دارد
ندانم در دلم افتادہ شوقِ باکہ پیوستن   کہ از تن رشتۂ الفت بریدن آرزو دارد
رمیدن یاد میگیرد ز وحشت جانِ بیتابم   کہ از عمرے بجاناں آرمیدن آرزو دارد

ندانم مبتلا از صحبتِ یاراں چہا دیدہ
کہ پا در دامنِ عزلت کشیدن آرزو دارد

اے کہ در بزم بصد عشوۂ و ناز آمدۂ   از پئے گرمیِ بازارِ نیاز آمدۂ
شمع گر ساز بہ پروانہ نداری منظور   از چہ در بزم بایں سوز و گداز آمدۂ
دلم از زلف چو وارست خطش گفت بمن   اندکے باش کہ از راہِ دراز آمدۂ
حسن گر مظہرِ آیاتِ خداوندی نیست   من چرا بندۂ و تو بندہ نواز آمدۂ
لطف نظارۂ بیروں چہ درون نیست کہ تو   رفتی اینک ز برم اے دل و باز آمدۂ
از کہ آموختۂ این ستمِ لطف نما   کہ خودم کشتی و خود بہرِ نماز آمدۂ
من چساں افگنم از چشم خود اے اشک ترا   کہ ز خلوت کدۂ دل ہمہ راز آمدۂ

مبتلا نیست ترا شرم کہ در کوئے بتاں
عہد کردی کہ دگر نایم و باز آمدۂ

دیدی چناں بغیر کہ گویا ندیدۂ   از ما چہ دیدۂ کہ سوے ما ندیدۂ
اے مدعی کہ کعبہ و بتخانہ دیدۂ   جائے بگو کہ یارِ من آنجا ندیدۂ

اے دل شوی چہ تنگ ز بالیدنِ جنوں وسعت مگر بدامنِ صحرا ندیدۂ
اے طعنہ زن کہ زخم نگاہے نخوردۂ روئے چو روز و زلف شب آسا ندیدۂ
اے چشم جلوہ اش طلبی و ز جلالِ او آگہ نۂ و حالتِ موسیٰ ندیدۂ
بسمل نجوں تپیدہ بسے دیدۂ و لے جاناں تپیدنِ دلِ شیدا ندیدۂ
دادی چسان بکاکلِ جاناں نشانِ دل مشاطہ فالِ او مگر از شانہ ندیدۂ
ہرگاہ موج دیدی و کف دیدی و حباب باور چساں کنند کہ دریا ندیدۂ

یک زلف دیدنش بسر آورد صد بلا
اے مبتلا ہنوز سراپا ندیدۂ

برخیز از جہاں چہ بہ تمکیں نشستۂ سنگِ نشان نۂ کہ تو سنگیں نشستۂ
نکشود راز بستہ ات اے غنچہ بر دلم کاسبابِ خندہ داری و غمگیں نشستۂ
دانی چہ حال درد دل از دو ناتواں بیمار را شبے نہ بہ بالیں نشستۂ
اے خال جا بہ گوشۂ چشمش گزیدۂ آنجا چہ دیدۂ تو کہ چندیں نشستۂ

اے مبتلا کہ سر بگریباں چو غنچۂ
آیا بفکرِ معنیٔ رنگیں نشستۂ

آنکہ از قامت قیامت میکند برپا توئی وانکہ از کاکل بلا آوردہ بر سرہا توئی
آنکہ از موئے کمر ساز و عدم پیدا توئی وز دہاں بر روئے آرد صورتِ عنقا توئی
آنکہ یکسر وقفِ تسلیم و نیاز است آں منم وانکہ از سرتا بہ پا ناز است استغنا توئی
از خرامِ قد محشر زائے خود و در ہر قدم آنکہ خاکم را کند یکسر تہ و بالا توئی
رنگ و نیرنگی و کیف و کم پر از حسنِ تواند بادہ در مینا توئی و نشہ در صہبا توئی
خندۂ گل گریۂ شبنم ہوئے گشت و بس آبروئے باغِ عالم اے گلِ رعنا توئی
گاہ حسنِ پردہ داری گاہ عشقِ پردہ در ہم بمحملِ لیلیٰ و ہم قیس در صحرا توئی

یک نفس ہم از تو نتواں شد جدا اے انجمن — چوں حباب و موج بیرون و درون ما توئی
اندریں بزم از چہ رو بر رخ نقاب افگندہ — نیست غیرے جز من و من خود نیم گویا توئی

مبتلا دیگر چہ میخواہی بگو در عشق دوست
خستہ و بیکس توئی شیدا توئی رسوا توئی

اے روے تو باغ زندگانی — قد تو نہال نو جوانی
بہر تو تنک شدم بعالم — از من تو ہنوز سرگرانی
خنداں گل رویت از نشاط است — رویم ز غم تو زعفرانی
من خود رفتم دلاز کوشش — تو خود بنشیں اگر توانی

بنشینم و صبر بر گزینم
دامن ز امید وصل چینم

تاریخ وفات پنڈت نرائن داس اوگھل ضمیر دہلوی

آں گوہر معدن بلاغت — واں لولوے قلزم فصاحت
آں نور چراغ نکتہ دانی — واں بلبل باغ خوش بیانی
آں در خرد و ہنروری طاق — سرگروہ شاعران آفاق
آں طوطی ہند را ہم آواز — ہم نغمۂ عندلیب شیراز
آں شاعر آتشیں زبانے — یعنی کہ ضمیر نکتہ دانے
مضمون فنا چو بست بر خویش — بیگانہ شد از یگانہ و خویش
نظم از غمش از نظام افتاد — رکن بیت از قیام افتاد
با شعر غمش ردیف گشتہ — در روز سیہ چو مو نشستہ
پیوستہ غزل چو در غم او — شد مرثیہ خوان ماتم او

تاریخ وفات او بہ ایں حال فکرے کردم ز هیسوی سال

از غیب بگوشم ایں چنیں خورد اےوائے ضمیر نکتہ دان مُرد

۱۹۰۵ء

مجرم۔ پنڈت سہج رام صاحب تکّو

نوحہ دلخوں کن وفات پنڈت منوہرلال جی صاحبزادہ پنڈت سہج رام صاحب تکّوسب اورسیر۔ لاہور۔

خورد سالی میں سفر اس نے کیا دار فانی سے گذر اس نے کیا

بود سے نابود یکدم ہوگیا کرکے رحلت سوئے رضواں چل بسا

ہائے تو دنیا سے رحلت کرگیا داغ حسرت سب کے دل پر دے گیا

میری آنکھوں سے وہ پنہاں ہوگیا یوسف مصری تھا کنعاں میں گیا

چل بسا وہ سب کو تنہا چھوڑ کر مجھسے فرزندی کا رشتہ توڑکر

اُس کے سر پر ناگہاں مرگ آگئی آٹھ دن میں گور تک پہونچا گئی

تیرے مرنے سے پدر ہے بیقرار ماں بہن بھی رات دن ہیں اشکبار

تیرے غم میں مادرِ خستہ جگر ہر گھڑی ہر روز و شب ہے نوحہ گر

پر لگا کر دیکھتے ہی دیکھتے اُڑ گیا وہ مرغ اپنے ہاتھ سے

ہائے وہ خورشید طلعت مہ جبیں ناگہاں غائب ہوا زیر زمیں

کیا کرے اس درد کا مجرم بیاں سخت درد انگیز ہے یہ داستاں

یہ وہ غم ہے جس کے لکھنے میں قلم

خوں بہا دیتا ہے اپنا دم بدم

تاریخ وفات پنڈت منوہرلال صاحب فرزند مجرم صاحب

سالِ ہجری از وفاتش دل چو گفت از جہاں کرد۔ گذر وائے منوہرلال

۱۲۹۹ھ

تاریخ وفات پر میشور ناتھ جی فرزند دیوان شیو ناتھ صاحب کول

چو پرسیدم ز ہاتف سالِ ہجری   بگفتا فوت شد آہ پر میشور
۱۳۹۹ھ

مجروح - پنڈت کشن چند صاحب لکھنوی شاگرد مرزا مظہر جانجاناں

معشوق ہیں زمانے کے سارے جفا پرست   اے وائے عاشقوں کو کہ ہیں آشنا پرست

محبت - پنڈت شیو پرشاد گنجور صاحب

عجب کیا وہ آئیں اگر ہنستے ہنستے   مثل ہے کہ بستے ہیں گھر ہنستے ہنستے

محشر - دیوان پنڈت برمہ ناتھ مدن صاحب۔ خلف دیوان پنڈت گیان ناتھ

مدن صاحب۔ رائے بہادر سکریٹری ایجنٹ گورنر جنرل بہادر ریاست ہائے پنجاب۔ آپ ۱۱ فروری ۱۹۰۴ء کو بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۲۵ء میں ایل۔ایل۔بی کا ڈپلوما لیکر ۱۹۲۷ء میں انگلستان کا سفر اختیار کیا مگر ناسازی طبیعت کی وجہ سے چند ماہ بعد آپ واپس آگئے ماہ مئی ۱۹۲۸ء میں آپ بعہدہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ممتاز کئے گئے اور فی الحال آپ ری کلیمیشن آفیسر پنجاب کے فرائض بمقام لاہور انجام دے رہے ہیں۔ آپکے جد امجد راجہ پنڈت دینا ناتھ مدن صاحب تھے۔ اور آپ شاعر باکمال پنڈت مان ناتھ مدن صاحب المتخلص بہ اصغری کے پوتے ہیں۔ آپ کا شوق شاعری تازہ ہے اور رنگ تغزل آپکو زیادہ پسند ہے۔ آپ آرٹلد میڈیلسٹ بھی ہیں۔

انتہا عشق کی ہے گوشۂ تنہائی ہے   عالمِ وجد میں ہوں ناصیہ فرسائی ہے
لوگ انگشت نما کرتے ہیں اور کہتے ہیں   خود تماشا تھا یہی اب جو تماشائی ہے
ہم تو بدنام ہوئے خیر مگر یاد رہے   اسمیں ظالم پہ تمنا تیری بھی رسوائی ہے

عشق کی راہ کا رہرو جو ہوا ہے محشر
دیر و کعبہ کا وہ مفتون کلیسائی ہے

ایسا تمہارے عشق نے رسوا کیا مجھے   تنکا سمجھ کے لے اُڑی بادِ صبا مجھے



دیوان برہمناتھ دت . قیصر

سودائی کو یہی ہے جو خلقِ خدا مجھے
ملتا ہے اپنے عشق کا اچھا صلا مجھے

دل غم شناس کیوں نہیں بخشا خدا مجھے
ہونا تھا گر فسانۂ جور و جفا مجھے

دل پُر ز دردِ عشق تو تو نے دیا مجھے
بخشی نہ فیضِ غیب سے آہِ رسا مجھے

وحشت ہے یا جنوں ہے ہوا ہے یہ کیا مجھے
خود بھولے جا رہے ہیں ترے نقشِ پا مجھے

سنائے شکوے جو سہتے جورِ آسماں سے ہمیں
کہاں ستاؤ نہ اس کہنہ داستاں سے ہمیں

جنوں سے وحشت و سودا سے اب کہاں فرصت
ہوا ہے عشق جو اب تجھ سے لامکاں سے ہمیں

ہواسِ ماندہ کو کر دیتی ہے تہ و بالا
صدا جرس کی جب آتی ہے کارواں سے ہمیں

لبوں پہ آہ نے بسکہ جما لیا اپنا
فراغ کچھ ہو ملا نالہ اور فغاں سے ہمیں

صدف کو جب نہ ملے ایک بوند پانی کی
توقع خاک ہو پھر بحرِ بیکراں سے ہمیں

بنایا شاخِ تخیل پہ آشیاں اپنا
بہار سے ہمیں مطلب نہ ہے خزاں سے ہمیں

کشش جبیں کو جو ہوتی ہے دم بدم محشر
ضرور انس ہے کچھ انکے آستاں سے ہمیں

کیسے خیال و وہم تماشا کرے کوئی
جب تک نہ تابِ دید ہی پیدا کرے کوئی

موسیٰ بھی لڑکھڑا کے گرے کوہِ طور پر
پھر کیا بھلا مجال نظارہ کرے کوئی

بیخود جو ہو چکا ہے ترا جلوہ دیکھ کر
دے کیا جواب لاکھ پکارا کرے کوئی

دیتے ہیں اشتعال تمنائے دید کو
کہہ دو نہ گیسوؤں کو سنوارا کرے کوئی

ہر اک ادا میں تیری ہیں لاکھوں قیامتیں
محشر کا انتظار بھلا کیوں کرے کوئی

کئے کی میں اپنے سزا چاہتا ہوں
جو خونِ تمنا کیا چاہتا ہوں

گناہوں کی ظلمت نے بھٹکا رکھا ہے
ہدایت کا تیری دیا چاہتا ہوں

بہت تنگ ہستی کے ہاتھوں سے آکر
شرابِ اجل اب پیا چاہتا ہوں

نہیں حسن کی اور ادا کی تمنا — فقط ایک خوئے وفا چاہتا ہوں
نہ محمل کی پروا نہ لیلا کی خواہش — صدائے جرس بس سنا چاہتا ہوں
جو تو چاہتا ہے وہ میں چاہتا ہوں — مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

مخلص۔ رائے رایاں پنڈت آنند رام صاحب کَہلو دہلوی

ماخوذ از خزانہ عامرہ

وطن آبائی اُو سودہرہ از توابع لاہور است خود در شاہجہاں آباد بسر می برد آنند رام در دربار بادشاہی وکیل اعتماد الدولہ قمر الدین خاں وزیر فردوس آرام گاہ و نیز وکیل سیف الدولہ عبد الصمد خاں ناظم صوبہ لاہور و ملتان بود و رائے رایاں خطاب داشت خان آرزو در مجمع النفائس می نویسد باعث بودن فقیر در شاہجہاں آباد دہلی اخلاص اوست از مدت سی سال تا الیوم سررشتۂ کمال محبت و مودت را از دست نداد در عنفوان جوانی اشعار خود را از نظر مرزا عبد القادر بیدل مرحوم گذرانیدہ از اں زمان با ایں عاجز محشور و مربوط است الغرض وریں جزو زماں از منتخبان روزگار است حکیم حسین شہرت میگفت دو مخلص اند یکے کاشی و دوم ماشی سخن آنند رام مخلص قشقۂ قبول بر جبین دارد۔ ابیات اُو از مجمع النفائس۔ نقل افتاد۔

میاز ار اے محبت باز چوں من ناتوانے را — غریبے دردمندے بیکسے آزردہ جانے را
ز حالِ بلبلِ مسکین نداریم اطلاع اما — بجائے گلبنے دیدیم مشتِ استخوانے را
ولہ
با بلبلاں شریکِ فغاں می شدم ولے — نگذاشت عفصل گل بچمن باغباں مرا
ولہ
بہ گلشن چند سروے دیدم و فریاد سر کردم — کہ یاد م داد رنگیں صحبتِ یاراں موزوں را
ولہ
بجز سودائے سنبر زلفِ تو از خویش را — سفر دور و دراز آمدہ در پیش مرا
ولہ
گرد باد آئینۂ غیرت احوالِ تو بس — آرمیدن ہمہ گر خاک شوی دشوار است
ولہ
بر دلِ ما تیرہ روزاں نوال صفِ مژگاں گذشت — انچہ از قوم دکن بر ملکِ ہندستاں گذشت۔

میزند لا تقنطوا از خاک مجنوں سبزہ جوش   دردمندے ظاہر ازیں سرزمین گریاں گذشت

عکس ابروے او در آئینہ نیست   سجدے در طلب پنہا شدہ است

وله

مردم دنیا سماجت خواہ و من نازک مزاج   اے خدا فضلے کہ استغنا بفریادم رسید

وله

بہ تحریک نسیمے زلف او زیر و زبر گردد   ہزار افسوس من از کشورِ ہندوستاں گم شد

وله

بقربانِ بتاں آخر دلِ افگار خود کردم   زحالم تا کسے واقف شود من کار خود کردم

وله

بہ کاغذ یاد ماند در محبت کاروبارِ من   کہ باشد در کفِ طفلاں عنانِ اختیارِ من

وله

ازاں ہر لحظہ در بر میکشم سرو گلستاں را   کہ ایں رعنا جواں بسیار می ماند بہ یارِ من

وله

داری بہ چوں خودی سرِ الفت نہاں مکن   ظلمِ صریح در حقِ خود اے جواں مکن

وله

قیامت بر سرم آوردہ از شیون ہائے قمری   تو خواہی بعد ازیں در باغ بودن با من اے قمری

وله

نبود قابل صحبت مخلص   بگذارید کہ سودا دارد

جناب مخلص کو فارسی زبان میں بڑا کمال تھا صرف نام سے تو کوئی ہندو بھلے ہی سمجھے مگر زباندانی میں اہل ایران کے اچھے ذی استعداد لوگوں سے کسی طرح کم نہ تھے اور روزمرہ معاشرت میں اُمرائے اسلام سے بہت متفق تھا۔ رائے آنند رام دہلی کے رہنے والے تھے ان کا مکان سیتارام کے بازار سے ذرا آگے بلبلی خانہ میں تھا مکان امرائے اسلام کی طرح آراستہ تھا۔ فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانہ میں ان کا اور اُن کے خاندان کا سلطنت میں بڑا عروج رہا سادات بارہہ کے سیدوں سید عبداللہ خاں و سید حسین علی خاں کے وقت میں جو بادشاہ گر کہلاتے تھے آپ کو بہت وقار حاصل تھا۔ میر ناصر علی خاں بہادر اڈیٹر صلائے عام دہلی رائے آنند رام صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رائے آنند رام کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے لٹریچر و معاشرت سے اسقدر اُنس تھا کہ مسلمانوں میں بھی اس فہم و کمال کا آدمی مشکل سے ملیگا اُس وقت کے اہل کمال مثل سراج الدین علیخاں آرزو اور خانصاحب قزلباش خاں متخلص بہ اُمید اور میاں محمد ماہ اور محمد ساقی مخاطب بہ تفیضخاں

وغیرہ جو مشاہیر زمانہ تھے ان کے ساتھ آنند رام کی صحبت گرم رہتی تھی آرزو بڑا صاحب کمال ہوا ہے اُمید کا کلام مرزا جلال اسیر اور شوکت بخارای کے ہم پلّہ تھا مستعید خاں مآثر عالمگیری کا مولف ہے آنند رام کی تصانیف میں بہت کتابیں ہیں تحقیق اصطلاحات فارسی میں اُن کی تصنیف مراۃ الاصطلاح نہایت مستند سمجھی جاتی ہے اُن کے رقعات و چمنستان و پریخانہ لاجواب ہیں تحریر میں اپنے دستخط کے ساتھ حقیر آنند رام لکھتے تھے مکان میں کنیزیں قلماقنیاں تھیں اور صحبت میں مغل بچہ عبدالرزاق نامے تھا۔ آنند رام کا زمانہ نادرشاہ کی آمد کا تھا لکھتے ہیں کہ میں جوانی میں کھڑکی دار چیرہ سر پر باندھتا تھا اور اُس کے باندھنے میں چار گھڑی مشق کرتا تھا اکتالیس برس کی عمر میں یہ تکلف ترک کر دیا سادہ باندھنے لگا اور گھر میں دو پلڑی ٹوپی پہنتا ہوں چیرہ منقش زرتار کبھی نہیں باندھا۔ آنند رام کی فارسی حضرت سعدی کی طرز سخن سے زیادہ ملتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "دشمنے کہ بتو کلمۂ حق بگوید بہ از دوستے است کہ او ایں جادہ نہ پوید" "دل سوختہ را نباید سوختن و دردمند را نباید آزار کرد گداختہ را نباید گداختن و عزیز را نباید ذلیل و خوار کرد۔

رفتم دمِ صبحے زسرِ صدق و صفا — در بندگی یکے ز خاصانِ خدا
گفتم چہ کنم تا بیاساید دل — فرمود کہ ترکِ جاہ و حُبِّ دنیا

ولہ
اُنس با آئینہ اش از بہرِ دیدارِ خود است — آں جوانِ نازنیں شاید گرفتارِ خود است

ولہ
ضبطِ آہ و نالہ خوں سازد دلِ زارِ مرا — آخر ایں پرہیز خواہد کُشت بیمارِ مرا

ولہ
بخانہ اش روم و ایں کنم بہانۂ خویش — کہ مست بودم و کردم خیالِ خانۂ خویش

ولہ
رسیدم عاقل و جاں را فدائے یارِ خود کردم — ستم تا بر سرِ کار آورد من کارِ خود کردم

ولہ
در سینہ دلم گم شدہ تہمت بہ کہ بندم — غیر از تو کسے راہ دریں خانہ ندارد

ولہ
روم ز کوئے تو پیرانہ سر ز جورِ رقیب — بحسرتے کہ ز دنیا کسے جواں برود

ولہ
نیست جرأت بعرضِ حالِ مرا — گلہ مندم زبے زبانی ہا

در تماشا نیست کاغذ باد رنگین کے — ولہ — تخت خود را در ہوا گویا پر پرواز داد

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل — ولہ — بند قبائے کیست کہ وا میکنیم ما

زرخسارِ درخشانِ تو چون یکسو نقاب افتد — چو قندیلِ طلا آتش بجانِ آفتاب افتد

ز پہلو دل بر آرید از تبِ مرگم کہ می ترسم — طفیلِ ایں قیامت پارہ دوزخ در عذاب افتد

ق

ازیں بیتے کہ ہست از نوریِ خونیں نوا مخلص — چہ استعجاب دارد شور اگر در شیخ و شاب افتد

بگورستانِ گرانم ہیا رید از پس مُردن — مسلمانے مبادا از پہلوئے من در عذاب افتد

راجہ آنند رام مخلص لکھتے ہیں کہ ۱۱۵۲ھ میں ہم یاران دیرینہ مانند پیام اور آرزو یار اور ثابت اور دیوانہ وغیرہ مزار فائض الانوار حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے واپس چلے آرہے تھے کہ بہار کے قافیہ پر آرزو بولے ؎

چو کانِ لعل بجوش است خون من دایم
پئے جنوں نبود حاجتِ بہار مرا

پیام شیریں کلام نے فرمایا ؎

ترا بخونِ گل و لالہ باغبان سوگند — ز آشیاں مکن آوارہ در بہار مرا

بہت دیر تک سب اس شعر کی داد دیتے رہے جب میرا نمبر آیا تو میں نے کہا ؎

بہرزہ نیست دلم را شکایت از صیّاد
قفس گرفتہ بہ گل آخرِ بہار مرا

جب ہم مولانا ناصر علی مغفور کے مزار پر پہونچے تو سب نے فاتحہ پڑھکر پھر شعر خوانی شروع کی سراج الدین علی خاں آرزو مزار کی طرف مُنہ کرکے بولے کہ یہ بزرگ اپنے زمانہ کے ہنگامہ آرائے شور محشر تھے اگر اہل دل تھے تو اب بھی کچھ اپنی کرامت دکھائیں اور ضیافت طبع فرمائیں کیونکہ "ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق" ابھی یہ فقرہ ختم ہوا تھا کہ مولانا کے مزار پر مولسری کے درخت پر ایک کویل اس خوش آوازی اور دردناکی سے

گوئی کہ ہم لوگوں کے دلوں پر اثر ہوا اور سب حاضرین کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور دو چار کو وجد ہو گیا اور آرزو تو بیہوش ہو کر گر پڑے میں نے مولانا کا یہ مطلع پکار کر پڑھا۔

خاک گردیدیم و میر قصد ہنوز افغانِ ما
خم شکست اما نمی ریزد مے جوشانِ ما

اس شعر نے تو اور بھی آگ پھونکدی اور قیامت صغریٰ قائم کردی ایک دوسرے کو لپٹ لپٹ کر روتے تھے اور مزار کے گرد پھرتے تھے بڑی دیر تک مولانا ناصر علی مغفور کے اس فیضان نے ہم سب کو مست و بیخود بنائے رکھا۔ للہ در من قال ؎

بر سر تربتِ ما چوں گذری ہمت خواہ
کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود

صرف ایک شعر اردو کا تذکرۂ شعراء مرتبہ نساخ میں درج تھا۔ ملاحظہ ہو۔

آتا ہے ہر سحر اٹھ تیری برابری کو کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

محمور۔ پنڈت شام پرشاد سکھیا صاحب خلف پنڈت کالکا پرشاد صاحب سکھیا

آپ جناب مسرور کے برادر خورد ہیں۔ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۲۵ء تک آپ نے اپنا زمانہ ریاست جلپور میں صرف کیا آپ نائب ناظم عدالتین تھے اور اب مستفید پنشن ہو کر آگرہ میں قیام پذیر ہیں آپ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۲ء تک دفتر کمشنر آبکاری و اسٹامپ میں ملازم رہے۔ اسکے بعد آپ لوکو موٹو پارٹمنٹ بریلی اور بیلی بھیت میں چند ماہ ملازم رہے اور وہاں سے مستعفی ہو کر کشمیری بینک فیض آباد میں سکریٹری رہے۔

تاریخ طبع دیوان دوم جناب مسرور

مرتب جب ہوا دیوان مسرور کہا سب نے یہ نسخہ بے بہا ہے
لکھی محمور نے تاریخ اسکی کلام خوش بیاں ہے دلربا ہے
۱۳۲۲ھ

وصلِ دشمن تجھے منظور ہوا خوب ہوا — یکقلم پاسِ وفا دور ہوا خوب ہوا
چاہیئے کچھ تو سزا جور و ستم کی آخر — عاشقِ غیر وہ مغرور ہوا خوب ہوا
ہے یہ وزدیدہ نگاہوں کی محبت کا اثر — دل پُر داغ میں ناسور ہوا خوب ہوا
مر رہے چپکے ہی ایک پردہ نشیں کے غم میں — رازِ پوشیدہ نہ مشہور ہوا خوب ہوا
نہ لگا داغ تجھے تنگدلی کا اُو بت — بے سزا شیشۂ دل چور ہوا خوب ہوا
آپ اور غیر کے ہاتھوں سے پئیں جامِ شراب — رات حاضر جو نہ مخمور ہوا خوب ہوا

ولہ

سانپ ڈسنے کو مرے گیسوئے جاناں نکلے — دل دیا جنکو وہی جان کے خواہاں نکلے
ایک بھی بات نہ میری کبھی خلوت میں سنی — حیف کچھ بھی دلِ شیدا کے نہ ارماں نکلے
پارسا ہم تو سمجھتے تھے تمہیں اے مخمور — آپ تو حضرتِ من مرشدِ مستاں نکلے

ولہ

ندامت یہ ہوئی ہمکو بتوں کے عشق میں حق سے — پڑا آخر چھپانا منہ کفن میں شرمساری سے

مروت - پنڈت باسکرن عرف باسوجی ولد پنڈت بستی رام صاحب باشندہ لکھنؤ - شاگرد امانت

جب مجھ پہ چھوڑ دیتے ہیں تیغ جفا کے ہاتھ — دیتے ہیں خوں بہا وہ حنائی دکھا کے ہاتھ
اُس بت شکن کا ہوں میں زمانہ میں معتقد — توڑے ہیں جس نے لات کے گھر میں خدا کے ہاتھ
تڑپے مثالِ ماہیِ بے آب تا بہ حشر — دریا جو دیکھ پائے مرے آشنا کے ہاتھ
دل ہاتھوں ہاتھ یوسفِ ثانی نے لے لیا — آیا نہ خاک بھی سبب بازار جا کے ہاتھ
دل پیستے ہیں خلق کا ٹھوکر لگا کے پاؤں — کرتے ہیں خون رنگ حنا کا دکھا کے ہاتھ
توڑا جو گل چمن میں کلائی لچک گئی — نازک ہیں پھول سے مرے رنگیں ادا کے ہاتھ
خود جام مے جو منہ سے لگائیں تو ہے حرام — ہم کو وہ ہے حلال جو دیجے اٹھا کے ہاتھ

پچھتا نہ اُن بتوں سے مروت لگا کے دل
عزت مری ہے خالقِ ارض و سما کے ہاتھ

مسافر۔ پنڈت سومناتھ صاحب سپرو مقیم موگا ضلع فیروزپور

کسی سے عالم فانی وفا نہیں کرتا — جو آیا رہنے کی خواہش ذرا نہیں کرتا
یہ ایک پل ہے سرِ رہ بنا ہوا جس پر — قیام کوئی بھی شاہ و گدا نہیں کرتا
سنبھالو نامۂ اعمال کو کہ فرصت ہے — چلا چلی میں تو کچھ بھی بنا نہیں کرتا
تو زادِ راہ کا سامان خود مسافر کر — کوئی کسی کے لئے کچھ کیا نہیں کرتا

یہ چار روز کی ہستی ہے دار فانی میں
بھلائی کچھ تو دکھا اپنی زندگانی میں

مست۔ پنڈت دینا ناتھ چکن صاحب خلف پنڈت آنند رام صاحب۔ آپ کے حالات زندگی جناب پنڈت جواہر لال سوپوری صاحب ایم۔ اے نے تحریر فرما کر عنایت کئے ہیں۔ چنانچہ شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں مست۔ پنڈت دینا ناتھ صاحب خلف پنڈت آنند رام صاحب کشمیر کے مشہور قوم پرست نوجوان ہیں آپ نہ صرف ایک اچھے درجے کے شاعر اور ناثر ہیں۔ بلکہ ایک عمدہ کیریکٹر کے مالک ہیں۔ آپ ۱۹۵۹ بکرمی میں بمقام اننت ناگ کشمیر پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار پنڈت آنند رام صاحب مہاراجہ سر پرتاب سنگھ مرحوم کے پرائیویٹ ڈپارٹمنٹ میں ایک ذمہ دار عہدہ پر مامور تھے۔ اور اب پنشن پا رہے ہیں۔ حضرت مست کے والد بزرگوار اپنے ہونہار اور ذہین بیٹے کو انٹرنس پاس کرانے کے بعد ولایت بھیجنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن آپ کو اسی زمانہ میں سلفیورک ایسڈ مرض کی شکایت لاحق ہوگئی۔ اور سات آٹھ سال تک صاحب فراش رہے۔ باوجود ایسی حالت میں رہنے کے آپ نے انٹرنس اور فارسی کے ایک دو امتحان پاس کرلئے۔ آپ کی عام علمی قابلیت اس کوتاہی کے باوجود خاص طور پر قابل تعریف اور حیرت انگیز ہے۔ آپ کی معلومات انگریزی اردو فارسی ادب



پنڈت دینا ناتھ چکن، مست کشمیری

میں بہت وسیع ہیں حضرت مست کو شعر و شاعری سے عالم طفلی سے قدرتی انس تھا۔ جب آپ میرے ہم جماعت تھے تو حساب کے گھنٹوں میں سوال نکالنے کے بجائے یا تو چند شعر موزوں کر لیا کرتے تھے یا کوئی نظم یا رسالہ دیکھتے رہتے تھے۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ کشمیر دربار کے ساتھ جموّں آتے جاتے رہتے تھے۔ جموّں میں اکثر مشاعرے ہوتے رہتے تھے۔ آپ بھی اُن مشاعروں میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اور اس طرح مشق سخن کا سلسلہ جاری رہا۔ جموّں ہی میں سنہ ۱۹۷۶ بکرمی میں اُردو دنیا کے مشہور ادیب اور نامور شاعر جناب پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفیؔ دہلوی سے مست صاحب کا تعارف ہوا۔ علامہ موصوف نے اِن کی ہونہار طبیعت کا اندازہ کر کے اپنے حلقہ تلامذہ میں شامل کر لیا۔ حضرت مست کی شاعری پر ریویو کرنے کا یہ موقع نہیں تاہم میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کا کلام جوش و خروش جذبہ و تاثیر ذوق سلیم اور پرگوئی کا عمدہ نمونہ ہے۔ مست صاحب کا دل قومی ہمدردی سے لبریز ہے۔ چنانچہ یہی جذبات قوم پرستی آپ کو باوجود خرابی صحت کے کشاں کشاں رسالہ "صبح کشمیر" کی اِدارت کے لئے لاہور لے گئے۔ آپ کی اِدارت میں رسالہ "صبح کشمیر" ریاست جموّں و کشمیر جنّت نظیر کے طول و عرض میں ایک ہر دل عزیز اور آزاد قومی آرگن تصور کیا جاتا تھا۔ اور آپ کی تحریروں سے ریاست کے درباری حلقوں میں ایک تہلکہ مچ جاتا تھا لیکن افسوس کہ لاہور کے دو تین سالہ قیام نے آپ کی تندرستی پر ایسا خراب اثر ڈالا کہ مجبوراً آپ کو کشمیر واپس جانا پڑا۔ فی الحال آپ اپنے تجارتی کاروبار کی نگرانی کرتے رہتے ہیں مگر کامل اُمید ہے۔ کہ آپ چند عرصہ کے بعد پھر قومی سرگرمیوں میں تازہ دم ہو کر مصروف ہو جائینگے۔

دیباچہ

درد دیباچہ میرے دیوان کا
عشق سرمایہ میرے دیوان کا

عقیدت کے موتی

بہت صدمے سہا کرتا ہوں میں تیری محبت میں — رہینِ گریۂ پیہم رہا کرتا ہوں خلوت میں
چراغِ برق کی صورت دھواں اُٹھتا نہیں لیکن — سراپا داغِ دل سے جل اُٹھا میں سوزِ الفت میں
تیری مُرلی کا نغمہ گونجتا رہتا ہے کانوں میں — نظر آتا ہے تیرا روپ اب ہر ایک صورت میں
مرے ہر روم کے اندر تو ہی آکرشن بستا ہے — تری تصویر ہوں گویا یہ عالم اب ہے الفت میں
یہ کیوں تمیز کر رکھی ہے ملنے اور نہ ملنے کی — کہیں کچھ فرق آجائے نہ اس شانِ وحدت میں
یہ اندازِ تغافل بھی نہیں شایاں مگر تجھ کو — یہ مانا بے نیازی تو بھری ہے تیری فطرت میں
بڑھی جاتی ہے اب یاس اور دل تنگی کی نوبت ہے — فغاں ہو کر نہ دم نکلے ترے درشن کی حسرت میں

نہیں یارا زباں کو مست دل کی ترجمانی کا
سہارا چاہئے اس جا زباں کو بے زبانی کا

کھیر بھوانی کے چرنوں میں

کھیر بھوانی یا تولہ مولہ کشمیری پنڈتوں کی مشہور زیارت گاہ ہے جو راگنیا بھگوتی کی استھاپنا مانی جاتی ہے اس چشمے کا رنگ عموماً تبدیل ہوتا رہتا ہے اور اہل کشمیر اس کے عقیدت مند ہیں اس کے علاوہ اس چشمے میں یہ خوبی ہے کہ یہ کشمیر کے مشہور صحت افزا مقام گاندربل کے قریب واقع ہے۔

یہ معبدِ حقیقت یہ خاکِ نور ساماں — یہ جلوہ گاہِ فطرت یہ ارضِ طور ساماں
آئینۂ ازل ہے تنویر بخشِ عالم — آبِ حیاتِ ابدی امرت کا چشمۂ تر
ہر قطرہ اسکا خورشید کی آنکھ کا ہے تارا — دُرِ عدن سے بھی ہے پاکیزگی میں بڑھ کر

سیّال ہو کے شاید اُترا ہے ماہِ کامل
یا آگیا زمیں پر جنت سے حوضِ کوثر
صبر و سکوں ازل کا اسکی فضا سے حاصل
جوشِ بہارِ جنت گلہائے تر سے پیدا

۲

نیرنگیاں تری کیا جلوے دکھا رہی ہیں
رنگت بدل بدل کر شکلِ خیالِ رنگیں
سرچشمۂ بقا کو حاصل ہے آب تجھ سے
رعنائیِ ازل کو تجھ سے ملی ہے تزئیں
دنیا ہو یا وہ عقبیٰ ہر جا وہ سرخرو ہے
مل لے جبیں پہ تیری جو خاکِ جلوہ آگیں
تنویر ظلمتوں کو اسکی ضیا سے حاصل
جلوے ہیں معرفت کے دیوار و در سے پیدا

۳

تقدیس کی ہے دنیا کون و مکاں کی خوبی
ہے ذرہ ذرہ تیرا مہرِ ضوِ حقیقت
فطرت کا ہے نگینہ، قدرت کا آبگینہ
ہر قطرۂ مقدس لبریزِ جامِ وحدت
باغِ جناں کی نزہت پیدا کلی کلی میں
ہر غنچۂ شگفتہ تاجِ نگارِ فطرت
شامِ ابد کو رونق تیری ضیا سے حاصل
صبحِ ازل میں ضو ہے تیری سحر سے پیدا

۴

اس جنتِ بریں کو تجھ سے بہار حاصل
رشیوں کی سرزمیں کو تجھ سے وقار حاصل
رہتا ہے زائریں پہ چھایا تیرا
ہر وقت عابدوں سے محفل تری بھری ہے
قربانِ شانِ ہستی گردوں کی رفعتیں ہیں
ذروں کا طوف کرتا خورشیدِ خاوری ہے
مستِ حزیں کو حاصل سرمستیِ ازل ہے
اسکو یہ پاک تیرتھ آغوشِ مادری ہے
اس جا نجات ہر اک جرم و گنہ سے حاصل
رحمت کی بدلیاں ہیں اس جوشِ تر سے پیدا

"سنہری جمنا"

۱

شباب بر شکال ہے | خوشی میں ہر گوال ہے
برج سبھی سنال ہے
چمن دمن میں ہر طرف | برس رہی پھہار ہے
گلوں پہ بن میں ہر طرف | بہار ہی بہار ہے
حیات وجد کوش ہے
بہارِ خوب دیکھکر | یہ سبز دوب دیکھکر

۲

طلسم کاریٔ چمن | یہ شاخِ گل کا بانکپن
یہ صحنِ باغ کی پھبن
سجی ہیں دوشِ عرش پر | شفق کی سرخ ساریاں
نظر فریب فرش پر | گلوں کی رنگ پاشیاں
جہانِ بُو جہان ہے
فضائیں عطر بیز ہیں | ہوائیں مشکریز ہیں

۳

اِدھر اُدھر یہاں وہاں | سرور بخش ہے سماں
مثالِ خلد ہے جہاں
بساطِ خاکِ دیر کی | ہری بھری نہال ہے
کلی کلی سنا رہی | پیام وجد و حال ہے
ہے بیخودی برس رہی
چمن کے برگ و بار سے | فضائے زر نگار سے

۴

وہ شام رونما ہوئی		خموش ہر نوا ہوئی
سمک سے تا سما ہوئی
شفق کا غازہ اڑ گیا		وہ شمس کی ضیا مٹی
وہ رنگِ تازہ اڑ گیا		وہ شوخیٔ ادا مٹی
بکھر گئیں سیاہیاں
ادھر ادھر یہاں وہاں		فضا ہے تیرگی فشاں

۵

ہوائیں ہیں مچل رہی		گھٹائیں ہیں مچل رہی
فضا میں جنگ چل رہی
فلک تہِ سحاب گم		فضائیں ہولناک ہیں
قمر کی آب و تاب گم		خلائیں ہولناک ہیں
مثالِ حشر رات ہے
سحاب تند و تیز ہیں		مہیب و حشر خیز ہیں

۶

وہ رودِ نورِ کہکشاں		وہ اختروں کا کارواں
نظر سے ہو گیا نہاں
سیہ گھٹا میں منتشر		نجوم و ماہتاب ہیں
خلا میں آسمان پر		سحاب ہی سحاب ہیں
وہ یک بیک برس پڑے
ادھر ادھر یہاں وہاں		ہیں بجھ بار بدلیاں

غضب ہے کنسِ فتنہ گر — تلا ہوا ہے ظلم پر
کئے ہیں قید دو بشر
الیم و ناتواں ہیں وہ — رہینِ پیچ و تاب ہیں
ستم سے نیم جاں ہیں وہ — شکارِ ہر عذاب ہیں
اسیرِ صد ہراس ہیں
بلا کے دیو در پہ ہیں — تلے ہوئے جو شر پہ ہیں

۸

یکایک آسماں پہ — سیہ گھٹا کو چیر کر
نمود ہو گیا قمر
بدل گئی وہ کیفیت — شبِ سیاہ فام کی
کچھ اور ہی ہے ماہیت — بُرج کے صحن و بام کی
مٹیں تمام ظلمتیں
شجر حجر چمک اٹھے — گل و ثمر دمک اٹھے

۹

اسیرِ دام چھٹ گئے — جو تھے غلام چھٹ گئے
بفیضِ شام چھٹ گئے
وہ قیدی صبا قدم — رواں مثالِ برق ہے
شگفتہ دل ہے تازہ دم — مسرتوں میں غرق ہے
کسی کو لے کے دوش پر
وہ تیر سا بہے جا رہا — ندی کو چیرتا ہوا
خوشا ظہورِ حق ہوا ۱۰ ظہورِ نورِ حق ہوا

عیاں وہ ظہورِ حق ہوا

کسی کی ضو سے سر بسر　　خلائیں جھلملا اٹھیں
چمک اٹھے ہیں بحر و بر　　فضائیں جگمگا اٹھیں

چمن ہے ایک تودۂ زر

ہلا وہ اسکو اوج ہے　　سنہری موج موج ہے

جلوہ زارِ ڈنڈگ

ہاں ہاں، وہ دیکھنا کو دھر آ رہے ہیں کون　　مہتاب و آفتاب نظر آ رہے ہیں کون
آنکھوں سے مہر و ماہ کی تکتا ہے آسماں　　اترے ہیں دیکھنے کو فرشتے بھی یہ سماں
کن کے جلو میں نور ہے صد آفتاب کا　　آنکھیں ہیں بند رنگ یہ ہے آب و تاب کا
رکھا ہے کس نے پائے مبارک کو ناز سے　　سبزہ بھی فرشِ راہ ہے فرطِ نیاز سے
کیا خوش نصیب ہے تو اے ڈنڈگ کی سر زمیں
دونوں جہاں ہیں جیسے۔ ترے گھر میں آ گئیں

۲

ہاں اے یہ کسے خبر تھی کہ جنگل نہیں ہے تو　　روشن یہ کب کسی پہ تھا خلدِ بریں ہے تو
جنت کے رنگ ڈھنگ ہیں ہر خارزار میں　　فوٹو کھینچا ہے رام کا گل کے عذار میں
ہیں دیوتا ترستے تجلّی کو نور کو
ڈنڈگ بنوں یہ آرزو ہے کوہِ طور کو

۳

کٹیا یہ تیرے صحن میں کس نے بنائی ہے　　کیا شانِ سادگی سے یہ رونق بڑھائی ہے
کٹیا یہ گھاس پھوس کی آتی ہے گو نظر　　ہے منزلِ رفیع کی اس میں ادا مگر

ہنسنے کی اس میں کرتے تمنا ملک بھی ہیں　　اور صحن اس کا بننے کے خواہاں فلک بھی ہیں

کرتے ہیں کاخ و قصر اودھ کے یہی دعا　　ڈھنگ میں جاکے کٹیا کسی کی ہوں اے خدا

دیوارِ خار و خس نہیں حصنِ حصیں ہے یہ　　بندر جلادے جس کو وہ لنکا نہیں ہے یہ

اے مست جھونپڑی یہ نہیں قصرِ رام ہے　　قربان اسکی شان پہ گردوں کا بام ہے

شمس و قمر میں نور ہے اس کے چراغ سے
ظلمت جہاں کی دور ہے اس کے چراغ سے

جلوۂ موہن

یا

ہنگام سعید

ہوا آغازِ فصلِ برشکالِ روح پرور پھر　　ہے روکش روئے دلبر کا گلستاں میں گلِ تر پھر

کسی کی زلف کی صورت ہوئی سنبل معطر پھر　　ہے کرتی شوخیاں نرگس مثالِ چشمِ دلبر پھر

گھٹائیں جھومتی ہیں ہنس رہی ہیں بجلیاں کیا کیا
مناظر حسنِ قدرت کے ہیں گلشن میں عیاں کیا کیا

کہیں گرداب کی مانند محوِ رقص دریا ہے　　تموج میں ندی کے مشتری کا ناچ مجرا ہے

حبابوں نے کہیں مستی سے ٹوپی کو اچھالا ہے　　ترنم آبشاروں میں کہیں خلخال کا سا ہے

نہیں پھولے سماتے آج فوارے مسرت سے
نچھاور کرتے جاتے ہیں گہر جوشِ عقیدت سے

جبیں سے ہے کسی کی ماہِ کامل میں دمک پیدا　　کسی کے نور افشاں کی ستاروں میں جھلک پیدا

کسی کی تابِ عارض سے ہے سورج میں چمک پیدا　　کسی کی مسکراہٹ سے ہوئی برقِ فلک پیدا

مجھے فانی نظر آتا نہیں رنگِ جہاں ہرگز
عیاں ہر شے میں ہے موہن نہیں ہے وہ نہاں ہرگز

کہیں مُرلی سی بجتی ہے صدائے رودِ جمنا میں چمکتے ہیں ستارے ذرّہ ہائے خاکِ متھرا میں
کسی حُسنِ ازل کی ہے کھنچی تصویر گیتا میں نظر آتا نہیں کچھ فرق لوگوں میں کنہیا میں

کسی مُرلی منوہر کا کسی کو دھیان رہتا ہے
کسی کے لب پہ جائے آہ "ہے بھگوان" رہتا ہے

بھیانک سین ہے ایسا فلک بھی جس سے لرزاں ہے یہ دیکھو وقت آدھی رات کا ہے اور زنداں ہے
بندھے بندِ یو بھی ہیں دیوکی بھی پابجولاں ہے کھڑے ہیں سنتری پہرے پر اور ہشیار درباں ہے

یہ ظالم کنس نے ٹھانی ہے کہ کی جان لینے کی
تمنا پوتنا کو ہے یہ کس کو دودھ دینے کی

زمیں شق ہو فلک بھی پھٹ پڑے پر یہ نہیں ممکن یہ سورج بھی نہ ہو گر نور گستر یہ نہیں ممکن
تموج چھوڑ بھی دے گر سمندر یہ نہیں ممکن کبھی ٹل جائے شدنی یا مقدر یہ نہیں ممکن

خطر تھا کنس کو جس وقت کا وہ ناگہاں آیا
بدی اٹھی زمانے سے نکوئی کا سماں آیا

کسی بیکس مقید کی فغاں لائی اثر آخر ہوئی شامِ الم کی فضلِ موہن سے سحر آخر
ہوا خوابِ گراں طاری ہر اک جلاد پر آخر یکایک کھل گئیں سب بیڑیاں اور قفلِ در آخر

عدو تھا جس کی جاں کا کنس پیدا ہو گیا آخر
"خدا" بھی کوئی شے ہے آشکارا ہو گیا آخر

دل کا پجاری

جا کے پہاڑوں اور جنگل میں کیا کیا سر ٹکرایا میں نے
بجلی میں اور دَل بادل میں جلوہ تیرا ڈھونڈھا میں نے
ہر جا پھر کر دیکھا میں نے

ڈھونڈھوں تجھکو کس جا پیارے

عکس تری تصویر کا ڈھونڈھا   آئینے میں سپہرِ روان کے
نور تری تنویر کا ڈھونڈھا   ذروں میں پہنائے جہان کے
بخیے اُدھیڑے وہم و گمان کے
ہاتھ نہ لیکن آیا پیارے

پھولوں کی لی جامہ تلاشی   وادیِ سنبل کو بھی گھیرا
بادل کی چادر بھی نچوڑی   دریاؤں کا رُخ بھی پھیرا
ہر جا ڈھونڈھا نقشہ تیرا
پھر بھی نہ تجھکو پایا پیارے

تیری تجسس میں اے پیارے   ایک کیا ہے شام و سحر کو
توڑے نہ کیا کیا عرش کے تارے   الٹا پلٹا شمس و قمر کو
روندا چھانا بحر اور بر کو
ڈھونڈھا تجھکو ہر جا پیارے

سب سے پوچھی تیری کہانی   شیخ و برہمن سے بھی ملا میں
دیر و حرم کی خاک بھی چھانی   کعبے گیا کاشی بھی گیا میں
طور سے بھی کچھ دور بڑھا میں
پھر بھی نہ تجھکو پایا پیارے

گاؤ زمین سے اور بھی آگے   دیکھنے تجھکو جا دوڑا میں
عرش بریں سے اور بھی آگے   ڈھونڈنے تجھکو جا پہنچا میں
وحشت عدم کے پار گیا میں
عنقا بن کر ڈھونڈھا پیارے

تاک لگائی کون و مکاں میں — ڈھونڈھا تجھکو ارض و سماں میں
ہاتھ نہ آیا دونوں جہاں میں — جل تھل میں گردوں کی خلا میں
ڈھونڈھا چشمۂ آبِ بقا میں
کس جا تو چھپ بیٹھا پیارے

تیرے لئے دیوانہ ہوا میں — پاؤں کے چھالے پھوٹ گئے سب
اتنی سے بیگانہ ہوا میں — ہوش و خرد بھی چھوٹ گئے سب
دھرم کے رشتے ٹوٹ گئے سب
مل جا اب تو مل جا پیارے

تیری عقیدت کتنی اٹل ہے — جھوم کے بولی رحمتِ باری
تو خود مطلعِ نورِ ازل ہے — کیوں ہے بنا در در کا بھکاری
بن جا اپنے دل کا پجاری
مجھکو پھر پائے گا پیارے

قومی نظمیں

دعائے مست

تمنا ہے وطن کو پھر عروج و اوج پر دیکھوں — ستارہ اس کا رخشاں صورتِ شمس و قمر دیکھوں
فراوانی ہو اتنی زر کی ہر سو زر ہی زر دیکھوں — زرو پھری ہو زمیں ساری طلائی بام و در دیکھوں
چمک خورشیدِ تاباں کی ہو اس کے ذرے ذرے میں — کمالِ ظلمتِ شب رشکِ صد نورِ سحر دیکھوں
گلِ باغِ جناں پر آنکھ مارے ہر کلی اس کی — سراپا رو کشِ طوبیٰ ہر اک شاخِ شجر دیکھوں
ندی نالوں سے آگے نہرِ کوثر کی بھرے پانی — ہر اک چشمے میں اس کے آبِ حیواں کا اثر دیکھوں
کنیز آسا ہو گہوارہ جنبانِ وطن راحت — کھڑی ہو شادمانی ہاتھ باندھے پیشِ در دیکھوں

سکندر ہو کے کارِ خضر کرتا ہو ہر اک بندہ ہر اک گم گشتہ کو اس کے جہاں کا راہبر دیکھوں
جسے کہتے ہیں آزادی ہو اس وادی پہ سرگرداں نہ میں محتاج غیروں کا کوئی فردِ بشر دیکھوں

شگفتہ تر ز جنت ہم عرض کشمیر را بینم
ملک سیرت درایں جا ہر جوان و پیر را بینم

ناقوسِ مست

پھر دلِ بیتاب سرگرمِ فغاں ہونے لگا آہ پھر رازِ غمِ پنہاں عیاں ہونے لگا
آہِ سوزاں سے لگا دو تم بھی اب دنیا میں آگ میں بھی طوفاں کے لئے گریہ کناں ہونے لگا
آہِ آتش بار پھر اک آگ برسانے لگی نالۂ دل رو کشِ برقِ طپاں ہونے لگا
حد سے پھر بڑھنے لگی آفت سوزشِ جان و جگر آہ اک آتشکدہ اس سے جہاں ہونے لگا
لائی پھر رنگِ تاثر گریہ سامانی مری دامنِ صحرا ابھی چشمِ خوں چکاں ہونے لگا
بجلیوں پر بجلیاں گرنے لگیں پھر ہر طرف جذبۂ حبِّ وطن کا امتحاں ہونے لگا
درد کی شدت بھی آخر کام کی نکلی مرے نالۂ دل مثلِ بانگِ پاسباں ہونے لگا

جذبۂ خوابیدۂ حبِّ وطن بیدار شد
ویں سویدائے دلم صد مطلع انوار شد

بندِ دوم

اے زمینِ عرش در بر کیا ہوئی رفعت تری اے زمینِ خلد آگیں کیا ہوئی نزہت تری
معرضِ کاہیدگی میں اب ہلال آسا ہے تو او تساہل کیش! کیوں ہے قہقری رجعت تری
کیوں جمودِ مستقل میں مثلِ یخ دل بستہ ہے سرد جوشِ ارتقا ہے منجمد قوت تری
تیری دنیا پر ہے رنگِ بیکسی چھایا ہوا اور وطن میں رہ کے روز افزوں ہے اغربت تری
تو ہوا جاتا ہے بید آسا ہمہ تن ارتعاش ہوش ہیں مختل ترے مسلوب ہے طاقت تری

صورتِ بادِ صبا آزادہ رَو تھا تو کبھی — اب غلاموں کی سی خو بو ہے تری فطرت تری
نسلِ آدم ہے تو محرومِ طرب ناکامِ عیش — چھن گئی ہے آہ تیرے ہاتھ سے جنت تری

نالۂ صد صورِ محشر در لبِ خاموشِ تست
برق آسا می تپد قلبے کہ در آغوشِ تست

بندِ سوم

گر یہی ذلت ہے تو کس کام کا جینا ترا — ایسی ہستی سے ہے بہتر صاف مٹ جانا ترا
خستہ حالی کے تری گر ہیں یہی لیل و نہار — آج سے پھر ہو گا بدتر اور بھی فردا ترا
خود تو کچھ کرتا نہیں تو کوستا ہے بخت کو — گریۂ وزاری سے بہتر حال کب ہو گا ترا
آتشِ بیداد سے گو سوختہ ساماں ہے تو — پھر بھی حیرت ہے کہ رگ رگ میں ہے خوں ٹھنڈا ترا
طُور ساماں تیری خاکِ پاک کا ہر ذرہ تھا — مہر ضَو افشاں تھا اک ادنیٰ سا آئینہ ترا
آج تو بارِ سماعت تیری اک اک بات ہے — بج رہا تھا پردۂ عالم پہ کل ڈنکا ترا

ایں تغافل تا بکے اے مردِ میدانِ عمل
کارزارِ دہر را اکنوں محشرستانِ عمل

بندِ چہارم

بن گئی خوئے غلامی فطرتِ ثانی تری — کرتی جاتی ہے تجھے پامال نادانی تری
آج اپنے آپ کی بھی تجھ کو رکھشا ہے محال — چکرورتی بادشاہ کرتے تھے دربانی تری
تیرے تابع تھے کبھی برق و صبا ارض و سما — بند تھے مٹھی میں جل تھل دھوپ اور پانی تری
ظلمتِ عصیاں بھی مٹ جاتی تھی تیری دید سے — مطلعِ نورِ ازل تھی شکلِ نورانی تری
مردے ہو جاتے تھے زندہ تیرے منتر سے کبھی — تھی حقیقت میں قُمِ عیسیٰ ہر اک بانی تری
رحم کھاتا تھا تو دشمن پر بھی ہنگامِ عتاب — کرتی تھی خرمن نوازی برقِ سامانی تری
عود کر آیا ہے لاکھوں بار مٹ مٹ کر کبھی تو — حیرت افزائے جہاں ہے یہ گراں جانی تری

گرچہ پامالی بشکلِ گردِ راہِ کاروان
یادِ ماضی می کشند دامن بسیرِ آسمان

بندِ پنجم

اُٹھ جہانِ تیرہ کو پھر مطلعِ انوار کر — جلوۂ خوابیدہ کو اپنے ذرا بیدار کر
پھونک دے تو روحِ تازہ دہر میں اٹھ پھونک دے — پھر مرتّب جب نشاطِ نغمِ سنسار کر
قطرے قطرے کو بنا امرت کا بحرِ بیکراں — ذرّے ذرّے کو تو سورج کی طرح ضوبار کر
کھینچ لے پھر جذبِ دل سے دہر کو اپنی طرف — پھر ادائے حُسنِ الفت کو تو جادوکار کر
ترچھی نظروں سے جنھیں تکتا ہے تو بیگانہ وار — اُٹھ لگا چھاتی سے اُن کو خوب کھُل کر پیار کر
زینتِ آغوش و زیبِ سر جو ہیں اغیار کے — چُن کے پھر اُن موتیوں کو تو مرتّب ہار کر
جس میں گُم ہو نغمۂ ناقوس اور شورِ اذاں — لب سے پیدا تو وہ ہم آہنگئ گفتار کر

آستانِ بے نیازت سجدہ زارِ دہر باد
گنجِ یمن و فیض باد و بوسہ زارِ دہر باد

بندِ ششم

زیرِ گردوں ناشناسِ حسرت و حرماں رہے — انبساط آگیں ہو سرتا پا طرب ساماں رہے
رُو کشِ صبحِ ازل شب زارِ دنیا تجھ سے ہو — جلوۂ تنویرِ فطرت سے سحر افشاں رہے
وسعتِ ارض و سما تنویر آگیں تجھ سے ہو — خوبئ حُسنِ ازل کا جلوۂ عریاں رہے
فرشِ پا انداز یہ چرخِ بریں تیرا بنے — تیرا دشمن پائمالِ گردشِ دوراں رہے
زندگی کے راز کھُل جائیں تبسم سے ترے — خاکدانِ تیرہ میں تو برقِ طور افشاں رہے
تاب ذرّوں میں تری ہو آب قطروں میں تری — جزو و کُل میں دہر کے پنہاں تو آتش ساں رہے
دستِ بُردِ غیر سے گلشن ترا محفوظ ہو — جنّتِ کشمیر کا یعنی کہ تو رضواں رہے

غفلتِ من میدہد پیغامِ بیداری ترا

ستیِ من می دہد یک جامِ ہشیاری ترا

فغانِ بیوہ یا ماتمِ شوہر

آہ قلبِ مضطرب اپنا ہے اک تصویرِ درد — اور زبانِ نالہ کش ہے کاشفِ تفسیرِ درد
آہ! صیدِ بیکسی ہوں زخمیٔ شمشیرِ درد — مثلِ بسمل خاک میں غلطاں ہوں میں نخچیرِ درد
بڑھ رہی ہے حد سے اب تیری خلش اے تیرِ درد — ایک لذت بن رہی ہے تلخیٔ تاثیرِ درد

دل نہیں اک تودۂ خاکسترِ افسردہ ہے
میرے پہلو میں مزارِ انبساطِ مردہ ہے

اک جہانِ غم سے یہ ننھا سا دل معمور ہے — منزلِ صبر و سکوں اب مجھ سے کوسوں دور ہے
جسم کی رنگت کہاں اب رو کشِ کافور ہے — ہر بنِ مُو آتش افشاں صورتِ ناسور ہے
میرے نزدیک آفتاب اک اخترِ بے نور ہے — روزِ روشن میں مرے رنگِ شبِ دیجور ہے

بسکہ شد تاریک قلبِ مطلعِ انوارِ من
گشت پامالِ سمومِ جاں گزا گلزارِ من

آہ اب تو زندگی بھی مجھ کو اک تعزیر ہے — کمسنی، اور بیوگی! کیا شومیٔ تقدیر ہے
سامنے آنکھوں کے پھرتی کس کی یہ تصویر ہے — اے خیالِ خام! کس کی سُن رہا تقریر ہے
کوئی فرقت میں تری دلخستہ و دلگیر ہے — آکے دلجوئی تو کر، اب کس لئے تاخیر ہے

آہ اے سرتاج میرے راحتِ جانِ حزیں
آ کہاں ہے، آہ! او اے فرحتِ جانِ حزیں

آہ، اپنا مطلعِ نورِ نظر جاتا رہا — وائے قسمت، لطفِ ہر شام و سحر جاتا رہا
مایۂ آسائشِ جان و جگر جاتا رہا — آہ، وہ ساتھی مرا وہ ہم سفر جاتا رہا
داغ ہیں موجود۔ دل۔ اے چشمِ تر جاتا رہا — درد باقی رہ گیا۔ حالانکہ سر جاتا رہا

خوش نکردی اے فلک خاکم بسر کردی دریغ
چوں منِ بیچارہ را۔ بیچارہ تر کردی دریغ

کاش! اتنا تو بتادے کوئی اب میں کیا کروں
سر پٹخا کروں ہو کے۔ کیا آٹھوں پہر رویا کروں

آہ کس سُرمے سے اب آنکھوں کو میں بینا کروں
اب میّا میں کہاں سے خاکِ نقشِ پا کروں

کِس کی خاطر آنکھ کو مصروفِ نظارہ کروں
خانۂ ویرانِ دل میں۔ ہائے کِسکی جا کروں

اب مرے قابل کوئی بزمِ طرب آگیں نہیں
حُسن و الفت کے پسندیدہ مجھے آئیں نہیں

وائے محرومی! کہ نِکلا ایک بھی ارماں نہیں
لمحہ بھر بھی باغِ دنیا میں رہی شاداں نہیں

اشک شوئی کا بھی کچھ باقی یہاں ساماں نہیں
گود میں جُز طفلِ اشک اِک گوہرِ غلطاں نہیں

بے سبب یہ نفرتِ سیرِ گُل و بستاں نہیں
چشمِ خوں افشاں سے کیا رشکِ چمن داماں نہیں

حیف! آں بزمِ نشاط و نزہتِ گلشن نماند
آں شبابِ شعلہ خُو۔ و ایں حُسنِ جادو فن نماند

ہائے! یہ عمر! اور اِس پر بیوگی کی مار ہے
شدّتِ دردِ جگر ہے کرب کا اظہار ہے

سلب طاقت، رہنما گم۔ راہ تنگ و تار ہے
آہ! منزل پُر خطر ہے دُور ہے دشوار ہے

یاس ہے سودا ہے۔ وحشت ہے دلِ بیزار ہے
پاسِ ناموس و حیا۔ مُہرِ لبِ گفتار ہے

گرچہ من لیلےٰ اساسم دِل چو مجنوں در ہواست
سر بصحرا میزنم لیکن، حیا زنجیرِ پاست

بازوئے شوہر کو ہندو! لاکھ نعمت جاننا
ہے پتی سرتاج اسکو ظلِّ قدرت جاننا

تم اذیت کوشیوں کو اِسکی راحت جاننا
اس کے اندازِ تغافل کو محبّت جاننا

تلخ باتوں کو بھی اِسکی پُر حلاوت جاننا
اِسکی خوشنودی میں پنہاں حق کی رحمت جاننا

رام کی مورت یہی اور کرشن کی صورت یہی

دونوں عالم میں جو سچ پوچھو تو ہے دولت یہی

اب سراپا سوز ہوں بچھڑے ہوئے ہمدم سدا — تیغِ ہجراں تری سرمایۂ ماتم سدا
دِل نشیں ہے حسرت و آلام کا عالم سدا — راز دارِ بیکسی ہے نالۂ پیہم سدا
بحر طوفانی ہے میرا دیدۂ پُر نم سدا — میں سدا غم کے لئے میرے لئے ہے غم سدا

بختِ دشمن میں بھی یارب اہو نہ روز ہوگی
اور کسی کی جاں نہ ہو یوں وقفِ سوز ہو گی

تُم اپنے حسن کو دیکھو تو پھر سمجھ جاؤ — کہ کس لئے مجھے صبر و سکوں سے کام نہیں
یہ مے سے توبہ برائے نمود ہے واعظ — نہ کر دوں تجھکو جو بد مست مست نام نہیں
خضر کیونکر کاٹتا ہے اتنی لمبی زندگی — مجھکو تو عمرِ دو روزہ اک قیامت ہوگئی
مست سمجھا تھا جسے محدود تیرے حسن میں — خاک کے ہر ذرے سے پیدا وہ صورت ہوگئی

جسمیں سودا ہو محبت کا وہ سر پیدا کر — درد جسمیں ہو جہاں کا وہ جگر پیدا کر
جس سے آجائیں نظر غیر بھی اپنے تجھکو — دیکھ ہمدم تو وہ آنکھوں میں نظر پیدا کر
تنگ آیا ہے شبِ غم کی جو طولانی سے — رات جس کے نہ ہو پیچھے وہ سحر پیدا کر
جس سے بیدار ہو اس ملک کا بختِ خفتہ — زور آواز میں وہ مرغِ سحر پیدا کر

کیوں کسی کے لئے توڑتا ہے — ہار موتی کے کیوں پروتا ہے
یاس و حرماں جنوں و رسوائی — عشق میں بس یہی تو ہوتا ہے
کیوں کسی سے تو پیار کرتا ہے — ہاتھ کیوں زندگی سے دھوتا ہے

مست سمجھا ہے زندگی جسکو
موت اُس کا مآل ہوتا ہے

بیٹھ کر تیرِ نظر بولا دلِ دلگیر میں — ہم تو کر لینگے گزارا بس اسی جاگیر میں
اس طرح مضمر کرم ہے یار کی تعزیر میں — ہے نہاں تحریر جیسے پردۂ تقصیر میں

وہ درد عشق کیا ہے جو لا دوا نہیں ہے | وہ غم بھی کوئی غم ہے جو جانگزا نہیں ہے
جو بات ہے تمہاری دنیا میں منتخب ہے | وہ درد مجھکو بخشا جس کی دوا نہیں ہے

ولہ

کب وہاں شنوائی ہے حاصل ہے کیا تقریر سے | خط مرا پڑھتے نہیں وہ فائدہ تحریر سے
سر سے آنکھوں سے کلیجے سے لگاتا ہوں اِسے | کھیلتا رہتا ہوں ہر دم میں تری تصویر سے
اے خوبرو یہ حُسن میں تیرے کمال ہے | گو ہے سیاہ پر ترا ابرو ہلال ہے
تھوڑا نہیں یہ آپکا احسان مست پر | منت کشِ الم ہے رہینِ ملال ہے
دیکھکر تیرا جنوں صیّاد آتی ہے ہنسی | باندھ دیگا کیا خیال یار بھی زنجیر سے
کچھ تو ہوگی بات تم میں کیوں چھپاتے ہو بھلا | روز و شب رہتے ہو تم جو مست اب دلگیر سے
نُور پر ذرہ بنایا تری رعنائی نے | کھلنا کلیوں کو سکھایا تری انگڑائی نے
بن گیا عشق کا احساس ہی پردہ ورنہ | ایک کر رکھا تھا اُس حُسن کی یکتائی نے
چُن لیا دشت کو گلزارِ جناں کے بدلے | کیا سودا یہ نیا آپ کے سودائی نے
کھل گئیں اُس پہ فنا اور بقا کی رمزیں | بیخودی بخشی جسے تیری خود آرائی نے
چَین دن کا نہ رہا رات کی راحت نہ رہی | دل کو ایسا کیا دکھیا کسی دکھدائی نے
باعثِ عفوِ گنہ اشک ندامت نکلے | مست عزت تری رکھ لی تری رسوائی نے

ولہ

دل جبکہ محوِ فکرِ تن و توش ہوگیا | دنیا کا ذرہ ذرہ ستم کوش ہوگیا
صحرا ہے آج محوِ سکوتِ الم طراز | شوریدہ بخت کون یہ خاموش ہوگیا
اب شیخ جی کے واسطے گنجائش کہاں
وہ مستِ پاکباز بھی مے نوش ہوگیا

قیامت کس کو کہتے ہیں یہ پوچھو عرش والوں سے
جنھیں دن رات رہتا ہے تعلق میرے نالوں سے
کوئی کہتا تھا کس حسرت سے کل اک بزم عشرت میں

خوشی کیا شے ہے پوچھو تو ذرا اِن ہنسنے والوں سے
وہ اوجِ برق سینا کو بھی خود سے پست پاتا ہے
کوئی ذرہ جو چھو جاتا ہے تیرے پائمالوں سے
کبھی گردوں کی چادر سے قدم باہر نہیں رکھتا
یہ اختر ہمسری کرتے ہیں مجھ وحشی کے چھالوں سے

ولہ

نہ کسی کا دردِ دل ہوں نہ کسی کی میں دوا ہوں | نہ ہوں آہ میں کسی کی نہ کسی کی میں دعا ہوں
نہ کسی کی شمعِ رُخ کا پروانۂ حزیں ہوں | نہ شہیدِ ناز ہوں میں نہ میں کشتۂ ادا ہوں
نہ کسی کے ہجر کا غم نہ ہے وصل کی خوشی کچھ | نہ کسی کا ہوں جفاکش نہ کسی کا مبتلا ہوں
نہ کسی سے ہے عداوت نہ کسی سے دوستداری | نہ ہوں میں گلِ دل افزا نہ میں خارِ جانگزا ہوں
نہ غمِ جہاں ہے مجھکو نہ جہاں کو غم ہے میرا | میں ہوں اس جہاں کے اندر مگر اس سے پھر جدا ہوں
نہ ہے رنجِ مرگ مجھکو نہ خوشی ہے زندگی کی | نہ فنا سے ہے تعلق نہ بقا سے آشنا ہوں

نہ ہے است مستم خبرے نہ از جہانم
نہ اسیر ایں جہانم نہ رہین لا مکانم

تضمین بر غزل پروفیسر تاجور نجیب آبادی

گلزارِ جہاں ہے مست فانی | پھول اِس کے ہیں سب کے سب خزانی
اِک خواب ہے سب کی زندگانی
(" گویا ہے زبانِ بے زبانی | عبرت یہ دکھا رہی ہے اعجاز ")
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز
چشمِ بینا سے دیکھ پیارے | یہ رنگ تو گردشِ فلک کے
رازِ پنہاں یہ گوشِ دل سے
(" سن لے اے راہگیر سن لے | اک تھرے ہے یہ آتی آواز ")

بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

جب عُود کی چنگ کی رہے فکر
جب راگ کی رنگ کی رہے فکر
تو قبر کے سنگ کی رہے فکر
(اِس گوشہ تنگ کی رہے فکر
آراستہ جب ہو محفلِ ناز)
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

جب ہاتھ میں جام مشکبو لے
یا شانوں پہ زُلفِ خوبرو لے
آغوش میں جب کسی کو تو لے
("یہ عالمِ بیکسی نہ بھولے
جب جمع ہوں دوستانِ ہمراز")
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

جب پھولوں سے چمن ہو آباد
مستی سے جھومتا ہو شمشاد
جب ہو تو جہاں میں خرم وشاد
("یہ کنجِ خموش بھی رہے یاد
جب آئے صدائے نغمہ ساز")
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

ہو وصل جو لعبت چگل سے
الفت ہو ٹپکتی آب و گل سے
صحبت ہو جو جامِ متصل سے
("یہ نقشِ فنا مٹے نہ دل سے
آغوش میں جب ہو یارِ دمساز")
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

عیش وعشرت کا جبکہ ہو جوش
محوِ نغمہ ہوں جب ترے گوش
ہو جائے تُو مست ہو کے مدہوش
("یہ خوابِ عدم نہ ہو فراموش
جب دورِ نشاط کا ہو آغاز")
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

حقیقت اے خدا تیری کہاں معلوم ہوتی ہے ۔۔۔ کہ دنیا عرصۂ وہم و گماں معلوم ہوتی ہے
ترے دردِ محبت کو چھپاتا ہوں بہت لیکن ۔۔۔ ہنسی بھی میری اک طرزِ فغاں معلوم ہوتی ہے
سکوں گاہِ ازل میں اور نہ دنیا میں قرار آیا ۔۔۔ یہ ہستی اضطرابِ جاوداں معلوم ہوتی ہے
عیاں صبحِ ازل شامِ عدم ہے آنکھ میں تیری ۔۔۔ یہ مجھکو مظہرِ ہر دو جہاں معلوم ہوتی ہے
مرے اشکِ ندامت چن لئے ہیں دستِ رحمت نے ۔۔۔ انہیں تاروں سے زیبِ آسماں معلوم ہوتی ہے
مٹا احساسِ ہستی جب سُراغِ زندگی پایا ۔۔۔ حقیقت زندگانی میں کہاں معلوم ہوتی ہے
کسی کی یاد نے ہمدم لگا دی آگ سی دل میں ۔۔۔ مجھے تو چاندنی بھی اب دھواں معلوم ہوتی ہے

سوزِ فراق سے دلِ دیوانہ جل گیا ۔۔۔ یعنی بغیر شمع یہ پروانہ جل گیا
تصویرِ یار کو میں چھپاؤں گا اب کہاں ۔۔۔ سوزِ دروں سے دل کا صنم خانہ جل گیا
سب داستانِ عشق جلی ذکرِ سوز سے ۔۔۔ لکھنے سے پیشتر ہی یہ افسانہ جل گیا
سوزِ نہاں سے اشکِ ندامت بھی جل گئے ۔۔۔ رحمت کے واسطے تھا جو نذرانہ جل گیا
سوزِ دروں کے ضبط سے تاثیر بڑھ گئی ۔۔۔ آخر حجابِ جلوۂ جانانہ جل گیا

ہے تن بدن میں آگ لگی ہے مست کے
چھوتے ہی اس کے شیشۂ و پیمانہ جل گیا

اضطرابِ دل سے وہ اٹھ اٹھ کے میرا بیٹھنا ۔۔۔ سخت مشکل تھا تری محفل میں اک جا بیٹھنا
تیری بزمِ ناز کے آداب کب معلوم تھے ۔۔۔ بیقراری نے سکھایا مجھکو اٹھنا بیٹھنا
وہ تصور میں اٹھاتا ہے مزے اب وصل کے ۔۔۔ بھا گیا ہے تیرے دیوانہ کو تنہا بیٹھنا
وحشت اٹھتی ہے کبھی جی بیٹھ جاتا ہے کبھی ۔۔۔ ختم بھی ہوگا کہیں یا رب یہ اٹھنا بیٹھنا

مست دیکھا بھی نہیں انکو تو جی بھر کر کبھی
پھر کہاں کا ان سے کہنا سننا ملنا بیٹھنا

نہ دے تر دامنی پر طعن مجھکو زاہدِ ناداں ۔۔۔ اسی پانی سے تو سر سبز ہے گلزار رحمت کا

سرد مہری کیوں نہ کشمیری سے کشمیری رکھے — دہر میں مشہور سردی کے لئے کشمیر ہے

رازِ الفت نہ ہو کیس افشا — آہ بھرتا ہوں مست ڈر ڈر کے

خلد میں بھی گو کہ دلچسپی کے ساماں ہیں بہت — دل کھنچا جاتا ہے لیکن کوئے جاناں کیطرف

زخم ہنستے ہیں دیکھکر تجھکو — شرم اسے چارہ گر نہیں آتی

راز افسوس کھل گیا دل کا — جوش پہ چشم تر نہیں آتی

حشر میں یہ اک الگ ہی حشر کر دینگے بپا — تیری چشم فتنہ گر اور غل مری فریاد کا

یوں تو کیا کیا درد ہیں دنیا میں انساں کے لئے — پر سبھی دردوں سے بڑھکر درد ہے اولاد کا

کسی کے گیسو

یہ مشک ریز گیسو — یہ عطر بیز گیسو
ابر بہار گیسو

یہ دل فریب گیسو — یہ ناشکیب گیسو
یہ بیقرار گیسو

پُر پیچ و تاب ہیں یہ — وجہِ عذاب ہیں یہ
وحشت فروش گیسو

کالے یہ ہیں بلا کے — پھندے ہیں یہ قضا کے
مارِ خموش گیسو

حد سے سوا پریشاں — ہم صورتِ گریباں
ہیں تار تار گیسو

مجنوں کی ان میں وحشت — لیلا کی ان میں رنگت
ہیں عشق زار گیسو

ہر پیچ و خم سے پیدا — ہوتی ہیں دیکھنا کیا

اڈور کی مست لہریں

عنوان یہ نور کا ہیں   سرمہ یہ طور کا ہیں
کوثر کی مست لہریں

آہ چکبست

آہ اے چکبست اے روحِ روانِ شاعری
ہوگیا خاموش تو اے نغمہ خوانِ شاعری

ہوگیا ظلمت کدہ تجھ بن جہانِ شاعری
اے کہ تُو تھا آفتابِ آسمانِ شاعری

تیری خاموشی سے اب اے عندلیبِ نغمہ زن
ہوگئی رخصت بہارِ بوستانِ شاعری

تیری ہر آہِ شرر افشاں چراغِ راہ تھی
چل بسا افسوس پرکارِ روانِ شاعری

تیرے اِک اِک شعر میں پنہاں تھا پیغامِ عمل
تیرا اِک اِک لفظ تھا گویا کہ جانِ شاعری

خوگرِ حبِّ وطن تھا عاشقِ زارِ وطن
تیرے شعرِ تر سے تھا سرسبز گلزارِ وطن

سچی خوشی کہاں ہے

مے کشی میں ہے نہ جوشِ گُل میں ہے سچی خوشی
اور نہ لطفِ نغمۂ بلبل میں ہے سچی خوشی

خوگرِ عشقِ مجازی کو بھی یہ حاصل نہیں
وصل تک محدود ہے وہ جذبۂ کامل نہیں

یہ افق میں ہے نہ نورِ مہرِ عالمتاب میں
یہ شفق میں ہے نہ حسنِ جلوۂ مہتاب میں

سیرِ رودِ کہکشاں میں ہے نہ سیاروں میں ہے
کون کہتا ہے کہ یہ کوثر کے فواروں میں ہے

یہ فضائے وسعتِ گردوں کے دامن میں نہیں
اور میسر جلوۂ جنت کے گلشن میں نہیں

مست کیا شے ہے وہ جس میں ہے نہاں سچی خوشی
وسعتِ ارض و سما میں ہے کہاں سچی خوشی

جواب

عارفِ کامل کے قلبِ پُر سکوں میں ہے نہاں
طفلکِ معصوم کے شیریں تبسم میں عیاں

خوگرِ صبر و قناعت کا ہے دلی ساتھ یہ
عاشقِ کامل کا بھی پکڑے ہوئے ہے ہاتھ یہ

بے نواؤں بے کسوں کے کام آنے میں ہے یہ
دہر میں اوروں کے خاطر دکھ اٹھانے میں ہے یہ

الغرض سچی خوشی ہے عشق کی تصویر میں
ضو جو ہے کون و مکاں کی ہے اسی تنویر میں

مسرور۔ پنڈت کامتا پرشاد سکھیا صاحب خلف پنڈت کالکا پرشاد سکھیا صاحب

متوطن قدیم مراد آباد۔

حضرت مسرور مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد ممالک متحدہ میں تحصیلدار اور منصف رہے۔ ۱۲ سال کی عمر تک اپنے دادا سے فارسی تحصیل کی اور اسکے بعد ۴ سال یعنے ۱۶ سال کی عمر تک انگریزی تعلیم پائی۔ سولھویں ہی سال میں سررشتہ تعلیم میں ملازم ہوئے سکندر آباد اسکول ضلع علیگڈھ میں ہیڈ ماسٹر رہ کر نارمل اسکول رڑکی میں اسی عہدہ پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے ممبر بورڈ آف ریونیو الہ آباد کے سررشتہ دار مقرر ہو کر گئے اور سررشتہ داری سے گورکھپور میں بعہدۂ ڈپٹی کلکٹری بندوبست تعیناتی ہوئی۔ جونپور۔ مرزا پور۔ علیگڈھ۔ فرخ آباد بلند شہر اور شاہجہان پور میں آپ ڈپٹی کلکٹر رہے ۱۹۰۶ء میں شاہجہانپور سے بعمر ۵۵½ سال مستفید پنشن ہو کر آپ نے بجنور میں سکونت اختیار کی جہاں بعمر ۷۳ یا ۷۴ سال ۱۹۲۴ء میں اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کو زبان عربی میں کافی دخل تھا اور سنسکرت سے بھی واقفیت تھی۔ اوائل عمر ہی سے آپ کو شعر و سخن کا شوق تھا۔ آپ کا دیوان گلشن مسرور دو حصوں میں طبع ہو چکا ہے اور ایک مجموعہ نثر باغات مسرور ہے۔ آپ کے کلام میں صفائی۔ سادگی اور شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

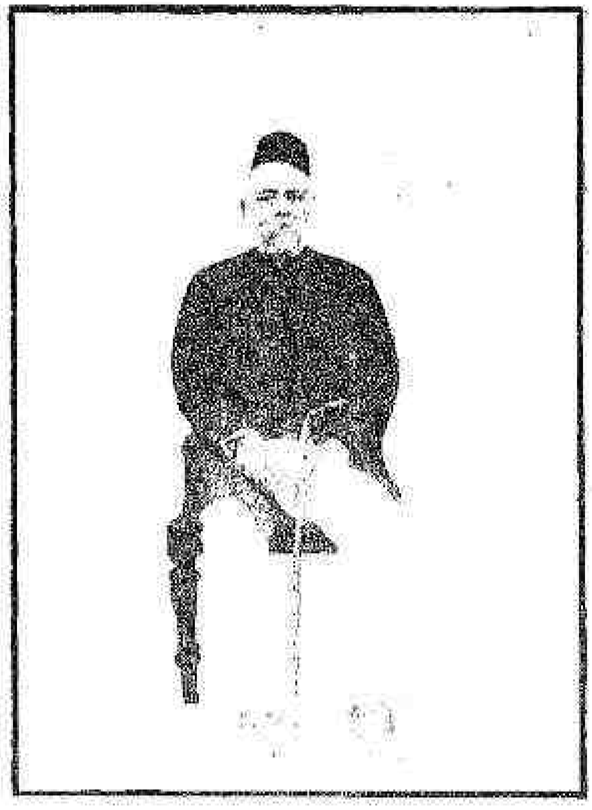
حسن کا اس بت کے جب مضموں رقم ہو جائیگا
مطلع موزوں مرا بیت الصنم ہو جائیگا

جب گلستاں میں دکھائیگا وہ اپنی چشم مست
نرگس بیمار کا آنکھوں میں دم ہو جائیگا

تیرے قدموں سے ہے وابستہ مرا تار نفس
گر ذرا پہلو سے سرکیگا ستم ہو جائیگا

میکشی کو میکدے میں جائیگا مسرور جب
دیکھتے ہی خم پئے تعظیم خم ہو جائیگا

حقیقت میں جو دیکھا جائے نقشہ باغ رضواں کا
اڑایا ہے کسی نے خوب خاکہ کوئے جاناں کا



پنڈت کامتا پرشاد ککھیا۔ مسرور

عیاں ہے سُرمئی برقع سے جلوہ روئے جاناں کا
نمایاں نور ہے ابرِ سیہ میں مہرِ تاباں کا

شرار و برق میں ذرہ میں مہ میں مہرِ تاباں میں
ہر ایک شے سے نمایاں نور ہے رخسارِ جاناں کا

نہ پہونچا ہاتھ اپنا ایک دن اُس کی کلائی تک
یہ دستِ نارسا دشمن رہا اپنے گریباں کا

محبت دین ہے اور بادہ نوشی اپنا مشرب ہے
نہ پوچھو حال کچھ مسرورؔ کے تم دین و ایماں کا

کسی کا دوست ہے دشمن کسی کا — نہیں ہے وہ بتِ پُرفن کسی کا
ہوا دستِ جنوں قابو سے باہر — مبادا کھینچ لے دامن کسی کا
پری صورت بناوے لاکھ اپنی — کہاں پر وہ انبیلا پن کسی کا

اب سر میں شورِ زلفِ چلیپا نہیں رہا — وہ پیچ و تابِ عشق وہ سودا نہیں رہا
جل بھن کے خاک ہو گئے ہم سوزِ ہجر سے — دیکھو گے آ کے خاک تماشا نہیں رہا
بیگانہ تھے نظر میں وہ جب تک کھلی تھی آنکھ — جب آنکھ بند ہو گئی پردا نہیں رہا

ایک سے ایک زمانہ میں حسیں دیکھ لیا — مہر وش دیکھ لیا ماہ جبیں دیکھ لیا
پھر گئی آنکھوں کے آگے ابھی صورت تیری — اب نہ کر پردہ کہ اے پردہ نشیں دیکھ لیا
ہے زمانہ عدم آباد کے جانے کا قریب — تیرا یہ دور بھی اے چرخِ بریں دیکھ لیا

جلوہ رخِ پرنور کا ہر سو نظر آیا — جو کچھ نظر آیا وہ ہمیں تو نظر آیا
غیرت سے تمہارے قدِ موزوں کے مقابل — پیوندِ زمیں سرو لبِ جو نظر آیا
میں تجھ پہ نظر ڈال کے اور غیر کو دیکھوں — کھولوں نہ پھر آنکھیں جو کبھی تو نظر آیا
کام آئینہ کا ہم نے لیا شیشۂ دل سے — جب دید کا ساماں نہ کسی رو نظر آیا

درماں کا یہ خواہاں ہے نہ تیمار کا محتاج — دل ریش ہے تیر نگہ یار کا محتاج
ہے مردم بیمار کے بس میں دل خستہ — مشکل ہے کہ بیمار ہے بیمار کا محتاج
تو جسکو ملا ہاتھ لگی اُس کے خدائی — دنیا سے غنی ہے تری سرکار کا محتاج

ابرو نے قتل بسمل مژگاں کو کر دیا — مجروح دل پہ تیغ لگی یک نہ شد دو شد
سودائے زلف یار و شب تار انتظار — دوہری بلا یہ سر پہ پڑی یک نہ شد دو شد
مدت ہوئی کہ آنکھ تھی مسرور سے پھری
اب دشمنوں سے ملنے لگی یک نہ شد دو شد

اُس شوخ سے ہے وفا کی امید — بیدرد سے ہے دوا کی امید
پاؤں سے لگی ہے اُس پری کے — نکلی بارے حنا کی امید
قاصد تو کوئی پھرا نہ واں سے — اب ہے پیک قضا کی امید
مسرور ہے سیر زندگی سے
اب ہے جام فنا کی امید

کس شعلہ سے لگائے ہے لو انجمن میں شمع — خاموش رو رہی ہے جو بیٹھی لگن میں شمع
وقت کلام منہ سے نکلنے لگے شرر — جائے زبان رکھتا ہوں گویا دہن میں شمع
سوز دروں سے آگ سراپا میں پھونک دی — سینہ میں دل ہے میرے کہ ہے پیرہن میں شمع
مانا خدا نے چہرۂ روشن عطا کیا — ہمسر تمہاری ہوگی کہاں بانکپن میں شمع

ہمارے عشق سے کیا ہو وہ مہ لقا واقف — وہ اپنے حسن سے ابتک نہیں ہوا واقف
ہمارے دیدۂ تر نے ہمیں کیا رسوا — زمانہ راز نہاں سے ہوگیا واقف
کیا تھا دیر کا عزم اور حرم میں جا پہنچا — کہ راہ میں نہ ملا کوئی رہنما واقف
برائی بادۂ گلگوں کی کرتا ہے زاہد
وہ خوبیوں سے ہے مسرور اُسکی ناواقف

خطا اس دل مضطرب کی ہے ساری — بناتے ہو مجھکو گنہگار ناحق

رسائی خاکساروں کی ہوئی گر آپ کے در تک
وہ مٹ کر بھی اٹھیں گے آستاں سے روزِ محشر تک

ہوا دل خاک جب جل کر تنِ عاشق لگا جلنے
الٰہی خیر جا پہونچی یہ آگ اندر کی باہر تک

کروں کس سے گلا بے رحم اپنی سخت جانی کا
کہ منہ کو پھیر لیتا ہے گلے پر آ کے خنجر تک

گئے مسرور وہ دن ہوتے تھے جب خُم کے خُم خالی
اُٹھا سکتے نہیں اب ہاتھ سے پیری میں ساغر تک

جو تیرِ نظر ہو لگانے کے قابل　　ہمارا جگر ہے نشانے کے قابل
ملاؤ نہ چشمِ فسوں گر سے آنکھیں　　یہ جادو نہیں ہے جگانے کے قابل
عذر و خفیہ راز سے ہے مسرور بہتر
یہ کافر نہیں منہ لگانے کے قابل

ہجر میں وصل کا یاں رہتا ہے ساماں ہر دم　　روبرو فیضِ تصور سے ہے جاناں ہر دم
کس طرح تیرِ نظر اُس کا نکالوں دل سے　　کہ ہے منظورِ نظر خاطرِ مہماں ہر دم
زاہدا حشر میں اللہ کو کیا دیگا جواب　　دل میں ہے یادِ بتاں ہاتھ میں قرآں ہر دم
دشتِ غربت میں بھی تنہا نہیں دیوانہ ترا　　ہمدمی کرتے ہیں رنج و غم و حرماں ہر دم
ایک دن آنکھوں سے دھو بیٹھوگے ہاتھ اے مسرور
نہیں اچھا یہ خیالِ رخِ تاباں ہر دم

مستوں کا لامکاں میں بھی ملتا سکاں نہیں　　ایسے مٹے کہ نام کو باقی نشاں نہیں
شفقا ترے اسیروں کا ہم آشیاں نہیں　　ایسے مٹے کہ نام کو باقی نشاں نہیں
گردونِ رو سیہ کی شکایت کہاں نہیں　　وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

خاموش بزمِ یار میں بیٹھے ہیں مثلِ شمع — سوزِ دروں سنانے کو گویا زباں نہیں
دردِ مندِ غم کی تدبیرِ شفا کوئی نہیں — دردِ الفت کی زمانہ میں دوا کوئی نہیں
اس طرح بیخوف تم کرتے ہو بندوں پر ستم — اے بتو گویا خدائی میں خدا کوئی نہیں
ان گلوں کو رنگ و بو پر اس قدر کیوں ناز ہے — گلشن ایجاد میں رہتا سدا کوئی نہیں
ہر نفس اے ہمدمو دیتا خبر ہے کوچ کی — اس جرس کی پر یہاں سنتا صدا کوئی نہیں
دیکھئے کب منزلِ مقصود پر پہونچیں گے ہم — راستہ دیکھا نہیں اور رہنما کوئی نہیں
دل نہ کچھ میری سُنے اور تم نہ کچھ دل کی سنو — کیسی مشکل ہے کسی کی مانتا کوئی نہیں
دیکھ کر آئینہ تو نے مُنہ چھپایا کس لئے — تیرا جلوہ ہے وہاں بھی دوسرا کوئی نہیں
جستجو میں ان بتوں کی خاک چھانی عمر بھر — مل گئے ہم خاک میں لیکن ملا کوئی نہیں

منظور غمِ فرقت کا بیاں تم کو بھی نہیں ہم کو بھی نہیں
یعنی لاعلمی رازِ نہاں تم کو بھی نہیں ہم کو بھی نہیں
ہم دیر میں گھومے شیخ اور تم کعبہ کی مٹی چھان چکے
ملتا بتِ پردہ نشیں کا نشاں تم کو بھی نہیں ہم کو بھی نہیں
ہیں در پہ ترے یا جانِ حزیں تو خلوتِ دل میں گوشہ نشیں
اے جانِ مری کوئی اور مکاں تم کو بھی نہیں ہم کو بھی نہیں

بتادیں کنجِ تنہائی میں کیا ذِکر یاد کرتے ہیں — خدا کا ذکر کرتے ہیں بتوں کی یاد کرتے ہیں
اسیرانِ قفس پہ یہ ستم صیاد کرتے ہیں — کہ اوّل پر کتر دیتے ہیں پھر آزاد کرتے ہیں
خدایا کون سمجھے اس میں تیری مصلحت کیا ہے — کہ بُت بندِ دل پر تیرے برملا بیداد کرتے ہیں
ثمر لائیں کہاں سے گو قدِ بالا ہو اتم سا — یہ سرکش ہیں تمہاری ہمسری شمشاد کرتے ہیں

نہیں غم یہ خانۂ دل گر کیا برباد اس بت نے
کہ اب مسرور ہم کنجِ لحد آباد کرتے ہیں

زخم دل کہتا ہے۔اُن کا دیکھ کر حسنِ ملیح — میں بھی اس سرکار کے ادنیٰ نمکخواروں میں ہوں
ٹھوکریں کھاتا رہا بزمِ حسیناں میں سدا — سبزۂ بیگانہ سا پامال گلزاروں میں ہوں
کیوں گراتے ہو نظر سے اپنی خوش چشمو مجھے — نیک ہوں یا بد تمھارے نازبرداروں میں ہوں

ہو نہ کیوں روزِ جزا مسرور کو امیدِ عفو
مستحقِ رحمت کا ہوں یارب گنہگاروں میں ہوں

تیر مژگان رخ پیکار جدھر کرتے ہیں — اک اشارہ میں جہاں زیر و زبر کرتے ہیں
دن سے شب کرتے ہیں اور شب سے سحر کرتے ہیں — رات دن بن ترے رو رو کے بسر کرتے ہیں
بلبلو تم کو مبارک رہے نظارۂ گل — ہم تو اب گلشنِ ہستی سے سفر کرتے ہیں

ڈھنگ بگڑے نظر آتے ہیں خدا خیر کرے
آج مسرور وہ ہر بات میں شر کرتے ہیں

ہے شبیہِ مصحفِ رخسارِ جاناں گود میں — یادِ بت میں رات دن رہتا ہے قرآں گود میں
وحشت سے یہ اُنس تھا ہم کو کہ جب گھر کو چلے — کر کے تہ لیتے گئے صحرا کا داماں گود میں
ناتوانی خاک سے اُٹھنے نہیں دیتی ہمیں — آ کے لے جائے ہوائے کوے جاناں گود میں
کی درازی حد سے جب دستِ جنوں نے ہمدمو — تنگ ہو کر آ چھپا اپنا گریباں گود میں
ہوں وہ آوارہ کہ جا نکلوں اگر سوئے عدم — کھول کر آغوش لے گورِ غریباں گود میں

آرزو بر آئے خاطر خواہ اے مسرور جب
طاق پر ایماں ہو اور بد خواہِ ایماں گود میں

دکھایا کفر نے ایماں کا مرتبہ ہم کو — بتوں کو دیکھ کے یاد آ گیا خدا ہم کو
رہے بگولے کی صورت جہاں میں سرگرداں — نہ پاؤں رکھنے کی ہاتھ آئی کوئی جا ہم کو
انھوں نے دستِ حنائی سے اپنے قتل کیا — لگا یہ ہاتھ سرِ دستِ خوں بہا ہم کو
نہ کر نا روحِ رواں اُنس جسمِ خاکی سے — روا روی کا تعلق نہیں روا ہم کو

انانیت کے یہ پردے پڑے ہیں آنکھوں پر
کہ کر رہی ہے خدا سے خودی جدا ہم کو

پھر آئے بتکدہ چھان آئے خاک کعبہ کی
ملا نہ پردہ نشیں کا کہیں پتا ہم کو

بتوں سے آس جو ٹوٹی تو پھر زمانے میں
بجز خدا نہ رہا کوئی آسرا ہم کو

کبھی ہیں دیر میں گہ کعبہ گاہ گرجا میں
تری تلاش پھراتی ہے جا بجا ہم کو

کسی کی نرگسِ مخمور دیکھ کر مسرور
بلا شراب پئے ہوگیا نشا ہم کو

چارہ سازِ تپِ فرقت کو بنا رہنے دو
سوزشِ دل کا بھلا کچھ تو مزا رہنے دو

دیکھو یکلخت نہ اس گھر کو بگاڑ دو صاحب
داغ حسرت کو مرے دل میں بنا رہنے دو

تیغ قاتل سے لگا ہاتھ فقط ایک یہ پھل
زخم کاری مرے سینہ پہ لگا رہنے دو

دیدِ گل گر نہیں مسرور تصور ہی سہی
باغبانوں کے سے ناز بلا - رہنے دو

دل کو ہے ربط کسی زلف گرہ گیر کے ساتھ
سلسلہ رہتا ہے دیوانہ کا زنجیر کے ساتھ

دیکھ مت ہاتھ لگا نزک۔ ستمگر اس کو
دل نکل جائے گا پہلو سے ترے تیر کے ساتھ

اس کی تصویر بھی رہتی ہے کشیدہ ہم سے
کھینچنے والے کی ادا کھینچ گئی تصویر کے ساتھ

میری بیتابی قیامت۔ تری شوخی ہے بلا
میری تصویر کھنچے کیا تری تصویر کے ساتھ

ہوئی دربار حسیناں میں یہ توقیر میری
داغ کی ٹھہر لی وحشت کی جاگیر کے ساتھ

اے شمع چاہتی ہے جو سوزِ نہاں کا لطف
میری طرح سے بزم میں خاموش جل کے دیکھ

باقی نہیں ہے خاک بھی ارمان کے سوا
تو دل کو مل کے دیکھ کلیجہ مسل کے دیکھ

جو مائل ہے ابرو پہ وہ دل یہی ہے
تہ تیغ کرنے کے قابل یہی ہے

ادا دیکھ کر تیغ ابرو کی ہر دم
قضا میری کہتی ہے قاتل یہی ہے

بتوں کی محبت میں زنار پہنا ہمارے گلے کی حمائل یہی ہے
نہ کیوں جاں سے پیارا ہو مجھکو مرا دل کہ اُس رشک لیلیٰ کا محمل یہی ہے
خودی چھوڑ دے ہو کے مسرور بیخود
خدا کی قسم پردہ حائل یہی ہے

خاکِ قدم دربان اکسیر نظر آئی نظارۂ جاناں کی تدبیر نظر آئی
بجلی جو کہیں چمکی کھٹکا دلِ دیوانہ شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی
یہ جانِ حزیں نکلی خود اُسکے بلانے کو جب آنے میں جاناں کے تاخیر نظر آئی
ہے فیض تصور سے دیدارِ صنم ہر جا کعبہ میں بھی اُس بت کی تصویر نظر آئی

سرائے فانی ہے چند روزہ قیام اس میں ذرا نہیں ہے
یہ گلشن دہر خوشنما ہے بہار لیکن سدا نہیں ہے
بہار۔ ناداں ہے جانے والی۔ خزاں ہے اک روز آنے والی
ہے دنیا مقام حیرت۔ یہ دل لگانے کی جا نہیں ہے
ہمیں شبِ غم رہے سلامت۔ رقیب تم کو رہیں مبارک
جو تم میں خوئے وفا نہیں ہے۔ ہمیں بھی تابِ جفا نہیں ہے
گئی ہے شب وقت ہے سحر کا۔ ہو عزم مسرور اب سفر کا
کہ باغ دنیائے بے بقا کی۔ ہمیں موافق ہوا نہیں ہے

ستمگر کی پھر آج ترچھی نظر ہے ہوا انجام بالخیر آغاز شر ہے
تری مانگ کو دیکھ کر ہے یہ حیرت کہ دو رات کے درمیاں اک سحر ہے
نزاکت یہ پائی مرے شرمگیں نے کہ سر کا اُٹھانا بھی اک دردِ سر ہے
ذرا فکر کر توشۂ عاقبت کی کہ نزدیک ناداں روزِ سفر ہے
عیاں نور اُس کا ہے عالم میں لیکن نگاہوں سے پنہاں وہ رشکِ قمر ہے

کلیسا میں پایا نہ دیر و حرم میں
خدا جانے مسرور وہ بت کدھر ہے

ہر نقشِ قدم دشت میں کیوں خاک بسر ہے
دنیا سے کس آوارہ کا آج عزم سفر ہے

یہ تفرقہ ڈالا غمِ فرقت نے کسی کے
دل کو نہ ہماری نہ ہمیں دل کی خبر ہے

غفلت ہی میں یہ رات بسر ہوگئی ساری
مسرور بہت سوئے اُٹھو وقت سحر ہے

وہ سوتے رہے اور اُنکی بلائیں
میں لیتا رہا رات بھر چپکے چپکے

سنا ایک دم بھی نہ جانے کا کھٹکا
گئی عمر اپنی گذر چپکے چپکے

نہ کھلوا زباں میری اے دشمنِ جاں
خدا جانے کہہ جاؤں کیا کہتے کہتے

نکل جائیگی جان مسرور ایک دن
دلِ زار کا مرثیہ کہتے کہتے

اے دلِ ناداں نہ ہو تیر ادا کے سامنے
کھیلتا ہے جاں پہ جاتا ہے قضا کے سامنے

دیکھتا ہوں اے بتو میں صنعتِ پروردگار
یادِ حق کرتا ہوں میں تم کو بٹھا کے سامنے

زاہدا کسکو ہے یاں اندیشۂ منکر نکیر
بندے ہیں اُس بُت کے ہم کہدیں خدا کے سامنے

تیری وحشت اے پری کیا کرگئی اس میں اثر
بھاگتا کوسوں اثر ہے کیوں دعا کے سامنے

منزلِ مقصود پر پہونچا نہ بختِ نارسا
رہ گئے پاؤں مسافر کے سرا کے سامنے

مرتے دم تک آرزو مسرور یہ دل میں رہی
کاش دم نکلے مرا اُس مہ لقا کے سامنے

ہوں سینہ چاک اُس گلِ تر کے فراق میں
کہدونگا برملا میں یہ آگے ہزار کے

تیرِ نگاہ خنجرِ ابرو و تیغِ ناز
قاتل ہیں کتنے تاک میں اک جانِ زار کے

اے شرمگیں تجھے نہیں حاجت نقاب کی
پردے پڑے ہیں میری نگاہوں کے تار کے

آتا نہیں وہ شوخ تو آتو ہی اے اجل
صدمے اُٹھائے جاتے نہیں انتظار کے

ناحق ہمیں ستاتے ہو کیوں اس قدر بتو — ہم بھی تو بندہ ہیں اُسی پروردگار کے

آفتِ جاں ہے نزاکت اُس کی — آنکھ اُٹھاتے ہوئے تھک جاتا ہے

شوخی یاد آتی ہے جب ساقی کی — جام سے کف میں چھلک جاتا ہے

آنکھ دیکھی جو پھری ساقی کی — ہم سے اب خُم بھی مٹک جاتا ہے

آہ سوزاں سے تسلی معلوم — اور بھی شعلہ بھڑک جاتا ہے

نہ تو عالم ہے نہ شاعر مسرور
گو جنوں میں کبھی بک جاتا ہے

صفائے قلب میں بھی اِک عجب تاثیر ہوتی ہے — بتوں کی خاکِ پا بھی زاہدا اکسیر ہوتی ہے

غضب ترچھی نظر تیری بتِ بے پیر ہوتی ہے — کہ پھر جاتے ہیں سب یہ گردشِ تقدیر ہوتی ہے

جگہ کیوں کر نہ دوں دل میں تمھاری تیغِ ابرو کو — علاجِ اختلاجِ قلب یہ شمشیر ہوتی ہے

نہیں ہے بے سبب سرمہ لگانا اُس ستمگر کا — ملانے کی کسی کے خاک میں تدبیر ہوتی ہے

نہیں گر شکر شکوہ ہی سہی کچھ منہ سے تو بولو — قرارِ قلبِ مضطر آپ کی تقریر ہوتی ہے

رکھوں کیسے نہ میں دل میں تصور آپ کا ہر دم — کہ تسکیں بخش کچھ کچھ آپ کی تصویر ہوتی ہے

وہ اکثر دیکھتے رہتے ہیں رکھ کر روبرو اسکو — میرے آئینۂ دل کی یہ اب توقیر ہوتی ہے

چلیں گے ہم کبھی مسرور گر جیتے رہے کچھ دن
کہ روح افزا ہوائے گلشنِ کشمیر ہوتی ہے

نزاکت دیکھیے اوچھا پڑا ہے وار قاتل کا — خلش کم ہو اگر ہو نوکِ مژگاں پار تھوڑی سی

نہ آنکھوں سے نہاں ہونا نہ جبتک جاں نکل جائے — ابھی باقی ہے دل میں حسرتِ دیدار تھوڑی سی

اگر جانباز ہے صادق تو رکھ دے داؤں پر دل کو — بہت سی جیت اس بازی میں ہے اور ہار تھوڑی سی

نہ کیوں مسرور بعد از غسلِ میت پھر میں اُٹھ بیٹھوں
اُٹھی میری طرف وہ نرگسِ بیمار تھوڑی سی

ہیں سودائی کسی زلفِ رسا کے — پھنسے ہیں جال میں کالی بلا کے
یہ دیکھو اُس کی شانِ کبریائی — بتوں کے رام بندے ہیں خدا کے
محبت کی ملیں ایسی سزائیں — نہیں اب وغدغۂ روزِ جزا کے
کسی دستِ حنائی نے کیا قتل — ہمارا خون ہے سر پر حنا کے
عجب راحت کدہ ہے دل ہمارا — نہیں نکلا کوئی ارمان آ کے

نہیں میخانہ میں مسرور کو بار
یہ ڈر ہے دخترِ رز کو نہ تا کے

وہ بُت سوئے مزار آئے نہ آئے — لحد میں بھی قرار آئے نہ آئے
لبِ رنگیں پہ مرتا ہوں کسی کے — لبوں پر جانِ زار آئے نہ آئے
خدا شاہد ہے میں بندہ ہوں اُنکا — بتوں کو اعتبار آئے نہ آئے
غنیمت جان فصلِ گل کو بلبل — چمن میں پھر بہار آئے نہ آئے

بسمِل ناز کو مستی میں ملاتے جاتے — کرتے احساں یہ دمِ نزع وہ جاتے جاتے
اک نہ اک روز اُکھڑ جائیگی اُنکی بھی ہوا — باغِ عالم میں جو ہیں رنگ جماتے جاتے

ترک ہے کر دیا مسرور نے گو مدت سے
سوئے میخانہ مگر اب بھی ہیں آتے جاتے

ہے دل میں یادِ مصحفِ روئے بتاں مدام — پڑھ لیتا ہوں دکھانے کو قرآں کبھی کبھی
پروانوں کو بھی بزم میں آ کر دیے شمع رو — ان دل جلوں کو ہوتے ہیں قرباں کبھی کبھی
دشتِ جنوں میں جا ہوں جو وحشت کی اپنی دُو — پا چومتے ہیں خارِ مغیلاں کبھی کبھی
کیا پوچھتے ہو مذہبِ وارفتگانِ عشق — ہندو کبھی کبھی ہیں مسلماں کبھی کبھی
اپنی زباں کی سیف نکلتی ہے گاہ گاہ — ہوتے ہیں جوہر اُس کے نمایاں کبھی کبھی

مسرور دل سمجھ کے حسینوں کو دیجیو

ہو جاتے ہیں یہ جان کے خواہاں کبھی کبھی

پاپ سنگل نشٹ ہوں رام جی کے نام سے
من رہے سکھ میں سدا تن رہے آرام سے

موہ میں اس جگت کے بھگتی کو مت بھولو
سکھ بھجن رام کا جانیو سب کام سے

مجھ پہ سری رام جی مہر کی چھایا رکھو
اور بچاؤ مجھے ہے پتا کی گھام سے

تڑپوں ہوں سنسار میں جیسے بنا جل ہو مین
شیتل نیناں میرے کیجئے تجد ھام سے

رام سوا اور کا ڈھونڈھیو مت آسرا
کام جو مسرور ہیں نکلیں گے سب رام سے

خانۂ تاریک میں وہ بے نقاب آنے کو ہے
جانبِ ظلمات بارے آفتاب آنے کو ہے

جانبری اپنی کسی پہلو نظر آتی نہیں
پھر کسی پر یہ دلِ خانہ خراب آنے کو ہے

جلد ساقی ساغرے دے کہ ہے کارِ ثواب
اس دلِ ناداں میں پھر خوفِ عذاب آنے کو ہے

ولولے دونوں طرف ہیں روبرو جبتک نہیں
کوئی دم میں مجھکو غش اُن کو حجاب آنے کو ہے

فردِ عصیاں میں گناہوں کا نہیں ہے کچھ شمار
غم نہیں گر ایک دن روزِ حساب آنے کو ہے

رات دن رہتے ہیں اشکِ خوں جو آنکھوں سے رواں
یا الٰہی دل ہے یہ سینہ میں یا ناسور ہے

نیت اپنی ایک دو ساغر سے بھرنے کی نہیں
رندِ دریا نوش ہوں میرا لقب مسرور ہے

ہیں گرفتارِ غمِ گیسوئے پیچاں کتنے
بندۂ الفت کا فر ہیں مسلماں کتنے

دیکھ تو جا کے ذرا گنجِ شہیداں کی طرف
تیری پازیب کے ہاتھوں سے ہیں نالاں کتنے

بزمِ غیروں سے ہو خالی تو ذرا عرض کروں
ہیں بھرے اس دلِ بیتاب میں ارماں کتنے

دام میں زلف کے پھر پھنستے ہو دانا ہو کر
آپ بھی حضرتِ مسرور ہیں ناداں کتنے

میں سوزِ ہجر سے بیٹھا ہوں دل جلائے ہوئے　　مثالِ شمع تمھاری ہوں لو لگائے ہوئے
چمن سے کچھ نہ تعلق مجھے نہ گل سے غرض　　یہ مجھ پہ کس لئے بلبل ہیں خار کھائے ہوئے
ہیں گیسوؤں کے تو دم میں نکال دیتا بل　　یہ پیچ ہیں کہ تمھارے ہی سر چڑھائے ہوئے
یہ کس کے حسن کی آتش چمن میں بھڑکی ہے　　گلوں کے چہرے ہیں گرمی سے تمتمائے ہوئے

دکھا دو منکروں کو بھی تماشا قدرتِ حق کا　　نقاب اٹھو خدا کے واسطے روئے منور سے
کسی دن روئے روشن سے مقابل ہو گیا شاید　　کہ آئینہ سے ان روزوں رہتے ہیں مکدر سے
کرو پامال چاہو جس قدر اب ہم تو آ بیٹھے　　مثالِ نقش پا مٹ کر اٹھینگے آپ کے در سے
ہوا شاید کہ پھر سودا کسی زلفِ پریشاں کا
نظر آتے ہیں مجھکو ان دنوں مسرورؔ مضطر سے

رباعیات

نقدِ دل و جاں عشق میں ہم کھو بیٹھے　　دل کھول کے دشمنوں کو ہم رو بیٹھے
تھا دیدۂ گریاں پہ نہ قابو مسرورؔ　　آخر آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھے

تیرا رونا ہے چشم جب تک ہے　　تیرا سودا رہیگا سر جب تک ہے
ممکن نہیں دل سے جائے الفت تیری　　تو صاحبِ خانہ ہے یہ گھر جبتک ہے

شکل کس کام کی جب مادہ موجود نہیں　　کرتے پرواز نہیں طائرِ تصویر کے پر
بوم بنگال دکھاتا ہے عروجِ پرواز　　کتر سے پابندیوں نے بلبلِ کشمیر کے پر

نصیحت گر کے یوں سایہ سے ہم دامن بچا نکلے　　کہ جیسے میکدہ کے سامنے سے پارسا نکلے
ہوئی دونی نکالی جسقدر ہم نے ہوس دل کی　　کہ جیسے جنتری سے تار زر بڑھتا ہوا نکلے
رنگسی جاتی ہے مہندی پانوں کی لندن کے جانے میں　　نہ کیوں آنکھوں سے اپنی اشک ہم رنگِ حنا نکلے
نہیں آشفتہ خاطر ایک فقط مسرورؔ دنیا میں
ہزاروں نوجواں دامِ بلا کے مبتلا نکلے

سفرِ ولایت فخرِ قوم پنڈت بشن نرائن در صاحب بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ

آثارِ نیک غیر سے آتے نہیں نظر ہے ظلم پیرِ چرخ جوانانِ قوم پر
سب کچھ ہیں دل میں حوصلے لب بند ہیں مگر درپے ہو جب فلک تو کوئی کیا اُٹھائے سر
ہے رشک اسے بلندیِ اہلِ زمین کا
کیا پست حوصلہ ہے سپہرِ کمین کا

جائز ہے ایک بیوی پہ ہو دوسرا نکاح بےخوف و بےحجاب زنِ آشنا سیاح
بیموں سے ربط و ضبط میں ہر طرح کا فلاح گر بیگموں سے شیر و شکر ہو تو ہے صلاح
پنجہ میں مہترانی کے پھنسنا بُرا نہیں
دھوبن کے گھاٹ اُترئے تو دھبا لگا نہیں

جورو کا ہار نکّی پہ دے ہار غم نہیں کسبی کی نے میں چانڈو کا پینا ستم نہیں
جھنڈے تلے کا لوگ کہیں کچھ الم نہیں خانم کو ڈالا گھر میں ہوئی ذات کم نہیں
بیعت لے شاہ جی سے کبھی رام رام جپ
ایک ہاتھ فاتحہ رہے ایک ہاتھ شنکلپ

جو پیر جی نے اسم بتایا رٹا کرو منتر کے بدلے روز وظیفہ پڑھا کرو
ہو درد۔ حاضرات بجائے دوا کرو جو کچھ غرض نہ کرنا ہے سب برملا کرو
لیکن چڑھے جہاز پہ اور ذات سے گرے
کٹ جائے ناک رخ سوئے لندن اگر پھرے

غیرت سے یوں نہ ہاتھ اُٹھاؤ برہمنو جوں دُردِ جام بیٹھ نہ جاؤ برہمنو
ناحق نہ اپنی قدر گھٹاؤ برہمنو للّٰلہ اب تو ہوش میں آؤ برہمنو
پھیلاؤ ہاتھ عجز سے آگے کمین کے!
اس دھرم کے نثار فدا ایسے دین کے

کرتے تھے جن دنوں میں خدائی وہ دن گئے　　دیتے تھے سب تمہاری دہائی وہ دن گئے
عرشِ بریں تلک تھی رسائی وہ دن گئے　　آؤ ذرا تو ہوش میں بھائی وہ دن گئے
وہ تم نہیں رہے وہ زمانہ نہیں رہا
یعنی کہ بھیک کا بھی ٹھکانا نہیں رہا
ہمت ہے گرچہ پست بظاہر جلیل ہیں　　اے مرگ مژدہ آپ مسیحا علیل ہیں
جو پیشوا تھے اب وہ ہی ستر سبیل ہیں　　ناز اپنا جن پہ تھا وہ عدو کے وکیل ہیں
مسرور اُن سے خاک امید وصال ہو
جب ایک بوسہ لینے میں اتنا ملال ہو

ایضاً

اُٹھو جو ہرِ علم کے قدر دانو　　بڑھو نوجِ قومی کے نامی نشانو
یہ ہے وقتِ امداد اے مہربانو　　ہے کیا پیش وپس اے مرے نوجوانو
یہ موقع نہیں جی چرانے کا یارو
کہ ہے وقت بخت آزمانے کا پیارو
یہ ایف اے وبی آے وایم اے پیارے　　کہاں ہیں خوش اقبالیوں کے دلارے
کدھر ہیں بصیرت کی آنکھوں کے تارے　　وہ بازو کی قوت وہ دل کے سہارے
بڑھا دیں قدم اب نہ پانوں پساریں
عبث ڈگریاں جیت کر جی نہ ہاریں
تمھیں اپنے دل کی اوپچ کی قسم ہے　　تمھیں ان گلا بانِ کچ کی قسم ہے
تمھیں اپنی انگریزی دھج کی قسم ہے　　تمھیں اپنے مارل کرج کی قسم ہے
ہو روشن نئی روشنی کے چراغو
کرو دل کو مضبوط عالی دماغو

زمیں کے یہ سب بھید راز آسماں کے — یہ اسرار سب وحش وطیرانس وجاں کے
یہ آغاز وانجام دونوں جہاں کے — تھے آموختہ طفل ہندوستاں کے

یہ وہ ملک ہے جس کا عنقا تھا ثانی
ہے سب علم کا آریہ ورت بانی

وہ علم اور وہ اطوار فرماں روائی — وہ ہمت وہ انداز مشکل کشائی
صداقت زباں کی وہ دل کی صفائی — وہ سچا دھرم اور وہ بے ریائی

وہ مذہب وہ ملت وہ حکمت کہاں ہے
نہ ہندو ہیں اب وہ نہ ہندوستاں ہے

سنو دھرم یہ ہے نہ دل کو دکھاؤ — نہ بندوں کو خالق کے ہرگز ستاؤ
نہ بے فائدہ جھوٹ باتیں بناؤ — کسی کی برائی زباں پر نہ لاؤ

حسد۔ بغض۔ کینہ کو دل سے نکالو
رکھو صاف دل کو زباں کو سنبھالو

کسی کے تنزل پہ خنداں نہ ہو تم — کسی کی ترقی پہ نالاں نہ ہو تم
کسی کی برائی کے خواہاں نہ ہو تم — حیاتِ دوروزہ پہ نازاں نہ ہو تم

خدا کو نہ بھولو کسی آن پیارو
کہ یاں چار دن کے ہو مہمان پیارو

اُڑاؤ نہ اپنوں پرایوں کی دولت — کسی سے نہ لو۔ دو کسی کو نہ رشوت
رکھو علم کا شوق چھوڑو جہالت — کرو جمع ایمانداری سے دولت

عزیزوں غریبوں کو پہلے کھلاؤ
جو کچھ بچ رہے شوق سے آپ کھاؤ

کرو جب جہاں تک تمھیں دست قدرت — عزیزوں پہ شفقت بزرگوں کی خدمت

جو مجبور ہیں اُن کو پہونچاؤ راحت   نہ ہرگز کرو دشمنوں سے بھی نفرت
خلاصہ یہ ہے دھرم کا مہربانو
ہر انسان کا دل تم اپنا سا جانو

گجردم نہانا عبادت نہیں ہے   یہ ٹیکا لگانا عبادت نہیں ہے
یہ گھنٹا ہلانا عبادت نہیں ہے   یہ چوکے میں کھانا عبادت نہیں ہے
ہو نازاں کہ باہر چمکتا ہے مندر
ذرا جھک کے دیکھو اندھیرا ہے اندر

صد افسوس بغض و حسد زور پر ہے   جدھر دیکھئے عیب بینی ہنر ہے
زبوں جو وسائل ہیں اُن سے گذر ہے   ولے کسب و علم و ہنر سے حذر ہے
یہ ناکردنی کام شبہ کرم ٹھہرے
جو لندن کو جائے وہ بے دھرم ٹھہرے

گذارش ہے بس صلح مذہب کی سب سے   بہت عاجزی سے نہایت ادب سے
نہیں فائدہ کاوشِ بے سبب سے   کرو خوف دل میں خدا کے غضب سے
خطا وار ہیں پر ہیں بھائی تمھارے
گنہگار ہیں پر ہیں بھائی تمھارے

دلوں میں جوانوں کے جو ولولے ہیں   رُکیں گے نہ ہرگز کسی سے رُکے ہیں
کہیں آبِ شبنم سے شعلے بجھے ہیں   ہوا کے کہیں رُخ کسی سے پھرے ہیں
ہے ممکن کہ دریا کو خاشاک روکے
مشیت کو انسان کیا خاک روکے

جو عاقل ہو باز آؤ شور و فغاں سے   کہ ہے ابلہی سرکشی آسماں سے
پرانے ہو واقف ہو طرزِ جہاں سے   رُکا کب ہے جب تیر چھوٹا کماں سے

لو اب نہیں ہاتھ ملنا پڑیگا
روش پر زمانے کی چلنا پڑے گا

اگر ہم ہوئے ملزم بد شعاری　　اگر ہم بنے مجرم سست کاری
نہیں ذاتِ اقدس بھی عیبوں سے عاری　　کہ بے عیب ہے ایک فقط ذاتِ باری

مئے صلح سے سب کو مسرور کیجے
ہے مضمون واحد دوئی دور کیجے

مخمّس

نہ توان در تنِ بیجاں کہ نہم گامے چند　　نہ کرم در دلِ ساقی کہ زنم جامے چند
چوں بسازم کہ دلے دارم و آلامے چند　　حسب حالے نہ نوشتی و شد ایامے چند
قاصدے کو کہ فرستم بہ تو پیغامے چند

بس کہ در رنج فراقت تنِ لاغر کاہید　　قدمے کو کہ سپاریم براہ امید
شاہِ خوباں مددے بہر خدا وند حمید　　ما بدان مقصدِ عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند

خسروِ ہر دو جہان حامی و غمخوار شماست　　ساقیِ چشمۂ کوثر بسر کار شماست
چہ غم از خلقِ خدا در پئے آزار شماست　　اے گدایان خرابات خدا یار شماست
چشم انعام ندارید ز انعامے چند

خار صہبا چہ نمودی ثمرش نیز بگو　　دل شود صاف ز فیضِ اثرش نیز بگو
نور حق میچکد از آب ز رش نیز بگو　　عیبِ مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفیِ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

باز را شوق رخت دیدۂ حیرت بر دوخت　　گل تر را روش چاک گریباں آموخت

داغِ حسرت بہ دلِ خستۂ مسرور افروخت
حافظا از تابِ رخِ مہر فروغ تو بسوخت
کامگارا نظرے کن سوے ناکامے چند

ایضاً

جہل را جلوہ گرِ بالشِ زرے بینم
عقل را بے سروپا شہر بدرے بینم
شور و شر در سرِ ہر فرد بشرے بینم
این چہ شوریست کہ در دور قمرے بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنۂ و شرے بینم

این سمن بوئے تمنا نہ رساند بمشام
وین ثمر چاشنیِ کام نہ ریزد در کام
پختہ سوداے محالے بخیالِ ہر خام
ہر کسے روزِ بہی میطلبد از ایام
مشکل اینست کہ ہر روز تبرے بینم

زاغ در باغ خرامان بدلِ خورسند ست
بقفس بلبلِ تفتیدہ جگر در بند ست
دیدہ باید کہ چنین دور قمر تا چند ست
ابلہان را ہمہ شربت ز گلاب و قند ست
قوت دانا ہمہ از خونِ جگرے بینم

مثلِ نے شیرِ نیستاں بصعوبت نالان
روبہ دون چو فریدون شدہ مردِ میدان
از تو ایمن چہ شوم اے فلکِ بے ایمان
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان
طوق زرین ہمہ در گردنِ خرے بینم

دست و پا صبح و مسا دست و گریباں با سر
نشۂ خونِ جگر ہر رگِ تن شام و سحر
کردہ این چرخ دنی نظمِ جہان زیر و زبر
دختران را ہمہ جنگ است و جدل با مادر
پسران را ہمہ بدخواہ پدرے بینم

خبرے از غمِ بلبل نہ گلِ تر دارد
نظرے جانبِ قمری نہ صنوبر دارد
گذرے بر سرِ مسکین نہ توانگر دارد
ہیچ الفت نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم

باجگر سوختگان اے مہ نو نیکی کن　　چون صدف مائلِ اموال مشو نیکی کن
ہمچو مسرور تو گمراہ مدو نیکی کن　　پندِ حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن
زانکہ این پند بہ از دُرجِ گہر مے بینم

مسرور۔ پنڈت بلہ کاک صاحب فوطہ دار۔ مسرور ساکن رعناواری سرینگر کشمیر۔ آپ ۱۹۰۸ء بکرمی مطابق ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے اور بہتر سال کی عمر پا کر ۱۹۸۰ بکرمی مطابق ۱۹۲۳ء میں سرگباس ہوئے۔

آپ کا خاندان کشمیری پنڈتوں میں ایک مشہور خاندان سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے فارسی کی ابتدائی تعلیم مکتب میں پائی۔ حسب ضرورت تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے ریاست کے ملٹری ڈپارٹمنٹ میں بحیثیت اسٹور کیپر کے فرائض انجام دئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد بوجوہ اس عہدے سے دست بردار ہونا پڑا۔ چند ماہ کے بعد دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی اور دن رات یادالٰہی اور شاستروں کے مطالعہ میں مصروف رہنے لگے۔ شکستہ اعضا۔ ٹوٹے ہوئے جوڑ بند اور ہڈیوں کو مالش کرنے اور دبانے سے دُرست کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اہل ملک کی یہ خدمت آپ بلا امتیاز ملت و مذہب اور بغیر کسی اُجرت یا معاوضہ کے تا دم مرگ انجام دیتے رہے۔ آخری عمر میں سماعت سے معذور ہو گئے تھے۔

آپ بہت پُر گو شاعر تھے۔ کلام میں اگرچہ اُستادانہ متانت اور استعداد علمی کی کوئی خاص علامت نہیں پائی جاتی تاہم اپنے رنگ میں خوب ہے۔ آپ ایک دیوان اَہمسا پرکاش اور کئی شاستروں کے منظوم فارسی تراجم یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ کلام میں عارفانہ اور صوفیانہ رنگ غالب ہے۔

خداوندا بنورِ حق منور کن روانم را　　فروزان ساز چون خورشید تابان شمع جانم را
زگونا گونی بیچون دریں چون و چرا الحق　　ظہورِ جلوۂ بیچوں قیاس آرد گمانم را

خیالِ دل مباد ایک بجوئے جز حسنِ گندم گون   صباحت از ملاحت زار دہ "تاب و توانم را

آواز وحدت چو سازِ نکتۂ "دو کن" در نوا   جوشِ کثرت نقطہ را آورد در نشو و نما
جودتِ ناطق کجا و نامِ حق گفتن کجا   خود فرو شو در خود از خود بشنو از نامش نوا
گر در راہِ پائے رہبر تو تیائے چشم کن   بینی از طورِ دل مسرورؔ خود نورِ خدا

گر درین این طوطیِ گویا مبند اندر قفس   از نفس بشنو سرودش مے سراید چون رباب
جا مجو در صحبتِ تن پروران اہلِ نفس   جام جو در عشقِ او از ساقیِ عالی جناب

عاشقان در ہر دو عالم ایمن انداز نیک و بد   آن شنیدی راست چون منصور شد بر دارِ کج
باش از دیدارِ او مسرورؔ اے دل ترک کن   کارِ کج اطوارِ کج کردارِ کج گفتارِ کج

شدم بیگانہ از خویشان قرار دل فراز آمد   بُتِ مہوش بہ بزمِ خاطرِ خوش جلوہ ساز آمد
بہ جمعی ز تابِ آتشِ عشقش ز پا تا سر   بیک پا ایستادہ شمع در سوز و گداز آمد
زجا کِ پیرہن چون گُل بہ گلشن شاد و مسرورم   زخاکِ پائے کوئے یار بوئے دلنواز آمد

بگوشم از سروشِ مہوش آوازِ درود آمد   کہ در بُرجِ جنون خورشیدِ عشقم در صعود آمد
نشانِ بے نشان حسن و جمالِ خوبرویان است   ازان فرقِ نیازِ ما بناز اندر سجود آمد
مرض نشناختہ نادان طبیب آمادہ بر خون است   نداند ز آتشِ عشق این طپش اندر وجود آمد

از حقارت بے سر و سامانیِ عاشق مبین   بر سر بے سری صاحب کلاہی میکنند
زاہدان در دورِ زلف و چشمِ کافر کیشِ او   این نمیدانیم ما چون پارسائی میکنند
نیست وعظ و پند اندر مذہبِ عاشق روا   حاصل از وعظ و نصیحت روسیاہی میکنند

سرفرازم من بہ عشقِ دلبرِ گردن فراز   بے نیاز از نازِ معشوقی بود عاشق نواز
بہرِ صیدِ بلبلِ دلہائے بیتابان گذاشت   دانہ از خالِ سیاہ و دام از زلفِ دراز
صادقا گر عاشقی استادہ ہمچون شمع باش   روبرویش دمبدم باران روشن از سوز و گداز

ز آئینہ کجا آید ادائے شکرِ دیدارش   شود روشن طلوعِ ماہ و خور از چار دیوارش

حواس و هوش و صبر و روح و عقل و جان و دل باهم — بدلخواهی و شادابی و خورسندی کن ایثارش
دل دیوانه در زنجیرِ گیسو مبتلا کردی — چنین بیچاره را بهرِ خدا دیگر میازارش

وای کز جور و جفای دورِ چرخِ بدلحاظ — با کس و با ناکسان هرگز نمیدارد لحاظ
قلبِ نفسِ شُوم گرداند بهر سُو دربدر — بیچاره را نیست هرگز از قبول و رد لحاظ
تا توانی از برای رستگاری جهد کن — چون نمیداری دگر از رفتن و آمد لحاظ

آمد و رفتِ نفس از عمر میسازد وداع — غافلانه بیخبر تا چند از اصل و فراع
ترسناکم من ازین نادان طبیبانِ حریص — دردِ خارِ پای را سازند تشخیصِ صداع
رفتنِ راهِ وصال از پیرِ من سیدم بگفت — دورئِ منزل بود از عقل و الفت ارتفاع
طالبا گر صادقی از گوشِ هوشِ دل نیوش — در مقامِ دل به مسروری زنامِ او سماع

دل شبستانِ وصالش کن ز دل روشن چراغ — محو شو در دیدنِ دیدار از روی فراغ
چشمِ حیرت همچو نرگس در تماشا برکشای — بشگفد گلهای مسروری ز رویش باغ باغ

چند گردِ کعبه بر امیدِ جنّت میروی — یک طوافِ کعبهٔ دل بهتر است از صد ارم
نفس را پروردم و آخر شدم رسوا از و — این ندانستم که خصمِ خویش خود می‌پرورم

باید از سوزن و لاکارِ خدا آموختن — خویش عریان جامه‌ها از بهرِ دیگر دوختن
وای بر پروانه کو خود بیخبر از نار سوخت — چون ندانست او ز خود و نورِ خدا افروختن
جامه و جان پاره کردن گوی اے بلبل ز گل — کز منِ دیوانه خواهد در جنون آموختن
شمعِ کافوری خموم در بزمگاهش سربسر — ایستاده رو برویش خود توانم سوختن

براهِ عشق از دیوانگی زو با جنون همراه — به منزل می‌رسی باز آید عقل از جستجوی او
قیاس و فکرت و روح و خیال و عقل و جان و دل — گمان و دانش و وهم و نظر بگذار سوی او
فرو چون رنگ شو اندر تماشای گلِ رعنا — درین گلشن مشامِ دل معطر کن ز بوی او
چو گردی سرد مهر از گرمیِ دنیای دون پرور — شوی مسرور از دیدارِ حسنِ ماه روی او

بتے دارم سراپا مہرو گلرخسار و عیّارے   سمن برنازپرور دلبرے شوخے وفادارے
عیارِ نازنین غارتگرِ عقل و دل و دینم   نگارے نوش لب شیرین سخندان شہد گفتارے
سیہ چشمے سیہ گیسو سیہ خالے سیہ ابرو   زنخش گلدستۂ قدرت سمن دریا سمن زارے
بہر سودر خروشم من متاعِ دل کشم بیرون   فروشم من چو گردد آن بتِ زیرک خریدارے

انتخاب از اہساپرکاش

خداوندا بزرگا بے نیازا   سرافرازا کریما کارسازا
کبیرا پادشاہِ پادشاہان   قدیرا قبلہ گاہِ قبلہ گاہان
سہ گانہ عالم از نورت منور   بیکتائی دوتایت نیست دیگر
ازل را ابتدائے ذوالجلالی   ابد را انتہائے لایزالی
توئی داور توئی یاور توئی یار   تو ہستی کارسازِ ہر سروکار
برآمد را توئی معدن بہ قدرت   درآمد را توئی مخزن بہ قدرت
ثناؤ حمد و تحسین مدح و تسلیم   ترا بادا ترا بادا بہ تعظیم
بپاسے شری مہا گنپت بصد فر   برائے دفعِ فکر و غم نہم سر
الٰہی دارم از لطفِ تو امید   منور کن ضمیرم ہمچو خورشید
دماغم کن بہ بوئے خود معطر   بیانم کن بہ معنی تازہ و تر
دلم شد روزگارے آرزو مند   بنظم آرم کلامم و ہرم چند
پئے تصنیفِ این دہرم گرامی   رسید ارشادِ جمیا ناتھ سامی
ہنادانی شدم سرگرمِ گفتار   بہ سلکِ نظم کردم چند اشعار
ازان در خدمتِ اہلِ بلاغت   نیاز آرم بامیدِ اجابت
اگر باشد دران سہو و خطائے   عطا میخواہم و خواہم عطائے
ہزار و نہصد و پنجاہ مید پنج   زنقدِ دہرم پُر شد اینچنین گنج

بہ مسروریؔ چو بالک رامؔ بر گفت　　　خرد مندان دورانش پذیرفت

مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب جہانی کی تعریف میں ملاحظہ ہو

بدورِ عدلِ شاہِ خویش نازم　　　زوصفش تا بگردون سرفرازم
دلش دریا کفش چون ابرِ نیسان　　　بہ برجِ پادشاہی ماہِ تابان
زانصافش خلایق شاد و خرم　　　زعدلش اسمِ بیداد از جہان گم
گرفتہ باز تیہو بر برِ خویش　　　بہ یکجا آب خوردہ شیر با میش
شہنشاہے بدین جاہ و بدین فر　　　نبودہ است و نخواہد بود دیگر
الٰہی تا ابد موجود بادا　　　بہ شان و سروری ذی جود بادا

چمپا ناتھ سوامی کی تعریف میں اس طرح لکھتے ہیں

دیا وان پورن جوگیشر گرامی　　　سدا آشو روپ چمپا ناتھ سامی
بہ کشمیر از قضا شد رونق افروز　　　منور ہمچو ماہ و خور شب و روز
لب چون لعلِ ناب از رنگِ پانش　　　سخن لولوے لالہ از زبانش
کلاہِ پادشاہی داشت بر سر　　　چو در تاریکیِ شب بدرِ انور
جوانِ معرفت دان پیرِ تدبیر　　　بتدبیر از جوانمردی جہان گیر
ز کردار و ز گفتار و ز سالش　　　کسے را نیست آگاہی بہ حالش
فقیرے صاف دل نیکو ضمیرے　　　فقیہے پارسا روشن ضمیرے
مہِ تابندۂ افلاکِ دانش　　　گلِ گلزارِ باغِ آفرینش
بہ ملکِ پارسائی پادشاہے　　　بہ شہرِ معرفت صاحب کلاہے
بہ شوقِ عشق مستغنی و سرمست　　　بہ ذوقِ زہد و رندی زبردست
بہ مرتاضی غنی از مہر و اور　　　بقیاضی بہر کس یار و یاور

سلہ مسرورؔ تخلص شاعر۔ سٹہ بالک رام یعنی بلبدر یا بلہ کاک نام مصنف۔

مسکین - پنڈت مہتاب رائے صاحب رینہ گوڑ دہلوی

آپ قدیم باشندہ دہلی کے تھے مگر زیادہ حصہ آپ نے اپنی عمر کا میرٹھ میں بسر کیا پنڈت بچھی رام ہاکسر المتخلص بہ سرور سے آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ فارسی کے عالم متبحر تھے اور اعلیٰ درجہ کے پُرگو اور کہنہ مشق۔ آغاز مثنوی میں اپنی زندگی کے حالات خود آپ نے بیان کئے ہیں۔ گو وہ زیادہ مفصل نہیں تاہم غنیمت ہیں۔

مرید حضرت عشقم رخ تو قبلہ ماست   مرا تو زائر دیر و حرم گمان نکنی
اگر بہ عشق بتان مائلی بصبر گرائے   اگر چنین نکنی بے خرد چنان نکنی
وفائے عہد بہار زمانہ چون دیدی   بشاخ گل وگرائے بلبل آشیان نکنی

آغاز حمد ایزد متعال خامہ دو زبان بزبان خوش بیان بیان می نماید

بنام رقم ساز لوح و قلم   بنام برافراز تیغ و علم
بنام روان بخش این جسم خاک   بخاک اندر آرندۂ نور پاک
بچرخ آور این قصر نیلی رواق   فرازندۂ گنبد ہفت طاق
شب قدر را روشنائی ازوست   کمین بندہ را پادشاہی ازوست
ہر سرکشان در کمندش اسیر   بہ بندش تن گردنان دستگیر
جہان را ازو ساز و برگ نواست   ازو شہ گدا و گدا پادشاست
بتاثیر انجم جہان آفرید   بہ بین تا چہ دریا بکوزہ کشید
سیاہی بکاشانۂ جہل داد   بہ چشم خرد روشنائی نہاد
خرد پروران را ہنر پیشہ کرد   بکار جہان فرصت اندیشہ کرد
سر خود سران خالی از مغز ہوش   پئے حکمتے گشتہ زو بار دوش
یکے را بسر تاج گوہر نہاد   دگر را ز فرق دگر زیب داد

بنائے یکے را بکسار کرد | بحکمت دگر را جهاندار کرد
ببین جلوهٔ قدرتش رنگ رنگ | ز تاثیر آب و ز مقدار سنگ
بیک رنگ کردے اگر روزگار | کجا قدرتِ حق شدے آشکار
فراموش خود هست پاینده اش | جهان بادشا هست و مانندهٔ اش
مه و مهر گردون و کرسی و عرش | براهِ طلب جمله هستند فرش
ندارد جهان را بیک رنگ کار | گهے صبح آرد گهے شام تار
گهے ساز و برگ و نوا میدهد | گهے رنج و درد و بلا میدهد
گهے بادِ لطفش دهد رنگ چهر | گهے نار قهرش رسد از سپهر
طلسمے گهے ساز و افراخته | کند جا از و گاه پرداخته
بہ نیرنگ سازیست بازیگرے | ببازی گری از همه برترے
سرِ سروران برترِ برتران | ببازی گری کار بازیگران
غرور را بدو راه تسلیم نے | کسے را برو روئے تقدیم نے
کنون بہ کہ بر درگہہ کبریا | برآریم دستے ز بہرِ دعا
از و خواهشِ رستگاری کنیم | طلبگاریِ رسم دیاری کنیم
بیا ساقیا جام سرشار ده | ز سر جوش غم بخش خار ده

بہ بخش از سرِ لطف جامے ز مئے
کہ ناید خمارِ شبینه ز پئے

در سبب تصنیف این کتاب بگوید

چو از فکر تمهید پرداختم | ز دریا بیک قطره درساختم
نوشتن مرا حال خود شد روا | کہ من کیستم وز کجایم کجا
بدهلی درم زاد بوم ست و بس | چه دهلی کہ کشمیر وارد هوس

پئے دیدنِ این نگارین چمن   نگارین چمن چہ کہ رشکِ عدن
ہمہ مجمعِ فیلسوفانِ دہر   ہمہ زیرکان را ازو فیضِ بہر
چنان خطۂ پاک مینو نشان   بچشمم کسے نامدہ در جہان
لقب پنڈت کاشمیری سزد   بہ مہتاب دایم شدہ نامزد
نہادم چو در راہ تمیز پا   ہوائے سخن خواست از سر مرا
پئے نظم و نثرم دلے گشتہ ریش   گرفتم پہ تعلیم آن راہ پیش
ز استاد دانا خبر یافتم   بخدمت درش زود بشتافتم
زہے کاملے باکمال و جلال   زہے بحرِ دانائی و علم و حال
ز نثرش جلا لا پراگندہ دل   ز نظمش کلیمم آمدہ پا بہ گل
ز شیرینیِ کلک ہر ہفت خط   خطِ نو خطان را کشیدہ بہ خط
علوم و فنونے کہ حق آفرید   سپرد آن ہمہ را بدستش کلید
ازان روز کو بست رختِ سفر   ندیدم درین خطہ چون او دگر
یکے آفتابِ جہان تاب بود   کہ او رفت و عالم سیاہی فزود
لچھمی رام نامم گرامیش بود   شد او عالمے برد ازو گنج وجود
ز تعلیم او چون نمودم حساب   گرفتم چو از بحر یک قطرہ آب
غزلہا گہے گفتمے دلربا   گہے نثر رنگین نوشتم بجا
گہے خامہ میلِ خط و خال کرد   گہے طبع محزون ز عشق و زرد
گہے تہنیت نامہا در نوشت   گہے مدحِ شاہانِ نیکی سرشت
بدینسان ہمہ رفت وقتے زدست   کہ ذوقِ سخن گرم ہر جا نشست
بہ ترتیبِ دیوان شدم بدو کار   نشانہ دہ نہالے ہنر از برگ و بار
ز نظم آنچہ در حسن زیبا تر است   ہمہ داخلِ متن آن دفتر است

دگر چون ز نثرِ ختمی کوفتم | به لطفی ز نثرش زرِ سوختم
حکایات آن داستانِ عجیب | نوشتم بنظمی که باشد غریب
چو از کار طوطی سیر در هوا | کشیدم جناحِ سخن بر سما
سوی هفت بحر آوریدم بپیچ | که بود آن رهِ سخت پُر پیچ پیچ
کتابی که از بس سلیس و خوش است | بسی مختصر هم بسی دلکش است
چو شد نثر موزون مرادِ لقریب | بدل ماند صبر و نه در جان شکیب
نوشتم بسی نامه هائی سلیس | که تا کافی آید بمطلب نویس
بسی از گرانمایه و نغز و تر | که از حسنِ معنی رساند خبر
همان واقعاتِ جهانگیر را | تدابیر آن ناظمِ پیر را
ازین ششش کتابت کز دم بجام | بششش سوی عالم شدم نیکنام
ازین پس که افکار و نیا فزود | فلک روی نومیدیم در نمود
ز تاثیرِ اختر به تنگ آمدم | ز پائیکه بودم بسنگ آمدم
شد از دست من رشتهٔ چاکری | بگر دید بختم ز یاری گری
نشد فتحیابی میسّر دگر | بهر روز شد روزِ من تیره تر
دل از بخت شوریده تابش گرفت | بغمهای دیگر سگالش گرفت
اگر چه کنون مسکنم میرٹھ است | زسی سال از دهلی ام فرقت است
هوای از ان بوم در سر نماند | دلم شاخ رفعت همین جا نشاند
درین سال کز گردشِ روزگار | شد از شهری و لشکری کارزار
دو روزه دو شب نقشهٔ بازار داشت | به هنگامهٔ تازه کار و انگشت
ازان پس که این آتش از پا نشست | دلِ شهریان نیز بر جا نشست
پراگندگی گشت از شهر دور | شد از رنج بیجا خلایق نفور

برادر نواز ہمین دوستے — دو مغز چو بادام در پوستے
مقامات علم از جبینش عیان — سخن گوے و دانائے روشن بیان
جہان را عجب سوزشے در سرست — لجے نگر نام بنسی وہر است
درآمد یکے ناگہان از درم — بفرمود و بنشست چندے برم
ورق ہاے چند از کتابے بدست — ازان جام سرشار ناخوردہ مست
بپرسیدمش چیست گفتا کہ من — روان کردہ ام بحر طبع از سخن
فسادے کہ بگرفت اینجا ظہور — نوشتم تمامش بہ طبع غیور
بہ سیرش بیفزودہ ام اعتبار — کہ باید چنین داستان را قرار
بقیدِ کتابت بیاید درست — نباید چنین بو العجب کار سست
بگفت و فرو خواندن آغاز کرد — ورق ہاے پیچیدہ را باز کرد
چو بشنیدم این جملہ رنگین نوا — برآمد ز لب مرحبا مرحبا
بجز حرفِ تحسین ز دل بر نخاست — کہ آن جملہ اندازِ او بود راست
بہر فقرہ اش داستانے نہان — ز ہر لفظ او دُرِّ معنی عیان
ز ترکیب بیگانہ و آشنا — بنائے خوشی کردہ از سر بپا
مرا دل پسند آمد انداز او — نشستم ازان پس پئے سازِ او
بدل گفتم اے یار بس مہربان — مرا ہم درین باغ بود آشیان
ز نظم نوبتِ ہفتمین بر دُہل — ازین رہ کنم مشکلِ کار حل
بہ ہفتم فلک کوس نام آوری — ز نظم بے تامل درین داوری
برین کار اگر دُر فشانی مرا — سر چرخ ہفتم رسانی مرا
ندا آمد از دل کہ دل شاد باش — قلم گیر و بنویس و آباد باش
چو این مژدۂ دل نوازم رسید — فرح فرق شادی بکیوان کشید

بزانو نشستم پئے این رقم ‌ ‌ ‌ دلے کردہ از چار جانب بہم
بیک ہفتہ آنرا نوشتم تمام ‌ ‌ ‌ بہ نثر پسندیدۂ خاص و عام
بسے صاف و رنگین زاغلاق دور ‌ ‌ ‌ بشایستگی از تنافر نفور
کنون چشم دارم زیزدان پاک ‌ ‌ ‌ کہ گنجے برون آورد سرز خاک
درین چند روزش نویسم بکام ‌ ‌ ‌ تمامش کنم تا نگردم تمام
بیا ساقی آب شفق گون بیار ‌ ‌ ‌ سر جام چون آفتابم شمار

در تمہید عناد و فساد

چنین خامۂ نغز پرداز من ‌ ‌ ‌ ہمی گوید از راویان این سخن
کہ در ملک ہندوستان وسیع ‌ ‌ ‌ برسمے کہ دارد شریف و وضیع
یکایک در آغاز جوش بہار ‌ ‌ ‌ نواے طرب خیزد از ہر کنار
ہمہ مردمان ساز عشرت کنند ‌ ‌ ‌ بدل رنج دی را براحت کنند
ہمہ در خیال سماع و سرود ‌ ‌ ‌ ہمہ دف زنان پائے بانگ رود
بہر منزلے محفل آراستہ ‌ ‌ ‌ بہر محفلے رقص نوخاستہ
برقص و سرود و گلال و عبیر ‌ ‌ ‌ ہمہ رنگ بر رو غنی و فقیر
نہ شرمے ز جائی نہ خوفے ز کس ‌ ‌ ‌ تہی مغز ہر یک ز بیم عسس
بدشنام و فحش و مزاح کلام ‌ ‌ ‌ نوازن بہر کوچہ بر بام و سام
ز ہر کار و باریکہ دارد کسے ‌ ‌ ‌ ندارد سر فکر آن را بسے
بسوم شب بسے شور و غوغا کنند ‌ ‌ ‌ ہمہ پا چک و ہیمہ یکجا کنند
بسوزند و آتش فروزند سخت ‌ ‌ ‌ تو گوئی ز آتش برآمد درخت
ہمہ رسم ہولی پرستی بود ‌ ‌ ‌ کہ انجام آئین مستی بود
بگاہیکہ اش جملہ خورد و کلان ‌ ‌ ‌ بگردند ہر کوچہ خاک افگنان

چنین رسم دانند عین سرور / تماشه کنان جمله نزدیک و دور
چو پاسے از ان روز ماند بجا / بری کرده خود را ز چون و چرا
بشویند روے و بدن را ز خاک / بپوشند هر گونه ملبوس پاک
برآیند بهر تماشه ز شهر / کسے سوے باغ و کسے سوے نهر
مبارک سلامت ز هر یک زبان / برآید ببانگ بلند از میان
یکے را یکے گیردش در کنار / دگر را دگر سازدش دست یار
بدین رسم دیرینه در این سواد / که تا حشر زین بوم آباد باد
بآن رسم موعود هر سالگی / همه شهری آماده خوشدلی
شدند و سوے تال سورج شدند / ز معموره بهر تفرج شدند
خرامنده شد جمله پیر و جوان / سوے تال فرخ همه شادمان
چه تالاب با وسعت خوش فضاست / که چشم زمین بلکه عین صفاست
بشورش نظر گر بکار آوری / ز ماهی ورق در شمار آوری
ز صافی آب لطیفش دو حرف / بگویم اگر باشدم صاف ظرف
چنان ساخت در وسعتش کارگر / که در نیمه راهش بماند نظر
دو سویش درختان بهم شاخ شاخ / مکانهاے مرتاضیان بس فراخ
گرت خواهش چشمهٔ زندگیست / چنین تال گلزار شرمندگیست
نویسم چه از نام و پهنائیش / که در بحر هم نیست گنجائیش
چو از طول و عرضش نیابم نشان / خوش ست آنکه کوته کنم این بیان
سخن کوته آن صحن مینو سواد / بیک لحظه شد رشک باغ مراد
بهر سو ز زرین قبایان شنگ / شده جائے بر صحن گلزار تنگ
شد از جلوهٔ سرخ و سبز و سفید / بهار گلستان جنت پدید

روان ہر طرف نازنینان بسے | چمان ہر دو سو مہ جبینان بسے
سر پشت گلگون سوارہ کسے | بہ ہودج درون ماہ پارہ کسے
ز ہر گوشۂ پالکی را خروج | چو از چرخ گردان خروج بروج
یکے حامل مہ رخ گلبدن | یکے مشتری طلعتے را وطن
درون یکے زہرہ سیما بتے | میان یکے آفتاب آیتے
دبیر عطارد رقم بر یکے | مطلا و رنگین قلم بر یکے
ز گردون سواران ہندی نژاد | ملاحت فروشان کیوان نہاد
بسے ہر طرف ہمچو گردون بدور | چو چرخ پر اختر با دراکس عور
بہر مجمعے ز اہل رقص و سماع | ز سر ہوش بینندگان را وداع
ہجوم تماشائیان پیش و پس | فزودہ بدل ہر یکے را ہوس
ز دوکانیان شد چو بازار گرم | شد از چشم بینندگان آب شرم
کسے را بدل ماند طاقت نہ ہوش | ز بازاریان ملاحت فروش

وقوع ہنگامہ لشکریان گسستہ مہار در میلہ سورج کنڈ و گرفتار شدن چند کس بدست شحنۂ شہر و برہم شدن میلہ

فلک حقہ باز یست دیرینہ کار | نماید گہے نار و گہہ آب نار
گہے شربتے بے غمی در دہد | گہے کسوت ماتمی در دہد
ز انجم برآراستہ انجمن | چو گلہاے رخشان بصحن چمن
بہم بر زنے چشم برہم زند | نواے طرب صور ماتم زند
اگر گوشے افروزد از بانگ رود | کند چہرہ از ضرب سیلے کبود
بسے کوکبے سعد تابندہ کرد | بسے انجمن ہا پراگندہ کرد
بسے سینہ ہا را ز دل زنگ برد | بسے را ز رخ رونق و رنگ برد

چراغ زمشرق برآرد پگاه — بمغرب کند جائے او شامگاه
اگر پرچم ماه سازد بلند — نگون سازدش از جماقِ گزند
ز کس را از و چشم آلودگیست — ولے را نه امید بهبودگیست
چو نتوان دلے مهرجو یافتن — عنان تافتن به از و یافتن
چنین گوید آن راویِ تر زبان — ز آغاز و انجام این داستان
که چون آن گران میلۂ جانفزا — ز هر چار سو گشت راحت روا
که ناگه ز یکسوئے بانگِ بلند — زمین آسمان را بهیبت فگند
طپش در دلِ پیر و برنا فتاد — دمِ صور در نار شهنا فتاد
ز هیبت رخِ همگنان زرد شد — ز عشرت دلِ هر یکے فرد شد
بجا ایستادند و حیران شدند — ز جمعیتِ دل پریشان شدند
ولے بے خبران صدائے مهیب — که چون شور محشر نبودش شکیب
خروشے بهر لحظه افزون شدے — ز بیمش بهر دم دلے خون شدے
نه تابے که پائے بگیرد قرار — نه صبرے که هوشے کند انتظار
سکون از دل و طاقت از سر بپیچ — که گردون هوائے دگر آفرید
هنوز ارچه از حال آن ماجرا — نشد آگهی هیچکس را بجا
ز بیم و هراسے که در دل نشست — پئے رفتنی راه رفتن ببست
همه بر خبر گوش و چشمے براه — که از ماہے آرد کسے انتباه
همه اندرین فکر و جویائے زار — که آمد یکے گفت پوشیده باز
بدینسان خبر یافت رنگِ ظهور — که هر طرف این میلۂ بے قصور
زنِ خوو فروشے بگردون سوار — چو مه یافت در برج گردون قرار
بدورش تنے چند ز اہلِ سپاه — زده حلقه چون هاله بر گرد ماه

بگفتار کم وزن طنز و فراخ / بدشنام ہاے و تقبیح و فراخ
بگفتار دل دوز سینه شگاف / ز پُر شهوتی با زبان جملات
چنان چپقلش ہا شده بیدرنگ / که در جوف گردون شدش جاے تنگ
نه راہے که از دست شان وا رہد / نه پائے که از پرده بیرون جهد
نه پائے که او در گریز آورد / نه دستے که با ہم ستیز آورد
بصد چاپلوسی گرفت آن بناز / که دیگر نماندش نیاز بے نیاز
ولے آن حریفان چالاک دست / بہ سر جوششے نشّہ جہل مست
غرض تنگ کردند و حیران ترش / ازین خود سر بیہا پریشان ترش
زمانه چو این شعله بالا کشید / عسس ہم سر وقت ایشان رسید
نخستین زبان را به نرمی کشاد / نشد کارگر چون بگرمی کشاد
نکردند بر گفته اش گوش راست / بکم التفاتی که این از کجاست
چو دید آن چو انجم و نیکو سرشت / چنین ناکسان را درین کار زشت
یکے را از انها گرفت و ببست / ز سر رونق کار ایشان شکست
گرفت و بجنبید از جائے خویش / قدم بر قدم سوے ماواے خویش
چو دیدند کز ما یکے گشت کم / دگر باره شد آن جماعت بہم
ازان پاره ماه رو تا فتند / چو ابر پراگنده بشتافتند
بسوے عسس گام کردند تیز / چو سر سر بجنبش ہمه گرم خیز
بدامن گرفتند سنگ و کلوخ / که حرف جہل را شود تا رسوخ
فگندند بروے بسے خشت و سنگ / نکردند در کار اصلا درنگ
دران دار و گیر از ہجوم کسان / عسس را رفیقان شدند از میان
ازان سنگ باران که آمد بجوش / غرورا برون رفت از مغز ہوش

وزین خشتگان متصل مے فتاد زباران نیسان همی داد یاد
بسے چاره کردند آن گمرهان نشد کارگر پیش آن نوجوان
بلے آن شجاعِ تهمتن نژاد عجب دادِ مردانگی ها بداد
کسش اندران معرکه یار نے در آن خشت باران سپردار نے
ز همراهیان هم چو پاشان شدند ز قیدِ رفاقت پریشان شدند

حمله آوری لشکریان بهیئت اجتماع بر شهر و محفوظ ماندن عسس از دست آن نابکاران و مخروج شدن چند کس اسیران

چو روزِ دگر را سپر شام شد جهان تیره چون روز ناکام شد
جوانان سرِ قتل و خون آمدند بعزمِ شبیخون برون آمدند
عنان سوے معموره برتافتند سوئے شحنهٔ شهر بشتافتند
چو برقے که ریزد سرِ کشت زار چو سیلے که تیز آید از کوهسار
چو ابرے که خیزد ز بالاے کوه بدینسان ز دیوار شهر آن گروه
فراز آمدند و روان ریختند بهر کس که پیش آمد آویختند
نکردند در قتل و غارت دریغ ز چوبها و سنان و ز شمشیر و تیغ
کسے را بریدند دستش ز دوش کسے را بضربے ز سر رفته هوش
کسے بر کمر خورد و کس بر سرین شده پشت یک کس چو نقش و نگین
بدین رنگ تا وسط بازار شهر رسیدند با چشم خونین ز قهر
پراگنده شد جمله بازار ها دل و دست ها رفته از کار ها
شدند آن دکانها همه تخته بند که از آسمان اینک آمد گزند
همه جا درے بسته شد در زمان نگه هر یکے را سوے آسمان

کسے را بدل خوفِ مال و متاع — کسے بہر ناموس در الوداع
بزیرِ زمین کرد نقدی یکے — ازین رہگذر جمع شد اندکے
ز آشوب و ہنگامۂ این فساد — تزلزل در اعمادِ شہر اوفتاد
بگرمی ز لیس پیش و پس آمدند — دوان تا مقامِ عسس آمدند
در آنجا نہ بد شحنہ چون جانگیر — تجسّس نمودند ہر سو دلیر
چو در کوئے مطلب نبردند راہ — دگر بار گشتند آرزم خواہ
بدر خانہ اش آتشے در زدند — تو گوئی کہ این آتش از سر زدند
چو آتش ازان خانہ بالا گرفت — ز دودش اثر در ثریا گرفت
فلک نیلگون شد سراپائے او — کہ نشست این دود ہر جائے او
شرارہ ازان شعلہ رخشان شدہ — پُر اختر زمین آسمان سان شدہ
چو در وسط بازار افروخت چہر — کہ خورشید محشر بوسط سپہر
ازان آتشِ شعلہ ور در زمان — قیامت سمان گشت بر شہریان
شد اندر زمان چون قیامت پدید — کسے زان بلا رستگاری ندید
ہمہ شوخ چشم و گسستہ مہار — در آن گرمیِ آتش کارزار
شکستند قفلِ دکانہائے چند — ببردند سودا از انہائے چند
تنے چند را ہم بضربِ سنان — فگندند بر جائے خود نیم جان
ببردند کشتند و برداشتند — بسے کیسہ از غارت انباشتند
پس از ساعتے زان ہمہ دار و گیر — بناکام رفتند پس تا گزیر
چو این فتنہ از شہر شد بر کنار — ز تیزی نشست آتشِ اخطر آر
ولے از غمِ اینکہ آن جاہلان — نرفتند ناکام چون مقبلان
صبا واکہ رنگے دگر آوردند — دگر حملۂ بے خبر آوردند

ازین غم فرو ماند مردم زکار
دو روز و دو شب جملگی بے قرار

ہمہ بیخور و خواب و بے تاب و نوش
چو تمثال آئینہ برجا خموش

ہمہ بستہ درہا بروے کسان
زمان در زمان بر زبان الامان

بلے اینہمہ اضطراب و تعب
نہ بیجاست کاورده جانہا بلب

ہم از قدرت و حکمتِ ایزدیست
مراورا ہمہ فکر نیک و بدیست

درین کار بودند شیخ و چہ شاب
کہ آمد ز در حاکمِ با نصاب

ہمین کار فرمائے این کارگاہ
بحشمت زده بر فلک بارگاہ

مہمات ملکی و مالی ازو
گرفتہ زسر رونق و رنگ و بو

بتمکین چو کوه بسرعت چو سیل
دوان در پیش ناظمان خیل خیل

زہے مشتری چہر کیوان سریر
چو بہرام چندین بہ بندش اسیر

جلا بخش آئینۂ عدل و داد
صفاے دہ سینۂ نامراد

قضا را ز حکمش بود ناگزیر
بلے حکم او ہست پرتاب تیر

بکرسی نشینی علم در جہان
پئے خنجر فوجدارے نشان

مہمات ملکی و مالی درست
ز تدبیر او ملک را کار چست

ہنرپرورے ساحری در کلام
ارسطو لقب بل فلاطون غلام

سکندر منشے بلکہ دارا وشے
گہِ خشم سوزنده چون آتشے

چو رحم آورد ابر رحمت شود
گہِ قہر چون برق زحمت شود

نشانے اگر خواہی از وے بنام
بسر پلو ش بگو بند عام

زہے کافتاب کمیت جود او
بہ لعل بدخشان دہد رنگ و بو

بتاجد اگر بر سپہر فاکب زرد
کند ذره اش را طلا فرد فرد

خجے ابر رحمت کہ دریا کنار
اگر ہمچو نیسان شود قطره بار

در آمد سوئے خانۂ سوختہ
نظر بر رخ ہر یکے دوختہ
حکایت چو از دردمندان گرفت
سر انگشت حیرت بدندان گرفت
زہر یک بہ پرسید از حال دوش
قلم بند کردہ ولیکن خموش
چو فارغ شد از پرسش حال شان
ہویدا بر و گشت جملہ نہان
در آمد ز در شاہد انبساط
نوی کرد در دہر رسم نشاط
کہ تا ظلم سر ز کرسیِ زر نشست
کمر در پئے عدل وانصاف بست
بر آراست دیوان با جلاس عام
خبر جست از ہر در و ہر مقام
کہ تفتیش آن حال پنہان کند
ہمہ مشکلے کار آسان کند
چو گروو بر او کشف این ماجرا
بدان شانکہ باشد سزا و بجا
قصاصے بغالب بریشان دہد
بہ بیچارگان نیز تا وان دہد
ازین مژدہ بالید بر خویشتن
جہان شد فراموش رنج کہن
زشادی بر افروخت او بر یکے
ز کلفت نشانے نماند اندکے

صفت دکان حلوائی

ز حلوائے قناد شیرین زبان
برین صفحہ چون سر کنم داستان
صفا ہائے شیرینیِ رنگ رنگ
کند نقد جان بر خریدار تنگ
ز صابونیش نرم تر کن سخن
مباد آب گردد درون دہن
شکر گیج بادام نقلش بسر
کند تیز دندانِ خستہ جگر
شکر پارۂ رنگ رنگش بہ بین
بران صافیِ دست گو آفرین
تعالی اللہ آن کان قند و نبات
کہ یک حرف او مایۂ صد حیات
بشیرین کلامی زند چون نفس
نخیزد ازانجا کسے چون مگس

صفت دُکان تنبولی

زتنبولی آمد چو برگِ سخن   زوصفش زبان لال شد در دہن
سپاری اگر صد دل او را بھر   کند سینہ چاکت ازان خوب چہر
زوصفش گذر یکسرو تہ مکن   چنین نامۂ نغز را ای سخن
فلک چون نیارد پئے این دُکان   ورقہاے مہر و مہش جاے پان
عجب ساحری سازد آن خوش پسیچ   کہ از برگ سبز آورد لعل تر
زہر یک ورق کو بگرداندش   بھر تہ دلِ تازہ بنشاندش
قضا را اگر آید مُوش در شمار   بہ بدنامیٔ داغ افتد زکار

ندارد کسے سرخروے امید
مگر این کہ از پانش آید نوید

صفت دُکان بساطی

بساطی فرو چید مینا فروش   کہ بُرد از سرِ چرخ گردندہ ہوش
بسے حقہ ہا پر ز سلکِ عدن   چو دندان گلپھرگان در دہن
بسے شانہ از عاج و از چوبِ تار   پریشان کن کاکلِ زلف یار
بسے جنس خوشرنگ چین و فرنگ   بسطحِ زمین چیدہ باآب و رنگ
زآئینہ ہاے بلوّر و حلب   دُکان را بہ آراستہ جا زلب
در آئینہ از عکس چرخِ کبود   ضیائے فلک را دو بالا نمود
ازان دورِ پنہاے جادو نشان   عیان گشتہ کیفیتِ آن جہان

زجادو نگارانِ مانی رقم
مرقع بسے کردہ یکجا بہم

صفت دُکان تماکو فروش

کجا دم زنم من ز قلیان پرست　　که دودِ چلمش مرا کرد مست
برآرد دمار از دماغ اثیر　　زخوبان چو دودش شود سوج گیر
چو دودِ چلمش برآرد بہار　　تو گوئی برون آمد از سلہ نار
غلط گفتم و ناپسندیدہ تر　　کہ از شاخِ گل سنبل آید بدر
دمے غلغلے گر تپش سر زند　　ہمہ بانگ یا ہو برابر زند
ز دودش دماغِ پراگندہ نیست　　کسے نیست کین دود را بندہ نیست
بسوزِ سرش دل نہ سوزد کسے　　ز رُو گرمئے مہر بیند بسے
بریزند تا آتشے بر سرش　　نیابند اکسیر خاکسترش
بسے تازہ مہر است و بس گرم تو　　ندارد کہ گفت آب اندر جگر
بسر اخگرش روشنان را چراغ　　گلش دادہ از مشک چین فراغ
پئے دل کشان یار و دمساز کس　　انیسے و گوشے بر آو از بس

صفت دست فروشان (یعنی خوانچے والا)

کسانیکہ بودند دستی فروش　　ہمہ خوان ہر گونہ چیزے بدوش
ہمہ چاشنی بخش کام و زبان　　حلاوت دہِ کام روحِ روان
بہر سو روان با صدا انداز وناز　　بآواز نرم و حزین نغرہ ساز
دہی کے بڑے چاند سے جگمگے　　پتّنے اور پستہ شکر میں پکے
بنائی کئی طور کی ہے گی سونٹھ　　سلونی مصالحہ کی ہے دال موٹھ

تشیلی وہ معجون ہری اور بھری
گزک بھی کئی طور کی ہے دھری

مشتاق - پنڈت کنہیا لال کول شرغہ صاحب خلف پنڈت مہتاب رائے صاحب۔ آپ کے برادر خورد پنڈت موتی لال کول شرغہ صاحب تھے۔ ۱۸۵۲ء میں آپ محافظ دفتر اسٹیٹ کونسل بھرتپور مقرر ہوئے تھے۔ اور جب مہاراجہ جسونت سنگھ صاحب کو اختیارات ملے تو اجلاس خاص کے عہدۂ میر منشی پر ممتاز کئے گئے۔ ۱۸۷۹ء تک میر منشی رہ کر بعارضۂ بخار ۵۲ سال کی عمر میں خلد بریں کی راہ لی۔ آپ کی زوجہ محترمہ جو پنڈت بھولا ناتھ زتشی صاحب کوتوال ضلع متھرا کی دختر تھیں بہت عرصہ پہلے انتقال کر چکی تھیں۔

آپ کی ایک دختر پنڈت موہن لال صاحب گنجو کو بھرت پور میں بیاہی تھیں جنکے دو لڑکے کنور کشن جی گنجو اور سر تاج کشن جی گنجو ہیں۔ کنور کشن جی گنجو ویدک پریس اجمیر میں فورمین ہیں۔ کتاب "مجمع البحرین" مولفہ پنڈت درگا پرشاد صاحب عاجز میں حضرت مشتاق کی چند رباعیات در محاسن خاموشی نظر سے گذریں وہ حسب ذیل ہیں۔

رباعیات

خامشی پیکریست حور جمال — کہ بود انتہاش وصل ووصال
افضل الطاعت ست در رتبت — غایتِ آن بود کمالِ کمال

ایضاً

خامشی راست جلوۂ و ہم نور — وان دہد نورِ شاہدِ مستور
صفتش گفتن از توان دورست — خامۂ خام چون کند مسطور

ایضاً

خواہم از حق سرور خاموشی — تا فتد بر دل چو نور خاموشی
بد حسبت این جلال کس گوید — غیر فانی حضور خاموشی

ایضاً

باش مشتاقِ خامشی مشتاق — تا بیابی صداقتِ عشاق
وِرد تا مش کن وز غیر خموش — کر شوی رستہ از غم آفاق



پنڈت نرنجن ناتھ صاحب۔ مشتاقؔ

خموشی گوہر دریاے عشق است　　خموشی مظہر سوداے عشق است
بشو مشتاق در کنج خموشی　　خموشی رہبر صحراے عشق است

ایضاً

خموشی جوہر شمشیر عشق است　　خموشی شعشۂ تنویر عشق است
بود اکثر پسندم چون نہ مشتاق　　خموشی نسخۂ اکسیر عشق است

ایضاً

از خموشی دیدہ ام در خواب رشکِ حور را　　کے پسند آرم بخاطر طوفِ کوہِ طور را
سینۂ صافی مشتاقِ وصالِ دلربا　　موجدِ صبحِ تجلی شد شبِ دیجور را

مشتاق - پنڈت نرنجن ناتھ صاحب عرف صاحب خلف جناب پنڈت بشمبھر ناتھ صاحب دہلوی۔

آپ کا مقام ولادت دہلی ہے۔ ۱۸۵۶ء میں آپ پیدا ہوے تھے اور ۱۹۱۲ء میں آپ نے بمقام الہ آباد بعمر ۵۶ سال وفات پائی۔ انگریزی کی تعلیم آپ نے آگرہ کالج میں پائی اور عربی و فارسی گھر پر پڑھی تھی۔ ملازمت کی پابندی آپ کو کبھی نہیں ہوئی۔ پنڈت رتن ناتھ در سرشار اور پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجر آپ کے ہمعصروں میں تھے۔ آپ کی لیاقت فارسی اعلیٰ درجہ کی تھی اور اپنے ہمعصروں میں مستند مانے جاتے تھے۔ زیادہ حصہ آپ کے کلام کا رسالۂ مراسلہ کشمیر میں زینت بخش ہوتا تھا۔

نظم

طبعِ خموش کام ذرا لے زبان سے　　ہاں تیغ آبدار نکل اب میان سے
کاٹ حاسدوں کو تیزیِ سیفِ بیان سے　　جوہر کی داد چاہیے ہر قدرداں سے
جلوہ دکھا کہ چرخ پہ مہتاب دنگ ہو
غیرت سے ہر عدو کا سیہ تاب رنگ ہو

ہاں معرکہ میں آج تری آبرو رہے — دل حاسدوں کے خون ہوں سرخ رو رہے
پھل پھول سے ہرا شجرِ آرزو رہے — دل آب ہو کہ جس سے رواں آبجو رہے
دے نور صورتِ یدِ بیضا بیاض کو
ہاں کاٹ مثلِ حرفِ غلط اعتراض کو

ہاں صاحبِ قلم و شعر و سخن ہے تو — بلبل کی طرح رونقِ بزمِ چمن ہے تو
ہاں ذاکرِ فسانۂ رنج و محن ہے تو — سوزِ دروں سے صورتِ شمعِ لگن ہے تو
طبعِ گداز آج وہ مضمون گرم کر
ہر سنگ دل کو موم صفت آج نرم کر

للہ رحم کیجئے نادار قوم ہے — کچھ ایسی بالعموم نہ زردار قوم ہے
اسراف کی سناں سے دل افگار قوم ہے — گویا زبانِ حال سے ناچار قوم ہے
ہر ماں کا قول ہے کہ جگر میرا پھٹتا ہے
لڑکی کی عمر بڑھتی ہے خوں میرا گھٹتا ہے

حالت کسی کی ایسی الٰہی بتر نہ ہو — اے اہلِ قوم تم کو ذرا بھی خبر نہ ہو
مشتاق کے کلام میں کیونکر اثر نہ ہو — ممکن نہیں کہ اشک سے رومال تر نہ ہو
گر سنگ دل بھی ہو تو جگر سن کے آب ہو
ماہی صفت تپاں دلِ پُر اضطراب ہو

دنیا میں کون درد ہے جس کی دوا نہیں — ہاں بے علاج ہو تو بہتر شفا نہیں
اسراف ہی سے قوم کا دل پک گیا نہیں — اتنی قباحتیں ہیں کہ کچھ انتہا نہیں
تعلیم لڑکیوں کی جو لڑکوں کے ساتھ ہو
دولت بھی علم و عقل بھی سب اپنے ہاتھ ہو

نظم در مدح پنڈت رتن ناتھ صاحب اڈیٹر اودھ اخبار

اے ہمنفس انیس سے خالی جہاں ہوا ہاں آفتاب چرخ فصاحت نہاں ہوا
شتاق کمترین جو ہم داستاں ہوا فیضِ منقلدی سے فصیح البیاں ہوا
تحسین سخن شناس کی میرا صلہ ہوا
اظہار مدعا کا مجھے حوصلہ ہوا

باغ جہاں میں شاعر رنگیں بیاں ہے وہ حقا کہ آج بلبل ہندوستاں ہے وہ
طغرائے نظم و نثر میں آج ہمزباں ہے وہ اخبار جسم عقل ہے اور اسکی جاں ہے وہ
دُر عدن سے آب میں افزوں کلام ہے
دُر ہے وہ قصر علم کا ر۔ن نام ہے

ہر شہر میں فسانۂ عالی کی دھوم ہے چرچا اسی کا ہند سے اور تا بہ روم ہے
کثرت سے شائقین کا ہر جا ہجوم ہے آزاد قید غم سے ہر اک بالعموم ہے
حسنِ سپہر حسن کی شہرت ہے عام میں
کیا فرسوشاں ہے اسکے ہمایوں کلام میں

مسدس

شتاق معرکہ میں دہن کھوتا ہے آج سن لو کہ عندلیب چمن بوتا ہے آج
مضموں نہیں ہے دُرِ عدن روتا ہے آج اعجاز ہے کہ آپ سخن بوتا ہے آج
ہاں دوستوں کی طبع کو خورسند میں کروں
کھولوں زباں۔حسود کا دم بند میں کروں

کشمیر کی ہوا سے معطر دماغ ہے ہاں کثرت نشاط سے دل باغ باغ ہے
خنداں برنگ گل مرے سینہ کا داغ ہے صہبا ہے اشک دیدۂ پرنم ایاغ ہے
رنگیں ہے کیف سیر سے تار نگاہ بھی
ہے سبزہ دانہ اشک کا اور سرو آہ بھی

ہمیں مراسلہ کی عدو گفتگو کریں   مردی کا زعم ہے تو سخن روبرو کریں
رخنے ہزار اس میں اگر عیب جو کریں   تارِ نگاہ فہم سے عاقل رفو کریں
تیغ جواب قطع کرے اعتراض کو
کاغذ پہ دو کرے یہ سوادِ بیاض کو

ہے باغ اتحاد و محبت کا یہ شجر   تہذیبِ قوم و منفعتِ علم ہیں ثمر
حیراں ہے نخل بند کی صنعت پہ ہر بشر   ہوتا ہے ہر مہینہ میں یہ نخل بارور
کیسے حبیبِ قوم کا یہ یادگار رہے
یہ وہ چمن ہے جس میں ہمیشہ بہار ہے

دیگر

طبعِ حزیں وہ تیری بلاغت کہاں گئی   شہرا تھا جس کا اب وہ فصاحت کہاں گئی
مضموں ہے بے نمک وہ ملاحت کہاں گئی   جودت وہ کیا ہوئی وہ ذکاوت کہاں گئی
ہاں غم سے فکرِ شعر کے کب مجھکو تاب ہے
کیا خاک اب ترے دُرِ مضموں میں آب ہے

ہے مجھکو بس کہ اُنس کلامِ انیس سے   رہتا ہے ذوق اُس کے کلامِ نفیس سے
خواہش نہیں ہے زر کی امیر و رئیس سے   ہے شاد طبع اپنی کلامِ سلیس سے
اپنی تو فنِ شعر میں اُستاد طبع ہے
شیریں اگر سخن ہے تو فرہاد طبع ہے

اشکِ سیہ بجائے قلم سے رواں ہے آج   شادی کی داستان میں غم کا بیاں ہے آج
لب بند ہیں سکوت میں پیر و جواں ہے آج   ہاں اشتعالِ آتشِ سوزِ نہاں ہے آج
ظاہر ہے دود آہ سے ہر دل کباب ہے
اظہارِ حالِ زار میں اب کیا حجاب ہے

ہاں اے عروسِ فکر ادھر آ کروں سنگار پہناؤں تارِ اشک سے میں موتیوں کا ہار
بہرِ شگونِ نیک ادھر چشمِ اشکبار تر کر رہی ہے آئینۂ رُخ کو بار بار
مردم جو تیرے پنجۂ مژگاں کی لیں بلا
دل بس وہیں پکارے کہ آنکھوں میں بیٹھ جا

آمد برات کی ہے عجب مچ رہا ہے غل نوشہ پہ چترِ گل ہے رواں تختِ ہائے گل
بارانِ آب و گل سے معطر ہیں جزو و کل وہ روشنی ہے جھاڑ کی مہ کا چراغ گل
ہر امر میں غرضکہ تجلی دوچند ہے
روشن ہوا یہ قوم نمائش پسند ہے

چرخی سے چرخ میں ہے سر چرخ سربلند مہتاب کا دھواں بھی ہوا تا فلک بلند
گولوں کے چھوٹنے سے بھڑکنے لگے سمند ہے خوف راہ رَو کو نہ پہونچے کہیں گزند
لگ جائے آگ مال ہزاروں کا پٹ کرے
چالان ہو پولیس میں جو کوئی رپٹ کرے

پروا نہیں ہزار اگر قرض وام ہو ایسی سبیل ہو کہ بزرگوں کا نام ہو
سرمایہ ساری عمر کا اک دن تمام ہو بے سود رات دن یہی سودائے خام ہو
یہ زخم وہ ہے جس کا کہ مرہم بہم نہیں
طعنِ سنانِ نیزہ سے کچھ تان کم نہیں

مشتاق مرحوم نے ایک عجیب قانع اور بے تکلف طبیعت پائی تھی۔ ایک مرتبہ بھی جس نے آپ سے نیاز حاصل کیا وہ آپ کی متانت، منکسر المزاجی، بذلہ سنجی اور خوش اخلاقی کا ہمیشہ مداح و ثنا خوان رہا۔ آپ کا حافظہ اس قدر زبردست تھا کہ احباب گھنٹوں آپ کے پاس بیٹھے رہتے اور مختلف اساتذۂ فارسی و اُردو کے اشعار سنتے رہتے تھے۔ شعر خوانی کا یہ حال تھا کہ گویا ایک دریا اُمنڈا چلا آتا ہے۔

جسٹس محمود مرحوم کی بے تکلفی آپ کے ساتھ اس قدر تھی کہ وہ خود اکثر شام کو آپ کے مکان پر چلے آتے تھے اور دس گیارہ بجے رات تک شعر خوانی کی صحبت گرم رہتی تھی جسٹس مرحوم آپ کو بھائی مرزا مشتاق کہا کرتے تھے۔ پنڈت رتن ناتھ در سرشار کی چلبلی طبیعت اور پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجر کی شستہ زبان کا آپ ہمیشہ اعتراف کرتے رہے۔

مسدس

عالم ہے محوِ حسنِ عروسِ سخن پہ آج ۔۔۔ پروانوں کا ہجوم ہے شمعِ لگن پر آج
قربان مہر و ماہ ہیں دولھا دولھن پر آج ۔۔۔ کیا اوس پڑ گئی ہے بہارِ چمن پر آج
چہرے کی تاب سے رخِ خورشید فق ہوا
پائے حنا کے ہاتھ سے خونِ شفق ہوا

آمد ہے آفتاب کی اور صبح کا ہے نور ۔۔۔ روشن لبوں سے ہے یا کہ تجلیِ کوہِ طور
الحاں سے ہیں خواں ہیں برہمن لبصد سرور ۔۔۔ گانا مخدرات کا با زینت و شعور
احسنت عقل بانیِ شرعِ متین پر
بھیجو درود روحِ بزرگانِ دین پر

در صفت سری کشن جی

بسدیو جی کو شب وہ کٹی اضطراب میں ۔۔۔ زلفوں کی طرح دیوکی تھیں پیچ و تاب میں
چمکا سہیلِ دامنِ شب کے جواب میں ۔۔۔ وہ نور جس کی تاب نہ تھی آفتاب میں
فضلِ خدا کی قدرت و طاقت سے کھل گئے
زنداں کے سارے قفل کرامت سے کھل گئے

بطنِ جناب دیوکی سے شیر ذوالجلال ۔۔۔ پیدا ہوا پدر کو مسرت ہوئی کمال
سرسبز باغ دہر ہوا سب ہوئے نہال ۔۔۔ طالع ہوا جہاں میں یہ شمس بے زوال

گھنشام سارے برج کا ماہِ تمام تھا
پُر نور اُس کے فیض سے ہر خاص و عام تھا

خوفِ جفائے کنسِ ستمگار و نابکار — بسدیو جی کے دل کو ستاتا تھا بار بار
گھر نند جی کے پہونچے وہ دریا کو کر کے پار — جسمت کی گود میں دیا وہ دُرِّ شاہوار

پرتو سے اُس کے ماہ کا دل داغ داغ تھا
جسمت کے گھر کا وہ گُہرِ شب چراغ تھا

بسدیو جی نے چاہا کہ دریا کریں عبور — آپ آ گئیں کنارے پہ جمنا پئے حضور
یہ چاہ تھی ثواب زیارت کا ہو ضرور — اور پھر ہوں صدقِ دل سے قدمبوسِ پاک نور

گرور نے اپنا پائے مبارک بڑھا دیا
جمنا نے اُسکو آنکھوں سے اپنے لگا لیا

بارش کے دن تھے اور تھا دریا چڑھا ہوا — بالکل اندھیری رات تھی پانی بڑھا ہوا
بسدیو جی کو فکر و تردد بڑا ہوا — پل بھر کا آپ بہرِ مدد آ کھڑا ہوا

ہاتھوں پہ لے کے جانبِ دریا رواں ہوئے
اُس ماہ کی جلو میں ستارے رواں ہوئے

مثنوی

لکھو پڑھو حصول کرو اعتبار کو
ڈالو نہ کم سنی میں تاہل کے بار کو

نہیں ہے یہ مضمون شادی نرا — بہت عمدہ مارل ہے اس میں بھرا

تصویرِ عروس

وہ پاکیزہ ایک صوفیانی سی گون — صفائی کو جس کے بھلا پائے کون
مشجر بنے اُس پہ نقش و نگار — گل بیل بوٹے کی گُل کی بہار

وہ ریشم کے کپڑے سبک زیب تن — بنی ننھی پری وہ نویلی دولھن
وہ باریک چہرے کے اوپر نقاب — تہِ ابر جیسے چھپے آفتاب
وہ گلدستۂ نیلوفر اور گلاب — لئے گورے ہاتھوں میں باآب و تاب
پڑے بال شانوں پہ مشکِ ختن — مہکتی چلی غیرتِ یاسمن
کمر نازکی سے لچکتی ہوئی — وہ بازو پہ پاپا کے جھکتی ہوئی
ہوئی چرچ میں محو خلقِ خدا — سراپا عیاں اُس سے نورِ خدا

تصویر شاہ

وہ دولھا بھی کپتان خوش رو جوان — سپاہی دلیر و حسیں خوش بیان
ٹینس کپیٹن گل چلا من چلا — کرچ قبضہ میں اور گلے پر تلا
وہ پیراک اور کرکٹر لاجواب — دبلی۔ ناچ گانے میں بھی انتخاب
پڑھا چیپلن نے پھر اُن کا نکاح — تعلق ہوا شو و زن کا مباح
خوشی کا بجا باجا گھر کو پھرے — ہوا وصل فرقت کٹی دن پھرے
چُنے میز پر تحفہ جات ویڈنگ — نفاست کرے جن کو گڈ مارننگ
ملیں ہنسنیں شوخ و بیباک سے — کٹی کیک اُس دستِ چالاک سے

مے کیف سے خم اُبلنے لگے
اُدھر جام صحت کے چلنے لگے

فضول خرچی

کب تک اس رازِ دل کو پنہاں کیجئے — تا چند یہ ضبطِ آہ و افغاں کیجئے
قلت تو معاش کی ہو اولاد کثیر — کس بات کی چاہ کس کا ارماں کیجئے

ہو جس کسی کے ایک فضولی کیا کرے — حضرت اگر کسی کے کئی ہوں وہ کیا کرے
نادار کیا امیر بھی ہو۔ تا کجا کرے — قاروں کا گنج بھی نہ کبھی اکتفا کرے

ہمپر یہ رحم خالقِ ارض و سما کرے
اصراف کی بلا سے جدا بس خدا کرے

اپنا یہ دھن نہیں ہے پرایا یہ مال ہے — بیچاری لڑکیوں کا بھی مہماں کا حال ہے
لڑکی دُرِ خوش آب ہے لڑکا جو لال ہے — دونوں ثمر ہیں گل ہے یہ وہ تونہال ہے

نافہمی و فضولی کے اوپر خدا کی مار
جو پھول ہو وہ آنکھوں میں کھٹکے مثالِ خار

دونوں ظہورِ قدرتِ ربِ جہاں ہیں یہ — گلدستۂ حدیقۂ کون و مکاں ہیں یہ
نورِ بصر ہیں باعثِ آرامِ جاں ہیں یہ — دونوں ہی والدین کے نام و نشاں ہیں یہ

ناحق کا رنج آپ کو یہ بے سبب ہوا
لڑکی اگر ہوئی بھی تو پھر کیا غضب ہوا

اتنا نہ اس کے واسطے رنج و الم کرو — خالق نے عقل دی ہے فضولی کو کم کرو
اے منعمو نمود نہ جاہ و حشم کرو — اپنے غریب بھائیوں پر بھی کرم کرو

بیجا یہ زعم دولت و ثروت کہاں تلک
تعلیم و تربیت سے یہ غفلت کہاں تلک

تقدیر کے لکھے کی شکایت فضول ہے — بندے کو جو رضائے خدا ہو قبول ہے
لے کام عقل سے یہی اصل الاصول ہے — انجام خوش اسی کی بدولت حصول ہے

کھلنے ہیں جتنے پھول چمن میں کھلیں گے سب
جتنے کہ پھل نصیب میں ہونگے ملیں گے سب

در صفت مذہب مقدس ہنود

کر ذکر حق حیات کا کیا اعتبار ہے — باقی رہا جو ایک وہ پروردگار ہے
بڑھکر ہے سب سے اصل میں یہ مذہب ہنود — گلزار یہ ہے اور خس و خار زار ہے

ہر گُن کو دیکھ گر تجھے نرگُن نہ ہو پسند ہر جلوہ اس طریق میں یاں آشکار ہے
سرسبز ہے سدا چمنِ مذہبِ ہنود یہ باغ وہ ہے جس میں ہمیشہ بہار ہے
سب سے قدیم و افضل و اعلیٰ و پاک ہے لاریب ہے ازل سے یہی برقرار ہے
ثابت قدم ہو اپنے بزرگوں کی راہ پر مشتاق تیری طبع کو کیوں انتشار ہے
آنکھیں کھلی ہیں آپ کے مشتاقِ دید کی
دل کو جنابِ رام کا بس انتظار ہے

تعلیم

تعلیم دو کر فرض تمہارا یہ عین ہے شادی ہو اُس کی جسکا سبق عین غین ہے
انساں کی علم و فضل سے سب زیب و زین ہے ثمرہ اسی کا راحت و آرام و چین ہے
بے تربیت نہ طفل کی وقعت ہو زینہار
گو موتیون کا ہار ہو اُس کے گلے کا ہار
یوں نوجواں ہوں قوم کے یارب سجے ہوئے ہاں بازوؤں پہ جوشنِ ہمت بندھے ہوئے
تحصیل علم پر وہ کمر ہوں کسے ہوئے تہذیب و عقل و فہم کا جامہ بنے ہوئے
ہیں گوندنی بنتے ہوئے زیور کے بار سے
باز آئے ایسے پیار سے اور اس دُلار سے
یارب ہماری قوم سدا شاد کام ہو اصراف کی بلا سے مصئون مدام ہو
باآبرو جہاں میں رہے نیک نام ہو آبِ حیات عیش سے معمور جام ہو
ہاں شاد دوست اور عدو پائمال ہو
علم و ہنر کی اس میں ترقی مدام ہو

بہ ولادت فرزند دوستے

وے شرب لطیف مونس خوش اطوار ہے باغ جہاں میں آمدِ فصلِ بہار

پیتے ہی دماغ و دل کو فرحت ہو جائے
زائل سب رنج و فکر و کلفت ہو جائے

اعجاز دکھائے ذہن و جودت اپنا
عالی مضموں ہو دست بیعت اپنا

دروازۂ گلشن معانی کھولے
ہاں اپنے قلم کا آج طوطی بولے

ہاں مطرب کلک نغمہ پیرا ہو جائے
قربان صدا فلک پہ زہرا ہو جائے

اک چونچ پہ بلبل چمن پھولا ہے
یہ خامۂ دو زباں نہیں دیکھا ہے

ہاں چھیڑ ترانۂ مبارکبادی
ہے جائے مسرت و خوشی و شادی

صد شکر سپاس واہب بے منت
اس نور بصر کی آج دیکھی صورت

جو اس کا ہوا خواہ ہو وہ شاد رہے
گھر حاسد روسیہ کا برباد رہے

کشمیری نیشنل کلب لکھنؤ

یہ نیشنل کلب ہو زمانے میں یادگار
ممبر کلب کا ہند کا ہو فخر و افتخار

دکھلائے طبع گلشن کشمیر کی بہار
کھٹکیں دل حسود میں سو سو طرح کے خار

تقریر پُر نمک ہو زباں بھی فصیح ہو
لطف کلام شاہد حسن ملیح ہو

در تنزل مراسلۂ کشمیر

افسوس آئی قوم کی پستی کمال پر
پہونچی مراسلہ کی یہ حالت زوال پر

ہو کیوں نہ دل کو رنج و ملال اُسکے حال پہ
چھوڑا اُسے فقط کرم ذوالجلال پر

اجرا میں ہر مہینہ کے ہو دیر اس طرح
اس ماہ کے نکلنے میں اندھیر اس طرح

اس میں قصور مہتمم ذی حشم نہیں
حالت پہ اُس کی قوم کا لطف و کرم نہیں

ہو دستگیر کیا کوئی والا ہمم نہیں
جز التفات اور کوئی بات کم نہیں

اے قوم اُس کے حال پہ شفقت ضرور ہے
یہ ہے یتیم اُس پہ عنایت ضرور ہے

روانگی پنڈت بشن نراین درؔ بجانب لندن

مدِّنظر رکھو کرمِ کارساز کو — لنگر اٹھاؤ اور بڑھاؤ جہاز کو

اک نوجواں جو جانبِ لندن رواں ہوا — اس قوم میں فساد بھی ہر سو عیاں ہوا
گر غور کیجیے تو نہیں کچھ زیاں ہوا — وہ خضرِ راہ وادیٔ گم کردگاں ہوا

اے قوم اپنے حال کی پستی نظر تو کر
ہے خیر اس میں شر سے اگر درگذر تو کر

اب تو عروجِ علم میں اوروں سے پست ہے — غیروں کی فتح تیری سراسر شکست ہے
اپنے فروغِ قوم کا کیا بند و بست ہے — منزل کڑی ہے راہ بہت تنگ و سخت ہے

پروا نہیں کسی کی سہے یا ورِ جو بخت ہے
ہمت وہ شے ہے جس سے قوی زیر دست ہے

ہارج جو کچھ خفیف سی مذہب کی قید ہے — یہ اپنی قوم ایسی نہیں اُس کی صید ہے
جتنا نہیں ہے اُس سے سوا مکر و کید ہے — اصلاح کی خدا سے مگر اب امید ہے

اغوا کا جرم خیر طلب پر بجا نہیں
حامی جو امرِ نیک میں ہو وہ بُرا نہیں

واپسی پنڈت بشن نراین درؔ لندن سے

کس گُل کے آنے آنے کا غُل چار سو ہے آج — اپنی بہار پر چمنِ لکھنؤ ہے آج
آمد کا کس کی ذکر جو یہ کو بکو ہے آج — بشاش ہر بشر ہے ہر اک خندہ رو ہے آج

آمد سے اُس کی یہ چھم فتح و ظفر کھلا
برسوں سے بند تھا جو ترقی کا در کھلا

بھائی ادھر تو آؤ زیارت تو پائیں ہم — تیرے قدم کی خاک کا سرمہ بنائیں ہم
پہلو میں اپنے پیار سے تم کو بٹھائیں ہم — دل کو تمہاری لو تھی لگی کو بجھائیں ہم

گھڑیاں مفارقت کی ہمیں شاق کب تھیں
آنکھیں تمھاری دید کی مشتاق کب نہ تھیں

گھر کا چراغ قوم کا تو آفتاب ہے　　علم و کمال و فضل میں تو لاجواب ہے
تجھ سے کشادہ باغِ لیاقت کا باب ہے　　دل ریش خارِ غم سے عدوئے خراب ہے

ہم بھائیوں کے آپ سے بازو قوی رہیں
باہم ہو اب وصال گلے ملتوی رہیں

شرکت ہمیں بہ چند شرایط قبول ہے　　جس میں کشودِ کار تمھارا حصول ہے
بیکار بحث طولِ سخن سب فضول ہے　　ملحوظ ہو وہ امر جو اصل الاصول ہے

ایسی ہو فکر جس سے کہ رفعِ فساد ہو
ہو صلح اہلِ قوم میں حاصل مراد ہو

پھر ایک بار رسم معین ادا کرو　　اخلاقِ عام سب سے بہ صدق و صفا کرو
اربابِ قوم سے بھی یہی التجا کرو　　ہاں عفو راہِ لطف سے جو ہو خطا کرو

اب ایسی بات ظاہر و باطن نہ ہو کوئی
ناحق تمھاری ذات سے ناراض ہو کوئی

در مذمتِ شراب

خونِ نابِ دل کو صرفِ مدادِ قلم کروں　　پھر خوارئ شراب کا مضموں رقم کروں
کیونکر نہ اس بلا کا بیں رنج و الم کروں　　تحریر اس کا کونسا جور و ستم کروں

یہ آب وہ ہے جس نے جگر چاک کر دئے
یہ آگ وہ ہے لاکھ کے گھر خاک کر دئے

ظاہر میں نوش اور یہ باطن میں زہر ہے　　حق تو یہ ہے جنابِ الٰہی کا قہر ہے
طوفاں وہ ہے کہ جس سے تلاطم میں دہر ہے　　برباد اس کے ہاتھ سے ہر ملک و شہر ہے

لگ جائے مُنہ تو شاہ کو آخر گدا کرے
بندوں کو اس بلا سے جُدا بس خدا کرے

مثنوی جامِ جہاں بین در صفت کوہ مسوری

عجب جا ہے فرحت فزا دیدہ دوں — بجا ہے چمن سے جو تشبیہ دوں
ادھر کوہ سوالک مسوری اُدھر — ہے مابین دونوں کے یہ جلوہ گر
وہ آبِ خنک اور ہوا معتدل — وہ سبزہ کہ جس سے شگفتہ ہو دل
وہ پھول اور پتے کئی رنگ کے — نئی شکل کے اور نئی ڈھنگ کے
وہ بادل کے ٹکڑوں کا شکلِ دخاں — پہاڑوں کے اندر سے ہونا عیاں
چپ و راست گنگ و جمن ہیں رواں — غرض ہے یہ رشکِ ارم بے گماں
مسوری جو دیکھی گئے اس کو بھول — کھلے ہیں عجب باغِ قدرت کے پھول
وہ گلہائے قدرت کی ہر جا بہار — وہ شبنم کہ ہوں جس پہ موتی نثار
ہے اوسط میں دلچسپ جو قطع ایک — اُسے لوگ کہتے ہیں کیملس بیک[1]
عجب قرنٌ[2] اور چشمۂ سرد ہے — بروری[3] مکینن کی بھی فرد ہے
پئے فوج واں بنتی ہے بیرمے — جگہ صاف ہے اور ہوا خوب ہے
تماشے کا اسکیٹنگ ایک مقام — محبت کا حلقہ ہے ورزش بنام
بہت صاف چکنی ہے لکڑی کی سقف — وہ رقاص جن پر دل و جاں ہوں وقف
وہ محبوب نازک ادا و حسین — گل اندام نسریں بدن نازنین
وہ نعلین چوبی کئے زیبِ پا — لگے جن میں پہیئے شبک خوشنما
تماشائیوں کا ہے دل اُن کے ہاتھ — وہ پھرکی سا ناچ ان کا باجے کے ساتھ
عجب جائے دلچسپ و مانوس ہے — غرض ایک خیال و فانوس ہے

---

[1] مشابہ پشت شتر۔ [2] — [3] بھٹی شراب۔

بلندی پہ لنڈھور ہے اک مقام — وہ ہے چھاؤنی لال ٹبیا بنام
جوانب میں اُس کے بہت پُر فزا — کہ راونڈ دی ہل نام جن کا رکھا
نمایاں وہاں سے ہیں بدری کدار — سفید اُن کے اوپر ہے برف آشکار
نظر وہاں سے آتا ہے چکروتہ بھی — نہ ہو سیر سے اُس کی سیری کبھی
پھل اخروٹ خوبانیِ دلفریب — بیوٹی فلا مش ہے اور عمدہ سیب
عجب ناشپاتی حلاوت اثر — جگ ونل جسے کہتے ہیں سب بشر
مسوری کا کیجے جو فٹ سے شمار — سمندر سے اونچا شش و یک ہزار
مبارک ہو احباب کو یہ سفر — مع الخیر سب جائیں گھر لوٹ کر
مسوری سے رختِ سفر باندھ کر — کیا ڈیرہ دون میں قیام آن کر
الٰہی مسوری تو آباد رکھ — مرے دوستوں کا تو دل شاد رکھ

جلسۂ قومی پنڈتان کشمیر سال اوّل

پہلا ہے جگ رشی کا مقامِ پراگ میں — آواز اتفاق کی پیدا ہے راگ میں
ہاں مہر و اتحاد کا آبِ بقا پیو — نفسانیت کو بغض کو پھونکو اب آگ میں

سال دوم

ہے جگ رشی کا آج یہ روزِ سعید ہے — امسال اُس کے فیض سے رحمت مزید ہے
شکرِ خدا کہ پھر یہ ہوا جشن بعد سال — کیا خوب آج لطفِ ملاقات و دید ہے

در صفت رامچندر جی

دل جلوہ گاہِ پرتوِ ربِّ قدیر ہے — روشن مثالِ مہر ہمارا ضمیر ہے
خادم ہیں ہم جنابِ سری رامچندر کے
مشتاق اپنا دستِ خدا دستگیر ہے

در صفت پنڈت رتن ناتھ در سرشار

ہاں آج سخنوروں میں فایق ہے تو — ذی فہم و ذکی ذہین و لایق ہے تو
ہمپایۂ چرخ ہے تری فکر بلند — حلّالِ غوامض و دقایق ہے تو

ایضاً

فصیح و بلیغ و زہے ذی ہنر — دُرِ درجِ دانش رتن ناتھ در

در صفت پنڈت دیا شنکر نسیم

مغموم رکھا مدام دلگیری نے — مارا ہے جواں فلک کو پیری نے
واللہ کہ آتش فروغ ناسخ — ٹھنڈی کر دی نسیم کشمیری نے

ولہ

اخلاق و ادب سے پر ہے مضموں تیرا — ہو کیوں نہ ہر اہل قوم ممنون تیرا
تو کانِ جواہرِ سخن ہے لاریب — ہے نام رتن ناتھ بھی موزوں تیرا

ولہ

آفریں باد بریں قوتِ ادراکِ نسیم — جانِ مشتاقِ ثنائے سخنِ پاکِ نسیم
نغمہ سنجانِ بہشت آئے پئے استقبال — چمنِ خلد میں داخل جو ہوئی روحِ نسیم

ولہ

عالم ہر اک ورق پہ تصویر کا ہے — مشتاق! یہ گل ریاضِ کشمیر کا ہے
ہو کیوں نہ مراسلہ کی رونق افزوں — ہاں اس پہ کرم جنابِ رشپییر کا ہے

ولہ

اے منتظمانِ کشورِ عقل و ہنر — دو نو پہ رہے ایک محبت کی نظر
یکساں ہیں مراسلۂ و مرآۃ الہند — وہ لختِ جگر ہے تو یہ ہے نورِ بصر

اشعار متفرق

صاف ثابت ہو گیا یہ سرمہ کی تحریر سے — شوخیاں کرتے تھے کچھ آہو بندھے زنجیر سے
جی چرا اے سر کے دینے میں نہ اس شمشیر سے — شمع کچھ حجت نہیں کرتی کبھی گلگیر سے

ولہ

چشمک سی ہوئی ہے اُسے کچھ دیدۂ تر سے — کیوں طفلِ سرشک آج چلا روٹھ کے گھر سے

ولہ

دیتا ہے یار بار دُعا یہ دہانِ زخم — یارب ہرا بھرا رہے قاتل کا گھر سدا

ولہ

خنجر کریگا کیا جو کسی کی قضا نہ ہو — قاتل سے خوف کیا ہے جو حکم خدا نہ ہو

عجیب شان تری اے مرے خدا ٹھہری — ولہ — نہ ابتدا ہی تری اور نہ انتہا ٹھہری
سُنی حضور کی آمد تو واہ رے جذبۂ شوق — نکلتی جان ہماری لبوں پہ آ ٹھہری
ذرا تو دیجئے تسکیں سُنا کے مژدۂ وصل — نہیں ٹھہرتا ہے دل کیوں حضور کیا ٹھہری

قیام دولتِ دنیا کو کچھ نہیں مشتاق
کسی کے پاس نہ یہ بے وفا ذرا ٹھہری

رباعی

ہاں شیرِ نیستانِ معانی ہوں میں — یا گوہرِ بحرِ نکتہ دانی ہوں میں
کٹ جائے زباں جو کلمۂ بد نکلے — کج فہم کو تیغِ اصفہانی ہوں میں

ولہ

ہے کون سخنوری میں کامل مجھ سے — کیا کوئی کریگا زعمِ باطل مجھ سے
میداں میں جب کیا مبارز کو طلب — ہرگز نہ ہوا کوئی مقابل مجھ سے

ولہ

مسرور بھی دل ہے ناشاد بھی ہے — پابند بھی ہے اور یہ آزاد بھی ہے
ہیں سرکشی و فروتنی یاں دونوں — شاگرد بھی مشتاق ہے اُستاد بھی ہے

در وفات پنڈت تربھون ناتھ صاحب سپرو ہجر

وصل ہو حورانِ جنت سے تمھیں — مبتلائے ہجر ہم دائم ہوئے
ہم بھی تھے بیمار جب پہونچی خبر — اشک جاری آنکھ سے پیہم ہوئے

در وفات پنڈت اجودھیا ناتھ صاحب کنزرو

اے فخرِ قوم تجھکو نظر کس کی کھا گئی — اس ملک میں تمام سیاہی سی چھا گئی
دارِ فنا میں ہم تو تڑپتے ہی رہ گئے — اور روح تیری جانبِ ملکِ بقا گئی

واحسرتا شکارِ اجل شیر ہو گیا
دانش کی شمع بجھ گئی اندھیر ہو گیا

اشعار فارسی - در صفت بزرگے

ناخدائے کشتی درماندگان　　دستگیر و حامیٔ خورد و کلان

اوجِ ہمت را نہے بدرِ کمال　　صورتِ انسان و ملکوتی خصال

دُرجِ دانش را دُرِ یکدانۂ　　اے کہ مفتاحِ فروغِ خانۂ

اے توئی شیرازۂ این خاندان　　قالبِ این خانہ را ہستی توجان

عفو کن بر من گنہگارے تو ام

اے بیا مشتاقِ دیدارِ تو ام

از ازل غانہ بدوش آمدہ بودم مشتاق　　صورتِ مسکنِ خود سیر ندیدم چو سرشک

ولہ

یک لخت تیرہ گشت جہان در نگاہِ من　　این تازہ فتنہ سازیِ چشمِ سیاہ کیست

باور نہ کرد حالِ فراق آن گلِ مراد　　سوسن بگو کہ این اثرِ دودِ آہِ کیست

در رحلت عزیزے

گشتہ ام از ناتوانی بس سفید　　در تنم یک قطرہ خون باقی نماند

باگہ باز و رنگ این دل سوختہ　　خاک بر ہو کی چو آن باقی نماند

بادو چشمِ نم چنان مشتاق گفت　　آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

مشکور ۔ پنڈت وشوناتھ کول صاحب ایم ۔ اے خلف پنڈت شیوناتھ کول صاحب شاکر مقیم لشکر گوالیار ۔ تاریخ پیدائش ۶ رنومبر ۱۸۹۶ء بمقام رائے بریلی اودھ ۔ ۱۹۱۹ء میں بی ۔ اے ۔ کی ڈگری اور ۱۹۲۳ء میں ایم ۔ اے کی ڈگری فلاسفی میں حاصل کی ۔ ۱۹۲۱ء میں آپ نے ٹریفک انسپکٹری کا امتحان پاس کیا تھا اور اُسکے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک گوالیار ریلوے میں ٹریفک انسپکٹر رہے ۔ آجکل آپ مادھو کالج اوجین میں بعہدہ پروفیسر لاجک مامور ہیں ۔ اس سے قبل انگریزی رسالہ بیاجی پرتاب کے ایڈیٹر تھے ۔ (نیز ضمیمہ ملاحظہ ہو) ۔

نوحہ وفات پنڈت بشن نرائن در

حیف دنیا سے سدھارا اک جواں　　وہ جو تھا زینت دہِ بزمِ جہاں



پنڈت وشوناتھ کول - بیکل

فرد تھا سب نوجوانوں میں وہی — مردِ میداں بس وہی تھا بے گماں
ابتدا سے یوں طبیعت تیز تھی — باڑھ پر ہو جیسے دریائے رواں
اسکو انگریزی میں حاصل تھا کمال — جانتا ہے اس کو سب ہندوستاں
سب سے پہلے جب یہی لندن گئے — قوم میں ایسا وہی تھا اک جواں
اس نے کھولی راہ انگلستان کی — ورنہ یہ تھی قوم کی قیدِ گراں
اس نے لکھ ڈالے مضامیں سینکڑوں — جن سے گونج اُٹھے زمین و آسماں
دھوم اس کی ہے جہاں میں چار سُو — نام اس کا سب کو ہے وردِ زباں
حیف بی۔ این ور تجھے کیا ہو گیا — اتنی جلدی کیوں کیا عزمِ جناں
مادرِ دل سوختہ کو چھوڑ کر — ہو گیا یک لخت نظروں سے نہاں
اپنی بیوی کی بھی کچھ پروا نہ کی — کس کی خدمت وہ کریگی اب یہاں
بھائیوں کا بھی خیال آیا نہ کچھ — بات کیا ایسی ہوئی دل پر گراں

ہند کے سب لوگ روتے ہیں تجھے
دوسرا پائیں گے اب تجھ سا کہاں

مشہور۔ پنڈت رادھا کرشن صاحب اوگھل خلف پنڈت ٹھاکر داس کامل دہلوی شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں آپ سررشتہ دار کلکٹری ضلع کرنال تھے۔

افلاس میں بھی دل ہے غنی غم کی بدولت — داغوں کے درہم اور رُخِ زرد کے زر سے
کس سے ہے عیادت کی تمنا ہمیں مشہور — جو جان کا ہو دشمن اُسے کیا کام خبر سے

عشق کو سمجھے تھے کچھ بے سروساماں نکلا — مور ہم جس کو سمجھتے تھے سلیماں نکلا
کوچۂ یار ہے یا سحر ہے یا کوئی طلسم — جو کہ اس کوچہ سے نکلا وہی حیراں نکلا

کس طرح نقد دل اپنا نہ کروں تجھ پہ نثار　　گھر سے کس ناز و ادا سے تو خراماں نکلا
کہیں مشہورؔ بشر ایسا بھی ہوگا کوئی
جو کہ دنیا سے نہ پر حسرت و ارماں نکلا

ولہ

چال سے یہ فلک پیر کو کرتے ہیں ضیق　　مہرے شطرنج کے دلبر تیرے کالے پیلے
باغباں حیف ہے بستاں میں خزاں کے ہاتھوں　　پھول جاتے رہے یکسر تیرے کالے پیلے
دیکھے دانا بھی تو ہو جائے تہ دل سے فدا　　خوشنما وہ ہیں کبوتر تیرے کالے پیلے
گیسو و رخ کا تو کشتہ ہے عجب کیا مشہورؔ
داغ ابھر آئیں جو تن پر تیرے کالے پیلے
گزرا اپنا ہوا باغ جہاں میں گرچہ ہر جانب　　نہ پایا تجھ سا گلرو سرو قد نسریں بدن ہمنے

تجھے بھی زاہدا کیا ہوگی جنت　　نہیں بندے ہیں کیا میکش خدا کے

کدھر ہم آشیاں لیکر اُڑیں کس شاخ پر بیٹھیں　　ادھر بجلی بیاباں میں ادھر گلچیں گلستاں میں

مصاحب ۔ پنڈت مصاحب رام صاحب ابن پنڈت روپ چند صفاؔ دہلوی
راز دل ظاہر ہو گیا اپنا
آہ سوزان و چشم پر نم سے

مضطر ۔ پنڈت رام نرائن صاحب ٹکو دہلوی خلف پنڈت شیو پرشاد ٹکو صاحب۔
آپ علیگڈھ اور دیگر اضلاع میں تحصیلدار تھے آپ کی شیریں بیانی غزل ذیل سے ظاہر ہے
ہیں مرے ہوش و خرد شام سے جانے والے　　یہ تو فرمائیے کیا آپ ہیں آنے والے

پانوں میں آپ جو مہندی ہیں لگانے والے ۔۔۔ کیا سرِ دست کوئی رنگ ہیں لانے والے
روٹھ جاتے ہیں شبِ وصل میں اللہ اللہ ۔۔۔ جانتے ہیں کہ ہیں موجود منانے والے
پانوں پھیلائے ہیں کس واسطے تونے شبِ ہجر ۔۔۔ ہم محبت سے ہیں خود ہاتھ اُٹھانے والے
دیکھو آجاؤ خدا کے لئے کہنا مانو ۔۔۔ دیدۂ تر ہیں یہ طوفان اُٹھانے والے
بوسہ غیروں کو دیا بارِ غمِ ہجر ہمیں ۔۔۔ ہم کو سمجھے ہیں وہ بیگار اُٹھانے والے
نیند آتی نہیں کھٹکے میں شبِ وصل اے دل ۔۔۔ سو نہیں جاتے ہیں گھڑیال بجانے والے
سرخ روئی تو مجھے ہو گئی لے دل حاصل ۔۔۔ وہ مرے قتل کا بیڑا ہیں اُٹھانے والے
موت آجائے جو فرقت میں تو کیا اسکا عجب ۔۔۔ وہ بُلانے سے بھی ہرگز نہیں آنے والے
کیوں نہیں غنچۂ دل میرا شگفتہ کرتے ۔۔۔ آپ مشہور ہیں روتے کو ہنسانے والے

خضر کیا کوچۂ دلدار کا رہبر ہوگا
ابھی مضطر ہیں بہت راہ بتانے والے

پہلو میں نہیں یار تو کب جان ہے تن میں ۔۔۔ کیا فائدہ ہوتی ہے جو مضطر بسر ایسی

مضطر۔ پنڈت بھوانی پرشاد صاحب۔ اکثر آپ کا قیام لاہور میں رہا۔ خوش خلق رنگین طبع تھے۔

تسکین نشدے نالہ ز دل سر نشدے گر ۔۔۔ دردِ سرِ من کم نشدے سر نشدے گر
ہرگز بہ شبِ زلف تو دل راہ نمی یافت ۔۔۔ ماہ رخِ پر نور تو رہبر نشدے گر
در دہر ز شیرینی او شور نبودے ۔۔۔ با اصلِ لبت نسبتِ کوثر نشدے گر
سرسبزیِ صحرائے جنون بود نہ ممکن ۔۔۔ از گریۂ من دامنِ او تر نشدے گر
از حالِ دلِ سوختہ ام نقش نمی بست ۔۔۔ این کلکِ من از بالِ سمندر نشدے گر
دودِ جگرم تا بفلک سر نہ کشیدے ۔۔۔ برہم ز صبا زلفِ معنبر نشدے گر

در حلقۂ بگوشانِ تو سر حلقہ نمی گشت — شیدائے تراسنگ چو گوہر نشدے گر
مرغِ دلِ من قوّتِ پروازنمے یافت — بال و پرش از خنجرِ دلبر نشدے گر
از سحرِ نگہ رام نمیساخت جہان را — این ہندوئے چشمِ تو فسون گر نشدے گر

از رنگِ قبادے گلِ گلزارِ محبت
جایش بسرِ تربتِ مضطر نشدے گر

مضطر۔ پنڈت کنہیالال ہاکسر صاحب ولد پنڈت بشن نراین ہاکسر صاحب آپ چھور علاقہ متھرا میں پیدا ہوئے آپ کے والد اُس وقت وہاں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ چونکہ آپ کا جنم برج میں ہوا تھا اس لئے آپ کو کنہیالعل کہنے لگے ورنہ آپ کا اصلی نام پنڈت شام نراین تھا۔ اُس زمانہ میں عام طور سے کشمیری پنڈت صاحبان کا مستقل قیام دہلی میں رہتا تھا اور بسلسلہ ملازمت دیگر اضلاع و مقامات میں جایا کرتے تھے۔ چنانچہ پنڈت بشن نراین صاحب کی سکونت خاص دہلی میں تھی اور وہیں انکے صاحبزادگان نے تعلیم پائی۔ پنڈت شام نراین عرف کنہیالعل صاحب نے مشہور زمانہ مولوی صہبائی صاحب سے فیض سخن حاصل کیا۔ آپ نے اپنی ساری عمر ریاست گوالیار میں گذاری آپ اس ریاست کے مختلف اضلاع میں مجسٹریٹی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر پنشن لیکر مُرار ریاست گوالیار میں خانہ نشین ہوگئے اور وہیں ۱۸۹۸ء میں بعمر ۶۵ سال انتقال کیا۔ آپ کے کلام میں رنگ تغزل زیادہ ہے۔ آپ پُرگو اور خوش بیان شاعر تھے۔

خنجرِ جلّاد ہے فولاد کا — سخت جانی وقت ہے امداد کا

ولہ

دامنِ وحشت ہے خالی دولتِ دیدار سے
رشکِ ماہِ نو ذرا پردہ اُٹھا رخسار سے

ولہ

اُٹھیں گے روزِ حشر بھی آہ کا لئے — بیمار ہیں جو نرگسِ دنبالہ دار کے
اپنے جینے کی تمنّا نہ رہی — جب سوئے گورِ غریباں دیکھا



پنڈت کنہیالال ہاکسر مصنف

وہ دکھاے نہ خدا دشمن کو جو کہ میں نے شبِ ہجراں دیکھا
اپنے اشکوں کے مقابل ہمنے نہ کوئی گوہرِ غلطاں دیکھا
کثرتِ داغ سے سینہ اپنا روکشِ صحنِ گلستاں دیکھا

ولہ

شکن کھولی ہے اس زلفِ دوتاکی یہ دیکھو شامت آئی ہے صبا کی
نہیں آئی صداے نالہ جو آج مریضِ ہجر نے شاید قضا کی
تپِ غم سے بسانِ سر مہ جل کر تری آنکھوں میں بارے ہمنے جاکی

ولہ

ہے کس میں دم جو تابِ تجلّی کی لا سکے روشن ہے حال جو کہ ہوا کوہِ طور کا

ولہ

یہ حسن ہے روے مہ جبیں کا کہ داغ ہے دل مہِ مُبیں کا
وہ رنگ ہے زلفِ عنبریں کا کہ خوں جگر ہوے مشکِ چیں کا
وہ آگ ہے میرے دل میں تاباں کہ جل کے ہو خاک چرخِ گرداں
جسے سمجھتے ہو مہرِ رخشاں وہ داغ ہے آہِ آتشیں کا
کروں میں فریاد کس سے جاکر کہ اپنے ہی دل نے مارا آخر
نہ تھا یہ وہم و گماں میں ہرگز کہ ہوگا یہ مارِ آستیں کا
نہیں عبادت کا ہے یہ تشقہ بتوں کی چوکھٹ پہ سر ہے رگڑا
نہ کھانا زاہد کا یا رود ھوکا نشان تم دیکھ کر جبیں کا
اگر کہے کوئی سو زباں سے بھلا ہو مضطر ادا کہاں سے
کیا ہے ناسخ نے آسماں سے بلند تر رُتبہ اس زمیں کا

جنوں سے دل نے مرے جب سنا فسانۂ شوق دہانِ زخم سے گانے لگا ترانۂ شوق
عیاں ہے صورتِ محراب طاق ابرو سے ادا نہ کیونکہ کروں فرض ہے دوگانۂ شوق
نہ کیوں عزیز رکھوں اُن کو اپنی آنکھوں میں سرشکِ دیدۂ تر ہیں دُرِ یگانۂ شوق
نہیں ہے جب تری جنت میں کچھ بھی لے زاہد بتا میں کس لئے چھوڑوں بھلا آستانۂ شوق

انتخاب دیوان

جلوہ ہے دو جہاں میں اُسی کے ظہور کا — خورشید ایک ذرہ ہے اُسکے ہی نور کا
ہے کس میں دم جو تاب تجلّی کی لا سکے — روشن ہے حال جو کہ ہوا کوہِ طور کا
طے کس طرح سے ہوگا محبت کا راستہ — ہنگامہ ہے یہی جو دلِ ناصبور کا
جب دل سے نقش غیر مٹایا تو حق بنا — سمجھے گا کون اس کو یہ نکتہ ہے دور کا

ولہ

زخمِ دل تک پردہ داری عشق کی قائم رہی — لیکن اشکِ خوں سے افشار از پنہاں ہوگیا
کیا لکھوں عشقِ بتاں میں مضطرِ غمگیں کا حال
دل پریشاں چشم گریاں سینہ بریاں ہوگیا

متبسم لبِ جاناں دیکھا — مثلِ گل غنچہ کو خنداں دیکھا
کثرتِ داغ سے سینہ اپنا — روکشِ صحنِ گلستاں دیکھا
اپنے جینے کی تمنا نہ رہی — جب سوئے گورِ غریباں دیکھا
چاک ہوتا ہے گریبانِ سحر — کیا مرا چاک گریباں دیکھا

ولہ

ایک جھٹکے میں ترے دستِ جنوں — پاس دامن کے گریباں دیکھا
التہابِ جگرِ پُرخوں سے — چرخ پر مہر کو لرزاں دیکھا
کوئی دیکھا نہ مصیبت میں شریک — سایہ ساں سب کو گریزاں دیکھا
دیکھیں تعبیر ملے کیا اس کی — خواب میں کاکلِ پیچاں دیکھا
تابِ جلوہ کی بھلا ہو کس کو — جب خود آئینہ کو حیراں دیکھا
جو تری بزم سے نکلا باہر — مثلِ گل چاک گریباں دیکھا

ولہ

ابرو کے اشارہ سے یہ فرماتا ہے قاتل — آ بوجھ اُتاروں تری گردن سے میں سر کا
کب تک یہ بھلا سختیِ بیداد اُٹھاؤں — پتھر کا کلیجہ نہیں ہوتا ہے بشر کا

زاہد کبھی بنتا ہے کبھی رندِ سبو کش — اس دل نے رکھا مجھکو اِدھر کا نہ اُدھر کا

اے حضرتِ دل یوں جو چلے مجھسے بگڑ کر — اتنا تو بتاؤ کہ ارادہ ہے کدھر کا

ولہ

تصور تھا جو آنکھوں میں کسی زلفِ پریشاں کا — بسر کرنا قیامت تھا شبِ تاریکِ ہجراں کا

تصور تیرے مژگاں کا مزہ دیتا ہے یوں دل میں — کفِ پا میں کھٹکتا جس طرح خارِ مغیلاں کا

چلے جاتے ہیں ٹکڑے دل کے بہتے بہتے اشکوں میں — یہ ہے جوہر نمایاں اُسکی کاوشہائے مژگاں کا

لڑی ہے آنکھ آئینہ کی شاید روئے جاناں سے — عیاں ہے صاف صورت سے جو عالم چشمِ حیراں کا

اشکباری ابر کی مشہور تھی — میری آنکھوں سے مگر شرما گیا

ایک جان اور یہ بلائیں بے شمار — بس مرے اللہ جی گھبرا گیا

اُسکو یکتائی کا دعوی تھا و لے — آئینہ کو دیکھ کر شرما گیا

زلفِ پر خم کا جو دھیان آیا مجھے — سانپ سا چھاتی پہ کچھ لہرا گیا

ہے آنکھ یا ہے دور میں ساغر شراب کا — عارض ہے یا کہ پھول کھلا ہے گلاب کا

خواہش ہو جس کو حور کی زاہد اُسے ذرا — دکھلا کے باغ سبز عذاب و ثواب کا

ولہ

ابرو کے پاس خال نہیں روئے یار پر — نقطہ یہ بیت حسن پہ ہے انتخاب کا

مضطر کا حال ہجر بتاں میں نہ پوچھئے
افسانہ بن گیا ہے وہ حالِ خراب کا

گریباں سے جدا کس دم ہوئے ہیں ہاتھ مجنوں کے
اُٹھاتا کیسے وہ پردہ بھلا لیلیٰ کی محمل کا

جو وقتِ ذبح تھا مجھکو تصور اُس کے ابرو کا
دہانِ زخم سے بوسہ لیا شمشیرِ قاتل کا

میں اک آوارۂ دشتِ جنون و نامرادی ہوں — پتا اس حال میں اب کیا بتاؤں اپنی منزل کا

جسے خورشید عالمتاب کہتی سب خدائی ہے — وہ میں نے زخمِ دل سے چھیلکر پھینکا ہے اک چھلکا

نہ پابند تعلق ہو جو ہے آزاد دنیا میں
بھلا کیا خوف ہے پانی کو موجوں کی سلاسل کا

ولہ

سینہ سے اُس کا تیر پر افشاں نکل گیا
اپنے بھی دل کا تھا یہی ارماں نکل گیا
آتا ہے طفل اشک پہ رونا مجھے کہ وہ
وحشت میں آ کے بے سر و ساماں نکل گیا
طوفاں کیا بپا مری اشکوں کے جوش نے
اٹھّو غبار دیدۂ گریاں نکل گیا
گذری اُدھیڑ بن میں ہماری تمام عمر
دامن اگر سیا تو گریباں نکل گیا

ولہ

پیچھے پڑی ہیں دل کے یہ زلفیں بُری طرح
ممکن نہیں بچاؤ اب اُس کا کسی طرح
آئینہ سامنے سے اُٹھا ورنہ دیکھنا
روئیگا دل کے واسطے تو بھی مری طرح
بوتل بغل میں شیخ کے ہوگی دبی ہوئی
دور اُس کی آنکھ کا جو رہیگا اسی طرح
دی چشم نیم باز میں تحریر سرمہ کی
دل لینے کی یہ اُس نے نکالی نئی طرح
مضطر اگرچہ دیکھے ہیں عاشق ہزار ہا
دل خستہ کوئی ہم نے نہ دیکھا تری طرح

بوسۂ لب کا کیا میں نے جو بھولے سے سوال
سُن کے مارے طیش کے وہ ہوگیا خونخوار سُرخ
تیر باراں سے وہ بسمل کے نہ باز آیا کبھی
کر لیا جب تک نہ قاتل نے لبِ سوفار سُرخ
ہے برنگِ شعلہ روئے دخترِ رز تابناک
مضطر اُس کے عکس سے ہے خانۂ خمار سُرخ

تیری آنکھوں کے تصور میں کسے آتی ہے نیند
یہ وہ بیماری ہے جس میں صاف اُڑ جاتی ہے نیند
شوق میں انگڑائیاں لیتی ہے پر آتی نہیں
فرقتِ جاناں میں کیا کیا مجھکو ترساتی ہے نیند
ہے اثر یہ خفتہ بختی کا ذرا تم دیکھنا
ہجر کی شب آتے آتے آپ سو جاتی ہے نیند

منہ تو دیکھو کہتی ہے جب میں بلاتا ہوں اُسے
دیدۂ بیدار سے آئینہ دکھلاتی ہے نیند

کروٹیں لیتے ہی لیتے یاں تو ہوجاتی ہے صبح
خفتگانِ خاک تم کو کس طرح آتی ہے نیند

لاابالی ڈھنگ سے آتی ہے جو آنکھوں میں آج
سب تری رفتار کے انداز دکھلاتی ہے نیند

حال مت پوچھو مرے سونے کا دردِ ہجر میں
رات بھر پائے نگہ کی ٹھوکریں کھاتی ہے نیند

کوئی تم کو نہ ملا اہلِ وفا میرے بعد
ورنہ کیوں شوخ نہیں رنگِ حنا میرے بعد

تاب ہے کس میں کہ زخموں پہ چھڑکوائے نمک
لے سکے کون محبت کا مزا میرے بعد

مرگیا میں جو کہیں جور سے تیرے ظالم
کون پوچھیگا تری بات بتا میرے بعد

کہیں ایسا نہ ہو برباد مری خاک ہو جائے
جائیو کوچہ میں اُسکے نہ صبا میرے بعد

پاؤں پھیلا کے بس اب خارِ بیاباں سوویں
اب نہ آویگا کوئی آبلہ پا میرے بعد

کیا ہی دلچسپ یہ غالب کا ہے مصرع مضطر
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

کس قدر رکھتے ہیں یہ بت خود نمائی کا گھمنڈ
کیا انھیں میں آگیا ساری خدائی کا گھمنڈ

جو پھنسا پھندے میں اُسکے وہ نہ چھوٹا حشر تک
دل کرے کس بل پہ زلفوں سے رہائی کا گھمنڈ

ہر کس و ناکس کے مُنہ لگتی ہے ہرجائی ہے وہ
ہے تجھے کیوں دخترِ رز کی آشنائی کا گھمنڈ

دخترِ رز آئے گی محفل میں جس دم ناصحو
دیکھ لیں گے پھر تمھاری پارسائی کا گھمنڈ

ناز زاہد کو عبادت پر ہے اور مضطر مجھے
ہے بتوں کی آستاں کی جبہ سائی کا گھمنڈ

جلوہ کس کس رنگ سے اپنا دکھاتی ہے بہار / عاشقوں کو آتشِ گل سے جلاتی ہے بہار
ہو کے بیخود جاتے ہو صحرا میں جو گلگشت کو / زاہدو تم کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار
تجھ سے ہم چشمی کا دعویٰ کس طرح نرگس کرے / فرش کی جا آنکھ اپنی جب بچھاتی ہے بہار
سینۂ پر داغ میرا غیرتِ گلشن ہوا / رشک سے اسکے ہزاروں داغ کھاتی ہے بہار
جبکہ یہ جوشِ جنوں ہے ابتدائے فصل میں / آگے بڑھکر دیکھئے کیا رنگ لاتی ہے بہار
تیز کر لے تو بھی اپنے ناخنوں کو اے جنوں / دھوم سے سنتا ہوں میں امسال آتی ہے بہار
ہے گریباں چاک گل کا تیری صورت دیکھکر / ہو گیا سودا جنوں کو میری وحشت دیکھکر
رات دن سکتے کا عالم ہے تصور میں ترے / آئینہ حیراں ہوا ہے میری حیرت دیکھکر

دل کی آنکھوں سے جو دیکھا ہمنے دنیا کا طلسم
صانع کو جانا ہے مضطرؔ اسکی صنعت دیکھکر

جب مقابل شعلہ رو کے بزم میں آتی ہے شمع
بیٹھ کر غیرت سے سر کو اپنے کٹواتی ہے شمع

ہمسری کا کر کے دعویٰ ساقِ پائے یار سے
آنکھ سے اشکِ ندامت خوب برساتی ہے شمع

عاشقِ جانباز کا خوں کب گیا ہے رائیگاں
سر سے پا تک غم میں پروانہ کے جل جاتی ہے شمع

برقعِ فانوس میں روشن نہ جانو تم اُسے
داغِ دل پردے سے اپنا تم کو دکھلاتی ہے شمع

دیکھتے جنبش میں ہو مضطرؔ جو اس کی لو کو تم
دل میں بیتابی ہے ازحد اس سے گھبراتی ہے شمع

جنوں سے دل لئے مرے جب سنا فسانۂ عشق / دہانِ زخم سے گانے لگا ترانۂ عشق

سرشک خوں سے بھری اس میں مئے احمر   بنی ہے آنکھ سبوئے شراب خانۂ عشق
نہ کیوں عزیز رکھوں اسکو اپنی آنکھوں سے   سرشک دیدۂ تر ہے دُرِ یگانۂ عشق

الٰہی روز قیامت میں بھی رہے روشن
یہ داغ دل کا ہے مضطرؔ چراغ خانۂ عشق

ملکِ عدم کی سیر کو شاید نکل گیا   پہلو سے اسلئے نہیں آتی صدائے دل
رسوا ہوا ذلیل ہوا در بدر ہوا   اب آگے رنگ دیکھئے کیا کیا دکھائے دل
ہردم جمالِ یار دکھائی دیا کرے   حاصل کرے جو آئینہ ساں تو صفائے دل

بستۂ کاکلِ دوتا ہیں ہم   ہدفِ ناوکِ بلا ہیں ہم
تم کو ہم کیا بتائیں کیا ہیں ہم   موردِ جور اور جفا ہیں ہم
اے بتو حد بھی ہے جفاؤں کی   آخرش بندۂ خدا ہیں ہم

ولہ

دیکھے دل اُس بُت کو پچھتاتے ہیں ہم   پتھروں سے سر کو ٹکراتے ہیں ہم
اشک کا قطرہ بھی اب باقی نہیں   خون دل آنکھوں سے برساتے ہیں ہم
کُھل نہ جائے راز عشق اپنا کہیں   اسلئے اشکوں کو پی جاتے ہیں ہم

جائے دل سینہ میں مضطرؔ دیکھنا
تیر کے پیکاں کو بٹھلاتے ہیں ہم

کاٹ کر سر کو مرے کہتا ہے   کیا تماشا ہے رقصِ بسمل میں
ہوں میں واماندہ راہِ عشق میں یوں   جیسے پاؤں کے نقش منزل میں
سحر جو اُسکی آنکھ میں دیکھا   نہ سنا ہم نے چاہِ بابل میں

اُسکے تیرِ نگاہ کو مضطرؔ
دو جگہ اپنی آنکھ کے تل میں

کہیں کیا کہ جو کچھ ستم دیکھتے ہیں   وہ دشمن نہ دیکھے جو ہم دیکھتے ہیں

ترے سرو قامت کی تعظیم کو ہم — قدِ فتنۂ حشر خم دیکھتے ہیں
حرم میں بتا دیکھتا کیا ہے زاہد — یہاں دیر میں تو صنم دیکھتے ہیں
جو ہیں اہلِ بینش وہ آنکھوں سے دل کی — تجھے تیرے سر کی قسم دیکھتے ہیں

پڑی ہے اوس سی پھولوں پہ اور نرگس بھی حیراں ہے
گیا گلگشت کو جو غنچہ لب میرا گلستاں میں

اسی پانی کا تھا وہ تشنہ لب ایک عمر سے ہمدم
ہوا سیراب دل میرا جو ڈوبا آبِ پیکاں میں

جنوں میں جوشِ وحشت سے گیا صحرا کو جب مضطر
نہ پائی نوکِ مژگاں کی خلش خارِ مغیلاں میں

سن لیجے میرے غم کی کہانی خدا گواہ — ہے مختصر کچھ ایسی بڑی داستاں نہیں
شاید کرے گئی ہے اُسے چرخ پر ہوا — میرے غبار کا جو زمیں پر نشاں نہیں
داغوں سے میرے سینہ میں کیسی بہار ہے — یہ وہ چمن ہے جس میں کہ خوفِ خزاں نہیں
مسجد کی کیوں تلاش ہو سجدے کے واسطے — کیا میرے بت کا شیخ کوئی آستاں نہیں

مضطر درازدستیِ وحشت کو دیکھنا
دامن کی اب تو ملتی مجھے دھجیاں نہیں

ہے کبھی اس میں خزاں اور ہے کبھی فصلِ بہار
گلشنِ عالم بھی اپنی سیر کے قابل نہیں

روح جب تن میں نہیں وہ ہے فقط مٹی کا ڈھیر
خاک ہو وہ لطف جب خود صاحبِ محفل نہیں

اے بتو کیوں اس قدر پیاسے ہو تم خوں کے بھلے
کیا خداوندِ دو عالم حشر میں عادل نہیں

آیا جو وہ تربت پر ہنگامہ ہوا برپا — محشر کا سا عالم ہے رفتار اسے کہتے ہیں
سب چھوڑ گئے مجھکو تنہا شب فرقت میں — بس ساتھ دیا دل نے غمخوار اسے کہتے ہیں
چھوڑی جو خودی پایا اُس نور مجسم کو — اپنے سے میں غافل ہوں ہشیار اسے کہتے ہیں
کھول آنکھ ذرا دل کی اور غور بھی کر زاہد — کثرت ہی میں وحدت ہے اسرار اسے کہتے ہیں

ولہ

کس طرح سامنا کرتے ہیں شب ہجراں کا — سچ تو یہ ہے کہ یہ عاشق بھی بلا ہوتے ہیں
نکہت گل کو صبا دام میں بتاتی ہے ہوا — پیچ اُس کاکل مشکیں کی جو وا ہوتے ہیں
کس طرح عشق بتاں دل میں چھپائیں مضطر
خشکی لب سے تو انگشت نما ہوتے ہیں

ذرا تم دیکھنا نیرنگیاں اس عشق کی یارو — پہنایا طوق منت کے بہانے اُسکی گردن میں
نہیں ہے نام کو بھی تخم عشرت کا نشاں اُس میں — پڑی ہے برق غم شاید مری ہستی کے خرمن میں

ولہ

عکس ابرو نظر آتا ہے جو پیمانے میں — بادہ کش لڑتے ہیں تلوار سے میخانے میں
ہے حرم میں تو خدائی کا اندھیرا زاہد — جلوۂ نور نظر آتا ہے بت خانے میں
بلبلو اب ہو مبارک تمھیں یہ فصل بہار — لے چلا جوش جنوں ہم کو تو ویرانے میں
جائے کعبہ کی طرف کون یہاں سے اُٹھ کر
مضطر اب بیٹھ گئے ہم تو صنم خانے میں

رُخ روشن پہ نہیں زلف دوتا — گنج پر حسن کے دو کالے ہیں
گل سے رخسار دکھا کر بولے — یہ بھی کیا آگ کے پرکالے ہیں
چرخ بھی چرخ میں آیا اُن سے — تیرے عاشق کے غضب نالے ہیں
کیا بھلا کیفیت ہو مُے سے اُن کو — جو تری آنکھ کے متوالے ہیں

رخ پہ نور پڑا اُس کے یوں لعنتہ سیہ موز و لب — کہ ہے سیپارہ لام و میم کا جیسے کہ قرآں میں
ہوئے بسمل بھی تیرے زندہ جاوید اے قاتل — بجھی تھی کیا تری تیغ تبسم آب حیواں میں

نہ ہوں کیونکر عزیز آنکھوں سے اپنی مجھکو اے مضطر
خلش نوکِ مژہ کی سی ہے جو خار مغیلاں میں

مے کا اذنِ عام ہے جو دورِ چشمِ یار میں — محتسب کو رند دیکھا خانۂ خمار میں
جب سوا محراب کے کعبہ میں زاہد کچھ نہ ہو — پھر نہ کیوں سجدہ کروں میں ابروے خمدار میں
اشک خوں پانی کے بدلے لختِ دل جائے غذا — چارہ گر دیتا ہے مجھکو عشق کے آزار میں

ولہ

جھکایا چشمِ نرگس کو تری آنکھوں کی شوخی نے — زباں نے تیری ظالم کر دیا بے قدر سوسن کو
سلام اسلام کو ہم نے کیا مضطر اُسی دن سے
کہ جس دن سے کسی کافر کی دیکھا زلف پرفن کو
جلایا شمع ساں ہے عشق نے ہر داغ روشن کو
بنایا پردۂ فانوس ہے پیراہن تن کو
چمن میں تھے بہت نازاں وہ اپنی خوش بیانی سے
لگی چپ میرے نالوں سے نواسنجان گلشن کو
غرض کیا تھی صبا کو مانعِ آوارگی ہوتا
اُسی نے باندھ رکھا ہے مرے دامن سے دامن کو
چلی بادِ خزاں ایسی نہیں ملتا پتہ اُن کو
چمن میں ڈھونڈھتی ہیں بلبلیں شاخِ نشیمن کو

تھی سخنگو ہاتھ مشاطہ کے ٹوٹیں جس نے ہاے — دیکے سرمہ کر دیا خاموش چشمِ یار کو
محتسب نے شیشہ ہاے بادہ گویوں توڑ کر — کر دیا آئینہ خانہ خانۂ خمار کو
ہو گیا دامانِ صحرا دم میں رشکِ لالہ زار — کیا اثر حق نے دیا ہے دیدۂ خونبار کو
پیرِ خونریز بھی خونخوار ہوتا ہے ضرور — عمر بھر گلگوں ہی دیکھا ہے لبِ سوفار کو
ابروے خمدار کا کافی اشارہ ہے اُسے — کھینچتا ہے کس لئے مضطر یہ تو تلوار کو

ہوئی خورشید سے نسبت جو اُس کے روئے تاباں کو
شبِ یلدا بہت موزوں ہے کہنا زلفِ جاناں کو

جنوں قربان ہوں میں تیرے ہاتھوں کی صفائی کا
کہ ایک جھٹکے میں پہونچایا ہے دامن تک گریباں کو

کبھی کا ہو گیا کافور دل سینہ سے عاشق کے
رکھا ہے اسلئے پہلو میں اُس نے تیرے پیکاں کو

ترے ہاتھوں سے اے وحشت عجب آفت میں سوزن ہے
گریباں کے ہوے ٹکڑے سیا گر چاک داماں کو

شہیدانِ وفا کا خوں نہ چھوٹے گا بھرا اتے سے
قیامت تک اگر دھوئیگا قاتل اپنے داماں کو

شانوں پہ جو کاکل دوتا ہے | آشوب ہے فتنہ ہے بلا ہے
دل زلف کا جب سے مبتلا ہے | ہر وقت بلا کا سامنا ہے
محشر کا خوف ہم کو زاہد | کیوں ہو توبہ کا در کھلا ہے
آئینۂ دل جو ہو مصفا | رشکِ جامِ جہاں نما ہے
اس پیرِ فلک کی ناک میں دم | میرے نالوں سے آگیا ہے
جب سے اُس بُت سے لَو لگائی | کہئے کیا دل کا ماجرا ہے

آتی ہے جو بو کباب کی سی
شاید مضطر کا دل جلا ہے

تن پہ ہے، جو لباسِ عریانی | نہ اُسے حاجتِ رفو ہوگی
گرچہ پایا دہن ہے غنچہ نے | پر کہاں اُس سے گفتگو ہوگی
خوں کسی بے گنہ کا چاٹ کے آج | تیری تلوار سُرخرو ہوگی

کسی گل سے نہیں غرض ہم کو
باغ میں تیری جستجو ہو گی
شیشۂ دل بغل میں ہے اپنے
کیوں ہمیں حاجتِ سبو ہو گی
بے ترے ہم کو قلقلِ مینا
صورتِ نالہ در گلو ہو گی

ولہ

سجدے کرتی ہے جو بتوں کو خلق
کچھ تو ہے شان کبریائی کی
خوب روندینگے خارِ صحرا کو
ہے قسم اس برہنہ پائی کی
آئینہ سامنے ہے آٹھ پہر
صاف صورت ہے خودنمائی کی

ولہ

تیرے جوروں کو ہم ادا سمجھے
بے وفائی کو بھی وفا سمجھے
کیا کریں لیکے خط کو اے قاصد
تیری صورت سے مدعا سمجھے
دیکھی اُسکی جو چین پیشانی
اپنی قسمت کا ہم لکھا سمجھے
تیر مژگاں لگا جو سینہ میں
اُس کے پیکاں کو دل کی جا سمجھے
بدلے اس جور و ظلم کے تجھے
اور تو کیا کہوں خدا سمجھے

حال زار اپنا نہ کہنے پایا سارا یار سے
سنتے سنتے سو گیا تقریر آدھی رہ گئی
رات کو مہتاب نے دیکھا جو عارض کو ترے
گھٹتے گھٹتے رشک سے تنویر آدھی رہ گئی
اک ذرا لکھا جو حال اُس میں دلِ بیتاب کا
ہاتھ سے خط اڑ گیا تحریر آدھی رہ گئی
جوش وحشت میں بھلا کیونکر کرے وحشی ترا
ایک ہی جھٹکے میں بس زنجیر آدھی رہ گئی
میرے قاتل کی نزاکت قتل کی مانع ہوئی
کھینچ کے مضطر میان سے شمشیر آدھی رہ گئی

دیکھیں چڑھتا ہے کون اُسکی نظر
کس کو وہ انتخاب کرتی ہے
کس پہ برہم ہوئی ہے زلف اُسکی
اتنا کیوں پیچ و تاب کرتی ہے
قتل کس بے گنہ کو دیکھئے آج
نگہ پُر عتاب کرتی ہے
کیا ہی بد ذات ہے یہ دخترِ رز
مُنہ لگے پر خراب کرتی ہے

کیسی طرار ہے زباں اُس کی — بات میں لاجواب کرتی ہے

اُس کی خدمت میں مضطرابِ تقدیر
دیکھیں کب باریاب کرتی ہے

خدا نے کیا بڑھائی واہ وا تقدیر پتھر کی — زمانہ پوجتا ہے رات دن تصویر پتھر کی
ترے دیوانہ کو ہے اس قدر جوشِ جنوں ظالم — کہ اک جھٹکے میں سو ٹکڑے ہوئی زنجیر پتھر کی
ذرا تو بھی تماشا دیکھ آکر او پری پیکر — کہ دیوانہ کو دیتے ہیں ترے تعذیر پتھر کی

مل گیا کیا تجھے بتا ہم کو — خون عشاق او حنا کر کے
جھوٹی الفت جتا کے او قاتل — قتل مجھکو کیا دغا کر کے
تیرے در پر سے بے ذکوٰۃ لئے — ہاتھ خالی چلے دعا کر کے
عاشقوں میں شمار ہے میرا — جاں نثاری کا حق ادا کر کے
ہجر میں مثلِ ماہیِ بے آب — رات کاٹی خدا خدا کر کے
اور برہم ہوا مزاج اُس کا — یہ نتیجہ ملا دعا کر کے

تیرے کوچہ سے چل دیا مضطر
اِک صدا مثلِ بے نوا کر کے

نہ ہوا خاک بھی اثر ظاہر — تھک گئے ہاتھ بھی دعا کر کے
طاعتِ فرض ہم نے او زاہد — کر تو لی ہے ادا قضا کر کے
نہ گیا دل کے پار سینہ سے — تیر مژگاں ترا خطا کر کے
اے طبیب اب معاف کر مجھکو — درد دونا ہوا دوا کر کے

مضطرِ زار کی عیادت کو
وہ بت آیا خدا خدا کر کے

مضطرؔ۔ پنڈت دیا کشن ٹوپہ صاحب

اس خاندان کے مورث اعلیٰ پنڈت دیا ندھان صاحب ٹنگلو عرف ٹوپہ دہلی میں آکر مقیم ہوئے۔ اُن کے دو صاحبزادے تھے۔ صاحبزادۂ اکبر پنڈت مہتاب رائے صاحب اور خورد پنڈت ولارام صاحب تھے۔ پنڈت ولارام صاحب لاولد مر گئے اور پنڈت مہتاب رائے صاحب کے چار صاحبزادے تھے پنڈت رادھا کشن۔ پنڈت داتا کشن۔ پنڈت کشن نرائن اور پنڈت کنہیا لعل پنڈت رادھا کشن صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ ایک زوجہ سے پنڈت لالجی پرشاد تھے اور دوسری زوجہ سے پنڈت دیا کشن صاحب اور پنڈت رتن لعل صاحب تھے۔ پنڈت رادھا کشن بہت صاحبِ اقبال تھے ضلع کرنال میں تین گاؤں انھوں نے خریدے ادہلی۔ جڑولی اور اکیڑا۔ ادہلی کا نام رادھے گڈھ رکھا اور اکیڑا کا نام مہتاب گڈھ۔ مگر پنڈت لالجی پرشاد صاحب کی فضول خرچی کی وجہ سے یہ سب دیہات رفتہ رفتہ تلف ہو گئے اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں رہا سہا مال و اسباب و دیگر جائداد غارت ہو گئی۔

پنڈت دیا کشن صاحب نے اوائل عمر میں مولوی ہمزہ علیخاں صاحب ولایتی کے مکتب میں تعلیم پائی اور اردو اور فارسی میں کافی لیاقت پیدا کی انگریزی سے آپ بالکل بے بہرہ تھے۔ جب آپ کی عمر ۱۱ سال کی تھی والد بزرگوار انتقال کر گئے۔ ۱۶ سال کی عمر میں آپ نے سرکاری ملازمت اختیار کی اور رفتہ رفتہ آپ قسمت دہلی کے ضلع حصار میں بعہدہ تحصیلدار مامور کئے گئے اور سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں آپ کو خلعت اور ۴ مربع زمین نہر چناب پر عطا ہوئی۔ آپ کی پیدائش کا سال ۱۸۳۹ء تھا اور ۲۷ اپریل ۱۹۰۵ء کو بمقام بھوانی (ضلع حصار) آپ نے اس جہان فانی سے رحلت کی۔ شروع عمر سے آپ کو فلسفہ و ویدانت



پنڈت دیاکشن ڈوپہ مضطر

اور جوگ سے خاص شوق تھا اور فقیران باکمال کی صحبت میں خاص لطف ملتا تھا چنانچہ آپ کا کلام بھی جو فارسی اور ہندی میں ہے زیادہ تر علم وحدت سے تعلق رکھتا ہے فارسی کی تین مثنویاں آپ کی تصنیف ہیں۔ رموزِ عاشقاں۔ مثنوی مضطر اور مثنوی سِرِّ اکبر یہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ہندی میں آپ کی کئی تصنیفات ہیں۔ آنند پرکاش بھجن مالا۔ موکش پرکرن۔ نربان پد۔ بیراگ دیپکا وغیرہ بھجن مالا سے چند بھجن ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ مرحوم نے جو مختصر سوانحعمری اپنے ہاتھ سے لکھی تھی اُن میں سے حالات مندرجہ بالا اخذ کئے گئے ہیں۔

ہندی بھجن

(۱)

آپ ہی آیا آپ ہی جایا — آپ ہی میں دوجا دکھلایا
تتوؤں سے یہ بن گئی کایا — شدھ برہم میں مل گئی مایا
بھرانتی سے ہے دھوکا کھایا — جب ڈھونڈا تب آپ میں پایا

(۲)

ایک دن ایسی آن بنے گی ہوش رہے نہ حواس — ہوشیار ہو سن لے مورکھ کہاں رہے تیرا باس
یہ شریر بچارے کا چرخہ۔ نہیں رہے تیرے پاس — بھول نہیں مشکل سے کاٹا۔ گھور نرک دس ماس
چھوٹ جائیں تیرے پتر پتا دک۔ نکل جائے گی سانس — کس کارن ہے لوبھ کرے ہے چھوڑ بندھ اور آس

دیا کرشن رگھبر چرنن کے۔ نت رہو تم داس

(۳)

بھج لے رام۔ سمجھ لے مورکھ۔ کس کارن تو بھاگا رے
گھور نیند را مت سوئے مسافر۔ کب سویا کب جاگا رے
بھول نہیں تو جاگیو مورکھ۔ بول اٹھے ہیں کاگا رے
اپنا سروپ لکھے جب پرانی۔ چھوڑ کے ہوئے ناگا رے
اندریوں کے بس مت ہو منوا۔ چھوٹ جائے یہ ساگا رے

من جنتری کا سو کھشم گھر ہے۔ کھینچ لے برتی دھاگا رے
دیا کرشن کرپا ایشر کی۔ چت چرن سے لاگا رے

(۴)

آپ ہی آئے آپ ہی جائے ۔ اُس کا یہی آنا جانا ہے
کون کہے آواگون اُس کی ۔ بھرانتی کھیل دکھانا ہے
بھید ہوئے سے کوئی نہ چھوٹے ۔ جب ہی تنا سنخ مانا ہے
لوبھ موہ کو جس نے تیاگا ۔ جگ میں وہ ہی سیانا ہے
رنگ سے بھیتر کپڑا سہ رنگ تو ۔ یہ انگ تو ایک بانا ہے
سارا جگت ایک آنکھ سے دیکھے ۔ کون کہے وہ کانا ہے
دیا کرشن اُن کے ہی شرن لے جس نے کرشن پہچانا ہے

انتخاب مثنویات

اے دل بگو اسرار خود از من چہ می پرسی بہ پُرس
ظاہر کنی اظہار خود از من چہ می پرسی بہ پُرس
حیرت ازین تو جاں شدی من تن شدم از فضل خود
دانی ہمین اسرار را از من چہ می پرسی بہ پُرس
لذات دنیا را ہمین زا لشنو نباشی نکتہ چین
دایم بہ بینی راہ دین از من چہ می پرسی بہ پُرس
حیران شدم از فکر تو اے دل خرابا تی چرا
بگذار حیرانی دمے از من چہ می پرسی بہ پُرس
این نکتہ از من یاد دار غافل مشو لیل و نہار
سازی بخود این یادگار از من چہ می پرسی بہ پُرس

دل را اگر قایم کنی بارِ دگر نزدم رسی
من تو شوم تو من شوی از من چه می پرسی بپرس

مضطر پریشانی زخواب بیدار سازد گر خدا
خود را ندانی زان جدا از من چه می پرسی بپرس

یارب بگو احوال ما من کیستم تو کیستی
خود را ندانستم چرا من کیستم تو کیستی

حیران شدم از کار تو نشناخت خود را هیچ کس
این عقده بکشا بر دلم من کیستم تو کیستی

رحم کنی بر حالِ ما از حیرتِ دنیا برآر
ترسم که این حسرت برم من کیستم تو کیستی

خوفش به دل دارم همین عابد نیم در راهِ دین
بختی و بنالی چنین من کیستم تو کیستی

مضطر قرار آید چرا حاصل نگشته مدعا
دایم بگوش آید ندا من کیستم تو کیستی

آن راز دل راکن عیان باشی تو در حفظ امان
این هم نداری حرز جان گاهے چنین گاہے چنان

ما را تمودی غیریت وحدت نخواندم بعد از آن
در حیرتم انداختی گاہے چنین گاہے چنان

بر یک سخن قائم شوی مگزار دل بر هر بیان
زنهار این معنی مگو گاہے چنین گاہے چنان

دل از خرابانی بگیر گر سجده سازد کبریا
آن راه چنداری جدا گاہے چنین گاہے چنان

گر فکر دنیا میکنی گه فکر حق ورد زبان
یکسو نداری طبع خود گاہے چنین گاہے چنان

آن قدرت حق را ببین بردار دل از نکته چین
مضطر مگو هر دم همین گاہے چنین گاہے چنان

این طائرِ دل قبضه کن واقف شوی راز نهان
پرواز سازد هر زمان گه بر زمین گه آسمان

هر دم خیال عقبیٰ کنی بر ماهیت فکرت رسان
قدرت چو بینی لا بیان گه بر زمین گه آسمان

غافل مشو در کار خود کن ذکر او ورد زبان
اینهم رساند بے گمان گه بر زمین گه آسمان

گر راز حق دانی بگو از رحمتش یابی امان
آن رتبه سازد همچنان گه بر زمین گه آسمان

مضطر ترا رحمت خدا در سینه آید ناگهان
باشی تو خرّم در جهان گر بر زمین گه آسمان

یار نزدیکم و من در جستجو حیران شدم — طفل در بر از دل غوغا بشهر انداخته

رباعی

در خواب بدم کشادم چشم — بیداریِ من بخواب آمد
فهمم که نه مُرده ام نه زنده — حیرت بقضا خطاب آمد

دیگر

پردهٔ غفلت بینگیزی ز من — با من و تو این حجاب افتادهٔ
همچو آهو تشنه در ریگ آمده — ز آب حیران این سراب افتادهٔ

دیگر

مپرس از من چه صورت نور دیدی — چسان آن روشنیِ طور دیدی
اگر خواهی بیابم صنعتِ او — کجا این طالعِ دیجور دیدی

مثنوی سرّ اکبر

شغلِ حمد و نعت سازد این چنین — پاک سازد جسم را از بغض و کین
من دعا خواهم برب العالمین — زود بنمائی اصولِ راهِ دین
دل مشوش میشود سیماب وش — زان سبب نشناخت او حق الیقین
چهره نورانی ز پیشانی به بین — تا دلِ تو صاف گردد بالیقین
لذتِ دنیا نه کم داند چو دل — زان بر چه چیزی بود عین الیقین
عشق داری در صفاتش محو شو — خوف را هرگز مکن از نکته چین
یا الٰهی کن خیالم را وسیع — حرف ناید گر به بیند دوربین
ابر رحمت گر ببارد بر سرم — این دلِ حیران به پندارد کرم
همچو شیر و آب وصلش کن خیال — این جدا گردان بساد انم محال
هر یکے اجسامِ ذی روح شد او — باز دیگر کیست دان هر یک از و

این سوال آرد پریشانی بدل / چون شمار آرد گنه ور آب و گل

در عنا صربے وصالش هیچ نیست / گر گنه آمد حسابش هیچ نیست

سهو کردم یافتم سرّش ز دل / آنکه خود ورزید کے ماند به ظل

این سزا بر تقفل ماورزد قیام / گر تو بیداری نه گیری هیچ نام

کن خموشی گر بجوشی را گذار / دست خود با کار داری دل به یار

باز سازد فضل خود پروردگار / زین عذاب دنیوی شو رستگار

گر تو داری نکته از من یادگار / کار سازی دل بر آن هرگز مدار

نیز در خود این تبیین من کرده ام / گو سبقت از هنر من برده ام

اینهمه داری - برو- غافل مشو / بے سبب بر نفس خود غافل مشو

هرچه میخواهد - همانرا میکند / ورنه فهمی کفش بر سر می زند

آه اے دل تو کنی دوری ازو / کن حضوری تا شوی نوری ازو

همچو بسمل نیم جان جانم شده / دست حسرت دل بر افعالم زده

کے خیالم بود گو بیم سزا او / این چنین قدرت که جویم سزا او

این سرم هردم بقدمش سر زده / دست رحم از عجز من بر سر زده

طائرِ دل گر کند یک جا قیام / باز گوید سزا او آید بدام

می پرد هر جا که بیند خاص و عام / خود پذیرد قید دنیا را دوام

اے الهی عفوِ تقصیرم کنی / بے رضا را دست بر گردن زنی

هر که پرهیزد دوام از حرص و آز / چون نه بگشاید بروی آن پرده راز

فکر دنیا را کنی اے دل چرا / او همه نعمت دهد هر دم ترا

ذکر حق مگذار این نعمت کلان / باز ناید پیش آن مُرده دلان

صبر داری زهد تقوی کن مدام / راستی را کن لباسِ خود دوام

دل بدست آری مقدم کارِ تو　　رحم آید چون نباشد یار تو
بر نماز و روزہ دل را قید نیست　　ذکر حق بے نفس را جا وید نیست
گر بیاموزی ز مرشد حبس نفس　　روشنی یابی بذکرِ حبسِ نفس
چشم را بر ہر دو ابرو گر نہی　　راز یابی تو نباشی زان تہی
نفس قایم کن بہ بینی آسمان　　این چنین عادت کنی در ہر زمان
روشنیِ نور بینی زین عمل　　لیک عامل بین براے این شغل
از زبانِ کذب نامش را بگیر　　کن تحرک قلب تا باشی وزیر
گفتمش این راست می بینم کلام　　مرشد آرم از کجا زین عقل خام
رہنمائی کن کہ محتاجم ہمین　　باز یابم الغرض آن راہ دین
این صدا آمد بگوشم ضبط کن　　کن تنفر وا بیا این ربط کن
قطرہا شہوت اگر داری بہ قبض　　زین ترقی روشنی یابی بہ نفس
قطرہ قطرہ گر فراہم شد ازان　　بنگری دریاے نوری الامان
این صفت را گر تو رہبر میکنی　　روز و شب آن حج اکبر میکنی
بر الفت با تا نظر داری مدام　　نام او قلب اللسان گیر دوام
کن خیالش مستقل لیل و نہار　　کار تو بہتر کند پروردگار
معنیِ حق گر بفہمی از عدد　　تا زنی ہر حرف را بر سہ عدد
راز پنہان را عیان کردیم ما　　گوے سبقت بے گمان بردیم ما
سجدہ کردن را ندانی سجدہ بین　　خود نششتن را ندانی خورد بین
گر بیاموزی نشستن عابدان　　باز بنشینی تہ پیش جاہلان
از نشستن قبضۂ دل میکنی　　ور ندانی خود ز مرشد رہ زنی
عجز و مسکینی بر آرد کارِ تو　　راہ بنماید بہ یادِ یار تو

این کلام جذبۂ دل ساختہ ‌‌ ‌‌ ‌‌ ہر کہ این مطلب زمرشد یافتہ
بے گمان کارش نمایان گشتہ است ‌‌ ‌‌ ‌‌ برقدومش سر نگون سربستہ است
یا الٰہی عفو تقصیرم کنی ‌‌ ‌‌ ‌‌ از گنہ گر صاف تقدیرم کنی
من نمیدانم کدام این گفتہ است ‌‌ ‌‌ ‌‌ از زبانم خود بخود دُر سفتہ است
درجۂ غوث و ولی تو دادہ ‌‌ ‌‌ ‌‌ زین عنایت جسم من آرادہ
از کثافت جسم مارا صاف کن ‌‌ ‌‌ ‌‌ وز تجلّی قدرتے زرباف کن
تو مشو مضطر خدا بخشد ترا ‌‌ ‌‌ ‌‌ گر کنی سجدہ نہ رحم آید چرا
دست ما دریا رویارم در پر است ‌‌ ‌‌ ‌‌ من نمیدانم کدام این رہبر است
کاش این چشم چو بوسے نور بین ‌‌ ‌‌ ‌‌ وز عنایت تو دنمو دسے دور بین
گر تو دنیا را بخواہی در خدا ‌‌ ‌‌ ‌‌ اینہمہ دشوار خود را کن جدا
بگذر از دنیا خدا حاصل شود ‌‌ ‌‌ ‌‌ کن عبادت دل بدو شاغل شود
یا الٰہی انچہ در دل داشتم ‌‌ ‌‌ ‌‌ پیش تو نذرانہ اش بگذاشتم
گر بہ بخشی در نمائی راہ دین ‌‌ ‌‌ ‌‌ دل شود قایم مرا آید یقین
ورنہ مشتِ خاکِ من برباد رفت ‌‌ ‌‌ ‌‌ در تحیر نام تو از یاد رفت
پیشتر گفتم رموزِ عاشقان ‌‌ ‌‌ ‌‌ مثنوی مضطر نہادم بعد ازان
چون نشد خورسند آہ شاہِ جہان ‌‌ ‌‌ ‌‌ سرِّ اکبر را نمودہ خود عیان
گر نماید رحم خود گنجایش است ‌‌ ‌‌ ‌‌ عام را زین فیض خود فہمایش است
سرِّ اکبر مثنوی اے دل بخوان ‌‌ ‌‌ ‌‌ تا نداری فکر دنیا ہر زمان
راز در ہر مثنوی گشتہ نہان ‌‌ ‌‌ ‌‌ حصہ یابد ہر کہ خود بستہ میان
گر سزاوارم بہ بخشی راہ دین ‌‌ ‌‌ ‌‌ رحم فرمائی بہ عاجز این چنین

این دعا ـ بخشد الٰہی ـ ہر کسے
ہر کہ خواند ـ آرزو دارم بسے

رموزِ عاشقاں

الٰہی مدحتِ تو از زبان آرم زبان سوزد — اگر ظاہر کنم باطن درون قلب اللسان سوزد
نمی بینم بخود طاقت کہ من وصفش ادا سازم — ہمین بہتر کہ در راہش تنِ خاکی فدا سازم
درین کون و مکان بینم محیطِ ذاتِ پاکِ تو — بہ بخشا رحم فرما صاف کن این تودہ خاکِ تو
خدایا عاجزی و بیکسی را رحم فرمائی — بچشمِ باطنی روے تجلّی را تو بنمائی
اگر دعویٰ کنم باطل شود از پیشگاہِ تو — ہمان بہتر کہ خاموشی پذیرم در نگاہِ تو
جلالِ او جمالِ او اگر بینی کمالِ او — بحیرت انگلنی دل را ببین اسرارِ حالِ او
تعلق ترک کن از کل ہمین زہد و ہمین تقوے — تحرک گر بدلداری ہمین دنیا ہمین عقبیٰ
اگر ظاہر پرستی باطنی سامان پیدا کن — ز جوہر معنوی رازِ نہانی را ہویدا کن
بہ دیر و کعبہ میجوئی کجا یابی جمالِ یار — ز چشم جا بجا بینی شوی محرم ازین اسرار
صداے ورد نالم بشنوی رحمت نفرمائی — کُہن جامہ کُہن بلبل کُہن صحرانہ بنمائی
بحیرت این قدر گویم کہ این بلبل کُہن جاہے — چرا نشناخت خود را میکند افسوس این خامہ
تو از قدرت چرا این پردۂ غفلت بیفتادی — بہ بندے ہند کردی چون ندادی چشم آزادی
مکن اوقاتِ خود ضائع بد انسو دم بدم اے دل — اگر ذکرش زبان راند کند طے سخت آن منزل
وصالِ یار گر خواہی بکن پرہیز از دنیا — تعلق دل مدار از وے برو بگریز از دنیا
بدنیا مطلبم اینست غافل از خدا بودن — اگر غافل نہ سو وے نباشد از جدا بودن
الٰہی کن دعاے من قبول از بارگاہِ خود — مرا نزدیک خود داری مکن دور از پناہِ خود
اگر دنیا نباشد من کجا بودم تماشا بین — رموزِ عشق کے دانم کنم خواہشِ دنیا و دین
بہر دم ہوش داری گر نگہ بر ہر قدم داری — کس و ناکس میازاری بر آرد کار تو باری
الٰہی گر خطاے ما اگر بینی بہ بخشی تو — رحیمی و کریمی و ازین اوصاف بخشی تو
حواس خمسہ باطن را اگر قابض شوی ہمدم — تنفر خود بخود سازی ترا کارے نشد زین کم
الٰہی چشم بکشا صاف کن قلب سیاہم را — ز آب رحم شوئی داغ عصیان و گناہم را

خموشی گر مجوشی راکند تاثیر مدهوشی تکلم ظاهری دانی یقین گردد ز بیهوشی
خدایا عفو تقصیرم کنی بهتر شود کارم درین سودای فکرِ خود نهایت عاجز و زارم
حیاتِ مستعارم گر بسر آید بذکرِ او ازان بهتر نه پندارم اگر باشم به فکرِ او
نمیدانم که تو به چیست هر کس میکند کس را نه معنی تو به می فهمد نمیداند عمل بس را
تعجب نیست گر فریادِ ما را بشنوی یارب که محتاج و لیلمان را توئی فریادرس یارب
بفریادم رسی انصاف سازی رحم فرمائی منِ گمراه را از قدرتِ خود راه بنمائی
ز انصافش توقع و مسبدم ما را همین ماند نجاتِ ما نمودی ای الهی همچنین ماند
کجا شمس و کجا شرف و کجا منصور دانشمند بران عبرت به بین هش باش و دل را اینک بند
مرا عظمت شود از تو ترا خدمت شود از من نمیدانم ازین هر دو کدام از تو کدام از من
بہ بندی چون در دنیا همین صورت تناسخ بین تنفر کن ازان هر دم دوام این نکته راسخ بین
نه از عظمت خبر داری نه شوکت را روا داری اگر داری خدا داری بکن عادت وفاداری
تو خود نوری ولے دوری مشابه عکس هر شئ کن ازین دنیا مشو غافل کنی اورا ز بیخ و بن
اگر وصلش به بینم هیچ در نظرم نمی آید تماشا همچو بازیگر به بین این شغل دل باید
دلا گر اوج خواهی کن ریاضِ زهد و تقوی را فراهم گر کنی توشه نداری فکر عقبیٰ را
ازین خوابِ کلان دنیا اگر چشمم به بکشائی ترا مشکل نمی بینم بمن این رحم فرمائی
توکل را غنیمت دان از و زر دار طیبا شی تحرک دل کنی هر دم از و هشیار می باشی
نمیدانم الهی این وجودم هست یا غفلت ز تاریکیِ باطن این هویدا شد بدل ذلت
و مے در خواب بودم این صدا آمد بگوشِ من همین تشبیه عالم دان بکن اظهار جوشِ من
خدایا دستگیری بندگانِ خود اگر سازی ز تو رحمت نه کم باشد ز عقبیٰ بے خطر سازی
نصیحت گوش کن هر دم چو پرهیزی ز حرص و آز الهی روشنی دل به بخشد کام یابی باز
به چشمِ ظاهری هرگز نه بینی جلوهٔ نورش اگر دانی به باطن بین میندیشی ز خود دورش
دلا از آهِ مظلومان به پرهیزی شود رحمت اگر عادت کنی ظالم بماند روز و شب زحمت

به دنیا هرچه بینی کن خیالِ اعمالِ ماضی را
بذکرش صاف کن هرگز مساز اندیشهٔ قاضی را

گنی عادت خدا ترسی مرا و تو بر آید دل
ازان یابی رهِ عقبیٰ به آهسته رسی منزل

ضمیرم را ببین نفرت برین دنیاے دون دارد
چه سازم فکر عقبیٰ راز غفلت سر نگون دارد

الٰهی حال من دانی برافعالم کنی رحمے
ازان ممکن شود کارم برآرم گر ازین وہمے

الٰهی پردهٔ غفلت چرا بر عقل افتادی
چراغ نور روشن کن که باشد خانه آبادی

عفو سازی عفو سازی اگر کارم خطا باشد
درونم اندرون توبه کند تا دل صفا باشد

تحیر بین ز تاریکی رسن چون مار می آید
چو علمش گشت دانستی مجسّم یار می آید

شراب عقل دیدی علم عرفان را نمیدانی
درین عالم چرا باشی تو دانی هرچه میدانی

بسا پرهیزگاران صالحان تسبیح دستان را
ازین حیرت به عجز افتاده دیدم پیش مستان را

خدا گر پرده بردارد به دل آید قرار هر دم
وگرنه این پریشانی نمیگردد به هر کس کم

دمے قابو کنی دل را حفیظِ نفس خود یابی
نه جنبانی چو آبِ دل به بینی چهره مهتابی

ازین دنیا تنفّر کن شرابِ وصل گر نوشی
به شغلش صاف باطن کن گذار این جام بیهوشی

الٰهی آبروے من نهی از نکته چینی هر دم
غریبان را پناهِ تو نمائی راه دین هر دم

مرا جوشِ جنون از علمِ مذهب خود چنان آمد
که در اظهارِ وصفش قدرتی دیگر زبان آمد

چو نامش از زبان گیری نمی بینم بر و تاثیر
اگر قلب اللسان گیرد اجابت کن بر و تعبیر

اگر اظهار دل کردی خطا داری ز گویائی
خموش هرگز مجوش آن راه باطن را تو جوئی

هزاران شکر بر نعمت کرمی بخشد درین عالم
غنیمت دان همین معنی نمی بیند بر افعالم

خدا رحمت کند بر تو مشو مایوس زین درگاه
همان دم رحم فرماید ز دل سجده کنی هر گاه

الٰهی گر دعائے من قبول افتد زہے عزّت
که هر این نسخه خواند دائما ماند بر و رحمت

ندانم کیستم از آمدن مطلب چه میدارم
مثالِ عنکبوت آمد صبیح بر حالتِ زارم

رموزِ عاشقان گفتم نهادم نام با تشبیه
دلِ مضطر به استقلال آمد گشت این تشبیه



پنڈت دیناناتھ مدن مجروح

مظہر۔ پنڈت نراین داس صاحب ہکّو

ابرِ رحمت کے مزے آتے ہیں میخواروں کو
حق نے یہ مرتبے بخشے ہیں گنہگاروں کو
انکو گرنے دے نہ مستوں کو پکڑ اے ساقی
سجدۂ شکر میں جانے دے گنہگاروں کو

معجز۔ پنڈت دینا ناتھ مدن صاحب خلف اصغر رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن صاحب دہلوی۔

آپ کی پیدایش ۱۸۷۲ء میں بمقام دہلی ہوئی۔ عہد طفلی میں احکام قضا و قدر سے آغوش مادر سے جدائی ہو گئی۔ یعنے ۱۸۷۶ء میں والدہ عزیزہ کا انتقال بمقام آگرہ ہو گیا۔ پرورش بڑی ناز و نعمت سے ہوئی اور تربیت بہ احتیاط کمال۔ ابتدائے ایام میں گورنمنٹ مڈل اسکول واقعہ چھتہ شاہ جی میں تعلیم پائی۔ زاں بعد گورنمنٹ ہائی اسکول دہلی میں انٹرینس تک شامل رہے اسکے بعد سینٹ اسٹیفنز کالج میں داخل ہوے جہاں سے ڈگری حاصل کی۔ کُل زمانہ تعلیم میں آخری مرحلۂ ڈگری میں دقّت واقع ہوئی کہ ایک سال سنسکرت میں ناکامیابی کی وجہ سے توقف کرنا پڑا جناب والد مرحوم کے خیال کی پابندی کی وجہ سے ڈگری کے امتحان میں سنسکرت لی گئی تھی ورنہ ابتدائی مدارج میں اردو اور فارسی کورس شامل تھا۔ تعلیم اول کا سلسلہ ڈگری کے ساتھ ۱۸۹۰ء میں ختم ہوا مگر سلسلہ تعلیم ملازمت کا جاری رہا۔ چنانچہ بمقام اجمیر دفتر آڈٹ ریلوے میں کام سیکھتے رہے اور سوپیریر اکونٹس کے لئے نامزدگی ہوئی۔ اُس وقت ملازمت ریلوے ترک کر کے امتحان کی تیاری میں مصروفیت رہی۔ اس امتحان کے اعلیٰ درجہ میں کامیابی نہ ہو سکی البتہ اکونٹنٹ کے ابتدائی مرحلہ سے آغاز ہو کر ڈویژنل اکونٹنٹ کے انتہائی درجہ پر ترقی کی پنجاب کے

اضلاع لاہور۔ جالندھر۔ انبالہ۔ کانگڑہ۔ گجرات۔ لائلپور۔ ملتان۔ حصار، شملہ
دہلی۔ گورگانوں۔ کرنال میں ڈویژن کے چارج میں رہے۔ اب کرنال میں
تعینات ہیں اردو علم ادب اور فارسی ادبی درسیہ کتب کی تعلیم ابتدائی گھر پر
ہوئی تھی۔ بعد میں مدرسہ و کالج میں تکمیل پائی۔ مذاق کلام ابتدا سے تھا مگر چونکہ
دن رات بھگوت گیتا اور تصوف کی کتب پر جناب قبلہ مرحوم سے گفتگو اور بحث
ہوتی رہتی تھی اسلئے اُن کے خیالات نے طبیعت کو اپنے رنگ پر ڈالا تھا۔
۱۹۰۷ء میں پنڈت دینا ناتھ نے اردو زبان سے بھاشا میں ترجمہ برہم درشن
کا کیا جو نہایت مقبول ہو چکا ہے۔ اُسکے بعد سری مد بھگوت گیتا کا ترجمہ اردو زبان
میں اشلوک وار کیا گیا جو مخزن اسرار کے نام سے مشہور ہے اور نہایت پسندیدگی
کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ اسکے علاوہ ترجمہ اردو سری مد بھگوت گیتا میں جناب
قبلہ مرحوم کو بہت امداد دی ہے۔ شعر گوئی کا شوق ۱۹۱۵ء سے شروع ہوا جب سے کہ آپ
کے برادر کلاں پنڈت امرناتھ مدن ساحر نے دہلی میں بزم سخن کی ترتیب دی۔
اور ماہوار جلسوں کے علاوہ سالانہ جلسے بڑے پیمانہ پر ہونے شروع ہوئے
کلام کا موازنہ خود کلام سے ہو سکتا ہے۔ رموز تصوف کو عام فہم زبان میں
اچھا لباس پہنا کر پیش کیا گیا ہے۔ طبیعت کی شوخی کی جھلک اکثر اشعار میں پائی جاتی
ہے۔ تشبیہات اور استعارات کا استعمال تامہ ہے۔ عبارت کی چستی لطف دیتی ہے
ہندی بھاشا میں بھی عرصہ چار پانچ سال سے طبع آزمائی ہوتی ہے کہ ہندی
کوی سمیلن کا جلسہ بھی سالانہ بزم سخن کے اجلاس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

بصیرت کی نظر سے حق و باطل دیکھتے جاؤ — خدائی اور خودی کی حد فاصل دیکھتے جاؤ
اُدھر سے شان یکتائی اِدھر سامان یکرنگی — برابر وحدت و کثرت کی محفل دیکھتے جاؤ
اگر کچھ دیکھنا منظور ہے چشمان باطن سے — صفا کا آئینہ رکھکر مقابل دیکھتے جاؤ

بشر کی ہستیِ موہوم کو اس بحرِ عالم میں
حباب آسا علیحدہ اور شامل دیکھتے جاؤ

ازل سے نطقِ انساں میں ہے حرف و صوت کی شرکت
مرکب نقطے میں معنی کو داخل دیکھتے جاؤ

وفورِ عشق کا انجام باہم بے حجابی ہے
نگاہِ قیس سے لیلیٰ کا محمل دیکھتے جاؤ

رموزِ باطنی کے لطف سے محروم واعظ کی
طبیعت گلشنِ رضواں پہ مائل دیکھتے جاؤ

تماشاگاہِ عالم میں غرضمندوں کی نظروں کے
مقابل پردۂ پندار حائل دیکھتے جاؤ

غمِ دنیا و مافیہا سے حاصل کرکے یکسوئی
دلِ بے مدعا میں جذب کامل دیکھتے جاؤ

رضائے ناخدا پر چھوڑ کر کشتی تلاطم میں
توکل کی نگہ سے سوئے ساحل دیکھتے جاؤ

بزرگانِ سلف کا شاہراہِ دین و دنیا میں
نشانِ نقشِ پا منزل بمنزل دیکھتے جاؤ

انانیت جدا کرکے بنی آدم کی خلقت میں
خمیرِ آب و باد و آتش و گِل دیکھتے جاؤ

محاسب بن کے نیکی اور بدی کا لوحِ ہستی پر
حسابِ عمر کی باقی و حاصل دیکھتے جاؤ

کبھی تو عکسِ محبوبِ حقیقی روبرو ہوگا
نگاہِ شوق سے آئینۂ دل دیکھتے جاؤ

یہ مانا ساری دنیا سیرگاہِ حسن ہے معجز
جو جلوہ ہے نگاہِ دل کے قابل دیکھتے جاؤ

سایۂ پندارِ ہستی گر فنا ہو جائیگا
نورِ دل آئینۂ روئے بقا ہو جائیگا

دیدۂ باطن جو وحدت آشنا ہو جائیگا
جلوۂ حق عالمِ کثرت نما ہو جائیگا

سرمۂ وحدت کھنچے گا جب نگاہِ شوق پر
حسنِ خوباں عکسِ شانِ کبریا ہو جائیگا

گنبدِ مینا پہ جائیگی جو میکش کی نظر
ماہِ نو ساغر بدستِ دلربا ہو جائیگا

کوچۂ سوزِ محبت میں دلِ بیتاب کو
خاکساری سے میسر کیمیا ہو جائیگا

جوہرِ تیغِ فنا سے آب نوشی شرط ہے
زندگی جاوداں حکمِ قضا ہو جائیگا

ظلمتِ بحرِ جہاں میں پرتوِ نورِ خدا
کشتیٔ عمرِ رواں کا ناخدا ہو جائیگا

جنبشِ تارِ نفس کب تک رہیگی نغمہ خیز
ایک دن یہ سازِ ہستی بے صدا ہو جائیگا

نزع میں کب تک کھنچیگی زیست کی وابستگی
آخرش دستِ اجل مشکلکشا ہو جائیگا

روح ناجی توڑ دیگی جب طلسمِ عنصری
علم ہستی واصلِ کیفِ بقا ہو جائیگا

اے بشر بحرِ حقیقت میں شناور ہوکے دیکھ
زعمِ باطل وقفِ تسلیم و رضا ہو جائیگا

نغمۂ توحید سنکر عندلیبِ زار سے
گوشِ گل دمساز قانونِ وفا ہو جائیگا

خلوتِ دل کے اگر درباں ہے چشم و زباں
حق سے پورا ایک دن عہدِ وفا ہو جائیگا

بزمِ ہستی میں مثالِ شمع ہو روشن ضمیر
اہلِ دل پر منکشف یہ ماجرا ہو جائیگا

گلشنِ معجز سے آتی ہے نسیم عطر بیز
دل شگفتہ مجمعِ احباب کا ہو جائیگا

جذبۂ نور میں جب تک اثرِ نار نہ تھا
جلوۂ حق کا فرشتوں کو بھی دیدار نہ تھا

قلبِ سالک سے رواں کب دمِ ایثار نہ تھا
چشمِ مجذوب سے کب کیف کا اظہار نہ تھا

اہلِ باطن کی نگاہوں میں گل و خار نہ تھا
باطنِ خار میں کب جلوۂ گلزار نہ تھا

کفر و ایماں میں جدائی نہ ہوئی تھی جبتک
فاصلِ دیر و حرم پردۂ پندار نہ تھا

خود نما کو تھی بس آہستہ خرامی منظور
سایۂ زلف سے کچھ دوش گرانبار نہ تھا

تھا عجب شاہدِ یکتا کا سراپا موزوں
مانعِ دید مگر جلوۂ رخسار نہ تھا

محرمِ رازِ ازل نے یہ معمہ کھولا
شکلِ تثلیث میں توحید تھی زنار نہ تھا

نقش تھا سورۂ اخلاص کی پیشانی پر
قشقہ تعویذِ طلسماتِ ریاکار نہ تھا

دیدۂ دل تھا مئے نورِ سحر سے مخمور
شاغلِ کیف نظر خفتہ و بیدار نہ تھا

کیوں سماتا نہ سویدا میں جہانِ راحت
نقطہ آزارکشِ گردشِ پرکار نہ تھا

ہوگیا روح کو شہرِ گت سے گزر کر معلوم
جادۂ اہلِ فنا سہل تھا دشوار نہ تھا

لب کشائی سے میرا اربابِ صفا جان گئے
معجزِ سحر بیاں واقفِ اسرار نہ تھا

بہارِ خوشۂ رز ہے شرابِ ارغواں ہونا
فضائے علم عرفاں ہے سُرورِ جاوداں ہونا
سکونِ دل ہے رفتارِ نفس کا رازداں ہونا
عروجِ باطنی ہے خاکپائے سالکاں ہونا
کسی کا شعبدہ ہے فطرتِ انساں کے پردے پر
نگاہوں سے عیاں ہونا رگِ جاں میں نہاں ہونا
کہیں خورشید کا جلوہ کہیں ظلمت کا نظارہ
زمیں کی گردشِ قسمت ہے زیرِ آسماں ہونا
بگولہ بن کے گو اُڑتے رہیں یہ خاک کے ذرّے
لکھا ہے اُن کی پیشانی پہ زیرِ آسماں ہونا
دلالت کر رہا ہے داورِ محشر کی ہستی پر
زمانِ حال میں دنیا کا زیرِ امتحاں ہونا
کبھی اُس کو بھی راہِ گنبدِ مینا دکھائیگا
نظر کا بازیِ چوگاں میں سوئے گردگاں ہونا
مکرّر زندگی کا نقش دکھلاتی ہے بیداری
مکرّر موت کا پیغام ہے خوابِ گراں ہونا
ثبوتِ ہستیِ جاوید ہے اس دارِ فانی میں
بزرگانِ سلف کا صاحبِ نام و نشاں ہونا
رموزِ عشق کے اظہار میں لاحق ہے دشواری
کلیم آساں نہیں اہلِ وفا کا ہمزباں ہونا
دلیلِ شاعری ہے خال و عارض کا بیاں جبتک روا ہے مُعجزِ باطن نگر کا بے زباں ہونا

کسی کا چہرہ عالمتاب ہے شمس و قمر ہو کر — نمایاں ہے کسی کی زلف شبگوں بحر و بر ہو کر
سمایا کوئی تل میں آنکھ کے نورِ بصر ہو کر — محیطِ عالمِ امکاں بنا تارِ نظر ہو کر
سمٹ آئی کسی جاناں کی موئے کمر ہو کر — دوبالا ہو گیا جوبن کہیں شق القمر ہو کر
کسی کا حسن نوآموز ہے غنچہ کی صورت میں — سبق دیتا ہے کوئی پختہ کاری کا ثمر ہو کر
کسی کے خالِ رخ کی روشنائی لوحِ ہستی پہ — نظر آتی ہے مرکز دائرہ زیر و زبر ہو کر
نسیمِ صبح نکہت ہے کسی کے زیورِ گل کی — کسی کی چشمِ خواب آلود ہے رنگِ سحر ہو کر
کسی کی داستانِ عشق ہے منقارِ بلبل میں — سماعت کر رہا ہے کوئی گوشِ گل میں زر ہو کر
مگس تمثال ہے شیر و شکر میں کوئی آغشتہ — کوئی آزادہ رو ہے دُود پیچاں شمع پر ہو کر
نفس کا دورِ حیواں میں کسی کے دم سے جاری ہے — رموزِ معرفت کا کوئی جویا ہے بشر ہو کر
رگِ جاندار سے وحدت سرا ہے کوئی در پردہ — بجاتا ہے کوئی ناقوسِ کثرت پردہ در ہو کر
جہالت کی شبِ تاریک میں آوارہ دنیا کو — دکھائی مشعلِ عرفاں کسی نے راہبر ہو کر
نیاز و نازِ حسن و عشق کا پردہ اٹھا ڈالا — دلوں سے جذبِ کامل نے کسیکے باثر ہو کر
جلایا آتشِ فقداں میں رختِ بے ثباتی کو — فنا کا راز بتلایا کسی نے باخبر ہو کر
کسی کے جنبشِ لب نے عطا کی جانِ مُردوں کو — کوئی پیغام لایا موجدِ شق القمر ہو کر
حلاوت ہو گئی حاصل کسی کو جامِ کوثر کی — سنانِ خنجرِ سفاک سے سینہ سپر ہو کر

ہجومِ شک باطل میں یقینِ وحدتِ ایزد
نوشتہ ہے دلِ معجز پہ نقشِ کالحجر ہو کر

رنگِ شفق ہے سینہ میں لعلِ یمن میں گل — عکسِ قمر ہے عارضِ دُرِ عدن میں گل
آبِ رواں کا نشو و نما ہے چمن میں گل — زندہ دلی ہے دامنِ سالِ کہن میں گل
خلوت گزیں ہے غنچۂ دل میں تو وقتِ شب — کھلتا نیا ہے روز ترے انجمن میں گل
فانوسِ تن سے روشنیِ داغہائے دل — چھنکر دکھا رہی ہے ترے پیرہن میں گل

حسنِ ازل کا آئینہ ہے عشقِ سرمدی — ہے تازگیِ نشۂ شرابِ کہن میں گُل
بود و فنا ہیں نخلِ تمنا کے برگ و بار — آئندہ زندگی کا نشاں ہے کفن میں گل
باطن سے رونما ہیں نہالِ نفس کے ساتھ — دل میں فضا گُلو میں شگوفہ دہن میں گل
اہلِ وطن کے دیدۂ امید وار کو — آتا نظر ہے ذرۂ خاکِ وطن میں گُل
بادِ بہار کو لبِ معجزؔ نے چھیڑ کر — کیا خوشنما کھلائے زمینِ سخن میں گُل

پسِ نگاہ جو پنہاں ہے عینِ وحدت میں — نظر کے سامنے پیدا ہے شکلِ کثرت میں
جو بوئے رنگ ہے سیرت میں اور صورت میں — وہی ہے غنچہ و گل خلوت اور جلوت میں
نفس کے دورِ تسلسل میں ہیں یہ جذب و سلوک — کہ مہر و ماہ کو گردش ہے چرخِ قدرت میں
نگاہِ شوق نہ ہو دلفریب کیا معنی — فریبِ حسن ہے نقش و نگارِ فطرت میں
دلِ ہزار اُلجھانے کو ایک عشوہ نما — اسیرِ گل میں ہے آزادہ رو ہے نکہت میں
زہے نصیب کہ اس دل نے اُڑتی اُڑتی سنیں — جو حسن و عشق کی سرگوشیاں تھیں خلوت میں
مجاز تک ہی رہا امتیاز دیدہ و دل — یہ دونوں ایک ہوئے منزلِ حقیقت میں
حواس و دل مری صورت کو ڈھونڈتے ہی رہے — قدم بڑھا جو مرا عرصۂ لطافت میں
نگاہِ یاس دکھا وہ تجلیاں پیہم — طلوعِ صبح کا منظر ہو شامِ غربت میں
فضائے عالمِ قدسی اُسے نصیب نہیں — جو مرغِ دل ہے گرفتارِ دامِ الفت میں
رموزِ عشق پہ کیوں لب کشا نہ ہو معجزؔ
سخن کی قدر رہے اہلِ سخن کی صحبت میں

زبان گنگ ہے تعریفِ لا مکاں کے لئے — خیال لنگ ہے تفتیشِ بے نشاں کے لئے
دل ایک شعبدہ گر ہے نشاطِ جاں کے لئے — کہ پتلیاں مری رہبر ہیں دو جہاں کے لئے
بہم ہیں کیف کے سامان قلبِ انساں میں — خودی یہاں کے لئے بیخودی وہاں کے لئے
نہاں ہے ظلمتِ سینہ میں شعلہ بار نفس — غلاف ہے شبِ دیجور کہکشاں کے لئے
فروغِ حسن ہے غارت گرِ نقابِ خودی — کہ پردہ در شبِ مہتاب ہے کتاں کے لئے

فلک پہ طائر قدسی ہے محوِ آرایش کہ لائے انجم شب تاب آشیاں کے لئے
یقیں کی راہ پہ چلنا بشر کو مشکل ہے ہزار وسوسہ ہیں طبعِ بدگماں کے لئے
عنانِ صبر ہو جس ناخدا کے ہاتھوں میں وہ جستجو نہیں کرتا ہے بادباں کے لئے
مئے فنا کے قدح کش ہیں اپنے حال میں مست تلاش کون کرے عمر جاوداں کے لئے
سرورِ زینتِ دل ہے تو نورِ رونقِ چشم وہیں درست ہے جو چیز ہے جہاں کے لئے

بلند پایہ ہے خورشید جس کے سجدہ میں
خمیدہ ہے سرِ معجزؔ اُس آستاں کے لئے

نیرنگِ تماشائے جہاں پیشِ نظر ہے پُتلی کے پسِ پردہ کوئی شعبدہ گر ہے
دیگا یہ نشاں خونِ تمنا سرِ محشر آلودۂ خوں دستِ فلک شام و سحر ہے
سیاروں کی محفل میں کسی مہر جبیں کا آئینۂ رخسار نما قرصِ قمر ہے
سورج کی شعاعوں کا نہ کچھ بیش نہ کچھ کم بت خانے میں کعبہ میں کلیسا میں گذر ہے
موجود وہ ہر دم ہے مگر آنکھ سے اوجھل اس رازِ خفی کی دلِ عارف کو خبر ہے
خدّامِ ازل گرچہ ہیں جنّات و ملائک جوئندۂ اسرارِ ازل ذاتِ بشر ہے
آئینۂ قدرت میں ہے صورت کا اُلٹ پھیر جو بیج شجر ہے وہی انسان کا سر ہے
ایک نخل کی شاخیں ہیں یہ اوصافِ سہ گانہ احساس شگوفہ ہے تو کردار ثمر ہے
انوار تجلّی پہ کراماتِ نفس سے اعمال کے سانچے میں ڈھلی روحِ بشر ہے
ایماں کے آغوش میں ہے کفر کا شاہد اقرار کے پہلو میں ہے انکار جدھر ہے
عشرت کدۂ رند ہو یا خلوتِ صوفی ایک شمع کو دونوں میں مساوات نظر ہے
علمائے طریقت کے نشاناتِ کفِ پا جس سمت نمایاں ہیں وہی راہگذر ہے

تسخیر کیا تو نے زمانے کے دلوں کو
معجزؔ ترے الفاظ میں جادو کا اثر ہے

مغموم - یکے از ارباب قوم مقیم جیپور ۱۸۷۷ء

قطعہ تاریخ وفات پنڈت برج ناتھ گو صاحب منصرم مستری خانہ ریاست جیپور

الا اے رہ نورد عالم قدس | بجانت رحمت وجابیت بجنت
بغم بگذاشتی مارا و بر فتی | وفا بگذاشتی اے بے مروّت
امید از تو چنین ہرگز نبود آہ | نمودی دفعتاً قطعِ محبّت
چرا رحمے بفرزندان نکردی | نکردی تو بجانِ خویش رحمت
زجیون لال گر برداشتی دل | بکاشی کاش می بودیٔ بہ الفت
دریغا حسرتا افسوس وہیہات | بپا کردی چہ کردی این قیامت
چہ کردی برجنا تھ لے واچہ کردی | کہ روزے شد چنین روزِ مصیبت
دلِ معمور صد پارہ شد از غم | شکیب و صبر از ما خواست رخصت
پئے صبرے بگوش آمد صدائے | زند ہر کس بہ نوبت کوس رحلت
زبیتابی دلم آمد بہ تسکین | سوالے کردم از سالِ وصالت

بگفتا با دلِ مغموم ہاتف
غم افزا سانحہ۔گو۔سالِ ہجرت
۱۲۹۳ھ

مفتوں - پنڈت لچھمی نراین مشران صاحب خلف پنڈت گوردھن مشران صاحب ساکن فرخ آباد۔

آپ شہر فرخ آباد کے رئیس اعظم تھے۔ مرزا غالب دہلوی سے اصلاح سخن نثر و نظم اردو فارسی میں لیتے تھے۔ زبان فارسی کے ماہر اور لغات و مصطلحات فارسی اور اصطلاحات بدرجاج پر عبور کامل رکھتے تھے۔ خوشنویسی اور نستعلیق نویسی میں

میر علی بخش حسینی کے شاگرد تھے جو نستعلیق نویسی میں ہندوستان میں بے نظیر تھے۔ چھیاسٹھ برس کی عمر میں یکم نومبر ۱۸۸۱ء کو رہگرائے ملک بقا ہوئے آپ کے پدر بزرگوار کے بزرگ صوبہ دار کشمیر تھے لیکن کشمیر میں طوائف الملوکی کے زمانہ میں ترک وطن کرکے فرخ آباد میں اقامت گزین ہوئے تھے۔ آپ کے والد پنڈت گوردھن داس مشران نے محکمہ کلکٹری میں سررشتہ داری مال پر مامور ہو کر وہ عروج حاصل کیا جو اس وقت تک کہ سو برس کے قریب زمانہ گذر چکا ہے تمام ضلع میں یادگار رہے۔ ملازمت سرکاری سے سبکدوش ہونے کے بعد چند کوٹھیاں تجارت کی کھولیں اور ساہوکاری میں درجہ اول کا نام پیدا کیا۔ بہادر شاہ بادشاہ دہلی کی سرکار سے "انتظام الدولہ ممتاز الملک مہاراجہ گوردھن داس بہادر دیوان اعلیٰ" کا خطاب تھا۔ اُن کی اسناد میں تحریر ہے کہ فرخ آباد کے ضلع کا انتظام مالی بعد غدر محض پنڈت گوردھن داس کے مشورہ سے کیا گیا ہے۔ عہد سررشتہ داری میں اعزہ واقربا احباب اور زمینداران ضلع فرخ آباد کے ساتھ وہ سلوک کئے جو ابتک یادگار ہیں۔ نواب تجمل حسین خان بہادر والی فرخ آباد کی سرکار میں مدارالمہام تھے حسن انتظام سے ریاست کو عروج پر پہونچا دیا۔ پنڈت لچھمی نرائن مفتوں نے بحیثیت آنریری مجسٹریٹی و میونسپل کمشنری کے اعلیٰ درجہ کا رسوخ حکام میں پیدا کیا اور ساہوکار بھی اول درجہ کے سمجھے جاتے تھے ۱۸۷۷ء کے دربار دہلی میں حضرت مفتوں کو ملکہ وکٹوریہ کی سند خیرخواہی پسندیدہ خدمات کے جلدو میں عطا کی گئی۔ نواب حشمت جنگ والی فرخ آباد کے دربار میں مصاحب خاص کے عہدہ پر ممتاز تھے۔

لگا ہے زخم کاری خنجر ابروئے قاتل کا تماشا خانۂ دل میں ہے رقص مرغ بسمل کا
نہ سمجھو بے سبب پُر داغ ہونا ماہ کامل کا سفیدی پر نشاں ہوتا ہے دود شمع محفل کا
چھپے ہیں نیش غم از بس غم خوبانِ عالم میں مثالِ خانۂ زنبور ہے نقشہ مرے دل کا

مرے فیضِ قدم سے اہلِ زنداں وجد کرتے ہیں صدائے ارغنوں سے کم نہیں نالہ سلاسل کا
یونہی گر موسمِ ابر و ہوا میں مجھ سے نفرت ہے گریگا صاعقہ ساقی یہ میرے نالۂ دل کا
دل افسردہ ہوا بے مہریِ خوباں سے اے مفتوں
نہ ہو باور تو ہے اللہ واقف حق و باطل کا

زخمِ تیغِ نازِ خوبانست خوردن کارِ ما غیرتِ باغِ ارم شد سینۂ افگارِ ما
تا بہ پیشانی رقم کردیم وصفِ آن صنم سربسر بالِ قلم شد رشتۂ زنارِ ما
یک نفس گر بگذرد موجِ شمیمِ زلفِ تو خانۂ عطار گردد رخنۂ دیوارِ ما
تا دلِ ما محوِ آن شمس الضحیٰ گردیدہ است ہست در بازارِ عالم گرمیِ بازارِ ما
میشود از فیضِ عشقش رزقِ رنج و غم نصیب یارب آباد آن بماند اینچنین سرکارِ ما
دشت از یادِ رخِ پُر نور روشن کردہ ایم مشعلِ طور است خارِ وادیِ پُر خارِ ما
یادگارِ ما بود مفتوں فراہم کن ہمہ
ہست رنگین تر ز گلہا دفترِ اشعارِ ما

گرم دارد پشتِ دل تا آن رخِ روشن مرا از حریرِ شعلۂ شمع است پیراہن مرا
لالہ آسا ز آتشِ ہجران سراپا سوختم از ہجومِ یاس آتش خانہ شد گلشن مرا
بے تو اے ساقی چنان از زندگی تنگم کہ شد قلقلِ مینا صدائے نالۂ شیون مرا
از نویدِ وصل تا بر خویشتن بالیدہ ام مثلِ چشمِ اغنیا تنگ است پیراہن مرا
چوں نگریم روز و شب در انتظارِ وصلِ دوست
کرد مفتونش زبس عشقِ خرد دشمن مرا

از آتشِ فراق بتان شد سرشتِ ما باشد ز سوزِ شمع خطِ سرنوشتِ ما
سبقت گرفت زردیِ رنگم ز زعفران خندید ہر کہ کرد نظر سوے کشتِ ما
مومن بیا بہ بین کہ دل افروز قدسیان چون شمعِ کعبہ است چراغِ کنشتِ ما

بہ کنج خانۂ غم چیست آرزو کردن
زمہر و ماہ بیاموز جستجو کردن

بہ یاد عارض او از جہان شدم زیسپم
کفن ز چشمۂ خورشید شست و شو کردن

ولہ

اے عارضِ تو روکشِ خورشیدِ خاوری
گرداند ابروت دم صمصام حیدری

از ہر چہ شانِ مدحِ تو گوئیم فزون تری
نام خدا تو سایۂ اللہ اکبری

خوردم ور آرزوے قدمبوس داغہا
گنجیست ور دلم ز ہوا ہیر اکبری

پیشِ تو دم زلاف زند از گزافِ اوست
طفلیست بتدی بحضورت زمخشری

شد مطلعِ تو مقطعِ فکرِ سخنوران
ہر شعرِ تست روکشِ دیوانِ انوری

ولہ

میں رہگزار یار میں کیونکر اڑاؤں خاک
ڈر ہے کہ مٹ نہ جائیں کہیں نقش پاے دوست

اس پر تو خیریت سے لٹکتی ہے پاؤں تک
عقدے کھلیں تو دیکھئے زلفِ رسا ے دوست

کیا کیا نہ آئیں دل میں مرے بدگمانیاں
شب دیکھکر کھلے ہوے بندِ قباے دوست

بدخواہ اپنا کون ہے ہمدم سواے دل
دشمن ہمارا کون ہے مفتوں سواے دوست

عمر گذری کہ تری راہ میں ہم بیٹھے ہیں
پر ابھی شوق یہ کہتا ہے کہ کم بیٹھے ہیں

واہ قسمت کہ لبِ بحر پہ ہم مثلِ حباب
خالی کاسہ لئے با دیدۂ نم بیٹھے ہیں

خاکساروں کو نہیں تختِ سلیماں کی ہوا
صورتِ نقشِ قدم خاک پہ ہم بیٹھے ہیں

کیونکہ بیت الصنمِ عشق سے اٹھیں مفتوں
اب تو اللہ کی ہم کھا کے قسم بیٹھے ہیں

اب جا کے ناز خاک کے ڈھیروں پہ کیجئے
زندہ رہا نہیں کوئی عاشق جناب کا

دیکھو دہانِ یار کمر پر نظر کرو
کیسا جواب ہے دہنِ لاجواب کا

مفتوں تلاشِ مے میں پھرا ہوں جو دُور دُور
ہر آبلہ ہے پاؤں کا شیشہ شراب کا

ساحری آخر اسیر دام الفت ہوگیا | چشم فتاں میں تری جادو کا سر دیکھکر
دیکھکر موباف زریں اُس کی مفتوں جعد میں | خلق کہتی ہے پڑی بجلی شب دیجور میں

ولہ

قطعات

وقتِ خضاب آمد و عہدِ شباب رفت | ہنگام نائے و نوش و شراب و کباب رفت
در سجدہ گاہ عاشقِ معشوقِ خویش باش | جامت پُر و زمانۂ چنگ و رباب رفت
یار ما گردید رامِ دیگران | چرخ میگردد بکامِ دیگران
روزِ من شد از اَلم شامِ غریب | صبح تو روز است شامِ دیگران

دیگر

شد ز وصفِ آن رخِ پرنور افزون شانِ ما | مطلعِ خورشید باشد مطلعِ دیوانِ ما
در شبِ ہجران او گلہائے رنگین ریختہ | چون اثارِ آتشین آہِ شرر افشانِ ما
از جفاہائے تو بر ما کفر عاید میشود | رحم کن للہ اے غارتگرِ ایمانِ ما

ولہ

روئے او ہر کہ دیدہ می آید | پیرہن را دریدہ می آید
دستِ من کے رسد بدامانش | او کہ دامن کشیدہ می آید
چہ خوشا قسمتم کہ قاتلِ من | پئے قتلم دویدہ می آید

بہتِ بیرحم بر سرِ مفتوں
تیغِ ابرو کشیدہ می آید

ترکِ الفت کنم و رخت بصحرا فگنم | خویش را دور از آلائشِ دنیا فگنم
بنگرم روئے کدورت زبدیِ اغیار | نیکیِ خود ز دلِ صاف بدریا فگنم
گر شود راہ نما عشق سوئے دشتِ جنون | از خطِ جادہ مگر سلسلہ در پا فگنم
ساقی ار جام ز صہبائے مروق بخشی | طوقِ زرین ہمہ در گردنِ مینا فگنم
عاشقم جز محن و رنج نباشد منظور | تُف بروئے طرب از نعمتِ دنیا فگنم

بوالہوس تا بگذارد قدم از آساق   خار در مرحلۂ عشق سراپا گگنم
جان نثارش کنم اینک ز الم اے مفتوںؔ
کار امروز چرا باز بفردا نگنم

کیا عجب گر سرِ عاشق پہ کریں وار ابرو   تیغِ عریاں ہیں ستمگار کے خمدار ابرو
قد ہے گر فتنۂ محشر تو بلا زلفِ سیاہ   قاتلِ خلق جو آنکھیں ہیں تو خونخوار ابرو
اپنا خنجر سے گلا کاٹ کے مرجاؤں گا   تیرے پُرچیں جو ہیں گے یو نہیں ہر بار ابرو
اور کس چیز سے مفتوںؔ انھیں نسبت دیجے
سو طرح قوسِ قزح سے ہیں طرحدار ابرو

مفتوںؔ پنڈت بھوانی شنکر شیوپوری عرف چھچھلی صاحب
ولد پنڈت گوری شنکر صاحب۔

پنڈت بھوانی شنکر صاحب شیوپوری عرف چھچھلی کا مولد شہر دہلی تھا۔ بھادوں بدی یکم سمت ۱۸۹۱ کو آپ پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد ماجد جناب پنڈت گوری شنکر صاحب ریاست جیپور میں سررشتہ عدالت صدر فوجداری تھے۔ جن کا انتقال عالم شباب میں سنہ ۱۸۵۱ء کے درمیان ہو گیا۔ اور دو سال بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ آپ کے والدہ اور چچا پنڈت دیا شنکر صاحب سرگباس ہو گئے۔

آپ نے علامۂ دہر مولانا نجابت خاں صاحب سے تحصیل علم کیا اور ۱۱ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے ریاست بھرتپور میں آپ کے ماموں پنڈت موتی لال کول شرغہ صاحب میر منشی محکمہ ایجنسی تھے اور انکے بڑے بھائی پنڈت کنہیا لال کول شرغہ محافظ دفتر تھے جن کا تخلص مشتاق تھا۔ بحکم ۱۰ مارچ سنہ ۱۸۵۶ء آپ کا تقرر یکم چیت سمت ۱۹۱۲ سے عہدۂ محرر فوجداری حضور تحصیل بھرتپور پر ہو گیا جو اس زمانہ میں معزز عہدہ تھا۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں غدر ہو گیا۔ اُس وقت آپ کی دادی صاحبہ دہلی میں

تھیں اور انکی پوتے پوتیاں اور نواسیاں بھی انھیں کے ہمراہ تھیں۔ فوج والے وہ ترجمہ مکان پر آئے اور خواہان زر و زیور ہوئے ایک مرتبہ تو خالی گئے دادی صاحبہ نے کہہ دیا میں ملازمہ ہوں مالک مکان یہ بچے چھوڑ گئے ہیں میرے علم میں کوئی زر و زیور و مال نہیں ہے۔ دوسری مرتبہ پھر آئے اور لڑکوں کی گردن پر شمشیر ہائے برہنہ رکھدیں۔ اگرچہ دادی صاحبہ نے جو بڑی زیرک۔ جہاندیدہ اور باہمت تھیں کسی قسم کا خوف نہیں کیا۔ مگر نواسیوں اور پوتیوں نے شور مچایا کہ اماں مال بتلادے پھر کیا تھا کنجی حوالہ کرنی پڑی۔ ظالم کُل زر و زیور و ظروف موس لے گئے۔

آپ کے فرزند پنڈت برجکشور صاحب ریاست بھرتپور میں تحصیلدار رہے اور آخر ۱۹۲۳ء میں تحصیلداری سے پنشن یاب ہوئے جن کے تین لڑکے راجکشور صاحب سب انسپکٹر سنٹرل انڈیا ایجنسی اندور۔ تیج کشور صاحب کلرک محکمہ جنرل منیجر سالٹ ڈیپارٹمنٹ سانبھر اور اقبال کشور صاحب عمر ۱۴ سال اور ایک لڑکی ہے۔ فرزند اصغر روپ کشور صاحب انسپکٹر سایر و ایکسایز بھرتپور میں تھے جو نوجوان ۱۸۹۷ء میں دنیائے ناپائدار سے چل بسے۔ انکے فرزند جنک کشور صاحب سپرنٹنڈنٹ فارن ڈیپارٹمنٹ ریاست بھرتپور ہیں۔

آپ تحصیل بھرتپور۔ مکھر۔ ویر۔ اُجین میں محرر اوّل فوجداری اور نظامت بھرتپور و اسٹیٹ کونسل میں اہلمد رہے۔ آپ کا خط نستعلیق نہایت پاکیزہ و باقاعدہ تھا مگر شکستہ ایسی تیزی سے لکھتے تھے کہ بدخط مشہور ہو گئے۔ مہاراجہ صاحب برج اندر سوائی جسونت سنگھ صاحب بہادر والی ریاست بھرتپور جب کسی کو بزمرۂ اہلکاران ملازم رکھتے تھے۔ آپ کی تحریر پڑھوا کر پاس کرتے تھے۔ آپ کے صدہا شاگرد تھے جنھوں نے اچھی استعداد اور قابلیت حاصل کی۔ چاپلوسی اور خوشامد آپ کی سرشت میں نہ تھی۔ صاف گو۔ حاضر جواب۔ بے غرض اور لاپرواہ تھے۔ حکام وقت اور مہاراجہ صاحب

آپ کی عزت کرتے تھے مگر ۱۹۲۵ء سے زیادہ ترقی نہ ملی۔ مہاراجہ صاحب بھرتپور کی خدمت میں اہلکاران اور اہل غرض اکثر سلام کے لئے روزانہ یا ہفتہ وار جایا کرتے تھے اور اکثر کی اُن میں سے آرزو بھی پوری ہوتی تھی مگر آپ ایک مرتبہ بھی اس طرح نہ گئے اور ہمیشہ قانع و شاکر رہے۔ مگر اخلاق اور برتاؤ آپ کا ایسا پسندیدہ تھا کہ کسی سے کدورت یا مخالفت نہ تھی ۱۹۳۰ء سے پہلے قومی بھائیوں کے بھرتپور میں ۲۵ گھر تھے بعض صاحبان میں چشمک اور شریفانہ نااتفاقی بھی ہو گئی تھی۔ ان میں بعض قریبی رشتہ دار بھی تھے مگر نہ رشتہ داروں کی حمایت تھی اور نہ غیروں کی مخالفت۔ بقول کسے

خورشید وار دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ　　روشن ضمیر ملتے ہر ایک نیک و بد سے ہیں

افسوس کہ بیساکھ بدی ۱۴ سمت ۱۹۴۷ کو بمقام بھرتپور بہ عارضہ انفلوینزا آپ نے جان شیریں جان آفریں کو سونپی۔

چہ شد یارب کہ مدہوشند و بیخود اہل محفلہا
مگر آن چشم مخمورش عنان بگسستہ ازدلہا
بحسن بے نقابش حسن در زیدن بہ آسا نشست
بہ بینم تا چہ می آید برون زین پردہ مشکلہا
ز آہ و نالۂ من خاطرِ عالم بہ درد آمد
دلِ ناداں حذر کن از شکستِ شیشۂ دلہا
منم آن آشنائے بحر مواجِ غم و محنت
کہ دستِ من نیفتا داست بر دامان ساحلہا
نمیدانم کہ امین شور محشر در گلستان است
کہ بلبل می طپد در زیر گلشن ہمچو بسملہا

چو مفتون مصدر باب محبت شد عجب نیست
قمر کاهد چو گردد بدر بعد از طیِ منزلها

شکایت از که کنم وز قضا چه نالهٔ ما	ز خونِ دل چو نصیب است این نوالهٔ ما
قدم ز دامنِ عزلت نمی نهم بیرون	که کم ز جم نبود این خطِ پیالهٔ ما
قیامتے دگر انگیخت بر فلک سیران	بلند گشت به گردون چو آه و نالهٔ ما
مصاحب شه دیوانگی منم مفتون
بمهرِ عشق رسیداست این قبالهٔ ما

یارب اثرے نالهٔ مستانهٔ مارا	روزے بجنون ده دلِ دیوانهٔ مارا
این گریهٔ خونین که مراهمرهٔ دل هست	ترسم که بعالم برو افسانهٔ مارا
چون شمع دلم سوخته از شعلهٔ آهم	آواز برون نیست چو پروانهٔ مارا
از گردشِ ایام غمت نیست چو مفتون
لبریز زمے کن لبِ پیمانهٔ مارا

خدارا اے صبا در گوش کن سروِ خرامان را	ز خونِ بے گناهان دور نه اطرافِ دامان را
بروے دلفریبش زلف راکارے عجب افتاد	چگونه اختلاطے هست باهم کفر و ایمان را
من از بازیِ چرخِ کج روش غافل نیم اے دل	چگونه جمع آرم در دل اسباب پریشان را
ز وه شعله بهر موے غمم سوزِ نهان مارا	بپاے سرو من بنگر تماشاے چراغان را

وله

خلق میگوید قیامت قامتِ دلدار را	چشمِ مستش برد طاقت مردمِ هشیار را
سوے کعبه هرگزم رغبت مده ناصح که هست	بهتر از کعبه شناسم جلوهٔ رخسار را
خفتگیِ بخت را ناصح همین شاید بس است	هیچ تاثیرے نه بینم نالهٔ بیدار را
جانِ تازه میدهد یک جرعهٔ صهباے او	دار آباد اے خدا این خانهٔ خمار را

وله

بیاویزد اگر آن شوخ بر رخسار کاکل را	زند آتش به گل از پا بر آرد شاخ سنبل را

نوائے تہنیت ہر سو وہد در بزم گلرویان — نوائے زاہد ز گوش دل شنو آواز قلقل را

ولہ

مسخر کرده ام صد ہا پریزادان مضمون را — غضب افسون گری یاد است زان شیخ مزون را

نظر داری اگر اے رند بر نورِ خدا وندی — دو عالم را فرو بگذار بنگر روئے گلگون را

میسر شد وصالش لیک خنجر درمیان دارد — بشیرینی چہ تلخی ہست بنگر بخت وارون را

اسیر گیسوئے جانانہ کرده اند مرا — نزار نرگسِ مستانہ کرده اند مرا

خوشم ز شوق چو پروانہ سوختن دارم — فدائے جلوهٔ جانانہ کرده اند مرا

چرا نہ فخر کنم بعد مردن اے زاہد — ز خاک ساغر و پیمانہ کرده اند مرا

طواف مسجد و کعبہ چسان کنم مفتوںؔ

کہ روزی از در میخانہ کرده اند مرا

روزی از جام کرده اند مرا — مفت بدنام کرده اند مرا

ہمدم از سوز من چہ می پرسی — برق ناکام کرده اند مرا

گریہ و آه در جہان یارب — طشت از بام کرده اند مرا

در رہِ عاشقی مرا مفتوںؔ

زلف در دام کرده اند مرا

ز چشم خونفشان خوش جوئبارے کرده ام پیدا — و سوزِ سینہ در دل شرارے کرده ام پیدا

فدا دم جان بوقت نزع ناصح بے رخ جانان — درین بے اختیاری اختیارے کرده ام پیدا

ولہ

طپیدن ہائے دل در سینہ یاد آرد ز پیکان ہا — چکیدن ہائے ابر گریہ میگوید ز طوفان ہا

فلک بر پائمالِ من ہمیشہ در کمین باشد — بلاہائے سیہ را جمع می سازد بمژگان ہا

ز جور آسمان مفتوںؔ ترا از جا نباید رفت

برائے شام صبح است و پئے ہر درد درمان ہا

ہم آه فلک رسا ست مارا — ہم نالۂ جانگزا ست مارا

اے شیخ دلم بعشق خوبان — آئینہ جہان نماست مارا
بر دستِ نگار عہد بستم — رنگینی مدعاست مارا
جز غم نبود ندیم دیگر — دردِ تو صنم دواست مارا
مفتونؔ چہ روم بجاے دیگر
در دل بتِ دلرباست مارا

آن آئینۂ رخسار چو با من نظرے ہست — بر سنگ دلان جذبۂ دل را اثرے ہست
چون باز بمانیم ز ہمراہیِ نالہ — این شعلۂ جوّالہ مرا راہبرے ہست
در سینہ طپیدنست دلِ غمزدہ مارا — دانم کہ بہ این شیشہ پری راگذرے ہست
از درد و غم و رنج منال اے دلِ نادان — در ہر شب دیجور ظہورِ سحرے ہست
مفتونؔ نکنم میل بہ آرایشِ دنیا
امروز یکے با خندہ و فردا گریہ ہست

مہ پارۂ من جلوہ نما بر لبِ بام است — از نکہتِ گیسوش صبا تازہ مشام است
طوطی صفتم در پسِ آئینہ تہا نم — جز گفتگوے یار مرا جملہ حرام است
نومید نیم با ہمہ عصیان ز خدا وند — شکر است مرا بادۂ امید بجام است
بر خالِ لب و زلف مپیچ اے دلِ نادان — غافل ز اسیری مشو این دانہ و دام است

ولہ

منم سر آمدِ عشاق در محبت و عشق — ز قیس و کوہکن اے شوخ داستان باقی است
خزان ببرد بتاراج غنچۂ نسرین — ز برگ ریزیِ گلشن مگر نشان باقی است
اگرچہ چہرۂ ما ثبت گشت در عشاق — ولے بہ معرکۂ عشق امتحان باقی است

ولہ

باز سودا در سرِ زلفِ پریشان کسے است — در دلِ آشفتہ ام پنہان شدہ آن کسے است
ماہ ہم دارد چو داغے بر جگر مانند من — ظاہرا این ہم غلامِ روے رخشان کسے است
چون کنم ناصح طوافِ کعبہ و بتخانہ چون — عاشقان را دین و ایمان روے تابان کسے است

چاک دارد سینۂ خود چون گریبانِ سحر
در دلِ مفتوںؔ مگر نشترِ زمژگانِ کسے است

خورشید خجل شده ز رویت — سنبل شرمنده شد ز مویت
آوخ که ز بزم تو برفتم — تا دیده جمالِ شمع رویت
جانان چو نمی کند نگاہے
مفتوںؔ چہ اثر ز گفتگویت

بلبل ز ترانہ در خروش است — ایامِ شبابِ گل بجوش است
بگذاشتہ ام بہ تیغِ جانان — این سر کہ مرا وبالِ دوش است
بر یادِ لبے پیالہ برگیر — این قول ز پیرِ مے فروش است
مفتوںؔ زعمل ہمی ہراسی
ستارِ عیوب عیب پوش است

از مسجد و میخانہ ترا خانہ کدام است — داری خبرے منزلِ جانانہ کدام است
چون برگِ خزان دیدہ رخم کاہ ربا شد — ساقی و مے و مطرب و پیمانہ کدام است
بر ہستیِ موہوم کنند گریہ و خندہ — معلوم نشد مشربِ دیوانہ کدام است
غیر از نگہِ یار کہ ہر دم برد از جا — ناصح تو نگر لغزشِ مستانہ کدام است
دانی چو رہِ عشوۂ آن چشمِ فسون گر
مفتوںؔ زکہ پرسی رہِ میخانہ کدام است

ز دستِ عشقِ تو کس نیست جان بدر ساید — کہ پنجہ ہائے تو خونِ دلِ حنا انگیخت
ربود دل زمن و پس بہ رخ نقاب کشید — ندید سوئے من و عذر از حیا انگیخت
چگونہ شرح دہم ہجر را چہ با من کرد — بلا نمود و ستم کردہ و جفا انگیخت
ز حسنِ شمع ندانم چہ شد بہ پروانہ — ز رازِ عشق چہ گویم چہا چرا انگیخت

حلقهٔ چشم ترا گر جام میگون بسته اند — روی زیبای ترا فال همایون بسته اند

بر دل محزون من می پسند چندین جور و ظلم — رهروان عشق آنرا قطرهٔ خون بسته اند

ناله های دل اگر راه بلا بکشاده اند — قطره های اشک هم امواج جیحون بسته اند

وله

نقش بندان ازل تا رنگ امکان ریختند — اول از کلک قضا تصویر جانان ریختند

نیست طرز ناخوشی با خاطر صاحبدلان — آنچه قسام ازل در بخت انسان ریختند

وله

تو و طرز جفا جوئی من و رسم رضا جوئی — مرا آهی نمی آید ترا بیداد می آید

تو خونم ریختن خواهی نگارین سرت گردم — ز پرهای خدنگ تو مبارکباد می آید

من آن سنگین دلم مفتون نبازم سخت جانی را
که بهر زخم من شمشیر از فولاد می آید

ز اسباب جهان دور چو از دل هوسی بود — گلدستهٔ دنیا همه چون خار و خسی بود

از بیکسی و غربت و تنهائی و اندوه — جز یاد صنم هیچ نه فریادرسی بود

بلبل به چمن بود نوا سنج ز عشرت — ما و غم تنهائی و کنج قفسی بود

وله

بسکه روز و شب بهجر یار گریانم چو شمع — آتش از هر بن مو بر فروزانم چو شمع

سخت جانی دیدنی دارد که ناید جان بلب — تا سحر بر ماتم خود اشک ریزانم چو شمع

در تصورهای غم محو تماشا بوده ام — زیر فانوس خیال خویش پنهانم چو شمع

رحم می آید مرا هر دم بحال آسمان — ورنه آهی پر شرر از دل بر افشانم چو شمع

وله

کاروان در کاروان عشق است حرمان در بغل
هستم ز اشک لاله گون لعل بدخشان در بغل

از پئے تاراج دل ها در کمین استاده اند
لشکر مژگان او دارند پیکان در بغل

از دلِ پُر دردِ خود پہلو بہ پہلو می زنم
یارب چرا پرورده ام این دشمنِ جان در بغل

صحرای عشقم در جنون بہرِ جراحت ہای من
دارد برای آبلہ خارِ مغیلان در بغل

معشوق بے پروائے من مفتوں تغافل میکند
من میکشم پیراہنش از عہد و پیمان در بغل

کار از پند برون رفت چه تدبیر کنم — دلِ سودا زده را پای بزنجیر کنم
گرچه از جور و جفایت گله داریم ہزار — خامشی پیش تو چون غنچۂ تصویر کنم

آب گہر ز دیدۂ گریان سپرده ام — آبِ جگر بہ کانِ بدخشان سپرده ام
صبحِ ازل بچاکِ گریبان سپرده ام — شامِ ابد بزلفِ پریشان سپرده ام
شرمنده میشویم ازین حشرِ مختصر — تا زیر پای قاتلِ خود جان سپرده ام
ای گریه ہمتے کہ ز خونابۂ جگر — گلہای گونہ گونہ بدامان سپرده ام

مفتوں اگرچه توسنِ مقصود رام شد
لیکن عنان بہ قبضۂ دوران سپرده ام

بعشقِ او دلِ غم دیده صد رنج و محن دارم — ز خاکِ کوی او صد توده زیرِ پیرہن دارم
اگر گلنار شد زنجیر پای من عجب نبود — ز سودای پری رویان من آتش در بدن دارم
عجب تقدیر دارم من شکایت چون کنم دل را — مثالِ شمع گریه بر سرِ ہر انجمن دارم

الٰہی نالۂ پُر سوز عطا کن — جنونم را بہ شہرت آشنا کن
الٰہی شہپرِ شوقِ محبت — بعشقِ خویشتن زور آزما کن
الٰہی از قیامت ہولِ محشر — بہ عصیانم رقم درکش جدا کن
الٰہی من نمیدانم کہ چونم — برون از حال این چون و چرا کن

برقع از روے مصفّا شوخ تا وا کردہ | لن ترانی را بعہدِ خویش دعوی کردہ
گرچہ لعلِ جانفزا را تو مسیحا کردہ | لیکن از دستِ حنائی فتنہ برپا کردہ
دل ز اشک و آہِ آتش بار روز و شب مرا | آب و آتش جمع آمد این تماشا کردہ
چون خیالِ روے تو جانان ز دل بیرون رود | تو درونِ چشمِ من چون مردمک جا کردہ
رازِ عشقِ آن صنم پیوستہ در دل بُد مرا | گریہ غمّازِ منت مارا تو رسوا کردہ

ولہ

مرا از دورِ چشمِ مہوشان پیمانہ بایستے | بجاے نُقل زیرِ لب لبِ جانانہ بایستے
جمالِ یار چون شمع است و از بہرِ نثارِ او | مرا بگداختن مثلِ پرِ پروانہ بایستے
جنون افزود سودایم بفصلِ آمدِ غنچہ | بپایم از نسیمِ صبحِ گل جولانہ بایستے
منم دلدادہ شوخے کہ از توصیفِ چشمانش | ورق از نرگسِ شہلا قلم مستانہ بایستے
من و فردوس اے زاہد معاذ اللہ غلط کردم | بسوداے پری رویان دلِ دیوانہ بایستے

رباعیات

اے دل تو مرا ہمیشہ رسوا داری | در سر ہوسِ تارِ مطلّا داری
در خود نگری ہر آنچہ جوئی مفتون | آئینۂ دل گر تو مصفّا داری

دیگر

اے دل تو عبث نالۂ رسواے داری | بیہودہ چرا بانگِ درائے داری
در نغمۂ نے تو بشنوی راز دوست | از پردۂ وحدت چہ نواے داری

دیگر

جلوۂ محبوب را ہر دم اداے دیگر است | حالتِ مجذوب را ہر لحظہ راے دیگر است
از خودی بیرون نمی آئی چرا اے مردِ خدا | تو عبث نادان ہمی دانی خداے دیگر است

دیگر

بکار آید جہان نقشِ صفت دارم نمود اینجا | حباب آسا مرا [illegible] ہستی باید گذشت از اینجا
چہ اسبابِ نازہا آسودہ در عہدِ عدم بودم | شدم ہشیار در کارِ جہان غفلت فزود اینجا

دیگر

آن قطرۂ خون کہ دل بے نام نہشد | [illegible] او چہ گوشکہ بام نہشد
اکنون کہ لبالب است پیمانۂ عمر | یا خاک [illegible] او دلِ ناکام نہشد

مثنوی

حمدے زخدائے پاک و برتر — کار است فلک زماه و اختر
خورشید ازو پدید کرده — شام غم و صبح عید کرده
از معدن و بحر لعل و گوهر — آراسته کرد گوش دلبر
بر پشه و پیل قوت داده — نقشے بر پشت حوت داده
از قیس و ز کوهکن فسانه — بنمود و بعشق کاشت دانه
نازم به نظام بادشاهے — افلاک ستاده بے پناهے
گلهاے چمن شگفته کرده — از عشق غر و نهفته کرده
آن سوز و گداز شمع را داد — پروانه ببلبل رغبت به نهاد
وان رنگ سیه چو دید آهن — از قدرت او کشید بر تن
از لیل و نهار لیلی آورد — مجنون ز سپهر نیلی آورد
از تیشه کشاد خون فرهاد — شیرینی جان ز گفت بر افتاد
نل را به دمن رسانده شوقے — بر قمری و سرو بسته طوقے
گل را بهزار پاسے بسته — در گاه رباے گاه خسته
پیوند به طوطی و شکر داد — آئینه به بام عرش بنهاد
او در دل پشه و شهر ره بست — او جاے تیغ و هنر ره بست
او لقمه و مهر کرد او مشت را — او [illegible] ان و [illegible]
آرام و عهد دلها تپه را — [illegible]
در کان سنگ لعل آورد — از [illegible] گل [illegible] آورد
از [illegible] صدف چو گوهر آورد — [illegible]
از [illegible] و [illegible] او [illegible] — [illegible]

او در دلِ حضرتِ سلیمان   او کرد مطیع جنّ و انسان
در نافہ مشک ہست پنہان   در چہ نگند ز دستِ اخوان
در ساغر و جام و مے و ساقی   پنہان شد و غیر او نہ باقی
در معرکہ حرب و آشتی ساخت   در قامت سرو راستی ساخت
او کرد بروج عرشش ظاہر   او ہست بعرش و فرش ماہر
از قطرۂ صد گہر برانگیخت   سیارہ بہ گنبدِ فلک ریخت
از عشق بحسن ساز کردہ   سرمایۂ صد نیاز کردہ

ہشدار تو مفتوں جستنی نیست
افسانۂ عشق گفتنی نیست

انتخاب دیوان اردو

گرہم نظارہ ہوں میں حسن بتِ بے پیر کا   عین مستانہ بنا ہوں چشمِ آہو گیر کا
سرمۂ چشمِ فسوں گر ہے بلائے تازہ تر   ہے مری نظروں میں جوہر قبضۂ شمشیر کا
دین و ایماں اپنے اک غمزہ میں غارت ہو گئے   ہے نیا یہ شعبدہ ظالم تری تسخیر کا

ولہ

دوستو جب سے سر زلف پریشاں ہو گیا   دل بھی وقفِ حیرتِ شامِ غریباں ہو گیا
اس پری پیکر کا دیکھا ہے جمالِ رخ مگر   آئینہ جو صورتِ تصویر حیراں ہو گیا

ولہ

ہم تو لاتے بھی نہ تھے عشقِ بتاں کی لب پہ بات
اشک سے افشا ہمارا رازِ پنہاں ہو گیا
کعبہ و اسلام سے ہم کو غرض کیا زاہدا
مصحفِ رخسار اپنا دین و ایماں ہو گیا

ہمنے اس بت کو جو خفا دیکھا   جامِ عمرِ رواں بھرا دیکھا

جس جگہ رکھ دیا قدم تونے — ہم نے اک حشر واں بپا دیکھا
پھول جامہ میں جو سماتی نہیں — سچ بتا تونے کیا صبا دیکھا
چھیڑا کیوں زلف کو جو برہم ہے — دلِ ناداں یہ کیا کیا دیکھا
بے سبب آئی تھی حنا کی قضا — اُسکے ہاتھوں میں خوں ملا دیکھا

فصل گل آئی کہ سر میں پھر جنوں پیدا ہوا — بلبلِ دل گل گر خوں کی دید کا شیدا ہوا
کیا کریں شکوہ غم و درد و الم کا دوستو — اپنی قسمت میں ازل سے ہے یہی لکھا ہوا
نرگسِ چشمِ بتِ بدمست کا دیکھا جو دَور — پھول سے یکسر لبالب ساغر و مینا ہوا
اس مہِ کامل کو ماہِ چرخ سے کیا دوں مثال — بزمِ جاناں کا ہے یہ اے ہمنشیں داغا ہوا

ولہ

منعم نہ تو ابھر کہ یہ دنیا حباب ہے — سایہ زمیں پہ دیکھ لے تو کوہسار کا
اے ماہرو سپہر پہ کہتے ہیں جس کو مہر — وہ اک نمونہ ہے مرے دل کے شرار کا
رخِ پُر نور اس کا گھر ہے مطلع مہر زشاں کا
دلِ بیتاب داغ اپنا رشک ہے ماہِ فروزاں کا
مثال سبزہ ہوں غلطاں سرِ رہ اس تمنا میں
کہ ڈالے سایہ وہ بیگانہ خو سروِ خراماں کا

خواب میں سامنے جو وہ آئینہ رخسار آیا — بختِ خوابیدہ مرا دولتِ بیدار آیا
بزمِ جاناں میں ہوئیں سب کی مرادیں حاصل — ایک محروم فقط میں جگر افگار آیا
دیر و کعبہ سے غرض ہم کو ہے کیا اے زاہد — اپنی تقدیر میں یاں خانۂ خمار آیا

کل شب مہتاب کیا عشرت فزا تھی میں نہ تھا
محتسب رند [illegible] جلوہ نما تھی میں نہ تھا
واعظا گر یہ ہم آزردہ [illegible] کیوں
[illegible] گر وہ دن [illegible] تھی میں نہ تھا

اس گلی میں آگیا میں نیم‌جاں مرتا ہوا
دوستو سمجھو اسے شانِ خدا تھی میں نہ تھا

اے فلک گر چھن گیا سینہ ترا مجھ کو نہ چھیڑ
کیونکہ مثلِ برق آہِ جاں گزا تھی میں نہ تھا

مار ڈالا ہم کو مفتوںؔ اس نے بیرحمی سے جب
ہنس کے کہتا ہے اُٹھو میری ادا تھی میں نہ تھا

خود بھی تو شمع جلتی ہے آخر تمام شب — پروانہ کو گر اس نے جلایا تو کیا ہوا
کون و مکاں میں جب ترا جلوہ ہے دیدگا — ہم کو بھی تیرا عشق سمایا تو کیا ہوا

بسکہ جاری گریۂ پیہم رہا — آنکھ میں باقی نہیں اب نم رہا
تو نے کج بازی نہ چھوڑی آسماں — خوب یہ نقشہ ترا قایم رہا
گلشنِ ہستی تو جائے سیر ہے — یہ تماشہ پر نہ کوئی دم رہا
سینۂ عشاق ہے مہماں سرا — گاہ حسرت تیری گاہے غم رہا
کھول دے زنجیرِ وحشت پاؤں سے — اے جنوں اب زور مجھ میں کم رہا

داغ رہ جائے گا اے شعلہ رخاں میرے بعد — ہائے یہ ہستیِ موہوم کہاں میرے بعد
اب جو آجاؤ تو بہتر ہے خراماں ہوکر — قبر پر کیا ہے رکھا سروِ رواں میرے بعد
کہتی ہے ابروئے خمدار خمیدہ ہوکر — بھلی ایجاد ہوں میں تیر و کماں میرے بعد

ہے قامتِ دلدار سے دل تنگ صنوبر — دل ہوتا ہے فدا ایک وہ ری اسکے چلن پر

عریانیِ تن خوب ہے زیبا تجھے مفتوںؔ
یہ چست قبا ٹھیک ہوئی تیرے بدن پر

نکلا یہ دم فقط اسواسطے آجائیں وہ شاید

خیال یار کیوں جاتا ہے مجھ سے بدگماں ہوکر

چھپانا بھید کا لازم ہوا ہے پردہ داری میں
نہ کر رسوا مجھے اے گریہ اب تو رازداں ہو کر

مثالِ نقطۂ پرکار ہوں مرکز نشینِ غم
کہاں اس دائرہ سے جاؤں زیرِ آسماں ہو کر

جلوہ گر سینے میں ہے تیرا جمالِ پُرجلال
کعبۂ و بتخانہ میں ناحق ہے ناداں کی تلاش

جب مسیحا ہی جوابِ صاف دیتا ہے تو پھر
ہے عبث مفتوںؔ مجھے اب اپنے درماں کی تلاش

یہ رخ پہ پھیلا ہے اس زلفِ پرشکن کا رنگ
کہ آفتاب پہ جس طرح ہو گہن کا رنگ

شمیم زلفِ معنبر سے ہوتی گر ہمسر
ابھی اُڑاتی حنا نافۂ ختن کا رنگ

ہر ایک پردہ میں اسکو ہے لاکھ نیرنگی
ہے مثل بوقلموں گنبدِ کہن کا رنگ

وہی ہے دیر میں بھی اور وہی ہے کعبہ میں
بنایا ایک ہی ہے شیخ و برہمن کا رنگ

واہ کیا آہن کو تیغِ اصفہانی کر دیا
بھر دئے ہیں صانعِ قدرت نے جوہر آب میں

اشک جاری کوے جاناں کو مرا دل لے چلا
دل وہی کر کے لئے جاتا ہے رہبر آب میں

سر ابھاروں کیونکہ مفتوںؔ بحرِ غم سے میں بھلا
غرقِ سیلِ گریۂ خونیں ہوں یکسر آب میں

اللہ رے تغافلِ گلفامِ سنگدل
جاتے ہیں ہم تو جان سے اسکو خبر نہیں

پروانہ ہے نہ شمع ہے نے بلبلِ چمن
عبرت ہے یہ کہ کوئی مری گور پر نہیں

پامال مثل سبزہ ہوں گلشن میں دہر کے — دیتا ہے چین یہ فلک فتنہ گر نہیں

ولہ

دیوانہ گلرخوں کا ہوں میں ہر بہار میں — یہ بات اے صبا میں کہونگا ہزار میں

اعجاز اپنا رنگ حنا نے دکھا دیا — کیا گل کھلے ہیں دیکھ لو دست نگار میں

آہوں کے ساتھ ہیں آنسو مرے رواں — کیا شعبدہ بنا ہے یہ میرے شرار میں

تشبیہ دوں جو زلف سے اسکی تو ہے خطا — یہ بو کہاں ہے نافۂ مشک تتار میں

ولہ

تیغ ابرو کو وہ اب اور چلا دیتے ہیں — مژدہ ہم دل کو شہادت کا سنا دیتے ہیں

چشم مخمور میں سرمہ وہ لگا لیتے ہیں — اور اندھیر زمانہ میں مچا دیتے ہیں

ولہ

روز ہائے عیش کو بدلا ہے شام غم سے ہائے — تیرہ بختی ہے خمیر اس چرخ کی بنیاد میں

واہ قسام ازل صدقے ہم اس تقسیم کے — شب کٹی زاری میں اپنی دن کٹا فریاد میں

پیوستہ تیر قاتل سر جھکا ہے جس کا جی چاہے
مقام امتحاں ہے آزمائے جس کا جی چاہے

افتادہ ہوں سراسیمہ برنگ نقش پا یارو
سراغ رہ مجھے اپنا بنائے جس کا جی چاہے

جلا ہے ہجر میں اس شمع رو کے تن بدن ایسا
مجھے سرو چراغاں اب بنائے جس کا جی چاہے

نہیں وہ آہ آتشناک ہے دل میں مرے ناصح
کہ ہو لب پر تو پتھر کے جگر ڈھلے آزمائے جس کا جی چاہے

پروانہ کی طرح مجھے جلنا نصیب ہو — بہ مثل شمع یا خدا مجھے سوز جگر ملے

مفتوں زمانہ ایک روش پر نہیں سدا
قانع ہو اس پہ تجھکو جو کچھ خشک و تر ملے

مفتوں۔ پنڈت ٹھاکر پرشاد وانچو صاحب

عنان حکومت پنجاب جب گورنمنٹ برطانیہ کے ہاتھوں میں آئی تو اس زمانہ میں آپ کشمیر سے لاہور میں تشریف لائے اور آغاز ملازمت صدر عدالت دیوانی سے ہوا آخر عمر میں آپ جہلم اور ڈیرہ غازی خان میں تحصیلدار رہے اور اسی عہدہ سے آپ پنشن یاب ہوئے۔ بعد سبکدوشی ملازمت آپ نے لاہور میں مستقل قیام پسند کیا ۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانہ میں آپ دہلی میں موجود تھے۔

ہوا ہے جیسے صف آرا یہ لشکرِ مینا — جھکا تو جام پہ ساقی ذرا سرِ مینا
شرابِ ناب سے تاباں ہے جوہرِ مینا — شکست ہووے تو بن جاوے خنجرِ مینا
بھرا ہے نورِ حقیقت کا زاہدا اس میں — لگی ہے مہرِ نبوت کی بر سرِ مینا
خیال دور کا رکھ ساقیِ خجستہ خصال — فلک نے تجھکو بنایا ہے افسرِ مینا
زباں ہے سوسن و دنداں چمن ہیں لب گل برگ — دہن ہے غنچہ و گردن ہے ہمسرِ مینا

نہ جام مے سے تھی مائل یہ طبع مفتوں کی
غریقِ بحرِ عقوبت ہو رہبرِ مینا

بارِ صندل بھی جبیں پر نہ اٹھایا جاتا — ہمسرِ ماہ جو قشقہ نہ لگایا جاتا
عکسِ تصویر جو بن جاتے تو ہے نقشِ مراد — امتحاناً انھیں آئینہ دکھایا جاتا

جو گلعذار مرا آیا انجمن کے بیچ — تو رقص کرنے لگیں بلبلیں چمن کے بیچ
خجل ہوں کیوں نہ تیری زیادہ ماہ رو مہر و نجم — لبوں پہ لعل تو الماس ہیں دہن کے بیچ
فغاں یہ کرتی ہے بلبل مرے چمن کے بیچ — کہ آتی ہے حسرت وہ گل بدن کے بیچ

ستارہ چمکے ہے جوں آسماں پہ اے مفتوں
چمکتا خال ہے محبوب کا ذقن کے بیچ



دیوان پنڈت شیوناتھ کول۔ مُضطر

نتھ مرصّع کار آویزاں ہو جس دم ناک میں ہالۂ مہتاب سمجھیں اہلِ عالم ناک میں
بوئے زلفِ عنبرینِ یار ہو مفتوں نصیب
غیر جو سونگھے تو ہو جائے وہی سم ناک میں

ادھر تو آہِ دروں سے بدن میں آگ لگی اُدھر بنالۂ بلبل چمن میں آگ لگی
دکھایا دستِ حنائی جو ماہرو نے مجھے ہرا تو خون ہوا انجمن میں آگ لگی
غزل سرائی سے مفتوں کیوں ہو دل تنگ
تپِ فراق سے شعر و سخن میں آگ لگی

تیغِ ابرو میں تیری جو ہر ہمارا خون ہے زلفِ مشکیں آپ کی آمادۂ شب خون ہے
تیرِ مژگاں سے تہِ اک صف کی صف بسمل ہوئی ایک باقی نیم بسمل یہ دلِ پرخون ہے
کل کو یہ بدذات کیا کیا شور و شر برپا کرے
آج میخانہ کے خم میں دخترِ رز مدفون ہے

منتظر ۔ دیوان پنڈت شیونا تھ کول صاحب خلف اصغر دیوان پنڈت شنکر ناتھ کول صاحب

آپ کا آغاز ملازمت محکمہ سررشتہ تعلیم پنجاب سے ہوا ۔ ریاست جموں و کشمیر میں مختلف عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور رہے ۔ گو آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی تھی مگر مہاراجہ صاحب بہادر نے آپ کو پنشن پر نہیں جانے دیا اور تا تاریخ وفات آپ بہ حیثیت سب جج شہر جموں اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے ۔ آپ نے قریباً ۷۰ سال کی عمر تک پہونچکر سمت ۱۹۶۴ بکرمی میں وفات پائی آپ کی چند تصانیف ہندی نظم میں ہیں۔

مریضانِ لبِ لعلت کجا خواہند عیسیٰ را سیہ مستان چشمانت کجا جویند صہبا را
نیم نادان کہ قبل از مرگ واویلا کنم زاہد کہ امروز عیشِ امروز ہست و فردا ہست فردا را

بدشتِ جستجوے یار سامانے نمی باید — براے رہبری یک شوقِ دل کافیست جویارا

دلِ پرسوز کباب است مرا — اشک چون رشکِ شراب است مرا

دلِ پُرتاب بہ تاب است مرا — دم بدم چشم پُرآب است مرا

بفراقِ رخ و زلفت دلبر — ہر شبم روزِ حساب است مرا

معنیٔ ہست بہ لب بستنِ تو

گویا از زیست جواب است مرا

مریضِ عشق خالت را دوا نیست — کسے جانبر ازین حبِّ شفا نیست

مرا از دل رود یادِ رخ و زلف — درین دوران چنین صبح و مسا نیست

بہ دورِ گردشِ چشمش کسے را — بہ مے میلِ طبیعت ساقیا نیست

مخور غم منتظر از دورِ گردون

کہ جز نامِ خدا کس را بقا نیست

با چنین ناز و ادا آن بتِ چین می گذرد — کافر از کفر چہ دیندار ز دین می گذرد

نالۂ صور و قیامت ہمہ از وے ذکریست — آنچہ در ہجر تو بر جانِ حزین می گذرد

ولہ

رہبرم تا تو نباشی من بہ تو چون رہبرم — تو ز تو نیکوتری و من ز من بس بدترم

بہر خود بیت القرار خود نما اے خود نما — تا بہ کے بر سر زنم خاکِ رہِ دیر و حرم

شاخِ نخلِ عشق را از ابرِ رحمت تازہ دار — تا ز سیرِ باغِ عالم ثمرۂ ہمرہ برم

اے سوزِ دلِ تپیدۂ عشق — یک ذرہ بہ دیدہ ام نظر کن

کن رحم بخاکِ من کہ خاکم — اے باد نہ از درش بدر کن

گر لذتِ دردِ عشق خواہی — از وصلِ صنم دلا حذر کن

جز دردِ فراقِ تو کسش نیست — بر بیکسیِ دلم نظر کن

کس نیست بجز جمالت اینجا — بے پردہ بہ چشمِ من گذر کن

اے صبحِ وصال روے بنما　　شامِ ہجران زمن سفر کن

گو منتظرا تو ہمچو حافظ

یا رب شبِ ظلمتم سحر کن

مکن محشر بپا اے فتنہ گر زین گرم رفتاری　　برنگِ نکہتِ گُل کن گذر آہستہ آہستہ

زنی کوسِ شہی در ہر دو عالم چون شہِ خاور　　برآری گر نفس مثلِ سحر آہستہ آہستہ

ول

اے مایۂ سرورِ دل وجان خوش آمدی　　بیمارِ ہجر را پئے درمان خوش آمدی

ہر گُل پئے معانقہ بندِ قبا کشاد　　بادِ بہار سان بہ گلستان خوش آمدی

دامِ بلا بہ دوش و بکف خنجرِ ستم　　جانان فدا شوم کہ بہ سامان خوش آمدی

مارا ز قیدِ دیر و حرم کردۂ رہا　　در دل تصورِ رخِ جانان خوش آمدی

اگر بہ بحرِ دلِ آئینہ وار داشتمے　　بروے یار ہر آئینہ بار داشتمے

چرا فسانۂ دردم شدے محیطِ زمان　　اگر نہ چشمِ تر و دل فگار داشتمے

حریصِ لذتِ دردم چہ پیشدے اے چرخ　　بجاے یکدل اگر صد ہزار داشتمے

بہ خاکِ پاے صنم دسترس اگر بودے

بچشمِ منتظرِ خود غبار داشتمے

انتخاب کلیات اُردو

آفتابِ حشر ہے داغ اک دلِ مہجور کا　　دیدۂ عشاق بھی اک جوش ہے ناسور کا

ہجر میں سیرِ چمن اک حشر کرتی ہے بپا　　صوتِ بلبل پر گماں ہوتا ہے بانگِ صور کا

ہے عبث تجھکو دلا امید چشمِ یار سے　　کام نکلے کیا بھلا رنجور سے رنجور کا

دیکھ کر چشمِ مستِ ساقی کو　　یاد آیا شراب کا پینا

ہجرِ ساقی میں ہو گئی عادت　　جاے مے خونِ ناب کا پینا

منتظر تھا شباب تک زیبا

چھوڑ دو اب شراب کا پینا

اب شوقِ چشم چھوڑ کے ابرو پہ ہے فدا
جو دل کہ مے پرست تھا دیندار ہوگیا

دنیا میں جانِ من دلِ بے آرزو ہے خوب
جب بال آیا شیشہ میں بیکار ہوگیا

تیغِ ابروے یار کیا کہنا
ہاں دلِ جاں نثار کیا کہنا

وقتِ مردن بھی سوے در تھی نگاہ
شوق دیدار یار کیا کہنا

حضرتِ نوح مانگتے ہیں پناہ
دیدہ اشکبار کیا کہنا

اس نے بیداد پر کسی ہے کمر
ہاں دلِ بردبار کیا کہنا

ایسے وحشی کو کر لیا پابند
طرۂ تابدار کیا کہنا

منتظر خوب یہ غزل لکھی
اے مرے دلفگار کیا کہنا

کب میں منت کشِ جفا نہ ہوا
پھر نہ کہنا مرا کہا نہ ہوا

دہنِ زخم اپنا وا نہ ہوا
ہائے حقِ نمک ادا نہ ہوا

دل کو اپنے ہے جستجو اُسکی
جو کبھی صورت آشنا نہ ہوا

گرہِ زلف ہی کو وا کرتی
تجھسے اتنا بھی اے صبا نہ ہوا

کب وہ دیکھے گا منزلِ مقصود
شوقِ دل جس کا رہنما نہ ہوا

ڈھونڈھا کیا اُسی کو تو غافل جو تجھ میں تھا
اور پھر بھی پایا اُسکو نہ کامل جو تجھ میں تھا

وقتِ عبورِ بحرِ فنا یاد کر اُسے
اے دل حباب ساں سرِ ساحل جو تجھ میں تھا

دل تو اندازِ یار نے مارا
جان کو انتظار نے مارا

نہ دیا لینے دم کہیں دم بھر
اس دلِ بیقرار نے مارا

نہ دیا جانے ہم کو سوے عدم
تیرے قول و قرار نے مارا

ولہ

لذتِ درد بھلا چھوٹی ہے
غم مجھے کیا ہے میں غم کھاؤنگا

غمِ دلبر نہ جدا ہو مجھسے
رنج تنہائی سے گھبراؤنگا

ہاتھ کھینچونگا نہ جان دینے سے پاؤں مقتل میں بھی پھیلاؤنگا

ولہ

سودائی ہم کو زلف سیہ کار نے کیا بیمار ہم کو نرگسِ بیمار نے کیا
بیتاب و بیقرار و پریشان و مضطرب یہ حال ایک خواہشِ دیدار نے کیا
احوالِ منتظر سے نہ تھا کوئی آشنا
افشاے راز دیدۂ خونبار نے کیا

رنجش کا بتوں کی ہے گلا کیا کیا جانے خدا کی ہے رضا کیا
بیتابیِ دل سے اپنی ہوں تنگ اس بُت کو کہوں بُرا بھلا کیا
برباد کی مشتِ خاک میری او بادِ صبا تجھے ہوا کیا
کیا ڈھونڈھ رہے ہو میرے دل میں جُز یادِ صنم یہاں رہا کیا
اچھا۔ میں بُرا سہی ولیکن تم اپنی کہو۔ تمھیں ہوا کیا

ولہ

حالِ دل کچھ کہا نہیں جاتا بن کہے بھی رہا نہیں جاتا
آتشِ ہجر جل بجھے تو ہے خوب سوزِ دل اب سہا نہیں جاتا
گردشِ چشمِ یاد آتی ہے ساغرِ مے پیا نہیں جاتا
ہجر میں زندگی کسے درکار بے اجل پر مرا نہیں جاتا

ولہ

عمر کو سمجھیں نہ کیوں نقشِ برآب سنگ دل وہ بت ہے اپنا دل حباب
وادیِ وحشت میں ہم تنہا نہیں دردِ دل ہے ہمدم اپنا ہمرکاب
گر نہ ہمچشمی مری آنکھوں سے تو آبرو سب ڈوب جائیگی سحاب
جو مقدر میں ہے ہوگا خود بخود
اس قدر اے منتظر کیا اضطراب

گر اچٹتی ہے کبھی آنکھوں میں آجاتی ہے نیند رات بھر ہجرِ صنم میں یوں ہی بہلاتی ہے نیند
دیکھکر پُر یاس و حسرت دیدۂ بیدار کو رات بھر پلکوں تلک آ آ کے پھر جاتی ہے نیند

واہ ری تاثیر بختِ خفتہ کیا کہنا ترا — میری صورت دیکھتے ہی اُن کو آجاتی ہے نیند
کیوں نہ سوتا دیکھ ان کو ہو نگاہِ شوق شاد — بختِ بیداری کی صورت اسکو دکھلاتی ہے نیند

ہو میسّر منتظرؔ کو کیونکہ خوابِ وصلِ یار
طالعِ خفتہ کو اُس کے دیکھ ڈر جاتی ہے نیند

آتش

دل میں آئی ہے الٰہی یہ کدھر کی آتش — جس سے کوسوں ہے یہ دوزخ کی بھی سرکی
ساقیا پھونکا ہے گرمیِ محبت نے تیری — جام وہ دے کہ بجھے جس سے جگر کی آتش
شعلہ رو دل نہ اُلجھتا تو نہ جلتے دن رات — یہ لگائی ہوئی ہے اپنے ہی دل کی آتش

ولہ

مارے ہوئے ہیں اپنے ہی پاسِ وفا کے ہم — شاکی نہ کیوں ہوں آپ کی جور و جفا کے ہم
وہ اور بھی ستانے میں بیباک ہو گئے — پچھتا رہے ہیں حالِ دل اپنا سنا کے ہم
تھی ابتریِ زلف میں کچھ بہتری مری — ممنونِ التفات ہیں بادِ صبا کے ہم

ولہ

چشمِ تر داغِ جگر یہ جانِ حزیں سوزشِ دل — مل گئے ہیں شبِ تنہائی کے یہ یار ہمیں
بیٹھے بٹھلائے تو آنکھوں کو رُلا بیٹھے تھے — اور دکھلائیگی کیا حسرتِ دیدار ہمیں

منتظرؔ حالِ دل اپنا کہیں اُن سے کیونکر
نہ وہ سنتے ہیں نہ ہے طاقتِ اظہار ہمیں

وہ مژگاں سرمہ سا ہے اور میں ہوں — وہی تیغِ جفا ہے اور میں ہوں
کسے تنہائی کا ہے غم شبِ ہجر — خیالِ دلربا ہے اور میں ہوں
کبھی تو دیکھ ہی لونگا رخ و زلف — یہی صبح و مسا ہے اور میں ہوں

غرض دیر و حرم سے منتظرؔ کیا
کسی کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں

ہے کسے شوقِ جفائے خوباں — ہم فقط پاسِ وفا کرتے ہیں
کیا یہی شرطِ محبت ہے کہ اب — میرے رونے پہ ہنسا کرتے ہیں

دیکھ کر شوق حنا کا تم کو — دل ہزاروں کے پسا کرتے ہیں
دل دیا کس نے خوشی سے اپنا — دلربا چھین لیا کرتے ہیں
کوئی دن اور پڑا رہنے دے — اے فلک ہم ترا کیا کرتے ہیں
گو سبز ہوں ظاہر میں مگر خوں سے بھرا ہوں — اس گلشن ایجاد میں میں برگ حنا ہوں
ناچیز نہ کیوں سمجھے مجھے مردم عالم — جوں اشک میں آپ اپنی ہی آنکھوں سے گرا ہوں
اللہ رے او سرکشی باد تکبر — مانند حباب آپ میں دریا سے جدا ہوں
سمجھاتے ہو کیا بندہ کو تم حضرت ناصح — کیوں توڑ کے دل بت کا گنہگار خدا ہوں
معلوم نہیں منتظر اب تک یہی مجھکو
غم میری غذا ہے کہ میں خود اسکی غذا ہوں
شوق گفتار صنم کیا ہم کو سنواتا نہیں — اشتیاق دید کیا کیا ہم کو دکھلاتا نہیں
ہے اودھر جانسوز نالوں کی تمنا سے خلش — اور ادھر آنکھوں میں اک قطرہ نظر آتا نہیں
کسکو معلوم ہے میں کیا کچھ ہوں — خود مرض ہوں میں یا دوا کچھ ہوں
پائے بوسی یار سے ہے غرض — فرش گل ہوں کہ سنگ پا کچھ ہوں
وہاں قدموں سے جا لگی ہے حنا — میں یہاں دل سے کہہ رہا کچھ ہوں
وہ دکھاتے ہیں مجھکو آئینہ — اور میں رکھتا التجا کچھ ہوں
کام کیا تجھکو نیک و بد سے مرے — ناصحا میں بھلا برا کچھ ہوں
پردہ فصل یار کیونکر اٹھے — تا نہ سمجھوں کہ میں بھی کیا کچھ ہوں
منتظر پوچھو آج تم اس سے
بے خطا ہوں کہ پر خطا کچھ ہوں
عاشق حسن جفا گر ہم اگر ہوتے نہیں — چشم تر تفتہ جگر آفت بسر ہوتے نہیں
روئے روشن پر ہمیشہ کیا یوں ہی رہتی نقاب — اشک چشم تر مرے گر پردہ در ہوتے نہیں

وہ ہے خنجر۔ اب چڑھا لو آستیں۔ ہنستے ہو کیا   تم کو دل دیتے اگر ہم بے جگر ہوتے نہیں

اسکے در سے فلک اُٹھا نہ ہمیں   دربدر کو بکو پھرا نہ ہمیں

اپنا دل نذر کرکے داغ لیا   کیسے دیتے بھلا صلا نہ ہمیں

مجھسے کہتے ہیں رو کے دستِ جنوں   اپنے دامن سے کر جدا نہ ہمیں

چھوڑ کر تجھکو حور کو چاہیں؟   ایسا دیوانہ تو بنا نہ ہمیں

میرے ہی خونِ دل کا فیض یہ ہے   شوخیاں بس حنا دکھا نہ ہمیں

سن کے احوالِ دل مرا۔ احباب
بولے بس منتظرؔ۔ رُلا نہ ہمیں

نہ شیشہ توڑیوں اے محتسب ڈر خونِ ناحق سے
نہاں رکھتا ہے جان اپنی ہر اک میخوار شیشہ میں

تفاوت خانقاہ اور میکدے میں کیا ہے اے زاہد
تامل کچھ تو کر خلق حق کے ہیں افکار شیشہ میں

ناحق اُلجھتی ہے دلِ بیمار سے مرے   سمجھاؤ اپنی کاکلِ پُر پیچ و تاب کو

اے شوقِ دید چشمِ سیہ مست۔ دیکھنا   کس کی نظر ہوئی کہ ترستا ہوں خواب کو

غمازِ رازِ خاطرِ ہر نیک و بد ہے یہ   اتنا نہ منہ لگائیے صاحب شراب کو

ہمیں الفت نہیں ہرگز کسی سے   اگر کچھ ہے تو اپنی بیکسی سے

کسے تھا زلف خوباں سے سروکار   گئے پھنس اپنے دل کی بے بسی سے

ولہ

رنگ یہ عشق نے دکھایا ہے   خون آنکھوں میں بھر بھر آیا ہے

کون آیا ہے خود عدم سے یہاں   جذبِ اعمال کھینچ لایا ہے

خاکساروں سے اسقدر ہے غبار   کیوں ہمیں خاک میں ملایا ہے

آرزوہائے خام سے دل کو   منتظرؔ ہمنے خود جلایا ہے

سودائی زلف کو تو دیکھو لڑتا پھرتا ہے کیا ہوا سے
بھولوں کو بتاے راہ الفت کچھ کم نہیں دل مرا ہوا سے
اللہ بچانا ان بتوں کے انداز سے ناز سے ادا سے
تلووں سے مرے ہی دل کو روندو ہے شوق تمہیں اگر حنا سے

ولہ

ایسی رسوائی چاہتا ہے کوئی دل ہی بس میں نہ ہو تو کیا کیجے
کوئی ہمدم نہیں نہ ہے مونس کس سے اظہار مدعا کیجے
بجز خدا اپنے دل کے مطلب کی
منتظر کس سے التجا کیجے

ترے آب دم خنجر کی لذت کوئی پوچھے مرے زخم جگر سے
دل مغموم کا احوال پنہاں ہوا افشا خود اپنی چشم تر سے

ولہ

جفا کا تم سے کب مجھکو گلا ہے عدو سے جان مرا پاس وفا ہے
گئے تھے آپ کل گلگشت کو۔ آج چمن میں دیکھنے کیا گل کھلا ہے
دکھاؤں کیوں نہ دل کا داغ سب کو یہ تحفہ آپ کا بخشا ہوا ہے

قصیدہ بہاریہ

واہ کس آن سے ہے آج میان گلشن شاہ گل جلوہ نما بر سر اورنگ چمن
مروحہ سنبل پیچاں سے مگس ران ہے نسیم ہے لئے باد صبا بادزن برگ سمن
مورچھل گل خورشید لئے ہے ایسی دیکھتے ہی جسے بیتاب ہو سورج کی کرن
بہر گلگشت جہاں آکے ہوا ہے حاضر نکہت گل کے لئے باد صبا کا توسن
رکھ کے کاندھے پہ نشاں طرہ رواں ہے آگے ہے چپ و راست عجب فوج عنادل کی پھبن
نوبت غنچۂ گل کی وہ صدا ہے موزوں بجتی جیسے ہو دم صبح ہوا کی سن سن
رعد نے ابر بہاری کی سلامی سر کی آسنے آواز لگی چار طرف سے دن دن

پھونکا شہنا کو وہ جھک کر کے گُلِ شہناے
چٹکے سُننے کو بنا گوش ہر اک گُل ہمہ تن

فرش سبزہ کا بچھا روکشِ مخمل ایسا
چرخِ اخضر کی جسے دیکھ ہوا آنکھیں روشن

صحنِ بستاں میں کھلی قوسِ قزح کی رنگت
فرش پر سبزہ کے جب لالہ ہوا عکس فگن

عطر پاشی وہ کری ابرِ بہاری نے عجیب
جس سے ہر غنچہ بنا نافۂ آہوئے ختن

دیکھنے کے لئے یہ شان و شکوہ عالی
گُلِ نرگس نے گریباں سے اٹھائی گردن

مدح خوانیِ شہِ گُل کے لئے گلشن میں
بن گئی شکلِ زباں سوسن گویا ہمہ تن

بہرِ تفریحِ شہِ گُل بصد انداز و ادا
کر کے سب ہار سنگار آئیں عروسانِ چمن

تھی دکھاتی کہیں نرگس وہ فسوں سازیِ چشم
مستیِ چشمِ غزالاں ہو جسے دیکھ ہرن

کر کے وا غنچہ دہن وقتِ تبسم اپنا
کہیں مستی کی ادا ہٹ سے دکھاتی سوسن

ہے کہیں زلفِ معنبر کو سنوارے سنبل
ہے کہیں سرو قد استادہ صنوبر بن ٹھن

نذر کرنے کے لئے لائی بصد شوق نسیم
زرِ گُل سیم سمن زار کے بھر بھر دامن

موتیا نے وہ کئے بھر کے نچھاور موتی
ہو گیا صحنِ چمن دُرّ و گُہر کا مخزن

ہو کے خوش رقص لگی کرنے نسیمِ سحری
گُل بنا کھل کے ہنسی سے دلِ ہر غنچہ دہن

جب خوشی کا ہی یہ موسم ہے نہ کیونکر پھر ہو
عشرت و عیش و مسرت کا ہر اک دل مسکن

ختم کر منتظر اب تو دعا پر اس کو
اسکے حق میں کہ تو ہے جسکے بزیرِ دامن

جب تلک فصلِ بہاری ہے آتی ہر سال
اسکے آنے سے بنے فرح کا ہر دل مسکن

جب تلک رونقِ بستاں ہو گُلِ خنداں سے
جب تلک عیشِ عنادل کا مکاں ہو گلشن

تیرا عالم میں شگفتہ گُلِ اقبال رہے
حامیِ کار ہو تیرا چمن آرائے زمن

عشرت و عیش و طرب ہوں ترے ہمدم و ہمسائے
سوزِ غم سے ترے بدبیں کا ہو سینہ گلخن

مناجات

کدھر ہے تو اے ساقیِ پُر سرور
میں بیٹھا ہوں مغموم راحت سے دور

پلا دے شرابِ مسرت فزا
کہ ہو بابِ عیش و طرب مجھ پہ وا

کدھر ہے تو اے ساقیِ ذوالکرم
ہے گھیرے ہوئے مجھکو عالم کا غم

پلا وہ شرابِ کدورت رُبا
کہ جس سے ملے دل کو نورِ صفا

کدھر ہے تو اے ساقیِ مہ لقا
میں ہوں بستۂ ہوشِ وحشت فزا

پلا مجھکو وہ جامِ عشق اے عزیز
رہے نیک و بد کی نہ پھر کچھ تمیز

کرم کر کہیں ساقیِ رحم کیش
رہوں عقل سے کب تلک سینہ ریش

لئے بادۂ عشق کا جام آ
خودی کا مرے دل سے پردہ اٹھا

کدھر ہے تو اے ساقیِ جامِ عشق
رہائی طلب ہوں میں پابندِ فسق

پلا مجھکو وہ ساغرِ مشک بو
کھلیں جس سے معنیِ لا تقنطو

کہ تا دور دل سے غمِ یاس ہو
حصولِ مرادات کی آس ہو

شکِ این و آں میرے دل سے ہو دور
ترا ہی ہر اک جا میں دیکھوں ظہور

عیاں ہے ہر اک شے میں ہے تو نہاں
جہاں تک ہے جو کچھ میانِ جہاں

تو ہی خالق و خلق و مخلوق ہے
تو ہی عاشق و عشق و معشوق ہے

تو ہی ساجد اور تو ہی مسجود ہے
تو ہی عبد اور تو ہی معبود ہے

تو ہی سایہ ہے اور تو ہی نور ہے
تو ہی ماہ ہے اور تو ہی حور ہے

اگرچہ میں بندہ گنہگار ہوں
ہوا و ہوس میں گرفتار ہوں

مگر کب ہے یہ تیری رحمت سے دور
نہ بدلے مری تیرگی جو بہ نور

جہاں سایہ افگن ترا نور ہے
وہاں تیرگی روکش طور ہے

تجھے گر بدل آپ منظور ہو
تو بندہ سے کیوں بندگی دور ہو

خطاؤں کا گو میری انبار ہے
مگر غم ہے کیا تو تو غفار ہے

عجب کیا جو بر لائے میری امید
سیہ چہ سے نکلوں بروئے سفید

زمانہ میں جب تک میں جیتا رہوں
محبت کا دم تیری بھرتا رہوں

عطا کر یہ اک میرے دل کی مراد — یہ دنیا و عقبیٰ رہوں شاد شاد
نہیں یہ جگہ اس قدر دیر کی — کہ ہے تو رحیم و غفور و سخی

ترے لطف و اکرام کا منتظر
ہے بیٹھا ہوا دیر سے منتظر

شکوۂ چرخ

اے گردشِ سپہر یہ کیا انقلاب ہے — کیوں ساکنانِ دہر کا عالم خراب ہے
قسمت میں راست بازوں کی کیوں پیچ و تاب ہے — کیوں کج نہاد موردِ عزّ و خطاب ہے

اہلِ دغا کو رنج و الم سے فراغ ہے
ہر صاحبِ صفا کا جگر داغ داغ ہے

جہلا تو سربلند ہیں عاقل ذلیل و خوار — اغیار مستفیض ہیں محروم یارِ غار
اہلِ جفا ہیں شاد وفا جو ہیں اشکبار — اچھا نہیں یہ طور ترا چرخِ نابکار

کیا قہر ہے کہ قیر ہنسے مشکِ ناب کو
ناقوس دے شکست صدائے رباب کو

ہیہات آج کیا یہ زمانہ کا حال ہے — جو صبح سربلند ہو شب پائمال ہے
جو صاحبِ کرم ہے اسیرِ زوال ہے — بخت بخیل ہے کہ باوجِ کمال ہے

افسوس اہلِ رحم تو بے دست و پا ہوئے
اور سرفراز جو ہوئے اہلِ جفا ہوئے

ہیں آج وہ شریف جو کل تک تھے نابکار — پھرتے ہیں اہلِ عزت و حرمت ذلیل و خوار
گلیوں میں تنکے چنتے ہیں کل اہلِ روزگار — ہے سیر ایک آدھ کہیں فاقہ کش ہزار

پنجہ میں اہلِ ظلم کے مسکیں غریب ہیں
سفلے امیر ہوگئے مفلس نجیب ہیں



پنڈت کیلاس پرشاد منشی۔ منشی

یارب یہ کیسی گردشِ لیل و نہار ہے　　فصلِ بہار میں بھی خزاں آشکار ہے
جس گل کے دل کو دیکھئے وہ خار خار ہے　　صحنِ چمن میں زاغ بجائے ہزار ہے

بقراط کو جنوں ہوا اس انقلاب سے
فولاد موم ہوگیا اس سخت تاب سے

منشی۔ پنڈت بنسی دھر صاحب

تذکرۂ چمنستان کشمیر میں صرف ایک شعر آپ کا درج تھا وہ لکھا جاتا ہے۔

من کجا شہر کجا خطۂ کشمیر کجا
سیر بھوپال دلم کرد ندکاسے عجبے

منشی۔ پنڈت کیلاس پرشاد صاحب خلف کنور گوری پرشاد صاحب ہمدم اکبرآبادی۔

آپ رائے بہادر پنڈت بشیشر ناتھ صاحب ہانگل وکیل و رئیس اکبرپور ضلع فیض آباد کے نواسہ ہیں۔ آپ کے بزرگ تین چار پشتوں سے آگرہ کے رؤساء میں سے ہیں اور گورنمنٹ ہند کے سچے وفادار خدمتگذار تصور کئے جا رہے ہیں۔ پھاگن سمت ۱۹۶۵ مطابق مارچ ۱۹۰۹ء میں آگرہ میں آپ تولد ہوئے۔ آپ کی انگریزی تعلیم کا آغاز صرف چند ماہ کے لئے اپنے علم دوست محبِ وطن نانا صاحب کے مدرسہ بشیشر ناتھ ہائی اسکول اکبرپور میں ہوا تھا۔ بعد ازاں آگرہ وکٹوریہ ہائی اسکول میں آپ کی اسکول لائف بحسن خوبی پوری ہوئی۔ اب آپ آگرہ کالج میں ایم۔ اے کلاس کے ایک ہونہار طالب علم ہیں۔

ملنسار۔ ہمدرد۔ مہمان نواز و نکو شعار آپ پرلے درجہ کے ہیں۔ علمی بحث و مباحثوں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کو کالج کے تمام پروفیسر صاحبان اور طلبا اچھی طرح مسٹر منشی کے نام سے جانتے ہیں۔ آپ کے انگریزی

مضامین آگرہ کالج میگزین میں برابر شایع ہوتے رہتے ہیں۔
بی۔اے فارسی میں اور ایف اے فارسی اردو دونوں میں پاس کیا ہے شعر و سخن کا مذاق رکھتے ہیں۔ کالج مذکور کی اردو لٹریری سوسائٹی کے بھی رکن اعظم ہیں۔ مگر نظم کہتے بہت کم ہیں۔ کنووکیشن کے مشاعروں کے جلسوں میں ضرور طرحی غزلیں موزوں کر کے پڑھا کرتے ہیں۔ مسدس کے بند بھی اچھے کہہ لیتے ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو صاحب کی آمد آگرہ کالج پر میگزین آگرہ کالج ماہ نومبر ۱۹۲۹ء میں آپ کا یہ بند شایع ہوا تھا۔

ایسے اشخاص کو کہتے ہیں محبان وطن ایسے ہمدردوں کو کہتے ہیں سبھی جانِ وطن
ایسے رنگین جواہر سے بڑھے شانِ وطن انھیں لعلوں سے ضیابار رہے کانِ وطن

پند ان کی نہ سنے قوم تو پچھتائے گی
مفلسی آئیگی عزت جو رہی جائیگی

اس بند سے آپ کی قوم پرستی اور وطن پرستی کا پتہ چلتا ہے۔

غزل

ضبط پر او ستم ایجاد ذرا داد نہیں جان پر بن گئی اور ہمت فریاد نہیں
ہنکھ جب سے یہ کھلی۔ قیدِ قفس میں پایا ہمصفیرو مجھے واللہ چمن یاد نہیں
باغِ عالم میں پھرے۔ سرو رواں ہی دیکھے پا بہ گل پایا یہاں کوئی بھی شمشاد نہیں
نیم بسمل کیا چتون سے چرالیں آنکھیں مجھکو بھاتا ہے ترا پیار یہ جلاد نہیں
آبلہ پائی نے کیا لطف دئے ہیں مجھکو دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں
دارِ فانی میں ملی ہم کو بقائے جاوید عشق میں یار کے مٹ کر ہوئے برباد نہیں

دیگر

کثرت میں لاکھ بیٹھ کے پردا کرے کوئی دیکھیں ہم اس طرح سے کہ دیکھا کرے کوئی
غش آئیں مجھکو برقِ تجلی پہ لاکھ بار ایمن کا بار بار تماشا کرے کوئی
سودائے عشق۔ کارِ جہاں۔ فکرِ نظم و نسق دو دن کی اس حیات میں کیا کیا کرے کوئی

ملنا بتوں سے کھیل نہیں۔ سنگدل ہیں یہ
پتھر کا پہلے اپنا کلیجا کرے کوئی

لیکر وہ دل کو آنکھوں ہی آنکھوں میں چلدیئے
پیکر کرہ لے ماں لو رویا کرے کوئی (؟)

میّت پہ میری آئے ہیں پر ہے خیال مگر
کہتے ہیں کیوں جگائیں جو سویا کرے کوئی

دیگر

سیماب بن رہا جو دل بیقرار ہے
اُٹھ اُٹھ کے بیٹھتا ہوں عجب انتشار ہے

باغِ جہاں میں اندلوں (؟) ہے غم ہزار ہے
باقی خزاں کی فکر۔ نہ یادِ بہار ہے

داغوں نے میرے دل کو ہے رشکِ چمن کیا
آئے خزاں نہ جس میں یہ وہ لالہ زار ہے

وحشت کے ہاتھ نے لگی لپٹی نہیں رکھی
دامن ہے چاک۔ جیب مری تار تار ہے

محوِ جمالِ یار تصوّر نے کر دیا
آنکھوں میں اپنی پھر رہا دیدارِ یار ہے

قسمت پہ مجھکو چھوڑ گئیں یاس و بیکسی
فرقت میں غمزدے کا ترے کون یار ہے

طاعت گذار بتّے کے منشی یہی ہیں دن
کب یہ مئے شباب کا اچھا خمار ہے

منصور۔ پنڈت گنگا بشن۔ ساکن بہانہ محلہ سرینگر کشمیر

پچھتّر سال کی عمر کے بعد آپ نے وفات پائی ہے۔ اور زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا

وقتِ بہار آمدہ۔ بوئے گل از صبا طلب
غنچۂ دل۔ بکنجِ غم۔ گوشۂ دلکشا طلب

گشت چو من عاشقے رنجکشِ بلا طلب
جور و جفا بما مکن۔ مہر و وفا ز ما طلب

پیرِ مغاں بگوشِ من گفت بہر دو رسے
ہر چہ طلب تو میکنی۔ ہست بلند ما طلب

سینہ اگر ز آرزو پاک کنی چو آئینہ
عکسِ جمالِ رو دگر از دلِ پُر صفا طلب

عاقبت کار او ذکرِ انا الحق بود
کیست چو منصور را مردِ خدا خدا طلب

دارد آباد خدا میکدہ را
میکند شاد دلِ غمزدہ را

کرد رحمے بدلِ سوختہ ام
دیدہ چوں خانۂ آتش زدہ را

چو شود گر به گناهی گاهی | بکف آری دلِ از کف شده را
کس ندیدم که او دریابد | صورتِ حالِ مسافر شده را
دشمنِ خانگیِ جانی تست | جز به این نفس مجو عربده را
ساقی از لطف و کرم زآبِ غیب | داد برباد بنا غمکده را
نیست جز دامنِ صحرا جایی | دل پسند این دلِ سودازده را
هر که بگذشت ز نیرنگِ جهان | دلِ او خوش نه کند شعبده را

همره خلق چو منصور سگی
در جهان خوش نه کنم عربده را

قصیده

جز گلِ خورشید رویت ننگرم سوی دگر | صد قسم گر مشتری باشم بمه روی دگر
تا بکی از ما گریزی میروی سوی دگر | بعد ازین ما و سرِ کوی و گلروی دگر
دور چون دشمن نمانم از کنارِ خویشتن | گر بود دل را هوس گاهی سرِ کوی دگر
آتش در خرمنِ جانم فتد از رشکِ آن | گر بود آن شمع رو پهلو به پهلوی دگر
بوی مشک و عود را با بوی او نسبت نکن | سنبلِ زلفِ بتان راهست خوشبوی دگر
بر عذارِ آتشین آتش پرستی میکند | نیست چون خالِ سیاهِ یار هندوی دگر
میکشی و فتنهٔ بر جانِ عاشق می نهی | نیست هرگز در جهان چون تو ستم خوی دگر
میکنی از معنیِ ناز و کرشمه آگهم | همچو چشمِ او نمی باشد سخنگوی دگر
برنمی خیزم ز جای خویشتن چون نقشِ پا | جز سرِ کویت ندارم من سرِ کوی دگر
کرده ام سر را نثارِ خاکپای آن صنم | حاش لله گر روم اکنون سرِ کوی دگر
در سیه رویانِ او در حشر مثلش کم بود | نامهٔ اعمالِ خود دیدم سیه روی دگر
عالمی را میکند از یک نگه شیدای خود | نیست بر روی زمین مثلش پریروی دگر

تا تو باشی در نظر بر مسندِ ناز و ادا — حیف آن چشمے کہ افتد جانبے روئے دگر
آنقدر دل را بیادِ روے خویت بستہ ام — نیست ممکن این خیالِ من رود سوئے دگر
یک نگاہِ گرم تو گر عالمے سوزو چہ دور — نیست چون خورشید رویت آتشین خوئے دگر
غیر ترکِ چشم او ہرگز بزیرِ آسمان — فتنۂ دوران ندیدم چشم جادوئے دگر
عاقبت منصور را دل بر کلامِ حق رساند
کیست چون دل در جہان نازِ نکوخوئے دگر

رباعی

جمعے کہ بدیدارِ تو مینوش شدند — از نورِ تجلّیِ تو مدہوش شدند
بین طرفہ کسا نیکہ ندیدند ترا — چون دیدہ بعشقِ تو سیہ پوش شدند

فرد

آنکہ در گل بوے و در یاقوت آب و رنگ داشت — شورِ عشقت در دلِ من چون شرر در سنگ داشت

منیر ۔ پنڈت تریجن ناتھ صاحب ریئو نائب ناظم ضلع سانبھر ۔

تاریخ تولد شدن فرزند ارجمند بخانہ پنڈت شیام پرشاد گرو

ہوا گھر میں لڑکا جو راد ھاکشن کے — خوشی کی ہے ہر سمت سے آمد آمد
جو کی فکر از بہر تاریخ میں نے — لگا مجھ سے یوں کہنے ہاتف کہ آمد
مسرّت منیر اب نہ ہو کس طرح سے — یہ خورشیدِ روشن ہوا جب بر آمد
۱۹۴۰ بکرمی

دیگر

چون ز الطافِ الٰہی شام جی را شد پسر — گشت از نورِ رخش خجلت زدہ ماہِ منیر
بر فلک زہرہ اگر آید برقص اندر سزد — آنکہ ہست این ماہِ نو در حسن و خوبی بے نظیر
بہرِ تاریخش بگفتا ہاتفے نوروز کن
از حمل آمد برون چون نیّرِ اعظم منیر
۱۸۸۳ء

موزوں۔ پنڈت گردھاری لال تکرو صاحب خلف

پنڈت کاشی ناتھ تکرو صاحب۔

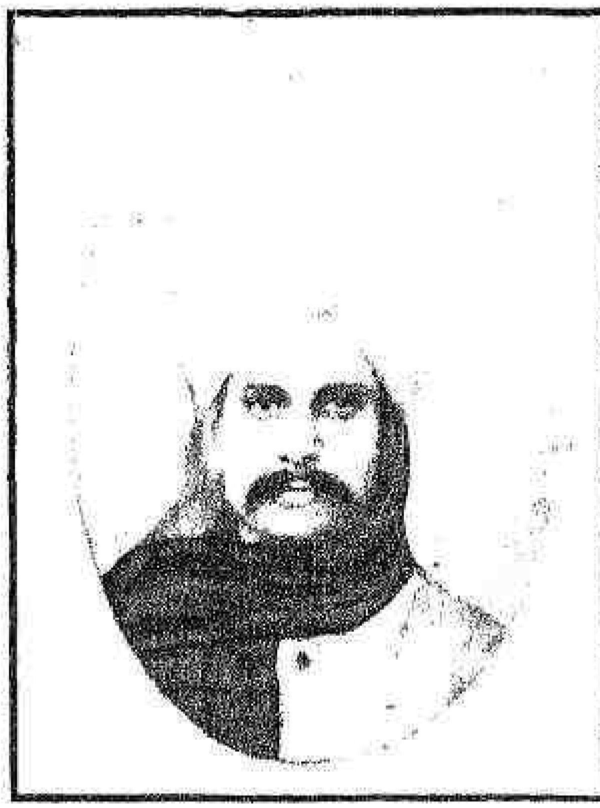
سال پیدائش جنوری ۱۸۶۸ء تاریخ وفات ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء۔ بی۔ اے ۱۸۹۰ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ محکمہ سررشتہ تعلیم پنجاب میں ملازم رہے۔ شاعری کا شوق لڑکپن سے تھا اور یہ شوق ۱۹۰۳ء تک قائم رہا۔ آپ ستار خوب بجاتے تھے خوش گلو اور نہایت خلیق تھے۔ ایک کتاب انڈین و انگلش میوزک کے تقابل میں لکھی تھی۔ انگریزی پوئٹری کے کہنے کا بھی شوق تھا۔ انڈیا پر ایک نظم ۱۹۰۳ء میں کہی تھی۔

نالۂ میخوار

اپنا رونا کسے سناؤں میں آپ بیتی کسے بتاؤں میں
موت سر پر کھڑی ڈراتی ہے خود ہوں دُکھیا کسے دکھاؤں میں
سارے رُوپوش ہم نوالہ ہوئے ہائے اپنا کسے بناؤں میں
بیوی ماں باپ اور بچوں کو ہائے کس مُنہ سے مُنہ دکھاؤں میں
ان کی مانی نہ ایک بھی میں نے بارِ غم کس طرح اُٹھاؤں میں
یہ بھی قسمت میں دیکھنا دن تھا رو چکا ہوں کسے رُلاؤں میں
مے کے ہاتھوں ہوا کلیجہ کباب کس طرح سوزِ دل بجھاؤں میں

مے کے پینے سے زہر ہی کھاتا
جھگڑا یہ زندگی کا مٹ جاتا

ایک دن میں بھی ماہِ کامل تھا جانِ مادر تھا۔ زیبِ محفل تھا
کیسی الفت سے پالتے تھے مجھے نور افروزِ شیشۂ دل تھا
ہاں کھلونوں سے کھیلتا تھا میں اپنے کھیلوں میں خوب شاغل تھا



پنڈت گردھاری لال تکرو۔ موزوں

رات بھر نیند جب نہ آتی تھی   ہائے اماں تمھیں کو مشکل تھا
خار بن کر تمھیں ڈراتا ہوں   مثلِ گل میں بھی راحتِ دل تھا
میٹھی میٹھی وہ میری باتیں تھیں   دل عزیزوں کا مجھ پہ مائل تھا
وہ گئے دن۔ نہ آئینگے صد حیف   وائے! کیا میں اسی کے قابل تھا

ہائے دشمن تھا آسماں میرا
جس نے چھوڑا نہیں نشاں میرا

میں ہوں، اماں! وہی دُرِ نایاب   جس سے رہتا تھا دل ترا شاداب
ہائے! میری ہی اس بُری لت سے   لُٹ گیا تیرا گلشنِ نایاب
تیری پھٹکار پڑ گئی مجھ پر!   میری ہستی پہ پھر گیا سیلاب
ہڈیوں کا کیا سبھی نے پنجر   مَے نے۔ جسکا تھا عاشقِ بیتاب
وائے دنیا میں آکے کیا دیکھا   کھو دیا یونہیں اپنا عہدِ شباب
اب اجازت ہو پائے بوسی کی   جوشِ الفت سے دل ہوا بیتاب

سب کو دُنیا میں جھوٹی چاہت تھی
ایک تمھیں کو یہ سچی الفت تھی

جام تھا میرا شاہدِ مقصود   میں تو حامد تھا اور وہ محمود
دولتِ جاں اسی میں صرف ہوئی   جسکو سمجھا تھا باعثِ بہبود
پی کے جب سیرِ باغ کرتا تھا   لہریں لیتی تھی خاطرِ خوشنود
نشۂ ناب جب اُترتا تھا   چڑھتا تھا پھر خمارِ خم آلود
دیکھنا چاہو گر مآل اس کا   دیکھ لو میری صورتِ موجود
روتا اپنے کئے پہ جی بھر کر   تابِ گریہ بھی ہو گئی مفقود

اہلِ دُنیا اسے نہ پینا تم!
موت سمجھو بس ایسا جینا تم!

مے کو میں جانتا تھا مایۂ ناز — تھی یہی میری مشفق و دمساز
نشۂ مے کے جوش مستی میں — ہر کسی کا تھا مونس و ہمراز
جب ذرا سا سرور ہوتا تھا — اس کی بھاتی تھی خوبیٔ انداز
مجھکو آخر یہ ہوگیا معلوم — تھی یہ بیدادِ دلبرِ طنّاز
جان پر اپنی کھیل جاتے ہیں — اسکی اُلفت میں عاشقِ جانباز
ایک چلّو میں اُلّو کر دیتا — اسکا ادنیٰ سا ایک ہے اعجاز
جو کہ اس شمع کے ہیں پروانے — ان کو حاصل ہوا ہے سوز و گداز

مے یہ دیکھی تری فسونکاری
دشمنِ جاں ہے تیری غمخواری

اے جوانی مری کہاں ہے تو — میری آنکھوں سے کیوں نہاں ہے تو
آ! کہ ایکبار دیکھ لوں تجھکو — زندگانی کی میری جاں ہے تو
مجھکو دنیا میں ناز تھا تجھ پر — روکشِ آہوِ خزاں ہے تو
اے جوانی تجھی کو کہتے ہیں — باغِ ہستی کی پاسباں ہے تو
سچ تو یہ ہے جہازِ ہستی کی — بحرِ عالم میں بادباں ہے تو
مے کے پینے سے کیا ہوا تجھکو — میری آنکھوں سے کیوں نہاں ہے تو
ہم تو دو دن کے اور مہماں ہیں — اور دنیا میں جاوداں ہے تو

الوداع اب تجھے جوانی ہے
ہمنے چلنے کی دل میں ٹھانی ہے

میرا مُردہ اٹھائیگا اب کون — غسلِ میّت کرائیگا اب کون
ہوگی کیونکر نجات اب میری — مجھکو گیتا سنائیگا اب کون
بسترِ خاک پر لٹا کے مجھے — ماہِ انور دکھائیگا اب کون

ٹوٹنے کو ہے میرا کاسۂ سر — آبِ گنگا پلائیگا اب کون
بعدِ مُردن مرے جنازے پر — اشکِ ماتم بہائیگا اب کون
مجھکو ہے یہ سب تمہارا کیا — تم نہ آئے تو آئیگا اب کون

اپنے بسمل کو اب سنبھالو تم
ہڈیاں اس کی بھی چبا لو تم

تیرا ہی ڈر ہے اب مرے یزداں — تجھکو کہتے ہیں ارحم و رحماں
جاؤں تیرے سوا کہاں اب میں — کر دے آباد خانۂ ویراں
میری ہستی پہ پڑ گیا پالا — نکلے میرے نہ حسرت و ارماں
ہوں پشیماں شراب خوری سے — خون روتے ہیں دیدۂ گریاں
یا الٰہی ترے سوا اب میں — کسکو دکھلاؤں سینۂ سوزاں
دور تجھ سے نہیں پلا دے گر — جرعۂ آبِ چشمۂ حیواں
ابرِ رحمت سے دے بجھا اب تو — میرے "غالب" کی آتشِ سوزاں

مے کے پینے سے توبہ کرتا ہوں
آخری دم میں سجدہ کرتا ہوں

خودکشی

کیا آج بیاں کیجئے اسرارِ تصرف — کیا نقش قلم کیجئے اوصافِ تصوف
کیونکر ہو عیاں ذکرِ شرر بارِ تاسف — لکھنے میں قلم کو ہے جھجک اور تکلف

جنت بھی اسی میں ہے جہنم بھی اسی میں
شادی بھی اسی میں ہے تو ماتم بھی اسی میں

ماتم کی کروں پہلے میں بس عقدہ کشائی — اشکوں میں کہوں تم سے جو تھی دردِ جدائی
ہے قصۂ غم اُس کی نہیں نغمہ سرائی — جو آہ بھی نکلی تو بنی تیر ہوائی

اعمال تجھے اپنے جو بنے دشمنِ ایماں
ہیں جبن کی بدولت سبھی بخیہ دوگریاں

غنچوں کو دیا کاٹ ترے جور و جفا نے   شہروں کو کیا خاک ترے مکر و دغا نے
لاکھوں کو اُڑایا ہے تری چلتی ہوا نے   جینے نہ دیا ہائے ترے تیرِ قضا نے
دنیا میں تو ہے معرکہ آرائے قیامت
مچ جائے نہ کیوں ہر جگہ غوغائے قیامت

دنیا میں ترا کام ہے بس رنج فزائی   تقدیر میں لکھ دیتی ہے تو داغِ جدائی
معلوم نہیں کیا ہے ترے دل میں سمائی   کوئی نہ بلائے بھی تو کہتی ہے میں آئی
سقراط کو بھی ڈھونڈ کے دیوانہ بنایا
جو جو تھے یکتا سے انھیں بیگانہ بنایا

اللہ نہ تری چاشنیِ ناز چکھائے   انساں کو نہ یہ صورتِ دمساز دکھائے
وحشت میں کوئی اسکو نہ ہمراز بنائے   دشمن پہ بھی یہ آفتِ جاں کاہ نہ آئے
عالم میں کوئی اس سا دل آزار نہ ہوگا
کمبخت کوئی ایسا فسوں ساز نہ ہوگا

اے زہد مجھے تیری بھی تعظیم بجا ہے   سب سیکھ کے اک تیری ہی تعلیم روا ہے
آگے ترے وہ کوثر و تسنیم بھی کیا ہے   وہ راہ ہے دنیا میں جو تسلیمِ خدا ہے
اک نور ہے جو کرتا ہے اس دل میں بسیرا
مشتاقِ تصوف نے جسے خوب نکھارا

صوفی ترے جوہر کی جھلک مان گئے ہیں   یوگی ترے انداز سے جان گئے ہیں
ہم بھی تجھے کچھ یونہیں سا پہچان گئے ہیں   دنیا میں سبھی لوہا ترا مان گئے ہیں
انساں کی خلقت میں تو ہیرے کی کنی ہے
وہ شکل ہیں گر ناگ ہے تو اس کی منی ہے

انساں کے لئے کیوں نہ کھوں چشمۂ حیواں — جس جان میں تو ہو نہ ہو کیوں رحمت یزداں
اس تختۂ دل پر تو ہے وہ صفحۂ بستان — عرفاں کے لگے بار کھلے ہیں گل خنداں
اک گل کی مہک سے سبھی نقشہ نہ پلٹ جائے
اپنے لئے یہ تختۂ دنیا نہ اُلٹ جائے

اے کام ہمیں عالم بالا سے گرایا — اے کرودھ ہمیں تختۂ دوراں سے مٹایا
اے لوبھ ہمیں دنیا کے دھندوں میں پھنسایا — اے موہ ہمیں مے کا یہ کیوں جام پلایا
ان چاروں سے اے دل جو کسی طور تو چھوٹے
ابلیس کی خواری ہو یہ ایمان بھی ٹوٹے

اللہ مرے دل کی خودی کو تو مٹائے — اس چشمۂ حیواں کا مجھے جام پلائے
اس دل کی لگی کو تو اپنے میں ملائے — تاریکی دل کے تو یہ سب پردے ہٹائے
تا عالم بالا میں بنے اختر تاباں
موزوں ترا دل یاد خدا میں رہے شاداں

صنعت و حرفت

ترقی قومی کے اے پاسبانو — رموز طریقت کے اے نکتہ دانو
ہے واجب کہ تم فرض کو اپنے جانو — کہے جائیں گے ہم یہ مانو نہ مانو
کہو حالت قوم کچھ جانتے ہو
بھلا اور برا اپنا پہچانتے ہو

عطا کی خدا نے تمہیں جاہ و ثروت — ہے حاصل ہوئی اسقدر گو کہ عظمت
یہ سارے تجمل یہ شاہانہ شوکت — کہے جاتے ہیں مایۂ عقل و حکمت
اسی خواب غفلت میں سوتے رہو گے
یونہیں وقت بیکار کھوتے رہو گے

خدارا نہ لو نام خوابِ گراں کا   غرور و تساہل کا وہم و گماں کا
بدلنے کو ہے رنگ سارے جہاں کا   نہ کچھ پوچھئے حال کیا ہے زماں کا

کئی فاقہ مستی میں دن کاٹتے ہیں
کئی باتیں بیٹھے نری چھانٹتے ہیں

مبارک ہو نوروز اقبال تم کو   مبارک یہ شوکت یہ اجلال تم کو
مبارک ہو یہ وقت خوشحال تم کو   مبارک ہو یہ دولت و مال تم کو

اُٹھایا ہے تعلیم صنعت کا بیڑا
یہی مدعا اپنی ہستی کا سمجھا

اسی کی ہے لو انکے ہر مرد و زن میں   اسی کی ہے دھن انکے ہر اک چلن میں
کمالات حاصل کئے اس لگن میں   رہے پھرتے وہ ہند و چین و ختن میں

اسی ہاتھ کو کلکِ قدرت بنایا
ہر اک کام نیچر کا کرکے دکھایا

بنے چرخِ صنعت کے وہ ماہِ کامل   فنونِ جہاں سب کئے خوب حاصل
کئے وا جو لگتے تھے مشکل سے مشکل   کئے دور ہم سے خیالاتِ باطل

جہاں میں ہیں وہ کارنامے دکھائے
جو غیروں کے وہم و گماں میں نہ آئے

کسی کے اگر پاس کوئی ہنر ہو   یہ امیدِ دل کس لئے بے اثر ہو
رہو شاد و خورم نہ خوف و خطر ہو   ضیائے صنائع اگر جلوہ گر ہو

نہ بگڑیں کبھی کام اپنے سراسر
ملے خود ہی جو ہے نوشتۂ مقدر

سنی بھی ہے جاپان کی کچھ ترقی — کہ کیا خوب سوجھی انھیں اپنے گھر کی
لگائی وہ صنعت کی ہے تار برقی — تجارت ملی سب ادھر کی ادھر کی
ہر اک کام میں نیک و بد اپنا سمجھا
زمانے کا دل اپنی جانب ہے کھینچا

یہی سب کی دھن ہے کہ ایم۔ اے بنیں ہم — زمانہ میں تحصیل علمی کریں ہم
نیوٹن پہ بیکن پہ لکچر سنیں ہم — نئی سے نئی کچھ کتابیں پڑھیں ہم
مگر پڑھ لکھے پھر خوب پچھتائینگے وہ
اور اپنا کیا آپ بھر پائینگے وہ

ہے واجب ہمیں سیکھنی دستکاری — کرو ترک اب کارِ اختر شماری
ہے احباب اس میں بھلائی ہماری — مٹے گی اسی طور سے شرمساری
ہے دار و مدار آپ کا سب اسی پر
ہے گمراہوں کی بس یہی نیک رہبر

وہی قیصرہ جو کہ شاہِ جہاں تھی — جو رطب اللساں اور عذب البیاں تھی
رعایا کی جو مادرِ مہرباں تھی — ارے ہند بو ہند کی پاسباں تھی
ہوا یادگاری میں اسکول قائم
رہے تا ابد نام نامی یہ دائم

مرثیہ بر وفات حسرت آیات جناب کپتن صاحب بہادر ایم۔ پی

کیوں بلبل ریاض سخن بے زباں نہ ہو — کیوں نرگس حدیقۂ غم خوں فشاں نہ ہو
کیوں بحر اشک جوش میں آکر رواں نہ ہو — کیوں عالم بہار میں رنگ خزاں نہ ہو
پیکِ اجل کسی کو اگر یوں جدا کرے
آشفتہ دل نہ تڑپے تو پھر اور کیا کرے

ہاں چل گیا کلیجے پہ اک خنجرِ الم   دل سے نکل رہی ہے عبث آہ دردوغم
صد حیف کس طرح وہ گئے اپنے ذی حشم   اعزاز شمپر نس بڑھا جن سے دمبدم

ہر دم زمانہ داغ دگر گونہ بر نہد
یک داغ نیک نا شدہ داغ دگر دہد

صدمہ یہ وہ نہیں ہے کہ ہم جسکی تاب لائیں   صدمہ یہ وہ نہیں ہے کہ ہم جسکو بھول جائیں
سوزِ الم میں کسلئے آنسو نہ ہم بہائیں   چیخیں زمین و آسماں سر پہ نہ کیوں اُٹھائیں

موجود جنکو سمجھے تھے معدوم ہوگئے
زندہ جو کل تھے آج وہ مرحوم ہوگئے

اے قبلہ غم میں آپ کے ہم سوگوار ہیں   فرقت کے غم میں آپ کے ہم اشکبار ہیں
ہم نشترِ الم سے ہوئے دلفگار ہیں   کیسے ستم رسیدہ ہیں اور بیقرار ہیں

رونے سے اپنے چشم کا طوفاں بپا ہوا
ہے کاسۂ حباب میں دریا بھرا ہوا

ہاں ہم ادھر تھے آس میں تم جانکنی پر آئے   تمنے سنی ہماری نہ کچھ اپنی کہنے پائے
فرصت نہ موت سے ملی دم بھر کی ہم کو ہائے   ہے ڈر کلیجہ پھٹ کے یہ اپنا نکل نہ جائے

"اس غم سے زندگی ہیں ہمارے خلل پڑا
کیوں ستاں لگی کہ کلیجہ نکل پڑا"

اے ہند لٹ گیا ترا سرمایۂ نشاط   ہمدم ترا حبیب ترا اکرا وفات
وہ ڈھنگ اب رہے نہ رہی اب وہ تیری بات   جب سے کہ چلدیا ترا ہادی اوصفات

"ہاں اشک چشم سے تری پیہم ٹپکتے ہیں
نرگس کے گل سے قطرۂ شبنم ٹپکتے ہیں"

جب تک جہاں میں گردشِ ارض و سما رہے   یہ خاک و باد و آب یہ عناصری ہوا رہے

ہاں جب تلک یہ آمد صبح و مسا رہے
یہ گلشن مراد ہرا اور بھرا رہے
اے کیتن تجھکو روضۂ رضواں نصیب ہو
موزوں بھی بارگاہ خدا کا حبیب ہو

نظم تہنیت بتقریب جلسۂ تاجپوشی شاہ زماں خسرو ہندوستاں شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم

اے شہنشاہِ جہاں۔ اے قیصرِ ہندوستاں
اے رموزِ سلطنت کے رہنما اور نکتہ داں
عدل کی نظروں میں اے غیرت دہِ نوشیرواں
دے رہا ہے آج یہ تجھکو دعا سارا جہاں
کوئی خطہ ہو وہاں سکا ترا چلتا رہے
اور عدو حسرت سے اپنے ہاتھ ہی ملتا رہے

صورتِ خورشید تاباں ہو ترا جاہ و جلال
تیرا حامی عیش ہو اور غیر کا رنج و ملال
گردنِ اعدا پہ چمکے روز و شب تیغ ہلال
اے ہمایوں طالع اے بختِ سکندر کی مثال
بخت فرخندہ ہمیشہ تجھپہ شیدا یوں رہے
روئے گل پر جس طرح بلبل سدا مفتوں رہے

گوشِ گل میں پھونکتی ہے آج یہ بادِ صبا
بلبلِ شیدا کو چکا نغمہ سنجی میں ذرا
ہے بہت مشہور عالم آج اس کا چرچا
شاہ آتے ہیں انھیں دے اپنا کچھ جوہر دکھا
دھن کوئی ہو چھیڑ دیں کی یا جیسے نقشِ بہار
ہو للت باگیسری چھایا جھنجھوٹی دیسکار

کیوں بھلی چنگی ہے یا رو نرگسِ بیمار آج
یہ پریشاں کیوں نہیں ہے سنبل طرار آج
کی غضب سوسن نے پیدا طاقتِ گفتار آج
ہے غضب ڈھائی تری کبک دری رفتار آج
جب یہ نقشہ باغ کا ہو اور یہ ساماں ہو
دیکھ کر چشم تماشائی نہ کیوں حیران ہو

عاشقوں کی آنکھ سے آنسو رواں ہوتا نہیں — اب شبِ فرقت میں وہ آہ و فغاں ہوتا نہیں
رنج و غم اب عاشقوں کا یہ سماں ہوتا نہیں — انکے در پے آسماں بہرِ زیاں ہوتا نہیں

اب نہیں معشوق رکھتے اپنے چہرے پر نقاب
یہ تری مسند نشینی نے کیا ہے انقلاب

جشنِ جمشیدی کا مدت سے سنا کرتے تھے ڈھنگ — عقل حیراں اور خرد ہوتی تھی جسکو سن کے دنگ
دیکھ پاتا وہ بھی گر یہ رونقِ جشنِ امنگ — کون کہتا ہے کہ اُس کا شرم سے اُڑتا نہ رنگ

ہو مبارک صد مبارک آپ کو جشنِ سعید
سارے عالم میں ہے جسکی آج یہ گفت و شنید

کھینچ لے اب رنجِ غم سے ذرا راحت مجھے — اور کچھ کردے عطا گفتار کی طاقت مجھے
اور بیانِ مدحِ قیصر کی بھی دے ہمت مجھے — بخت پھر پہنچائے میرا تا درِ حضرت مجھے

درگہِ والا میں جا کر جبہ سائی میں کروں
مثلِ بلبل مدح میں نغمہ سرائی میں کروں

کھینچ اب نقشہ ذرا دہلی کا اے طبعِ رواں — کس خوشی میں آج ہوگی موجزن جمنا وہاں
خوب رنگ رلیاں مناتے ہیں سبھی خورد و کلاں — اہلِ ہند کے ہو رہے ہیں آج دل کیا شادماں

دھوم ہے اور ہیں خوشی کے شادیانے بج رہے
واہ واہ کس ٹھاٹھ سے سب مرد و زن ہیں سج رہے

تا ابد شاہا رہے سب پر حکومت آپ کی — طرۂ دستارِ عالم ہو اطاعت آپ کی
مثلِ گل خنداں رہے ہر دم طبیعت آپ کی — سمِ قاتل دشمنوں کو ہو عداوت آپ کی

نغمہائے مدح میں مصروف ہے صبح و مسا
بلبلِ کشمیر موزوں آپ کا مدحت سرا

موہن - پنڈت موہن لال ٹوپہ صاحب خلف پنڈت دتاکشن ٹوپہ صاحب دہلوی۔ آپ کا خاندان دہلی کے معزز خاندانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

آپ نے ساری عمر یادِ الٰہی میں بسر کی۔ روحانی عروج کے آگے مال و منال دنیوی کی کچھ حقیقت نہ سمجھی۔ دہلی بھر کی نظروں میں آپ کی عزّت و توقیر تھی آپ کا کلام تسلیم و رضا کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

قلق ہے میرے دل پر اس قدر تیری جدائی کا
نکلنے کو ہے دم ڈنکا بجا تیری دوہائی کا
کوئی کس منہ سے دکھلا دے محبت کی ادا تجھکو
جبیں پر داغِ سجدہ ہی نشاں ہے خود نمائی کا
تو وہ بیچوں و بے پروا ہے اے خلّاقِ انس و جاں
زباں لکنت کرے گر ہو بیاں چون و چرائی کا
خودی تجھکو ہی زیبا ہے کہ ہے تو بانیِ عالم
نیاز حصہ مرا تیرا خودی اور خود نمائی کا
پھرے ہر چند بتخانہ میں اور کعبہ کلیسا میں
نہیں پایا کسی نے بھید تیری کبریائی کا
بجز رحمت نہ رکھ امید موہن دل میں کچھ ہرگز
وہ ہیں گمرہ جنھیں دعویٰ ہے اپنی پارسائی کا

تصور میں نقشہ جمایا تو ہوتا — مجھے لطف کچھ اس کا آیا تو ہوتا
تو دانا ہے اور میں ہوں تیرا بھکاری — مرے حال پر رحم کھایا تو ہوتا
میں دنیا کی غفلت میں ڈوبا ہوا ہوں — کنارے مجھے بھی لگایا تو ہوتا

ول۔
آرام مجھے رنجِ جدائی نہیں دیتا — یہ بخت نگوں ہونے رسائی نہیں دیتا

افعال ہیں مذموم اور اس پر ہے یہ دعویٰ — کیوں مجھکو خدا ساری خدائی نہیں دیتا

گر ہے یہ تمنا کہ ہو دیدار میسر — کیوں آئینۂ دل میں صفائی نہیں دیتا

ولہ

راز دل مخفی رکھا تھا مصلحت کچھ جانکر — کھل گیا عقدہ زباں بھی میری کھلوائینگے آپ

جاں نثاری میں نے کی دل سے بہ امید کرم — خاکساری پر مری اب خاک ڈلوائینگے آپ

زندگی موہن کی ساری درد ہجراں میں کٹی

حیف ہے اب اُس سے کیا منہ موڑ کر جائینگے آپ

دیوانہ عشق نے مجھے ایسا بنا دیا — پوچھے کوئی زمیں کی کہوں آسماں تلک

فرصت کسے ہے کسکو سناؤں میں حال زار — جاوے نہ دم نکل مرا شرح بیاں تلک

ولہ

ترا جلوہ آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں — تجھے ہر جگہ اے صنم دیکھتے ہیں

کوئی شے نہیں ہے جہاں تو نہیں ہے — تجھے دل میں اپنے بہم دیکھتے ہیں

جو ہیں محو بالذات عالم میں تیرے — تجھے ہر زماں دمبدم دیکھتے ہیں

صفائیں تری گن سکے کون موہن

ان آنکھوں سے کیا کیا نہ ہم دیکھتے ہیں

نفس کی آمد و شد تک نہیں آزادگی ممکن

یہ کیوں آزاد بن کر زندگی برباد کرتے ہیں

نعمت کا تری شکر میں کیونکر ادا کروں — جی چاہتا ہے جان کو دل کو فدا کروں

ہر دم ہو تیری یاد مجھے ہر نفس کے ساتھ — خلوت میں تیرے نام کی سمرن جپا کروں

گر ہو مجھے نصیب ترا جلوۂ جمال — دیکھوں تجھی کو تیری بلائیں لیا کروں

سارے جہاں سے دل کو ہٹا کر بصد خیال — اس دل کو تیرے دھیان کا قبلہ نما کروں

ولہ

وعظ واعظ جو سناتا ہے تو ہم سنتے ہیں — یہ تو بتلا کہ کھلا توبہ کا در ہے کہ نہیں

دل کے دلدار کو بتلاتے ہیں دل سے باہر — دل میں ناطق ہے وہی تمکو نظر ہے کہ نہیں

مسکنِ یار نہ کعبہ ہے نہ بتخانہ ہے — اپنی ہستی کی بھی کچھ تم کو خبر ہے کہ نہیں
ہو کے طالب کسی کامل کا تو دامن تو پکڑ — دیکھ پھر تجھ میں ترے یار کا گھر ہے کہ نہیں

صفِ عشاق میں جا بیٹھے تو ہو اے مومن
آہِ دل - سوزِ جگر دیدۂ تر ہے کہ نہیں

انقلابِ دہر نے ایسی کری حالت تباہ — کیا زمانہ نے کری ناسازگاری اندنوں
حالِ دل کس سے کہوں اب کوئی بھی مونس نہیں — سوجھتا ہی کچھ نہیں جز آہ و زاری اندنوں

آستاں پر تیرے مومن سر جھکا کر عجز سے
ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے وہ بھکاری اندنوں

عزلت میں رہکے ہر دم کرتے ہیں یاد اسکی — بیکار رہیں تو ہم ہیں باکار ہیں تو ہم ہیں

پاتے ہیں لطفِ طاعت جو یادِ حق میں مومن
روئے صنم کے قرباں ہر بار ہیں تو ہم ہیں

نہیں اب رہی دل کو فرقت کی طاقت — ہم اس دل سے پہلے ہی ہارے ہوئے ہیں
نہ ہو دل میں کیوں اُس کا جلوہ منور — جسے جان و دل سے پکارے ہوئے ہیں
رہینگے وہ رحمت سے ہرگز نہ خالی — جو ہاتھ اسکے آگے پسارے ہوئے ہیں

کرے کیوں نہ جاں اُس پہ قربان مومن
فدا اہلِ دل جس پہ سارے ہوئے ہیں

ملتا نہیں قرار دلِ بیقرار کو — گذری تمام عمر اسی انتشار میں
دیکھو وہ تیز دستی عیارِ پُرفنا — دل صاف لے لیا مرا پہلے ہی وار میں
دشوار اُنکا ملنا ہے اور دل ہے بیقرار — وہ اختیار میں ہیں نہ دل اختیار میں
اسکا کرم ہے ساتھ تو پھر کسکا ڈر رہا — اتنے گناہ کر کہ نہ آویں شمار میں

عاشق ہزار جاں سے ہوں مومن بصدق دل
پوچھیں جو وہ تو صاف کہوں یہ ہزار میں

جو لو اپنی اُن سے لگائے ہوئے ہیں — وہ دنیا سے دل کو اُٹھائے ہوئے ہیں
جو ظاہر میں خود کو چھپائے ہوئے ہیں — اُنھیں سے تو ہم دل لگائے ہوئے ہیں
خودی۔ خودسری دور رہتی ہے اُن سے — جو رازِ حقیقت کو پائے ہوئے ہیں
کھلا تیری وحدت کا عقدہ ہے جن پہ — زباں زیرِ دنداں دبائے ہوئے ہیں
کرینگے نہ ظاہر محبت کو ہرگز — ہم اپنے ہی دل میں چھپائے ہوئے ہیں

ہوئے اب تو آزاد مومن جہاں سے
کہ ہستی کو اپنی مٹائے ہوئے ہیں

تجھے دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں — نہاں میں عیاں اور نہاں دیکھتا ہوں
نہیں تیرے جلوہ سے خالی کوئی جا — جو خالی ہے جا میں وہاں دیکھتا ہوں
ہے مخفی ترا راز ہر چشم و جاں سے — کہوں گا نہ ہرگز کہاں دیکھتا ہوں

سنوں کیا کسی سے ترا حال مومن
جو دیکھا ہے دل میں وہاں دیکھتا ہوں

اے دل تو کس کی یاد میں ہر صبح و شام ہے — جلوہ ہے جسکا سب میں وہ عالی مقام ہے
سامع قدیر حاضر و ناظر ہے ہر جگہ — نطق و بیاں میں بھی تو وہی لا کلام ہے
ہے سب میں نور اُسکا و لے سب سے ہے جُدا — پر مبتلا اُسی کا ہر اک خاص و عام ہے
ہر لحظہ یاد اُسکی ہو تارِ نفس کے ساتھ — آخر کو بعد مرگ اُسی سے ہی کام ہے
دل کی کشش ملائیگی اک روز بالیقیں — گر درد اپنے دل میں اُسی کا مدام ہے

مومن اُسی کی یاد میں مصروف ہو بدل
اور خوب لے سمجھ کہ کھڑی سر پہ شام ہے

غفلت میں ساری عمر گنوائی تو ہے مگر　　اُمید دل میں رکھ اُسی عالی جناب کی
مطلق نہ خوفِ دیں ہے نہ دنیا کا کچھ خطر　　پرواہ کچھ نہیں ہمیں روزِ حساب کی
پوچھا جو حال دل کا تو موہنؔ نے یہ کہا
کیا پوچھتے ہو اس دلِ خانہ خراب کی

یہی ہنر ہے کہ پردہ میں تو روپوش رہے　　برملا حُسن دکھا دے تو کسے ہوش رہے
جلوۂ نور سمایا رہے نظروں میں مدام　　خواب میں بھی تو ہی اگر مرا ہمدوش رہے
دل میں ہو تیری لگن اور ہو جاں تجھ پہ نثار　　جاں نثاری میں بھی الفت کا تری جوش رہے
عاشقِ زار یہ موہنؔ ہے ترا پیرِ کہن
نہیں ممکن کہ ثنا سے تری خاموش رہے

ترا جلوہ ہے گر سب میں تو پھر سب سے جدا کیوں ہے
ترے صدقہ یہ شرمائی ہوئی تیری ادا کیوں ہے
بتا دیکھے مری جاں دل مرا تجھ پر فدا کیوں ہے
غضب ہے تو مری نظروں سے پوشیدہ ہوا کیوں ہے
جمالِ نور تیرا آشکارا ہے ہر اک دل پر
تعجب ہے کہ پردے میں تو اے میرے خدا کیوں ہے
تو ہے ملجا و ماوا بے کسوں کا بحرِ عالم میں
تجھے بندوں سے اپنے اس قدر شرم و حیا کیوں ہے
کہا لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ تو نے شفقت سے
تو پھر رحمت سے خالی میرا بختِ نارسا کیوں ہے
غزل کو ختم کر موہنؔ تو اور حدِ ادب میں آ
تجھے اس کی رضا میں اس قدر چون و چرا کیوں ہے

مؤئید۔ رائے پنڈت آنند رام صاحب

چوں کو دکے شکایت شیریں بجوے شیر
از خامہ ما بصفحۂ خارا نوشتہ ایم

بر روے خویش خطِ شعاعی کشیدمہر
ہر گاہ خطّ جام زصہبا نوشتہ ایم

از آب زندگی ز زبانِ لب نگار
جاں بخش نسخۂ بہ مسیحا نوشتہ ایم

در دل خیال نرگس مستش چو کردہ ایم
از سرمہ خط بمردم بینا نوشتہ ایم

مجبور۔ پنڈت شیو پرشاد کاک صاحب

سنہ ۱۸۵۳ء میں عہد نابالغی عالی جناب مہاراجہ جسونت سنگھ بہادر کا جب انتظام ریاست بھرتپور میں ہوا تو پنڈت شیو پرشاد صاحب کاک کمشنری اجمیر سے محکمہ رزیڈنسی بھرتپور میں میر منشی ہو کر تشریف لائے مگر چند عرصہ کے بعد آپ کو میر منشی ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ ہو کر اجمیر واپس جانا پڑا۔ اس وقت ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ سرہنری لارینس تھے اور بھرتپور میں میجر مارِیسن پولیٹکل ایجنٹ تھے۔ میجر صاحب نے پنڈت صاحب کا جانا منظور نہ کیا۔ آپ کا بڑا اعتبار رکھتا اور بڑی قدر کرتے تھے۔ مگر سرہنری لارینس کو اصرار تھا۔ آخر کو پنڈت صاحب نے میجر مارِیسن سے یہ کہا کہ میں اپنے خواہر زادہ پنڈت موتی لال کول شہرتہ کو جو مثل میرے واقف کار اور ہوشیار ہے آپ کی خدمت میں چھوڑے جاتا ہوں آپ کو کسی قسم کی دشواری نہ ہوگی۔ چنانچہ میجر صاحب نے مجبوراً اس تجویز کو قبول کر لیا اور پنڈت صاحب کو رخصت کیا۔ سنہ ۱۸۵۸ء میں آپ زندہ تھے۔ آپ کی ناگہانی موت یکایک ٹھوکر کھا کر گرنے سے ہوئی تھی۔ آپ کی دختر پنڈت جیا لال واتل صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر ریاست بھرتپور کی زوجہ تھیں جن کے فرزندان پنڈت رنجن لال صاحب

ریٹائرڈ تحصیلدار بھرتپور۔ پنڈت شام لال صاحب اور پنڈت نریندر ناتھ صاحب ہیں۔ پنڈت برجناتھ صاحب کاک جناب مہجورؔ کے پسر متبنیٰ تھے اور آپ کے برادرزادہ پنڈت شیو نراین صاحب کاک مدت دراز تک ریاست جودھپور میں مصاحب رہے۔

میکشی کا یہ رنگ ہے اس بن ۔۔۔ موج ہے ساغرِ شراب میں سانپ
کون ظالم ہے جیمہ زن دل میں ۔۔۔ نظر آتا ہے ہر طناب میں سانپ
مر گئے ہم شمیمِ گیسو سے ۔۔۔ تھا نہاں آہ مشکِ ناب میں سانپ
جان کو اپنی۔ تیری چینِ جبیں ۔۔۔ ہو گئی حالتِ عتاب میں سانپ
حسرتِ زلف جو لکھی مہجورؔ
بھیجا اُس شوخ نے جواب میں سانپ

مطلع

نظر آتا ہے پیچ و تاب میں سانپ ۔۔۔ ہے وہ گیسو مرے حساب میں سانپ
کس کی زلفِ سیاہ دیکھی ہے ۔۔۔ رشک سے ہے جو پیچ و تاب میں سانپ
اس کی زلفِ سیہ کی حسرت میں ۔۔۔ ہے نگہ دیدۂ پُر آب میں سانپ
شرم سے دودِ آہ سوزاں کے ۔۔۔ کیچلی سے ہوا حجاب میں سانپ
کس کی کاکُل کا وصف ہے مرقوم ۔۔۔ ہوئی ہر سطر ہے کتاب میں سانپ

ٹھوکر لگی جو پاے نگارینِ یار کی ۔۔۔ مثلِ عقیق ہو گئی لوحِ مزار کی

کب چین خاک میں ہے دلِ بیقرار سے ۔۔۔ ہے برق جلوہ گر مرے مُشتِ غبار سے

مہجورؔ۔ پنڈت پیارے لال اوکھل صاحب۔ نبیرہ پنڈت ٹھاکرداس صاحب اوکھل متخلص بہ کامل دہلوی۔

سرِ بالیں جو تم آجاتے تو بہتر ہوتا ۔۔۔ کچھ تو قابو میں ہمارے دلِ مضطر ہوتا

بہتر از تخت سلیماں سے گدائی تیری — بوریا میرے لئے فرشِ مشجر ہوتا
قول و اقرار ترے جھوٹ ہیں لے وعدہ خلاف — تیری سوگند کا مجھکو نہیں باور ہوتا
شام سے صبح تلک بوسہ پہ بوسہ لیتا — مثل حاتم جو کہیں یار دلاور ہوتا
گوندھتا شوق کے ہاتھوں سے میں اسکی چوٹی — یاد مجھکو جو کوئی سانپ کا منتر ہوتا
ننگے سودائی سا پھرتا ہوا پھرتا دن رات — دل کو جو عشقِ خطِ روئے منوّر ہوتا

تم جو مہجور کو ناراض نہ کرتے شبِ وصل
وہ تمھارے نہ کسی حکم سے باہر ہوتا

آہ رکھتے ہی قدم یار کے گھر سے باہر — بیقراری سے ہوئی جان جگر سے باہر
پیچ سے زلف کے اب دل کا نکلنا معلوم — کون نکلے ہے شبِ تار میں گھر سے باہر
یادِ زندانِ صنم دل میں بسی ہے دن رات — ہوے کب رشتۂ ہموار گہر سے باہر
واے اک آہ جو مظلوم بھرے وقت سحر — نہیں ممکن کہ نکل جاے اثر سے باہر
راہ الفت میں نہ دیکھی کوئی منزل مہجور — جان و ایمان کی ہووے جو خطر سے باہر

مہر۔ پنڈت شمبھوناتھ صاحب زتو۔ دہلوی

آپ کی دختر پنڈت داتا کشن صاحب ٹوپہ کو منسوب تھیں۔ آپ کی غزل کا صرف ایک مشہور مطلع حضرت کیفی نے عنایت کیا تھا۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن — دل بدستِ دگرے دادن و حیران بودن

مہذب۔ پنڈت دھرم چند صاحب ہنڈو

رشک سے اہلِ ہنر کا اور بڑھتا ہے فروغ — سنگ بھی کھاتا وہی ہے جو ثمر اچھا ہوا
آپ کا شکوہ زباں پر ہم نہیں لاتے کبھی — خیر جو کچھ ہو گیا وہ سر بسر اچھا ہوا

هم مریضِ عشق ہیں ہم کو دوا سے کام کیا　　صندلی پوشوں کو دیکھا دردِ سر اچھا ہوا
کیا نگاہِ یار میں اکسیر کی تاثیر تھی　　اُس سے دیکھو دردِ دل دردِ جگر اچھا ہوا

ہے مہذب شعر گوئی کی تری شملہ میں دھوم
شاعروں میں کہتے ہیں سب یہ بشر اچھا ہوا

نادر- پنڈت شنکر ناتھ صاحب عرف شاہ

نظم و نثر فارسی میں آپ کو دستگاہ کامل اور صنعت معما و عروض اور قافیہ میں قدرت تمام حاصل تھی۔ رسالہ نادرہ کے دبیر کے بزرگ امجد تھے۔
آپ کے مراسم پنڈت بدری ناتھ مدیا المتخلص بہ عاشق کے ساتھ ایک خصوصیت رکھتے تھے۔ ۱۲۳۶ھ میں عاشق نے بمقام سرو هنه وفات پائی جہاں وہ عمدۃ الاراکین زیب النسا بیگم کے علاقہ میں بعہدہ سررشتہ داری ممتاز تھے۔ اُن کی وفات کے بعد اُنکی تصانیف یعنے نسخۂ دلکشا و باغستان بہار پیرا و قصص سیف الملوک و بدیع الجمال کا ایک مجموعہ جناب نادر نے ترتیب دیکر اس کا نام غمزدہ رکھا۔ اس مجموعہ کی تکمیل یکم اکتوبر ۱۸۲۶ء مطابق ۲۶ رصفر ۱۲۴۲ھ کو ہوئی جس کے خاتمہ پر نادر کے یہ دو شعر درج ہیں۔

غرض نقشے است کز ما یاد ماند　　کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے بہمت　　کند بر حال این مسکین دعائے

تاریخ وفات متجلاً و تعمیہ حسب ذیل ہے

چوں ازیں دار فنا شد آں مہ اوج کمال　　گشت خاطر ہا پریشان و جگر خوں شد بہ صدر
بے سر و پا گشت نادر زیں الم با درد گفت　　سال تاریخِ وفاتش منخسف گردید بدر

مارا بسیرِ لاله و گل دل نمی کشد — اے چهرهٔ بهار فریب تو باغِ ما
ما همچو گردباد دریں دشت گم شدیم — نادر برو برو که نیابی سراغِ ما

لاله زارے گل کند از دیدهٔ خونبار ما — مست گردد عندلیب از ناله‌هاے زارِ ما
بے سبب آزردنِ آزادگان رسم کجاست — اے بقربانِ تو نادر بگذر از آزارِ ما

جز دردِ تو نیست در دلِ زار — این ست بعشق حاصلِ ما
دل خوں کن روشنانِ افلاک — یک جلوهٔ ماهِ کاملِ ما

رفتی وز خود رفتم اے برق عناں باز آ — گل بے تو نمی خندد اے سروِ رواں باز آ

مرا طرفِ چمن جانانه مستانه بایستے — ز چشم نیم مستش ساغر و پیمانه بایستے

باز آمد شاهدِ گل در شبستانِ چمن — جلوه ها کردند رعنائی فروشانِ چمن
پنبهٔ شبنم کشید از گوشِ گل بادِ صبا — بشنود تا نغمهٔ رنگیں نوایانِ چمن
کیسهاے غنچه را بگشود بادِ صبحدم — زر فشانی میکند امروز خاقانِ چمن
محملِ گل زینتے از لیلیٔ شبنم گرفت
بید مجنوں میشود امروز قربانِ چمن
نامه آورده قاصد سوے نادر از کسے — کز سحاب خامه اش نزهت بریحانِ چمن

در صفت بنارس

الٰهی ذوقِ دردِ بے دوا ده — دلِ گرم و زبان شعله زا ده
دلے صد چاک از شمشیرِ عشقت — بخاک و خوں طپیاں از سرِ حقیقت
دلے وه همچوں اخگر باطن افروز — غلط کردم چه دل برقِ جهاں سوز
دلے همچوں پرِ پروانه پُر تاب — دلے مانند نبضِ موجِ بیتاب

زبانے بخشش لبریز لآلی — کلیدِ گنجِ فیضِ لایزالی
زبانے ہمچوں موجِ آبِ حیواں — زبانے چوں رگِ ابرِ بہاراں
کہ در وصفِ بنارس ہمچو بلبل — بصدقِ دل شوم سرگرم غلغل
بنارس بوستانِ بیخزان است — تعالی اللہ بہشتِ جاودان است
بود ہر کوچۂ او کوچہ باغے — بود ہر مندرش گنجِ فراغے
ہجومِ راست قدانِ سمن بر — دریں گلشن بود سرو و صنوبر
بلاگردان ایں نازک ادایاں — بقربانِ سرِ گلگوں قبایاں
بخاکِ پاکِ ایں مینو نشانہ — ہجومِ دل فتادہ عاشقانہ
بہر سو بیدِ خوانانِ خوش آواز — بالحانِ دلربائی کردہ آغاز
غزلخواں ہر یکے مانندِ بلبل — ہمہ در بحثِ عرفاں محوِ غلغل
چو رودِ گنگ عینِ فیضِ یزداں — نماید شست و شوئے لوثِ عصیاں
کند چوں ابروے موجش اشارت — دہد از چشمۂ کوثر بشارت
بجنانش دہد چوں فیروزہ دل راحت — ز فلسِ ماہیش الماس روشاں
حبابِ او بعینہٖ چشمِ بد دور — بود آئینۂ رخسارۂ حور
برایں آبِ رواں آساگر آید — خضر با آبِ حیواں کے گراید
ہمیں دارم تمنا در جہاں بس — کہ گردم ذرۂ کوئے بنارس
من و دل ہر دو از خود رفتۂ او — من و دل کو حش اللہ خاکِ آں کو
من و آں سر زمین سر بسر نور — تعالی اللہ من و آں عین کافور

لبِ آں چشمۂ انوار قادر
شود خاموش شمعِ جان نادر

بحامد عشق کده بندرابن

باز دارد سرِ وحشت دلِ دیوانۂ ما — می رسد نامِ خدا عشق بکاشانۂ ما
عقل آشفتہ تر از زلفِ بتاں میگردد — عشق دیگر سرِ جنگ ست بفرزانۂ ما
بلبلانِ چمن از ما ہمہ غوغا دارد — محشر آشوب شد از عشق تو افسانۂ ما
موجِ مے جلوہ گر از سیل سرشکِ خونین ست — دل و چشم تر ما شد خُم و پیمانۂ ما
تابِ نظارہ ندارند زمہ تا ماہی — لن ترانی است سزاوار بجانانۂ ما
جلوۂ بالِ پری بہر مژہ ما دارد — شد پریخانہ زیک جلوۂ او خانۂ ما

چشمش آغوش کشادہ ست بدیدار کسے
مرحبا بختِ خوشِ نادرِ مستانۂ ما

رباعی

شد فصل بہار و جوش زد لالۂ و گل — چوں زلف و قدِ بتان ست سرو و بلبل
بر سرو دہد داد طربہا قمری — از عارضِ گل بوسہ ربایہ بلبل

بیت

متھرا چہ بود شورِ جنوں را ماوا — بندرابن و مسکنِ قرارِ دلہا
برخاستہ چوں گل ز زمینش ہر سو — عشق و شغف و وحشت و جوشِ سودا

مثنوی

اے جمالت عارفاں را نورِ عین — وے خیالت طالباں را فرض عین
از وجودِ ما فیوضت شد عیاں — معنیِ شیریں غریزِ کن نوکاں
گاہ افسونے و می در گوش نے — تا شود عالم پُر از غوغائے وے
یعنی آں رازِ نقیبیت فیہ را — سازی از حکمت بیکدم برملا
گاہ چوگاں بازیت خورشید روے — مضطرب دلہا شود مانند گوے

می شود خورشید وش با صدا واے — جلوہ گر از مطلع آغوشہاے
اے خداوند کریم کارساز — کن بروے من درے از فیض باز
از جفاے چرخ بس دل خستہ ام — با ہواے مہر تو دل بستہ ام

بندۂ نادر سگِ درگاہِ تو
این من و دل ہر دو خاکِ راہِ تو

ابیات در صفتِ پشکر

کوفت از بسکہ رعد کوسِ شکوہ — آمد از ہیبتش فلک بہ شکوہ
عالمے آب کردہ طوفانی — موجہ گشتہ رشک عمانی
بسکہ گل کردہ اطراوت اثر — دانۂ نار می شود اخگر
می زند جوشِ آب آبلہا — آشنا می شود نگمہ اینجا
سرو کر وست ہمسری بہ فلک — قمریاں می کنند سیر فلک
در نظر بسکہ آب می آید — آب در خواب نیز بنماید
کوہ و صحرا و سقف و شہر جہاں — سر بسر سبز شد زمرد وار
چوں فلک سبزہ زار شد صحرا — رشک رخسار یار شد صحرا
سر کشد بانگِ غوکہا بفلک — دعوئے فقر می کند ہر یک

فیلباراں ز بسکہ کردہ ہجوم
گشتہ ہر موجِ سیل چوں خرطوم

رباعیات

پشکر چہ بود چشمۂ فیضِ یزداں — ہر موج کلیدِ درِ گنجِ عرفاں
گویند کہ ہست آبِ حیواں پنہاں — اینہا بہ غلط پشکر و آبِ حیواں

بر آبِ حیاتِ خضر چوں می نازد — وز بہر صفا ظلمتش جگر بگداز د
آں زندہ کند کالبدِ خاکی ولیں — ایں چشمۂ فیض زندہ دل میسازد

صد چاک زدیم در گریباں چو سحر　　مائیم و قبائے ز ترک دنیا در
داریم ز پا خبرے نے از سر　　پا اللہ کہ سر خوشیم ز آب پشکر

نادر گرت آرزوے کوثر باشد　　در باغ جناں حیات در سر باشد
آنجا ہمہ گفتنی و وہم ست خیال　　دریاب کہ ایں ہمہ پیشکو باشد

تاریخ وفات پنڈت لچھی رام سرور

از نظر چوں رفت شمع بزم علم　　تیرہ شد عالم بچشم مردماں
یعنے آں شاہنشہ ملک سخن　　فیض بخش کودک و پیر و جواں
دانش آموز خرد در حکمت سنج　　نفسی دوران افلاطون نشاں
جوہر تیغ کمال علم و فن　　روح جسم عقل و یکتائے زماں
منشی تحریر لچھی رام نام　　صورت مرآت فیض بیکراں
چارم شوال ہنگام سحر　　رفت زیں دار فنا سوے جناں
آہ کاخ نشر رنگین و متین (انشاپرداز)　　از وفاتش منہدم شد ناگہاں

نادر دل خستہ تاریخش بگفت

رفتہ لچھی رام صد حیف از جہاں

۳۳　۱۲ھ

کشتیٔ بادہ رواں بینتو نیا شد ساقی　　دارد از موج بپا سا غر صہبا زنجیر

ولہ

اثر ہیچ نشد از آہم زہے سیرابی چشم　　بلے نخلے کہ سر سبز است شاخ او ثمر گیرد

در صفت گیتیت

صبا از غلغل انداز اب و گرش　　سر گلہا بجیب اندر ز فکرش
بہ چمن ذکر او رنگیں دہاں گل　　ز جام نغمہ اش سرمست بلبل

از و هر برگ گل چون دف نموده   ز صنعش شکل مضراب است هر خار

ز مهر و ماه و خط استوا این   نهاد از لطف بر دوش فلک نی

نفس را تار قانون بدن ساخت   زبان مضراب او نغمه سخن ساخت

ز تار نغمه بسته مرغ ارواح   بس آنگه در قفس کردش ز اشباح

محبت را شه اقلیم جان ساخت   محبت واقف راز نهان ساخت

محبت رشته پای دل و جان   محبت نور شمع لطف یزدان

محبت مایه معشوق و عاشق   بهم یکدل کن وعذرا و وامق

محبت خسرو اقلیم معنی   بهم پیوند بخش قیس و لیلی

محبت باعث ایجاد عالم   محبت پای بند روح آدم

محبت مهر و چرخ آفرینش   محبت جوهر شمشیر بینش

قیام کاخ عالم از محبت   نظام کار آدم از محبت

تعریف باغ

تعالی الله همایون بوستانی   ز سرسبزی بهشت جاودانی

چکد آب لطافت از هوایش   گلاب افشان وزد باد صبایش

دواند ریشه گلها بس که خورشید   سمن آیینه دار حسن جاوید

ز شادابیش هر سوی بهاری   شگفته گلبنی از نوک خاری

نگه در چشم سبز از سبزه زارش   سواد دیده روشن از بهارش

نفس‌ها از شمیمش عنبر آگین   زبانها از نسیمش برگ نسرین

طراوت از هوایش بسکه بالید   گل خورشید هم سرسبز گردید

زمین رنگین در و دیوار پرنور   سر و جاروب او از طره حور

گل او غیر خندیدن نداند   دل آنجا غنچه گردیدن نداند

اگر در خواب بیند نرگسش خار | چمن پیرا شود زیں ہم بیمار
ز جوشِ گُل زمیں انجم نگار ست | بغل پروردۂ خارش بہار ست
ز عکسِ لالہ اش ہر نوک مژگاں | شود رنگیں برنگِ شاخ مرجاں

ناز۔ پنڈت تیج ناتھ تکو صاحب خلف پنڈت برج موہن لعل تکو صاحب زیبا آپ کی تاریخ پیدائش یکم اگست سنہ ۱۹۰۰ء ہے آپ نے تعلیم امرتسر میں پائی۔ آپ نے سنہ ۱۹۱۵ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ اُسکے بعد منڈی ریاست میں ملازمت اختیار کی۔ کچھ عرصہ تک مہاراجہ صاحب منڈی کے ایڈی کانگ رہے۔ اُسکے بعد محکمہ حسابات کی تعلیم حاصل کرکے فی الحال آپ اُسی ریاست میں اکاونٹنٹ جنرل کے عہدہ پر مامور ہیں۔

شعر و سخن کا شوق آپ کو اوائل عمر سے تھا۔ آپ زیادہ تر انگریزی زبان میں نظمیں لکھتے ہیں۔ کبھی کبھی اُردو زبان میں بھی فکر کرتے ہیں۔

ایک دفعہ زیباؔ اور نازؔ دونوں غالب کے اس مصرعہ پر۔

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

طبع آزمائی کر رہے تھے۔ نازؔ کی زبان سے بیساختہ یہ شعر نکلا:۔

تم اگر بام پہ آجاؤ تو جھگڑا مٹ جائے
دیکھیں تم اچھے ہو یا ماہِ کمال اچھا ہے

ہم وفادار تو دن رات اُنھیں یاد کریں | اور وہ لطف سے اغیار کا دل شاد کریں
گلشنِ شوق میں اک ہستیِ آزاد تھے ہم | قیدِ صیادؔ میں اب تڑپیں کہ فریاد کریں
دین مسجد میں ہے دنیا ہے بتوں کے بس میں | وائے مشکل۔ انھیں پوجیں کہ تجھے یاد کریں
حسن اور عشق کے سب تو نے کرشمے دیکھے | تو ہے بیتاب تو اب کیا دلِ ناشاد کریں



پنڈت تیج ناتھ ٹکو ناز

ناز وہ ناز کہاں اُس کو یہ ملتا ہے جواب
جائیے۔ آپ بھی اللہ کی اب یاد کریں

کسی کے عشق میں چھانی ہے ہم نے خاک در در کی
گلہ کیا ہے۔ یہی تھی اقتضا اپنے مقدر کی
اِدھر ہے روئے روشن اور اُدھر ابروئے جاناں ہے
خوشامد میں کروں قاتل کی یا قاتل کے خنجر کی
وہ ہم سے ناز چھپتے ہیں۔ ابھی ناداں ہیں کیا جانیں
پہونچ جاتی کہاں تک ہے نگہ چشمِ تصور کی

قطعہ

رکھا ہے کیا خیال عذاب و ثواب میں | کیوں زندگی گذار رہے یوں اضطراب میں
دوزخ کا خوف ہے۔ تو ہے جنت کی آرزو | دونوں کو کیوں ڈبوئیں نہ جامِ شراب میں
وہ شوخ زلف کو اپنی اگر بنا کے چلے | یقیں ہے فتنۂ محشر ابھی جگا کے چلے
فلک نے پیس کے کیوں خاک کر دیا ہم کو | جہاں میں ہم تو چلے جب تو سر جھکا کے چلے
نشانِ کشتۂ الفت کہیں نہ رہ جائے | مرے مزار کی وہ خاک تک اُڑا کے چلے

ہے ایک خاک کی پتلی کو ناز کب زیبا
بشر کو چاہیئے دنیا میں سر جھکا کے چلے

ناز۔ یکے از اربابِ قوم

(راجپوت بورڈنگ ہاؤس آگرہ کرکٹ کلب)

مرا خامہ ہے کیوں آج اس قدر سرگرم جولانی | کہ کرتا صفحۂ قرطاس پر ہے گوہر افشانی
وفورِ اشتیاقِ نغمہ سنجی دل میں پیدا ہے | طبیعت کو ہوا ہے تازہ پھر ذوقِ غزلخوانی
یہ کیا اٹھکھیلیاں ہیں ہر طرف بادِ بہاری کی | یہ کیا ہے عندلیبانِ چمن کی سی خوش الحانی

بہ ہمیر فکرت عالی معما کھل گیا آخر
بفیض طبع نازک وجہ اسکی میں نے پہچانی
کہ ہے کرکٹ کلب جو بورڈنگ میں راجپوتوں کا
ہر ایک ممبر ہے اسکا چستی و تیزی میں لاثانی
کیا وہ نام ہے پیدا انھوں نے تھوڑے عرصہ میں
کہ انکی ہو گئی ضرب المثل ہے بلا جنبانی
یہ کسکا حوصلہ ہے پیچ جو اس ٹیم سے کھیلے
کہ شوکت میں مربی جسکے ہیں اسکندر ثانی
زمانہ جنکو کہتا ہے سخاوت دیکھ کر ان کی
کہ ہیں امراو سنگھ صاحب بلاشک حاتم ثانی
انھیں کے سعی و کوشش سے ہے قائم بورڈنگ ہاؤس
ترقی ہے نمایاں علم و دانش کے بآسانی
ہوا تھا آگرہ کالج کلب طیار بازی پر
مگر سب نے حقیقت ایک دن میں اسکی پہچانی
ہے ساماں اسکا قیمت میں برابر ملک ایراں کے
ہر ایک تختہ ہے انکے فیلڈ کا تخت سلیمانی
وہ نقشہ باندھتے ہیں فیلڈ کا جب آئے میداں میں
کہ حیراں کھینچنے میں جسکے ہوں بہزاد و مانی

نتیجہ کیا طوالت سے کہ خطرہ چشم بد کا ہے
قلم کو روک لے اے نازؔ بس کر گوہر افشانی

ناظم - پنڈت شمبھو پرشاد صاحب ولد پنڈت نانک چند صاحب باشندہ لکھنؤ شاگرد امانت۔

مانی نے جب بنائے مرے دلربا کے ہاتھ
نازاں ہوا خود آنکھوں سے اپنے لگا کے ہاتھ
ٹکڑے کیا حسد سے گریباں کو غیر نے
دامن لیا جو یار کا میں نے بڑھا کے ہاتھ
دل چاک چاک ہو گیا شانہ کی طرح سے
جب سے پڑا ستم ترے زلف دوتا کے ہاتھ
اس بادشاہ حسن کے سر پر کروں نثار
آجائے سلطنت بھی اگر مجھ گدا کے ہاتھ
اے عندلیب باغ میں رکھنا سنبھل کے پاؤں
صیاد نے دراز کئے ہیں جفا کے ہاتھ
تڑپے مثال ماہی بے آب تا بہ حشر
دریا جو دیکھ پائے مرے آشنا کے ہاتھ
خود جام مے جو منہ سے لگائیں تو ہے حرام
ہم کو وہ ہے حلال جو دیجے اٹھا کے ہاتھ

پانی میں آگ لگ گئی اُٹھنے لگا دھواں　　دھوے جو اُس نے نہر پہ مہندی لگا کے ہاتھ

ناظم - پنڈت کامتا پرشاد صاحب خلف پنڈت بدری ناتھ صاحب لکھنوی۔

آپ ریاست بھرتپور میں ایک مدت تک ملازم رہے۔

دکھلائے ہر ایک اشک نے سو طرح کے طوفاں
باقی تجھے حسرت ہے کچھ اے دیدۂ تر اور

نامی - پنڈت ٹھاکر داس صاحب ساکن دیوہ سری سرینگر کشمیر

آپ نے تہتر سال کی عمر میں رحلت کی۔ سمت ۱۹۱۰ بکرمی رواں تھا اور مہاراج گلاب سنگھ حکمران کشمیر تھے۔

قصیدہ ٹھاکور راز دان دیوہ سری - در تعریف گنیش پنڈت در

اے نشانِ عزت و شاں دلنشیں از شانِ تو　　دولت و اقبال از صد پشت پشتیبانِ تو
ہفتہ بارفتہ زہرِ ما ہے و چرخ از ماہِ تو　　حلقہ در گوش غلامم حلقہ در گوشانِ تو
چار طاق چار حد تنگ است خرگاہت فراخ　　ہفت اختر از کمالِ بخت در فرمانِ تو
قرص نقرہ بُردہ بدر از بدرۂ سیمت بدر　　نسخۂ نظم عطارد نسخ از دیوانِ تو
در مقامِ دلنوازت زہرہ بے زہرہ شود　　یک قُراضہ قرص بیضا از طلائے کانِ تو
(بیضۂ طلا)
زیر رانِ احترامت توسنِ بہرام رام　　بام بالا چرخ گرداں شد بلا گردانِ تو
مشتری با نورِ تو چوں سایہ از کم مایگی　　ہست کیواں پست پیشِ رفعتِ ایوانِ تو
فرق میدانم بفرقِ فرقداں با فرقِ تو　　آسماں بوسیدہ خاکِ آستاں بوسانِ تو
عرش و کرسی کم بود ز پایہ باآں پایگی　　پیشِ اوجِ نردبانِ ہمت و دربانِ تو
اے بزلفِ شانِ تو از شانۂ دولت طراز　　عزت و شانِ جہاں از عز و جاہ و شانِ تو

مشرب جم جرعهٔ از جام مے آشام تو — شاه افریدون همیدون از کمر بندان تو
دور نبود گر رود از یاد نام کیقباد — آمد آمد دور دور دولت دوران تو
خاکبوس درگهت کاؤس و شاه روس هم — کیست کیخسرو که باشد سرکش از فرمان تو
چیں برابرو کے زند خاقان چیں در درگهت — هست قیصر خاکروب قصر مشک افشان تو
شد غرور جاه از فغفور دور از سر مگر — دیده والاتر ز بالا چرخ شاه قیروان تو
گر عدالت گستری بر نام کسری ختم شد — جمله بیداد است دادش عدل از ایوان تو
نیست دارا جز مدارا اے کمینه بنده ات — هست اسکندر یکے از آئینه داران تو
بود و از دل بخت قارون کو نداده بهرهٔ — گنجها وقف است از گنجینهٔ احسان تو
بود در انگشت حاتم خاتم بخشش ولے — نامهٔ جودش مزین گشت از عنوان تو
تر نمی شد کشت خشک عالمے گاهے همے — تا نمی بردے نم جود ابر از عمان تو
ذوق چین خوان احسان تو صد خاقان چیں — آفریں بر بخت آں مروے که شد مهمان تو
برده از بزم تو چرخ از ماه سیمیں کاسهٔ — کیسهٔ ماهی درم دار است از همیان تو
خطهٔ کشمیر گر نبتی شگفته نیست این — کشور دیگر چو هندستان بود از آن تو
شهسواران جهاں شرمندهٔ و درمانده اند — راند چوں دوران هماں آگنده ران یکران تو
تو بهمت حاتمی و من بطبع میرزا — نان تو و نان از چه میگیرم بغیر از نان تو
جز در تو من در دیگر ندانم در جهان — بهتر آن باشد که دست بندهٔ و دامان تو
گوے شاهی بردی از هر سرور روے زمیں — گوے گردوں باد دایم در خم چوگان تو
کرده ام وسعت سراپایت سراپلے بجن — بے سر و ساماں نشد کس از سر و سامان تو
از سر گنج و نوا و شه سه حرف اولیں — جمع می کن تا بر آید نام والا شان تو
زانکه جمعیت بشاهنشاه از گنج و نوا — ساختم جمع از آں نام عظیم الشان تو
خامه سانی چند سازم نامه تطویل چند — مختصر کوته باشم اکنوں از دعا گویان تو



پنڈت مہاراج کشن صاحب بین ۔ ندیم

تا بود سیر و سکونِ گنبدِ چرخ و زمیں | باد گیرانِ شکوہ و جاہ زیر رانِ تو
در سر نامی کجا باشد ہوائے دیگرے | چوں بسر دارد ہوایش از ہوا خواہانِ تو

تا نہال سبز گلشن ہست جائے نرگساں
باد رشکِ جنت الماوا گلِ بستانِ تو

ندیم - پنڈت مہاراج کشن صاحب رازدان صاحب خلف پنڈت امرناتھ صاحب رازدان صاحب المتخلص بہ شیدا لکھنوی - نیز ضمیمہ ملاحظہ ہو۔

آپ پنڈت کنہیا لعل صاحب عاشق لکھنوی کے پوتے ہیں اور ذوق سخن آپ کو ورانتاً ملا ہے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر کرتے ہیں اور خوب کہتے ہیں طبیعت میں شوخی اور چلبلا پن ہے مگر متانت کے ساتھ۔ آپ کی تاریخ ولادت ۶؍ دسمبر ۱۸۶۶ء اور مقام پیدائش گڈھا امیٹھی ضلع سلطانپور ہے۔ ۱۹۰۹ء سے آپ اودھ پنچ کے معزز کارسپانڈنٹوں میں تھے اور عموماً آپکی نظمیں اسی اخبار میں شایع ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ نو عمری میں آپ کا تخلص مفتوں تھا۔

رباعیات فارسی

از جملہ جہاں حقیر و نادارم من | حیف است کہ بے یار و مددگارم من
جز لطف تو نیست چشم من بر چیزے | امید کرم از در گہت دارم من

ولہ

اے مالک ہر بلند و پستی فریاد | وے خالق نیستی و ہستی فریاد
بر درگہِ تو فتادہ ام نالہ کناں | ہیہات فغاں زچیرہ دستی فریاد

ولہ

بر درگہِ تو نالہ کناں آمدہ است | دریاب کہ با آہ و فغاں آمدہ است
ایں بندۂ ناچیز تو اے ربِ قدیر | با چشم امید بے زباں آمدہ است

ولہ

اے یار و مددگار غریباں مددے | فریاد زیاران و قریباں مددے
در بحر فنا میفگند ہر بارم | حالت زار است و بس پریشاں مددے

ولہ

اے جوشِ جنوں بگیر دامانم را — دہ چاک بصد گونہ گریبانم را
در عشقِ وطن زجاں گذشتن دارم — بیں طوفان خیز چشمِ گریانم را

ولہ

آزادیٔ تو بجاں خریدارم من — تخم است بسینہ میکارم من
اے مادرِ ہند دہ بجاآں قوّت — آب رفتہ بجوے باز آرم من

ولہ

اے خاکِ وطن ذرّہ خاکت ہستم — ہر لحظہ ازیں خیال دل خوش ہستم
میخواہم غنیمت دریں دہرِ آزاد — جاں بہرِ تو ہست۔ عہد با خود بستم

ولہ

حق گفتن پیشہ کن ہمیں عہدِ تو ہست — زیں عہد نخواہی کہ کنی بیروں جست
دل سوختگانِ قوم ہاں برخیزید — گوئید کہ ایں عہد قومی خواہم بست

آمد بہار

دانی کہ بسنت با زرِ گل آمد — در گلشن با ہزار بلبل آمد
خاموش چرا نشستہ مانی زینساں — می بینی شیشہ ہم بہ قلقل آمد

ولہ

در حلقۂ ایں حلقہ بگوشاں تاکے — خاموش دریں شہرِ خموشاں تاکے
آنی کہ از تو شیرِ نر می لرزند — در خوفِ چرم شیر پوشاں تاکے

ولہ

در کار بکوش ہیچ وسواس مکن — اے حلقہ بگوش ہیچ وسواس مکن
بیں نیک و بدِ خود و برہ پویاں شو — میباش بہوش ہیچ وسواس مکن

ولہ

از آمدنت کار برآید ساقی — از دستِ تو عیش می فزاید ساقی
ایں عشوہ و ناز و غمزہ و عربدہ ات — بس تاب تواں ہمیں زباید ساقی

ولہ

برخیز بیار شیشہ ہاے گلرنگ — زیں گونہ درنگ چیست اے شوخ و شنگ
مگذار کہ ایں موسم پر لطف و بہا — از دست رود بے مے و بے بربط و چنگ

ولہ

ہاں بادۂ ارغوان بجام من ریز | بنشیں بر کوچ و نہ صراحی بریز
اے ساقی خوش لہجہ نو سنجی کن | شبدیز خیال را بباید مہمیز

ولہ

از بادۂ عشقت شدہ ام مست و خراب | ساقی لطفے کہ باز آیم بہ شباب
از عقل و خرد گذشتم و بے خبرم | می بینم خویش را چو شیر قلاب

ولہ

سختی کہ رسد زد ہر انگیزم من | خون ایں کاہلی بسے ریزم من
اے حامی و حاجات روائے عالم | دستے کہ بپائے خویش بر خیزم من

ولہ

گر پند ندیم نشنوی نادانی | چوں رفت از دست کار تو و امانی
از کردۂ خود بترس و انجامش بیں | ایں نشۂ عجب مید ہد حیرانی

رباعیات اردو

ہم سب کا ملک اور پیارا ہے ہند | یہ کیا کہ ہمارا اور تمہارا ہے ہند
سرکار کے خیر خواہ رہ کر یہ کہو | ہندی ہم سب ہیں اور ہمارا ہے ہند

ولہ

یورپ والے ہیں آجکل عقل کی کان | جاری کرتے ہیں اب ہوا پر فرمان
قابل ہیں پوجنے کے ڈنڈوت انھیں | قبضہ میں کیا ہے دیوتاؤں کا وِمان

ولہ

منہ مانگا کیسے بن بچارے دیدیں | تم سب کو حقوق کیسے سارے دیدیں
کہتے ہیں وزیر ہند اسپیچ میں یوں | کس طرح سے ہم توڑ کے تارے دیدیں

فیلٹ کیپ

یورپ سے فیلٹ ہند میں آتی ہے | ہر اک ہندی کے سر پہ چڑھ جاتی ہے
ملکی ٹوپی کو دو جگہ بہر خدا | وہ اس بے حرمتی پہ شرماتی ہے

ولہ

مشرق میں طلوع حور کا نقشہ دیکھو | پھر اسکا عمل وہ سارا چمکا دیکھو
پہونچیگا بحر ہند تک یہ لاریب | ہر دم ہے وہ مہر چڑھتا دیکھو

ولہ

اب کے ہے کانگرس بہ شہر مدراس ‌ دیکھیں رہتی ہے ہند یا جاتی ہے لاج
ہے خوف یہی کوئی نیا گُل نہ کھلے ‌ ہو جائے کہیں نہ اور اس کوڑھ میں کھاج

ولہ

گرمی سب ہانپ ہانپ ہمنے کاٹی ‌ سردی سب کانپ کانپ ہمنے کاٹی
برسات کی رات ڈر سے گُل ہو نہ کہیں ‌ شمعِ تن ڈھانپ ڈھانپ ہمنے کاٹی

ہولی نامہ۔ آمدِ بہار

چل اے بُلبل کہ باغ میں آئی بہار ‌ بے تیرے نہیں چین گلوں کو زنہار
بیچین ہیں تیری یاد میں سبزہ و گُل ‌ بے نغمۂ دلکش سُکے ہے سُونا گلزار

ولہ

کیسے ہیں شاد سب جوانانِ چمن ‌ ہے شمعِ خزاں کی گُل میانِ گلشن
ہے دھوم لٹائیگی زرِ گل جو بہار ‌ پھیلائے ہے سبزہ لوٹنے کو دامن

خطاب بہ ساقی

نمبر دن دے نہ دینا مجھکو تہ کی ‌ باتیں نکر دل جس سے میں بہکی بہکی
ہولی ہے نکال آج دخترِ رز کو ‌ تیرا ہوں بہت پُرانا میں بھی گہکی

ساقی زلفِ سیہ سے شبخون مارا ‌ تیرِ مژگانِ چشمِ میگوں مارا
دنیا سے کیا ہے تیرے رُخ نے بے رُخ ‌ اور اس لبِ جاں بخش نے افسوں مارا

ہے مایۂ عیش و شادمانی سے بھری ‌ دل میں ہے کبھی اسکی ہر اک جلوہ گری
ہے راحتِ روح و جانِ جانِ جاں اپنی ‌ شیشے میں اُتار رکھی ہے لال پری

ہولی کا ہر اک سمت گونجتا ہے راگ ‌ واعظ ہو فقیہ و محتسب چل۔ ہٹ۔ بھاگ
دولت جو نہیں پاس۔ نہ ہو کیا پروا ‌ میں کھیلنے والا ہوں لنگوٹی میں پھاگ

ہے سبز پری لباس کا سبز ہے رنگ ‌ جامہ ہے بہشتی ہو نہ اس سے دل تنگ
مطلوب ہے دیوتاؤں کو بھی سبزی ‌ شیو کو مرغوب دل سے ہے از حد بھنگ

اب کے زوروں پہ ہے بہت ہی ہولی
مسکی جاتی ہے گلرخوں کی چولی
یوں ٹوٹ رہے ہیں تمقمے تمقمے پر
چلتا ہو کہیں جیسے کہ گولا گولی

عدالت دیوانی

سمجھی بوجھی ہے اپنی اور جانی ہے
عدل و انصاف میں تو لاثانی ہے
معلوم نہیں ہوتا کہ کس وجہ سے پھر
کہتے ہیں اسے لوگ کہ دیوانی ہے

خزاں کا اثر

گل نے اپنی جو خوش ادائی چھوڑی
بلبل نے بھی غزل سرائی چھوڑی
تھا دست تطاول خزاں جبکہ دراز
گلشن میں ہر اک نے خودنمائی چھوڑی

بادل

رنگت میں سفید ہیں نہیں ہیں کالے
برسیں تو بہا دیتے ہیں ندی نالے
نداف فلک کی شعبدہ بازی سے
اُڑتے ہیں اِدھر اُدھر روئی کے گالے

اُف اُف سگ گرمانے تو کھایا ہے بھنبوڑ
وہ حال ہے جس طرح دہی چھوڑے توڑ
بہتا ہے پسینہ کس قدر اب گویا
گرمی نے دیا پارچۂ جسم نچوڑ

لطف برشکال

جس سمت نظر کیجئے ہے عالم آب
برسات کا کہتا ہے ہر اک اسکو شباب
گاتے ہیں طاریں ناچتے کودتے ہیں
خاموش ہیں کب سُنئے گڑ ھیا کے نواب

جوگ بسشٹ

جس کو ہر شش جہت میں پاتا ہوں میں
اُس کے ہی در پہ سر جھکاتا ہوں میں
جو صورت نور و نار ہے سب میں نہاں
اُس معرفت کُل میں سماتا ہوں میں

یورپی لباس

تہذیب پہ ہندیوں کے کرتے ہیں چوٹ
اپنی تہذیب پر بہت ہوتے ہیں لوٹ
تہذیب لباس اپنی پہلے دیکھیں
آگے سے پھٹا پینٹ ہے اور پیچھے سے کوٹ

ولہ

میٹھا باقی ہے اب اتنا اور گنا ‏‏ شیریں کب ہوگا یہ بھلا لُو کے بنا
آندھی پانی سے رنگ ہے اب پھیکا ‏‏ ہیہات کہ خربزوں سے بازار پھنا

یہ خانۂ تن جان کے لئے گور ہوا ‏‏ بدبو سے لباس و جسم آخور ہوا
ہے جامۂ عریانی ہی زیبِ تن گو ‏‏ یہ بھی تو پسینے میں شرابور ہوا

موٹر

آندھی بوکھا کہ بادِ صرصر ہے یہ ‏‏ سُنتا ہوں ہر اک زبان سے موٹر ہے یہ
بدبو پھیلاتی نار گُن چلتی ہے ‏‏ سائنس کی دُنیا میں چھچھوندر ہے یہ

اُستاد وحید عصر یکتا سے زمن ‏‏ مولانا علی نقی۔ صفی کامل فن
سرتاسرِ ہند میں ہے جن کی شہرت ‏‏ کشمیر سے لیکے تا بہ ٹیوٹی کورن

خطاب بہ ساقی

ساقی قدح شراب انگوری دے ‏‏ بوتل رندوں کو ایک اک پوری دے
نازک ہاتھوں سے جام بھر بھر کے پلا ‏‏ بہجت ہم سب کو معنوی صوری دے

کیوں دور سے میخانہ کو تکتا جاؤں ‏‏ ساقی تو مجھے پلا میں چھکتا جاؤں
باوٌن تولے کی پاؤ رتّی کی کہوں ‏‏ جو کچھ بھی اپنی دھن میں بکتا جاؤں

آمد ۱۱ ۱۹ء

سن گیارہ کے ہو رہے ہیں اب نو بارہ ‏‏ رتّی زوروں پہ اور چڑھا ہے پارہ
نرچارہ اُداس اور سر جھکائے ہوئے ‏‏ سن دس بھی ہوگیا تو دو گیارہ

مستانہ موسم

انسان بسنت اب لگے ہیں گانے ‏‏ پھرتے ہیں ہر اک سمت نئے مستانے
وہ جوشِ بہار ہے کہ انسان تو کیا ‏‏ اُنبہ کے درخت تک لگے بورانے

گلشن کی طرف بہار نے موڑی باگ | صحرا میں بھی ٹیسو نے لگا ہی دی آگ
مصروفِ غنا ہیں نغمہ سنجانِ چمن | پھیلا ہے بسنت کا ہر اک سو کھٹراگ

اُف کرتے نہیں۔ نہیں زباں پر نالے | زخم دل ہو گئے ہیں سارے آلے
پوچھے کوئی ہم سے تنگدستی کے مزے | یہ سانپ ہیں ہم نے آستیں میں پالے

یارب فریاد ہم غریبوں کی سُن | اک پہلو بیٹھے بیٹھے کُل جسم ہے سُن
طاقت اتنی تو دے کہ خود اُٹھ کے چلیں | دس گونہ ترقی کریں رکھ انک پہ سُن (صفر)

اے خالقِ انس و جاں ہماری سُن لے | واے مالکِ این و آں ہماری سُن لے
فرزند سعید مادرِ ہند کے ہوں | ہم ہیں سب بے زباں ہماری سُن لے

اے پیر فلک دیرِ ستم کر اب بند | کر دے دل ہندیان ذرا تو خورسند
ہم رند ہیں کوزہ پشت کر دینگے راست | بس خیر اسی میں ہے کہ سُن لے یہ پند

اے بلبلِ ناشاد ذرا باغ میں چل | گل کی تو دیکھ شاخِ گل پر چھل بل
کہتا ہے خزاں کو اُترا شحنہ ہر ایک | ہے فصلِ بہار ہی کا اب دخل و عمل

میخانہ میں حریت کا وہ دور چلے | زاہد واعظ جو دیکھے ہاتھوں کو ملے
ہوتی ہے اب تو دیر ہے نازیبا | ہم بادہ اُڑائیں جس کو جلنا ہو جلے

لے مت ہم دل جلوں کی یہ آہِ پسیں | جل جائے میکدہ سراسر نہ کہیں
بچوں کی طرح کس لئے بہلاتا ہے | اچھا یہی کہدے تمہیں ملنے کی نہیں

آتشکدۂ دل میں فروزاں ہے جو آگ | اور پیرِ مغاں نطق کا گاتا ہے جو راگ
سب تیری ہی قدرت کا کرشمہ پایا | کچھ اس میں لگی لپٹی نہیں ہے بے لاگ

کیا جانے کتنے بار بھٹکا ہے۔ یہ | پھر بھی نہ بھٹک جائے کھٹکا ہے۔ یہ
منزل پہ پہونچ جائیگا اس طرح ترا | لے نام کو تیرے۔ سنبھل لٹکا ہے۔ یہ

ساقی پینے کی ہے لگی اب تو لگن — دے پھول کا جام دل میں کھل جائے چمن
تیرے قدِ دلجو۔ رخِ روشن پر۔ رند — وارے بیٹھے ہیں اپنا سب دھن۔ تن من

ملتے تو ہو دل کھول کے تم سب ہی آج — دیکھو رکھ لینا دل ملول کی لاج
اک فقرہ میں ہو جائے نہ پھر کایا پلٹ — سُن لو مُلّاجی اور گندھی مہراج

ہے رنگ نیا۔ نئی اُٹھائی پرواز — ساقی ہم کو ہے اپنی جدت پر۔ ناز
ہیں بنتِ عنب کے ساتھ مصروفِ دعا — بت لیکے بغل میں پڑھنے بیٹھے ہیں نماز

ساقی ہولی میں رنگ پھیکا نہ رہے — سب ولولہ اپنے جی میں۔ جی کا نہ رہے
ہولی میں اُڑے عبیر اور خوب گلال — ماتھے پہ کلنگ کا یہ ٹیکا نہ رہے

دل ریجھیا چارن پہ جھکے راجھرن — پنڈت مہاراج اور چاری کے شرن
پھگوا یہ گائیں اور ملے وہ کیچڑ — ہیں ہولی کے دن آج تو سب ایک برن

قسمت کے بدلتے ہی زمانہ بدلا — موسم کے ساتھ آب و دانہ بدلا
اب چہچہہ زن ہے شاخِ گل پر بلبل — خوش خوش اس نے بھی آشیانہ بدلا

ہے زمزموں چہچہوں کا کیا شیریں غُل — گویا محفل میں شیشوں کی ہے قُلقُل
پھولے ہی نہیں سماتے گلشن کے جواں — آئی ہے قفس سے پھر چمن میں بلبل

ساقی بیٹھے ہیں کب سے خالی ٹولی — کیا بنتِ عنب ہوتی ہے لنگڑی لولی
رندوں کے پاس کیوں نہیں آتی ہے — لا شیشہ ہیں رنگت میں جو ہو گی ٹولی

اغیار یہاں ہمیشہ ممتاز رہے — ملتے ہوئے ہم پہ روغنِ قاز رہے
ہم کو وہ بنا سے تجھے کھلوتا اپنا — جس طرح کہ دمڑی کا پٹے باز رہے

ٹوٹا جاتا ہے کیوں دل حسن پرست — ہوتی جاتی ہے اپنی ہمت کیوں پست
کوشش نہیں جاتی رائیگاں کہتا جا — دیدم یکبار، بارِ دیگر ہوس است

نسیم۔ پنڈت برج ناتھ صاحب اکبرآبادی

رہی ہے سینہ سے آ چشم اشکبار میں روح
اٹکی ہے رہ میں دلا کس کے انتظار میں روح

کسی کو دیکھنی منظور ہو جو خار میں روح
تو دیکھے آ کے یہاں میرے جسم زار میں روح

لگائینگے نہ وہ چھاتی سے مجھکو تا دم حشر
مچل رہی ہے یہ کیوں سینۂ فگار میں روح

تری اداؤں پہ بے اختیار رہی نکلا
کسی کی ہوتی نہیں سچ ہے اختیار میں روح

ہوا کا دام میں آنا محال تھا کیونکر
پھنسی ہے حلقۂ گیسوے مشکبار میں روح

خضر ملے اُسے جسکو کہ تونے قتل کیا
بجاے آب ہے کیا تیغ آبدار میں روح

نسیمؔ باغ میں جائے اگر وہ جان جہاں
ہر ایک گُل میں پڑے جاں ہر ایک خار میں روح

نسیم۔ پنڈت دیا شنکر کول صاحب خلف پنڈت گنگا پرشاد کول صاحب لکھنوی

اردو شاعری میں نسیمؔ نے جو کمال حاصل کیا تھا وہ سب پر روشن ہے انکا سکہ اقلیم سخن میں ابتک جاری ہے۔ ان کی مثنوی "گلزار نسیم" یادگار زمانہ ہے جبتک اُردو شاعری کا مذاق قایم ہے اُس وقت تک گلزار نسیم کی شادابی میں فرق نہیں آسکتا پنڈت صاحب ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۴۳ء میں بتیس سال کی عمر میں بعارضۂ ہیضہ وفات پائی۔

لکھنؤ آپ کا وطن تھا جیسا کہ اُس زمانہ میں دستور تھا اردو فارسی کی تعلیم پائی شعراء اردو فارسی کا کلام نظر سے گذرتا رہا۔ خلقی طبیعت داری اور ذہانت نے شاعری کا شوق دلایا۔ غرض کہ بیس برس کی عمر میں شعر و سخن کا خاصہ اچھا مذاق پیدا کر لیا۔ خواجہ حیدر علی آتش کی گرمی سخن و آتش بیانی نے

ایسا فریفتہ کیا کہ ان کی شاگردی اختیار کی۔ غزل کا شوق شروع میں رہا۔ لیکن جو دل کا ولولہ تھا وہ غزل میں نہ نکل سکا جدت طبعی نے کہا:۔

بقدر شوق نہیں اپنے تنگنائے غزل
کچھ اور چاہئے وُسعت مرے بیاں کے لئے

مگر وسعت کہاں ملے اردو شاعری کی کائنات کیا۔ غزل۔ قصیدہ یا رباعی یا مثنوی۔ مثنوی میرحسن یعنی مثنوی سحرالبیان کے اس زمانہ میں چرچے تھے۔ کچھ یہ طرز ایسا پسند آیا کہ خود بھی مثنوی کے کوچہ میں قدم رکھنے کی کوشش کی۔ مناسبت طبع نے آمین کہا۔ غرضکہ گل بکاولی کا قصہ جو کہ نثر میں تھا اس کو نظم میں ڈھالا۔ اٹھائیس برس کی عمر میں یہ مثنوی تیار ہوئی چونکہ گلہائے مضامین سے پُر تھی اس لئے اس کا نام گلزارِ نسیم رکھا۔ واقعی اس گلزار کا کیا کہنا تھا

ع۔ سینچا تھا جسکو خونِ جگر سے وہ باغ تھا

اسکے خوش رنگ پھولوں کی دلآویز مہک دُور دُور پہونچی۔ لیکن جس وقت یہ مثنوی تیار ہوئی اس وقت اس کا حجم بہت زیادہ تھا۔ جب جناب آتش کے پاس اصلاح کے لئے لے گئے تو انھوں نے کہا ارے بھائی اتنی بڑی مثنوی کون پڑھیگا۔ یا تم پڑھوگے کہ تم نے تصنیف کی ہے یا میں اصلاح کے خیال سے ایک مرتبہ دیکھ جاؤں گا۔ اُستاد کامل کی بات دل پر اثر کر گئی مثنوی کی پھر نظرِ ثانی کی جتنے بھرتی کے اشعار تھے نکال ڈالے بلکہ جو مطلب چار شعروں میں ادا ہوتا تھا اسکو اختصار کے ساتھ ایک ہی شعر میں ادا کیا۔ اس صورت سے گلزارِ نسیم کو خار وخس سے پاک کیا اور آتش مرحوم کے پاس لے گئے اُستاد نے شاگرد کی محنت پر آفرین کی اور اصلاح کا قلم اُٹھایا۔ لیکن اکثر اصلاحیں نسیم نے نہ مانیں اور اشعار کو اپنی اصلی حالت پر

رہنے دیا۔ مثلاً مثنوی کا شعر تھا ؎

قلیان پئے مشکبو دھواں دھار
بیڑے چکھے پان کے مزیدار

آتش مرحوم نے دوسرا مصرعہ اس طرح بدلنا چاہا ؎

بیڑے چکھے بہت مزیدار

لیکن نسیم کو یہ اصلاح پسند نہ آئی اور مصرع کی تبدیلی مناسب نہ سمجھی۔

غرضکہ حضرتِ آتش کی نظر ثانی کے بعد مثنوی طبع ہوئی۔ شایع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گئی زمانہ نے پورے طور سے قدر کی۔ ابھی تک مثنوی کے رنگ میں یکتائی کا سہرا میر حسن کے سر تھا۔ اب گلزار نسیم کے جا بجا چرچے ہونے لگے۔ جواہر سخن کے پرکھنے والے مان گئے کہ مثنوی کیا کہی ہے موتی پروئے ہیں نسیم کو بھی شہرت عام کا خلعت نصیب ہوا اور بقائے دوام کے دربار میں میر حسن کے برابر کرسی ملی۔

تناسب لفظی۔ اختصار۔ پختگی کلام۔ چستی بندش۔ شوکت الفاظ۔ پاکیزگی زبان اس مثنوی کے خاص جوہر ہیں۔ استعاروں اور تشبیہوں سے جو میناکاری کی ہے اُس نے اور حسن دو بالا کر دیا ہے۔

اکثر مسلمان شعرا کہتے ہیں کہ آتش نے نسیم کو یہ مثنوی کہہ کر دی تھی میری رائے میں اس دعوے بے دلیل پر چیں بجبیں ہونا بیکار ہے۔ بلکہ ایک معنی میں یہ بیان ہمارے لئے باعث فخر ہے۔ اس سے بڑھکر نسیم کی شاعری کی اور کیا تعریف ہو سکتی ہے کہ اُن کا کلام آتش جیسے زبردست استاد کی طرف منسوب کیا جائے۔ حالانکہ سخن شناس اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس رنگ میں گلزار نسیم ہے اس رنگ میں آتش نے اپنی زندگی میں عمر بھر میں بھی ایک شعر

نہیں کہا۔ اس موقعہ پر اردو زبان کے مستند مورخ جناب محمد حسین صاحب آزاد مصنف آبحیات کی راے پیش کرنا خالی از دلچسپی نہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ پنڈت دیاشنکر نے گلزار نسیم لکھی اور بہت خوب لکھی۔۔۔۔۔ اس کی عام و خاص میں شہرت ہے اسکے نکتے اور باریکیوں کو سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر سب لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں جتنی سمجھ میں آتی ہے اُسی پر خوش ہوتے ہیں اور لوٹے جاتے ہیں واقعی بہت صحیح لکھا ہے جو اس بیان میں شک کرے وہ کافر ہے۔

علاوہ مثنوی کے نسیم کا ایک غزلوں کا چھوٹا سا دیوان ہے لیکن نا تمام بہت سی غزلیں جو تلف ہوگئیں اُن کا نام و نشان بھی اس دیوان میں نہیں ملتا۔ لیکن جو کچھ ذخیرہ اشعار کا باقی رہ گیا ہے وہ ابتک قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ نسیم کا کلام آتش و ناسخ و ذوق و غالب کے کلام کا ہمپایہ نہیں یہ لوگ آسمان سخن کے تارے ہیں ان کی برابر کسی کو عروج نہیں ہوا مگر اس میں شک نہیں کہ نسیم۔ رند و صبا و خواجہ وزیر کے ہم پلّہ ضرور تھے اکثر مقامات پر طبیعت کی بلند پروازی اور معنی آفرینی قیامت کرتی ہے۔

سُنا گیا ہے کہ نسیم مشاعرہ میں غزل لکھ کر نہیں لیجاتے تھے زبانی پڑھتے تھے سبب یہ تھا کہ ہر شاعر کے سامنے شمع جاتی تھی اور وہ اپنے ہاتھ سے شمع کو اپنے سامنے کھینچتا تھا۔ یہ طریقہ نسیم کو ناپسند تھا۔ ایک بزم مشاعرہ میں کسی صاحب نے مذاقاً نسیم صاحب سے کہا کہ شمع لیجئے تو جواب دیا کہ نسیم کے سامنے شمع کب ٹھہر سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نسیم کے اکلوتے لڑکے کی موت سرِ شام ہوئی تھی اور انھوں نے اسکے غم میں یہ شعر کہا تھا۔

تڑپ کے دل ہوا ٹھنڈا جگر کے داغ جلے
چراغ گھر کا ہمارے بجھا چراغ سب جلے

نسیمؔ بڑے ظریف اور بذلہ سنج آدمی تھے تیزی ذہن اور ذکاوتِ طبع کا عجیب عالم تھا۔ حاضر جوابی تیغ زبان کا جوہر تھی۔ انھیں صفاتِ خاص نے ان کا وقار ہمعصر شعراء میں قائم کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہیں مشاعرہ کی صحبت تھی۔ نسیم بھی وہاں موجود تھے شیخ ناسخؔ نے ایک مرتبہ ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ پنڈت صاحب ایک مصرع کہا ہے دوسرا مصرعہ نہیں سوجھتا کہ پورا شعر ہو جائے۔ انھوں نے جواب دیا فرمائیے۔ ناسخؔ نے مرعہ پڑھا۔ ع "شیخ نے مسجد بنا مسمار بت خانہ کیا" ان کے منہ سے نکلنے کی دیر تھی کہ یہاں دوسرا مصرعہ تیار تھا۔

ع "پہلے اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا"

اس مصرعہ کا سننا تھا کہ حاضرین جلسہ پھڑک اٹھے اور ہر طرف سے نعرہائے تحسین بلند ہوئے۔ شیخ ناسخؔ نے شاعری کی آڑ میں مذہبی چوٹ کی تھی۔ لیکن نسیم نے خوب ٹھنڈا کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص نے مشاعرہ میں ایک شعر پڑھا جسکا دوسرا مصرعہ یہ تھا

ع "جانبِ ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہیں"

پہلا مصرعہ کچھ مہمل سا تھا نسیمؔ کے منہ سے بیساختہ نکل گیا کہ دوسرا مصرعہ تو خوب ہے لیکن پہلا مصرعہ ٹھیک نہیں وہ صاحب بھی کچھ جلے تن تھے جھنجھلا کے بولے کہ اچھا آپ اس سے اچھا مصرعہ لگا دیجئے۔ یہاں تو مضامیں ہر وقت ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے اسی وقت مصرعہ موزوں کر کے سنا دیا

ع۔ "تیرہ دل کی بزم میں جامِ شراب آتا نہیں"
جانبِ ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہیں"

ان کی مشاعرہ میں دھاک بیٹھ گئی اور وہ بیچارہ ذلیل ہو گیا۔ ایک روز آتشؔ کے ہاں شاگردوں کا جمگھٹا تھا۔ رندؔ و صباؔ و خلیلؔ وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے نسیمؔ بھی موجود تھے

صبح کا سہانا وقت برسات کا موسم مینہ برس رہا تھا عجیب کیفیت تھی موسم بہار سے کچھ ایسی طبیعتیں مست ہوئیں کہ آتش سے شاگردوں نے فرمائش کی کہ اُستاد اس وقت ایک غزل کہہ ڈالئے۔ گو کہ آتش کا بڑھاپا تھا لیکن طبیعت میں جوانی کا زور بھرا ہوا تھا فی البدیہہ اشعار موزوں کرنے شروع کر دئے اور کہا کہ لکھتے جاؤ اس غزل کا مطلع یہ تھا۔

دہن پر ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

یہ غزل اسی موقعہ کی کہی ہوئی ہے۔ نسیم کی طبیعت بھی جوش بہار سے لہرائی ہوئی تھی۔ انھوں نے ان اشعار کی تخمیس شروع کر دی جتنی دیر میں آتش دوسرا شعر سوچتے تھے یہ اس عرصہ میں ان کے پہلے اشعار پر مصرع لگا چکتے تھے اور بعض بعض مصرع تو واقعی اس انداز سے نکالے ہیں کہ اگر کوئی برسوں فکر میں سر بگریبان رہے۔ تو ان سے اچھے مصرع نہیں نکال سکتا۔ آتش کے دو اشعار کی تخمیس تمثیلاً لکھی جاتی ہے۔ یہ تین مصرعے شروع کے نسیم کے ہیں اور دو مصرع آخری آتش کے ؎

نہ خونیں کفن ہیں نہ گھائل ہوئے ہیں ۔۔۔ نہ زخمی بدن ہیں نہ بسمل ہوئے ہیں
لہو مل کے کشتوں میں داخل ہوئے ہیں ۔۔۔ تمہارے شہیدوں میں شامل ہوئے ہیں
گل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے

وجود بشر کیا عدم ہی عدم ہے ۔۔۔ کہ ہے آدمی جب تلک دم میں دم ہے
شکم پرورِ حرص ناز و نعم ہے ۔۔۔ کرے جس قدر شکر نعمت وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

اسی طرح ۱۴ بند اشعار پر لگائے۔ جب آتش نے غزل ختم کی تو صبا

رند و خلیل کے چہروں کی رنگت فق تھی۔ ابھی تک یہ اپنے آپ کو اہل زبان خیال کرتے تھے اور نسیم کو ہندو سمجھ کر زیادہ وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے لیکن اس روز سب لوہا مان گئے کہ موزونئ طبع ہو تو ایسی ہو اور مضمون آفرینی کا مادہ ہو تو ایسا ہو۔

نسیم کی جو وقعت شعراء لکھنؤ کے زمرہ میں تھی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتا ہے ایک مرتبہ دہلی سے ۳ مصرعے امتحاناً لکھنؤ بھیجے گئے کہ شاعران لکھنؤ ان پر مصرعے لگا کر بھیجیں۔ تینوں مصرعے حسب ذیل ہیں۔

(۱) ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا۔

(۲) اس لئے قبر میں رکھا انھیں زنجیر سمیت

(۳) من میروم بکعبہ و دل میرود بہ دیر

اب اہل لکھنؤ کی یہ کوشش ہوئی کہ ایسے مصرعے لگا کر بھیجے جائیں کہ دہلی والوں کو بھی یہاں کی شاعری کا قائل ہونا پڑے۔ اگر مصرعے سست لگے تو کرکری ہو جائیگی۔ غرضکہ ۳ شخصوں کو جو کہ ہر طرح سے اس کام کے لئے موزوں خیال کئے گئے ایک ایک مصرعہ پر مصرعہ لگانے کا کام سپرد ہوا۔ پہلا مصرعہ ناسخ کو دیا گیا دوسرا آتش کو اور تیسرا نسیم کو گو اس وقت اور بڑے بڑے شاعر بھی موجود تھے مگر آتش و ناسخ کے ساتھ لکھنؤ کی آبرو قائم رکھنے کا شرف نسیم ہی کو حاصل ہوا۔ تینوں استادوں نے جی توڑ کر مصرعے لگائے ہیں ناسخ کا مصرعہ یہ ہے ؎

ڈال دے سایہ اپنے آنچل کا ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا

آتش نے کہا ؎

حشر میں حشر نہ برپا کریں یہ دیوانے اس لئے قبر میں رکھا انھیں زنجیر سمیت

نسیمؔ کا مصرعہ بھی لاجواب ہے ؎

دارم ز دین و کفر بہر یک قدم دو سیر ۔۔۔ من میروم بکعبۂ و دل میرود بہ دَیر

یہ معرکے لکھنؤ میں اب تک یادگار ہیں۔

مگر افسوس حبیبِ قوم کے ساتھ عمر نے وفا نہ کی۔ گلزار نسیم کو شائع ہوئے چار برس گذرے تھے کہ باغ جوانی پر اوس پڑ گئی۔ ہیضہ کی بیماری نے دفعتہً خاتمہ کر دیا۔ اپنے شعر کے آپ ہی مصداق ہوئے ؎

روح رواں جسم کی صورت میں کیا کہوں
جھونکا ہوا کا تھا ادھر آیا اُدھر گیا

۱۲۶۱ھ میں بتیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ متعلق مرحوم کی رباعی ہے

مغموم رکھا مدام دلگیری نے ۔۔۔ مارا ہے جوان فلک کی پیری نے
واللہ کہ آتش فروغ تاریخ ۔۔۔ ٹھنڈی کر دی نسیمؔ کشمیری نے

نسیمؔ کے متعلق احمد علی صاحب شوقؔ کی رائے

نسیمؔ مرحوم لکھنؤ کے رہنے والے تھے اہل زبان تھے۔ جب باہر والے لکھنؤ میں رہ کر زباندان ہو سکتے ہیں تو وہ شخص جس نے لکھنؤ میں پیدا ہو کر یہیں آنکھیں کھولیں۔ یہیں زبان کھولی ہو۔ یہیں عمر بھر رہا ہو اس کا فصیح البیان ہونا کیا تعجب کی بات ہے۔ گلزار نسیم کی خوبیوں کو میرا ہی دل جانتا ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ نسیمؔ مرحوم نے جس فصاحت کے ساتھ گلزار نسیم کو نظم فرمایا ہے میں اس کو نہیں پہونچ سکا۔ میں نے اپنی قوت شاعرانہ ایک حد تک ترانۂ شوق میں صرف کی اور اس قدر صحیح ہے کہ ترانۂ شوقؔ کی تصنیف کے وقت گلزار نسیم میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ حاشا اس غرض سے نہیں کہ میں اُس کا جواب لکھوں بلکہ اس غرض سے کہ بحر ایک ہی ہے مضامین نہ لڑ جائیں لیکن نسیمؔ کی

فصیح بیانی نے میری یہ حالت کی کہ جا بجا دانتوں پسینہ آگیا اور پھر بھی میں کامیابی کی حد تک نہ پہونچ سکا۔ مثلاً نسیم مرحوم نے فرمایا ہے ؎

چھالے پڑیں گال اگر چھوٹے ہوں
کالے ڈسیں بال اگر چھوٹے ہوں

ترانۂ شوق میں یہ رنگ ایک مقام پر آگیا ہے اور میں نے اُس جگہ بہت شعر نکالے مگر نسیم مرحوم کے اس شعر کی لطافت اور فصاحت اور تناسب الفاظ کو میرا کوئی شعر نہ پہونچ سکا۔ میں نسیم مرحوم کی روح کو گلزار نسیم کی داد کہاں تک دوں۔ جس رنگ میں یہ مثنوی ہے اپنی مثال آپ ہی ہے اور سچ یہ ہے کہ حضرت آتش مغفور کا یہ رنگ ہی نہ تھا۔ اگر وہ مثنوی فرماتے تو شاید گلزار نسیم کی سی نہ ہوتی ؎

شگفتہ ہیں مضامیں کے چمن سے ہم چمن ہم سے
ہوے رنگیں بیاں دونوں سخن سے ہم سخن ہم سے

انتخاب از دیوان نسیم

جب ہو چکی شراب تو میں مست ہو گیا — شیشے کے خالی ہونے سے پیمانہ بھر گیا
نے قاصدِ خیال نہ پیکِ نظر گیا — اُن تک میں اپنے آپ ہی لیکر خبر گیا
روحِ رواں و جسم کی صورت میں کیا کہوں — جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر گیا
بیدل جو مجھکو پایا تو بولا خیالِ یار — مہماں بلا کے صاحبِ خانہ کدھر گیا
طوفانِ نوح اس میں ہو یا شورِ حشر ہو — ہونا جو کچھ ہے ہوگا جو گذرا گذر گیا
شوریدگی سے میری یہانتک وہ تنگ تھے — روٹھا جو میں تو خیر منائی کہ شر گیا
گذرا جہاں سے میں تو کہا سن کے یار نے — قصہ گیا فساد گیا دردِ سر گیا
کاغذ سیاہ کرتے ہو کس کے لئے نسیم — آیا جواب خط تمھیں اور نامہ بر گیا

تکلف نہیں ہمسے زیبا تمھارا   تمھارے ہمارے ہمارا تمھارا
لیا دل تو لو جان بھی کیوں رہے جی   تمنا ہماری تقاضا تمھارا
یہ تصویر چہرہ اُتر کیوں گیا ہے   کھنچے کس سے ہو کیا ہے نقشہ تمھارا
نہ تیر آہ کا دست قدرت میں اپنے   نہ شمشیر ابرو پہ قبضہ تمھارا

نسیمؔ اس چمن میں گل تر کی صورت
پھٹے کپڑے رکھتے ہیں پروا تمھارا

بتوں کو جو دیکھا گنہ کیا ہمارا   خدائی خدا کی تماشا ہمارا
بتوں کی گلی چھوڑ کر کون جائے   یہیں سے ہے کعبہ کو سجدہ ہمارا
اشک ٹپکے حال دل کا کھل گیا   دیدۂ گریاں سے پردہ کھل گیا
دل سے اُمڈے اشک خوں آنکھوں کی راہ   جوش مے سے خُم کا ڈھکنا کھل گیا
کوچۂ جاناں کی ملتی تھی نہ راہ   بند کیں آنکھیں تو رستہ کھل گیا
نرگسِ جادو ہے اب عالم فریب   زلف کا لوگوں پہ لٹکا کھل گیا

آج کیونکر ہو خبر اُس کو نسیمؔ
شعر پڑھنے کا بھی فقرا کھل گیا

جلد او ماہ تو گھر سے نکلا   شکر ہے چاند کدھر سے نکلا
سامنا چھوڑ نہ دینا خورشید   خنجر اُس مہ کی کمر سے نکلا
مثلِ بُو رخ نہ کیا سوئے چمن   پھر نہ آیا میں جدھر سے نکلا
دل نے پھر تجھسے لگائی ہو نہ لو   آہ پھر شعلہ جگر سے نکلا
کس کی آنکھوں پہ چڑھا تھا کہ یہ دل   ہو کے خوں دیدۂ تر سے نکلا

سیر گلرویوں کی کرتا ہوگا
ہے نسیمؔ آج سحر سے نکلا

منت دلا کسی کی نہ اصلا اُٹھائیے
مرجائیے نہ نازِ مسیحا اُٹھائیے
کیسا حجاب کیسی حیا اور کہاں کی شرم
پردہ سے ہاتھ ہاتھ سے پردہ اُٹھائیے
جلئے مگر چنار کے پنجہ کی طرح سے
بہرِ دعا نہ دستِ تمنا اُٹھائیے
اے جان دل جلا کے نہ لیجئے کسی کی آہ
آنچ آتی ہے جو آگ سے شعلہ اُٹھائیے
چاہ اپنی مانتا نہیں وہ بے یقیں اگر
قرآں کا جامہ پہنئے گنگا اُٹھائیے
آنکھیں سوجھاتی ہیں کرفسوں کیجئے سر سے
لب کہتے ہیں کہ قتل کا بیڑا اُٹھائیے
ہمسے سوا ہیں غیر ہوا خواہ واہ واہ
ہوتے ہوئے نسیم کے پنکھا اُٹھائیے؟

خم نہ بن کر خود غرض ہو جائیے
مثل ساغر اور کے کام آئیے
ابر رحمت سنتے ہیں نام آپ کا
خاکساروں پر کرم فرمائیے
صبر رخصت ہو تو جانے دیجئے
بیقراری آئے تو ٹھہرائیے
جوہرِ تیغِ نگہ کھل جائیگا
مُنہ نہ میرے زخم کا کھلوائیے
دل میں ہے دکھلائیے تاثیر عشق
ٹھنڈی سانسوں سے انھیں گرمائیے
چھانٹئے رو کر غبارِ چشم کو
اشک سے اس گرد کو بٹھلائیے
سرد آہیں بھرتے ہیں جب ہم نسیم
کہتے ہیں وہ ٹھنڈے ٹھنڈے جائیے

جب نہ جیتے جی مرے کام آئے گی
کیا یہ دنیا عاقبت بخشائے گی
گر یہی ہے اس گلستاں کی ہوا
شاخ گل ایک روز جھونکا کھائے گی
صندلی رنگوں سے مانا دل بلا
دردِ سر کی کس کے ماتھے جائے گی
خاکساروں سے جو رکھیگا غبار
او فلک بدلی تری ہو جائے گی
دل نہ ہو بے جگر کہوں گا کچھ
بیقراری ٹھہر کہوں گا کچھ

ہمصفیرو جو آئے گا صیاد ۔۔۔ حسرت بال و پر کہوں گا کچھ
کیوں نظر سے گرائے طفل سرشک ۔۔۔ مردم چشم تر کہوں گا کچھ
ہوشیاری تو دیکھو کہتا ہے ۔۔۔ بیخبر آ خبر کہوں گا کچھ
میری باتیں ہیں بہتر از گوہر ۔۔۔ اے صدف کان دھر کہوں گا کچھ
نہ رکھ ارمان دل میں عمر رواں ۔۔۔ کیا میں اے ہمسفر کہوں گا کچھ
خود چلا ہر قدم پہ کہتے نسیم
ٹھہر تو نامہ بر کہوں گا کچھ

دل سے ہر دم ہمیں آواز لگا آتی ہے ۔۔۔ بند کانوں کو بھی گریہ کی صدا آتی ہے
گل ہوا کوئی چراغ سحری او بلبل ۔۔۔ ہاتھ ملتی ہوئی پتوں سے صبا آتی ہے
آئینہ صاف سکندر کو دکھایا تو نے ۔۔۔ خوب اے خضر تجھے راہ بنا آتی ہے
جس قدر وصل بتاں کا تمھیں رہتا ہے فراق
اے نسیم اتنی کبھی یاد خدا آتی ہے

کیا ملا عرض مدعا کر کے ۔۔۔ بات بھی کھوئی التجا کر کے
لائے اس بت کو التجا کر کے ۔۔۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے
میں وہ بے آس ہوں کہ میرے پاس ۔۔۔ یاس آئی ہے آسرا کر کے
لب نازک کے پاس رہنے دو ۔۔۔ تل برابر ہے دل مساکر کے
حق ترے دانہ پانی کا صیاد ۔۔۔ جاؤ نگا دام دام ادا کر کے

دنیا میں عیش و غم سے ہیں یکسر بھرے ہوئے ۔۔۔ شیشوں کے دل ہیں خالی تو ساغر بھرے ہوئے
ساقی دہن ہے زخم کی صورت فراق میں ۔۔۔ پیالہ میں موج مے سے ہیں خنجر بھرے ہوئے
اے صبح میں دکھاؤں ہرا چاک سینہ دیکھ ۔۔۔ شبنم سے سب ہیں زخم گل تر بھرے ہوئے
دیوانہ طفل اشک کا ہوں میں کہ شعلہ سال ۔۔۔ دامن میں جا سے سنگ ہیں اخگر بھرے ہوئے

دل خالی کرلے ابر ندامت سے لاکھ بار　　اے قطرہ تجھسے خود ہیں سمندر بھرے ہوئے
لختِ دل و سرشک ہے اب صورتِ مژہ　　ہم خالی ہاتھ ہیں گہر و زر بھرے ہوئے

کس گل پہ اوس پڑ گئی وقتِ سحر نسیمؔ
شبنم سے دیکھے دیدۂ عبہر بھرے ہوئے

فراق دیدہ ہوں میں وصل یار باقی ہے　　خزاں رسیدہ چمن کی بہار باقی ہے
وہ فصلِ گل نہیں پر عندلیب کے دل میں　　گلوں کا داغ ہے گلچیں کا خار باقی ہے
ہوا تو کہتی ہے صاف آمدِ بہارِ چمن　　صدائے غنچہ و صوتِ ہزار باقی ہے
خیالِ یار نے ایسا کیا ہے گوشہ گزیں　　کنارگیریٔ کنجِ مزار باقی ہے
جنون و عقل کے قصے سے چھوٹے بعدِ فنا　　نہ پردہ در ہے نہ وہ پردہ دار باقی ہے
گلوں کے بدلے ہے کانٹوں کا ڈھیر مرقد پر　　موئے پہ بھی خلشِ روزگار باقی ہے
غبارِ راہ ہوں پر خاکساری کہتی ہے　　ہوائے اوج و دماغ وقار باقی نہ ہے
یقیں ہے شغل تصور سے تجھ پہ قابو ہو　　اب ایک نقش ہی اے نگار باقی ہے
بتوں کے قہر سے ہمکو مقام یاس نہیں　　اُمیدِ رحمتِ پروردگار باقی ہے

ساقی قدحِ شراب دے دے　　مہتاب میں آفتاب دے دے
ساقی باقی جو کچھ ہو لیلے　　باقی ساقی شراب دے دے
لیلیٰ میں نے تجھے بنایا　　مجنوں مجھکو خطاب دے دے
بیدار ہیں بختِ خفتۂ ہجر　　یا رب آنکھوں کو خواب دے دے
پیاسا جاتا ہے نشترِ یار　　او رگ کچھ خونِ ناب دے دے

اس بت سے نسیمؔ زر نہ تو مانگ
جو چاہے وہ بیحساب دے دے

کیوں خفا رشکِ حور ہوتا ہے　　آدمی سے قصور ہوتا ہے

مئے الفت سے بھر گیا جو دل   صورتِ شیشہ چور ہوتا ہے
جس کو دیکھا وہ اس زمانہ میں   اپنے نزدیک دور ہوتا ہے
کسکی لیتا نہیں خبر رزّاق   آدمی ناصبور ہوتا ہے
کشتیِ مے نہیں تو اے ساقی   بحرِ غم سے عبور ہوتا ہے
باغ میں جاؤ جاتے ہو جو نسیم
صبح کو وہ ضرور ہوتا ہے

پھانس لیتی ہے دل سمجھ لینگے   زلف کرتی ہے بل سمجھ لینگے
ہم سپاہی ہیں او کمانِ ابرو   تیغ پکڑے اجل سمجھ لینگے
نیّتِ شب حرام اے ساقی   آج پیتے ہیں کل سمجھ لینگے
آج بے مثل ہو سخن میں نسیم
چار دن میں مثل سمجھ لینگے

پہونچی نہ راحت ہم سے کسی کو ایسے اذیّت کوش ہوئے
جان پڑی تب بارِ شکم تھے مر کے وبالِ دوش ہوئے

مخمّس

زمانہ میں ہیں نکتہ داں کیسے کیسے   خط و خال کے ہیں بیاں کیسے کیسے
زباں زد ہیں وصفِ بتاں کیسے کیسے   دہن پر ہیں انکے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے
وہ خونخوار عاشق کشی پر جو آیا   کوئی دم کے دم بیقراروں میں ٹھہرا
رواں جب ہوا تیغ سے خون میرا   نہ مڑ کر بھی بےدرد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے
قضا جس دم آجاتی ہے بن کے دشمن   کسی کی نہیں چلتی ہے مشفقِ من

اجل ہے گذرگاہ ہستی میں رہزن عجب کیا چھٹا روح سے جامۂ تن
لٹے راہ میں کاروان کیسے کیسے

خزاں خار اپنے دکھاتی ہے کیا کیا بہار اپنے پھل پھول پاتی ہے کیا کیا
شگوفہ ہر ایک فصل لاتی ہے کیا کیا زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

نہ زخمی بدن ہیں نہ گھائل ہوئے ہیں نہ خونیں کفن ہیں نہ بسمل ہوئے ہیں
لہو مل کے کشتوں میں داخل ہوئے ہیں تمہارے شہیدوں میں حنا مل ہوئے ہیں
گل و لالۂ و ارغواں کیسے کیسے

وجودِ بشر کیا عدم ہی عدم ہے کہ ہے آدمی جب تلک دم میں دم ہے
شکم پرورِ حرص ناز و نعم ہے کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

جو دلسوزِ فرقت میں ہیں داغِ سوزاں تو دمساز ہیں نالۂ و آہ و افغاں
بنے رہتے ہیں روز نا خواندہ مہماں غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

کوئی جانتا ہے کسی کو خبر ہے کہ پردہ میں کون اے صنم جلوہ گر ہے
کہیں کچھ خیال اور کہیں کچھ نظر ہے دل و دیدۂ اہلِ عالم میں گھر ہے
تمہارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے

جو مے نوش ہیں رنگ اُنکے جمے ہیں پئے پھول بدمستیاں کر رہے ہیں
گلابی کے ہاتھوں میں ساغر لئے ہیں بہار آئی ہے نشہ میں جھومتے ہیں
مریدانِ پیرِ مغاں کیسے کیسے

کہاں تختِ خسرو کہاں طاقِ کسرا محلِ اقامت کا اُنکے پہ بستہ کیا

ملے خاک میں سیکڑوں مسند آرا نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

الٰہی یہ بت دین و دل دونوں لیں نگار اُنکے نقشے لکھیں کیوں نہ دل میں
نظرباز سب نقد جاں کھول دیویں تیری کلکِ قدرت کے قربان آنکھیں
دکھائے ہیں خوش رو جواں کیسے کیسے

فسانے جو کچھ حسن اور عشق کے ہیں لبِ نَے سے سب پوست کندہ سنے ہیں
جو مغز سخن سمجھے ہیں جانتے ہیں تپ ہجر کی کاہشوں نے کئے ہیں
جدا پوست سے استخواں کیسے کیسے

جسے دیکھو ہے شوق سے تجھ پہ مرتا ترے دم سے مردہ بھی ہو تو ہو زندا
نظر ذرہ ذرہ پہ ہے مہر بیما توجہ نے تیری ہمارے مسیحا
توانا کئے ناتواں کیسے کیسے

نسیم آج کیونکر نہ ہو مست دل خوش کہ سبزہ چمن کی روش پر ہے دلکش
خزاں باغ سے بھاگتی ہے مشوش بہار گلستاں کی ہے آمد آتش
خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

خمسہ فارسی

فدائے حسن و جمال تو گلعذار انند شہید تیغ نگاہ تو شہسوار انند
اسیر حلقۂ زلف تو پختہ کار انند غلام نرگس مست تو تا جدار انند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند

تو زلف را نکشودی زروے عشوہ و ناز مرا ز گریہ چناں تر شد است دامن راز
اگرچہ با من دتو بودہ است ناز و نیاز ترا صبا و مرا آب دیدہ شد غماز
وگرنہ عاشق و معشوق راز دار انند

بہ پیچ و تاب نہ تنہا منم بجانِ حزیں که عالمے است پریشان بیقرار و بے تسکیں
زگفتنم اگر آشفتۂ مگو چیں بجبیں گذار کن چو صبا بر بنفشہ زار و ببیں
که از تطاول زلفت چہ سوگوارانند

بیاد روئے تو اے جانِ جاں نفس بنفس بجائے خویش درم شوق میزند ہر کس
مرا کہ بر سر حرف آورد ہوا و ہوس نہ من براں گلِ عارض غزل سرایم و بس
که عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند

نگوئیت کہ چو من ضبط خستہ جانی کن صلاح کار خود اے دل چنانکہ دانی کن
عمل بگفتۂ مستان اگر توانی کن بیا بہ میکدہ و چہرہ ارغوانی کن
مرو بصومعہ کآنجا سیاہ کارانند

ترا کہ ہست بجا ہوش و ہم حواس برو بزعم زہد خودی ہمدریں قیاس برو
برو برو برو اے شیخ ناشناس برو نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحقِ کرامت گناہگارانند

بوصل حسرتِ مشتاق میتواں دانست علاجِ زہر ز تریاق میتواں دانست
اگر نہ حالتِ آفاق میتواں دانست ز نقشِ چہرۂ عشاق میتواں دانست
کہ ساکنانِ درِ دوست خاکسارانند

چو لالہ داغ و چو گلبرگ خار خار مباد چو غنچہ تنگ دل و ہمچو سبزہ زار مباد
جدا ز سنبلت اے گل نسیم وار مباد خلاصِ حافظ ازیں زلفِ تابدار مباد
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگارانند

خمسہ دیگر

گشتہ یگانہ بیگانۂ من مجنون تما شد فرزانۂ من
شب شمعِ من گشتہ پروانۂ من شد آں پریرو دیوانۂ من

افسوں نمودہ افسانۂ من

تا پُر زے گشت پیادۂ من عشرت سرا شد غم خانۂ من
آباد گردید ویرانۂ من چوں جاں در آمد جانانۂ من
شد خانۂ تن کاشانۂ من

گل را عروسی تو در بر آمد در باغ امید بلبل بر آمد
ہنگام وصلِ یکدیگر آمد فصلِ بہاری از در در آمد
از خویش رفتہ دیوانۂ من

اے آنکہ کس نیست پئے آرزویت مملوست عالم چوں گل ز بویت
در انجمن بود شب گفتگویت گفتم بمستی وصفے ز رویت
جوشِ پری زد خمخانۂ من

در حشر پرسند گر داستانم گویم کہ من خود از بیخود آنم
احوالِ بزمِ گیتی چہ دانم ز و شمع روئے آتش بجانم
شد خاک پایش پروانۂ من

دیشب بدورِ جام سے آگیں بگرفت از من عقل و دل و دیں
امروز پیشم نامد ز تمکیں بشکست ساقی پیمانِ دوشیں
بر سنگِ دل زد پیمانۂ من

ہر چند بودم خود زار و محزوں احوال من گشت از غم دگرگوں
شد استخوانم چوں بید مجنوں تا چند گویم از جورِ گردوں
ایں آسیا بیں یکدانۂ من

در دو خیالش چوں گشت مہماں ہوش و خرد شد از من گریزاں
از جاں گذشتیم دریا دجاناں بیگانہ گشتیم از آشنایاں
تا آشنا شد بیگانۂ من

مخمس دیگر

لیتا ہے جس کا نام ترا وہ نشاں کہاں
کیا بات تیری چاند کہاں اور کتاں کہاں
ذرّے اور آفتاب کا ممکن قراں کہاں
دل تو کہاں وہ حوش نامہرباں کہاں
نادان ہے زمین کہاں آسماں کہاں

اپنے بھی دن بُرے تھے تجھے کیا بھلا کہیں
پھیر اپنی ہی سمجھ کا رہا دل کو کیا کہیں
سرگشتگی کے شوق کا کیا ماجرا کہیں
کعبہ کہیں کنِشت کہیں میکدہ کہیں
تیرے لئے خراب ہوئے ہم کہاں کہاں

کس سے بگڑ کے آئے ہو کیوں منہ بنائے ہو
کس سے ستم رسیدہ ہو کس کے ستائے ہو
کس شخص کی تلاش میں تشریف لائے ہو
ظلمت کدہ میں میرے جو اے خضر آئے ہو
کیا راہ بھولے خیر تو ہے تم یہاں کہاں

صیاد دور ہے ابھی فرصت ہے بلبلو
دو چار دم کی باغ میں مہلت ہے بلبلو
سب حوصلے ہیں کچھ بھی جو الفت ہے بلبلو
ہنس بول لو یہ وقت غنیمت ہے بلبلو
پھر گل کہاں بہار کہاں آشیاں کہاں

غنچہ بھی ہے ہوا بھی ہے وقتِ سحر بھی ہے
نغمہ بھی ہے نوا بھی ہے مطرب پسر بھی ہے
شیشہ بھی ہے صراحی بھی ہے جامِ زر بھی ہے
گلشن بھی ہے بہار بھی ہے ابر تر بھی ہے
لا ساقیا شراب کہ پھر یہ سماں کہاں

شاعر پہ عزت رکھتے ہیں گو نکتہ چیں سہی
منہ کیا مجال کیا جو کرے ہم سے بیرخی
لیکن ہزار بات کی اک بات ہے یہی
کچھ بھی نہ ہو تو بات نکالیگا کیا کوئی
تیرے دہن کا وصف کریں ہم کہاں کہاں

حاصل کسی سے تھا نہ جواہر نہ زر نہ سیم
اک واہ وا فقط تھی سو وہ ہو گئی فہیم
وہ وقت ہے کہ کہتے ہیں خاقانی و کلیم
کیا کہئے شعر خونِ جگر کھا کے اے نسیم
جوہر شناس کوئی کہاں قدرداں کہاں

انتخاب از مثنوی گلزارِ نسیم

آغازِ مثنوی

یارب مرے خامے کو زباں دے	منقارِ ہزار داستاں دے
افسانۂ گلِ بکاؤلی کا	افسوں ہو بہارِ عاشقی کا
ہرچند سُنا گیا ہے اُسکو	اُردو کی زبان میں سخن گو
وہ نثر ہے داد نظم دوں میں	اس مے کو دو آتشہ کروں میں
ہرچند اگلے جو اہلِ فن تھے	سلطانِ قلم و سخن تھے
آگے اُن کے فروغ پاتا	سورج کو چراغ ہے دکھاتا
پر بحرِ سخن سدا ہے باقی	دریا نہیں کاربند ساقی

دلبر کا شاہزادوں سے چوسر کھیلنا

رنگ اُس کا جما تو لا کے چوسر	کھیلی وہ کھلاڑ بازی بدکر
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے	بازی چوسر کی کھیل سمجھے
مغرور تھے مال و زر پہ کھیلے	سامان ہارے تو سر پہ کھیلے
بدبختی سے آخری جُوا تھا	بندہ ہونا بدا ہُوا تھا
دو ہاتھ میں چاروں اُس نے لوٹے	پنجے میں پھنسے تو چھکے چھوٹے
ایک ایک سے رات بھر نہ چھوٹا	پَو پھٹتے ہی جگ اُنھوں کا ٹوٹا
زنداں کو چلے مچل مچل کر	نردوں کی طرح پھرے نہ چلکر

تاج الملوک کا دلبر سے چوسر کھیلنا

وہ چشم و چراغ بیسوا کے	کرنے لگے تاک جھانک آکے
نیولا وہ کہ مار آستیں تھا	چٹکی کے بجاتے ہی وہیں تھا
بلّی تو چراغ پا تھی خاموش	بل ہو گیا موش کو فراموش

ہنس ہنس کے حریف نے رُلایا — مانند چراغ اُسے جلایا
پاسے سے چلی نہ جعل سازی — اُجڑی وہ بسا بسا کے بازی
پھر پاسے نے کی نہ پاسداری — ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری
پاسے کی بدی ہے آشکارا — راجہ نل سلطنت سے ہارا
داتا تو کرے کب اس طرف میل — ہارا ہے جوئے کے نام سے بیل
ہارے دیکھا جو بیسوا نے — بندہ کیا غیر کا خدا نے
بولی بہزار عجز و زاری — تم جیتے میاں میں تم سے ہاری
لونڈی ہوں نہیں عدول مجھکو — خدمت میں کرو قبول مجھکو

بکاؤلی گلچیں کی تلاش میں نکلتی ہے

وہ سبزۂ باغ خواب آرام — یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے — اُٹھی نکہت سی فرش گل سے
مُنہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی — پُر آب وہ چشم حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے — کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل — جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے خار دے گیا کون
ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہے — بو ہو کے تو پھول اُڑا نہیں ہے
نرگس تو دکھا کدھر گیا گل — سوسن تو بتا کدھر گیا گل
سنبل مرا تازیانہ لانا — شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا
نرگس نے نگاہ بازیاں کیں — سوسن نے زباں درازیاں کیں
پتا بھی پتے کو جب نہ پایا — کہنے لگیں کیا ہوا خدایا
اپنوں میں سے پھول لے گیا کون — بیگانہ نہ تھا سبزہ کے سوا کون

شبنم کے سوا چرانے والا / اوپر کا تھا کون آنے والا
جس کف میں وہ گل ہو داغ ہو جائے / جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
گلچیں کا جو ہائے ہاتھ ٹوٹا / غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا
او خار پڑا نہ تیرا چنگل / مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل
او بادِ صبا ہوا نہ بتلا / خوشبو ہی سنگھا پتا نہ بتلا
بلبل تو چہک اگر خبر ہے / گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
انگلی لبِ جو پہ رکھ کے شمشاد / تھا دم بخود اس کی سن کے فریاد
جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا / جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
رنگ اس کا غرض لگا بدلنے / گل برگ سے کف لگی وہ ملنے
بدلے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی / دست آویز اس کے ہاتھ آئی
خاتم تھی نام کی نشانی / انسان کی دست برد جانی
ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیہات / خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات
جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا / وہ ہاتھ لگے کہیں خدایا
عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے / کھال اس کی جو کھینچیے سزا ہے

نامۂ بکاؤلی بہ تاج الملوک

مانگا کاغذ دوات خامہ / لکھا گلچیں کے نام نامہ
اے دلبر دلبرِ دغا باز / وے دیو سوار عرش پرواز
اے پردہ کشائے بے حجابی / وے دزد حنائے دستیابی
اے رہروِ رہ بره نہادہ / وے صرصرِ گل بباد دادہ
تو باغ ارم سے لے گیا گل / تو مجھ سی پری کو دے گیا جل
بے رنج ترے واسطے ہوئی میں / فرسخ ترے واسطے ہوئی میں

جو جو اسرار تھے نہانی
سب تجھسے تنے ترے زبانی

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

داغوں پہ دئے ہیں داغ تونے
دکھلائے ہیں سبز باغ تونے

کانٹوں میں اگر نہ ہو الجھنا
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

جواب نامہ از تاج الملوک

اے شاہ ارم کی دخت گلفام
فرخ لقب و بکاؤلی نام

اس نام کے اس لقب کے صدقے
اس نامے کے اس طلب کے صدقے

میں لنے جو غرض سے جی چرایا
تونے کیوں آکے منہ چھپایا

تقدیر پھری پھری نہیں تو
امید گئی، گئی نہیں تو

اے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا
جی کھول کے داغ دل دکھاتا

اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے
وہ دل، وہ جگر، وہ جی کہاں ہے

قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
یاں بھی جو رہا تو نیم جاں ہوں

تو برقِ دماں میں خرمن خار
و سیل رواں میں خستہ دیوار

تو جوششِ یم میں موجِ بے پر
میں نقشِ قدم، تو بادِ صرصر

دھڑکا ہے یہی تو جان دونگا
مرجاؤنگا، اب نہ میں جیونگا

مکالمۂ بکاؤلی و تاج الملوک

آیا تو وہ منتظر تھی خونخوار
اندیشہ سے کانپ اٹھا گنہگار

واں غصہ بھری غضب وہ چتون
پلکوں سے یہاں نظر پہ چلمن

واں پھانسنے کو بلا وہ گیسو
یاں تابِ سخن نہیں سر مو

بولی وہ پری بصد تامل
کیوں جی تمھیں لے گئے تھے وہ گل

کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو!
میری طرف اک نظر تو دیکھو!

ہے یا نہیں یہ خطا تمہاری — فرمائیے کیا سزا تمہاری
کی عرض رضا ہے جو خوشی ہو — عاشق کی سزا جو پوچھتی ہو
مشکیں زلفوں سے مشکیں کسواؤ — کالے ناگوں سے مجھکو ڈسواؤ
تلوار سے قتل ہو جو منظور — ابرو کے اشارے سے کرو چور
زنداں میں جو زندہ بھیجنا ہو — اپنے دلِ تنگ میں جگہ دو
یہ سن کے وہ شوخ مسکرا کے — بولی اُسے چھاتی سے لگا کے
گلچیں تو فقط نہیں چمن کا — محرم ہے سارے تن بدن کا
رُخ دیکھ چکی ہوں اب ترا میں — مُنہ دوسرے کو دکھاؤں کیا میں

سودائے فراق میں بکاؤلی کی حالت

سنسان وہ دم بخود تھی رہتی — کچھ کہتی تو ضبط سے تھی کہتی
کرتی تھی جو بھوک پیاس بس میں — آنسو پیتی تھی کھا کے قسمیں
جامے سے جو زندگی کے تھی تنگ — کپڑوں کے عوض بدلتی تھی رنگ
یک چند جو گزرے بے خور و خواب — زائل ہوئی اُس کی طاقت و تاب
صورت میں خیال رہ گئی وہ — ہیئت میں مثال رہ گئی وہ
آنے لگے بیٹھے بیٹھے چکر — فانوس خیال بن گیا گھر
سمجھانے لگیں کہ مرتی ہے کیوں — ترکِ خور و خواب کرتی ہے کیوں
رحم اپنی جوانی پر ذرا کر — مُنہ دیکھ تو آئینہ منگا کر
صورت تری زار ہو گئی ہے — گُل ہو کے تو خار ہو گئی ہے
سچ ہے تری عقل کس نے کھوئی — ناجنس کو چاہتا ہے کوئی
سمجھانے سے تھا نہیں سروکار — اب مان نہ مان تو ہے مختار
غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجے — دُکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجے

جھنجھلائی بکاؤلی کہ بس بس — اب ایک کہو گی تم تو میں دس
بلبل اسی رشکِ گل کی ہوں میں — تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں
سوچیں وہ کہ یہ نہیں سمجھتی — ہے بلکہ برنگ زلف الجھتی
مجنوں ہو اگر تو فصد لیجے — سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجے
بیماریِ عشق لا دوا ہے — اس باغ کی اور ہی ہوا ہے
آخر یہ تو جی سے اپنے ہے تنگ — ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ
یاد آئیں جو ابروانِ خمدار — رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار
کر یاد کہیں چہِ ذقن کو — کودے نہ کنوئیں میں باؤلی ہو

روح افزا کے باغ میں بکاؤلی تاج الملوک سے کہتی ہے

رو رو کے بکاؤلی دل افگار — بولی کہ خدا کو علم ہے یار
پھرتا تھا تو چشم و دل میں میرے — دیدے مرے نقشِ پا تھے تیرے
مشکل مجھے اپنا تھامنا تھا — ہر وقت قضا کا سامنا تھا
ہمچشم پھرے تھے مثلِ مژگاں — ہمسایہ تھے سب کشیدہ داماں
گھر میں رہنا گراں تھا میرا — زنجیر کا گھر مکاں تھا میرا
جو کھٹکے سرٹن پکارتا تھا — پتھر سا کھینچ مارتا تھا
سختی سہی یا کڑی اٹھائی — افتاد تھی جو پڑی اٹھائی
طالع سے کسے تھی ایسی امید — نکلا ہے کدھر سے آج خورشید
کیوں منہ پہ شفق خوشی سے پھولی — کیا شام وصال راہ بھولی

نوشہ۔ پنڈت ارجن ناتھ متّو صاحب خلف پنڈت کشمیر لال متّو صاحب۔

آپ ماہ ستمبر ۱۸۸۱ء میں شہر امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مرحوم پنڈت کشمیر لال متّو صاحب وکیل ہائیکورٹ لاہور تھے اور امرتسر میں وکالت کرتے تھے۔

آپ حصول تعلیم کی غرض سے اوائل عمر ہی سے شہر لاہور میں رہے۔ امتحان انٹرنس پنجاب یونیورسٹی کے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ سنسکرت کے مضمون میں تمام صوبہ بھر میں آپ کا نمبر اوّل رہا۔ انگریزی اور سنسکرت میں آپ کی قابلیت اعلیٰ درجہ کی ہے جس کے ثبوت میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے الور گولڈ میڈل آپ کو عطا ہوا ہے۔

۱۹۰۵ء میں خالصہ کالج امرتسر میں سنسکرت کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور تقریباً انیس برس اسی عہدے پر مامور رہے۔ ۱۹۲۱ء میں پنجاب یونیورسٹی کا سنسکرت کا امتحان ایم۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۲۴ء میں ہندو سبھا کالج امرتسر کے قائم ہونے پر آپ وائس پرنسپل کے عہدے پر ممتاز کئے گئے اور اب تک اسی عہدے پر مامور ہیں۔

جاتا رہے گا لطف تڑپنے کا مفت میں
تیر مژہ کلیجے کے گر پار ہو گیا

تاثیر کچھ عجب ہے تری جنس حسن کی
جسکی نظر پڑی وہ خریدار ہو گیا

زندہ تھا جسکے دم سے جہاں میں جنونِ عشق
رخصت تمھارا آج وہ بیمار ہو گیا

چشم سیاہ مست جو دیکھی ہے اُسنے آج
زاہد بھی جام مے کا طلبگار ہو گیا

منطق سمجھ میں زاہدِ مشفق کا کیسے آئے
ایک گھونٹ پی کے نوشہ گنہگار ہو گیا



پنڈت ارجن ناتھ منٹو۔ نوشہ

سینے میں تیرے تیر نظر جب اُتر گئے
زخموں کے ساتھ جتنے تھے ناسور بھر گئے
سب کو گمان ہوا کہ اُٹھا گلستاں میں ابر
اک دن جو روئے یار پہ گیسو بکھر گئے
کچھ تو ہمارے نالوں کا آخر اثر ہوا
مدفن پہ میرے آج وہ آکر ٹھہر گئے
شاید وہ بے نقاب تھے محفل میں رات کو
پروانے جل کے شمع کے شعلے پہ مر گئے
اچھا ہوا جو اُس نے مرا سر قلم کیا
اک سر کیا تھا لاکھ مرے دردِ سر گئے

ولہ

ہماری شہادت کے قائل ہوئے ہیں
گل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے
مٹائے ہیں بے روزگاری نے دیکھو
جوانانِ ہندوستاں کیسے کیسے
جو قسمت میں لکھا تھا وہ مل رہا ہے
کئے پاس گو امتحاں کیسے کیسے
نشیمن پہ نوشہ کے کیا پوچھتے ہو
گریں آن کر بجلیاں کیسے کیسے

اثر تیرا آہِ رسا ہو رہا ہے
رقیبوں کا مجھ سے گلا ہو رہا ہے
میں کیسے کہوں یہ بُرا ہو رہا ہے
جو کچھ ہو رہا ہے بھلا ہو رہا ہے
تم ابرو کی تلوار کھینچو نہ کھینچو
مرا فیصلہ بے قضا ہو رہا ہے
ہر اک بزم میں جا کے سن لیجئے
مری مرگ کا تذکرہ ہو رہا ہے
قیامت کے سامان پھر ہو رہے ہیں
طلب آج پھر آئینہ ہو رہا ہے
میں تنہا طلبگار تیرا نہیں ہوں
زمانہ ترا مبتلا ہو رہا ہے

ولہ

اغیار مرے داغِ جگر دیکھ رہے ہیں
جلتا ہوا بیکس کا یہ گھر دیکھ رہے ہیں
مہمان اُنھیں غیر کے گھر دیکھ رہے ہیں
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہے ہیں
یہ بھی مری قسمت کہ اُنھیں رحم نہ آئے
تڑپوں میں ادھر اور وہ اُدھر دیکھ رہے ہیں
موسیٰ نے بھی دیکھے نہ سرِ طور وہ جلوے
جو ہم کہ پسِ روزنِ در دیکھ رہے ہیں
وہ بزم میں بیٹھے ہیں بنے صورتِ تصویر
سب کو یہ گماں ہے کہ ادھر دیکھ رہے ہیں

بیٹھے ہوئے نوشہ در دلدار کے آگے
اب شامِ تمنا کی سحر دیکھ رہے ہیں

جس کو لگے ہیں آپ کی ترچھی نظر کے تیر — قائل نہ وہ چھری کی نہ برچھی کی مار کا
میری لحد کے پاس بنا دینا ہمدموں — چھوٹا سا اک مزارِ دلِ بیقرار کا
رسوا نہ ان کی بزم میں ہوتا میں اسطرح — کمبخت دل جو ہوتا مرے اختیار کا
رو رو کے طفلِ اشک نے گوہر یوں کہا — میں بھی یتیم ہوں کسی اُجڑے دیار کا
عصیاں کے داغ دامنِ نوشہ سے دُھل گئے
برسا جو ابر رحمت پروردگار کا

اُس جا چلیں بتوں کے نظارے جہاں نہ ہوں
چشمِ فسوں کے رمز و اشارے جہاں نہ ہوں
نوشہ وہاں پہ کشتیِ عمرِ رواں کو چھوڑ
امید و یاس دونوں کنارے جہاں نہ ہوں

عارضِ دلبر پہ ہے زلفِ سیہ آئی ہوئی
یا گلستاں میں کوئی کالی گھٹا چھائی ہوئی
سوزشِ پنہاں بجھا دے اس لگی کو کیا عجب
بجھ چکی اشکوں سے آتش تیری بھڑکائی ہوئی
اک وہی نوشہ نہ آیا میرے مرجانے کے بعد
میری میت پہ تھی سب خلقِ خدا آئی ہوئی

ہمہ اوست

ملا ہے دشتِ ختن میں غزال بن کر تو — چھپا ہے ملکِ بدخشاں میں لعل بن کر تو
بتوں کے رخ پہ لبھاتا ہے خال بن کر تو — وجودِ ہستی میں آیا خیال بن کر تو

ہر ایک شے میں الٰہی ظہور تیرا ہے
ظہور تیرا ہے بیشک یہ نور تیرا ہے

لبِ گدا سے ہے نکلا سوال بن کر تو اور حسنِ ناز میں آیا جمال بن کر تو
شبِ فراق میں آیا ملال بن کر تو زوالِ ہستی سے نکلا کمال بن کر تو
اُڑا ہے دشت میں گرد و غبار بن کر تو
چمن میں نکھرا ہے حسنِ بہار بن کر تو

کہیں جوان کہیں پیر بن کے رہتا ہے کماں میں ابرو کی تو تیر بن کے رہتا ہے
کہیں تو عاشقِ دل گیر بن کے رہتا ہے کہیں تو لیلےٰ کہیں ہیر بن کے رہتا ہے
تو پائے وحشی میں زنجیر بن کے رہتا ہے
تو سب کی آنکھوں میں تصویر بن کے رہتا ہے

نیکو پنڈت بھوانی داس کاچرو

آپ کے سوانح عمری اگر آیندہ معلوم ہونگے تو ضمیمہ جلد دوم میں درج کئے جائیں گے آپ کا ایک ترجیع بند اور مختلف اشعار و رباعیات کئی برس کی کوششوں کے بعد خاص سرینگر کشمیر سے حضرت طالب کی خاص توجہ سے دستیاب ہوئے ہیں۔ تبرکاً درج کئے جاتے ہیں۔ ان کے ملاحظہ سے قدر شناسان سخن اندازہ کر سکیں گے کہ جناب نیکو کی فارسی قابلیت کس اعلیٰ درجہ کی تھی۔ بحرِ طویل کے آٹھ مصرع ملاحظہ کیجئے اور داد دیجئے۔

ہر پارہ دل بسینہ جداگانہ سوختیم جشن است و صد چراغ بیک خانہ سوختیم
نے آشنائے باشدہ گلچین نہ باغبان زین باغ ہمچو سبزۂ بیگانہ سوختیم

دیگر

شکست نقشِ انجم از افلاک مژگانِ ترم ابر شد مستغنی از دود بار آب گوہرم
دوری او بسکہ بیرحمانہ میسوزد مرا شمع بالیں میشود ہر کس کہ آید بر سرم
سوختن بر آتشِ من آب نتواند زدن میتوان رنگِ قیامت ریخت از خاکسترم

پختہ مغزان جنون را داغ مرہم میشود استخوان کافور گشت از سوختن چون اخگرم
ہم سبو ہم شیشہ ہم خم دانۂ انگور دار از خیالِ چشم مستِ یار شد دل در برم
مایہ دارانِ جنون را قلب توفیقِ منست وقتِ ریزش ہمچو مینا خم بہ پیشِ ساغرم
رفت تا دامن کشان صیاد و بے پروا نکو
در خجل با ضعفِ طالع ہست صیدِ لاغرم
در جدائی پیش یاران ہست قدرے دیگرم از بریدن میشود چون تیغ ظاہر جوہرم
شیشہ ام در ساعتِ سنگین بقا لب آمدہ نشکند از سختیِ دوران دل غم پرورم
گر د طوفان ابر رحمت رخت ما را سیل برد ورنہ کے بود اینقدر ز آلودگی دامن ترم
مرگ نو بادا مبارک طالبانِ وصل را چون بلا آمد بغل وا کردہ ناگہ در برم
دل بود وارستگان را کاروان سالارِ عشق ہمسفر با آہ شد جان چون سپند مجمرم
گشت گز حکم قضا پرور نگاہِ او مرا
چشم تا پوشید نیکو گرد گارِ محشرم
چین نیست برابروش پئے قتلِ جہانے کرواست دگر دستِ قضا زہ بکمانے
شمشاد قدے لالہ رخے غالیہ موے سنبل رستے گلبدنے غنچہ دہانے
یک ناز و صد آشوب و یک انداز و صد آفت یک عشوہ و صد فتنہ بلائے دل و جانے
شد بر یمنِ لعلِ لبش خال مسلط تقدیر چہ بنشاند نگینے بمکانے
ہر دم پئے خونریز اسیران خود آید از خانہ برون تیز چو تیغے ز میانے
نیکو چہ دہد ہدیۂ شمشیرِ نگاہش
لختِ جگرے قاشِ دلے پارۂ جانے

بر آمد سنبل و شمشاد گاہے راست گاہے کج
خبر از قد و زلفت داد گاہے راست گاہے کج

دو گیسو یت کہ گشت از باد گاہے راست گاہے کج
بروئیت پیچ و تاب افتاد گاہے راست گاہے کج
زاہم گردد آن شمشاد گاہے راست گاہے کج
چو سروے کو شود از باد گاہے راست گاہے کج

رباعی

دنیائے گذشتہ چون جرس می بینم — ہر پیشروے کہ بود پس می بینم
روباہ گرفتہ جائے شیران زمان — بر مسند طاؤس مگس می بینم

وله

ز ضبط گریہ غم پروردہ دل رنجور میگردد — کہ در زخم آب چون گردد گرہ ناسور میگردد
نشد بہ درد دل در زندگی روشن پس از مردن — کفن شاید بداغم مرہم کافور میگردد

وله

دل بہ بازی برد آن دلبر چہ میداند کسے — سحر کرد آن چشم جادو گر چہ میداند کسے
لعل میگون از تہ خطش کباب کردہ است — آتش در زیر خاکستر چہ میداند کسے

وله

باز دیدم مہربان نامہربان خویش را — کردہ شاید امتحان سود و زیان خویش را
ایمنم از دہر تا ترک تعلق کردہ ام — خود زدم از رشک رہزن کاروان خویش را

وله

شب کہ با ما شیشہ دلہا آن ستمگر جنگ داشت — آسمان ہم از کواکب دامن پر سنگ داشت

وله

بگلشن سعی دارد باغبان دیوار بستن را — از ین غافل کہ گل در پیش دارد بار بستن را

وله

کے آب طرب سیر نوشید و رفت — کہ تا چشم وا کرد پوشید و رفت

وله

بہ بحر جہان اے دل مست خواب — بود قالب آدمی چون حباب

وله

شب کہ مرغ سحری نالہ و غوغا میکرد — شاید آن سیم بدن بند قبا را وا کرد

وله

یار در فکر دلفگاری ہا — ما در اندازِ جان سپاری ہا

رباعی

عاشق صادق اگر دلبر تیر جفا طلب — ریش دل و خراش جان درد و سر و بلا طلب
گر ہوست بود نکو عمر دوبارہ در جہان — آب بقا چہ میکند آن لب جانفزا طلب

خاطر بمتلا بیکے طرّۂ مشکفام دو — ولہ — هست کشاکشم بسے صید یکے و دام دو
دین بروم بجا نہے کفر بجانبِ دگر — دل یکے اقتدا کنم قبلہ یکے امام دو

ولہ

دل را اگرچہ صاف کنی ہمچو آئینہ — بیشک جمال دوست بہ بینی معائنہ
او در دل من ست و دلِ من بدستِ او — چون آئینہ بدست من و من در آئینہ

ترجیع بند

بند اوّل

اے دل چہ کنی صلاح و تدبیر — در دشت قضا رہِ رضا گیر
بر تو دہ خاک آرزو چند — از قوس خیال میزنی تیر
اعمال خود است حاکم ما — چرخ و مہ و مہر را چہ تقصیر
ہرگز نکنی شکایتِ دہر — این جملہ ز قسمت ازل گیر
بشکن قلم و بسوز دفتر — در آب بشوے این طوامیر
بگذار فسون و این فسانہ — بشنو سخنِ خرد ورِ پیر
ہرگاہ نمیشود مبدّل — تقدیر کس از صلاح و تدبیر

بر خاک رہِ رضا نشینیم
بارے چہ کند خدا بہ بینیم

بند دوم

احوال خود از مہ و ستارہ — در قرعۂ و فال و استخارہ
دیدیم بسے و لے ندیدیم — در بیش و کم نصیب چارہ
از ریزش سنگ فتنہ سازو — ہر دم دلِ خلق پارہ پارہ
زاہل نشود خطِ جبینت — گر سر بزنی بہ سنگ خارہ
زیر جبل ار بود نصیبت — پیش تو رسد بیک اشارہ

در خیر بکوش و مغتنم دان — عمرے کہ نیابیش دوبارہ
بر قسمت خویش باش راضی — العاقل یکفیہ الاشارہ
چون حکم قضا قضا ندارد — گیرم پس ازو چرا کنارہ

بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند سوم

در چاہ کبود چرخ پُر فن — افتادہ بسے چو گیو و بیژن
این سفلہ نواز از قدیم است — با مردم ارجمند دشمن
این باغ دو در طلسم گاہے است — دیدن نتوان گلشن بچیدن
نے خار و نہ گل نہ غنچہ ماند — نے زنبق و نارون نہ سوسن
نے سرو نہ قمری و نہ بلبل — نے سنبل و باغبان نہ گلشن
صاحب نظران چو گل گذشتند — زین باغ دریدہ جامہ بر تن
جز عبرت ازین چمن تماشا — نآید بہ نظر نہ در شنیدن
چون رنگ ثبات نیست بادے — این باغ و بہار را چہ دیدن
رفتم ز بہار و باغ و سیرش — بستم بدل این خیال احسن
زین بعد نمیروم بجاے — از صبر کشیدہ پا بدامن

بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند چہارم

اے دل ز جفا و جور گردون — از دیدہ مریز اینقدر خون
جز زحمت و جفا دگر چہ خواہی — زین گنبد فتنہ باز وواژون

چیزے کہ بود درون کوزہ ناچار فتد ز کوزہ بیرون
من از کہ کنم دگر شکایت از بہرچہ باشم آہ محزون
ہرچند دویدم و ندیدم در دشت و دیار و کوہ وہامون
یک منزلِ عافیت بہ عالم یک تن ز بلاے چرخ ماموں
تاچند خورم غم کم و بیش اینست صلاح کارم اکنون
بر خاک رہِ رضا نشینیم
بارے چہ کند خدا بہ بینیم

بند پنجم

گر صاحب عقل و ہوشمندی دل در ہوس و ہوا نہ بندی
تا افعیِ حرص در کنار است سیلے خورد و آفت گزندی
تاچند وبال خویش جوئی از خواہشِ جامۂ پرندی
با نالۂ و اشک و آہ خو کن بر بند دہان ز ہرزہ خندی
حاجت طلب از خدا اے اکبر در حالت عجز و مستمندی
کامت نشود ز دہر حاصل پس بہرچہ دل بدہر بندی
من یافتہ ام نکو صلاحے اے یار تو ہم اگر پسندی
بر خاک رہِ رضا نشینیم
بارے چہ کند خدا بہ بینیم

بند ششم

حکمے کہ قضا بہ خلق راند تیریست کہ بر ہدف نشاند
آن تیر خطا ندارد اصلا خونِ دلِ عالمے چکاند
گہ بندد و گاہ میکشاید کارِ تو صلاح ہرچہ داند

میزان فلک بکام کس نیست گاہے دہد و گہے ستاند
چیزیکہ نصیب ماست بیشک رزاق کریم خود رساند
بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند ہفتم

آن کیست کہ با فلک ستیزد از زخم سہام او گریزد
ایمن نشوی ز تیر و توسش ہر لحظہ خدنگ فتنہ ریزد
خاکستر فتنہ است و آفت غربالِ فلک ہر آنچہ بیزد
پُر بادۂ کام جام جاہل یک جرعہ بکام ما نریزد
تا چند کسے ز گردشِ دہر با بخت سیاہ خود ستیزد
برخیز دلا چہ حسرت است این از جزع و فزع تو چہ خیزد
بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند ہشتم

از اہل جہیم اے برادر گر افتیم ہر آنچہ بود بہتر
این دہر بہ کس وفا نکردہ نے چرخ نہ خور نہ مہ نہ اختر
پس اے دل پُر سفیہ وساؤ مارا چہ امید زو چہ باور
در دست قضاست گوئے چوگان از شکوۂ روزگار بگذر
نے نے غلط است این کہ گویم او را چہ گنہ چہ جرم بنگر
چون نیست بدست خویش چارہ زین پیش نکنم تلاش از سر
بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند نہم

اے چرخ بمن گزند تا چند　　زخم غل و قید و بند تا چند
در مذہب تو دوا روا نیست　　با این دلِ دردمند تا چند
بر آتشِ اضطرابِ دلہا　　اے از شرر تو سپند تا چند
ما بسمل و تو کمان در آغوش　　بر دوش زکیں کمند تا چند
بگذر دل ازین زمانہ سازی　　با ابلہ و سفلہ پند تا چند
نیکو تو گذر ازین زمانہ　　نیکو گندت نژند تا چند

بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا ببینم

بحر طویل

مصرع اوّل۔ حمد واسطے کہ بیک نکتۂ کن کرد بنا جملہ تراکیبِ سماوات و اراضی و ہمہ علوی و سفلی و ہم افلاکی و خاکی اگر از جوہر و عرض است ور از عنصر و اجرام دگر ہر چہ بر وست ازین ہا مثلِ حواس و ہوس و عشق و عقول و نفس و روح و قویٰ نفس و خرد و شعلۂ ادراک و رموزِ حرکات و سکنات و زمن و انفس و آفاق و جہات و عدد و وزن و مقادیر و مربع و تدبیر و ابعاد و موالید و ہیولیٰ و صورِ معنی و لفظ و سخن و ہیأت و نحو و حروف و گہر و علت و اعراب و اگر فتح و ضم و کسر و گر مادے دگر فاعلی و صوری و غائی است ہمہ شکل ثلاثی و رباعی و خماسی چہ مجرد و چہ مرکب چہ زمان و چہ مکان آلت و تفضیل اگر امر و گر نہی و اگر فاعل و مفعول چہ ماضی چہ مضارع سن و عمر ساکن و مسکون اگر واحد و گر جمع چہ معلوم و چہ مجہول اگر طاق و گر جفت ہمہ مادۂ اضداد و موافق بہ تشابہ و نقطۂ پرکار و خط و دائرہ و قطرۂ رقوم و فلک و سیر و سکون ثابت و سیار و بروج و درجات و اثرِ رجعت و آثارِ سعادت چہ ہبوط و چہ سعود و نظر سعد و نحوست چہ وبال و چہ شرف

میل وقرآن ناظر ومنظور چه تثلیث و چه ترجیع همه طرح مقولات بتفریق زبانها وجود و عدم و ظلمت ونور و ازل وهم ابد ولیل ونهار وسحر وشام چه آغاز وچه انجام اگر غیب وشهود وسهو مجاز است وحقیقت اگر امس است واگر غد وعشی آمد واشراق چه ماضی وچه مستقبل وحال چه بهار وچه خزان موسم پیری وجوانی ودگر صیف وشتا را۔

مصرع دوم۔ داورا اور سا عاجز ومظلوم نواز احمد آباد شہا والی کونین توئی باقی دارین توئی عالم اسرار توئی کاشف استار توئی قابل توبات توئی سامع اصوات توئی دافع بلیات توئی راحم مرحوم توئی فارج مهموم توئی ناصر مغلوب توئی سائر عیوب توئی ملجاء مضطر و توئی حاکم بخشنده توئی عذر پذیرنده توئی خالق رزاق توئی موفی میثاق توئی در همه موجود توئی بر همه معبود توئی اے ز همه پاک ومبرا ومنزه که بود ذات وصفات تو برون از حد مقیاس قیاس وخرد ووهم وز ادراک یقین است چسان میرسد ادراک بکنه صفت ذات حکیمے که شد ادراک از و خلق وشده خلق از و صاحب ادراک خدایا تو همانی که کسی جز تو نداند که چسانی وچسانست حق معرفت وحق عبادات تو در عذر بود جوهر اول ز اد ایش نکند ذره بجز نکته لا احصی ولا حول کسے از ملک وآدم وجن ونبی و عارف وصوفی وولی فلسفه حقا که تو بیچون وچگونی وز ادراک برونی چه کند نقش ز کیفیت نقاش بیان خلق ز خالق چه دهد شرح ز مصنوع روایت چه شود شان نزول صفت صنعت صانع الله الله چه جلال است که لال است درین بحث زبان همه املاک مقرب نتوان دم زدن انجا بجز از عجز خدایا بری از خوف ورجا برتری از مجد و علا میرسدت عز وغنا مسزدت حمد وثنا اے شه اقلیم بقا عفو کن جرم وخطا ره نبود پادشها در حرم قدرت تو چون وچرا را۔

مصرع سوم۔ قادرا ذکر تو گویم که تو پاکی وخدائی تو کریمی تو رحیمی حکیمی تو حلیمی تو علیمی تو قدیمی تو عظیمی تو مقیمی تو خبیری تو بصیری تو کبیری تو قدیری تو جلیلی تو وکیلی

تو دلیلی تو کفیلی تو بسیطی تو محیطی تو سمیعی تو شفیعی تو رفیعی تو منیعی تو سریعی تو بدیعی تو رشیدی
تو شهیدی تو حبیبی تو طبیبی تو رقیبی تو قریبی تو نجیبی تو حسیبی تو مجیبی تو حمیدی تو مجیدی
که تواند که باحصاء صفات تو زبان غیر نعوذ اے شه اقلیم بقا باز کشاید که کند حمد و
سپاس تو بنوعے که سزاوار تو می بود ادا لیک زبان را بحق نعمت و بخشایش و احسان
سخن فرض بود شرح ثنائے تو بقدرے که تواند ملکا ورنه چه امکان که چو من مور ضعیفے کند
از چاه مساحت بفلک باز چه حرفست که میگویم و گفتم نرسد دعوی این حرف هم انجا
همه عذر است که گفتم تو ببخشا بکرم عذر مرا از تو چه پوشیده توان داشت که دانائی و
بینائی و ستاری و غفاری و فتاحی و جباری و قهاری و قیومی و جان بخش جهانی همه را
رزق رسانی تو دهی و تو ستانی تو به بندی تو کشائی سحر از شب تو نمائی تو برارنده حاجات
فقیر و غنی و اضعف و اقوی و کس و ناکس و مسکین و غریبی تو کنی مشکل ما حل توئی آن.
حاکم اعدل توئی آن داور اکمل که بحکم تو ابابیل کشد پیل دمان پشه ناچیز خورد
مغز سر نخوت نمرود ز لطف تو اگر نار و گر خار بود گل شود و باز شود یار کبوتر
تو دهی گل نکهت بوئے بگل لعل بکان رنگ بلعل و بصدف گوهر پاک و گهر آب و
برز خوشهٔ انگور و بانگور مل و نشا بمل نور بخورشید و قمر سیر و سکون ارض و سما را

مصرع چهارم - چه کنم چاره ندارم که کند چارهٔ کارم ز که جویم بکه گویم که چها
گردش چرخ دغاباز و فسون ساز و ستم کیش و بد اندیش و جفاکار و دل آزار و
دنی پرور و مظلوم کش و ظالم و سفاک و شموش و حسد آئین و کج آهنگ و بجان
دوست نادان و بدل دشمن دانا و حسود و عدو و خوار کن و خصم عزیزان خرد پرور
و اهل هنر و مردم ممتاز غلط بین و دغل جوے و ناآهت طلب و سفله نواز و سفی و
کودن و تاراجی و غارتگر و بے همت و انصاف سیه دست و دل و شعبده پرداز و
مزور صفت و فتنه پسند آه چه بد و قبیح و شر است که گر حلقه شود محور و چون تیر شود

قوسِ قزح رہست نہ ایستد زکجیہا و بکامِ دلِ عشاق نگردد کند از غرب اگر مہرِ جہانتاب طلوع و قمر از داغِ پلنگ آید و قطبین بر آیند بسیار گی از کین ننهند در رو پروانہ وے شمع و چراغے ز فراغ نرساند۔۔۔ بلب تشنہ اگر سیل برد دجلہ جہان قطرۂ آبے ندہد یک لب نانے ز پس مدتِ ملہے چو مرِ تو بکسی تا کہ بسلخش نرساند و نکند جام کسے پُر زمےِ عیشِ طرب صبح صفت تا کہ بخونش نہ نشاند و شکند شیشۂ دلہاے زلیخا صفتان آہ پسندان و چو یوسف چہ قدر صاحبِ تعظیم نشاندہ است بزندان و چہ جفا پیشہ و بیداد گر و فتنہ گزین است کہ کارش ہمہ کین است نہ نشاند تنے را کہ گریبان نہ دریدہ است و نہ نشاند لبے را کہ ہلاہل نہ چشیدہ است و کہ دیدہ است از و مہر گذشتند ہمہ داد کنان نعرہ و فریاد زنان با دل پر داغ ز دستش و چہ کے و قیصر و خاقان و چہ فغفور و جم و جملہ گدا و شہ و سلطان و ملک و اینچہ بیان است کہ گر چرخ سکون گیرد و گر ارض کند سیر مبدل نشود خاصیت و طینتِ اشیاء و ممکن از دورِ زمان شکوہ چہ خوش گفت درین باب عزیزے کہ ازین چرخ جفا جو مطلب بوے وفا را۔

مصرع پنجم۔ دوستان شمۂ از درد دل خستہ و رنجور و حزینِ منِ سرگشتہ صد پارہ جگر عاجز و مظلوم بغربت شدہ پامالِ الم و جاہل و بے معرفت از شعبدۂ بازیِ دوران و دنیا و تختہ علم جہل و زرق و کید و دو فن و تکذیب و خلاف و غلط و مکر و دغا و سوختہ از حمق دماغ و نفس خویش بتحصیل فنونے کہ درین وقت شود مرد از ان نادم و معیوب بلے و صدق و صفا مہر و وفا حلم و حیا ترسِ خدا راستی و پاسِ حقِ نان و نمک علم و خرد فضل و ہنر دانش و دانائی و تدبیر و رسائی ہمہ عیب است بنزدیک عزیزان زمان آہ نخواندہ سبق کینہ وری فتنہ گری حقد و غل دو دستی و دشمنی و خصمی و بد خواہی و بے باکی و چالاکی و جراری و طراری و عیاری و تلبیس شعاری و ملمع صفتی قلب سرشتی دو زبانی و دو روئی و غرضمندی و قابو طلبی ترکِ حفاظ حق نعمت و شدن از جام مے

حرص و ہوا بہیش و لا یعقل و جاہل ٭ نزدن فال در اندیشۂ دور از اثر قرب جہالت ٭
و شکستن سرِ پیمان کمرِ تو بہ سنگِ ستم سنگدلی ٭ فرق نہ کردن ز حلال آنچہ حرام است
بہر ملت و ہر مذہب و ہر کیش نزد دیش و بجو گرگ و بکفت گندم و در کیسہ بجو بینش و
بینائی و انصاف و حیا خوب فراموش نمودن ٭ ذکرم گوش نمائید گزین پیش زمانے
بتقاضائے نصیبِ ازلی زانکہ درین پیشۂ غم توشہ بجز دم نبود و ہیچ گزیرے ز تلاش و
مطلب و چہ معیشت ٭ چہ وضیع و چہ شریف و چہ مقیم و چہ مسافر ہمہ را فرض عظیم است
بسعی طلبِ رزق و دویدن ٭ بمن افتاد سر و کار ہمراہی شخصے کہ اگر نعل کمیت قلم را قم
توصیفِ صفاتش نشود از قطرہ زنی سودہ درین بادیہ ہرگز نبرد راہ بمطلب ٭ ہوس
ختمِ سخن مختصر اینست کہ گردید توان جانبِ ایجاز باحصار و شمار صفتش زانکہ ز تعریف
مبرّا و ز توصیف معرّا است ٭ چہ دم میزند آنجا کسے از ہر دم و اصف کہ کند جوہر اوّل
کہ تشخیص مزاجش سر کلاوۂ ادراک و شعور و خرد و ربطِ سخن گم بجز این حرف ٭ کہ لا ثانی
ولامثل و غریب است و عجیب است ز اصنافِ بنی آدم و ز انواعِ بنی جان
نتوان گفت قضارا ابلہ

مصرعِ ششم . حبذا صاحبِ دم و کر خفی پیشۂ ختنی کز اقلیم عدم
تا کہ بدولت بسوئے ملکِ وجود ہمہ تعریف قدم زد شدہ ہمدم بدم اوّل صبح از
سرِ تیغِ زبان و دودم از دو ملکشی نجیلِ ندیم و ندم صاحبِ تدبیر و ہواگیر و دبیر
و نکو اندیشہ و خوش فکر و گروہِ خدم چابک و چالاک و حریف و تزک و زیرک و ہشیار
و خبردار و نظرباز و ہمہ معتبر از کسب و ہنر ٭ معتقد از جوہر شان جملہ جہان خاصہ
بنی ٭ کہ کسے را بجز از خویش خردمند ندانند چہ کند وصف کسے از صفت و حرفت
آن ز رحمت نگاہان ٭ کہ از آنہا کسے ار حرف زند شاخ شغال است فلا نجا کند آمین
و کرے وستہ کند از گل تصدیق نبو بادہ نماید دل آقا خوش ٭ و گوید اگر از نقش ربط

چیل و مان زاد کسے؛ یار و رفیقانش با حسنت بگیرند و وہ صاحب مجلس صلہ اش اسپ کہ
میل سرانجام سواری و عماریش؛ ز عنقا کسے از نقل کند دام بکفد پیش شتابد کس دیگر
قفس آمادہ کند صاحب ادراک بینش؛ شتر از خر دل وزا سپند اگر اسپ بگویند
کہ روید ز زمین کاوش اندیشۂ آقا کند ار حدت طبع و خرد آہنگ سواری بزمین
ہوس؛ از شوق کشد رخت وے در حرم خانۂ زین گاہ بہ خلوتکدۂ منزل محل شیا اللہ
بفن و فہم و فراست ہمہ استاد و نیب از ہمہ استاؤ از انجملہ یکے رفت بفرمایش آقا
پئے کارے پئے نفسے دیر شد آقاش متعرض شد و پرسید بگو باعث اہمال چہ شد؛ گفت سخن
پرور دیرینہ ز خدمت چو مرخص شدم از راہ شنیدم کہ بآنروے لب دجلۂ عمان شدہ
واگلشن خوبی؛ ہوس سیر و تماشا بدلم ریشہ دوانید؛ بایلغار گذر کردم و فی الفور رسیدم گل و ریحان
عجب دیدم و چیدم قدرے بہر نثار تو؛ بر جعبت چو زدم گام ہوا تیرہ شد آورد چنان ابر
حریقے کہ نشان داد ز تخمین رگ ناری مخدوم؛ بباریدیسے آتش سوزندہ؛ شدم خائف
ناچار کشیدم ز بغل پارچۂ کاغذ باریک؛ یکے دلو تراشیدم و بستم کمر ہمت خود چست و
بچرخ از رہ فکر رسا دلو گمان خشک نمودم دل دریا چو دل دوست تو؛ انداختم از
دانۂ باروت دران مزرعہ تخمے شدہ چون بخت تو سبز و نہالے چو خیال تو بیک چشم زدن
سر زد و بالید و شدہ سایہ ور از سدرہ ہم افزون؛ بظلش رخت کشیدم بنشستم دمکے
رستم از آسیب بلائے شرر بارش؛ وآن ابر چو استاد روان گشتم و در خدمت مخدوم
رسیدم سبب دیر ہمین است؛ گرفت از کفش آقا گل و گفتش کہ ادب شو چہ قدر کار
و مسافت چہ قدر بود؛ روا نیست شدن شام و عشا آمدن اے مرد دبنگ
آدم مارا؛

بخیالِ طوالت

درمیانی دو مصرع چھوڑ دیے گئے۔

مصرع ہفتم۔ یارب از لطف و عطا مرحمت و فضل و کرم بخشش و جودے کہ نمودی بخلیل آتش سوزندہ گلستان و رہا ساختی از بندِ ملامت مہ کنعان و کشیدی بیرون از چاہ بیسو یوسف گل پیرہن و باز جوان ساختی از مرحمتِ عام زلیخائے زمان را و فرستادی از اکرام زخوان کرم نعمتِ من پیبندی اے منعم برحق من و سلویٰ بےپئے موسیٰ و قومش تو نہادی بسر مریم گیتی گل عیسیٰ و فروزی سحر از عطسۂ شبہا و مفرد ادی از آسیب کسوف غم و آشوب خسوف اے چمن آرائے سموات بگلہائے شہب شمس و قمر را و درختانِ خزان دیدہ و افسردہ و دلسوختہ را روح دماندی تو بقالب بہ نسیمِ سحرِ فصل بہاران و قبائے ورق سبز و کلاہِ گلِ حمری بہ بروتارک آنہا زدی اے نشو و نما بخش گلستان جہان و دانہ ز زندان تہ خاک برآوردی و از حبس عدن لعل و دُر از بند صدف باز رہاندی و کشادی گرہ از خاطر ہر غنچہ و مرغ از قفس بیضہ تو آزادی و نمائی و خلاصی دہی از محبس زندان بچہ ہارا۔

مصرع ہشتم۔ چہ شود گر من عاجز و بیچارہ و دل پارہ و آوارہ و افگار و جگر سوختہ رنجور و غریب و ز وطن دور پریشان و ز خود رفتہ و بیتاب و توان بیکس و بے زور و زر روز و گرفتار غم و درد و نہ بیگانہ دیارے و اسیر غم و تشویش ز دست عمل خویش بجان آمدہ در قید فرنگی کہ بجز لطف تو امید خلاصی است کم اینجا ز غل و بند رہائی و رسائی بوطن پیش عزیزان سخن سنج و گہر گنج و دل آویز و طرب خیز و سخن پرور و دانا و کشائے گرہ از کار و زشرق کرم و فضل دمائی سحر دولت پندار و کنی بار ور از لطف نہال عمل و شاخ امید ہم دہی

از مصطبۂ معرفت ذات وصفات صمدی ساغر سرشار ٭ و بوحدت کنیم شاد و فروزی بحریم دل من شمع یقینے کہ برم راہ بعرفان و نماند اثرے از ہوسے و نہی تاج قناعت ٭ بسرم ملک توکل بینتو لم دہی ٭ و خم نکنی قامت چون سرو من از بار غم منت احسان کسے ٭ شاکرم از نعمت خود داری ٭ و آری برون از خاطر من ہر چہ بغیر از تو بود عیب من از لطف بپوشی و بخشی و بیامرزی و گیری قلم عفو و عطا در کف و منسوخ کنی نامۂ تقصیر خطا را ٭

واجد۔ پنڈت رائے زندہ رام موید صاحب

آپ کے فرزند رائے رایان پنڈت ٹیکارام المتخلص بہ ظفر تھے۔ مفصل حالات ظفر کے سوانح زندگی میں درج ہیں۔

آپ کا وطن مالوف خاص کشمیر تھا آپ نے وہاں علوم نجوم و عربی و فارسی و حکمت و فلسفہ و رمل وغیرہ میں کمال حاصل کیا اور آپ خوشنویس بھی بے نظیر اور اس فن میں رشید ا لٰہی دہلی کے شاگرد رشید تھے اور ایسے تیز دست ہوئے کہ اپنے اُستاد سے بھی بالا دست ہو گئے۔ فن موسیقی میں بھی آپ کو اچھی دستگاہ و مہارت تھی اور آپ خوش گلو بھی تھے۔ بخیال انکے فضائل کے بعض متعصب مسلمانان کشمیر نے آپ کو بجبر مسلمان کرنا چاہا ناچار آپ نے مع اپنے قبائل کے کشمیر سے ہجرت کی اور شاہجہان آباد یعنی دلّی میں جاگزین ہوئے وہاں بتدریج آپ کو اس وقت کے مشاہیر اہل شعر و سخن کے ساتھ زیادہ ارتباط پیدا ہوا اور آپ سلطنت مغلیہ میں اپنی فکر و تدبیر سے مناصب و مراتب اعلیٰ پر پہونچے۔

مدّ بسم اللہ بنگر بر سرِ دیوانِ ما	ہست این طغرا شبیہِ ابروئے جانانِ ما
آب و آتش توشۂ راہِ فنائے عاشق است	شمع سوز و ز آہِ گرم و دیدۂ گریانِ ما

تا بدل کردم سواد یک الف روشن ز عشق	داورس خاموشی شمع است در محفل مرا

مردکم آواز مضرابِ حسینی میزند — شد درین بستان چوتاک این صاحبی حاصل مرا
اوج ناقص میشود آخر بدورِ نیم ماہ — مہ بہ گردید روشن از مہِ کامل مرا
زندگی بے بندگی سرمایۂ دردسر است — از خیالِ خود مکن یارب دمے غافل مرا

واحد- پنڈت شیوپرشاد صاحب عرف شبّن لال صاحب سیتاپوری

درد اور رنج میں دن رات کٹے ہے اب تو — جسم کا تاب و تواں روز گھٹے ہے اب تو
وقت طفلی و جوانی کا گیا سب وہ نکل — دیکھئے کیسے کھٹولا یہ چلے ہے اب تو

قطعہ تاریخ انتقال پنڈت اجودھیا پرشاد فرزند خود

عالم ہے نظر میں مرے تاریک عزیزو — کچھ حدّ و حسابِ غم و اندوہ نہ پوچھو
آسایش دل کی نہیں اب کوئی رہی راہ — صد حیف شب و روز ہوں با نالۂ و با آہ
آخر کو کہوں کیا کہ ہوں کس درد و الم میں — ہے ناطقہ یاں بند مرا کثرت غم میں
گر سُنئے ہو تو مختصر اتنی ہے حقیقت — ہے مرگ پسر سے مری اس طرح کی حالت
ماتم ہے مچا گریۂ و زاری و بکا ہے — ایک کوہِ الم سر پہ مرے ٹوٹ پڑا ہے
اِک آہ کی سوزش سے مری خاک فلک ہو — نالہ جو کروں تو تہ و بالا یہ سمک ہو
تاریخ کی فکر اس کی بہت تھی مرے دل کو — اس واسطے تا چندر ہے یاد یہ سب کو
اس فکر میں تھا ہی کہ صدا کانوں میں آئی — ہاتف یہ پکارا کہ ہے کیا دیر لگائی

تعمیہ سر آہ سے کر شاعر کامل
افسوس ملا خاک میں لختِ جگر و دل
۱۲۹۳
۱
۱۲۹۴ھ

وارستہ - پنڈت بیربل کاچرو ساکن رعناواڑی سرینگر کشمیر

آپ نے ستر سال کی عمر پاکر سمت ۱۹۱۶ بکرمی میں وفات پائی اُس وقت مہاراجہ رنبیر سنگھ حکمران کشمیر تھے۔

تاریخ ترمیم مندر بہیرو صاحب

ساخت جرنیل از سر صدق و صفا — مندرِ پُر نورِ بھیرو جانفزا
خواستم از درگہِ خاصِ اکال — سموتِ ترمیم این عالی بنا
دادہ زیبِ تختۂ بامش زمیں — ہاتفے فرمود با تاجِ طلا

بنوعِ دیگر

مندر پر نور بھیرو شد درست — عالم از نورِ ظہورش مقتبس
من بدرگاہِ کریم لایزال — گشتہ ام از بہر سموت ملتمس
ہاتفے فرمود با تاجِ طلا — دادہ زیبِ تختۂ بامش زمیں

بطرفِ باغ شنیدم ہزار بار ہزار — خطاب کرد بہ بلبل کہ اے شکر گفتار
برو بصحن چمن طرح آشیاں افگن — کہ شاہ گل بسر تخت برگرفت قرار
قشون گل پئے ہم دستہ دستہ صف بستند (سپاہ) — بقصد آنکہ نیا بند بہر مجرا بار
پیادگانِ بنفشہ ستادہ اند بباغ — سپر بدوش و بکف تیغ تیز جوہر بار
تہمتنانِ صنوبر و لاورانِ سمن — بہ پردلی و شجاعت مقیم درگلزار
نقیب باد بہاری بفرط سوز و سرور — ندائے عیش رساند بساکنان دیار
مدار رنجۂ دل خود ز پنجۂ گردوں — کہ خرمی و غمی را کجا ورنگ و مدار
کنوں کہ فصل بہار است حالیا برخیز — مے آر بکف و ہرگز زدی بیاد سیار

ہمہ بیقرار و بیخود شب و روز ماندہ در غم — با سینہ ہائے پر سوز با دیدہ ہائے پُرنم
ہمہ را جگر پُر از خوں ہمہ را دو دیدہ جیحوں — ہمہ دلفگار و محزوں ہر لحظہ و ہردم

ہمہ راہ بر درِ منزل ہمہ راہ دواست بر دل — ہمہ راہ و پاے در گل ہمہ سر فروز ماتم
منم و دلِ حزینے ز فراق نازنینے — گل چہرہ مہ جبینے آشفتہ حال و درہم
خورشید وش عزیزے گم گشت از برِ من — چوں مہ چرا نکاہم چوں برق چوں ننالم
ایں دردِ بے دوا را صاحبدلاں خدا را — خواہند یک دعا را از کردگار اکرم
آں اکرم المکرّم آں اعظم المعظم — خلّاق جملہ عالم رحمے کند بحالم
تا وا رہم ز محنت فارغ شوم ز زحمت — انواع صبر و رحمت گردد قرین حالم
اے نوبہار خوبی و فخرِ زمانِ زماں — برگشت تا تو گشتی ازیں ناتواں تواں
دیگر نماند در تن و ہم قوتے کہ بود — از بسکہ گشتہ ام ز غمت در جہان جہاں
بر من چو شب شد از غم گیسوے پُر خمت — روز یکہ بیمنت شدہ ام بیزبان زباں
خواہم کشید در وہنِ خویش از فراق — تا چند میکشم ز دل آہ و فغاں فغاں

ولہ

موے پرچین تست چوں شب تار — روے رخشاں نشانِ شعلۂ طور
گیسوانت بسر کشی کفار — ابروانت چو دودۂ کافور
کاکلت گنج حسن راست حصار — دلِ عشاق در خمش محصور
سنبل از طرّہ ات گرفتہ بخار — خط و خالت بمشک داد بخور
نرگس از دیدۂ تو یافتہ خمار — چشم آہو ز عشوہ است مخمور
گل سوری ز رنگ آں رخسار — شد مطرّا و یافتہ نزہت سور
کرسی عیش را توئی معمار — خانۂ دل تو کردۂ معمور
شادماں از وصال تو گفتار — غائباں را خیال تست حضور
بر سرم از عنایتت دستار — لطف عاشق ز مہوشان دستور

واے ہرگز ترا نباشد عار / بر سرِ بینواے عاجز و عور
از غضب وز دلم فگندی گار / ساز از قہر عارضم پُر نور
جور و ظلم و جفا تراست شعار / صبر و حلم و وفا مراست شعور
باد ہموارہ حامیت غفّار / کوست بخشندہ و رحیم و غفور

گرد غم از عنایتِ داوار
باد وارستہ از دلِ تو دور

غزل بے نقطہ

کرد کرم داورِ اکرم مرا / داد مرا دور و در ہم مرا
مرہم دردِ دلِ ما داد و کرد / دور ہم و وہم و الم ہم مرا
شور و سرور ہمہ علم و عمل / کرد عطا عالمِ اعلم مرا
عادل اعدل کہ دہر داد دور / حمد ورا داد طمع کم مرا
در رہِ اسرار دلِ اہلِ درد / کرد ہم آہ و ماہر و محرم مرا
وسوسہ رو داد دلم را مگر / سرو دلارام دہد دم مرا
مردمکِ او دلِ آہو درو / کاکلِ او دامِ رہِ رم مرا
داد گرہ طرّۂ طرّار و کرد / سلسلہ در سلسلہ درہم مرا
حورِ ارم ہر سحر و ہر مسا / داد رسا ہمسر و ہمدم مرا

درد مرا ہمدم وارستہ کرد
داد دہِ عالمِ آدم مرا

غزل یک حرف با نقطہ و یک حرف بے نقطہ

شوخِ آذر فگن کجا باشد / زلفِ پر شکن کجا باشد
جانِ من سیم بر بسے دیدیم / چو تو نازک بدن کجا باشد

چو بر خوب و چون لب مے رنگ   یمن و نسترن کجا باشد
شد ز ہجر تو جعفری رخ من   اشک پر خون من کجا باشد
چون کنم چون من از ستم خو چرخ   بوفا بر زمن کجا باشد

کرد وارستہ طرز صنعت فوق
مثل او خوش سخن کجا باشد

در صنعت کہ لب بہ لب نمی پیوندد

اے رخت غیرت چنان گشتہ   خنجر عشوہ ات سنان گشتہ
سینہ ات صاف تر ز آئینہ است   دیدہ ات نرگس فتان گشتہ
قد تو سرو و خد تو لالہ   تن تو رشک گلستان گشتہ
خوے تو آتش است و زلف تو دود   روے سرخ تو دلستان گشتہ

گاہ وارستہ را نظر بکنی
عین الطاف تو عیان گشتہ

غزل منقوطہ

چنین جبین بت چینی بہ بین   زیب ذقن بیش ز بینی بہ بین
بخت شفیقش بیقین بیش بیش   بے غضبی فیض نہ بینی بہ بین

نقش جبین زینت وارستہ بیش
بخششش بے غش بہ یقینی بہ بین

گروہے بت پرستی پیشہ کردہ   وزان انوار حق اندیشہ کردہ
گروہے خویش را خوانند ترسا   گروہے پیرو عیسی و موسی
گروہے در رہ اسلام پویان   مجاہد ہاے احمد باز گویان
بساکس زان میان بے ریب و بے شک   ثنا خوان علی ہستند و بوبکر

گر این افضل دراں بہتر چہ حاصل — از اسرارِ حقیقت جملہ غافل
گروہ شاہ نانک ورد دارند — قدم در راہِ حکم او سپارند
جداگانہ سلوکے یاد دارند — بدینساں رہروانِ بیشمارند
غرض ہریک بکارِ خویش ہشیار — بہ تقی کیش یکدیگر روا دار
مگر صاحبدلاں کیشاں امین اند — بصدقِ جان و دل قادر برین اند
یکے دانست بے تشبیہ و بے یار — کہ نورِ اوست در ہر شے پدیدار

ہر آنکہ بردپے براصل اسرار
نشد بر رنجشِ مورے رواوار

کیست کہ از گردشِ گردون دوں — جام عیاتش نشدہ واژگوں
ہر کہ بہ انصاف سرے بر فراشت — ماند ز آفات و حوادث مسئول
وانکہ بر پد عتِ خود برگماشت — رفت ازیں دار بحسرت برول
چہ خوش فرمود استادِ خردمند — زبہرِ زرپرستاں نکتۂ چند
ببیں قاروں چہ برد از گنج دنیا — نیرزد گنج دنیا رنج دنیا
درم داری کہ در سختے در آید — سروکارش بہ بد بختی بر آید
کسے کو مالکِ دینار باشد — بود لازم کہ برخوردار باشد
گر آید سائلے بر در گہِ او — کشاید دل نیارد چیں در ابرو

خصوصاً بر جہانداران ذیشان
بود واجب بہر کس بذلِ احساں

بیا اے باغباں اندیشہ فہمائے — درِ بربستۂ گلزار بکشائے
مغنی لحن داؤدی برآور — گل آمد تاج بہبودی بسر بر
بیا ساقی بدہ رطلِ گرانم — کہ از اندوہِ دوراں سرگرانم

مدار از ہیچ نوعے گرد بر دل — کہ شد از فضل یزداں حل مشکل
تو نیز اے بلبل پاکیزہ گوہر — ز سر مستی ندائے خوش برآور

مبارک مقدم نوروز باشد
طرب اندوز و جاں افروز باشد

قطعہ

آں خدائے کہ خود بہ یکتائے — خالق مومن است و ترسائے
چہ بمسجد چہ خانقاہ و چہ دیر — نور پاکش بجلوہ آرائے
کفر و دیں را بہم در اندازد — ہر یکے را بہر و بخود رائے
گہ بمسجد شرف دہد ز سجود — کفر را گہہ دہد توانائے
دیدۂ معرفت چو گردد باز — خود تماشا و خود تماشائے
طالبا رستگار ربت ہوشست — ساز کار رے کہ سازگار رائے

نیست حد کس برب العالمیں — باز گوید یا چناں کن یا چنیں
مالک و مختار یک ذات است و بس — در علوش نیست کس را دسترس
خود بسوزد خود بسازد خود دہد — خود بگیرد خود نشیند خود جہد
ہر چہ خواہد خود کند مقدور اوست — ماہ و خور یک ذرہ از نور اوست

عقل کل را در حریمش بار نیست
غیر او کس محرم اسرار نیست

از کعبت ہر کس خدا نمی نگیرد او نیست — از تو کار کسے غیر خدا اگر نیست
ایں چنیں در رہ کہ در رفتہ جا تفرستہا — چارہ جبر است بجز جبر علاج نیست

قطعہ

از بزم طرب بادہ گساراں رفتند — بے ہیچ بہانہ و گلہ ہا ازاں رفتند
افسوس ہمیں است در میاں بو ہر تہ — ما با کہ نشستیم کہ یاراں رفتند

قطعہ

ہر آنکہ زاد دریں دیر بے ثبات بمرد | ندیدم و نشنیدم کس از اجل جاں برد
خوشا کسے کہ ز غمہاے ایں جہاں وارست | بعجز روے ارادت بسوے حق آورد

قطعہ

چو قسمت را بخلق آوازہ دادند | بہر کس ہر چہ شاید باز دادند
یکے را خاطرے با عیش دمساز | یکے را جان غم پرواز دادند

قطعہ

بدنیا دل نہ بندد ہر کہ مرد است | کہ دنیا قلزم اندوہ و درد است
کنارہ جو ازیں دریاے خونخوار | ہر آنکو میشود یکتا و فرد است

قطعہ

دنیاست کہ آرام درو پیدا نیست | شادی و غمش سر بسر پا بہوا نیست
گر عمر بخوشدلی رود نیست حباب | یکدم کہ بہ غم میگذرد جاں فرسا نیست

در صنعت مفردہ

از درد دورم دوروے دارم | دل داغ و رخ زردے دارم
داروے داد داورِ دادار | دُرج دلِ دور از دُرِ آزار
سر فگندم درر ہے یعنی کہ خاک پاست ایں | میروی فارغ ز من بیننے چہ استغناست ایں
آہوے مست است چشمت یا غزالِ دشت چیں | یا سیہ مستِ شرابِ ناز یا شہلا است ایں
منبع نوش است یا سرچشمۂ آبِ حیات | معدنِ لعل و گہر یا لعلِ شکرخاست ایں
نونہالِ باغ رحمت یا سہی سروِ چمن | یا بلاے آسماں یا آں قدِ بالاست ایں

ہر کہ با ما میرود بدنام عالم میشود
اے معزز دور شو وارستہ رسواست ایں

بر تنِ چوں سیم ایں گلگوں قبا میزیبدت | اے سر من خاک پا جانم فدا میزیبدت
بہر تسخیر دلم اے ظالم بے مدادگر | حلقہاے گیسوے بس خوشنما میزیبدت
کے تواں بستن حنا بر دست و پاے نازکت | رنگِ لعلِ ناب ہم دانم کجا میزیبدت

از لطف اے سرت گردم نگاهِ جلوهٔ کیں اداے خوشنما گاہے بما میز پیدت

آمدی و آرسته سویم بردهٔ از جا مرا
بهر تسخیرِ دلم زلفِ دوتا میز پیدت

در تعریف بهار کشمیر

بهار است اے بلبل نغز گوے — بسوے چمن از طرب آر روے
بهر شاخ گل شاد و خندان نشیں — گلِ عیش از باغِ عشرت بچیں
بهار است اے عندلیبِ چمن — صلاے نوی ده بعیشِ کهن
که گل در گلستان بفرطِ نشاط — به تختِ چمن ریخت طرح نشاط
بهار است اے هدهدِ نامه بر — دل از کف مده بر گشا بال و پر
ببر نامهٔ گل سوے باغبان — که خود را ز رنج و محن وارهان
بهار است اے مطربِ خوش ادا — بزن بر بط و چنگ و بر کش نوا
بهار است اے ساقیِ باده نوش — بکش پنبهٔ غفلت از گوش هوش
بهار است اے زاهد سست راے — بسختی بکوش و بشادی گراے
به میخانه در عاشقانه در آ — در فیض بر روے خود وانما
بیا اے سخن سنج فرخنده خوے — ز دوقِ و پری قصه ها بر مگوے
کنوں وقت شادی غنیمت شمار — که کس را خبر نے ز فرداے کار
بیا اے صبا و بیا اے شمال — بپاے طرب فرق غم را بمال
که نوروز فیروز شد جلوه گر — جهان خلعت تازه کرده ببر

غزل چار پاره

بتے دارم بسا ماسے — برنگ و بو گلستانے — برخ صبحے بمو شامے — مے آشامے غزل خوانے
بسا ماسے قمر روے — سمن بوے چمن کوے — خنگوسے چه جادوے — جفا جوے وفا داسے

برنگ و بو سمن بوے　چو دُر دنداں بلب مرجاں　بقد سروے بخد مہرے　پری چہرے فلک شانے
گلستانے چمن کوے　بلب مرجاں بلاے جاں　مہے تاباں بقد سروے　چو گل خنداں خوش الحانے
برخ صبحے سخن گوے　بقد سروے مہے تاباں　دہن تنگے بدل سنگے　چہ نیرنگے بلا رانے
بموشامے چہ جادوے　بخد مہرے بقد سروے　بدل سنگے برابرو چیں　ز دُرج لب دُر افشانے
مے آشامے جفا جوے　پری چہرے چو گل خنداں　چہ نیرنگ ز دُرج لب　شکر ریزے ستمرانے
غزلخوانے زوفادانے　فلک شانے خوش الحانے　بلارانے دُرافشانے　ستمرانے دل و جانے

جواب

بتے دارم بسامانے　برنگ و بو گلستانے　برخ صبحے بموشامے　مے آشامے غزلخوانے
قمر روے کمر موے　سمن بوے چمن کوے　سخن گوے چہ جادوے　جفا جوے وفا خوانے
مہے تاباں بلاے جاں　چو در دنداں بلب مرجاں　بقد سروے بخد مہرے　پری چہرے فلک شانے
غزلخوانے بدل سنگے　بکف چنگے خوش آہنگے　نگارینے حنا چنگے　چہ نیرنگے بلا رانے
بقد سروے برخ زیبا　بچشم آہو کماں ابرو　شکر پاسخ نکو نامے　زباں شیریں سخندانے
بخد مہرے برابرو چیں　چو گل رنگیں بخو آئیں　بتن سیمیں قبا زریں　ز دُرج لب دُر افشانے
خوش آوازے پُر از نازے　ادا سازے دل انبازے　فلک تازے چو شہبازے　بہ کبک دل ستمرانے

چو وارستہ بلے باشد گرفتارش کجا چوں اُو
کند قرباں بصدقِ دل بہ آں مہوش دل و جانے

اگر کافر ز بت آگاہ بودے　کجا از راہِ حق گمراہ بودے
مسلماں گر بدانستے کہ بت چیست　بدانستے کہ دیں در بت پرستی است
اگر گبر است در آتش پرست است　خیالے در دلِ خود نقش بست است
عزیز آنکہ واحد را پرستند　ز فکرِ کفر و دیں فارغ نشستند
تسلی دادہ ہر کس را بہ رنگے　ز آتش نیست خالی ہیچ سنگے

در صنعت کہ یک لفظ با نقط و یک بے نقط

یقیں کہ زیب دہد بخشش اہل نیّت را		غنی دوام بجنّت رود ز فیض کرم

در تعریف چاے

از پاکی مشربش چگویم		ہر چند کہ زادۂ خطائی است

ایضاً

چاے است کہ رشک مے نابش بینی		مرغوب مزاج شیخ و شابش بینی
کیفیّتِ او بسکہ کند رفع خمار		بیدار شوی اگر بخوابش بینی

قصۂ ستی نامہ معروف بہ مثنوی سوز و گداز

الٰہی شمع جانم را بر افروز		منوّر کن دلم چوں مشعل روز
درخشاں کن چو سینا سینہ ام را		تجلّی خیز کن آئینہ ام را
زبانم شمع ساں روشن بیاں کن		دُرونم شعلہ وش آتش فشاں کن
ز عشقے بر دلم آتش بر افروز		خس و خار ہوا را اندراں سوز
معطّر کن دماغم از گلِ عشق		مخمّر کن گلِ من از مِلِ عشق
شناور کن بہ بحرِ شوق جانم		زباں در حمد کن گوہر فشانم
خداوندا توئی معبود ہر بود		بذاتِ مطلقت ہر بود موجود
ز خور تا ذرّہ پیدا کردۂ تست		نغش و خالص ہویدا کردۂ تست
گلے خورشید از باغِ جمالت		نمے عمّاں ز دریاے جلالت
تو آتش را دہی ایں سینہ سوزی		تو بخشی آب را ایں جانفروزی
اگر بر لالۂ آتش فتد آب		شود زلفِ بنفشہ زود رسن تاب
تو آتش را دہی از آب روغن		گل از شبنم کند ایں نکتہ روشن
ز سوزت گلخنِ جانہا گلستاں		ز عشقت دود دلہا سنبلستاں
چو دیواں وار عشقت از سرِ شوق		دہد پروانۂ دل گرمیِ ذوق
ز دود ہند و زسنے پروانہ کردار		بدل گرمی سیاہ و شانہ بر نار

زنم بر آتشِ اندیشه پا وے ‌ کنم سر قصهٔ آتش نژادے
جوانے بود در اقصاے کشمیر ‌ نکو روے و نکو خو نیک تدبیر
دلش پروانه وار از عشق سوزان ‌ رخش چون شمع از شادی فروزان
ز سوزِ سینه پر آتش کنارش ‌ که خود آتش پرستی بود کارش
نهادش برق خاشاک تمنا ‌ دمِ او صرصرِ خاکِ تمنا
تنش کاشانهٔ جانانهٔ شوق ‌ سرش سودائیِ افسانهٔ شوق
سرشکش آب گلزارِ محبت ‌ خلیده در دلش خارِ محبت
همه شب آه و سازِ درونش ‌ همه روز اشک همراز برونش
کبابِ آتشِ غم سینهٔ او ‌ الم خاکسترِ آئینه دراو
لبش در زیرِ گفتارِ محبت ‌ زبانش شعلهٔ نارِ محبت
ز صهباے حقیقت پر ایاغش ‌ ز نورِ معرفت روشن چراغش
رخش فانوسِ شمعِ روشنِ حسن ‌ قدش نورسته سروِ گلشنِ حسن
جبینش ساده ابرویش کشاده ‌ میانش قشقه پرکار او فتاده
نسیمِ گل هوا دارِ گلِ او ‌ هواے بوے گل از سنبلِ او
دو زلفش برده زنار از برهمن ‌ فگنده شیخ مسجد را به کودن
زده آتش رخش در سینهٔ گل ‌ خم زلفش شکسته پشتِ سنبل
قمر آئینه دارِ خوبیِ او ‌ صنوبر فاخته خیزِ طوبیِ او
ز چشمِ کافرش صد خانه ویران ‌ ز خالش صد مسلمان نامسلمان
نگاهش ناوک اندازِ جفا بود ‌ چو دورِ آسمان بس بیوفا بود
نه بُد هیچ چو جبینش چشم بینی ‌ عصا در دستِ هر بیمار بینی
میانِ چهره بینی خوشنما بود ‌ مگر شق القمر خورشید را بود

لبِ او بادہ نوش از خونِ یاقوت — دہانِ نوش خندش قند را قوت
دہانش تنگ تر از غنچۂ گل — زبانِ او سخن آموزِ بلبل
حدیثِ گردنِ او چوں کنم سر — تعالیٰ شانہ اللہ اکبر
چگویم زاں کفِ معجز نمایش — حنائی گشتہ کاغذ از ثنایش
حلب زاں سینہ آب از شرم ریزد — کہ آں از سیم و ایں از سنگ خیزد
چگویم زاں فروزاں ساقِ سیمیں — چو شمعے در لگن فانوسِ بلوریں
کفِ پائے چگویم چشمِ بد دور — بخوبی یک قدم بیش از رخِ حور
بایں خوبی بایں شوخی بایں ناز — بنازِ بے نیازش بود دمساز
شبے کز خوابِ ناز او دیدہ میدوخت — ببالینش چو شمع استادہ میسوخت
نیاسودے بہ یکدم بے رخِ یار — رسا ندے ہجر آتش بر سوختن کار
ہمہ شب گردِ آں زلفِ چلیپا — جگر ویدے بصد دل شانہ آسا
بدینساں آں دو ہمراز ہم آواز — نمودہ ساز مہرِ یکدگر ساز
گہے دل را بشادی شاد کردند — دراں شادی خدا را یاد کردند
سر آمد زیں نمط چوں روزگارے — سپہر از کینہ برپا کرد یارے
ز نیرنگی چناں آتش برافروخت — کہ جانِ ایں دو یکدل در نفس سوخت
فتاد آں نوجوانِ لالہ رخسار — چو چشم نو عروسِ خویش بیمار
سپاہِ تپ در آمد تند و سرکش — بہ اقلیمِ وجودش در زد آتش
ز قصرِ سینہ تا کاشانۂ جاں — رسید آتش فشاں ایواں بہ ایواں
شبستانِ دل و خلوت گہِ سر — سراسر پیمہا یا سوخت یکسر
چناں در استخواں تب سرکش افتاد — تو گوئی در نیستاں آتش افتاد
عیاں شد رنگِ سوسن از زبانش — نہاں شد بوئے سوسن در دہانش

مے آشام لبش بتخانه گردید — خراب از ناله برگ لاله گردید
ز هر جانب طبیبان جمع گشتند — همه پروانهٔ آں شمع گشتند
ز هر در باب حکمت بر گشادند — بفکرِ چارهٔ کارش فتادند
یکے داغِ زبانش دید و بشمرد — که داغ از برگ لاله چوں تواں برد
یکے در چشم زردش دید و گفتا — چساں یرقاں رود از نرگس ما
یکے نیلی عذارش دید و گفت آه — کجا خیزد کلف از چهرهٔ ماه
سخن کوتاه دانایانِ حکمت — ندیدندش ز چاره روے صحت
همه از چاره اش پرهیز کردند — ز مرگش شربتے تجویز کردند
چو دانست آں مهِ خورشید رخسار — که روزِ روشنش گردد شبِ تار
بروں آمد ز خلوت جامه زد چاک — بسر بر یک بیاباں خاک و خاشاک
ز نرگس اشکِ گلگوں ریخت گلگل — بخرمن ها ز سر برکند سنبل
چو مظلوماں ببالینش گذر کرد — ز حسرت در سراپایش نظر کرد
بگفت اے ابرِ نیسانِ امیدم — چمن بندِ گلستانِ امیدم
کدامیں صرصرِ تند ایں ستم کرد — که شمشادِ ترا چوں بید خم کرد
کدامیں بادِ سخت آفت رسانید — که سوسن از گلِ رویت دمانید
کدامیں آهِ سرد ایں آتش افروخت — که جسمِ نازکت را چوں قلم سوخت
من و زیں پس چو بلبل ناله کردن — برنگِ گل جگر پرکاله کردن
خروشیدن چو رعد از بیقراری — گرستن زار چوں ابرِ بهاری
چناں سازم سیه از آه عالم — که صبحِ روزِ محشر زند دم
فشارم حلقِ خود از طوقِ گیسو — نیارم رحم بر خود یکسرِ مو
کنم با خاطرِ ناشاد فریاد — دهم صورِ قیامت خلق را یاد

باین زاری بت بے صبر و آرام
سیہ میکرد روز از صبح تا شام

چو خورشید آسماں را کرد پدرود
سواد شب زمیں را ساخت چوں عود

فلک از اشکِ غم پُر کرد داماں
بسانِ چشم گریانِ یتیماں

بساط آرائے بزمِ بیقراری
قدم در راہِ دشت جانسپاری

سبک از خوابِ شیریں دیدہ بربست
ز تلخیہائے آشوبِ جہاں رست

سحرگہ چوں بعادت موبد روز
بہ کانونِ فلک شد آتش افروز

بماتم یک بیاباں حلقہ بستند
بہم در حلقۂ ماتم نشستند

دراں حلقہ بتِ آشفتہ ساماں
گریباں چاک کردہ تا بداماں

بحسرت ہر زماں چوں ابر گریاں
ز سرتا پا برنگِ برق عریاں

بزاری گفت با آتش پرستاں
خدارا ہمتے بر زیر دستاں

کہ من در عشق ایں دلدار یکرنگ
ولے دارم بساں چشم خود تنگ

نمی گنجد دریں دل صبر و آرام
بود آرام مشکل بے دلارام

دلارامم کہ از عالم سفر کرد
بہمراہیش خواہم پا ز سر کرد

چو زینساں آں مہ ایں لولوے رخشاں
نمود آویزۂ گوشِ حریفاں

دلِ شاں زیں سخن زیر و زبر شد
دراں آشفتگی آشفتہ تر شد

ربود از چشم شاں یکبارگی خواب
ز سر ہوش و ز دل عقل و ز تن تاب

بناخن سینہ ہا را ریش کردند
فغان و نالہ بیش از بیش کردند

چو گل صد پارہ کردہ جامۂ جاں
چو بلبل با ہزاراں آہ و افغاں

چو بدمستاں بخاکِ رہ فتادند
بزاری سر بپائے او نہادند

بگفتندش کہ اے دل دادہ دل تنگ
جگر خوں کردہ از غم سینہ از سنگ

کسے بر خود چنیں تاواں نسازد
ز بہرِ مردہ کس جاں نہ بازد

دلت دانیم بے او ناصبور است — کہ وصلِ جسم و جاں باہم ضرور است
بہ نارِ ہجرِ او میسوز و میساز — خیالِ او بدل میساز و مساز
صبوری کن ازیں اندیشہ برگرد — دل با خوں میفزا درد بر درد
زبہرِ تو ہمہ جانہا بسازیم — مہیا ہر چہ میباید بسازیم
چو بشنید ایں سخن آں لعبتِ پاک — زسوزِ دل کشید آہِ شغبناک
بگفت ایں آرزو بے اختیار است — رضائے من رضائے کردگار است
زیک حرفش ہمہ خاموش گشتند — سراپا ہوش و یکسر گوش گشتند
پس آنگہ زاں میاں برخاست پیرے — دبیرے نکتہ دانے نکتہ گیرے
بگفت از مکرِ گردوں پُرحذر باش — کہ دیوت راہزن شد پُرخطر باش
چنیں رسم است کیں چرخِ جفاکیش — گہے مرہم دہد گاہے دہد ریش
ازیں تشویش بگذر ایں محال است — کہ خودسوزی بہر ملت وبال است
چنیں آشفتہ و غمناک بودن — زدین و از جہاں بیباک بودن
چو بشنید ایں سخن زاں پیر آں ماہ — برآشفت و کشید از سوزِ دل آہ
بگفتش کائے مدبر مردِ دانا — بعقل و ہوش بر ہر کس توانا
خطا باشد خطا کیں چشمِ غماز — کزیں پس ہر دم آزاری کند ساز
خطا باشد سر ایں زلفِ پُرچیں — بدستِ شانہ بے آں دستِ سیمیں
دلِ پاکم ز نام و ننگ ترسد — کہ آید شیشہ ام بر سنگ ترسد
نہ چشمم کاندریں خاکِ خطرناک — بجز داماںِ دریا دامنے پاک
ہمہ سرمست جامِ شادکامی — فراموش کردہ نامِ نیک نامی
گدازم خانۂ آئینہ بے نور — ز خورشیدِ جمالِ خویشتن دور
کنم بتخانۂ خود را نشیمن — بتے را می پرستم چوں برہمن

گل آورد از نرگس سید ہم آب — بخود بر تلخ گردانم شکر خواب
کنم لب از سخن چوں غنچہ خاموش — ندارم بر حدیث این و آں گوش
ہمہ بہتر کز بن دریاے حائل — رسانم کشتیِ خود را بساحل
کنم با بلبلِ خود با دلِ خوش — تماشاے بہارِ باغِ آتش
بچشمم خوشتر از گلنار نار است — شمار و نار رہر کو خامکار است
نہادم را کہ از آتش خمیر است — سمندر روش ز آتش ناگزیر است
نسازم تا نسوزم پیکرِ خود — نخسپم تا نیابم دلبرِ خود
ز آتش چوں سمندر سر نتابم — تپِ ہجرانِ دلبر بر نتابم
چو برگفت این سخن ماہِ دل افروز — ز دلہا جوش زد آہِ جہاں سوز
بر آمد بانگ ماتم شور شیون — ز ہر سو ہمچو ناقوسِ برہمن
زمین از اشکِ گلگوں گشت گلشن — ہوا از دود آہِ گرم گلخن
اجازت داد مو بدکام و ناکام — کہ وصلِ آب و آتش باد پدرام
پری پیکر چو حرف وصل بشنفت — ز خجلت مانند برگِ لالہ بشگفت
بزرگانِ طریقت را بفرمود — کہ بر سازید سازِ دلبرم زود
شما باشید زیبساں شاہ پرداز — کہ من سازِ عروسی میکنم ساز
بگفت ایں و چو سرو از جاے برخاست — ز ہر نقشِ قدم بستانے آراست
دروں شد در شبستاں شاد و خورم — بروں کرد از بر خود رخت ماتم
بپوشید اطلسے رنگیں تر از گل — ز مشکیں مو برو بگذشت سنبل
رخ از گلگونہ رنگیں کرد چوں گل — لب از پان چوں لب پیمانۂ مُل
دو مشکیں طوق را افگند بر دوش — دو قوسِ عنبریں زہ کرد تا گوش
غزالِ مست کرد از سرمہ طناز — بیاباں در بیاباں عشوہ و ناز

بگردن در فگنده از زلف زنّار / جبین ساده کرد از قشقه پرکار
برنگے بر سرِ انگشتان حنا بست / که گوئی شاخِ مرجان رُستش از دست
بایں آئیں بایں زیور بایں ساز / بایں شوخی بایں خوبی بایں ناز
بکف مالائے از یاقوت و گوہر / بسانِ زاہدانِ پاک گوہر
برآمد چوں مہِ تابنده از در / مئے ذوقِ وصالِ یار در سر
زہر سو نعرهٔ ناقوس برخاست / خروشِ زنگ و بانگِ کوس برخاست
سیہ پوشان زغم افغان و خیزان / بحسرت اشکِ سرخ از دیده ریزان
چنان زد آه سرد از سینه ہا سر / که گوئی گرم شد بازارِ محشر
لبِ ہم مشرباں با ناله دمساز / درونِ بیدلاں با آه ہمراز
بپا کردند نارِ شعله انگیز / ز دودِ عود و صندل عنبرآمیز
پری پیکر نگارِ شعله کردار / وفا پرور عروسِ لاله رخسار
رواں شد ہمچو آتش بر لبِ آب / که از آب آتشِ خود را دہد تاب
ز آبِ اندام خود را کرد سیراب / برآمد چوں گلِ خورشید از آب
نخست آں خاکِ آتش مرده از باد / بخوابانید در آتش چو شمشاد
پس آنگه قامتے چوں شعله سرکش / دوتا کرد از پئے تعظیمِ آتش
ببوسید آتش از تعظیم پایش / برنگِ شعله بر سر داد جایش
سرِ جانانه بر زانو نہادش / لبش بوسید و رو بر رو نہادش
ز دلداری چناں در بر کشیدش / که جاں در تن ز جسمِ خود دمیدش
چو ز آغوشش حصولِ مدعا کرد / زباں بر انجمن گرمِ دعا کرد
شبِ ہر سوگوارے خنده زا کن / دلِ ہر بیدلے عشرت فزا کن
سرِ ہر خاکسارا از خاک بردار / شبِ ہر تیره روزے را بروز آر

بآتش گفت انگ کاے جگر سوز | ز روے لطف چوں رو یم برافروز
چناں شد از دم او شعلہ سرکش | کہ ور دم کرد خاکش ہمچو آتش
ز قیل وقال دنیا اکتفا کن | مناجاتِ جنابِ کبریا کن
الٰہی برفروزاں شمعِ جانم | تجلّی خیز کن طورِ روانم
بنورِ معرفت طبعم برافروز | ورو تم رانما چوں مشعلِ روز
توئی ظلمت زداے تیرہ روزاں | توئی مرہم فروزاں سینہ سوزاں
چراغِ دیدہ ام راساز روشن | کہ تا یابم فراغ از مائے و من
ز اندوہِ جہاں وارستہ گردم | براہت پا ز سر پیوستہ گردم

پئے تاریخ ایں ہنگامۂ زشت
ندا از غیب آمد دور برگشت
۱۱۳۲

کردہ نقاش خوش تماش بہار | ورقِ دشت و صفحۂ گلزار
از تصاویر لالہ و سنبل | ثانیِ خلد و ثالثِ فرخار
میبرد دل بغمزۂ جادو | طرفۃ العین نرگسِ بیمار
بہواداریِ صبا و شمال | سبز گردیدہ بید و سرو و چنار
درچنیں موسم طرب انگیز | بنواحیِ کوچۂ و بازار
باہزاراں ترانہ بلبلِ مست | شعرِ استاد میکند تکرار
چشم بکشا کہ جلوۂ دیدار
متجلّی است بر در و دیوار

ولہ

دنیا کہ بکس وفا ندارد | کارے بجز از جفا ندارد
ہرکس کہ باصل می برد پے | کے رنجہ شود ز پنجۂ دے

وحشی ۔ پنڈت بشمبھر ناتھ ریُّو صاحب دہلوی

ہم اپنے جوش پہ جب چشم تر کو دیکھتے ہیں
حباب سان فلکِ فتنہ گر کو دیکھتے ہیں
کہاں کا عشق کسے اُنس اور کیسی چاہ
یہ گلعذار فقط ابنو زر کو دیکھتے ہیں
یہ جوش آتا ہے عنقا کے باندھ لائیں پر
کبھی تمھارے جو موے کمر کو دیکھتے ہیں

وفا ۔ پنڈت دیا ناتھ سپرو صاحب خلف پنڈت منسارام سپرو صاحب ۔ بریلوی

حضرت وفا کی مختصر کیفیات کا ایک قلمی مجموعہ مولف کو دستیاب ہوا ہے جس میں تصنیفات ذیل شامل ہیں۔

جامِ جم ۔ رقعات فارسی

وقائع روزگار ۔ یعنے حالات سیر و سیاحت راجپوتانہ و میواڑ و مالوہ۔ ۲۵ ۔ رجادی الثانی ۲۵ ۔ ۱۲ ھ سے اس سیاحت کا آغاز ہو کر آخر ۱۲۲۸ھ یا شروع ۱۲۲۹ھ میں اس کا خاتمہ ہوا ۔ اور ۱۲۴۰ھ میں بمقام مراد آباد کُل واقعات سیاحت خود مصنف نے قلمبند کئے۔

مثنوی چراغ دل اردو و مثنوی داغ دل اردو ۱۲۳۴ھ و ۱۲۴۰ھ میں تصنیف کی گئیں ۔ دیوان وفا فارسی ۔ غالباً ۱۲۴۰ھ کے بعد لکھا گیا ہے۔ ناظرین کو تعجب ہوگا کہ وفا نے زمانہ بھر کے وقائع تو لکھ ڈالے مگر اپنے اور اپنے بزرگوں کے سوانح پر ایسا پردہ ڈال رکھا کہ تصنیفات بالا میں

کہیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ وفا کے بزرگوں نے کشمیر کو کب خیرباد کہا اور شروع میں ہندوستان کے کس مقام پر پہنچ کر سکونت اختیار کی۔

وقائع روزگار کی تالیف کا ذکر جہاں آپ نے کیا ہے اُس سے البتہ اسقدر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی عمر عزیز کا زیادہ حصّہ بریلی، روہیلکھنڈ میں صرف کیا ہے۔ آپ نے تمہید میں حسب ذیل گلفشانی کی ہے۔

از انجا کہ دبیر قدرت کاملہ از قلم جواد نقشے بوالعجب بر لوحِ قسمت ہر یکے کشیدہ است لہذا نیاز مند دیانا تھ پنڈت وفا کشمیری از مقام دل نشین بریلی ملقب بہ روہیلکھنڈ بہ ارادہ سفر و سیر اقطاع دور دست و دید وا دید صحبت رنگین ہر مقام و شوقِ استماعِ سخنِ مقرّرانِ خوش کلام چون جادہ پیمائی اختیار کرد۔۔۔

آپ کے دیوان کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ آپ کا کلام آسنا دانہ ہے۔ اور سلاست و فصاحت بلیغ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ زبان فارسی میں آپ کو دستگاہ کامل تھی اور اردو میں بھی آپ کی خوش بیانی دل کو لبھاتی ہے۔

درآمد چین برابرو تیغ درکف قاتلِ دلہا — کشیدہ مدّ بسم اللہ آہ از خونِ بسملہا

اثر در ناقہ از فریادِ مجنوں میشود پیدا — ز دہشت بند میر کاروان بر بند محملہا

زدام کاکلش برپاے دل صد بند می افتد — کجا آں ناخنِ ہمّت کہ سازد حلّ مشکلہا

رسد کے تیر مژگانِ درازش بر دلِ ہر کس — بہ سر نا قابلے نتواں کشیدن بار قابلہا

فرو ماندم بدریائے الم چون نقطۂ مرکز — مقامم حلقۂ گرداب شد دورم زساحلہا

زبدمستی بسانِ خواجہ شد طبع وفا مائل
الا یا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا

زدم آتش زسوزِ سینۂ خود گلستانے را — زداغ دل خجل کردم بہارِ بوستانے را

نمیدانم زمن آزردہ خاطر چوں شدآں کافر — الہٰا مہرباں سازی بمن نامہربانے را

چو بلبل از تپِ ہجراں ازاں آتش زباں گشتم
که تا از سوزِ دل پیشِ تو گویم داستانے را

بدانی قدرِ من روزے ترا معلوم خواہد شد
مرنجاں کافرا بیدیں چو من آزردہ جانے را

پس از مردن که داغِ دل زِ خاکستر شود پیدا
ہمه عالم بسوزد آتش از اخگر شود پیدا

زِ طوفانِ سرشکِ چشمِ من برہم شود عالم
زِ فریاد و فغانم شورشِ محشر شود پیدا

مگو او را که به گردید زخم بسلت لے دل
که بہرِ قتل باز از ابرویش خنجر شود پیدا

بتِ مغرورِ من اندیش از جور و جفائے خود
که روزِ حشر بر تو ہم کسے داور شود پیدا

وفا دیوانگی ظاہر مکن ورنه به تدبیرش
رگِ جانِ ترا از ہر مژه نشتر شود پیدا

میخروشیم از جفائے طرّه میجوشیم ما
از تعلّی فغاں با چرخ ہمدوشیم ما

سرمه را تا آں سیه چشمم بچشم خود کشید
از سیه بختی لباسِ تیره می پوشیم ما

طاقتے داریم بخروشیم از سوزِ درول
از مزاجِ نازکش چوں غنچه خاموشیم ما

ہر چه آمد بر سرم از نیک و بد بگذشت و رفت
اے وفا از یادِ سختی ہا فراموشیم ما

سنگ دل را رحم نامد ہیچ بر زاری ما
خم زکاکل کرد وا بہرِ گرفتاریِ ما

سوختم از حسرتِ ایں درد و غم بس سوختم
گر نه کرد آں فتنهٔ مغرور غمخواریِ ما

کشتیِ امیدِ ما از نا خدا پروا نه کرد
بُرد از یکسو بدیگر سو سبکساریِ ما

تارِ زلفش حلقه زد بر گردنِ جانِ اسیر
چینِ ابرویش گره زد بر دلِ آزاریِ ما

در تنم باقیست یکدم از نفس ایجاں بیا
شامِ یلدائی مرا چوں صبح اے جاناں بیا

از محیطِ اندیشه تا کی بر لبِ جو نه قدم
گر نمی آئی بدل در دیدهٔ حیراں بیا

سینه را چوں صفحهٔ آئینه کردم صاف و پاک
مہرِ عالمتاب من اکنوں دریں میداں بیا

شورِ محشر میکند برپا دلِ نالانِ ما　　جوش می آرد ز طوفان دیدهٔ گریانِ ما
ما نمیدانیم عکسِ کیست در چشمانِ ما　　این قدر دانیم گل میروید از مژگانِ ما
همصفیرانِ چمن گمنام چون بلبل نئیم　　از دهانِ غنچه آید هر نفس دستانِ ما

اے که هر داغِ دلم چون غنچهٔ گل تازه است
دست رس صرصر نیابد بر سرِ بستانِ ما

از مهرِ بتان در تب و تابست دلِ ما　　چون شمع سراپا همه آبست دلِ ما
نالیدنِ ما نغمه سرائیدنِ ما شد　　تار از رگِ جانست و ربابست دلِ ما
از آتشِ داغم جگرِ من همه آنست　　دریا جگرِ ما و حباب است دلِ ما
از دلِ خود چو برکشم در شبِ هجر آه را　　دودهٔ او سیه کند روے سپیدِ ماه را
از رهِ جور باز آ و از سرِ قتل در گذر　　ماه رخا ز مهر بخش بندهٔ بیگناه را
غنچه لبا مکن سخن شور بگلستان فگن　　از لبِ غنچه گوش کن نعرهٔ واه واه را
من خجلم ز جرمِ خود بخششِ تو پناهِ من　　داد رسا کنون مگیر این دلِ عذر خواه را

اے بهوائے جلوه ات جاں بلبم رسیده است
جلوه بده به جلوه گه جلوهٔ گاه گاه را

تا چشم برآورد ز مژگان جگرم را　　خلقے است تماشائی گلهائے ترم را
گر باد نسیمے ز سرِ زلفِ تو آرد　　سازند از آن لخلخهٔ دردِ سرم را
تکلیف نه سازید طبیبان به علاجم　　آگاه کنید از تپِ من بے خبرم را
عشقِ تو دگر بر طرفِ کوه و بیابان　　سر داد سرِ خاطرِ شوریده سرم را
یارب ز غمش جانِ من آمد بلبِ من　　آرید خدا را به سرم جلوه گرم را
خندان بسرِ لاشهٔ من آمد و میگفت　　بینید تماشائے قتیلِ نظرم را
صد شکر وفا منتِ دونان نه کشیدم　　بے برگیِ من کار کند برگ و برم را

نگہ دار از کدورتہاے دنیا آئینم را | غبار آلا مکن از گرد محرومی جبینم را
نکردی رحم بر بیچارۂ مسکین و محزونے | بگرداب بلا انداختی جانِ حزینم را
زیک ایمائے چشم سحر سازے آں کافر | شکیب و صبر و تاب و طاقت و آئین و دینم را
بچشم سرمہ سایش تا نگاہے کردہ ام پیدا | ازاں روزے بروزِ تیرہ راہے کردہ ام پیدا
مداں ایں آہ را اے سرو دل چوں نالہ و شیون | کنوں از دل من آتشبار آہے کردہ ام پیدا
زلب آہ و زجاں سوز و ز چشم اشکے و خون از دل | پئے تسخیر آں دشمن سپاہے کردہ ام پیدا

وفا در خاکساری از ہمہ ہم چشم و ہم بازو
طفیلِ سیدِ خود عز و جاہے کردہ ام پیدا

نہ ہوائے سیر بستاں نہ سر بہار ما را | ہمہ لالہ زار دارم ز سرشکِ خود قبا را
نکشا گرہ ز کاکل مشکن دلِ حزینم | ز جفا و جور باز آ بنواز بے نوا را
تو اگر ز من نسازی ز غمت بیاس سازم | ز ہوس کنارہ گیرم بہوا و ہم ہوا را
بشبے وصال او را بکنارِ خود کشیدم | نہ حجاب بود آں جا نہ مداخلت حیا را

بفراقِ جاں گدازت دل خار خار دارم
نگہے بحالِ زارم بت سنگدل خدا را

کن بر طرف ز چہرۂ زیبا نقاب را | تا چشم بر رخِ تو فتد آفتاب را
بیہوش شد ز نرگس جادو طراز دل | افسوں شکست آہ طلسمِ حجاب را
ہنگامِ میکشی است بکش دست خویشتن | کن سرنگوں بہ بزم سبوئے شراب را

دانی جفا و جور کہ با او چہ کردۂ
گر بنگری ز حال وفا اضطراب را

تیرہ ایامی است از ہجران لبش ناکام را | آہ از ہم فرق نتواں کرد صبح و شام را
ساغرِ دل را ز سنگِ سرمہ بتراشیدہ اند | از شکستن ہم نمی یابم صدا آں جام را

هرزه نالی ها ز لب تا چند می باید وفا
با تو صد جنگ است اکنون گردش ایام را

بسوخت برق نگه خرمن دل و جان را
فروغ داد و گر بار داغ پنهان را
بکوی او بچه امید ناله ها سازم
که گل نگوش کند نالهٔ هزاران را
زیک کرشمه ربایند خوش نگه دین را
بکفر راه نمایند صد مسلمان را
درند جامه و برهم زنند صبر و شکیب
خیال زلف اگر هست خوشخیالان را
وفا ز غصه چو از بزم عاشقان رفتی
قرار نیست به دل جانِ بیقراران را

درجهان اکنون مرا پروائے بدنامی نماند
برگزیدم هرچه بادا باد دین یار را
پیش گل در باغ نرگس لاف خوبی میزند
کاشکے می دید چشم سرمگینِ یار را

کدامے آتش افروزے به بزم یار بود امشب
که گرم از آه سرد او در و دیوار بود امشب
به بزم مے پرستاں دیده آں ترسازادے را
بدوش پارسائے زاهدے زنار بود امشب
ز عکس سنبلِ کافر چمن سیه داشتم دل را
بهار سینهٔ من رشک صد گلزار بود امشب

بجانِ نو بحقیقت کرده ام توبه دگر کافر
مکن از معصیت آلوده دامانِ نماز امشب
شکیب از دل دل از پهلو بود از دل غریبی ها
بیک چشمک زدن آں نرگسِ جادو طراز امشب
جانِ در عجب مصیبت دل در عجب بلائے ست
بیگانه خوست با من با غیر آشنائے ست
در زلف او اسیرم در کام اژدهایم
هر عشوه بلائے هر گام اژدهائے ست
در بزم آشنایاں یارے و آشنائے
در بزم ناسپاساں بیگانه خو وفائے ست

به بزم دوش چو آں فتنهٔ زماں برخاست
نشست درد بدل نالهٔ و فغاں برخاست

بگو صبا بتِ مغرور را که از حسرت
شهید خنجرِ نازِ تو از جهاں برخاست

ز مدتے که نهاں داشت آسماں بحجاب
ز خواب جست چو او حشر ناگهاں برخاست

کدام گل بچمن آمده که از غیرت
پرید رنگِ گل و لاله خونچکاں برخاست

از شورشِ جفائے تو هنگامه گرم شد — هر دوش حشر آه دلِ مضطرِ من است
هر جا که پائے زغبارم قیامت است — هر جا که روکشی زعقب محشرِ من است

شوقِ دیدار پری باز دل و جانم سوخت
یاد آں خالِ لب و زلف پریشانم سوخت

پنبه بر داغ منه سود نباشد ز علاج
داغِ حسرت همه جا سینهٔ بریانم سوخت

سنگ با شیشه نکرد آنچه جنوں با من کرد
خارِ صحرا همه آتش شد و دامانم سوخت

خبرے نیست ترا از تپِ من اے عیسیٰ
دست بردار که درد و غمِ جانانم سوخت

اینکه دامن بکمر بر زده دلدارِ من است — غالباً عشوهٔ آں فتنه در آزارِ من است
اهلِ همسایه مترسید ز آوازِ حزیں — گفتگو نیست که با یار و دلِ زارِ من است
قصهٔ قیس کهن شد ورقِ تازه بخواں — در دبستانِ جنوں رونقِ بازارِ من است

بگذر از قتل وفا ورنہ بروزِ محشر
فاش گویم کہ ہمیں قاتل و خونخوار من است

نہ بلبلے کہ لبِ غنچہ در فسانۂ ماست — ظہور در ہمہ جا رنگِ عاشقانۂ ماست
شگفت گل ز نسیم و ز میکشی ساقی — غم جدائی او ساز و برگ خانۂ ماست
شکستہ پایم و صحرا طویل و ذیل کنول — اساس خانۂ تو فیق آشیانۂ ماست

ناوکِ جنبشِ مژگاں تو دل خواہد و جست
چشمک نرگسِ فتّانِ تو بے چیزے نیست
خال بر عارضِ تو فتنہ گری ہا دارد
حلقۂ زلفِ پریشاں تو بے چیزے نیست
تا نہ ایں اوج بگیرد بخدا می ترسم
گردشِ خاکِ شہیدانِ تو بے چیزے نیست

تیرے کہ از کرشمہ بہ پہلو رسیدہ است — صد جا بدامن از دلِ ما خوں چکیدہ است
در حسن چوں تو ہیچکسے را ندیدہ ایم — قربانِ آں شوم کہ ترا آفریدہ است
ظالم بہ تیغِ ناز چہ حاجت بہ کشتن است — دارم دلے کہ از ستمِ تو طپیدہ است

گر بگذری بخاکِ من آہستہ نہ قدم
کانجا وفا ستم زدہ آرمیدہ است

از علاجِ دردِ ہجرت سوختم — اے علاجِ مستمنداں را علاج

نالۂ دل بر فلک محشر ہویدا میکند — بر سرِ محشر فغانم حشر برپا میکند
حسرتِ گلچینی گلچیں ز سوزِ دردِ دل — بلبلِ خاموش را در باغ گویا میکند
کثرتِ مے آنقدر افروداں بیہوش را — جامِ خالی کرد و اکنوں رو بمینا میکند

نگندہ زلف چو آں گل بدوش می آید | زجان سنبل و ریحان خروش می آید
کہ بستہ است در گلستاں کہ از حیرت | چو غنچہ بلبلِ بیدل خموش می آید
دلا ز دستِ نگارینِ او بگیر و بناز | کہ گل نہادہ بکفِ گل فروش می آید
چرا ملال نباشد مرا کشیدن مے | بدوش جام و سبو بادہ نوش می آید

رسیدہ فصلِ گل و مے بکش وفاؔ ز چمن
نوائے بلبل و قمری بگوش می آید

رحمے بخاطرِ تو گر اصلا نداده اند | دل تنگیے از جفاے تو ما را نداده اند
داری بچشم خویش عجب سحر سامری | ایں جادوے بہ نرگس شہلا نداده اند
معذوری از محبتِ آں مستِ بادہ کش | زاہد ترا کہ دیدۂ بینا . . . نداده اند

از عشق آتشے کہ نہادم گرفتہ است
در آشیانِ بلبلِ شیدا نداده اند

سبو در پاے او افتد بریزد اشک از مینا | ز بزم میکشی گر غیرتِ شمشاد برخیزد
چہ خوش باشد کہ بر مقتولِ خود رحمے کند قاتل | چہ باشد نام بیدادے از آں بیداد برخیزد
اگر آں بے مروت بر مزارِ من گذر سازد | غبارِ من بہ تعظیمش چو سرو آزاد برخیزد

کافرِ زلفِ سیہ تاراجِ ایماں میکند | خالِ ہندوے تو ہندو را مسلماں میکند
آہ از بیدادِ گلچیں آہ در فصلِ بہار | آشیانِ بلبلِ بیچارہ ویراں میکند
از ہجومِ دردِ او دل از شکیبائی گذشت | جیب سازد پارہ پارہ چاک داماں میکند

وحشتِ دل رو بسیرِ کوہ و ہاموں میکشد | سوزشِ آہ و فغانم سر بگردوں میکشد
شورِ رسوائی ما در ہر دو عالم چوں رسید | چادر از خجلت بروے خویش مجنوں میکشد
سالہا ہم بزمِ عیشِ آں پری رو ماندہ ام | حیرتے دارم کہ امشب سر ز من چوں میکشد

لاله از رخسارِ گلگوں داغ بر دل میخورد — غنچه از رشکِ لبِ او جامِ پُر خوں میکشد

نیم تبسّمِ تو مرا قتل میکند — نیم نگاهِ تو بدلِ ما شرر شود
عضوے عدو نکرد ز اعضائے تن مرا — شاید معاونِ دلِ من ایں جگر شود

گریهٔ خواهم که از طغیانیش دریا شود — نالهٔ خواهم که آں در سینهٔ آتش زا شود
جشنِ نوروزے بود آں روز در میخانهٔ — من ز دستش کے کشم او بر سرِ مینا شود

اے وفا از نالهٔ و زاریِ صبح و شامِ ما
کے اثر در خاطرِ آں مست و بے پروا شود

همصفیرانِ چمن فصلِ بهار آخر شد — شد خزاں بر سرِ هر غنچه و کار آخر شد
امشب از نالهٔ دل سوز امید اثر است — است امروز یقینم کہ ایں شبِ تار آخر شد
بر درِ باغ ز دربان چو تعرّض دریافت — سر بدیوار زد و بلبلِ زار آخر شد
دست برداشته ام از سرِ خود در رهِ شوق — سرگراں بودم و صد شکر که بار آخر شد

بهر آزردنِ من فتنه گرے پیدا شد — یا الٰه از سرِ نو دردِ سرے پیدا شد
شامِ غم قسمتِ ما بود پس از عمر کنوں — دور باش دلِ ما را سحرے پیدا شد

نو بهار است یار می آید — بہ غمِ غمگسار می آید
بر سرِ گل خزاں رسید مگر — بلبلِ زار زار می آید
گلعذارا شهیدِ زلفِ ترا — بوئے خوش از غبار می آید
ساغر از مے تهی مکن ساقی — دمِ صبحم خمار می آید
کاکلِ او بخود کشد از دام — کز نگاهش شکار می آید
رحم کن بے مروتم که دلم — از رهِ انکسار می آید

اے وفا غم مخور که آخر کار
نالهٔ تو بکار می آید

بمیانِ من و معشوق حجابے باقیست
نازم آں روز کہ ایں ہم زمیاں برخیزد

بر سرِ حشر بپا حشر شود کاش اگر
از دلِ خستۂ من آہ و فغاں برخیزد

از نگاہم چوں نگہ دُزدیدہ جاناں میرود
بر فلک از جانِ محزوں شور و افغاں میرود

اے مسلماناں خبر گیرید و تدبیرم کنید
دل بدستِ کافرے دادیم و ایماں میرود

بعد مردن نیز از سرگشتگی خالی نشیم
گرد بادِ خاکِ ما سوئے بیاباں میرود

از ہجومِ درد و غم کار از شکیبائی گذشت
کاوشِ خارِ الم بر جانِ بیجاں میرود

کسے کہ از مژہ ات خار در جگر دارد
زکاوشِ جگرے حالتے دگر دارد

خراب کوے ترا کے ہوائے گل باشد
کجا دماغ کہ از بُو دماغ تر دارد

حذر ز آہِ غریبے کہ بر درِ تو کشد
کہ دور باش دلِ بے کسے اثر دارد

مگو فغانِ تو ہرگز بگوشِ من نرسید
زشورشِ دلِ پُر غم جہاں خبر دارد

اگر جنوں ز سرِ شور دست بردارد
نہ جاں بکاہد و نے دل شکست بردارد

شکستِ توبہ کند پارسائے خشک دماغ
سبو بدوش چو آں مے پرست بردارد

اگر بہ بزم زند دورِ چشم میگونش
خمار از سرِ ہشیار و مست بردارد

گر بخوانی بہ بزمِ خویش دمے
قدمِ ما بہ لامکاں باشد

از نگاہِ تو چوں نہ بگریزم
نوکِ مژگانِ تو سناں باشد

در ہوایش بفصلِ گل بلبل
شور از تو زمن فغاں باشد

دوش گفتیم با او نکته ز خواب شمشیر | یافتم از خم ابروش جواب شمشیر
منکه از خنجر ناز تو شدم غرق بخون | میدہی چوں بمن کشتہ عذاب شمشیر
حسن نیکوت دہد صیقل تیغ ابرو | مژہ ات آب خورد از دم آب شمشیر
خواب دیدم کہ شدم بسمل تیغ نگہت | دیدہ محفوظ شد از دیدن خواب شمشیر
یارہندو وشِ من شیوۂ ہندو دارد | کشتہ را سوختہ از برق عتاب شمشیر

کشتۂ تیغ تمنّائے تو گر دید وفاؔ
چہ شود گر شود او مست شراب شمشیر

زسیر سیر نگشتیم و شد بہار آخر | بریم داغ زگلگشت لالہ زار آخر
در انتظار تو صد شام را سحر کردیم | بشوق روئے تو کردیم روزگار آخر
زرنج دادن جانِ غریب و آوارہ | ترا بدست چہ افتاد اے نگار آخر

وفا نساختۂ عہد و قولِ خود ز وفاؔ
کجاست عہد و چہ شد قول آن قرار آخر

بایں تنگ آشیائے کلبۂ صیّاد بس خوشتر
زبے بال و پرے ایوائے بودن در قفس خوشتر
حکایت ہائے خود از ساربان میگفت خوش مجنوں
ز فرطِ شوق میدانست آوازِ جرس خوشتر
چہ خوش باشد کہ وقتِ نزع بر بالین من آئی
غریقِ بحر داند دستگیری ہا ز خس خوشتر

دردلِ خود مہرِ مہوش تا نشاں دارم ہنوز | زخم دیگر را تمنّائے بجاں دارم ہنوز
کے مدد درگریہ میخواہم زخونِ لختِ دل | از بُنِ مژگانِ خود آب رواں دارم ہنوز
بلبلِ بیدل زدمسازانِ خود میگفت دوش | خارِ کلفت در جگر از باغباں دارم ہنوز

از دلِ آشفتهٔ من داستانِ غم مپرس — قصهٔ جورِ تو ظالم بر زبان دارم ہنوز

از جفائے باغبان گو بال و پر بشکسته‌ام
رغبتے از گل ہوائے بوستاں دارم ہنوز

ابروے عشوه سازِ تو مدِّ نظر ہنوز — ناز و کرشمه غمزه بدل فتنه گر ہنوز
شد سالها که چشمِ اثر دارم و نه شد — از نالهٔ شبینه و آهِ سحر ہنوز
کم شد اگر ز دیدهٔ من اشک باک نیست — دارم خلیده خارِ مژه در جگر ہنوز
گو آشنائے کهنهٔ آں بے مروّتم — دارم ز گردشِ نگهِ او خطر ہنوز

مردیم در غمش که وفا نامه بر چه شد
از شهریار ہیچ نیامد خبر ہنوز

ستمگرا سببِ آهِ عاشقانه مپرس — تو واقفی ز سرِ حال و از بهانه مپرس
دل و جگر همه قربانِ تست لے کافر — کماں بدست کشیده ز من نشانه مپرس
گذشت انچه بدل بود از کشاکشِ زلف — بپرس از دلِ من از زبانِ شانه مپرس

کنوں غذائے دلم قطره هائے اشکِ من است
وفا گذر ز سرِ قصهٔ آب و دانه مپرس

کو طبیبِ مهرباں گویم از و آزارِ خویش — میکنم فریادها خود بر سرِ بیمارِ خویش
کو ترا میلِ تماشائے قیامت در دل است — از دلِ محزوں کنم سرنالهائے زارِ خویش
گلعذارا گر بسر داری ہوائے بوستاں — مینمایم از دلِ پُر داغ خود گلزارِ خویش

قدرِ داغِ مبتلائے عشق را آندم که من
پیشِ تو روشن کنم داغِ دلِ بیزارِ خویش

سوخت از سوزِ تپِ عشقش گریبانم چو شمع
خاست آتش از دلم بنشست بر جانم چو شمع

سوخت مارا انتظارِ آں پری آتش مزاج
شعلہ سر بر زد ز فرقِ ماؤ گریانم چو شمع
از لبانم بر نیاید دودِ دل از راہ حیف
گو ز سوزِ دردِ ہجرِ یار سوزانم چو شمع
آتشِ آہِ دلِ من آہ کافر آتش است
سوخت آخر رفتہ رفتہ جیب و دامانم چو شمع
از متاعِ جسمِ زارم رشتۂ جاں ماندہ است
داغِ دل در پہلوے من سوخت سامانم چو شمع

شیوہ ہاے آں بتِ عیار ما دانیم و دل ‏ طرزِ دلگیریِ آں مکار ما دانیم و دل
ترکِ یاری کرد و از جاں دوست تر میدارمش ‏ دشمنِ جانِ منِ ناچار ما دانیم و دل
از خموشی از تکلم از تبسم از نگاہ ‏ دلبری ہا دارد آں خودکار ما دانیم و دل
ہاں وفا ہشیار شو بر اختلاطِ او مناز
کے کند مہر و وفا آں یار ما دانیم و دل

بے سبب نیست چنیں زاری و حیرانیِ دل ‏ ایں ہمہ باعثِ عشق است پریشانیِ دل
خندہ ات ریخت نمک بر جگرِ من از آں ‏ ساختم در غمِ ہجرانِ تو مہمانیِ دل
از بلائے سیہِ زلف نبودیم خبر ‏ سہل دانستہ نکردیم نگہبانیِ دل
تا خیالِ رخِ جاناں بدرونم جا کرد ‏ ظلمت از سینہ بدر شد ز درخشانیِ دل
اے وفا منع نکردم کہ مشو عاشقِ او
ہیچ حاصل نہ شود غیر پشیمانیِ دل

یاد آیامے کہ رو بر آستانت داشتم ‏ از دلِ شوریدہ سر برپا قیامت داشتم
خواہشِ دل باز بر کویت مرا آوردہ است ‏ ایکہ از سوداے زلفت تو فراغت داشتم

من چہ کردم از حریمِ خویش راندی بیگناہ — بے مروّت از تو من امّیدِ راحت داشتم

از مزاجِ نازکت اندیشہ کردم گو زغم
داستانہا یادو برلب صد حکایت داشتم

من بتدبیرِ مرض پیشِ مسیحا رفتم — خود بخود آہ بکامِ اجل از پا رفتم
در غمش سوختم و خاک شدم آخرکار — گرد بادے شدم و جانبِ صحرا رفتم
او بکف تیغ بقتلِ صفِ دلہا میرفت — سایہ ساں من زعقب بہرِ تماشا رفتم
داشتم دستِ تہی۔ قیمتِ آں زلف دو چند — بود دیوانگی از من چو بسودا رفتم

اے وفا بر درِ میخانہ کہ مے نوش رسید
سرنگوں جام و سبو بود چو آنجا رفتم

تا نگہ بر گلرخے شمشاد بالا کردہ ام — ناشکیبی در دلِ بیتاب پیدا کردہ ام
زخمِ ناز از دستِ آں ابرو کمانے خوردہ ام — جانِ محزوں رانشانِ تیرِ غمہا کردہ ام
منکہ از عمرے زتو امّیدِ الفت داشتم — از جفائے تو کنوں قطعِ تمنّا کردہ ام

اے دررہِ تو جان و دلم وقف و فدا ہم — مستانہ شبے کُن گذرے جانبِ ما ہم
تا چند زاغیار شدن گرمِ تبسّم — یک گوشۂ چشمے بشہیدانِ جفا ہم
از خواب چہ پرسی بشبِ ہجر کہ گردد — از دردِ جدائی نہ بہم دیدۂ وا ہم

گویند زجاں رفت بسودا اے وفایت
داری خبرے ہیچ ز احوالِ وفا ہم

سرگذشتِ خویش را دیشب بیانے داشتم
بلبل آسا پیشِ آں گل ترزبانے داشتم
بوسہ گردادم رکابت را زمن رنجہ مشو
درکفِ بے اختیارے خوش عنانے داشتم

این نمیدانم کہ اکنوں زیں خموشی ہا چہ سود
منکہ از دردِ دل خود داستانے داشتم

مپرس آہ ز دردِ غمے کہ من دارم — چہ حسرتے بدل و جانِ خویشتن دارم
غریبِ راہِ جنونم چناں بوادیِ عشق — کہ آگہی ز منازل نہ از وطن دارم

تا نظر بر چہرۂ آں گلعذارے داشتم
در جگر از نوکِ خامہ خار خارے داشتم
رفتہ رفتہ در نیستان آخرش زد آتشے
من نہاں ہرچند در سینہ شرارے داشتم
جوش میزد داغِ دل از شوق در پہلوئے من
در نظر از سنبلِ زلفش بہارے داشتم

چوں ز سودائے دل امروز بہ بازار شدیم — ہر کجا بود غم و درد خریدار شدیم
دوش پرواز نمودیم کہ رویش بینیم — تا لبِ بام نرفتیم و گرفتار شدیم
گو بپا آبلہ داریم ولے میگردیم — در رہِ وحشت و دوی قافلہ سالار شدیم
دینِ ما عشق کہ در دیر و حرم از رہِ شوق — گاہ تسبیح و گہے رشتۂ زنار شدیم
عہد ما بود کہ در عشق وفا جاں بازیم
عہد کردیم وفا بر سرِ اقرار شدیم

بہارِ روئے تو ہر گاہ جاناں یاد میکردم — دلِ ناشادِ خود را زاں تصور شاد میکردم
ہمہ شب نے بکویش نالہ و فریاد میکردم — دلِ خود را ز بندِ زندگی آزاد میکردم
ندانم تقصیرے اے کافر مشو رنجیدہ دل از من — کہ امشب بر درِ تو نالہ و فریاد میکردم
بہ لاچاری و مجبوری بہ رفعِ دردِ دل یاران
شمیمِ کاکلِ او را طلب از باد میکردم

اعدا و جفائے خود زمن پرس   من از ستمت شمار دارم
شاید ز غلط بخا کم آئی   زاں بر سرِ رہ مزار دارم
اے چشم ز شوخیت چو سیماب   بنگر کہ چہ اضطرار دارم
دل تنگ مشو وفا کہ اکنوں
بر حالِ تو غمگسار دارم

صبح قیامت بود چاکِ گریبانِ او   فتنہ بپا میکند گردشِ دامانِ او
نرگسِ مخمورِ او یاد دہد ساحری   تیر بلا میزند ہر سر مژگانِ او
عارضِ گلفامِ او برگِ گلِ لالہ است   صبح گریباں درد از لبِ خندانِ او
صبر و تواں باختہ از سرِ سودا وفا
وائے طفیلِ جنوں ایں سر و سامانِ او

از سوز انتظارت ہر لخت دل کباب است   کیفیتے ندارد جامِ شراب بے تو
جانِ لبم رسیدہ دم در گلو گرہ شد   دارم دمے حیاتے ہمچوں حباب مے تو

خانۂ تو لالہ زار آمد ولا از داغ ہجر
خانۂ خود بیں کجا بہرِ تماشا رفتۂ

آستیں بر چشم میداریم و افشانیم خوں
تا ز پیشِ چشم حیراں گلعذارا رفتۂ

جاں ز تن بر لب رسیدہ دل بہ پہلو می طپد
تا ز بالینِ منِ دلخستہ یارا رفتۂ

از غمِ ہجر کنوں عاشقِ جانبازِ ترا   نالہ طرزے دگرے باشد و ہائے دگرے
ایکہ در دامِ سیہ زلفِ تو بودیم اسیر   بر سرم نازِ تو آورد بلائے دگرے
داد ربیغاز تو فریاد چہ کافر کیشے   من بکارِ تو و باشی تو برائے دگرے

عاقبت آهِ دلِ سوختگاں سوخت مرا — من برائے تو جگر خون تو برائے دگرے
فصلِ گل آمد و بلبل ز شوقِ مستی — میزند بر سرِ هر غنچه نوائے دگرے
در رهت خاک شدم پا نه نهی بر خاکم
آخر الامر شدی خاک بپائے دگرے

تا مسی از بهرِ خوبیِ صرتِ دنداں کردهٔ — برق در داماں ابرِ تیره پنهاں کردهٔ
بر سرِ یک بگینه بگذشت صد آفت ز تو — صد هزاراں از نظر با خاک یکساں کردهٔ
بر درِ او حلقه زن صد قیس و وامق بوده‌اند — وحشتِ دل تو کجا عزمِ بیاباں کردهٔ
تا نگاهِ تو بمن افتاد دادم عقل و هوش — دشمنِ جانم مرا با خویش حیراں کردهٔ
تا نگه دزدیده رفتی از هجومِ عاشقاں
عالمے برهم زدی خلقے پریشاں کردهٔ

افسوں دمیده نرگسِ جادوے کیستی — بیهوده گرد خاکِ سرِ کوئے کیستی
چندیں خوش آمدت به نسیمِ سحر چه هست — در آرزوے نکهتِ گیسوئے کیستی
اکنوں ز تیغِ غمزه که کارت تمام کرد — بسمل ز دستِ خنجرِ ابروئے کیستی
از دوستاں کشیده دلی بے سبب چرا — چنداں جفا کشیدهٔ بدخوئے کیستی
تیرے که زد ز ناز به پهلوے تو وفا
نشتر خلیده در جگر از موئے کیستی

از رخِ گلنارِ خود آتش بجاں انداختی — شورِ محشر از نگه در خانماں انداختی
زخمِ کاری شد بدل هرگز بسوے سینه‌ام — تیرِ نازِ خویش اے ابرو کماں انداختی
عالمے از عشقِ تو هنگامه آرا گشته است — رخنه از غمزهٔ خود در جهاں انداختی
گفتگو در عارضِ تو هست با هم خلق را — از نقابِ چهرهٔ خود در گماں انداختی
اے وفا از داستانِ جانگداز خویشتن — شورِ وحشت در سرِ کون و مکاں انداختی

ایکہ با زلف گرہ وا میروی   صد گرہ با بستہ جاں را میروی
جمع میداریم دل از روے تو   بے سر و پا کردہ ما را میروی
مثل دیوانہ مرو از اختیار   حیف می آید کہ رسوا میروی
مرگ عاشق در رہ او زندگی است
اے وفاؔ چوں ناشکیبا میروی

جادو نگہے بگلے بادہ فروشے   از ناز و ادا فتنۂ و صد فتنہ بدوشے
چوں مرغ چمن گرم نواگہ بہ تکلّم   باشد چو لب غنچہ کہ از ناز خموشے
قدّے چو قیامت بقیامت زدہ گردش   دامن بکمر بر زدہ آمد چو سروشے
تنہا بفریبش نشدم مائل و مفتوں
عالم بہ تماشاے رخش حلقہ بگوشے

تمام شب کہ سر خویش از درے میکوفت   کہ میبگریست ستم دیدہ بکوے کسے
بہ زیر خاک نہاں کن ز بیکسی خود را   چو گرد با دمشو گرد جستجوے کسے
تمام عمر ز مستی خراب خواہد داشت   کشیدن تو مئے تلخ از سبوے کسے
غمیں مباش و دل خود ز دست خویش مدہ
وفاؔ ز طعنۂ و تشنیع و گفتگوے کسے

بر سر کشتہ اگر میل تماشا داری   بگذر از ناز کہ اعجاز مسیحا داری
مستی چشم دگر کیف شراب گلگوں   چشم بد دور عجب نشۂ دو بالا داری
چشم جادوے تو از دیدۂ آہو خوشتر   غمزۂ و ناز بہ از نرگس شہلا داری
تا کجا وصف سہی قامتی تو گویم   سرو قد خوش قدے از سرو دو بالا داری
ایکہ بد عہدی تو شہرۂ عام است وفاؔ
کے بایفا رسد آں عہد کہ با ما داری

نیاوردی گلے بر تربت من — مگر در سینہ از من خار داری
گرا دیدی کہ ہردم در خیالش — دلِ غمگین و جسمِ زار داری
چنیں اختر شماری در رہِ کیست — چرا ایں دیدۂ بیدار داری
گریبانِ تو چوں گل چاک چاکست — ز مژگانِ کہ در دل خار داری
بہ ہجرِ کیست ہر شام و سحر آہ — بدل غم داری و بسیار داری

بتا از گفتۂ بدخواہ ناحق
وفائے خویش را بیزار داری

سر بشوریدگی و چاکِ گریباں داری
اے جنوں باز سرِ کوہ و بیاباں داری
رُو بہ چو گل داری و لب برگِ گل و غنچہ دہاں
رنگ و بوے چمن اے سروِ خراماں داری
اے فلک دستِ تعدّی ز سرِ ما بردار
سر بہ تخریبِ منِ بے سر و ساماں داری
ایں چنیں ہرزہ سرائۓ دلِ نالاں تا کے
چند در عشقِ بتاں نالہ و افغاں داری
تا کشادی گرہ از زلفِ پریشاں شدہ خلق
چہ پریشانیِ عالم ز پریشاں داری

اردو

نالوں کی گرمیوں سے پھٹتے دل و جگر ہیں
لب خشک ہو رہے ہیں کانٹے زباں پر ہیں
سینہ کے داغ سوزاں آنکھوں کے اشک خونیں
اس نخلِ عاشقی کے یہ گل ہیں وہ ثمر ہیں

نیرنگیِ جہاں سے ازبسکہ جی جلا ہے
سینہ کے داغ میرے طاؤس کے سے پر ہیں
خورشید و ماہ کو میں پھرتے ہی دیکھتا ہوں
یہ کسکی جستجو میں اللہ دربدر ہیں
کس شمع رو کے غم میں روتا ہے اسقدر تو
آنسو وفا یہ تیرے سوزندہ جیوں شرر ہیں
دن کو پھروں ہوں کو بکو گذرے ہے شب کراہتے
سہتے یہ کیوں خرابیاں گر نہ کسو کو چاہتے

تری گلی میں تڑپتے ہیں نیمجاں ہر روز
نگاہ سے ہے تری قتلِ عاشقاں ہر روز
جو رنج ہجر سنا ہمنے روز طفلی سے
سو وے ہے خوبیِ قسمت سے آسماں ہر روز

ولہ

ہم دیتے نہ دل آہ اگر مفت بتوں کو
ہوتا نہ مرے درپئے آزار کوئی شخص

ولہ

سو فند روز کرتے ہیں اُس بدگماں سے ہم
بچتے نہیں ہیں اس کے ولے امتحاں سے ہم
وضوق رما سے بیٹھے ترے در پہ اس لئے
تا جیتے جی کبھی نہ اُٹھیں اس مکاں سے ہم

ولہ

مانوس محبت کو مری زور سے وحشت
کھینچے ہے کہ چل دیکھ بیاباں کا تماشا

ولہ

کبھی ناشاد دل ہوتا نہیں ہے شاد یا قسمت
عجب ڈھب کی پڑی ہے اپنی یہ افتاد یا قسمت

ولہ

وفا کیا حال دل اپنا کسی کو آہ لکھ بھیجوں
نظر آتا نہیں غمخوار کوئی اس زمانے میں

انتخاب از مثنوی چراغ دل

درد سے چشم تر کر اے خامہ — دودِ دل سے سیاہ کر نامہ
درد ہے مطلعِ صحیفۂ عشق — درد ہے مقطعِ صحیفۂ عشق
درد شیرازۂ محبت ہے — درد اندازۂ محبت ہے
درد سے ہووے آب و تابِ سخن — درد سے ناز زن ہے مہرِ سخن
درد ہے ساز و برگِ کارِ جنوں — درد ہے رونقِ دیارِ جنوں
درد ہے شمعِ محفلِ عشاق — درد ہے ہمدمِ دلِ مشتاق
ثمرۂ نخلِ غم کشاں ہے درد — مطلبِ خاصِ انس و جاں ہے درد
عشق ہے گر شراب درد گزک — عشق ہے گر کباب درد نمک
عشق دریا ہے درد ساحل ہے — آہ طوفاں ہے آشنا دل ہے
درد جس دل میں اپنا گھر کر جائے — درد بن پھر اُسے نہ کچھ خوش آئے
درد خونابِ شیشۂ دل ہے — غم کشوں کو خمار حاصل ہے
درد سے جس کا دل گداز نہ ہو — بابِ عرفان اُس پہ وا نہ ہو
درد ہے رہنما و رہبرِ عشق — درد ہے بادشاہ کشورِ عشق
بحرِ اُلفت کا آشنا دل ہے — کشتیِ غم کا ناخدا دل ہے
درد سے مجھ کو بھی محبت ہے — درد سے دل کو میرے الفت ہے
بسکہ دریائے درد جوش پہ ہے — طبع اپنی بھی کچھ خروش پہ ہے
لب پہ آتا ہے میرے جو مضموں — درد کا ہے وہ مصرعۂ موزوں
عشق کا کچھ بیان لکھتا ہوں — درد کی داستان لکھتا ہوں
ہو گیا ہوں زبس تمام وفا — شہرۂ عام ہوں بنام وفا

آمد آمد ہوئی بہار کی جب
بلبلوں نے اٹھایا شور و شغب

بر سرِ گل ہوا جو فیضِ نسیم
تازہ کرنے لگی دماغ شمیم

دیکھ فصلِ بہار وہ رعنا
جانبِ بوستاں گیا تنہا

سیر کرتا تھا ہر طرف دل شاد
سرو کی طرز غم سے ہو آزاد

جس روش پر چمن کی تھا جاتا
لالہ حسرت سے داغ کھاتا تھا

ایک تختہ کی سیرِ گل کرکے
اور تختہ پہ پھر نظر کرکے

کہیں اپنا دکھا گیا انداز
کسی گل کو سکھا گیا انداز

کسی غنچہ پہ مسکراتا تھا
طرزِ واشد اُسے سکھاتا تھا

اس طرح سے بناز و طرز و ادا
تا لبِ جوئبار آ نکلا

ایک مہ پارہ مہ جبیں مہوش
جلوہ پرداز و دلربا دل کش

جلوۂ مہر سے جبیں ہمرنگ
نورِ مہتاب جس کے حسن پہ دنگ

رخِ تاباں کی گرد زلف سیاہ
خوشنما جس نمط ہو ہالۂ ماہ

تھی جو ابرو کجی پہ شکلِ کماں
دلِ عشاق اُسکے تھے قرباں

سحر کرتی تھی نرگسِ فتاں
نرگسی زن تھی ہر رگِ مژگاں

صدفِ گوش اُس کی کان صفا
مثلِ دُرِ یتیم جانِ صفا

بسکہ تھا مثلِ غنچہ تنگ دہاں
رشک سے اُسکے غنچہ لال زباں

تھے جو یاقوت رنگ وہ لبِ لعل
ہونٹھ چاٹے تھا اُس کو دیکھ کے لعل

مسی مالیدہ لب ہیں سلک گہر
دامنِ شب سے جوں نمودِ سحر

دیکھ کر رنگ عارضِ گلگوں
رشک سے گل ہوا سراپا خوں

دوش و بر کی صفا کو دیکھ قمر
رُخ پہ کھینچے تھا ابر کی چادر

پنجۂ دست پنجۂ مرجاں
ہر رگِ جاں سے کھینچتا تھا جاں

تختۂ سینہ تختۂ صندل / رشکِ قاقم تھا روکشِ مخمل
کاش رکھتی جو برگِ گُل سر پر / بار سے ہوتا اور حالِ کمر
ہو گئی ناگہاں جو اس سے دوچار / لے گئی دل سے صاف صبر و قرار
دل سے اُٹھنے لگے شرارۂ آہ / جان و تن میں الم نے ڈھونڈی راہ
دامنِ صبر تار تار ہوا / غم کے ناخن سے دل فگار ہوا
اشک جاری سے بہ گیا دریا / خون ہو کر مژہ سے دل ٹپکا
زلف کو ہو گئی پریشانی / چشمِ جادو بھری کو حیرانی
اڑ گیا رنگِ عارضِ گلگوں / ہو گیا اُس کو دیکھ کر مجنوں
ہوئی افسردہ غم سے ریحانی / جاں کو ہونے لگی گراں جانی
آتشِ غم نے دل کباب کیا / دردِ دل نے جگر کو آب کیا
چاک تھا پنجہ زن گریباں میں / نہ رہا ربط جیب و داماں میں
ایک دن اُس کا باپ گھبرا کر / فرطِ شفقت سے خونِ دل کھا کر
کس لئے روز و شب ہے تو دلگیر / کس کی موجِ ہوا ہوئی زنجیر
اپنے غم خوار سے بیاں کر سب / رازِ دل مو بمو عیاں کر سب
لب سے مہرِ سکوت اپنے اُٹھا / پدرِ مہرباں سے کہنے لگا
پنجۂ عشق نے مرے یکبار / جیب و داماں کے کر دئے سو تار
زلف وا ہو گئی جو عارض پر / لائی کالی بلا وہ میرے سر
مو بمو اپنی زلف سلجھا کر / دام میں لائی دل کو اُلجھا کر
سنگِ فتنہ سے شیشۂ دل توڑ / کر گئی اُس کی نرگسِ مخمور
پھر نہ قالب میں جاں رہی باقی / کچھ نہ تاب و تواں رہی باقی
بسکہ تھی دل سے دل کو باہم لاگ / پھونک دی عشق نے یکایک آگ

گریبوں سے رواں تھی اُس کے آہ — راہ پہ تک رہی تھی بر سرِ راہ
اِس کا گر ہاتھ تھا گریباں تک — چاک تھا اُس کا جیب داماں تک
کار تھا اُس کو آہ وزاری سے — شغل تھا اِس کو بیقراری سے
سیلِ آنسو بہایا اُس نے اگر — سوز سے اِس کا بھُن گیا تھا جگر
ولولہ گرچہ اُس کے تھا دل پر — اِس کی حالت سے تھا جنوں کا اثر
اِس کی مژگاں پہ لختِ دل ٹھہرا — اُس کے دل پر تھا زلف کا لہرا
گر وہ بھرتا تھا آہ حسرت سے — کرتی تھی یہ نگاہ حیرت سے
چاک دل اپنا وہ دکھاتا تھا — غم کلیجے کو اِس کے کھاتا تھا
غم ہوا اس کا ہمدم و دلسوز — یہ تھی اُس کے الم سے غم اندوز
شوقِ جاناں نے دل کو خون کیا — گرمیِ عشق نے جنون کیا

خورش و خواب نے جواب دیا — طاقت و تاب نے جواب دیا
شمع ساں سوزِ دل سے جلتا تھا — آتشِ عشق سے پگھلتا تھا
دل میں خارِ الم چُبھا اُس کے — جاں پہ نقشِ جنوں کھُدا اُس کے
تیرِ غم نے گذر کیا جاں پر — دردِ فرقت سے ہو گیا مضطر
غم نے آخر بہت ستایا جب — جوشِ سودائی نے دبایا جب
تخمِ وحشت جنوں لگا بونے — زندگی سے لگا خفا ہونے
وہ وہیں بھرنے لگا یکایک دم — ہو گئی اُس کے دل کی صورتِ غم
اس قدر غم سے جسم زار ہوا — مرگ کا اُس کے انتظار ہوا
غم کی ماری ہوئی جو حالتِ نزع — نفسِ واپسیں سے ہو دل جمع
ایک دن جی کو اپنے کھو بیٹھا — اپنے جینے سے ہاتھ دھو بیٹھا

وفاؔ - پنڈت امرناتھ شرغہ صاحب مقیم جبیند

عورت کی عظمت

مرد کے شیشۂ دل کو جو جِلا دیتی ہے — استری نورِ حقیقت کو دکھا دیتی ہے
دل سے داغِ غم و افکار مٹا دیتی ہے — آن کی آن میں سب رنج بھلا دیتی ہے
ہے یہی گلشنِ ہستی کی نسیمِ راحت — ہاں یہی غنچۂ امید کھلا دیتی ہے
ہے بہارِ چمنستانِ تمنا اِس سے — غیرتِ باغِ ارم گھر کو بنا دیتی ہے
سرسبز ہے یہ نہالِ ثمر افشانِ مراد — پھل یہی تلخیِ محنت کا چکھا دیتی ہے
خانۂ آبادیِ انساں ہے اسی کے دم سے — ہاں یہی رونقِ کاشانہ بڑھا دیتی ہے
مرہمِ خاطرِ بشکستہ اسے کہتے ہیں — آس یہ یاس نصیبوں کی بندھا دیتی ہے
اس سے بن جاتا ہے گھر بقعۂ نورِ عشرت — پردہ یہ ظلمت و عسرت کا ہٹا دیتی ہے
جو اِسے لکشمی کہتے ہیں بجا کہتے ہیں — گھر میں دریا یہی دولت کا بہا دیتی ہے
سرستی نام ہے ویدوں میں اسی کا لکھا — فاضلِ دہر یہ انساں کو بنا دیتی ہے
اِس کو سمجھو یہ سراسر ہے خوشی کی دیوی — خاکِ آلام و مصیبت کا اُڑا دیتی ہے
مرد کی صاحبِ تدبیر مصاحب ہے یہی — یعنی بگڑی ہوئی تقدیر بنا دیتی ہے
بن کے خورشید چمکتے ہیں اسی کے جائے — چار چاند ان کی فضیلت کو لگا دیتی ہے
حاصل اسکے ہی وسیلے سے تو ہوتی ہے نجات — ہاں یہی راستہ مکتی کا بتا دیتی ہے
اور اب کیا کہوں افسانۂ عظمت اِسکا — عورت انسان کو ایشور سے ملا دیتی ہے

اے وفاؔ ہوتا ہے جس گھر میں نہ آدر اسکا
خاک میں گردشِ چرخ اُس کو ملا دیتی ہے



پنڈت منموہن کشن دلی - ولیؔ

ولیؔ۔ پنڈت بھولا ناتھ صاحب

ترچھی نظروں سے دیکھ مت قاتل
تیرے تیغ و تبر سمجھ لیں گے

کچھ ولیؔ کو نہیں ہے غم اس کا
قتل پر کس کمر سمجھ لیں گے

ولیؔ۔ پنڈت من موہن کشن ولی صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا

خلف پنڈت گوپی کشن ولی صاحب۔ بقیہ ص ۲۰۰

آپ تقریباً تین سال تک ایڈیٹر "بہار کشمیر" رہے۔ فی الحال ریاست ٹکیت پنجاب میں بعہدہ جوڈیشل سکرٹری مامور ہیں۔

نوائے ہمصفیراں

باغ میں کل اک پھول جو پھولا
مست ہوا نے جھلایا جھولا

بولی "خاک ہوں چھانتی آئی"
"تیری خوشبو کھینچ کے لائی"

"حسن کی تیرے ہوں متوالی"
"میں نے دیکھی ڈالی ڈالی"

خوب جھلایا اور ہنسایا
اس کا سب دکھ درد بھلایا

رات پڑی تو شبنم آئی
پھول کی اس نے پیاس بجھائی

پھر وہ بولی "اے مستانے"
تجھ پر گلچیں تو گیا جانے

"تو ہے حسن پہ اپنے نازاں"
"میں اپنی رقت پر نالاں"

"ہنسنا ہے قسمت میں تیری"
"رونا ہے تقدیر میں میری"

پر ہے ایک انجام ہمارا
ایک ہی شب کا یاں ہے گزارا

مقتل میں آج جائیں گے دلبر کے سامنے — جوہر کھلیں گے تیغِ ستمگر کے سامنے
زخمِ جگر کا ہوگا مسیحا سے کیا علاج — مرہم کریگا کیا ترے نشتر کے سامنے
زاہد ہلالِ عید کا ہے منتظر مگر — اپنی ہے عید یار کے خنجر کے سامنے
ہیں سخت شرمسار گناہوں سے اپنے ہم — کس منہ سے جائیں داورِ محشر کے سامنے
آفاتِ دنیوی سے بچے گا نہ حسن بھی — کیا بس چلے گا شمع کا صرصر کے سامنے

توبہ تو کی تھی مے سے مگر دل کو کیا کریں
پھر لے چلا ہے شیشہ و ساغر کے سامنے

دل کی تڑپ نے بڑھ کے دلاسا دیا مجھے — آہٹ کا ان کے پاؤں کی دھوکا ہوا مجھے
ناصح نے ترکِ عشق کے دکھلائے سبز باغ — ایسے بہشت سے تو ہے دوزخ بھلا مجھے
پہنچے بہشت میں تو نہ حوریں ملیں نہ جام — کیا تیرے قول کا ہو یقیں زاہدا مجھے

جانِ نزار کی یہی معراجِ عشق تھی
تنکا سمجھ کے لے اڑی بادِ صبا مجھے

دستِ دعا جو سوئے فلک ہم اٹھا چکے — بولا وہ بت کہ مانگ خدا سے ہم آ چکے
خونِ اپنا پی کے رہ گئے ہم بزمِ یار میں — جب جانبِ رقیب وہ ساغر بڑھا چکے

پھندے میں اپنی کاکلِ پیچاں کے پھانس کر
حلقہ بگوش اپنا ولی کو بنا چکے

قصیدہ

در تہنیت سالگرہ مبارک مہاراجہ لکشمن سین بہادر والی ریاست سکیت

بتاریخ ۱۴ر اگست ۱۹۳۰ء

آج کا دن ہے دنوں میں انتخاب — مجلسوں میں ہے یہ مجلس لاجواب
دل بھی خواہانِ دولت کا ہے شاد — خصم و حاسد کا ہوا سینہ کباب

ہے سریر آرا شہِ والا گہر — جلوہ پاش و پرضیا چوں آفتاب
دھوم ہے جشنِ شہی کی دور دور — سر بہ سنگِ آستاں ہیں شیخ و شاب
ہے مبارک دن گھڑی شبھ نیک سال — کھل گیا ہے عشرت و بہجت کا باب
خوبیاں مہاراج لکشمن سین کی — ہوں رقم تو ہو مرتب اک کتاب
معدلت میں ثانیِ نوشیرواں — شوکت و صولت میں چوں افراسیاب
پاک طینت صاف نیت راست رو — والیانِ ملک میں ہیں انتخاب
ہیں ترقی کے جو آثار ہر طرف — ہے یہ فیضِ ذاتِ دولت انتساب
دل میں رکھتے ہیں رعایا کا جو درد — منعم و مفلس ہیں یکساں باریاب
ہو مبارک یہ برس سینتیسواں — گیارھواں سالِ جلوسِ آنجناب
جب تلک رقصاں ہیں انجم بر فلک — جب تلک جانِ زراعت ہیں سحاب
ہو فزوں اقبال۔ یاور بخت ہو — دشمن و بدخواہ رہیں خانہ خراب

ہاکسر - پنڈت پران کشن ہاکسر صاحب خلف پنڈت رام کشن ہاکسر صاحب شہر دہلی آپ کا مولد ہے - آپ کے والد ماجد پنڈت رام کشن صاحب ہاکسر متخلص بسمل جو انگریزی و فارسی و عربی و سنسکرت کے عالم و فارسی کے اعلیٰ شاعر تھے دہلی میں انگریزی مدرسہ کے ماسٹر تھے اور بہ ہنگام غدر وہیں ہلاک ہوے - اپنے والد کی ہلاکت کے وقت پنڈت پران کشن صاحب کی عمر اُنیس ۱۹ برس کی تھی - بیس روز بعد اُن کی مادر شفیق کا سایہ بھی اُن کے سر سے اُٹھ گیا اور وہ اپنے تین بھائی اور دو بہنوں کی پرورش و تعلیم وغیرہ کے کفیل ہو گئے - چنانچہ آپ دہلی سے بتلاش معاش اندور پہونچے دہاں پنڈت سروپ نراین صاحب ہاکسر سی - آئی - ای برادر اکبر پنڈت دھرم نراین صاحب ہاکسر سی - آئی - ای نے اُن کو مدرسہ میں بعہدہ ماسٹری ملازم کرا دیا - آپ کچھ عرصہ تک ایک اردو رسالہ کے ایڈیٹر بھی رہے اور ایک موقع پر مہاراجہ صاحب ہلکر سے کئی ہزار روپیہ انعام پایا - دہاں کے زمانۂ قیام میں سر رابرٹ ہمیلٹن ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا آپ کے خاص مربی و سرپرست تھے اور اُن کے بعد جنرل سر ہینری ڈیلی آپ کی قابلیت و

فضیلت۔ تربیت و متانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کے بہت بڑے مربّی و محسن بن گئے۔ آپ تقریباً ۱۳ سال اندور میں مقیم رہکر بھوپال میں آئے اور کچھ عرصہ تک وہاں کی فرمانروا شاہ جہاں بیگم صاحبہ کی دختر نیک اختر سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے اتالیق رہے۔ اسکے بعد آپ ریاست رتلام میں چلے آئے وہاں میر شہامت علی صاحب ریجنٹ تھے۔ انھوں نے آپ کو ہز ہائنس رنجیت سنگھ بہادر مہاراجہ صاحب رتلام کی تعلیم کے واسطے جو اُس وقت نابالغ تھے مقرر فرمایا اور آپ نے وہاں چند سال تک اس خدمت کے فرائض انجام دئے۔

بعد ازاں آپ چالیس سال کی عمر میں گوالیار میں وارد ہوئے اور یہاں آکر مہاراجہ جیواجی راؤ صاحب بہادر سیندھیا کے حکم سے آپ سر دینت بلونت راؤ بھیّا صاحب سیندھیا کے اتالیق و استاد مقرّر فرمائے گئے۔ یہ درجۂ امتیاز آپ کو اے۔ جی۔ جی صاحب موصوف کی سفارش سے حاصل ہوا تھا۔ ہز ہائنس مہاراجہ سر مادھو راؤ صاحب سیندھیا عالیجاہ بہادر کی تعلیم بھی ابتداً آپ ہی کے سپرد ہوئی تھی اور یہ رسم مبارک باقاعدہ جلسہ دربار منعقد ہو کر ادا کی گئی تھی۔ سر دینت بلونت راؤ بھیّا صاحب اور حضور ممدوح کو آپ سے محبّت و عقیدت ہی نہ تھی بلکہ آپ کو ایک سچّا خیر اندیش و رہبر سمجھتے تھے۔ انھوں نے آپ کو ہزارہا روپیہ عطا فرمایا جس کو آپ نے فقرا و غربا میں صرف کر دیا۔

آپ ۱۹۲۳ء میں ۸۶ سال کی عمر پا کر لشکر میں راہی ملک بقا ہوئے۔ پنڈت پران کشن صاحب بہت بڑے صاحب قوت۔ ریاضت کیش۔ فقیر منش باخدا بزرگ تھے۔ علاوہ فارسی کے علم انگریزی پر بھی آپ کو بدرجہ کمال عبور تھا۔ علم نجوم میں بھی آپ کو کامل دستگاہ تھی۔ آپ کی پیشین گوئیاں اکثر لوگوں کو صحیح ثابت ہوئی ہیں آپ کو کرشن بھگوان کی خاص طور پر بھگتی تھی اور اسی میں شبانہ روز محو رہتے تھے

آپ نے مرتاض درویشوں کے ہمراہ تمام ہندوستان کے مقدس و متبرک مقامات کی کئی کئی بار زیارت کی۔

آپ کو فن سخن میں کسی اُستاد سے تلمذ نہیں رہا۔ اپنی شاعری کے ابتدائی زمانہ میں شاید آپ نے اپنا تخلص عاشق رکھا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس تخلص کو بہت جلد ترک کر دیا اور اسکے بعد آپ نے بلا تخلص ہی رہنا پسند کیا۔ جب طبیعت کا رجحان ہو جاتا تھا تو سیکڑوں اشعار مثل گوہر آبدار آپ تصنیف فرماتے تھے اور پھر بھی آپ کے خداداد ذخیرہ میں کمی نہ ہوتی تھی۔ آپ غالب کے کلام کے بڑے مدّاح تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے غالب کی ایک فارسی رباعی کا ترجمہ نظم میں کیا تھا اور اُسی سلسلہ میں اُس پر ایک قصیدہ لکھ ڈالا جو قصیدہ فیضِ غالب کے نام سے مشہور ہے یہ قصیدہ حجیم و ضخیم ہے۔ اس موقع پر صرف غالب کی فارسی رباعی اور اُس کا ترجمہ منظوم جس کا اوپر ذکر ہوا ہے درج کیا جاتا ہے۔

رباعی حضرت غالب

بہ آدم زن بہ شیطاں طوقِ لعنت   سپردند از رہِ تکریم و تذلیل
ولیکن در اسیری طوقِ آدم   گراں تر آمد از طوقِ عزازیل

ترجمہ اردو منظوم از پنڈت صاحب موصوف

آدم کو تو عورت ملی شیطان کو لعنت   دو طوق پڑے دونوں کی گردن میں برابر
تکریم کا تذلیل کا تھا فرق جو اُن میں   ہے کفش وہی کفش دوشالے کے بھی اندر
جب طوقوں کو دھر تولا تو پھر سب نے یہی دیکھا   تھا طوق سے ابلیس کے آدم کا گراں تر

آپ کی تصنیفات سے "قصیدہ فیضِ غالب" کے علاوہ "جلوۂ جہاں نما" "جلوۂ خدا نما" "بُرج جگار" "برجن کا ہورنگا" "خزانۂ غیب" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ برج کی اصطلاح میں جناب برجن کی ہولی کو "ہورنگے" کے نام سے موسوم کرتے ہیں:۔

برج ہے صنع قدرت کا عجب کارستان ـــ جس طرف دیکھو نظر آئے وہیں طربستان
چھپا اُس کا یہ کہتا ہے بہ آواز بلند ـــ جنتِ عدن مرے سامنے ہے غولستان

پران کشن صاحب کی نظمیں انکے روحانی خیالات کا ذخیرہ ہیں اور ان کے کلام میں لفظی شعبدہ پردازی نہیں ہے۔ چنانچہ "جلوۂ خدانما" کے آخری صفحہ پر خود ارشاد فرماتے ہیں:۔

نہ یہ منشی کا ہے اغراق نہ شاعر کا غلو ـــ عشق کا صدق ہے اور صدق کے اظہار ہوئے

پنڈت پران کشن صاحب باکسر مشّار بھی بڑے زبردست تھے آپ کے خطوط کا ایک کافی مجموعہ پنڈت شیوناتھ کول شاکر کے پاس موجود ہے جو پنڈت صاحب موصوف نے اُن کے نام تحریر کئے تھے۔ پنڈت صاحب موصوف کو شاکر صاحب سے ایک خاص اُنس تھا اور اُن پر بدرجہ غایت عنایت فرماتے تھے۔

نظم خزائۂ غیب میں ۲۳۵ اشعار ہیں اور اس کے ساتھ ۶ صفحوں کا دیباچہ بھی ہے۔ جس کے ایک ایک لفظ سے مصنف کی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس نظم کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ہم نے عالم میں آکے کیا دیکھا ـــ نیست کا ہست ترجما دیکھا
ہوش کے جاؤ اپنے تم صدقے ـــ کہ فنا کو جہاں فنا دیکھا
آنکھ کا صبح اُٹھ کے شکر کرو ـــ جس سے دنیا کا سب مزا دیکھا
کان کی بات جس نے دل سے سُنی ـــ گوشِ شنوا کا مرتبا دیکھا
الغرض جو حواس ہیں پانچوں ـــ اُن سے دیکھا جو کچھ نیا دیکھا
ان کی دولت کا نام ہے بس علم ـــ یہ ہی حکمت کا مدعا دیکھا
یہ نہ ہوں گر تو روح ہے بیکار ـــ کس نے انحد کو بے صدا دیکھا
بے بقا بولتے ہیں صورت کو ـــ عام کا یہ محاورا دیکھا

گویا صورت ہے جسم کے اندر — جہل کا کیا سما لطا دیکھا
علم شے کے لئے ہیں دو ہی طریق — ان سے باہر کسی نے کیا دیکھا
یا مکاں ہوگا یا زماں ہوگا — ان کا ہی سب نے سلسلا دیکھا
ہے مکاں صافت مظہرِ ہستی — جبکہ اجزا ہیں کل کو جا دیکھا
رہی سیرت وہ ہے زماں کی غلام — یہ چھپا راز یاں کھلا دیکھا
شے میں ہرگز صفت نہ صورت ہے — ان کا اپنے ہی میں پتا دیکھا
ہوش کے سارے یہ تماشے ہیں — اس کی ضد میں کہو تو کیا دیکھا
بے خبر ہیں نہیں ذرا کچھ فکر — محو کش میں لبس یہی بھلا دیکھا
لطفِ صحبت سے وہ نہیں آگاہ — جس نے سونے ہی میں مزا دیکھا
ہوش کی چھپ کا نام ہے صورت — یہ معمّا یوں ہی کھلا دیکھا
جسم بے روح تو بہت دیکھے — روح بے جسم کو بھلا دیکھا
جس جگہ ہوش ہے وہیں ہے روح — ہوش صورت کا لیں خدا دیکھا
کس نے کو دیکھا ہے ہوش ہو موجود — اور صورت کو ہو فنا دیکھا
ہند میں ایک بھی سنی کو کبھی — اپنے مالک کو چھوڑتا دیکھا
ہوش شوہر ہے اور صورت زن — ساتھ ہی دونوں کو فنا دیکھا

انتخاب تہنیت نامہ جو بتقریب ولادت جناب ولیعہد بہادر طول عمرہ و دام اقبالہ کشمیری پنڈتوں کے جانب سے دربار عالیجاہ گوالیار میں پیش ہوا

جب امیروں میں خبر پہونچی کہ لشکر میں آج — مچ رہا شور ہے لو غیب سے آئی دولت
سنتے ہی بارۂ اعظم میں ہوئے سب حاضر — اور جھپتی سے وہیں بعد ادلے خدمت

گو دہیں لے کے سنتو لے نے مہا راجہ کو
آپا جی راؤ صاحب سیتولے
گڈو اور پھاند کے کیا خوب دکھائی کسرت

یہ محبت کا ہے اعلان یہ خوشی کا اظہار
وا ہے آداب کہاں اور کہاں یہ حرکت

آپا صاحب کی صفت اور ثنا کیا ہو بیاں
خاندانِ شہِ عالی سے ہے اُن کو قربت

سب پہ روشن ہے وہ ہیں آج امیروں کے امیر
مظہرِ جود و سخا مہبطِ نورِ عظمت

راؤ راجہ نے سُنا مژدۂ جاں بخش بدل
رگھناتھ راؤ دنکر شمشیر خاص بہادر سی۔ آئی۔ ای
بیٹھ موٹر میں چلے وہ بکمالِ سرعت

رُخ تھا محلوں کی طرف دل نہ رہا قابو میں
اس قدر زوروں پہ اُس وقت تھا جوشِ فرحت

پیچ پگڑی کے کھلے جاتے تھے بیہوشی میں
بند جامہ کے نہ بند بنتے تھے یہ تھی محویت

سر میکیل پہ ہوئی وجد کی حالت طاری
کرنل سر مائیکل فیلوز
جب خبر پائی کہ محلوں میں ہے کیا کیفیت

راج سے رابطہ اُن کا ہے قدیم اور عظیم
پشت در پشت چلے آتے ہیں کرتے خدمت

صاف دل صاف نظر صاف ہی ہیں اُن کے عمل
صوفیوں کی طرح رکھتے ہیں صفائے طینت

کسرِ نفسی میں اگر کاہ تو عظمت میں کوہ
فیض سے بحرِ رواں طبع سے صاحبِ جودت

چند سرداروں کا احوال کیا میں نے بیاں
کون کر سکتا ہے ہر اک کی جداگانہ صفت

گھوڑپڑے موہتے اور آنگرے اور پاٹنکر
پھر سنتو کے ہیں بڑے سب میں بجاہ و عظمت

پھالکے دو ہیں ہر ایک اُن میں بصد عز و شرف
راجپوتوں ہی میں جا اُن کی ملے کنیت

مدحت ان کی وہ کرے جس سے ہے شمس کی مدح
حال اُن کا وہ لکھے جو لکھے رازِ قدرت

جب قلم پہونچا یہاں دل نے کیا مجھ سے خطاب
اب تو سرداروں کے حالات سے پائی فرصت

خود مہاراجہ کے گھر کا بھی کرو کچھ تو بیاں
کر رہیں کیا ہیں وہاں پردگیانِ عصمت

سنتے ہی میں نے قلم پھیرا بسمتِ مرغوب
طبع سے مانگی مدد طبع ہے گنج دولت

اُس نے ہنس کر یہ کہا آؤ چلو میرے ساتھ
پردۂ خاص اُٹھا دیکھ لو کیا ہے صورت

دیکھتا ہوں تو تماشا ہے عجب پیشِ نظر
راجہ اندر کے اکھاڑے کی ہے کل کیفیت

بھیا بلونت نے اُس وقت بصد فخر و ناز
مہدِ علیا سے کہا سُن کے نوید بہجت
یعنی والدۂ ماجدۂ حضرت سلطان

روشنی چشم کی ہو تم کو مبارک. مادر
دیکھ لو آج تماشائے ظہورِ قدرت

بھیا بلونت کی توصیف کرے کون بیان
کر وہ خود شاعرِ غرا ہیں بقدرِ شوکت

بلونت راؤ بھیا صاحب سندھیہ

حال سے محتشم اور دل سے ہیں وہ ایک درویش
بخش دی فخر کو کل فقر و غنا کی دولت

فقر کا جامۂ حشمت میں لگا کر پیوند
دونوں عالم کئے تسخیر بزہد و عفت

شمس کی طرح عیاں ان کا جمال اور کمال
روح کی طرح نہاں ان کی رہی ہیبت

علم میں گر ہیں عطارد تو عمل میں برجیس
بزم میں لطف کو اور رزم میں دیکھو ہیبت

قہر سے کار چھپنے مہر ہو پھر بر سر کار
جب خطا بخشیِ اعدا پہ بندھے ان کی نیت

حال مژگاں کا یہ ہو فرطِ حیا سے اس وقت
جھک پڑیں وہ بھی علمہائے عدو کی صورت

صاحبِ سیف و قلم زیب دہِ جاہ و حشم
حاکمِ دادرس و داورِ بیضا ملت

بھیا بلونت ہوئے چھپ تو یہ ہم نے دیکھا
پاس پردہ کے کھڑے اور ہیں بس اک حضرت

شان کو دیکھو تو ممدوح ہیں بس عالیشان
اور اخلاق کو ہے انکے نہایت وسعت

رازداری میں وہ رکھتے ہی نہیں اپنا عدیل
راست کاری میں حریف ان سے اٹھائے خجلت

معتبر مؤتمن و صاف دل و پاک نظر
شاہ سے ان کی رہا کرتی ہے اکثر خلوت

صاحبِ کلک و علم مجمعِ ہر لطف و کرم
کون سی چیز ہے جس پر نہیں انکو قدرت

جامعِ علم و عمل منبعِ ہر فضل و کمال
قامعِ بغض و حسد حامیِ رسمِ خلت

نام کیلاس ہے اور رکھتے ہیں سب سے اخلاص
کوئی ثنا کی ہی نہیں انکا ہے انکی صفت

کرتا پنڈت کیلاس نراین ہاکسر

میں ہوں ایک گوشہ گزیں مجھکو ہے خلوت سے کام
مفت کی کھاتا ہوں کرتا ہی نہیں کچھ محنت

چند ہی روز کا مہماں ہوں میں اس عالم میں
بیٹھا تیار ہوں بلوائے جو ربّ العزت

گر کوئی پوچھے کہ خلوت سے ہو نکلے کیسے
کس سے دل مانگ کے لائے ہو کہو تو حضرت

نور پُر نور کے دیدار کی خاطر میں نے
دل کو دلبر سے لیا چھین بزور و قوت

خاتمہ شعروں کا ہوتا ہے بصد عجز و نیاز
نہ مجھے نظم سے نے نثر سے ہے کچھ نسبت

ہجر ۔ پنڈت تربھون ناتھ سپرو صاحب ۔ خلف پنڈت بشمبر ناتھ سپرو المتخلص بہ صابرؔ ۔ سوانح عمری حضرت ہجرؔ از پنڈت برج نرائن چکبست مرحوم ۔

(ماخوذ از کشمیر درپن بابتہ ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء)

ذوقؔ مرحوم کی تربت کو خدا عنبریں کرے کیا دردناک دل پایا تھا فرماتے ہیں ؎

کھل کے گُل کچھ تو بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

یہ شعر اُن بیکسوں کا مرثیہ ہے ۔ جن کا چراغِ ہستی سرِ شام ہی گُل ہو گیا اور جو دنیا سے ناشاد و نامراد گئے چنانچہ یہ جوانمرگ جس کا نام زیبِ عنوان ہے انھیں حرماں نصیبوں میں ہے جن کی زندگی کی بہار جانفزا پر قبل از وقت اوس پڑ گئی اور جن کے غنچۂ آرزو دبن کھلے مرجھا گئے ۔ لیکن اس رواروی کے عالم میں طبیعت کی رنگینی اور بیان کی شوخی نے اپنا سکّہ قدردانوں کے دل پر جما دیا اور وہ کیفیتیں دکھائیں ۔ جن کی یاد اب تک پس ماندہ احباب کے دل میں دردِ محبت پیدا کرتی ہے یہ مانا کہ حضرت ہجرؔ کو زمانہ نے شہرتِ عام کا تمغہ عطا نہیں کیا اور مثل صیفیؔ و ضمیرؔ و نسیمؔ و سرشارؔ کے سخندانانِ کشمیر کی بزم نورانی کے بالانشینوں میں ان کا شمار نہیں ہو سکتا مگر تاہم اس بزم کے جس گوشہ میں یہ بیٹھے ہیں اُس گوشہ کی ان کی ذات سے رونق ہے ۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مرقع حیات بھی ہدیۂ ناظرین کیا جائے ۔

حضرت ہجرؔ کے والد ماجد کا نام پنڈت بشمبر ناتھ سپرو صاحب المتخلص بہ صابرؔ تھا ۔ حضرت ہجرؔ ۱۸۵۳ء میں تحصیل چنیاں میں پیدا ہوئے تھے ۔ مگر زیادہ تر سکونت سے فیض آباد فیضیاب رہا ۔ علوم مشرقی کی تعلیم زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں حاصل کی ۔ انگریزی میں کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف ۔ اے تک سلسلۂ تعلیم جاری رہا ۔ لیکن امتحان کی ناکامیابی سے دل توڑ دیا اور اس سلسلہ کو ترک کرنا مناسب سمجھا ۔ بعد ازاں فکر معاش میں اودھ کے مختلف ضلعوں میں گھومتے رہے ۔ آخر کار گونڈہ



پنڈت تربھون ناتھ سپرو - ہجرؔ

مستقل سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر گردشِ تقدیر نے چین نہ لینے دیا۔ دو سال گذرے تھے کہ درد زانو کی شکایت پیدا ہوئی۔ مرض نے نہایت طول کھینچا۔ مجبور ہو کر فیض آباد علاج کے لئے واپس آنا پڑا۔ یہاں موت کا فرشتہ تاک لگائے بیٹھا تھا۔ غرضکہ چھ مہینے بیمار رہ کر ماہ مارچ ۱۹۳۲ء میں حضرت ہجر نے احباب کو داغِ مفارقت دیا تخمیناً ۴۹ سال کی عمر پائی۔

حضرت ہجر کے جوہر و کمال کا اندازہ کامل طور پر اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے ہو جبکہ اردو زبان میں انقلابِ عظیم درپیش تھا۔ اور اس کی انشاپردازی کا رنگ بدل رہا تھا۔ حضرت ہجر ان چند جدت پسند بزرگواروں میں ہیں جن سے کہ اس انقلاب کی بنیاد پڑی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انگریزی تہذیب و تربیت کا رنگ اردو زبان کے پیراہن پر چڑھ رہا تھا۔ یعنی لوگ رجب علی سرور کے تکلفات و تصنع کو خیرباد کہہ کر نثر اردو کو سادگی کے زیور سے آراستہ کر رہے تھے۔ اس اختراع و ایجاد کا ذریعہ "اودھ پنچ" تھا۔ اودھ پنچ کی اردو میں ایک خاص سادگی، بے تکلفی، نازکی اور دلبستگی کا رنگ تھا جو کہ قدما کے طرزِ عبارت کے برعکس تھا۔ اس موقع پر اس امر کا اعلان ضروری ہے کہ گو کہ اودھ پنچ ظرافت کا پرچہ تھا مگر اسکے مضامین محض ظرافت کے لحاظ سے زیادہ قابلِ قدر نہیں ہوتے تھے۔ یوں تو ظرافت کے معنی آجکل بہت وسیع ہیں۔ سلامتی سے ہر محلے میں دس بارہ ظریف مل جائینگے۔ ہر طفلِ مکتب جس کو پیر بخارا کی زبان میں کچھ داخلت حاصل ہے اپنے تئیں نعمت خانِ عالی سمجھتا ہے لیکن اگر ظرافت کا اعلیٰ معیار پیش نظر رکھکر اودھ پنچ کے مضامین کا اندازہ کریں تو ہم کو مایوس ہونا پڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکے مضامین میں طبیعت داری اور بذلہ سنجی کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں مگر وہ بات کہاں جو غالب دہلوی کی روزمرہ کی باتوں میں

تھی۔ کہ جو فقرہ زبان سے یا قلم سے نکل گیا وہ اب تک سینہ بسینہ چلا آتا ہے اور جتنے مرتبہ دُہرائیے اتنا ہی زیادہ لطف دیتا ہے مگر اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اردو زبان اودھ پنچ کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی اودھ پنچ کے مضمون نگاروں نے اردو نثر کے پاؤں سے تصنّع کی بیڑیاں کاٹیں اور پرانی قیدوں سے آزاد کیا۔ اس زمرہ میں ہجرؔ و سرشارؔ و ستم ظریف و احمد علی شوق اور خود لائق اڈیٹر منشی محمد سجاد حسین صاحب کا پایہ عالی تر ہے۔ ان حضرات میں سوائے سرشار کے کسی سے ایسی تصنیف یادگار نہیں جس سے کہ مصنّف کا نام صفحۂ ہستی پر اردو زبان کے وجود تک قائم رہے۔ لیکن اگر کبھی اس انقلاب کی تاریخ لکھی گئی جو کہ اودھ پنچ نے اردو انشاپردازی میں پیدا کر دیا تو یہ لوگ آیندہ نسلوں کے شکریہ کے مستحق ضرور مانے جائینگے غرضکہ یہ ثابت ہوا کہ حضرت ہجرؔ اُن چند حضرات میں ہیں جنھوں نے کہ اُردو زبان کو اپنے احسان سے گرانبار کیا ہے منشی محمد سجاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ اودھ پنچ کے پہلے خریدار حضرت ہجرؔ تھے اور سال بھر تک قریب قریب ہر پرچہ میں آپ کے ایک دو مضامین شایع ہوا کئے مگر افسوس کہ وہ جلسہ برہم ہو گیا نہ ہجرؔ ہیں نہ سرشار۔ نہ ستم ظریف وہ کیفیت ہی نہیں

اے مصحفی میں رؤوں کیا اگلی صحبتوں کو — بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

خود منشی محمد سجاد حسین صاحب کو مکروہات زمانہ نے ایسا ستا رکھا ہے کہ مدت سے آپ کے صریر قلم کا نغمہ نہیں سنائی دیا۔ افسوس۔ ؎

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اودھ پنچ کا بھی اب وہ رنگ نہیں بس اب اپنے گذشتہ عظمت کے مزار پر چراغ روشن کئے ہوے ہے۔

اس تشریح کے بعد ہم حضرت ہجرؔ کی طبّاعی اور جدت پسندی کا اندازہ

کرسکتے ہیں۔ اس موقع پر آپ کے مضامین کے اکثر حصے بر سبیل اقتباس لکھے جاتے ہیں جن سے کہ آپ کی تحریر کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ پرتاب گڈھ سے بحیثیت نامہ نگار اودھ پنچ لکھتے ہیں۔ سردی کا مہینہ کیا شروع ہوا کہ پرتاب گڈھ کرۂ زمہریر بن گیا۔ ہفتہ گذشتہ بھر آفتاب کی صورت دیکھنے کو ترس گئے وہ جھما جھم پانی برسا کہ دمبدم یہی خوف معلوم ہوتا تھا کہ خطۂ یونان کی طرح تمام تختہ کا تختہ دریا برد نہ ہو جائے۔ تمام شب وظیفہ پڑھتے گذری ہر لحظہ و ساعت یہی خیال رہتا تھا کہ کہیں کھپریل کی چھت رکوع میں نہ آجائے۔ ہاں آپ سے کچھ اور بھی سنا۔ فرخ سیر کے وقت میں ع باران بارید ریزۂ قند و نبات، واللہ اچھا چاشنی دار ابر تھا۔ مگر افسوس لکھنؤ میں ایسی بارش نہ ہوئی کہ ہر ایک چھینٹے کے بعد ذرا منہ میٹھا ہوتا (اودھ پنچ مطبوعہ ۲ر فروری ۱۸۸۳ء)۔

ہولی پر ایک معرکے کا مضمون لکھا ہے جو کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس سے بھی اقتباس حسب ذیل ہے۔ واللہ ہولی کی فصل کیا آئی گویا اندھیری رات میں سرخ مہتاب چھوٹے ایک عالم بیر بہوٹی کی طرح سر تا سرخ ہو گیا۔ ٹیسو پھولنے سے جنگل میں منگل ہو رہا ہے۔ قطع کا قطع لال بھبھوکا معلوم ہوتا ہے۔ باغ بغیچوں (باغیچوں) میں گل عباس۔ گل اورنگ۔ گل آفتابی۔ گل شفتالو۔ گلنار۔ گل سرخ کھلے ہوئے الگ الگ اپنا جوبن دکھا رہے ہیں اور ؎

چھوٹ سے لالۂ احمر کے یہ ہے رنگ بہار لال ہے مثل شفق رنگ سپہر گردوں

آجکل زمانہ نے کچھ ایسا رنگ بدلا ہے کہ سبزی کاہی وغیرہ جتنے رنگ تھے سب اڑ گئے اب جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھئے گلنار۔ گلابی۔ عنابی بنفشئی کے سوا دوسرا رنگ نظر نہیں آتا...... شوقینوں نے جانور بھی پالے تو لال ہی پالے...... اس فصل میں لڑکا بھی پیدا ہوا تو لال خاں یا ہوری لال کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

ان انتخابات سے حضرت ہجر کی طرز تحریر کا انداز کھلتا ہے۔ خیالات کی شوخی

اور عبارت کی روانی اور چلبلا پن لکھنے والے کی طبیعت واری کی شاہد ہیں۔ یہ وہی رنگ ہے جس کو حضرتِ سرشار نے فسانۂ آزاد میں معراج دی۔

اس زمانہ میں جبکہ سلیس اور سادہ اردو لکھنے کا عام رواج ہے ایسا طرزِ تحریر زیادہ حیرت نہیں پیدا کرتا۔ لیکن اگر یہ خیال ملحوظ خاطر رہے کہ یہ مضامین پچیس برس اُدھر کے لکھے ہوئے ہیں جب کہ اس طرزِ تحریر کی بنیاد پڑی تو ہم کو ہجر کی جدتِ طبع کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اودھ پنچ کے علاوہ آپ سنجیدہ مضامین مختلف رسالوں اور اخباروں میں لکھا کرتے تھے۔ یہ امتیاز زیادہ تر مراسلۂ کشمیر۔ مرۃ الہند۔ وکیل ہند وغیرہ کو حاصل ہوتا تھا۔"ماہیتِ خواب" "نفس امارہ" "ترقی تہذیب" "مسئلہ ویدانت" وغیرہ پر اکثر معرکے کے مضامین لکھے جن کو کہ عبارت کی سلاست و پاکیزگی اور خیالات کی بلندی کی وجہ سے پسند عام اور قبول خاص کا شرف نصیب ہوا۔

حضرتِ ہجر کے زباندان ہونے میں شک نہیں اکثر انگریزی خیالات کا عکس اردو میں اس صفائی سے اُتار رہا ہے کہ بارک اللہ کہیں پر عجز کا شبہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے بے تکلف قلم چلا جاتا ہے تمثیلاً ایک لطیفہ لکھا جاتا ہے جو کہ انگریزی لطیفہ کا ترجمہ ہے۔

حضرت شریڈن ایک مہاجن کے مقروض تھے۔ پیسہ ٹکا پلے نہ تھا۔ ایسے وقت میں تقاضے کو مہاجن صاحب تشریف لائے۔ شریڈن نے چھوٹتے ہی ایسا فقرہ چست کیا کہ مہاجن صاحب تمام آٹے دال کا بھاؤ بھول گئے۔ شریڈن نے کہا بھئی فی الحال اگر اصل مانگتے ہو تو بے سود ہے اور اگر سود چاہتے ہو تو در اصل نہیں۔ یہ سن کر مہاجن گھبرایا اور پوچھنے لگا کیوں جناب آخر میرا روپیہ ملیگا کہ نہیں۔ شریڈن نے ہنس کر جواب دیا واللہ تم بھی بالکل آدمی ہو گھبرائے جاتے ہو۔ خاطر جمع رکھو قرض پہ تو ہمارا تمام کارخانہ چلتا ہے۔ انشاء اللہ تمھیں سے روپیہ لیکر ادا کیا جائیگا۔

(اودھ پنچ مطبوعہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۸ء)

اس سے کسی شخص کا انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی لطیفہ کا ترجمہ کرنا اور اصل مذاق قائم رکھنا کار آسان نہیں۔ کیونکہ مذاق کا پہلو بہت کچھ زبان کا پہلو لئے ہوتا ہے مگر حضرت ہجر کے زورِ قلم کے سامنے اس مشکل کا آسان کرنا دشوار نہ تھا۔ چنانچہ "اصل اور سود" کے لفظ سے اس لطیفہ کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔ اس قسم کی پاکیزگی اور سلاست کی قدر زیادہ معلوم ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حضرات معمولی باتوں کا ترجمہ کرنے میں کیا کیا گاؤزوریاں کرتے ہیں میں نے ایک رسالہ میں دیکھا کہ مصنف نے "لوز مارلس" کا ترجمہ "ڈھیلا اخلاق" کیا ہے جن لوگوں کے کانوں میں سلاست کا نغمہ سمایا ہے وہ ایسا ترجمہ نہ کرینگے۔ مگر ہر کس و ناکس کے کان اس نغمہ سے آشنا نہیں۔ یہ جوہر خداداد ہے۔

شاعری کے لئے بھی حضرت ہجر کی طبیعت خاص طور سے موزوں تھی۔ قدر بلگرامی (نور اللہ مرقدہٗ) کے شاگرد تھے اردو سے توان کو خاص اُنس تھا۔ اس کے علاوہ محمد سجاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ فارسی کا کلام ان کا خوب ہوتا تھا۔ اکثر احباب کے جگھٹے دریا کنارے ہوتے تھے وہاں حضرت ہجر برجستہ اشعار تصنیف کیا کرتے تھے۔ غزل کم کہتے تھے مسدس کا رنگ زیادہ پسند خاطر تھا۔ اس قسم کی نظموں میں لسان الغیب کشمیر۔ کنچا چھنٹا۔ نوحۂ کشمیر و فغانِ کشمیر نے زیادہ شہرت پائی۔ مگر افسوس ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کی قدر نہ کی خدا جانے یہ کیا قدرت کا راز ہے کہ اکثر صاحب جوہر اپنے جوہر کی قدر نہیں کرتے۔ انیس مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

کس طرح قدر بھلے اپنے سخن کی ہو انیسؔ | مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

چنانچہ حضرت ہجر نے کبھی کسی نظم یا مضمون کا مسودہ اپنے پاس نہیں رکھا۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ نظم کا کلام ازبر رہتا تھا۔ شاید یہی وجہ اس بے توجہی کی ہو۔ لیکن ان کے

مرنے کے بعد بابو گنگا پرشاد صاحب ورما اڈیٹر اخبار ایڈوکیٹ وہندوستانی نے کچھ ان کا کلام جمع کرکے ترتیب دیا تھا اور یہ ارادہ تھا کہ ایک مجموعہ کی صورت پر شائع کیا جائے مگر شومیِ تقدیر وہ بھی تلف ہوگیا۔ ایک مسدس اُن کا موسوم بہ کچا چٹھا اکثر بزرگان قوم کے پاس موجود ہے۔ یہ وہ لاجواب نظم ہے جو کہ انھوں نے قومی جھگڑے کے موقع پر تصنیف کی تھی اس کے پڑھنے سے ان کی زباندانی اور جوش طبیعت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس نظم میں نہ رنگین بیانی کو دخل ہے۔ نہ زیادہ تر تشبیہوں اور استعاروں سے کام لیا ہے۔ لیکن شکوہِ الفاظ اور ترکیب کی چستی کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دریا اُمڈا چلا آتا ہے۔ سیدھی سیدھی باتیں ہیں مگر گرمیِ تاثیر سے مالا مال ایک ایک حرف اپنے دامن میں ایک شعلہ چھپائے ہوئے ہے۔ واقعی کس جوش وخروش کا مطلع ہے ؎

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والو　　جہالت کی زنجیر کھڑکانے والو
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والو　　نیا روز ایک جوڑ پھڑکانے والو
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

یا ایک مقام پر بگڑ کر کہتے ہیں ؎

اگر لکھنؤ میں تمھیں باخدا تھے　　بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے　　بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنّیاس لیتے

یا قوم کی حالتِ زار کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں ؎

ہر اک قوم میں صیدِ رنج ومحن ہے　　نہ وہ صحبتیں ہیں نہ وہ انجمن ہے

نہ ہے جوش قومی نہ حبِّ وطن ہے　　　　بدی پر پھر اسال چرخِ کہن ہے
محبّت ہے باقی نہ اُلفت ہے باقی
پڑی قوم میں پھر ہے نا اتّفاقی

اِن متفرق بندوں کے پڑھنے سے وہ سماں آنکھوں کے سامنے نہیں بندھ سکتا جس کے لئے کُل مسدس کا پڑھنا شرط ہے۔ قومی جھگڑے کے متعلق بہت سی نظمیں اہلِ قوم نے شایع کیں لیکن صرف دو نظمیں ایسی تصنیف ہوئیں جن کا خیال قدر دانانِ سخن اپنے دل سے خوشی سے نہ مٹائینگے۔ ایک تحفۂ سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ در کی مثنوی اور دوسرا یہ مسدس جو کہ حضرتِ ہجر کے زورِ فکر کا نتیجہ ہے۔ سُنا گیا ہے یہ مسدس جس کا ایک مصرع بھی بیکار نہیں اور جس میں ۷۰ بند ہیں ایک شب میں لکھ ڈالا تھا۔ اور وہ بھی تپ کی حالت میں۔ مولانا حالی کا مسدس بھی اسی رنگ میں ہے مگر چونکہ مولانا ممدوح کے دل میں شاعری کی آگ روشن نہیں ہے لہذا ان کے مسدس میں اس جوش و خروش کا اظہار نہیں جو کہ سچے پشتے کا خاص جوہر ہے۔

فیض آباد میں ایک انگریز نے سرجو کی تعریف میں ایک نظم کہی تھی۔ اس کا ترجمہ حضرتِ ہجر نے اردو میں کیا تھا۔ وہ نظم تو کل کلام کے ساتھ تلف ہو گئی صرف ایک شعر یاد ہے جو کہ لاجواب ہے ؎

کیا لطف ہے شام کو لبِ جو
اک ناز سے بہ رہا ہے سرجو

اس سلسلہ میں اس امر کا ذکر لازم ہے کہ حضرتِ ہجر کے والد ماجد پنڈت بشمبر ناتھ سپرو صاحب بھی اردو و فارسی کے ماہر تھے قلم میں بھی زور تھا۔ چنانچہ مختلف کتابیں ان سے یادگار ہیں جن میں کہ سرابِ حیات اور تزک جرمی کا مرتبہ بلند ہے۔ میرے دوستو! اگلے وقت کے بزرگوں کا علمی شوق قابل قدر ہے۔

پنڈت بشمبر ناتھ علاوہ دفتر کے چھ گھنٹے کام کرنے کے چار پانچ گھنٹے روز کتب بینی میں صرف کرتے تھے۔ حضرت ہجر نے ایسے قابل باپ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی۔ مگر دونوں کی طبیعت کا رنگ جداگانہ تھا۔ پنڈت بشمبر ناتھ کے طرز عبارت میں پرانی چاشنی کا مزا قائم ہے۔ وہی مسجع عبارت وہی محمد شاہی ترکیبیں وہی تصنع و تکلفات کا رنگ، ان کی تصانیف کے ہر صفحہ پر مرجھائے ہوئے چمن کی گذشتہ بہار کی یاد دلاتا ہے گو کہ انھوں نے یہ زمانہ بھی دیکھا تھا مگر ان کے دل کو طرز قدیم سے محبت تھی برخلاف اسکے حضرت ہجر کے انداز تحریر میں ایک قدرتی کیفیت ہے جس پر کہ ہزار مصنوعی تکلفات قربان ہیں۔ سنجیدہ مضامین میں بھی طبیعت کی شوخی اپنی جھلک دکھاتی ہے۔ بس معلوم ہوتا ہے کہ ابر کے پردہ میں بجلی چمک رہی ہے۔

حضرت ہجر کے جاننے والے سب ان کی طبیعت داری کا لوہا مانتے تھے اوائل عمر ہی سے طبیعت اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ طالبعلمی کے زمانہ میں مختلف اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھا کرتے تھے۔ عجب خداداد ذہن پایا تھا ہر رنگ میں اپنا رنگ جما لیتے تھے۔ کشمیری۔ پنجابی۔ ہندی۔ بنگالی زبانوں میں اس لہجہ سے گفتگو کرتے تھے کہ اہل زبان میں اور ان میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ انگریزی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہیں پائی تھی۔ لیکن چونکہ کتب بینی کا شوق ہمیشہ قائم رہا لہذا اس زبان میں بھی اچھی دستگاہ پیدا کر لی تھی۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کا یہ عالم تھا کہ جس صحبت میں بیٹھتے تھے اس کی زینت ہو جاتی تھی زبان میں جادو تھا۔ بیٹھے بیٹھے ایک فقرہ ایسا کہہ دیا کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ گئے مگر ان کی پیشانی پر شکن بھی نہ پڑی گویا کچھ جانتے ہی نہیں ان کے دلاویز لطائف و ظرائف ان کے احباب کے ابتک ورد زبان ہیں۔ ایک مرتبہ لاہور جانے کا اتفاق ہوا وہاں ایک بزرگ قوم سے ملاقات ہوئی جو کہ شاعری کا شوق رکھتے تھے۔ مگر فارسی میں کہتے تھے اور اکثر

غلبۂ ذکاوت سے خبط اور مہمل بھی بک جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت ہجر کو بھی اُنھوں نے اپنا کلام سُنایا اور دیر تک سمع خراشی کرتے رہے۔ دوسرے روز جب ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے حضرت ہجر سے فرمائش کی کہ آپ اپنا کلام یا کسی اُستاد کا کلام سُنائیے انھوں نے پیشتر سے ایک غزل تیار کر رکھی تھی جسکی نشست الفاظ نہایت چست اور بندش نہایت پختہ تھی اور مختلف اشارے اور کنائے ایسے تھے کہ معلوم ہوتا تھا بڑے دقیق اور فلسفیانہ مضامین نظم ہیں لیکن اصل میں ہر ایک شعر مہمل اور بے معنی تھا۔ حضرت ہجر نے ان کو یہ غزل سُنائی اور کہا کہ قاآنی کی تصنیفات سے ہے۔ بس پھر کیا تھا وہ صاحب ان اشعار پر مفتوں تھے اور شاعر کی نازک خیالی اور بلند پروازی کی داد دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آٹھ روز میں نہایت مشقت سے اس غزل کی شرح طیار کی جو کہ آخر میں اودھ پنچ کی نذر کی گئی۔

اس قسم کے لطیفے اکثر ان سے یادگار ہیں حضرت ہجر کا ادب وانکسار بھی قابل تعریف ہے جس سے کہ وہ ہمیشہ ہر دل عزیز رہے۔ کبھی تنگ ظرفی کو سینہ میں جگہ نہ دی اور ایسی بات نہ کی جو کہ دشمن کو بھی ناگوار ہو باوجود اس فضیلت و اعزاز کے چشم مروت نشۂ غرور سے نہ جھکی۔ منشی محمد سجاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ سوائے تعریف اسکے کبھی ان کے منہ سے کسی کی بُرائی نہ سُنی اگر کسی نے کبھی ان کی شان میں بے ادبی بھی کی تو چشم پوشی کر گئے۔ بقول انیسؔ سے

ضبط دیکھو سب کی سُن لی پر نہ کچھ اپنی کہی — اس زباندانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

ایک مرتبہ طوطیٔ ہند کے اڈیٹر نے ان کے ایک مضمون کا مضحکہ اُڑایا اور ظرافت کے جوش میں تہذیب و شرافت پر خاک ڈالنے سے بھی نہ درگذر کیا۔ حضرت ہجر نے اسکے جواب میں ایک مختصر سا مراسلہ اودھ پنچ میں شایع کیا جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"حضرت اڈیٹر طوطیٔ ہند آپ نے جو کچھ میری نسبت تحریر فرمایا ہے وہ مضمون نگاری

کی شان کے خلاف ہے۔ اگر آپ ظرافت کے پیرایہ میں میرے مضمون کا جواب دیتے تو بہتر ہوتا آپ نے جو ذاتی حملے مجھ پر کئے ہیں میں ان کا جواب ترکی بہ ترکی دینا پسند نہیں کرتا۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں کس قابل ہوں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سب آپ کی تعریف ہے۔"

غرضکہ عجب شریف و باضع آدمی تھا زندہ دلی کا وہ عالم کہ کبھی غم و غصہ کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا گو کہ زمانہ نے بے وفائی کی مگر انکا ہمیشہ یہی اصول رہا کہ ع

دل پر ہجومِ غم ہو جبیں پر شکن نہ ہو

یہ زندہ دلی مرتے دم تک ان کی رفیق رہی۔

مگر حیف کہ فلکِ پیر حضرت ہجرؔ کی جوانی نہ دیکھ سکا۔ کیا افسوس کا مقام ہے سے

کچھ عمر بھی نہ پائی تھی ایسے مُسن نہ تھے　　کہتا تھا خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے
(شکیب ست)

نظر سے خوش گذرے

ملک الشعرا مولانا او دھ بیخ صاحب منفقیؔ اور موزوں تسلیمات عرض کرتا ہوں۔ حضرت لشکری زبان میں تو یار لوگوں نے خوب سمندِ فکر کی جولانیاں دکھائیں اب ذرا زباں دری کی ندرت ملاحظہ فرمائیے مگر للٰلہ مارے خوشی کے اِس دری پر لوٹ نہ جائیے گا۔ ہاں چل میرے خامہ بسم اللہ۔

غزل

خود نمائیست کہ من می دانم	بیوفائیست کہ من می دانم
ہر کہ در ہند فرنگی زاد ست	بادشاہیست کہ من می دانم
حیف صد حیف سیہ فامِ ہند	لا دوائیست کہ من می دانم
ہر کہ پیماں شکن و بد عہد ست	بے ریائیست کہ من می دانم
در جہاں تابع و محکوم شدن	بد بلائیست کہ من می دانم

ارمغان ہر کہ بنذرش آورد — آشنائیست کہ من می دانم
گر کسے او بخوشامد بنہاد — باصفائیست کہ من می دانم
ہر کہ جان داد و آہے نہ کشید — باوفائیست کہ من می دانم
تا صحا نسخۂ تالیف قلوب — کیمیائیست کہ من می دانم
ہر کہ زرداد بہ ٹیکس و چندا — بینوائیست کہ من می دانم
کوٹ و پتلون و کلاہ ترکی — خوشنمائیست کہ من می دانم
پئے نظارہ بہ معبد رفتن — اتقائیست کہ من می دانم
لکھنؤ از پئے چانڈو بازاں — طرفہ جائیست کہ من می دانم
ہجر خاکِ کفِ پائے محبوب — توتیائیست کہ من می دانم

ہندوستان اور انگلستان کی دو دو باتیں

ہندوستان — نیاز از من زتو نازو ادا ہا — زتو دشنام ہا از من دعا ہا
انگلستان — میانِ فاتح و مفتوح رمز یست — نمیدانی کنون جور و جفا ہا
ہندوستان — چہ غزنی، غوری و خلجی چہ مغلان — زدستِ شان بسے دیدیم بلا ہا
انگلستان — ہمین گویم نداری چشم بینا — تلطف میکنم۔ خوانی جفا ہا
ہندوستان — بہ تارِ برقی و گردونِ دودی — سزد لازیب توصیف و ثنا ہا
ولے ورمِ طحالِ ہند چون است — بسے من از فلک جستم دوا ہا
انگلستان — چرا اکنون درِ شکوہ کنی باز — لٹن جینیکہ بخشیدہ شفا ہا
ہندوستان — گہے انکم گہے لیسنس آمد — چہ خوش گسترده دام بلا ہا
انگلستان — نمیدانی رموزِ خسروانی — نظر کن وز بجٹ جود و سخا ہا
ہندوستان — نمودم بہر الحاق عذرداری — کجا یا بم بگو بختِ رسا ہا

سٹیم یعنی ریل کا انجن۔

انگلستان	نہ کردی گوش اسپیچ گورنر	چرا کردی چرا کردی خطا ہا
ہندوستان	ترحم کشتۂ تیغِ جفایت	جگر خون گشتۂ خوبیت وفاہا
انگلستان	خموش اے ہجرِ تا کے یاوہ گوئی	بدردم صد چو ہند و مبتلا ہا
ہندوستان	نداری گوش بر عالم وگرنہ	طپیدن ہائے دل دارد صداہا

میٹھی میٹھی باتیں

انگلستان	دل ہمی پیچد زگفت وگوئے تو	زار شد چون اقوت بازوئے تو
کابل	من نہ تنہا عاشقِ زارِ توام	اوست ہم آئینہ دارِ روئے تو
انگلستان	بارسولان گرم جوشی اینچنین	حیف من دور او ست ہم پہلوئے تو
کابل	کے توانم کرد با او اتفاق	ہر سحر یاد آمدم آن خوئے تو
انگلستان	گر مرا جائے دہی در ملکِ خویش	سر نہم پیشِ خمِ ابروئے تو
کابل	شیشۂ دل وہ زبد عہدی شکست	بر ہمین پیچم چو تارِ موئے تو
انگلستان	اے سرت گردم مرنج از سخن	سیر گاہِ ماست دائم کوئے تو
کابل	چاپلوسی کے کنی اکنون بمن	شبہ دانم گر بود لولوئے تو
انگلستان	نخوت و خود بینی اللہ الصمد	میشوم قربان برین خو خوئے تو

رباعیات

حضرت اودھ پنچ صاحب یوں لکھنے کو تو رباعیات عمر خیام زبان زد خاص و عام ہیں مگر جناب ہماری رباعیوں میں افیون کے قوام ہیں۔ واللہ وہ چاشنی ہے کہ تار نہ ٹوٹے۔ لے اس کو اس سے کیا حاصل اس قوام کا ہمیں بھی مزا تو چکھائیے

بہت بہتر

رُباعی

چانڈو کا جو کوئی لطف ہم سے پوچھے ‏ ‏ ‏ ‏ تھک ہاتھ میں لے لگائے بھبو منہ سے

ہو جو نظر جو آپ کو شر کا مزا ‏ ‏ ‏ ‏ ہر چھینٹے کے بعد اک گنڈیری چوسے

قند مکرّر

میٹھی میٹھی گزک نہ ہم سے چھوٹے — ونیا نوسی نشگ نہ ہم سے چھوٹے
گھربار چھٹے بلا سے لیکن اے ہجرؔ — افیون۔ چانڈو۔ مدک نہ ہم سے چھوٹے

دیگر

جی آپ ہی آپ آج گھبراتا ہے — رہ رہ کے کلیجہ منہ کو آتا ہے
دیکھو اے ہجرؔ۔ دیکھو دل کی باتیں — اسکے کوچہ میں پھر لئے جاتا ہے

اس دل کی صفائی کا عجب لیکھا ہے — ہر اک سے خوشامد کیا کرتا ہے
میری سے میرے تیری سے تیرے آگے — یہ آئینہ بھی ایک ہی منہ دیکھا ہے

دردا کہ خفا ہے یار جانی مجھپر — نازل ہے بلائے آسمانی مجھپر
ممکن نہیں بے حضور جینا اے ہجرؔ — ہے اب تو وبال زندگانی مجھپر

فرقت کا کہاں ہے یارا مجھکو — ہے درد کا ایک فقط سہارا مجھکو
یوں تو دنیا میں سینکڑوں معشوق — لیکن تری سادگی نے مارا مجھکو

اُلٹا اپنی قسمت کا لیکھا دیکھا — جو کچھ کہ نہ دیکھا تھا دیکھا دیکھا
بن بن کے بگڑ گئی ہیں لاکھوں باتیں — ان آنکھوں سے ہمنے کیا کیا دیکھا

کیسے منصوبے اور کہاں کی گھاتیں — کاٹے کٹتی نہیں ہیں اب تو راتیں
کیونکر نہ ہو تلخ زندگانی اے ہجرؔ — یاد آتی ہیں ان کی میٹھی باتیں

کسکی فرقت میں ہجرؔ روتے ہو تم — کس کے لئے بیقرار ہوتے ہو تم
بے ہوش میں آؤ مان جاؤ کہنا — کیوں مفت میں اپنی جان کھوتے ہو تم

احباب کی ہجرؔ قدر دانی دیکھو — خستہ جگروں پہ مہربانی دیکھو
ہو ہم کو حضور سے خیالِ فاسد — ان کج فہموں کی بدگمانی دیکھو

صد حیف وہ دل کی بیقراری نہ رہی — افسوس وہ دل لگی ہماری نہ رہی
پردے سے نکلتے ہی ہوا پردہ فاش — اسرار نہاں کی پردہ داری نہ رہی

در مذہب من اگر شوی بادہ پرست — بہ ز آنکہ بری بجانب افیوں دست
نے مرد نہ زن نہ مردہ و نے زندہ — نے خفتہ نہ بیدار نہ ہشیار نہ مست

قطعات

ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں — کیوں جی یہ طرز گفتگو کیا ہے
تجھکو گوہر کہیں جو بیدھے ہیں — جھوٹے موتی کی آبرو کیا ہے

آج کس کے خرام ناز سے ہجر — ہو رہا یہ سڑک پر اُتو ہے
جب ڈھلکتی ہوئی چلی گوہر — لوگ کہنے لگے کہ لولو ہے

انھیں بلانے کا اے ہجر خط تو بھیجا ہے — خدا کرے وہ خود آئیں جواب کے بدلے

کیا کہئے کہ کس سمت گئی اور کدھر آئی — آندھی کی طرح آئی طبیعت جدھر آئی
سیپارۂ دل کھول کے پڑھنے لگے عشاق — وہ چاند سی کوٹھے پہ جو صورت نظر آئی
شاید کہ گذر کوچۂ جاناں میں ہوا ہے — خوشبو سے مہکتی جو نسیم سحر آئی
بھولے سے کیا یاد کبھی ہمکو۔ تو دم نزع — ہچکی بھی جو آئی تو بنوع دگر آئی

اے ہجر سویرا ہے ابھی ہوش میں آؤ
پھر دیکھو بُرا ہوگا طبیعت اگر آئی

لیکے آئینہ جو دیکھا رخ روشن اپنا — خود فراموش ہوا دیکھ کے جوبن اپنا
میرے مدفن سے جو گذرے تھے تو اللہ رے ناز — دونوں ہاتھوں سے اُٹھائے ہوئے دامن اپنا
توڑتے ہیں دل عشاق کھلونے کی طرح — بھولے بن بن کے دکھاتے ہیں لڑکپن اپنا
رخ پر نور کی ضو گر کہیں دیکھے خورشید — دامن ابر سے ڈھانکے رخ روشن اپنا

بےکسی کا چکارا

در کنجِ غم افتادم و دمساز کسے نیست — درد اکہ بہ فریادم و فریادرسے نیست
بر بیکسیم بین کہ زلیسنس ٹکس آہ — می نالم و جز نالہ کسے ہم نفسے نیست
اقلیم تجارت زغم آمد بہ تکلّم — "جانکاہ تر از من بجہاں آہ کسے نیست"
آتش زنِ کالائے شکیب است گرانی — میگریم و از گریہ ام آگاہ کسے نیست
در معرضِ بحث آمدہ آزادیِ اخبار — صد حیف چو مشتاق کسے دادرسے نیست
خامش بنشین ہجرؔ توکّل بخدا کن
کو گلبن و گلشن کہ پُر از خار و خسے نیست

خلوت میں ایک روز خوشامد سے یہ کہا — عاشق سے اپنے جانِ جہاں مُنہ نہ موڑیے
بولے ہمارے آپ ہیں عاشق خدا کی شان — جن پر کہ آپ مرتے ہیں ہاتھ اُنکے جوڑیے
دکھلائیے اُنھیں کو یہ سب ٹھنڈی گرمیاں — جا کر اُنھیں کے آگے یہ پھپھولے یہ پھوڑیے
بس بس انھیں کو گود میں جا کر بٹھائیے — اُن سے پلٹیے جا کے اُنھیں کو جھنجوڑیے
سُنتے ہی یہ گلے سے جو لپٹا تو بولے وہ — ہاتھوں کو توڑ ڈالئے گردن مروڑیے
سن ہو گیا یہ سُن کے بس آنسو نکل پڑے — رو کر کہا کہ ہجرؔ کا دل یوں نہ توڑیے
تیوری چڑھا کے ناز سے سُن کر دیا جواب
اب تو اکیلے آپ بھی اچّھا نہ چھوڑیے

اک دن وہ گلے لپٹ کے بولے — بس دیکھ لیا کہ بیوفا ہو
کچھ آج پھرے پھرے ہو یہ کیا — تم ایک ہی بانیِ جفا ہو
آخر ہم بھی سنیں ہوا کیا — کس رنج میں ایسے مبتلا ہو
کیوں خیر ہے کیا پڑے ہوئے ہو — اتنے کیوں آج بدمزا ہو
ہاں ہاں مجھے کہو تو کہہ دیں — اب کیا کہیں تم سے ہجرؔ کیا ہو

زانو سے جو کل ہٹا لیا سر — بس اتنی ہی بات پر خفا ہو
کیا دل کا لگانا دلگی ہے — معلوم ہو گر کسی کو چاہو
معشوقی۔ عاشقی میں کیسی — ہم بندے ہوں تم کہو خدا ہو

گلدستہ

بہار آئی ہے۔ پھولے چمن شجر ہیں نہال — ہرے ہیں سبزہ سے جنگل گلوں سے گلشن لال
چمن کو پھول مبارک ہوں پھول کو خوشبو — اودھ کو پنچ اودھ پنچ کو یہ دوسرا سال
مزہ عجب ہے کچھ اس پرچہ میں کہ صورت طفل — جوان و پیر کے مُنہ سے ٹپک رہی ہے رال
بربط کعبہ نرالی ہے سج ترالی دھج — خدا گواہ۔ نیا سکہ ہے نئی ٹکسال
یہ بول چال جدا ہے یہ چال ڈھال جدا — جدا سخن کی روش ہے جدا یہ طرز مقال
ہیں لوگ جھومتے یوں قیل و قال پر اسکے — کہ جیسے طرح کسی صوفی کو آئے بزم میں حال
معاندین نے پٹکا بہت سر اسکے لئے — مگر تراش خراش اسکی پائیں تھا یہ محال
کہاں یہ نوق سما اور کہاں وہ تحت ثریٰ — کجا براق نبی اور کجا خرِ دجال
ہے ابتدا ہی میں اس کے بس انتہا کا مزہ — خدا کی شان ہے تو ہیں حسن بدر کمال
ہوا شیوع زمانہ میں جس برس اسکا — عجب سعید تھا الحق وہ سال فرخ فال
اودھ کے چیف کمشنر کا بڑھ گیا عہدہ — کہ لفٹننٹ گورنر ہوئے ہیں وہ امسال
ہوئی ترقی فرما نروائے انگلستاں — خطاب قیصری پایا بدولت و اقبال

جو ہندیوں کو ہوئی اس خطاب کی شادی
زبان ناطقہ اس کے بیان میں ہے لال

واسوخت

سو کبھی گرگٹ کی طرح جسم نہ تھا زار کبھی — تو پی چو گتی نہ دیتے تھے تم اے یار کبھی
دکھتی و ضع نہ تھی آپ کی زنہار کبھی — اس طرح منہ پہ برستی نہ تھی پھٹکار کبھی

چال اُس فیل کی اے یار نہ چلتے تھے تم
غول کو اپنے نہ اس طرح کچلتے تھے تم

غیر کی بات میں کیوں دخل دیا اے نادان ہے مَثَل ننھا سا منہ اور یہ گز بھر کی زبان
آبکاری کی نہیں یاد وہ اُس کا کچھ دھیان اور کچھ عرض کروں گا تو کھپو گے مری جان
طُولِ تقریر سے عشاق میں دُرگت ہو جائے
کہیں ایسا نہ ہو پڑ سی کی ضمانت ہو جائے

یاد ہیں ہم کو ترے اگلے فسانے کیا کیا ہیں مرے مدِ نظر تیرے ٹھکانے کیا کیا
زکیں دی ہیں تجھے ارباب ولانے کیا کیا یار دیکھے ہیں ترے اگلے زمانے کیا کیا
بات کرنی تجھے ہو جائے گی دشوار بہت
تنگ بحث میں ہمکو بھی ہے اے یار بہت

بند کچھ تیرے سراپا میں بھی لکھنا ہے ضرور سر کدو۔ نیم۔ بھویں۔ رس بھری چشم بے نور
دانت ہیں تخم کدو ناک ہے یا پنڈ کھجور گال سوکھے ہوئے بیگن ہیں تو ہیں کان اچور
ڈیڑھ بالشت کا قد وہ کہ چھچھونڈا شرمائے
سبزی منڈی کا سماں آنکھوں کے آگے پھر جائے

ہوئے تھے خوش بہت ہم سب کہ اب انگریز آئے ہا گھروں میں چین سے بیٹھے ہوئے روٹی تو کھائیں ہا
مگر سرکار نے آکے بہت روپیہ گھٹائے ہا کہ ٹھکرائن کی نتھنی اور جھبلنی بھی بکائیں ہا
ہوئی جب سے عملداری او لوکل فنڈ ہے جاری بھئی روٹی کی دشواری نہیں چیرسا جائیں ہا
ادھر ہے مال کی طلبی سوا کی ہے اُدھر جلدی ذرا ہو دیر۔ ہو قرقی مصیبت میں پھنسائیں ہا
ٹکس ہے۔ فیس ہے۔ جرمانہ ہے چنگی ہے چندہ ہے روپیہ کھینچنے کی صورتیں کیا کیا جائیں ہا
کہوں کیا حال ہے تم سے نہیں کچھ حال باقی اب
علاقہ بنک میں اس خرچ سے گروی رکھائیں ہا

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے
سینہ جویائے زخم کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

اک مہینے سے پچکے بیٹھے ہیں
واہ کیا واقعہ نگاری ہے

کیا لکھیں دل نہ جب شگفتہ ہو
آفتِ جاں امیدواری ہے

بیٹھے آگے نہ کوئی دفتر میں
نادری حکم اب کہ جاری ہے

کیا کریں اب غریب اپرینٹس
رات دن شغلِ آہ وزاری ہے

مارے تخفیف اور ٹیکس کے پیچ
رو چکے سب ہماری باری ہے

دل ہوائے خرام ناز سے پھر
محشرستانِ بیقراری ہے

جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے
روز بازارِ جاں سپاری ہے

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز
گرم بازارِ فوجداری ہے

شجرِ کہنہ ہو گئے سرسبز
کیا ہی گوہر کی آبداری ہے

مفت کا مال کرتی ہے تحصیل
بس یہی اک وفاشعاری ہے

پھر گرانی سے ناک میں دم ہے
اب نہ وہ اشرفی نہاری ہے

پھر اسی بیوفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

دیکھیے فیصلہ یہ کب تک ہو
حضرتِ دل کی روبکاری ہے

اک نہ اک دن یہ ہوگا پردہ فاش
اس کا خمیازہ شرمساری ہے

نہوڑے نہوڑے یہ اونٹ کی چوری
واہ کیا خوب پردہ داری ہے

سمجھے کہ پتھّر کے ہلوے

(یہ وہی نظم ہے جس کا ذکر جک لیست نے کیا ہے اور لاہور میں ایک صاحب قوم کو سُنائی تھی)

سرِ کشیدہ زنخشب چو ماہِ کنعانی
نہفتہ قلب زلیخا بہ پائے تختانی

لبش بسینہ فروہشتہ مجمرِ یاقوت — چو صاعقہ فتد اندر سنبلِ مانی
زلن تراق و بتحالۂ یدِ بیضا — باوج طور رسیدہ کلیم ثعبانی
زبطلیموس و دیوجانس ولغوناجیس — شکستہ خم فلاطون حکیم یونانی
بہ جم کہ جامۂ جامی ست جام وجم غفیر — بہ انتظام نظامی است نظم شروانی
دہ ہمائے سعادت چو بال عنقارا — بفرق شاہ چو ققنس کند نگسرانی
نہاد گندم و جو را درونِ کان نمک — زشور بختیِ ہیموں بگید سلطانی
ہمہ بہ مغز سخن رائے مہملہ دانند — نوشت تحت تری چون تائے فوقانی
فشرد پنجۂ خورشید شاخ سدرہ — زمقرعہ چو علم زد بہ کاخ روحانی
خطِ غبار برآورد چون طلسم فرنگ — نہادہ ابر بخاور کلاہ بارانی

علم نمود چو پرچم پرند مشکین را
درونِ رخنہ خریدہ حکیم کرمانی

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا — کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا
مزا کرکرا ہوگیا دے چرس — نداریم غیر از تو فریاد رس
خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست — وزین گرم تر ہیچ بازار نیست
مدک چون مسِ قلب را کیمیاست — کہ افیون ہمہ درد ہا را دواست
اگر چانڈو بازی تو کرا ختیار — شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں — نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمین
کمر خم ہوئی رہ گیا مغز و پوست — تواضع ز گردن فرازان نکوست
مدک کش اگر دم لگائے نجل — زند سوز او شعلہ در آب و گل
اِدھر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم — کہ ناگہ شود سر بسر کالعدم
جو افیوں پیئے ہے وہ ہے آدمی — نزیبد زمردم بجز مردمی

میاں ہجرؔ پینک میں آٹھوں پہر
بغفلت مبر عمر دروسے بسر

وہ کمان و تیر لیکر جو پئے شکار آیا — سوئے دشت صید بنکر دلِ بیقرار آیا

نہیں عکس قدِ دلبر بمیانِ آبِ خنجر — پئے سیر ہے صنوبر لبِ جوئبار آیا

مرا ڈھل چکا تھا مُنکا مری تھپ چکی تھیں آنکھیں — مرے تن میں جان آئی جو مکاں میں یار آیا

ترے غم میں دیدہ و دل ہیں مثال برق و باراں — کوئی بیقرار آیا کوئی اشکبار آیا

مرے کاخنوں میں لکھی ہیں تمہارے دل کی باتیں — چلو بس قسم نہ کھاؤ بے مجھے اعتبار آیا

وہ ملی خلش کی لذت کہ تجبوں نے ہونٹھ چاٹے — مرے آبلہ کے منہ میں جو دہان خار آیا

دلِ جاں بلب کی میرے نہ کسی نے کی عیادت — ترے تیر کے تصدق کہ یہ بار بار آیا

چلو جھوٹی جھوٹی باتیں نہ بناؤ ہجرؔ مجھسے
نہیں غیر پر ہو مائل ہے مجھے اعتبار آیا

سالِ نَو اودھ پنچ

بادۂ احمر لادے ساقی — اب تو پھول پلا دے ساقی

پھول نہ ہو تو ٹھرا لادے — غم کو اُٹھا کر منہ سے لگا دے

ہو جو نہ ٹھرا تاڑی دیدے — سیندھی لاکے پہاڑی دیدے

سیندھی میں بھی ہو جو بھسا نا — لانا لانا بھنگ ہی لانا

سبزی پل کر خوب بنے گی — دیکھنا کیسی گاڑھی چھنے گی

سبز قدوں سے کام پڑا ہے — ہند میں اک کہرام پڑا ہے

اس میں بھی ہو جو غرّہ دینا — دینا دینا طرّہ دینا

چھینٹے دے کر بہکو نہ دم دے — چٹ پٹ بھر کر ایک چلم دے

کابل سے ہم گرز کہ منگائیں — جاکے بخارا دھوئیں اڑائیں

کش کوئی دینا شنک کا دینا — لانا چھینا مدک کا دینا

فکر نہ کر تو اس کی اُس کی — افیون کی اک دیدے چُسکی
دیکھ تو ہم نے کیا کیا مانا — پھر بھی ہم سے آنکھیں چُرانا
نخرا ہے ترا ساقن ٹیڑھا — ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا
نشہ جاوے دام نہ مانگ — پاس نہیں ہے بھونی بھانگ
چار جو پائے آٹھ اُڑائے — خالی ہاتھوں گھر کو آئے
جام پہ جام پلائے جا — دام کا ذکر نہ لائے جا
مانگیں تو کہہ دیں صاف نہیں ہم — مُصرف ہیں صراف نہیں ہم
من میں وہ صبر رکھتا ساقی — پیچ کے دام بھی ہیں کچھ باقی
جس دم پائے دیدے دام — کھڑی مجبوری چوکھا کام
باتوں کا تیری خرچ بڑا ہے — رندوں سے اب کے پالا پڑا ہے
کیا کیا سوانگ تماشے لائے — کیا کیا باغ سبز دکھائے
رستم و روس لڑایا ہم نے — ریچھ کا ناچ نچایا ہم نے
دیکھے سب نے قلم کے جوبن — بجلی چمکی اُتّر — دکھن
حال دکن کا سارا چھاپا — کابل پر بھی مارا چھاپا
شام اودھ کا رنگ جمایا — توڑ بتایا جوڑ بنایا
سچ کہو ہم جو نہ دل بہلاتے — ابتک ہوش میں کسکو پاتے
جان ہی لیتی فاقہ مستی — پانی کے بدلے خاک برستی
چھاپتے پرچہ اُڑتی خاک — فاقہ سے منہ پر رہتی خاک
کلوں سے کہتے جانچ تو لوں — چل بے چرخے چرخ چوں
پنج سے ملک کو پاٹا ہم نے — سال مزے میں کاٹا ہم نے
ناؤ لگی دو سجتی پار — مارا غوطہ سپنچے پار

ہاں مئے رنگیں ساقی لانا
سال بھرے کی باقی لانا

تشنہ لبی سے رند ہیں ترسے
اُبلے ملکا - ہتھیا برسے

سرخ شراب اور اودی گھٹائیں
گرم پیالہ ٹھنڈی ہوائیں

گڑگڑ بادل پڑپڑ بوندیں
خاک پہ برسیں جھڑ جھڑ بوندیں

نکلے صدا ہر خاک کے سے
برسو رام جھڑاکے سے

برسیں گے برسائیں گے
بنئے مُنہ تُھتائیں گے

جھوم کے آئے ابر بہاری
باغ پہ برسے باری باری

پھول کھلیں جب بُلبل چہکے
دل بھی اُچھلیں رہ رہ کے

کیسا نکھرا سارا گلشن
نہر بھری ہے گردن گردن

غنچے چٹکیں لے کے بلائیں
مانگیں زباں سے برگ دعائیں

جب تک گلشن ہرا بھرا ہے
عارض گل سب بھرا بھرا ہے

دل ہو شگفتہ چین ہو ہر جا
خوش رہیں یارب راجا پرجا

قیصر ہند جئیں جُگ جُگ
راج میں اُنکے براجیں ہم

شاہنامہ پنچ

بنام جہاندار گردون قباب
یل نامور پنچ عالی جناب

سمند قلم را بزین آورم
بہ میدان قرطاس جولاں کنم

بہ رمح سخن نیزہ بازی کنم
پئے ہندیاں چارہ سازی کنم

مرا قیصر از گنج یاری دہد
ہم از منزلت کامگاری دہد

دریغا کہ آتش زبانی نماند
بشمشیر کلکم روانی نماند

نہاں شد ز نظرم عروس سخن
تہی گشت ازان شمع رو انجمن

درآمد چو باد مخالف بجوش
چراغ دماغم بدو شد خموش

دریغا اسیرم بکنج قفس — شقیقم بآزار ضیق النفس
بدل آتشِ غم برافروختم — ز سر تا بپا شمع سان سوختم
ز دست فلک صبر و تابم کجاست — کنون وانمش انچہ برما زناست
ہمین بہ گزین رہ بہ پیچم عنان — با حباب گویم یکے داستان
ز مغرب چو تہذیب اندر رسید — گلِ نو بگلزار عالم دمید
بدنبالِ او ہمرہان تاختند — بخوش گوئیش نقد جان باختند
خروشید بروے چو شیر ژیان — پیِ پیلتن ملک ہندوستان
بہ تیر و کمان و بہ گرز و خدنگ — رجز خوان درآمد بمیدان جنگ
ولے چون بہ تہذیب نظرش فتاد — خروشید چندے سخن کرد یاد
حیا را پسِ پشت انداخت — ز رخ پردۂ شرم برداشت
پس آنگہ در مدح را باز کرد — بدو وصفِ خود گفتن آغاز کرد
علم در جہالت برافراشتم — ز دانشوران جملہ پرداختم
الا جا پلوسی شعارِ من است — بریادہ گویان وقارِ من است
سوے ماتکا برکشیدم سپاہ — گہے رو نتابم ز ناوردگاہ
ز چانڈو بیک کش برآرم چو دُود — فتد سرنگون سقفِ چرخ کبود
بسر می برم خوش بہ پیمانہ ہا — زنم آتش اندر مدک خانہ ہا
اگر اندکے حبِّ افیون خورم — بضربِ تبر نیشکر بشکنم
بہ گرزِ گران بشکنم کوزہ را — تراشم ز شمشیر خرپوزہ را
تنہک و با بنو حریاتِ جنگ من اند — ہمین ہر دو تیر و تفنگ من اند
بدوزم ازان چشم غمّاز را — کنم پشت خم گردنِ افراز را
ز اجسام جوشِ جوانی برم — جوانی مگو زندگانی برم

دہم بال و پر کاغذِ بادپا — نمایم خجل زو پریزادرا
بجنگ آورم گرد را درجہان — فغان خیزد از بر کشش ریسمان
ز تعلیمِ نسوان حذر میکنم — من احوالِ ایشان تبر میکنم
نخواہم کہ شایستگی زو دہد — نخواہم کسے گوئے سبقت برد
نخواہم کہ افشائے رازم شود — نخواہم کہ بیدا نشی کم شود
نخواہم کہ ممتاز و برتر شوم — نخواہم کہ نکبت ز پا افگنم
نخواہم کہ باہم شود اتفاق — نخواہم کہ رو پیچد از من نفاق
نخواہم قدم در تجارت زنم — نخواہم کہ سیر و سیاحت کنم
چو بشنید تہذیب چندین سخن — بشد پیش او چون سہیلِ یمن
بخشم اندر آمد از و رشکِ ماہ — بہ پیچید بر خود چو مارِ سیاہ
بدو گفت کہ اے ہندِ ناسازگار — بہ بینی کنون گردشِ روزگار
دریغا کہ برگشت پیکارِ تو — غنودہ شد آن بخت بیدارِ تو
نگہ کن کنون آتشِ جنگِ من — کمند و دل و زور و آہنگِ من
ہمہ جامۂ جنگ بیرون کنید — ہمہ نیکوی را بافزون کنید
دریغا کہ اے ہند فرخ نژاد — فنون را چنین گفتہ خیر باد
چو بینم شکستہ پر و بالِ تو — مرا گریہ آید بر احوالِ تو
خدارا کنون راستی کوش باش — بہ غفلت میر عمر با ہوش باش
بافعالِ خوش چہرہ را غازہ کن — ز اہلِ خرد خرقہ را تازہ کن
ز تقلید خود را میارا برنگ — مکن ہمسری گہ باہلِ فرنگ
وفا کن وفا جو وفادار باش — ز نیرنگیِ چرخ ہشیار باش
مکن عمر خود ضائع در مسکرات — حذر کن از ین تلخ گرد حیات

بکوشید اکنون بہ تحصیلِ علم — کہ در ہر قرآن بود تفضیلِ علم
بہ بندید بہرِ سفر توشۂ — بیاورز ہر خرمنے خوشۂ
نشاید ترا گہہ بر انگیختن — بہ چشمِ کرم بین بہ اہلِ وطن
غریبے توئی در سرائے سپنج — مرنجان کسے را وہم خود مرنج
ہمی گفت و تہذیب دم در کشید — فرو برد سر ہر کہ اورا شنید
کنوں ہجرِ دل خستۂ دردمند — کند پاک دستِ دعا را بلند
الٰہی اودھ پنچ من شاد باد — حسودش نگونسار و برباد باد
معیناں اورا بیفزا اے قدر — بکن نام شان روشن اکنوں چو بدر

جامِ جہاں نما

رندوں سے کہاں چھپے گا ساقی — پر سال کی مے ابھی ہے باقی
بھر دے جام شراب جلدی — آمد آمد ہے سالِ نو کی
جھٹ پٹ دینی کبھی ہو تو دیدے — باقی جو کچھ ہوں دام لے لے
کچھ فکر نہ کر تو اس کی اس کی — رکسکی رہی اور رہیگی رکسکی
کیا جانئے بعد کیا ہو لے دے — گھوڑا چھوٹے کہ ہاتھی چھوٹے
خرقہ جبہ دیا ہے سب پھیک — در پر ترے آکے کسکی ٹیک
مجھکو مئے بیہوشی پلا دے — اپنے ہی گروہ میں ملالے
ساقی سن کر یہ مسکرایا — ہنس کر یہ سخن زباں پہ لایا
اے پیرو راقمِ اودھ پنچ — اے خادمِ خادمِ اودھ پنچ
کر وصف بیاں قلم کے اپنے — جوہر تو دکھا قلم کے اپنے
ہو کچھ نہ خیال خشک و تر کا — کچا چٹھا ہو سال بھر کا
لیکن شستہ ہو نظم اردو — یہ ہی میدان ہے اور یہی گو

تحریر میں التزام وہ کر   لغزش نہ قلم کو ہو کہیں پر
مطلب اپنا کہیں نہ چھوٹے   ہاں سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے
لکھ بات بھی ایسی ٹھیک چُن کر   پچتانے لگیں پتے کی سُن کر
اُس وقت سے ٹھن گئی یہ جی میں   ہو شاد کا رنگ مثنوی میں
لیکر جو قلم سنبھل کے بیٹھا   مضمون کھنچ آئے دست بستا
مرغانِ چمن کا چہچہانا   سبزے کا ہوا سے لہلہانا
ہر سرو پہ قمریوں کی پرواز   پیاری حق سرّہٗ کی آواز
ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے   گلدستے بنے ہوئے گلوں کے
وہ صبح کا وقت اور وہ گلزار   آنکھوں میں سماگیا بس ایکبار
راحت جو ملی تو نیند آئی   سونے کا صبا پیام لائی
اُس نیند میں ایک خواب دیکھا   گلشن اک لاجواب دیکھا
ہر مرغِ چمن چہک رہا تھا   سارا جنگل مہک رہا تھا
جو نخل تھا سرو قد کھڑا تھا   دھانی اوڑھے ہوئے دوپٹا
سبزہ جوبن دکھا رہا تھا   رمنا دل کو لبھا رہا تھا
شبنم سے چمن میں سب بھرے تھے   لبریز گلاب کے کٹورے
پھسلن تھی روش پہ اس بلا کی   پھرتی تھی نسیم لڑکھڑاتی
شبنم کا ہر ایک قطرہ دُر تھا   منہ غنچوں کا موتیوں سے پُر تھا
اک ناز سے نہریں گھومتی تھیں   ہر پاے شجر کو چومتی تھیں
طائر شاخوں پہ جھولتے تھے   نظّارۂ گل سے پھولتے تھے
شاخیں گُل کی جو ہل رہی تھیں   باچھیں بلبل کی کھل رہی تھیں
ق
خنداں پاکر جو چہرۂ گل   بے پر کی اُڑا رہی تھی بلبل

غنچوں کی جو مٹھیوں میں زر تھا
پھیلائے تھا ہاتھ ہر ایک پتّا

وہ پھول جو گھاس میں کھلے تھے
ق کچھ اور ہی زیب دے رہے تھے

اک لطف تھا بیشی و کمی میں
تارے چھٹکے تھے چاندنی میں

مُنہ دھونے کو صبح مُنہ اندھیرے
شبنم کے بھرے تھے آبخورے

بو پھیلی تھی عاشقی کی ایسی
ق بلبل کی عجیب کیفیت تھی

پڑتی تھی جو دھوپ گل پہ چھن کر
سایہ کرتی تھی کھول کر پر

اک حوض تھا شکلِ آئینہ صاف
مُنہ دیکھ لو جس میں ایسا شفّاف

وہ حوضِ لطیف گر نظر آئے
کوثر کے بھی مُنہ میں پانی بھر آئے

عمدہ پانی کا ذائقہ تھا
میٹھا شربت سے بھی سوا تھا

ہموار نہ قطعۂ چمن تھا
سطح میں نشیب تھا بہت سا

اک عمدگی اونچ نیچ میں تھی
بارہ دری بیچوں بیچ میں تھی

کوٹھی تھی بنی وہ بادشاہی
دولھن کی طرح سجی سجائی

سبحان اللہ وہ عمارت
آتی تھی نظر خدا کی قدرت

اک تختِ زمرّدیں بچھا تھا
اک شیر تھا اُس پہ جلوہ فرما

ازبسکہ ہے نکتہ داں اودھ پیچ
تھا صدر نشیں وہاں اودھ پیچ

اشجار کی ڈالیوں میں پھل تھے
جھلتے طاؤس مورچھل تھے

زلفِ مشکیں اگر وہ دکھلائے
سنبل کا یہ بانکپن نکل جائے

غیرت سے گلوں کے رنگ ڈھل جائیں
نرگس دیکھے تو آنکھیں کھل جائیں

دلچسپ وہ اُس کی داستاں ہے
سوسن کو بھی یاد برزباں ہے

سیرت ایسی کہ ماشاء اللہ
صورت ایسی کہ واہ جی واہ

اتنے میں صبا خبر یہ لائی
ہشیار ہو وہ بہار آئی

سنبھلے طائر پروں کو تولے غنچے چٹکے نقیب بولے
لینے کو بڑھے سب اہتمامی غنچوں میں ادھر دغی سلامی
پھولوں نے جو ٹوپیاں اُچھالیں غنچوں نے بھی پگڑیاں سنبھالیں
اشجار نے ڈالیاں نکالیں سبزہ نے بچھایا بڑھ کے قالیں
اوپر جو نگاہ کی تو دیکھا اک تخت ہوا پہ آ رہا تھا
صورت میں بعینہ ہنڈولا وہ تخت تھا یا اُڑن کھٹولا
کل تھی نہ کوئی نہ بادباں تھا جھونکوں سے نسیم کے رواں تھا
حیرت سی ہوئی ہر اک پجاری گھوڑوں پہ ہوا کے تھی سواری
مژدہ پھر سالِ نَو کا لائی چھم چھم کرتی بہار آئی
دکھلائیں گلوں نے خوش ادائیں کلیوں نے چٹک کے لیں بلائیں
کیا امن و اماں کا وہ محل تھا روشن پانی میں بھی کنول تھا
گلشن کا عجیب حال دیکھا جسکو دیکھا نہال دیکھا

اتنے میں ستم ہوا یہ برپا پچھیاؤ کا آیا ایک جھونکا
آتے ہی لگایا اک اُڑنگا بہنے لگی پھر تو اُلٹی گنگا
وہ رنگ نہ تھا نہ وہ فضا تھی سر پر بس کھیلتی قضا تھی
ہر سمت مسان سا پڑا تھا بھیروں گلشن میں ناچتا تھا
مرجھایا ہوا تھا ہر گلِ تر پھٹکار برس رہی تھی مُنہ پر
نرگس حیرت میں چپ کھڑی تھی ٹپ ٹپ آنسو گرا رہی تھی
اُس حوض کا تھا عجیب نقشا بالکل سوکھا ہوا پڑا تھا
گرد اُسکے کہیں تری جو پائی سبزے کے عوض جمی تھی کائی
نہریں سب خشک لب پڑی تھیں ہونٹوں پہ پپڑیاں جمی تھیں

غیرت سے گُل عَرق عَرق تھے   فوّارے شراب کے تھے بھبکے
دیدے نرگس کے گڑ گئے تھے   حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے
ہُو کا عالم تھا انجمن میں   جھاڑو تھی پھری ہوئی چمن میں
اُس دم تھی بہار سٹپٹائی   چہرے پہ تھی مُردنی سی چھائی
چلتے چلتے کسی بہانے   کچھ کان میں کہدیا صبا نے
بس برق مثال ہو گئی وہ   غصّے سے لال ہو گئی وہ
گلچیں سے کہا پکڑ کے کھینچے   سُوسن کی زبان سنسیوں سے
تھا حکم یہ اب نہ دیکھو بھالو   آنکھیں نرگس کی پھوڑ ڈالو
لائے قمری ہزار اب راگ   آزادیِ سرو کو لگے آگ
اب اس کی سنو نہ کوئی تقریر   ڈالو گردن میں طوق و زنجیر
بازوِ بُلبل کے توڑ ڈالو   گردن اُس کی مروڑ ڈالو
بخوت کی یہ سب فروتنی ہے   مارو گردن یہ کشتنی ہے
بے سود ہے اس میں چارہ سازی   اچھی نہ تھی یہ زباں درازی
اس کی قسمت میں جو بدا تھا   دیدوں گھٹنوں کے آگے آیا
بے فائدہ اب ہے رنج و حرماں   خود کردہٗ خویش را چہ درماں
گلشن کی تو یوں ہوئی تباہی   انساں پہ بلائے قحط آئی
مدراس پہ پہلے آئی آفت   برباد ہوئی تمام خلقت
سرکار رہاری آڑے آئی   فاقہ مستوں کی جاں بچائی
پانی نہ برسنا تھا نہ برسا   ترسا ہر ایک گبر و ترسا
گذرا حد سے جو قحط کا جبر   آہوں کا دھواں اُٹھا بنا ابر
نازل ہوئی رحمتِ الٰہی   منہ مانگی مراد سب نے پائی

سرسوں پھولی ہر اک نظر میں — ٹھنڈک سی پڑی دل و جگر میں
اک مرتبہ باد تند آئی — مغرب سے نیا شگوفہ لائی
کی سرکشی اہل سرویا نے — بلوا کیا مل کے اشقیا نے
ٹرکی جب سرزنش کو جھپٹے — روسی اُن کی مدد کو لپکے
ڈینیوب اُتر جو آئے روسی — ترکوں کی ہوئی تمام ترکی
جھنڈا جب پلونا پہ گاڑا — آپس میں بدا گیا اکھاڑا
دونوں میداں میں دھم سے کودے — خم خوب تڑپ تڑپ کے ٹھونکے
روس آیا جو پینترا بدلتا — دستی کھینچی تو پیٹھ پر تھا
لنگر کو زمین سے اُکھیڑا — منگڑی پہ چڑھا دیا اڑنگا
دھوبی پاٹے کا داؤں کر کے — دے پٹکا زمیں پہ اُس کو بھد سے
تھا روم نرا پٹا غضب کا — اک پیچ چلا نرالے ڈھب کا
ہر سمت ہوا یہ شور برپا — بغلی ڈوبا وہ روم نکلا
سنبھلا نہ تھا روم ابھی نکل کر — پھر روس نے لے لیا پٹوں پر
کھائی اک ڈھیکلی سمٹ کر — پٹ آیا زمین پر اُلٹ کر
بے قابو حریف کو جو پایا — پھر روم کو روس چھاپ بیٹھا
آناً فاناً میں پھر یہ دیکھا — نیچے سے روم پیٹھ پر تھا
رگڑے پہلے بہت بتائے — ڈنڈے گھوسے بہت چکھائے
لیکن جو تھا روم شست و بھول — دو ہی پکڑوں میں دم گیا پھول
نیچے گو روس چپ پڑا تھا — ق — لیکن یہ گٹھا پٹھا ہوا تھا
سب کچھ کیا دم نہ اُس کا ٹوٹا — آخر بپتی بتا کے چھوٹا
چھٹتے ہی کسا جو اُس نے حلقوم — پایا انعام قرص دہاطوم
پشتک پہ اُڑا یا دیکے کاندھی — ہنستے گا نٹھے سواری باندھی
اندری کو چڑھا کے دی جو تھپکی — بس ختم ہوئی تمام کشتی

شہرہ ہوا ہر طرف وہ مارا وہ روس نے روم کو پچھاڑا
شیرینیِ فتح کی جو تقسیم دوڑے شاہان ہفت اقلیم
کچھ ہو ہمیں سیر بس ملا سب حلوا مانڈے سے ہم کو مطلب
لکھتا ہے امیرؔ کو جو نامہ زوروں پہ ہے بس کمیتِ خامہ
بدلے ہوئے اُسکے ہیں یہ تیور رکھتا ہی نہیں قدم زمیں پر
کتوں زاغوں کی عفت نہ غائب ہے قابل سُننے کے داستاں ہے
ق
کابل میں سفیرِ روس آیا نقشہ کچھ اُس نے وہ جمایا
خرمستیاں سوجھیں کابلی کو نزلہ ہوا طرفہ میںڈکی کو
سرکار نے بھیجی جب سفارت روکا اُس کو خدا کی قدرت
غیروں کا یہ روکنا غضب تھا ہتھے پہ یہ ٹوکنا غضب تھا
آئی تھی افاغنا کی شامت لکھی قسمت میں تھی ندامت
پہلے تھا بلوں پہ میر آخور لشکر جو بڑھا تو گھٹ گیا زور
کیا جنگ میں فوج کام کرتی آخر آخور کی تھی بھرتی
واں فوج افاغنا تھی گم صم نقارے کی یاں صدا تھی قُم قُم
ایک ہی ہلہ میں لے لیا تھل ڈھاکہ قرّم پیوار کو تل
اللہ رے دلاوروں کے جگرے آگے یہ بڑھے ہٹے وہ پیچھے
بولی یہ سپاہ بادلِ شاد لو فتح ہوا جلال آباد
توپیں دغنے لگیں دنا دن دَرّوں کو بنایا رشکِ گلشن
نصرت کی سلامیاں ہوئیں سر نعروں سے بپا تھا شورِ محشر
سب نے مل کر جو غُل مچایا سوتے سوتے مجھے جگایا

افسانہ یہ ہجرؔ خواب کا تھا
آنکھیں کھلتے ہی کچھ نہ دیکھا

فغانِ کشمیر

کرتا ہے کشمیر بین راجہ مرا لٹ گیا — کھو گیا آرام و چین راجہ مرا لٹ گیا

ہائے پیارا میرا راج دُلارا مرا — آنکھوں کا تارا مرا راجہ مرا لٹ گیا

ہائے دلاور میرا صاحب لشکر مرا — سرور و صفدر مرا راجہ مرا لٹ گیا

عدل کا بانی میرا راحت جانی مرا — یوسف ثانی مرا راجہ مرا لٹ گیا

خلق کا تھا نور جبین ملک کا تھا زیب و زین — دل کو ہو کس طرح چین راجہ مرا لٹ گیا

بیٹھے بٹھائے مرا عیش منغص ہوا — ہائے یہ کیا ہو گیا راجہ مرا لٹ گیا

سر پہ بلا آ گئی غم کی گھٹا چھا گئی — کس کی نظر کھا گئی راجہ مرا لٹ گیا

راج ہوا پائمال دل ہو گیا کیونکر نڈھال — زندگی اب ہے وبال راجہ مرا لٹ گیا

تھے جو امیر و وزیر راج کے سچے مشیر — ہو گئے بالکل حقیر راجہ مرا لٹ گیا

چھن گیا مال و منال لٹ گیا جاہ و جلال — ہے مرا جینا محال راجہ مرا لٹ گیا

ہائے بھرا گھر مٹا سب ہوئے بے دست و پا — کوئی نہ افسر رہا راجہ مرا لٹ گیا

ہائے یہ جور و ستم مٹ گیا جاہ و حشم — کیوں نہ ہو دل کو الم راجہ مرا لٹ گیا

ہائے غضب ہو گیا عیش مرا کھو گیا — بخت مرا سو گیا راجہ مرا لٹ گیا

رنج گوارا نہیں ضبط کا یارا نہیں — کوئی سہارا نہیں راجہ مرا لٹ گیا

بھائی تھا ڈاکو ہوا جان کا لاگو ہوا — ہائے بلا کو ہوا راجہ مرا لٹ گیا

غیر کے پالے پڑے جان کے لالے پڑے — سینہ میں چھالے پڑے راجہ مرا لٹ گیا

چاہتے ہیں اہل کیں غیر ہو مسند نشیں — میرا ٹھکانا نہیں راجہ مرا لٹ گیا

غیر کی ہو بندگی اسکی ہے بس تشنگی — حیف میری زندگی راجہ مرا لٹ گیا

بھائی کو کاوش ہوئی راج کی خواہش ہوئی — جان کو کاہش ہوئی راجہ مرا لٹ گیا

اب نہ وہ دربار ہے اب نہ وہ سرکار ہے — ملک پہ ادبار ہے راجہ مرا لٹ گیا

اب نہ وہ شوکت رہی اب نہ وہ صولت رہی
اب نہ وہ دولت رہی راجہ مرا اُٹھ گیا

اب وہ فراست کہاں اب وہ سیاست کہاں
اب وہ ریاست کہاں راجہ مرا اُٹھ گیا

مُلک کا غمخوار تھا دیں کا مددگار تھا
دھرم کا اوتار تھا راجہ مرا اُٹھ گیا

اپنا پرایا ہُوا گھر کا صفایا ہُوا
کیا یہ خدایا ہوا راجہ مرا اُٹھ گیا

ہائے ستم ہوگیا عیش تمّم ہوگیا
ناک میں دم ہوگیا راجہ مرا اُٹھ گیا

جتنے ہیں اہلِ وطن سب کو ہے رنج و محن
کہتے ہیں یہ مرد و زن راجہ مرا اُٹھ گیا

رنج میں کبتک سہوں چپ میں کہاں تک رہوں
ہجرؔ میں کس سے کہوں راجہ مرا اُٹھ گیا

مہاراجہ کشمیر کا نوحۂ دیگر

قسمت نے کی بُرائی فریاد رس الٰہی
جاں ہے لبوں پہ آئی فریاد رس الٰہی

کشمیر کی زمیں پر میرے دلِ حزیں پر
غم کی گھٹا ہے چھائی فریاد رس الٰہی

یاروں نے مُنہ کو موڑا اپنوں نے ساتھ چھوڑا
کی سب نے بیوفائی فریاد رس الٰہی

غیروں سے کیا شکایت بگڑی خود اپنی قسمت
دشمن ہوا ہے بھائی فریاد رس الٰہی

تکّو مجھے بنایا خاکہ مرا اُڑایا
پرچوں میں بم مچائی فریاد رس الٰہی

مصنوعی خط بنائے سو اشتغلے اُٹھائے
جھوٹی خبر اُڑائی فریاد رس الٰہی

صد حیف حاسدوں نے صد حیف قلسدوں نے
اک آگ ہے لگائی فریاد رس الٰہی

نسبیٹ* نے مجھکو کھویا قسمت نے مجھکو کھویا
عظمت مری گھٹائی فریاد رس الٰہی

فقرے عجب اُڑائے مینڈھے عجب لڑائے
حکمت کی تہ جمائی فریاد رس الٰہی

بیجا مجھے ڈبویا کیا جانے کیا لکھایا
بات اک نئی بنائی فریاد رس الٰہی

خود تاج میں نے چھوڑا خود راج میں نے چھوڑا
کیا پر کٹی اڑائی فریاد رس الٰہی

* رزیڈنٹ کشمیر۔

جاہل مجھے بنایا غافل مجھے بنایا عزت مری مٹائی فریاد رس الٰہی
بے بے بنا کے بوکھل مجھکو کیا معطل کونسل نئی رچائی فریاد رس الٰہی
مجھول کر دیا ہے معزول کر دیا ہے کیا میں نے کی برائی فریاد رس الٰہی
خود میری آشتی نے خود میری راستی نے آفت یہ مجھ پہ ڈھائی فریاد رس الٰہی
ملزم مجھے بنایا مجرم مجھے بنایا یہ دل میں کیا سمائی فریاد رس الٰہی
جو تھے وزیر میرے جو تھے مشیر میرے سب کو وفا بتائی فریاد رس الٰہی
میں ہو رہا ہوں بیکس میں ہو رہا ہوں بے بس آفت ہے سر پہ آئی فریاد رس الٰہی
گنجے بنیں ہنر مند مجھکو کریں نظر بند ہے شان کبریائی فریاد رس الٰہی
مہراجہ اور گذارا کیونکر یہ ہو گوارا میں اور ٹکڑ گدائی فریاد رس الٰہی
کی تھی جو جانسپاری کی تھی جو جاں نثاری اس کی سزا ہے پائی فریاد رس الٰہی
ہے ہے وہ میری عظمت ہے ہے وہ میری شوکت سب خاک میں ملائی فریاد رس الٰہی
حالت مری ہے ابتر جینے سے موت بہتر غم سے ملے رہائی فریاد رس الٰہی
معذور و ستمند م مجبور و دردمندم مشکلکشا کجائی فریاد رس الٰہی
اب یہ ہی جستجو ہے اب یہ ہی آرزو ہے شملہ پہ ہو رسائی فریاد رس الٰہی

گر ہجر راج چھینا ہے حیف میرا جینا
قیصر کی ہے دہائی فریاد رس الٰہی

مثنوی

ستارا ہر ایک جھلملانے لگا چراغ سحر ٹمٹمانے لگا
نسیم سحر گدگدانے لگی ہر اک غنچۂ لب کو ہنسانے لگی
چڑھا ئے پرستوں کے سر پر خمار طبیعت کو ہونے لگا انتشار
بھری بھنگ کی خالی ٹھلیا ہوئی سے آشام کی ختم تھلیا ہوئی

پھر آنے لگیں مجھکو جمھائیاں
بدن توڑتی پھر ہیں انگڑائیاں

بھر آنکھیں مری ڈبڈبانے لگیں
پھر اب ہچکیاں مجھکو آنے لگیں

ستم ہے فرنگ اک زمانہ ہوا
دگرگوں ہر اک کارخانہ ہوا

نہ تاڑی نے صد حیف تاڑا مجھے
نہ بنت العنب نے ہی تاکا مجھے

کسی نے بھی مطلق خبر تک نہ کی
نہ چلو ہی بھر دی کہیں سے ملی

سحر منہ اندھیرے حریرہ پلا
فرنگی محل کا خمیرہ پلا

مزا تو گزک کا ادھورا نہ چھوڑ
ذرا سیخ پر لا کے لیموں نچوڑ

صراحی میں لاکر تو بھر دے شیری
مزہ ہو کہ شیشے میں اترے پری

پلا پھول جس سے مہکتا چلے
قلم ہر قدم پر بہکتا چلے

عیادت کو آنا اک انداز سے
اشارہ ہو پھر عشوۂ وناز سے

کسی کے ہیں مدفن پہ آئے ہوئے
ذرا پائنچوں کو اٹھائے ہوئے

تجھے ساقیا ہائے کیا ہوگیا
کہ یوں ہجر سے تو خفا ہوگیا

قسم تجھکو بادِ بہاری کی ہے
قسم تجھکو بلبل کی زاری کی ہے

قسم ہے تجھے اپنی بیداد کی
قسم ہے تجھے میری فریاد کی

غریبوں ہی کی بے بسی کی قسم
تجھے میری ہی بے کسی کی قسم

تجھے اپنی شرم وحیا کی قسم
تجھے عاشقوں کی بلا کی قسم

قسم تجھکو غفلت شعاری کی ہے
قسم میری ہی بیقراری کی ہے

تجھے اپنی ہی آن کا واسطہ
تجھے ہجر کی جان کا واسطہ

مئے ارغوانی پلادے مجھے
پھر اس لالہ رخ سے ملادے مجھے

مجھے اس پریوش کا چہرہ دکھا
نئے رنگ کا اک دسہرہ دکھا

خدایا کہیں بت مرا رام ہو
دلِ زار کو جس سے آرام ہو

جدائی میں کبتک میں جیتا رہوں | کہانتک میں زخموں کو سیتا رہوں
جدھر دیکھئے حسرت و یاس ہے | تماشا ہے بستی میں بن باس ہے
کہیں روز ہجراں کی اب شام ہو | فقط ہم ہوں اور وہ دلارام ہو
کہیں دردِ دل کی دوا اب ملے | ملے رنج و غم سے رہائی مجھے
ہوا جیسے جھٹ پٹ بھرت کا ملاپ | گلے مجھ سے لپٹے وہ خود آکے آپ

لسان الغیب کشمیر

سنبھل قومی اعزاز کے کھونیوالے | زمانہ میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمہ سے منہ دھونے والے | خبر دار او بیخبر سونے والے

گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آرہی ہے تباہی

ترے ساتھ کیا قوم نے کی بُرائی | جو گمنام فہرست ہر جا گھمائی
یہ کیا تفرقہ ڈالنے کی سمائی | چھٹے باپ سے بیٹے بھائی سے بھائی

بھلا مقتضائے ریاست یہی ہے
شرافت یہی ہے نجابت یہی ہے

تری قوم کو اس عداوت نے کھویا | جہالت نے کھویا حماقت نے کھویا
بنا گھر ترا تیری عادت نے کھویا | تجھے فخر بیجا کی شامت نے کھویا

وہ حالت ہے جس کا سدھرنا ہے مشکل
تو آپ سے اب اُبھرنا ہے مشکل

یہ سودا سمایا ہے کیا تیرے سر میں | جو شاخیں نکالی ہیں جھوٹی خبر میں
ہے بم چخ مچی حیت ہر ایک گھر میں | لڑائی ٹھنی ہے پدر اور پسر میں

جو چندے رہی یونہی بے اعتدالی
تو پھر قوم کا بس ہے اللہ والی

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک　　یہ پندار یہ عجب ثروت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نفرت کہاں تک　　یہ مینڈھے لڑانے کی عادت کہاں تک

ذرا کھول کر کان سن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخرش چاہ کن کو

یہ انصاف سے تو نے کیوں منہ کو موڑا　　یہ اغوا کا کیوں تو نے طوفان جوڑا
خورو نوش کیوں اپنے بھائی کا چھوڑا　　یہ کیوں سلسلہ حب اخوت کا توڑا

یہ نفسانیت کیا سمائی ہے سر میں
یہ اخراج جائز ہے کس شاستر میں

بھلا پنڈتوں سے یو سنا بھی لی تھی　　جرائم کی مجرم سے تحقیق کی تھی
کمیٹی میں پسنک بھی کوئی کھلی تھی　　کچھ انصاف بھی واں تھا یا دگی تھی

یہی طور پنچایتوں کا اگر ہے
سزاوار اخراج ہر اک بشر ہے

جہاں مل گئے چار ہم قوم بھائی　　شکایت کسی نے کسی کی سنائی
تو پھر کس کا اظہار کس کی صفائی　　وہیں فرد اخراج و ستخط کرائی

ہوئی گشت شہروں میں اور سب نے جانا
کہ خارج ہوا قوم سے ہے فلانا

یہ اخراج کا گر رہا تازیانہ　　کہانی رہی گر یہی ہے فسانہ
تو آتا ہے نزدیک وہ بھی زمانہ　　کہ اٹھیگا کل قوم کا آب و دانہ

مزا ہے یونہیں نت نیا تفرقہ ہو
یونہیں قوم میں تعمیہ تخرجہ ہو

مرے قوم کے پیارے کشمیری بھائی　　یہ ہٹ دھرمی کیوں اتنی دل میں سمائی
گھٹا خوف کی کیوں ہے آنکھوں پہ چھائی　　سمجھ بوجھ کر کیوں ہے بے اعتنائی

ذرہ دل میں سوچو تو للہ صاحب
ہے ظاہر میں کچھ دل میں کچھ واہ صاحب

بمجبوری دستخط کا کرنا غضب ہے
بزرگوں پہ الزام دھرنا غضب ہے
اس اخراج سے اینٹھ ڈرنا غضب ہے
خجالت کے آگے نکرنا غضب ہے

وہی ہوگا قسمت میں جو کچھ بدا ہے
رضائے خدا راستی میں سدا ہے

یہ غالب ہوئی دنیوی تم پہ عبرت
کہ دنیا کو عقبیٰ پہ دی تم نے سبقت
بڑھی ایسی تخفیف بیجا کی عزت
گھٹائی نگاہوں سے ایماں کی وقعت

نہ ہے اور نہ ہوگا یہ مسلک تمھارا
مبارک تمھیں وہریہ پن تمھارا

کھلے بندوں ہوٹل میں جانا روا ہے
گلاسوں کا منہ میں لگانا روا ہے
برانڈی کی بوتل لنڈھانا روا ہے
مٹن چاپ و کٹلٹ کا کھانا روا ہے

یہ بیو برف بے کھٹکے اسٹیشنوں پر
اڑاؤ لیمونیڈ و سوڈا و جنجر

کرو سر کو چھپ چھپ کے گر تم تو جائز
عبادت کرو الٹی واثم تو جائز
جو گھر ڈال لو کوئی خانم تو جائز
شکر شیر ہو جاؤ باہم تو جائز

وہی کرتے ہیں جنکے کچھ حوصلے ہیں
جو سچ پوچھو دولت کے سب چوچلے ہیں

طوائف سے ہو گرم جوشی تو واجب
بہم مل کے ہو بادہ نوشی تو واجب
امیروں کی ہو خیر کوشی تو واجب
جو دانستہ ہو چشم پوشی تو واجب

مدک، چانڈو، افیون ہے تم کو جائز
دوائے ہر ایک چیز ہے تم کو جائز

ان افعال پر نکتہ چینی خطا ہے رئیسوں کو ہر فعل کرنا روا ہے
نہ معلوم کیا کیا دلوں میں بھرا ہے اس اخراج کا اور ہی مدعا ہے
کلب اور اغوا کا ہے اک بہانا
غرض قوم پر ہے وبا عنت جتانا

ارے جوشِ قومی کہاں ہے کدھر ہے یہ کیا ہو رہا دیکھ شام و سحر ہے
کبھی تیری انصاف پر بھی نظر ہے تری قوم کی دیکھ حالت تبر ہے
جو مفلوک ہیں یا کہ ہیں صاحبِ زر
نگاہوں میں تیری تو ہیں سب برابر

جو مازل گزرج کا تجھے ہے سہارا وبا عنت یہ کب تجھکو ہو گی گوارا
اگر تو بھی اس وقت ہے سب کو ہارا چنیں خوف بیجا مبارک شمارا
یقیں یہ نہیں تیری ہمت جو کم ہو
یہ ممکن نہیں تو نہ ثابت قدم ہو

کسی نے بھی اخراج ایسا سنا ہے کبھی ایسا کشمیریوں میں ہوا ہے
سمجھنے کے قابل یہ کل ماجرا ہے یہ ذاتی عداوت نہیں ہے تو کیا ہے
بجھاتے ہیں ثالث لگی اپنے جی کی
صدا بھی نہیں سنتے ہیں مدعی کی

یہی سب میں چرچا یہی گفتگو ہے کہ یہ قوم بھی حیف کیا جنگجو ہے
کٹے مرتے آپس میں ہیں ایسی خو ہے بھلا کیوں نہ ہو آخرش لکھنؤ ہے
ولایت کا جو نام تک لے وہ خارج
جو جانے کی ترغیب تک دے وہ خارج
نہ دستخط کرے بند پر وہ بھی خارج مخالف اگر ہے پسر وہ بھی خارج

موافق نہیں گرچہ وہ بھی خارج — کرے جو اگر یا مگر وہ بھی خارج
یہ اخراج کا مادّہ پک رہا ہے
ہر اک برطرف برطرف بک رہا ہے

بڑھی اس قدر ہجرؔ نااتفاقی — گئی چھوٹ آپس کی سب خوش مذاقی
محبت کی بو تک رہی اب نہ باقی — نہیں ہوتے بھائی سے بھائی ملاقی
پھنسی قوم ہے ظلمتِ ماؤمن میں
ترقی کا چاند آگیا ہے گہن میں

جگ بر شپیر جی

یہ کیوں آج اٹھکھیلیوں پر صبا ہے — یہ کیوں ہر شجر وجد میں جھومتا ہے
کھلا آج کیوں گل کا بندِ قبا ہے — یہ خوش آج کیوں بلبلِ خوشنوا ہے
چمن آج کیوں رشکِ باغِ جناں ہے
بھلا کس کی آمد کا جلسہ یہاں ہے

گھٹا کیوں یہ اُمڈی ہوئی آرہی ہے — یہ ٹھنڈی ہوا ساتھ کیوں لا رہی ہے
خوشی کیوں یہ چاروں طرف چھا رہی ہے — طبیعت یہ کیوں آج لہرا رہی ہے
یہ کیوں ہر گھڑی برق ہے مسکراتی
اشاروں میں آنکھوں سے کیا ہے بتاتی

چمن میں یہ کیوں آج گلکاریاں ہیں — یہ کیوں انجمن میں طرحداریاں ہیں
یہ بازار میں کیوں خریداریاں ہیں — یہ کیوں آج دعوت کی تیاریاں ہیں
یہ احباب کا آج کیوں جمگھٹا ہے
مگر ہو نہ ہو جگ یہ ریشِ پیر کا ہے

اسی جگ نے دعوت کا مژدہ سنایا — اسی جگ نے ہے جوش قومی دکھایا

اسی جگ نے چھوٹے بڑوں کو بُلایا   اسی جگ نے سب بھائیوں کو ملایا
اسی جگ نے بنیاد ڈالی خوشی کی
کھولے سب بجے ہو رِش پیرجی کی
بزرگوں کو ہو گرمجوشی مبارک   سبھوں کو ہو جشنِ رشی جی مبارک
جوانوں کو ہو پائمردی مبارک   ہر اک کو ہو یہ حُبّ قومی مبارک
کنوں خیر بادلیست رنج و تعب را
مبارک ہمہ ممبرانِ کلب را
یہ کیا قوم پر جگ کا تھوڑا اثر ہے   ہوا جمع آ آکے ہر ذی ہنر ہے
عیاں فرحت و خورّمی سر بسر ہے   فقط حُبّ قومی پہ سب کی نظر ہے
مبارک ہو تقریب جو دن یہ لائی
خوشی سے ملے آج بھائی سے بھائی
نوا سنج ہر بلبلِ نغمہ خواں ہے   سبق حبِّ قومی کا نوکِ زباں ہے
ہر اک گل مسرت سے خندہ زناں ہے   یہاں آج کشمیر کا سا سماں ہے
ہوا سے نہیں یہ شجر ہل رہے ہیں
خوشی سے یہ باہم گلے مل رہے ہیں
لبوں پر یہ کیوں نام کشمیر آیا   یہ کس نے ستم دفعتہً مجھ پہ ڈھایا
زباں تو ہی کہہ کیا بھلا تو نے پایا   جو ایسی خوشی میں مجھے خوں رُلایا
یہ کیوں بے محل یاد آئی وطن کی
چھڑی داستاں کیوں یہ رنج و محن کی
مزا کرکرا ہو گیا حیف سارا   جگر ہو رہا ہے مرا پارہ پارا
نہیں ضبط کا مجھکو اس وقت یارا   کروں کیا یہ دل ہے نہیں سنگ خارا

جو ایک جا ہوئے آج ہیں سب برادر
سناتا ہوں کچھ حال ہمدرد پا کر

وہ کشمیر جنت کا تھا جو کہ ثانی — کیا کرتے تھے جسکی سب مدح خوانی
بلا اس پہ نازل ہوئی ناگہانی — ہوئی جان لوگوں کو دو بھر بچانی

عجب رقت آمیز یہ واقعہ ہے
عجب درد آمیز یہ سانحہ ہے

وطن پر ہے ایک آج کل آفت آئی — عجب آئے ہیں جس نے ہل چل مچائی
زمیں سر پہ ہے زلزلوں نے اٹھائی — ہوئے صید غم سارے کشمیری بھائی

غضب میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں
مصیبت میں بھائی تمھارے پڑے ہیں

مکانات یکلخت سب ڈھ رہے ہیں — کہیں سینکڑوں آفتیں سہ رہے ہیں
جگر شق ہے اشک آنکھوں سے بہہ رہے ہیں — مصیبت میں رو رو کے یہ کہہ رہے ہیں

مدد المدد حب قومی کجائی
بواماندگاں دستگیری نمائی

چھتیں گر رہی ہیں کہیں پر دھا دھم — تلف ہو رہی ہیں کہیں جان آدم
پڑا ہے کوئی زیر دیوار بے دم — بپا ہے وطن میں ترے سخت ماتم

کیا ایسی حالت میں سب نے کنارا
فقط بیکسی کا رہا ہے سہارا

کہیں خاک بر سر پسر بے پدر ہے — پدر کو کہیں حیف داغ پسر ہے
کوئی جاں بلب کوئی خستہ جگر ہے — یتیمی پہ اپنی کوئی نوحہ گر ہے

جدھر دیکھئے ایک محشر بپا ہے
وطن آجکل کیا ہے ماتم سرا ہے

کہاں روپیہ پاس جو گھر بنائیں کہاں بیٹھ کر جیف کھائیں پکائیں
مصیبت سے بچوں کو کیونکر بچائیں وطن چھوڑ کر ہائے کس سمت جائیں

وہ اس وقت حالت بتر ہو رہی ہے
کہ خود بیکسی دیکھ کر رو رہی ہے

لگائے ہوئے گھٹ مصیبت کھڑی ہے نکلنا ہے دشوار مشکل پڑی ہے
مسافت خطرناک منزل کڑی ہے تلاطم میں کشتی ہماری پڑی ہے

یہی وقت امداد ہے بھائی آنا
بھری ناؤ ڈوبی بچانا بچانا

تباہی تری قوم پر آ رہی ہے تنزل کی تمثیل دکھلا رہی ہے
شگوفہ نیا روز اک لا رہی ہے گھٹا کی طرح سر پہ منڈلا رہی ہے

رہیگی نہ یہ عظمتِ قوم باقی
رہی یونہی گر اس میں نا اتفاقی

یہ مانا وطن سے ہے منہ تم نے موڑا ہے سب سلسلہ آمد و شد کا توڑا
یہ مانا کہ سب واسطہ تم نے چھوڑا کہیں اور رشتہ محبت کا جوڑا

مگر جوشِ خوں کو بھلا کیا کرو گے
کہاں تک خموشی کو جائز رکھو گے

وطن سے ہو نفرت یہ ممکن نہیں ہے نہ ہو اس کی چاہت یہ ممکن نہیں ہے
نہ چاہے طبیعت یہ ممکن نہیں ہے ہٹے دل سے الفت یہ ممکن نہیں ہے

تعلق وہی قوم کو ہے وطن سے
کہ جو روح کو ہو تعلق بدن سے

مدد جوشِ قومی کہ وقت مدد ہے بپا دیکھ ہنگامہ جزر و مد ہے

تجھے دستگیری میں کیا رد و کد ہے   تری قوم پر وقتِ بد وقتِ بد ہے
ہے لازم نہیں سرد مہری جتانا
تجھے فرض ہے ڈوبتوں کو بچانا

مصیبت کا گرداب ہے ایسا حائل   پڑا ہے کوئی نیم جاں کوئی گھائل
مدد کے ہیں گو غالباً نہ وہ سائل   نہیں ہوتی پر قوم اُس سمت مائل
وطن میں ہر اک صید رنج و محن ہے
یہاں فکرِ اسبابِ عیش و طرب ہے

یہ مانا زمانہ کی بگڑی ہوا ہے   ہر اک اپنی حالت میں خود مبتلا ہے
مگر ہجرؔ کی صرف یہ التجا ہے   مصیبت زدوں پر ترحم روا ہے
ہر اک شہر میں جمع سب ہوں برادر
کریں ان کی امداد کی فکر مل کر

رشوت

مسدس

اے موئے قلم صورتِ معنی کو دکھا دے   اے حسنِ بتاں یوسفِ ثانی کو دکھا دے
اے طبعِ رسا اپنی روانی کو دکھا دے   اے لطفِ سخن سحر بیانی کو دکھا دے
ہاں ہجرؔ پھر اک بار انھیں یہ اعجاز بیاں ہو
اعجازِ مسیحا دمِ تقریر عیاں ہو

بہبودیِ مخلوق میں ہاں تیز قلم کر   بیچارے غریبوں پہ توجہ کوئی دم کر
تخریب میں رشوت کے مضامین رقم کر   بگڑیں جو عدو سورۂ اخلاص کو دم کر
سائل کی مصیبت کی تو تصویر دکھا دے
آہِ دلِ مظلوم کی تاثیر دکھا دے

ایماں کا گلا کاٹے وہ شمشیر ہے رشوت — چھیدے جو جگر عدل کا وہ تیر ہے رشوت
محتاج ہو زردار وہ اکسیر ہے رشوت — ظالم بھی ہو قابو میں وہ تسخیر ہے رشوت
رشوت ہی وہ ڈائن ہے کہ جنتر نہیں جسکا
رشوت ہی وہ ناگن ہے کہ منتر نہیں جسکا

رشوت ہی نے ہم ہندیوں کا نام ڈبویا — رشوت ہی نے تحقیر کا یہ تخم ہے بویا
رشوت ہی سے اعجاز ہمارا گیا کھویا — رشوت ہی سے حکام ہمارے ہوئے جویا
بے آبرو رشوت سے ہوئے سب کی نظر میں
رشوت ہی سے ایمان کی کشتی ہے بھنور میں

راشی غضب و قہر خدا سے نہیں ڈرتے — افسوس عدالت کی سزا سے نہیں ڈرتے
اللہ رے ستم جور و جفا سے نہیں ڈرتے — صد حیف غریبوں کی بکا سے نہیں ڈرتے
یہ لوگ جدھر دولتِ دنیا ہے اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

بے زر کے دئے کام ہے مشکل سے نکلتا — قسمت میں جو لکھا ہے وہ ٹالے نہیں ٹلتا
اس دینے سے گو دل ہے ہر ایک شخص کا جلتا — پابندیِ قانون سے کچھ بس نہیں چلتا
رشوت کا جو لے نام وہ فوراً ہی دھرا جائے
ثابت نہ ہو گر جرم تو پھر خود ہی سزا پائے

حالت پہ غریبوں کے چلا آتا ہے رونا — آرام سے گھر جنکو میسر نہیں سونا
رشوت کے لئے بیچتے پھرتے ہیں بچھونا — برباد اسی طور بدا ہے انھیں ہونا
تقدیر سے ناچار ہیں کچھ کہہ نہیں سکتے
بیچارے بلا زر کے دئے رہ نہیں سکتے

سائل تنِ تنہا ہے ستمگار ہزاروں — دراصل انار ایک ہے بیمار ہزاروں
اک جان کی خاطر ہیں طلبگار ہزاروں — اک دل ہے فقط اور دل آزار ہزاروں
پھر کس سے اس اندھیر کی فریاد کرے وہ
کیونکر نہ بھلا رُوپیہ برباد کرے وہ

چپڑاسی بھی بے نذر ٹھہرنے نہیں دیتے — اسوار کو گھوڑے سے اُترنے نہیں دیتے
پیدل کو کہیں پاؤں بھی دھرنے نہیں دیتے — حاکم سے ملاقات بھی کرنے نہیں دیتے
ملتی نہیں مہلت کوئی دم ان کے ستم سے
ڈاکو کی طرح لوٹتے ہیں رُوپیہ ہم سے

ایک مرتبہ ان لوگوں کو روکھی جو سُناؤ — اور بار دگر اپنی جو صورت کو دکھاؤ
پھر کیا تھا ڈپٹتے ہیں کہ بستر کو اُٹھاؤ — فرصت نہیں صاحب کو ذرا بھی چلے جاؤ
انعام کی لالچ میں بہانے ہیں بتاتے
حکام کے اخلاق میں دھبہ ہیں لگاتے

اے راشیو یکساں نہیں رہتا ہے سدا حال — دنیا میں ہے ادبار کبھی اور کبھی اقبال
نکلے نہ کبھی ناک کے رستے یہ زر و مال — ہو طرزِ معیشت نہ بنے جان کا جنجال
زنجیرِ طلا پاؤں کی زنجیر نہ ہو جائے
ہنسلی یہ کہیں طوقِ گلوگیر نہ ہو جائے

اے ہموطنو ہے یہ دمِ شکر گذاری — مل جائے گا پھل تم کو ریاضت کا تمھاری
ہاں ہجر دعا مانگ کہ یا حضرتِ باری — محفوظ و سلامت رہے سرکار ہماری
منہ مانگی مرادیں جو ہماری ہیں وہ مل جائیں
حاصل ہو خوشی باچھیں ہر اک شخص کی کھل جائیں

کچا چٹھا

عداوت کے شعلہ کو بھڑکانے والو   جہالت کی زنجیر کھڑکانے والو
دلوں کو ضعیفوں کے پھڑکانے والو   نیا روز اک جوڑ پھڑکانے والو
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں
عداوت کا یہ بیج کیوں تم نے بویا   یہ کیوں تم ہوئے اپنی خواری کے جویا
یہ کیوں تم نے اعزاز ذاتی کو کھویا   یہ کیوں قوم کا نام تم نے ڈبویا
ہوئی سب کو معلوم عادت تمھاری
ملی خاک میں سب شرافت تمھاری
تمھیں نشۂ مال و دولت نے کھویا   ریاست نے کھویا وکالت نے کھویا
تمھیں عجب و پندار و نخوت نے کھویا   تمھیں قوم کی چودھراہٹ نے کھویا
بھلا قوم میں پھوٹ کیوں تم نے ڈالی
کہاں کی یہ مرجاد تم نے نکالی
بیوہ سنتھا ہر اک جا سے پہلے منگالی   گرو جی کے ہاتھوں پر اچھٹ کرالی
شہادت سے جب ہوچکی کل صفائی   کوئی بات لامذہبی کی نہ پائی
بشن جی کو تب بھائیوں نے ملایا
خوشی سے انھیں ساتھ اپنے کھلایا
تمھیں پہلے ہی سے تھی بد اعتقادی   تمھاری طبیعت تھی جھگڑے کی عادی
جو تم میں تھے پتلے سرے کے فسادی   انھوں نے یہ ہر سو پھرا دی منادی
سبھا کی طرف جو ہیں وہ داخلی ہیں
موافق بشن جی کے کل خارجی ہیں

اگر لکھنؤ میں تمھیں باخدا تھے بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے بڑے پاک باطن بڑے باصفا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ کیوں تفرقہ قوم کا تم کو بھایا کہ اخراج کا تم نے محضر بنایا
یہ کیوں ہر جگہ گشت اسکو کرایا بھلا ایسی چالوں سے کیا تم نے پایا
انھیں کو پسند آئی طاعت تمھاری
نہیں جانتے تھے جو حکمت تمھاری

تمھارے دلوں میں تو کینہ بھرا تھا تمھیں تو دراندازیوں کا مزا تھا
تمھیں تو حکومت کا چسکا پڑا تھا تمھارا تو کچھ اور ہی مدعا تھا
اگر مثل اوروں کے خاموش رہتے
تو پھر قوم کے چودھری کون بنتے

یہ کیوں تم نے جھنڈے پہ دیں کو چڑھایا یہ کیوں قوم کو تم نے نکو بنایا
دباغت کا کیوں تم نے ڈنکا بجایا یہ کیوں سوتے فتنہ کو تم نے جگایا
سمجھ بوجھ کر کیوں بنے تم اناڑی
کہ خود پانوں میں اپنے ماری کلھاڑی

محبت کے رشتہ کو کیوں تم نے توڑا شرارت سے کیوں باپ بیٹوں کو پھوڑا
یہ کیوں بھائی بہنوں سے منہ تم نے موڑا عزیزوں کو کاٹا قریبوں کو چھوڑا
نہ کچھ جوش خوں کا کیا پاس تم نے
کیا اپنا گھر ستیا ناس تم نے

یہ کیوں تم نے شوہر سے زوجہ چھڑائی جدا کیوں کئے تم نے بھائی سے بھائی

بیگانوں کو کیوں تم نے سو کھی سنائی وطن کیوں عزیزوں کو تم نے بتائی

جلے دل کے گو تم نے پھوڑے پھپھولے

بچے تم تو کیا گھر میں ناٹھے ہنگوڑے

کیا قوم کو اپنی بدنام تم نے مضامیں کئے فحش ارقام تم نے

مصائب کے طشت از بام تم نے کئے واہ کیا دھرم کے کام تم نے

حکیمانہ تم کو خموشی تھی واجب

تمھیں قوم کی پردہ پوشی تھی واجب

اتو کھے ہوئے دھرم کے تم ہی بانی تمھیں پر ہوئی ختم سب نکتہ دانی

تمھیں کو ملی قوم کی پاسبانی تمھیں کو ملی قوم کی حکمرانی

تمھیں چودھری کوئی مانے نہ مانے

ریاست ہے بخشی تمھیں کو خدا نے

جو اس دھرم کی پہلے آئی تھی شامت ہر اک سو بپا ہو گئی تھی قیامت

جو پہلے تھی اس قوم پر آئی آفت وہ سب آپ ہی کی تھی شفقت عنایت

زمانہ کے نیرنگ پہچانتے ہیں

پسِ پردہ ہے کون ہم جانتے ہیں

بھلا یاد ہے تم کو وہ بھی زمانہ کلب کی کہانی کلب کا فسانہ

بشن جی ہوئے جب تھے لندن روانہ جب اغوا کا ڈھونڈھا تھا تم نے بہانہ

کھلی جب تمھاری تھی ذاتی عداوت

اٹھانا پڑی تھی تمھیں جب ندامت

نیا مشغلہ جب اٹھایا تھا تم نے کلب گھر کو ہوّا بنایا تھا تم نے

دیا قوم کو جب کہ دھوکا تھا تم نے دھرم جال میں جب کہ پھانسا تھا تم نے

ہے آنکھوں تلے کل تماشا تمھارا
وہ سب آڑ میں دھرم کے جو ہوا تھا

جب اک مرتبہ چکھ چکے تم حلاوت — جب اک مرتبہ مل چکی تم کو لذت
جب اک مرتبہ کھو چکے اپنی عزت — جب اک مرتبہ ہو چکی تم کو خفت

نہ باز آؤ اب بھی تو شامت تمھاری
نہ مانو ہمیں کیا ہے قسمت تمھاری

اگر تم تھے سب پیروانِ شریعت — اگر تم تھے سب سالکانِ طریقت
اگر تم تھے سب واقفانِ حقیقت — اگر تم تھے سب نیک و پاکیزہ طینت

تو رشیوں کے اقوال کو ماننا تھا
اُنھیں ہادی و رہنما جاننا تھا

کلب والوں سے چونکہ تھی اک عداوت — نہ کشمیر و کاشی کی کی تم نے وقعت
نہ پونا کی سمجھی ذرا بھی حقیقت — نہ کی تم نے مطلق منوجی کی عزت

موافق نہ سوجھی منافق نہ سوجھی
بیوستھا اُٹھا لائے اک مادھوی کی

یہی پار آشر مادھوی نے لکھا ہے — کہ کلجگ میں بحری سفر ناروا ہے
اگر مرتکب کوئی اس کا ہوا ہے — کرے قوم ترک اُسکو لیکن روا ہے

جو اس امر میں حکم تھے پیشتر کے
ہوئے وہ منسوخ و مسترد اس سے

سُنیں جو ہوے دھرم کے بھید بانی — اُسی مادھوی کا یہ ہے قولِ ثانی
جو کلجگ میں ہوجائے شرابی و زانی — نہیں اُس سے جائز پراچت کرانی

دکھلاتا نہیں قوم میں اُس کا جائز
ملاتا نہیں قوم میں اُس کا جائز

مفید اپنے جتنا تھا تم نے چھپایا | مُضر جو تھا اپنے وہ تم نے چھپایا
یہ کیوں قوم کو تم نے بُتا بتایا | بیوستھا کا کیوں ایک پہلو دکھایا

جو چلتے ہو مرجاد پر تو بجا ہے
بڑھاؤ وید سے رُتبہ مرجاد کا ہے

جہازوں پہ چڑھ کر جگت تھ جانا | وہاں ساتھ غیروں کے کھانا اڑانا
شرابوں کے کنٹر کے کنٹر لنڈھانا | طوائف سے مُنہ وقت صحبت ملانا

ہوا سب یہ مرجاد ہی کے دھرم سے
یہ قیدیں چھُٹیں سب اسی کے کرم سے

دھرم پر کتابیں یہ تم نے لکھا ہے | سبھا والوں کو بھی یہ کہتے سُنا ہے
اصول ایک تم نے یہ قائم کیا ہے | کہ مرجاد پر سب کو چلنا روا ہے

اصول اب کہاں وہ کیا تھا جو جاری
کہاں ہے وہ مرجادِ قومی تمہاری

بزرگوں کی مرجاد کیوں تم نے توڑی | تعصب سے کیوں دھرم کی راہ چھوڑی
صداقت کی کیوں تم نے گردن مروڑی | یہ کیوں تم نے انصاف کی آنکھ پھوڑی

حوالہ بیوستھا کا دینا بجا ہے
بزرگوں کی مرجاد بجری سفر ہے

رعونت کا کیا ابر ہے تم پہ چھایا | نحوست کا کیا پڑ گیا تم پہ سایا
سری کرشن کو کیوں سبھا میں ملایا | بشن جی کے تھا ساتھ کل جس نے کھایا

یہی ناکہ سب جج کا داماد تھا وہ
بشن ناتھ ہندؤں کا دل شاد تھا وہ

سبھا میں یہ اندھیر کیسا مچایا — بھلا دھرم میں کیسا اپنا پرایا
یہ کیوں مرلیدھر کو نہ تم نے ملایا — یہ کیوں دہلی والوں کو نیچا دکھایا
بیو ستھا تو لے دے کے کی بعد حاصل
سری کرشن کو کیوں کیا پہلے شامل

یہ امت بڑھانے کی کیا تم کو سوجھی — یہ سم سر گیوں کی پراچیت ہے کیسی
بیوستھا گئے بھول تم ہیے جی کی — بھلا کرتے کیا کورا پنی دبی تھی
تمھیں قوم کی گر ہے ذلت گوارا
چنیں دھرم کا ڈوب مبارک تمہارا

پراچیت کی توقیر تم نے گھٹائی — خود ہی دھرم کی تم نے عزت گھٹائی
یہ خود غرضی سے عقل کیوں ست پٹائی — کہاں وہ گئی اب تمھاری ڈھٹائی
سبھا کو کیا حیف بھر بھنڈ تم نے
مچایا عبث اتنا پا کھنڈ تم نے

جو ظاہر میں ملتے تو کیا تھی برائی — نہ ہوتی تمھاری کبھی جگ ہنسائی
دلوں میں جو ہوتی تمھارے صفائی — نہ جھگڑا تھا کوئی نہ کوئی لڑائی
مثل تم پہ صادق ہوئی بھائی میرے
کہ گڑ کھاؤں پر بیر ہے گلگلوں سے

عجب پاک یہ خطۂ لکھنؤ ہے — جسے دیکھئے قوم ہی کا عدو ہے
پڑے پھوٹ کیوں کر یہی جستجو ہے — یہی بات چیت اور یہی گفتگو ہے
خرابی پہ ہر شخص اپنی تلا ہے
خصومت کا ہر سمت ڈربا کھلا ہے

جو دشمن کلب والوں کو جانتے ہو — دلی دشمن ان سے گر مانتے ہو
تو پھر دھرم کا جال کیوں تانتے ہو — تم اوروں کو ساتھ اپنے کیوں سانتے ہو

دھرم اُس جگہ ہے جہاں آشتی ہے
اُدھر ہونگے ہم سب جدھر راستی ہے

تمھارے ہوئے ہتکھنڈے سب پہ ظاہر — ہوئے قوم کے لوگ سب تم سے ماہر
جو خدمت کو تھے دھرم کی دل سے حاضر — کھلی شعبدہ بازی اُن سب پہ آخر

جو کی جَو فروشوں نے گندم نمائی
تو گھر کی بضاعت بھی اپنی گنوائی

جہالت نہ ہوتی سبھا بھی نہ ہوتی — حماقت نہ ہوتی سبھا بھی نہ ہوتی
عداوت نہ ہوتی سبھا بھی نہ ہوتی — ریاست نہ ہوتی سبھا بھی نہ ہوتی

وجودِ سبھا کے عناصر یہی ہیں
اراکیں سبھا کے بظاہر یہی ہیں

سبھا لکھنؤ میں نچایا کرو تم — بشن پد کھڑے ہو کے گایا کرو تم
دوتارا دھرم کا بجایا کرو تم — نیا روز اک سوانگ لایا کرو تم

چکت ہو گئے پا کے درشن تمھارا
کھلا سب پہ بہروپیا پن تمھارا

ستم قوم پر اس سبھا نے ہے ڈھایا — اُسی نے یہ شور و شغب ہے مچایا
اُسی نے یہ طوفان جھوٹا اُٹھایا — اُسی نے یہ روزِ نحوست دکھایا

یہ کیں حرکتیں لا اُبالی اُسی نے
ہر اک گھر میں ہے پھوٹ ڈالی اُسی نے

فقط پانچ ہی اس سبھا کے ہیں بانی — سناتے ہیں جو قوم کو لن ترانی

دھرم ان کا ہے بغض میں جنگی لگائی
ہے عادت میں اُن سب کے ایذا رسانی

ہیں ہیچ عیب پر عیب سے سب بری ہیں
یہی قوم کے آجکل چودھری ہیں

اُنھیں کی ہے دنیا میں صاحبقرانی
اُنھیں کی ہے کل قوم پر حکمرانی
یہی کرتے ہیں دھرم کی نگہبانی
یہی کرتے ہیں قوم کی پاسبانی

جسے چاہیں خارج کریں یا کہ داخل
انھیں کو ہیں کل اختیارات حاصل

انھیں کی یہ بیجا سخن سازیاں ہیں
انھیں کی یہ سب شعبدے بازیاں ہیں
انھیں کی یہ کل فتنہ پردازیاں ہیں
انھیں کی یہ سب رخنہ اندازیاں ہیں

جدائی کا چہرہ دکھایا انھیں نے
تباہی کا نقشہ جمایا انھیں نے

کرے کوئی فریاد ان کی بلا سے
کوئی ہووے ناشاد ان کی بلا سے
کوئی ہووے برباد ان کی بلا سے
کسی پر ہو بیداد ان کی بلا سے

انھیں کیا ہے ان کو حکومت سے مطلب
عداوت سے مطلب خصومت سے مطلب

یہ شیوہ ہے اپنا بنایا انھوں نے
بلا بو غما جو کر پایا انھوں نے
وہیں حاشیہ اک چڑھایا انھوں نے
دھرم پتر کا میں چھپایا انھوں نے

لکھے جھوٹ گر اس کو سچ جانتے ہیں
لکھے سچ اگر جھوٹ اُسے مانتے ہیں

دماغوں میں انکے کچھ ایسی بھری ہے
خودی اس قدر انکے دل میں بھری ہے
بشن جی کے جانب جو کوئی جری ہے
وہ پھر فاسق و مفسد و مفتری ہے

یہی ایک بے عیب ذاتِ خدا ہیں
یہی دھرم اوتار و دھرم آتما ہیں
وہی کھنگروا نکے جو ہیں دھرم مورت جنھیں قوم سے اپنی ہے اک عداوت
نکالی یہ حضرت نے بدعت کی صورت کہ دیتے ہیں اخبار والوں کو اُجرت
مخالف وہ مضمون چھاپیں چھپائیں
جہانتک بنے قوم کو وہ بنائیں
ہمیں کیا جو وہ رُوپیہ یوں اُڑائیں ہمیں کیا ریاست جو اپنی لٹائیں
ہمیں کیا جو خود بگڑیں ہم کو بنائیں ہمیں کیا سبھا کو رکھیں یا مٹائیں
اگر غم ہے تضحیکِ قومی کا غم ہے
الم ہے ہمیں گر تو اس کا الم ہے
سبھانے یہ ہیں قاعدے اب بنائے یہ ہیں قوم پر اپنی سکّے جمائے
یہ حقّہ پئے کوئی نے پان کھائے عزیز اپنا خود گھر میں آئے نہ جائے
بہو ہے تو میکے میں آنا ہے مشکل
ہے بیٹی تو سسرال جانا ہے مشکل
مرے شہرِ دہلی کے تابندہ اختر مرے شہر دہلی کے سچے برادر
ذرا دیکھو یاں لکھنؤ میں تو آکر تمھارے بنے کون ہادی و رہبر
کرو آکے انصاف خود منصفانا
مناسب نہیں وقت پر مُنہ چھپانا
نہیں تم کو اس دم خموشی روا ہے نہیں تم کو اب چشم پوشی روا ہے
تمھیں قوم کی خیر کوشی روا ہے تمھیں قوم پر سرفروشی روا ہے
تمھیں راستی کا ہے کافی سہارا
بچاری سبھا کیا کرے گی تمھارا

نہیں تم کو واجب سبھا کی اطاعت　　نہیں چھوڑنی تم کو لازم شجاعت
مناسب تمھیں قوم کی ہے رفاقت　　کہ قومی رفاقت ہے بابِ سعادت

رہِ حق میں سر سے گذرنا ہے بہتر
خدا دے جو ہمت تو مرنا ہے بہتر

نہیں ہو اگر تم جفاکار بھائی　　نہیں ہو اگر تم دل آزار بھائی
اگر تم ہو پکّے وفادار بھائی　　اگر تم ہو سچے مددگار بھائی

مناسب ہے یہ تفرقہ دور ہووے
یہ قومی بلا جلد کافور ہووے

وہ پنجاب کے خندہ رویوں کو دیکھو　　وہ پنجاب کی گفتگویوں کو دیکھو
وہ پنجاب کے نیک خویوں کو دیکھو　　وہ پنجاب کے صلح جویوں کو دیکھو

کہ کیسے ہیں پکّے مددگار قومی
کہ کیسے ہیں سچے وہ غمخوار قومی

وہ اصحابِ پنجاب پاکیزہ طینت　　کہ جن کے دلوں میں بھری ہے محبت
جنھیں دل سے ہے قوم کا پاسِ عزت　　جو رکھتے نہیں بھائیوں سے کدورت

مدد کا یہی لے کے پیغام آئے
یہی وقت پر قوم کے کام آئے

مرے حاجتِ قوم بر لانے والو　　مصیبت میں لوگوں کے کام آنے والو
مرے حبِّ قومی کے دکھلانے والو　　مرے صلح کی راہ بتلانے والو

چلو! وقتِ امداد بھائی یہی ہے
بڑھو! وقتِ مشکل کشائی یہی ہے

ہوا قوم پر پھر نحوست کا پھیرا　　تعصب نے پھر آ کے ڈالا ہے ڈیرا

جہالت کا پھر چھا رہا ہے اندھیرا　　مصیبت نے پھر قوم کو آ کے گھیرا

جماعت پہ پھر آ گئی ہے تباہی

جدا ہو گئے پھر ہیں بھائی سے بھائی

ہر اک قوم میں صید رنج و محن ہے　　نہ وہ صحبتیں ہیں نہ وہ انجمن ہے

بدی پر پھر اس سال چرخ کہن ہے　　نہ ہے جوش قومی نہ حب وطن ہے

محبت ہے باقی نہ الفت ہے باقی

پڑی قوم میں پھر ہے نا اتفاقی

مدد قوم والو کہ وقت مدد ہے　　تمہارے عزیزوں پہ پھر وقت بد ہے

تمہیں دستگیری میں کیا رد و کد ہے　　نہ کینہ ہے تم کو نہ بغض و حسد ہے

غضب آفتیں سر پہ آئی ہوئی ہیں

بلائیں گھٹا ٹوپ چھائی ہوئی ہیں

مدد! کشتی قوم پٹتا رہی ہے　　جہالت کی موجوں سے بہتا رہی ہے

تعصب کے ٹیلوں سے ٹکرا رہی ہے　　بھنور میں عداوت کے چکرا رہی ہے

محبت کے پتوار سے ہاں سنبھالو

خصومت کے گرداب سے ہاں نکالو

یہی قوم سے ہجر کی التجا ہے　　کہ دیکھے وہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے

کُل اس کچے جھگڑے کا یہ مدعا ہے　　کہ دھوکے کی ٹٹی فقط یہ سجا ہے

فقط بات کی پچ نے آفت یہ ڈھائی

ہر اک گھر میں ناحق یہ بمچخ مچائی

راقم

اس دھوکے کی ٹٹی کو اگر کوئی ہٹا دے　　کھل جائے طلسمات ابھی دھرم سبھا کا

ترانۂ غم

حضرت سلامت۔ عین شام کلیان کے وقت ٹپا لوٹیاں کرتا جا بجا ٹھیکے لیتا ہوا وادیٔ ایمن کی دُھن میں جنگلے کی راہ سے جو سر کی طرح سیدھیاں بھرتا ہوا توڑی کابل ہی میں سَم کی طرح جا ٹھہرا پھر آپ جانئے کوہستانی ملک کیسی کیسی پاٹ دار تانیں سننے میں آئیں کہ میاں تان رس خاں کی شہرت کا چڑھا چاند جی سے اُتر گیا۔

۹ تاریخ کو جنرل اسٹیوارٹ کیا قندھار میں داخل ہوئے کہ جتنے افسران فوج افاغنہ تھے وہیں چھوڑ پردیس سدھارے۔ حضرت امیر شیر علی خاں کے ہاں محفل رقص و سرود میں ایک ترانہ ایسا الاپا گیا کہ واہی واہ۔ حضرت مغنی سنے تو پشتو میں بھیک مانگی تھی ہم اس کا ترجمہ نذر ناظرین کرتے ہیں لیکن للہ ذری اسے گوری کی دُھن میں غنغنائیے گا۔

ڈھونڈا

شیر علی سے کہتے ہیں رو رو مل کر سارے افغانی
تُم دری نا تُم، تُم دری نا تُم، دیم تنا در تا دانی
پہلے نہ سمجھے روس کی سفارت ہو گئی سب کو حیرانی
تُم دری نا تُم، تُم دری نا تُم، دیم تنا در تا دانی
چھن گیا ڈھاکہ قرم پیشین یہ تھی مصیبت پیش آئی
تُم دری نا تُم، تُم دری نا تُم، دیم تنا در تا دانی
کابل والے چھپتے ہیں بل میں درّوں میں سب دُرّانی
تُم دری نا تُم، تُم دری نا تُم، دیم تنا در تا دانی
ہائے ہمارے سر پر ٹوٹا کیسا غضب یہ سلطانی
تُم دری نا تُم، تُم دری نا تُم، دیم تنا در تا دانی

فوجیں جتنی تھیں ڈوبیں لہو میں بن دانے اور بن پانی

تم دری ناتم، تم دری ناتم، دیم تنا درتا دانی

آگے ہیں انگلش پیچھے ہیں روسی بغلی گھونسے ایرانی

تم دری ناتم، تم دری ناتم، دیم تنا درتا دانی

کوڑی سیر بکیں سگے ہے ہے پستے، کشمش، خوبانی

تم دری ناتم، تم دری ناتم، دیم تنا درتا دانی

ابتو پھنسے ہیں آنجہر قفس میں واے دریغا نادانی

تم دری ناتم، تم دری ناتم، دیم تنا درتا دانی

قصیدہ بہاریہ در صفت مراۃ الہند

مژدہ باد اے بلبلِ گلزار زار و ناتوان
گشت جاگیرِ بہاران این گلستانِ جہان

ہر شجر شد سبز پوش از مقدمِ فیضِ بہار
ہر خس از جوشِ نمو بالیدہ و شد طوبیٰ نشان

در گلستان نغمہ زن گشتند مرغانِ چمن
عندلیبان را حدیثِ گل شدہ نوکِ زبان

با چنین زیب و صفا آمد عروسِ فصلِ گل
نرگسِ شہلا بحیرت ماند و سوسن بے زبان

سرو از روے زمین برخاست بہرِ چاکری
باغبانِ خلد ہم گستردہ فرشِ ارغوان

آب پاشی کرد در ہر کوچہ و برزن سحاب
از نسیمِ عنبرین بو شد معطر ہر مکان

سنبلِ پیچان ز موے خود چو شد جاروب کش
ہر روش از جعدِ مشکینش شدہ عنبر فشان

خندۂ گل مید ہد ہر دم صداے دور باش
نیست ممکن در حوالیِ چمن دخلِ خزان

سرخ گشتہ روے گل از سبزیِ اشجارِ باغ
زخمِ بلبل سبز شد از سرخیِ رخہاے گلان

اے خوشا فیضانِ فیضِ آشنائیِ بہار
سبزۂ خوابیدہ ہم بیگانہ از بیمِ خزان

در برِ گل مثلِ گلرویان قباے لالہ رنگ
بر سرِ غنچہ کلہ کج صورتِ غنچہ لبان

میبرد صبر و قرار این از دماغِ اہلِ قدس
می رود ہوش و حواسِ حاطرِ زاہدازان

حبذا این جلوهٔ فصلِ بهارِ باغِ دہر — اشکِ شبنم ریخته از رشکِ گلزارِ جنان
حیرتے دارد جهان امسال از فیضِ نمو — دودِ آهِ قمری نالان شود سروِ روان
در شبِ مه از پئے نظّارهٔ روئے چمن — آسمان هم می کشاید دیدهٔ سیارگان
چون دمِ عیسیٰ صدائے خندهٔ گلهائے باغ — در تنِ بیجانِ بلبل می رساند تازه جان
اے زہے جوشِ شبابِ لیلیِ فصلِ بہار — بہرِ گلگشتِ چمن مجنون صفت عالم روان
چون منِ دل تنگ رفتم از پئے سیرِ چمن — خود بخود بشگفت خاطر غنچه سان در بوستان
قدرتِ حق ہر طرف ہر سو تماشائے عجیب — بوئے گل در بوستان چون در تنِ خاکی ست جان
بوالعجب استاده بودم در گلستان ناگهان — باعثِ این رونقِ عالم ندانستم که چیست
هاتفِ غیبی بگوشم مژدهٔ فرّخ رساند — این چه حیرت هاست لے پژمرده خاطر نیم جان
باش شادان و فرحناک و رها کن رنج و غم — موسمِ گل آمد و رفت از چمن فصلِ خزان
گفتم این طرفه بہارے هست لے روشن ضمیر — کز ازل هرگز ندیده دیدهٔ اہلِ جهان
صد چمن سرسبز شد صد بار آمد فصلِ گل — این تماشائے تعجب زا مگر کے بُد و دان
صد عنادل دیده ام صد گل نظاره کرده ام — لیکن این رنگِ عجائب بُد نه این طرزِ فغان
طرفه گلشن طرفه گل طرفه چمن طرفه بہار — تازه رنگ و تازه بو تازه زمین تازه زمان
می کشد طول ار بگویم سر بسر المختصر — منعکس شد گوئیا در آئینه باغِ جنان
گفت هاتف آرے آرے راست میگوئی بلے — من همین پنداشتم تو آنچه راندی بر زبان
یافت رنگ و بوئے اجرا یک گلِ اخبارِ نو — نام آن مرآۃ هند آئینهٔ هندوستان
مدعا یش از فروغِ علم و دانش چونکه بود — کرد روآن آئینه با عجز سوئے آسمان
الله الله این چه آئینه است من در حیرتم — هست سرتا سر صفا چون حوضِ کوثر بیگمان
خار و خس نگذاشت جاروبِ صبا در صحنِ باغ — از رگِ گل میکند بلبل بنائے آشیان
بین عجائبِ باغ و فکرِ سالِ تاریخش بکن — تا که باشد افتخارت در میانِ شاعران

گوش کرزوم این سخن غوطہ زدم در بحر فکر　　تا برآرم گوہر مقصد چو درّ شایگان

ہجر گفتا سال او باروئے زیبائے بہار

این چمن بے قوت ماند دائم از فصل خزان

۱۸۶۹
۱۸۷۵

برہا

ایک مصیبت زدہ بیوہ کی فریاد

تُمری پیت کے کارن گُوریا　　ہوک اُٹھے دن رات
تلپھے تلپھے مورا نکسے جیرا　　تیھوں نہ پُوچھیو بات
تمری پیت کے کارن گُوریا　　پچھاڑ (چھوڑ دیا) دیہوں گھر بار
جیت مرت ہوں کبھُوں نہ پوچھیو　　ہمری اور نہار
تمری پیت کے کارن گُوریا　　ہمکا پرت ناہیں چین
آگیا برہ کی مور کریجوا　　پھونکت ہے دن رین
تمری پیت کے کارن گُوریا　　کھاب پیب سب چھوٹ
آس بلن رہ گئی جنیاں　　جائے نہ دکھیو ٹوٹ
تُمری پیت کے کارن گُوریا　　نیند نہ آوے نین
تم بن چھن پل کل نہ پرت چین　　کھوئے گیو سب چین

کہروا

ٹھنگ سمو جیو کھائے ری نندیا　　ہائے ری نندیا ہائے ری نندیا
کادوں (کیا) کھائے کاہ بجائے　　دس سیر جُھنجھری پچائے ری نندیا
مورکھ بنے اجان کہائے　　یہ دُکھ ہمکا کھائے ری نندیا
صاحب بہادر جگ جگ جیویں　　جن دُکھ دین مٹائے ری نندیا

تار بجلیا ۔ ریل بھگوانی   ہمرے کارن لائے ری نندیا
ہند کے سب جن منگل گائین   کیتھرے بل جائے ری نندیا
ٹرکی ڈکھیا روس کے آگے   کر تل تل پچتائے ری نندیا
روس کو چٹکی بجا بسمارک   ریچھ کا ناچ نچائے ری نندیا
دھرتی پر راج کا کون ٹھکانا   آج آئے کل جائے ری نندیا
پہلے سمجھ کر بات نہ کینھیں   اب کا ہے پچتائے ری نندیا

ہجر پیا سب رل مل گائیں
پھوٹ کا گھر جل جائے ری نندیا

لکھائے نہیں دیتیو پڑھائے نہیں دیتیو   سئیاں پھر نگن بنائے نہیں دیتیو
لہنگا دوپٹا نیک نہیں لاگے   میمن کا سایہ منگائے نہیں دیتیو
اوڈھی گورن ہم رنگ سنولیا   رنگا میں رنگ ہلائے نہیں دیتیو
گوبر واسے چھانڑ و لیپ پوت   چونا سے بھتیاں پوتائے نہیں دیتیو
ہم نا سوئی بے کوٹھا اٹریا   ندیا پہ بنگلہ چھوائے نہیں دیتیو
سرسوں کا ابٹن ہم نا لگے بیے   صابن سے دیہیاں ملائے نہیں دیتیو
کب لگ بیٹھی کاڑھے گھونگٹ وا   میلا تماشا جائے نہیں دیتیو
ڈولی، میانہ پہ کب لگ ۔ ڈولی   گھوڑا پہ کاٹھی کسائے نہیں دیتیو
دھن دولت کے کارن بلما   سمندر میں بجرا اچھڑائے نہیں دیتیو
بہت دناں لگ کھٹیا توڑن   ہندن کا کاہے جگائے نہیں دیتیو
درس بنا جیا ترست ہمرا   کیتھڑ کا کاہے دکھائے نہیں دیتیو

ہجر پیا تورے پتیاں پڑت ہیں
پنچھیاں اپنا چھپائے نہیں دیتیو

تُمرے ملن کی نِردئی سئیاں   کا سے پوچھی او پائے
نین رسیلے توری بانکی چھب گوریا   دیکھ رہو ناہیں جائے
تمہیں بتاؤ کو جتنیاں   ہو تم چتر سو جان
کہہ پدھ تم سے ملی ہم گوریا   نکلیہو جات پران
پیت کی موری پرتیت نہ مانیو   سانچ کا سمجھیو جھوٹ
پھوٹ گیو گوری مور کرموا   جب سے بندھیوں توئے کھونٹ
لیکھب پڑھب تمرا سب گوریا   ہمرے کونے کاج
گنوئیں گانوں کے ناتوں سے جنیاں   تم کا آوے لاج
سہرن کی جھرارو گوریا   تم سے لگاویں پیت
لہنگا پھریا نیک نہ لاگے   چھانڑیو دیس کی ریت
سوتن کے تم کارن گوریا   ہم کا دیہیو کلیس
چھتیئن پر جب او منگے جو بناں   چھانڑ چلیو پردیس
من ماں دیا کچھو ناہیں تورے گوریا   کو دو مرے مر جائے
تمری رے پیت کی ریت نیاری   مارت ہو کلپائے
ہمرے جراوے کے کارن بلما   اَنتے لگایو پیت
تمری بھیوں بیرن میں گوریا   اور بھئیں سب میت
ہمرا جیا تم کا بے جرایو   سوتن پاس بلائے
سب دکھ تمرے سنہب ہم گوریا   یو دکھ سہا نہ جائے
پیت تو ایسی کرے گوریا   جیسے دیپ پتنگ
جہان برے جر جر مرے دکھیا   کبھوں نہ چھانڑے سنگ
بارو کی بھیت ہے پیت یو تمری   ہجر پیا بس جاؤ
ان کا بلایو ہم کا جرایو   کا پھل پایو بتاؤ

مکریان

گوئیاں اودھ پنچ۔ تم بھی کیا کہو گے۔ سب کچھ سُنا۔ مُل مکریاں نہیں سُنی۔ لو سنو سہ

گھر بیٹھے وہ مو نہیں بُلاوے مطلب کی اک بات سُناوے
مانگت پر یا بنے وہ بندہ اے سکھی ساجن نا سکھی چندہ

دیگر

مورے پا پیچھے پچھری دھاوے گھاٹ سڑک پُل مکتب جائے
دیکھت مو نہیں نکارے بھیس اے سکھی ساجن نا سکھی نیس

دیگر

آم سے رنگت بدن چھو ہارا مکھی مارے وہ دُکھیا را
بیٹھے جھومت تھا سنے بمبو اے سکھی ساجن نا سکھی چنڈو

ایک نوجوان دیہاتن کا دُکھڑا

کا رے کروں سئیاں آوت ناہیں بہنے لگی آگ بجھاوت ناہیں
دَرس بِنا مورے ترست نینا ں پیاری صورتیا دکھاوت ناہیں
رَین دِناں موری درکت چھتیاں سُونی سجریا سُہاوت ناہیں
تلپھت تیس دن رین گنت ہے اُن کا کوُ بلاوت ناہیں
جب سے گئے سُدھ موری بسرائن ہم کا سندیس پٹھاوت ناہیں
چھوٹ دیور موری ایکہ نہ مانے تنی ہو ان جائے مناوت ناہیں
جیسو پیا ترسائن ہم کا ایسو کو نو ترساوت ناہیں
دیس کی بریت کے کارن ہم کا سائن بدیس پٹھاوت ناہیں
بیروں سنیاں بتلئے بیدروی آپن پاس بُلاوت ناہیں
جس جیا ہمرا جرائن سئیاں اس کونو بارے جراوت ناہیں
تلپھ تلپھ جیا تجت ہمرا اُن کے من کچھ آوت ناہیں
جانیں کا وے پیر پرائی کونو انھیں سمجھاوت ناہیں

جاسے پیا سنگ ساتھ نہ چھوٹے اُس کو ؤ جوگ بتاوت ناہیں
ہجر پیا کہوں نیند لگائن
ہمکا تبہیں بلاوت ناہیں

نظم نا مکمل

برات آئی ہے کاکوری سے ساقی آبِ احمر دے
مہک سیندھی کی جس کنٹر سے آتی ہو وہ کنٹر دے
وہ کنٹر دے کہ جس سے بوئے عطرِ فتنہ آتی ہو
وہ سیندھی دے کہ جو دل کو سرورِ وصل دلبر دے
نہ ہو سیندھی ترے خمخانہ میں ساقی تو جانے دے
جو کنٹر بھی نہ ہو باقی تو پانی ہی کی جھجھر دے
اگر پانی کے دینے میں بھی تجھکو ہچکچاہٹ ہے
تو منہ پیرِ مغاں تشنہ لبوں کا خاک سے بھر دے
نہ ہو ایندھن جلانے کو تو کھائیں کیا پکائیں کیا
کوئی چولھے میں لکڑی کے عوض کیا پانوں دے سر دے
قسم بالے میاں کی ہمکو دعوت کی نہیں پروا
جو تو نوشہ کو اسپ و فیل و گاو و میش و خچر دے

دریا پار سرجو کے کنارے دیہاتی برات دیکھکر خوش ہو رہے ہیں

گاتے بجاتے سنگھاتی آئے دیکھو دیکھو براتی آئے
پیارے[1] آئے دُلارے آئے بھائی برادر سارے آئے
سیندھی آئی تاڑی آئی چھکڑے آئے گاڑی آئی

---

[1] تقی حسن عرف پیارے صاحب نام نوشاہ۔

مرشد چھیل چھبیلے آئے — چیلے شوخ رنگیلے آئے
بجتا ہے وہ مرفہ تاشا — آؤ آؤ دیکھیں تماشا

شیخ صاحب

کس آفت میں پھنسے آکر عجب یاں کارخانہ ہے
نہ بستر ہے بچھانے کو نہ سر پر شامیانہ ہے

مولوی صاحب

جائے تنگ است مردمان بسیار — وَقِنَا رَبَّنَا عذابَ النّار

بھانڈ

کیسا خیمہ کیسا ڈیرا — پیڑوں پر اب لیو بسیرا
بتی وتی ڈھونڈھ کے لاؤ — تیل کہاں ہے پھوس جلاؤ

مسخرا

منڈ چڑے پن میں ہمارا نام ہے — یہ گلا اپنا ہے اور صمصام[1] ہے
شیرمالیں کیسی کیسی روٹیاں — نوچ کر کھا جاؤ اپنی بوٹیاں

پروردہ

.... — پر سلریا[2] یاد رکھنا اتنی بات
ماتھے پر ٹیکا لگے گا نیل کا — بھوکوں مر جائیگا پاٹھا فیل کا

رنڈی

کنفات ڈلی پائی کیا خوب نوازش کی — سردی میں ہوا کھائی کیا خوب نوازش[3] کی

---

[1] صمصام علی۔ عزیزدار تھے وہ بس۔
[2] سلار بخش عرف سلار۔ بی بیگم کا پروردہ
[3] نوازش علی۔ لڑکی کے دادا یا چچا کا نام۔

گاڑی بان

چارہ ہے نہ سانی ہے کیا خوب نوازش کی | دانہ ہے نہ پانی ہے کیا خوب نوازش کی

کہار

کا کہی توہ سے مور بھیّا | کھاپت رہے ہم سیر سوتیا
کیا کہیں تم سے میرے بھائی | کھاتے تھے ہم سیر سوا سیر
گھر کا چھوڑ براتے آئن | چرہن لون نہیں کوؤ دیوتیا
گھر کو چھوڑ کر برات میں آئے | چبینا لون کوئی دینے والا نہیں
اَن بِنا جیو بیاکل ہوہیگا | ہاے رے دیّا باپ رے دیّا
اناج کے بغیر جی پریشان ہوگیا | مار ڈالا مار ڈالا

ٹیپا کا بند

بھوکے پیاسے آئے براتی | کچھ نہ ملا بھنڈارے سے
ٹیپے گاتے پیٹ بجاتے | بھاگے سب گنڈارے[1] سے

پنڈت شیونا تھ چک صاحب کیفؔ اسی زمانہ میں گونڈہ میں تحصیلدار تھے جبکہ ہجرؔ مرحوم وہاں وکالت کرتے تھے۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۲ء تک ایک ماہواری رسالہ موسوم بہ گلدستہ کیفؔ بہ سرپرستی جناب کیفؔ گونڈہ سے شایع ہوتا تھا۔ اس میں جناب ہجرؔ کی غزلیں انکے محرر کے نام سے جسکا تخلص دلکشؔ تھا نکلا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک غزل دستیاب ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بیسوا تھی چل بسی اچھا ہوا | جانے والی چیز کا غم کیا کریں
لیکے اب عرضی کا فارم کیا کریں | فیصلے ہی جب ہوں کم ہم کیا کریں[2]
کھانے پینے کا سہارا جب نہ ہو | رہکے گونڈہ میں بھلا ہم کیا کریں
ہوتی ہے یاں تیر تکّوں پر گذر | اب چرندم اور خوردم کیا کریں
کنج تنہائی میں حقہ تک نہیں | ہے کوئی مونس نہ ہمدم کیا کریں
ذلتیں دلکش ہیں قسمت میں لکھیں | اس میں پھر تم کیا کرو ہم کیا کریں

---

[1] ضلع بہرائچ میں ایک قصبہ ہے۔

[2] مصرعہ طرح

ہجر - پنڈت بشمبر ناتھ منشی صاحب عرف بابوجی خلف اکبر پنڈت بدری ناتھ منشی صاحب لکھنوی شاگرد خواجہ آتش -

حضرت کیفی نے پنڈت بشمبر ناتھ منشی المتخلص بہ ہجر کے کوائف زندگی و خاندانی حالات رسالہ بہار کشمیر بابتہ جنوری ۱۹۲۸ء میں درج فرما کر ایک بڑا احسان دنیائے ادب پر کیا ہے - چنانچہ وہ مضمون رسالہ مذکور سے اخذ کرکے ہم تذکرۂ ہذا میں درج کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ناظرین والا تمکین اسکو پڑھکر حظ وافر اٹھائیں گے -

پنڈت بشمبر ناتھ عرف بابوجی پنڈت بدری ناتھ منشی کے بڑے بیٹے تھے آپ کی پیدائش ۱۸۲۴ء کے قریب ہوئی - بیالیس برس کی عمر میں ۱۸۶۶ء میں انتقال کیا - بڑے بہادر اور جری آدمی تھے اس زمانہ کے فن سپاہ گری کے نہایت شوقین اور ماہر تھے - مزاج میں بانکپن اور متانت کا رنگ حاوی تھا - شاہی زمانہ میں اپنے چچا راجہ شیو ناتھ سنگھ چکلہ دار بانگرمئو کے ساتھ اس علاقہ کے سرکش زمینداروں کی سرکوبی اور بغاوت فرو کرنے میں مصروف رہے اور وہاں امن و انتظام قائم کیا - انتزاع سلطنت کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام نے آپ کو ضلع ہردوئی کا کوتوال مقرر کیا - غدر ۱۸۵۷ء کے ایام میں سرکار انگریزی کی طرف سے باغیوں سے جنگ میں مصروف رہے - ایک موقع پر ایسا ہوا کہ انگریزی فوج کسی مصلحت سے میدان جنگ سے پسپا ہوئی مگر ہمارا شاعر سپاہی وہیں ڈٹا رہا - آخر زخمی ہو کر باغیوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوا لیکن دوسرے روز لڑ بھڑ کر اپنی فوج میں واپس آگیا -

شورش کے رفع ہونے کے بعد ہردوئی کے ڈپٹی کمشنر کے سررشتہ دار مقرر ہوئے بعد میں کچھ عرصہ تک چودھری حشمت علی صاحب تعلقہ دار ضلع ہردوئی کی نیابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے مگر وہاں زیادہ قیام نہ کیا لکھنؤ چلے آئے اور ۱۸۶۶ء میں سرگباش ہوئے -

مرحوم وجاہت ظاہری میں بھی اپنے زمانہ میں بے مثل تھے۔ ان کا مردانہ حسن ہر شخص کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ پنڈت بشونا تھ منشی ہجر کے متبنیٰ فرزند اس وقت لکھنؤ میں موجود ہیں پنڈت جواہر ناتھ منشی ہجر کے بھائی تھے۔ جنکے صاحبزادۂ اکبر پنڈت اقبال کشن منشی گرٹو فخر قوم جناب پنڈت جگت نرائن صاحب ملّا رئیس لکھنؤ کے بھانجے ہیں۔ آجکل فیض آباد میں وکالت کرتے ہیں۔ نہایت تجسس اور کوشش سے یہ کچھ خاندانی کوائف اور حالات زندگی معلوم ہوے جو سپرد قلم کئے گئے۔ اُن کے لئے راقم پنڈت منوہر لال زتشی اور پنڈت اقبال کشن منشی صاحب کا ازحد ممنون ہے۔ پنڈت رتن ناتھ در سرشار سے ہجر کے نہایت مخلصانہ مراسم تھے یہ قیاس درست معلوم ہوتا ہے کہ سرشار نے فسانۂ آزاد میں میر داستان یعنی آزاد کا کیرکٹر بہت کچھ ہمارے ہجر مرحوم کی زندگی اور شعار سے لیا ہے۔ فسانہ کا بغور مطالعہ اور ہجر کی زندگی کے مفصل کوائف ضرور اس کی توثیق کرینگے۔

دیوان کی کیفیت۔ یہ مجموعہ ۸۸ صفحوں کا ہے ۱۸۹۴ء میں حسب فرمایش جناب مولوی محمد یوسف صاحب مہتمم ہیسٹنگس پریس بارہ بنکی مطبع اعجاز محمدی لکھنؤ میں طبع ہوا۔ شروع میں صاحب دیوان کے بھائی پنڈت جواہر ناتھ منشی نے ایک صفحہ کا دیباچہ لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں کہ مصنف مرحوم کے فرزند سعید پنڈت بشونا تھ منشی کے پاس خاطر سے یہ دیوان مرتب کیا گیا۔ دیوان کے آخر میں مولوی محمد رفیع صاحب رئیس فتحپور ضلع بارہ بنکی نے خاتمہ لکھا ہے۔ دیباچہ اور خاتمہ دونوں میں کھلم کھلا شکایت کی گئی ہے کہ لوگوں نے نہایت بے تکلفی سے ہجر کے کلام کے جواہر پاروں کو آبائی ترکہ سمجھ کر ان پر دست تطاول دراز کیا۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں :۔

"یہ دیوان اس پریشان مجموعہ کا انتخاب ہے جسکو ہجر مرحوم کی فیاض طبیعت نے پنچپے کا کلام سمجھ کر ردیوں میں ڈال دیا تھا اور اس گرانبہا سرمایہ میں سے

ایک شعر بھی اس میں پایا نہیں جاتا جس کو شباب کی کہنہ مشقی میں اس عالی خیال نے اپنے احباب کی دلچسپی کے لئے بعینہ ایک ایسے ساز کی حیثیت سے ترتیب دیا تھا کہ جو ہزارہا دلکش اور پُراثر زمزموں سے بھرا ہوا تھا۔ تعجب کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں کہ میں اس گم شدہ دیوان کے متعلق ایک حرف بھی لکھ نہیں سکتا جبکہ اس بچے ہوئے بے سروپا حصہ میں سے بھی چند بیش بہا غزلیں ایسے نامی سخنوروں کے کلام میں بلا تغیر لفظی پاتا ہوں جن کی نسبت سرقے کا الزام لگانا شاعری کا خون اپنی گردن پر لینا ہے۔"

یہ یوں ہوا کہ انتقال سے کچھ پہلے مزاج کی وارستگی کے تقاضے سے ہجر مرحوم نے چوک میں ایک مکان کرایہ پر لیا تھا جہاں ان کی نشست اور یارانِ سرپل کی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ تصانیف کی بیاضیں بھی وہیں تھیں۔ اسی مکان میں وہ فوت ہوئے جب اعزہ آئے تو علاوہ اور قیمتی سامان کے یہ بیش بہا ادبی خزانہ بھی گم پایا۔ جو مجموعہ اس وقت سامنے ہے وہ ابتدائی کلام کے مشقی یا محض مسودے ہیں۔

یہی حال تعشق مرحوم اور نسیم مبرور کے کلام کا ہوا۔ وہ مسیح الشعرا لالہ سری رام کی ذات ہے۔ جس کی بدولت لکھنؤ کو اپنے بیش بہا جواہر یعنی کلامِ تعشق کی یاد آئی اور مشکل سے اتنی ضخامت کا ایک مجموعہ جتنا دیوان ہجر ہے مطبع سے نکلا۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ نسیم کی روح کو یہ جزوی تسلی بھی نصیب نہ ہوئی۔

مرتب کی شہادت اور خود مصنف کے اقرار سے یہ پتا چلتا ہے کہ ہجر مرحوم خواجہ حیدر علی آتش کے ارشد تلامذہ میں تھے فرماتے ہیں ؎

آگ پانی میں لگاتے ہیں جو مضموں اپنے
گرمیٔ صحبتِ آتش کا اثر دیکھتے ہیں

ایک اور جگہ کہا ہے ؎

کلام ہجر کا قائل ہے آتش — ہُنر کا قدرداں اہلِ ہُنر ہے

ہجر مرحوم خاص لکھنوی تھے اور لکھنؤ سے انھیں محبت تھی۔ کہا ہے ؎

مجموعہ ہے یہ ہند میں ملک و دیار کا

اے ہجر لکھنؤ سے نہ کر زینہار کوچ

ہجر کی شاعری کا وہی رنگ ہے جو اُردو کی کلاسیکل شاعری سے مخصوص ہے۔ اس مجموعہ میں غزلیں ہیں اور ملّا محمد حسن کاشی کے مشہور ہفت بند کی تضمین۔ فصاحت اور خوش بیانی میں ان کا کلام نہایت اعلیٰ درجہ رکھتا ہے آتش اور صبا کے حلقہ کا رنگ پھوٹا پڑتا ہے۔ فرمایا ہے ؎

نصیحت یاد رکھتا ہوں کسی اُستادِ دانا کی

فصاحت سے نہ ہو خالی زباں پر جو سخن آئے

لیکن جس طرح استاد جب چاہتے بلاغت کے باغ لگا دیتے ویسے ہی شاگرد بھی کلام بلیغ سے عاری نہ تھے۔ کہا ہے ؎

آفت کا سحر آنکھوں میں انکی ہے دیکھئے — جادو سمٹ کے نرگسِ جادو میں رہ گیا

سبحے نے رشتۂ زنّار کو دل میں رکھا — اب تو کچھ معرکۂ شیخ و برہمن نہ رہا

لامکاں میں جو نہیں کون و مکاں میں بھی نہیں

دل میں کیفیت نہیں اپنی تو جامِ جم میں کیا

بڑا وصف ہجر کے کلام کا یہ ہے کہ ابتذال اور رکاکت ان کے ہاں نام کو نہیں لفظی رعایت کی وبا اُس زمانہ میں بہت پھیلی ہوئی تھی لیکن ہجر نے نہ اپنی قبر پر نیم کا درخت لگایا نہ محرم کے گوٹے سے گوکھرو تیار کیا۔ اس اعتبار سے ان کا کلام شاید ایک یا دو ہی جگہ بدمزہ ہوا ہو۔

آج کل جو حالت ابنائے وطن کی ہے اس کا نقشہ ہجر مرحوم کئی قرن پہلے کھینچ گئے فرمایا ؎

ہوئے گبر و مسلماں ہائے کیا پڑھ پڑھ کے سودائی
خدا کے واسطے لڑتے ہیں کیوں نا حق کی حجت پر

سزا پھر اجزا پھر ۔ کی زمین میں ردیف کا نباہ کیسا مشکل ہے ۔ ہجر نے وہ وہ شعر اس زمین میں نکالے کہ بے اختیار دل سے واہ واہ نکلتی ہے ۔ طوالت کے خوف سے صرف دو شعر یہاں لکھے جاتے ہیں ؎

جو سُنتے ہیں سب جھوٹ ہے واعظ کی کہانی
جنت ہے نہ دوزخ ہے جزا ہے نہ سزا پھر

اس "پھر" کا لطف زباندان ہی اٹھا سکتا ہے ؎

میخوار ہیں تو ہم ہیں گنہگار ہیں تو ہم
واعظ تجھے کیا کام ہے بخشے ہم نے خطا پھر

یہاں "پھر" کسی اور ادا سے بیٹھا ہے کیا نفیس غزل کہی ہے ؎

اقرارِ وصل سے مجھے آئے قرار کیا
باتیں یہ جھوٹ موٹ کی ہیں اعتبار کیا

بدمست سب کو نشۂ دنیا نے کر دیا
بیہوش ہو رہا ہے ہر اک ہوشیار کیا

یہ کان سُننے والے ہیں تقریرِ یار کی
نغمے ہمیں سناسے چمن میں ہزار کیا

گنتی میں اب گناہ ہمارے نہیں رہے
جو بے حساب چیز ہے اس کا شمار کیا

چھوٹی بحروں میں وہ قدرت ہے کہ ہر شعر یکا لڑی الماس کی طرح چمک رہا ہے چند متفرق اشعار نقل کئے جاتے ہیں ؎

تیری بھی جفا کا ذکر آیا
مذکور ہوا جہاں ہمارا

عنقا کی صفت ہے عاشقوں کی
ہے نام کو بس نشاں ہمارا

کُھل گیا چہرے سے غصہ آپ کا
دیکھئے پھر رنگ بدلا آپ کا

صاف روشن ہے کدورت آپ کی ۔۔۔ آئینہ ہے دل ہمارا آپ کا
سچ تو یہ ہے کون میری سی کہے ۔۔۔ ایک میں سارا زمانہ آپ کا
ایک سا جلوہ ہے دونوں میں عیاں ۔۔۔ آپ کا کعبہ کلیسا آپ کا
موت کیا آئی کہ تسکیں ہو گئی ۔۔۔ آپ کا بیمار اچھا ہو گیا
داغ دل چمکا قیامت میں مرا ۔۔۔ حشر میں اک حشر برپا ہو گیا
ہجر دنیا ہے یہ غفلت کی جگہ ۔۔۔ ہوش میں آؤ تمھیں کیا ہو گیا

فصاحت اور بلاغت ۔ محاورے کی صحت ۔ بندش کی چستی ۔ مضامین کی بلندی اور برجستگی روزمرہ کی دلاویز سلاست وغیرہ اوصاف کے علاوہ جو کلام ہجر کے خصوصی جوہر ہیں، درد بھی آپ کے اشعار میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے حقیقت ہیں سچ کہتے ہیں ؎

غزل سن کر تو ایسی بیخودی اے ہجر ہوتی ہے
جو یاروں کو مرے دل کی خبر ہوتی تو کیا ہوتا

اس زمانہ کی شاعری کا مقامی رنگ بھی ہجر کے ہاں موجود ہے ؎

لائیگا رنگ عشق رخ و زلف یار کیا ۔۔۔ دکھیں دکھائے گردش لیل و نہار کیا
نظروں میں گلرخوں کی کھٹکتا ہوں کس قدر ۔۔۔ کانٹا بنا ہے سوکھ کے یہ جسم زار کیا
ماتھے سے جھوٹ موٹ کا صندل چھڑائیے ۔۔۔ رخصت بھی کیجئے کہیں اس دردِ سر کو آپ

ایک بہاریہ غزل کی شان ملاحظہ ہو ؎

شکل آئینہ ہوں آنکھیں محو و حیرانِ بہار ۔۔۔ چشم نرگس سے جو دیکھے روئے خندانِ بہار
سبزۂ بیگانہ ہے گلشن میں خضر رہنما ۔۔۔ شبنمِ باراں کو کہئے آبِ حیوانِ بہار
خوبرویوں سے بھرا ہے کیا مرقع ہے چمن ۔۔۔ مانی و بہزاد دوش ہیں نقش بندانِ بہار
دیکھئے انصاف سے تشبیہ ہے کیا صاف صاف ۔۔۔ جو بیاران چمن ہیں آئینہ دارانِ بہار

تصوف اور انسانی زندگی کے دقیق حقایق بھی شاعر کی نظر غائر میں سمائے ہوئے تھے اور اس شعر میں تو فصاحت اور بلاغت دونوں کا عطر نکال کر رکھدیا ہے ؎

سُبحہ نے رشتۂ زنار کو دل میں رکھا
اب تو کچھ معرکۂ شیخ و برہمن نہ رہا

انتخاب دیوان

اثر دکھلائیگا جب عشق اپنے جذب کامل کا — اُڑیگا نور پروانوں کے پیچھے شمع محفل کا
نہ دَوڑا ساربان بس روک لے ناقہ کو لیلیٰ کے — مقام رحم ہے مجنوں تھکا ماندا ہے منزل کا
ترے در کے گدا کیا مال شاہی کو سمجھتے ہیں — یہاں پر جام جم بھی ہو تو ایک کاسہ ہے سائل کا
تماشا یہ عجب ہوتا کہ تم بھی لوٹ ہو جاتے — تڑپنا ایک نظر دیکھا جو ہوتا اپنے بسمل کا

نہ کی قدر اس کی کچھ اے ہجر چشم اشک طوفاں نے
نہایت قیمتی تھا ورنہ ہر ٹکڑا مرے دل کا

رشک ہے اُن کو کہ مجھ سا دوسرا ہو جائیگا — آئینہ میرا جو صورت آشنا ہو جائے گا
جھوٹ کب تک اے بتو بولو گے ہم سے روز روز — حشر کے دن وعدۂ فردا وفا ہو جائے گا
گر قدم رکھدو زمیں پر مہر گردوں کے لئے — آئینہ مُنہ دیکھنے کو نقش پا ہو جائے گا

ہجر ابرو سے اشارہ قتل کا کرتے ہیں وہ
اب کوئی دم میں ہمارا فیصلہ ہو جائیگا

صدا تک بھی نہ دی کیسا دلِ پُر آرزو ٹوٹا — پھپھولا کوئی پھوٹا یا حباب آرزو ٹوٹا
تمنائیں ہزاروں خانماں برباد پھرتی ہیں — الٰہی خیر یہ کس کا دلِ پُر آرزو ٹوٹا
خدا کا شکر ہے اب تو بتوں کے سجدے ہوتے ہیں — مبارکباد اے زاہد کہ تیرا بھی وضو ٹوٹا
خیالِ کاکلِ پیچاں عدو سے دل نہ ہو کیونکر — جہاں بال آگیا آئینہ میں اے خوبرو ٹوٹا
صبائے عطر پرور سے دماغ جاں معطر ہے — خدا جانے کہاں جام شراب مشکبو ٹوٹا

تمھیں انصاف سے کہدو نظر کسکی لگی اِسکو — سر محفل جو آئینہ تمھارے رو برو ٹوٹا
شکایت ہے شکستِ شیشۂ دل کی بجا تم سے — تمھارے ہاتھ سے ٹوٹا تمھارے روبرو ٹوٹا
خدا جانے پھنسے شیخ و برہمن کس کے پھندے میں — پڑا ہے رشتۂ تسبیح و زنار گلو ٹوٹا

ابھی اے ہجر خطِ یار میں کیا کیا رقم کرتا
غضب ہے لکھتے لکھتے خامۂ پُر آرزو ٹوٹا

یہ داغ بعد مرگ مرے دل میں رہ گیا — دھبّہ لہو کا خنجر قاتل میں رہ گیا
دنیا سے کوچ کرکے میں آگے نہ بڑھ سکا — پھیلا کے پاؤں گور کی منزل میں رہ گیا
جل جل کے خاک ہوگئے پروانہ اور شمع — اک تذکرہ سا صبح کو محفل میں رہ گیا
مہماں نوازیاں جو پسند آگئیں مری — آکر خیالِ یار مرے دل میں رہ گیا

اے ہجر پیچ و تاب میں یاں ہو گئی سحر
سودائے زلف یار مرے دل میں رہ گیا

دم غنیمت ہے سوا دم کے ہے اس آدم میں کیا
عاقلو کس کو خبر ہے دم میں کیا ہے دم میں کیا

لامکاں میں جو نہیں کون و مکاں میں بھی نہیں
دل میں کیفیت نہیں اپنے تو جام جم میں کیا

بات کیفیت کی کہتا ہوں سمجھنا شرط ہے
دل میں کیا ہے ہم میں کیا ہے جام میں کیا جم میں کیا

چاشنی ایک دل کو حاصل ہو عجب لذت ملے
غم کو کھا کر دیکھے کوئی مزہ ہے غم میں کیا

نور آنکھوں میں ہو دل پہلو میں تن میں جان ہو
در بدر ڈھونڈھیں تمھیں کیوں تم نہیں جو ہم میں کیا

رنج مرنے کا نہیں مطلق ترے بیمار کو
اے مسیحا پر کہیں گے تجھکو سب عالم میں کیا

رُوکھی رُوکھی اُلجھی اُلجھی ہائے رہتی ہیں لٹیں
یہ سیہ پوشانِ کاکل ہیں کسی ماتم میں کیا

رنج فرقت کم نہیں اے ہجرؔ لطفِ وصل سے
زخم میں جو کچھ مزہ ہے ہوئیگا مرہم میں کیا

رو برو اُن کا جو نقشہ ہو گیا — آئینہ کو صاف سکتہ ہو گیا
موت کیا آئی کہ تسکین ہو گئی — آپ کا بیمار اچھا ہو گیا
آبرو رو کر ملا دی خاک میں — رازِ دل آنکھوں سے افشا ہو گیا
آبرو رونے سے آنکھوں کی بڑھی بھی — اشک کے قطروں سے دریا ہو گیا

ہجرؔ دُنیا ہے یہ غفلت کی جگہ
ہوش میں آؤ تمھیں کیا ہو گیا

سُن کے مقتل میں یہ آواز کہ قاتل آیا — جان میں جان پڑی دل میں مرے دل آیا
تیغ ابرو کے جو مُنہ چڑھ کے مرا دل آیا — پھر جو آیا مرے پہلو میں تو بسمل آیا
یادِ گیسو نے سفر میں بھی کیا ہے اندھیر — جب نظر ہم کو سوادِ سرِ منزل آیا
بعد میرے کفِ افسوس کے ملنے کے سوا — کچھ ترے ہاتھ مرے ذبح سے قاتل آیا

بیکسی میں شبِ ہجراں کی کہوں کیا اے ہجرؔ
پاس میرے نہ قضا آئی نہ قاتل آیا

ہمیں دو دم کی مہلت اور اگر ہوتی تو کیا ہوتا — ذرا تکلیف اے دردِ جگر ہوتی تو کیا ہوتا
سبک روحی نہ ہم کرتے اگر ترکِ علائق سے — گرانباری دمِ عزمِ سفر ہوتی تو کیا ہوتا

کچھ نہ کچھ افتاد ہوگی نالہ و فریاد سے | اک نہ اک دن پھٹ پڑیگا آسمانِ کوئے دوست

حشر کو بھی یہ اٹھائے سے نہ اٹھیں گے کبھی | چھوڑتے ہیں کب زمین افتادگانِ کوئے دوست

کعبۂ و دَیر و کلیسا میں جہاں چاہو سنو | کس جگہ ہوتی نہیں ہے داستانِ کوئے دوست

صورِ اسرافیل ہے گویا کہ شہنا کی صدا | خواب میں غافل پڑے ہیں خفتگانِ کوئے دوست

پانوں کا اٹھنا ہی مشکل ہے زمیں سے اے فلک | سر اٹھا سکتے ہیں کیا افتادگانِ کوئے دوست

ہجر کا بھی اے فلک پہنچے وہیں مشتِ غبار

جس زمیں میں دفن ہیں سب دوستانِ کوئے دوست

آمد آمد ہے کسی ساقی کی میخانہ میں آج | اپنی اپنی جا پہ ہیں بیٹھے ہوئے ہشیار مست

ایک عالم پہ نہیں میخانۂ ہستی کا رنگ | ہوش میں دو چار بیٹھے ہیں تو ہیں دو چار مست

ہجر میں تو رندِ سرخوش ہوں مرا مذکور کیا

میکدے کی سرزمیں کے ہیں در و دیوار مست

جلوہ فرما چشم میں ہے جلوۂ جانانہ آج | شربتِ دیدار سے لبریز ہے پیمانہ آج

غیرتِ رخسارِ تاباں سے تمہاری بزم میں | شمع تو بجھ بجھ گئی جل جل گیا پروانہ آج

آزماؤں گا کسی ساقی کی میں دریا دلی | دیکھنا ہے ظرف تیرا بھی بس اے پیمانہ آج

معرکہ ہفت آسماں سے ہے ہماری آہ کا

نام ہے جس کو خدا دے ہمتِ مردانہ آج

دیکھے جو آنکھ کھول کر انسان غور سے | جامِ جہاں نما ہے رخِ باصفائے صبح

بیتابیوں سے دیتا ہے کیا کیا صدائے شوق | ندرت سے روح مرغِ سحر ہے فدائے صبح

اے ہجر جسکو شوق ہو فصلِ بہار میں

بلبل کی داستاں میں سنے ماجرائے صبح

بس تباہ ہیں سب خزاں میں رنگ و سامانِ بہار | بلبل و گل ہیں فقط دو دن کے مہمانِ بہار

شکل آئینہ ہوں آنکھیں محو و حیرانِ بہار ... چشمِ نرگس سے جو دیکھے روئے خندانِ بہار
بند ہے اس کا دہاں اُس کی زباں خاموش ہے ... غنچہ و سوسن ہیں دونوں رازدارانِ بہار
ایک ہی جھونکے میں لوٹا ہے گلوں کو ایک قلم ... کیا خزاں نے آن کر مارا ہے میدانِ بہار
دیکھئے انصاف سے تشبیہ ہے کیا صاف صاف ... جوئبارانِ چمن ہیں آئینہ دارانِ بہار

نہیں دھبا لہو کا جم گیا قاتل کے خنجر پر ... ہمارے خونِ ناحق کی ہوئی ہے مُہر محضر پر
نہ جبتک پی چکوں میں بادہ کش جی بھر کے اے ساقی ... جھجک رکھنا صراحی میری خاطر رو بہ ساغر پر
خیالِ گردشِ دوراں بھی رندو تم کو لازم ہے ... نہ ہو بیہوش کم ظرفی سے تم اس دورِ ساغر پر

ہم عشق کے بندے ہیں ہمارا ہے یہی قول ... مل جائیں جسے بُت اُسے مل جائے خدا پھر
جو سنتے ہیں سب جھوٹ ہے واعظ کی کہانی ... جنّت ہے نہ دوزخ ہے جزا ہے نہ سزا پھر
محفل میں وہی جام وہی ساقی وہے ہو ... اے چرخ وہی دَور وہی رنگ دکھا پھر
مقتل میں مجھے دیکھ کے کہتا ہے وہ قاتل ... ہر پھر کے تجھے لائی ہے کیا تیری قضا پھر

لازم ہے کیجئے نئی بیداد دیکھ کر ... چاہا ہے آپ کو ستم ایجاد دیکھ کر
موجود مجھ سا عاشقِ نالاں ہے باغ میں ... اے عندلیب کیجیو فریاد دیکھ کر

اے ہجر باغِ دہر میں وہ عندلیب ہوں
ہر دم ہے تاک میں جسے صیاد دیکھ کر

اے دل نہ بتوں کی التجا کر ... توبہ توبہ خدا خدا کر
جان دیجئے طلا وہ شوخ خودکام ... کھوئے ہم آپ اُس کو پا کر
اے دل گیسوئے یار کا عشق! ... سودائی ہوا ہے کچھ دوا کر
تارازِ دروں نہ ہووے افشا ... دل کا دل ہی میں فیصلا کر

بلبل کو خار دے سکے پہنے! ... گلچیں پھولوں کا ہار افسوس
گذران ہے یہ عالم تو ہم ... اے چرخِ طلسم کار افسوس

تو نے اے آسماں مٹائے   کیا کیا نقش و نگار افسوس

نہ فکر کون و مکاں ہے نہ لامکاں کی تلاش   نہ اس جہاں کی ہمیں ہے نہ اُس جہاں کی تلاش

بہار آئیگی سرسبز پھر چمن ہوگا   شگوفہ لائیگی اک روز باغباں کی تلاش

نہ دیر ہی سے غرض ہے ہمیں نہ کعبہ سے
جو تمھارے ہے بس سنگِ آستاں کی تلاش

مشتعل داغِ جنوں سے ہے ہمارے دل میں شمع
ہائے تنہا جل رہی ہے گوشۂ منزل میں شمع

دستِ موسیٰ نے دعا مانگی ید بیضا ملا
نور قدرت سے ہوئی روشن کفِ سائل میں شمع

حسنِ عصمت سے دوچنداں ہوگیا فانوس میں
شکل لیلیٰ جب ہوئی پردہ نشیں محمل میں شمع

آتشیں رخ پر ترے اُڑ اُڑ کے پروانے گرے
شرم سے جل جل کے آخر بجھ گئی محفل میں شمع

بے خطر پھر کیوں نہ یہ پروانے گستاخی کریں
کچھ زباں سے کہہ سکے اتنا نہیں مقدورِ شمع

آرزوے دوجہاں کو پھونک کر اے ہجر ہم
چشم دل سے دیکھتے ہیں جلوۂ مستورِ شمع

دلِ دیوانہ ہے منزل گہِ جانانۂ عشق   داغِ پہلو ہے چراغِ درِ کاشانۂ عشق

یہ لبالب تو وہ لبریز مئے الفت سے   دیدہ و دل ہیں مرے شیشہ و پیمانۂ عشق

حسنِ جانانہ یہاں جلوہ نما رہتا ہے   شیشۂ دل ہے تماشائے پری خانۂ عشق

چشم مجنوں سے کوئی آنکھ اُٹھا کر دیکھے منزلوں حسن سے آباد ہے ویرانۂ عشق
لامکاں گوشۂ خلوت ہے اک اسکا اے ہجرؔ
عرش سے فرش تلک سب ہے جلو خانۂ عشق

لذتِ زخم سے کہتا ہوا قاتل قاتل منہ کے باہر نکل آیا ہے مرا دل قاتل
دونوں ابرو ہیں کہ قاتل کے مقابل قاتل ہو گر ہیں کہیں لڑ جائیں نہ قاتل قاتل
دھوم مقتل میں مچا رکھی ہے مقتولوں نے واں سے دن رات صدا آتی ہے قاتل قاتل
جو گیا مر ہی مٹا ایک نہ پھر کر آیا منزلوں میں ہے فقط گور کی منزل قاتل
زخم کھانے کا تجھے بھی تو مزا ہو معلوم کوئی تجھسا تجھے مل جائے جو قاتل قاتل
زلف و ابرو ۔ مژہ و چشم خط و خال سبھی سچ تو یہ ہے کہ ہے قاتل ترا تل تل قاتل
بعد ازیں کون اُٹھائیگا ترے جور و ستم
ہجرؔ کا سا نہ ملے گا تجھے بیدل قاتل

ہیں قطرۂ اشک گوہرِ دل کھنچ کر آیا ہے جوہر دل
کعبہ ہو کہ دیر جائینگے ہم لیجائے جدھر کو رہبر دل
پیتے ہیں شراب عشق اے ہجرؔ
ہم رند ہیں ۔ مست ساغر دل

یورش باد صبا سے نہ ہو برہم شبنم آبرو تیری نہ ہو جائیگی کچھ کم شبنم
دیکھ سکتی جو نہیں نور کا عالم شبنم صبح کے ہوتے ہی کر جاتی ہے بس رم شبنم
سیر گلزار میں اُس گل کو جو دیکھا اے ہجرؔ
چہرۂ گل یہ خجالت سے گئی جم شبنم

مشورت در پردہ رکھتے ہیں بڑے کامل سے ہم چپکے چپکے باتیں کر لیتے ہیں اپنے دل سے ہم
ہیں وہ بسمل حشر تک دامن نہ چھوٹے ہاتھ سے جب تلک بھر لیں نہ اپنا خون بہا قاتل سے ہم

بزمِ عالم میں وجود اپنا سمجھتے ہیں عدم — بیٹھے ہیں محفل میں لیکن ہیں الگ محفل سے ہم
کس قدر ہیں غرق گردابِ محیطِ بیخودی — عین دریا میں پڑے ہیں بیخبر ساحل سے ہم

جوششِ دل سے مرے آنکھیں جو گریاں ہوگئیں — صورتیں در پردہ جو کچھ تھیں وہ عریاں ہوگئیں
کون سے عاشق کا مرجانا وبالِ دوش ہے — کس لئے شانوں پہ یہ زلفیں پریشاں ہوگئیں
کیسے کیسے جوہرِ پاکیزہ ہیں اس خاک میں — روحیں کیا کیا آن کر محبوسِ زنداں ہوگئیں
پھر بہار آئی جنوں کا پھر سروساماں ہوا — وحشتیں پھر آن کر دست و گریباں ہوگئیں

کتنے بیباک ہیں دیکھو یہ جفا جو دونوں — صفِ مژگاں پہ جھکے رہتے ہیں ابرو دونوں
مصحفِ رخ کے مجاور ہیں یہ ہندو دونوں — ابتو کافر نہ رہے یار کے گیسو دونوں
ہے ہزاروں دلِ عشاق کا مسکن ان میں — ہیں مگر شامِ غریباں ترے گیسو دونوں
مئے گلرنگ کہاں ہوش کدھر ہے ساقی — اشکِ خونیں سے بھرے ہیں ترے چلو دونوں

سر جھکایا تو ہوئی سیرِ دو عالم اے ہجر
جامِ جم ہیں یہ مرے کاسۂ زانو دونوں

کعبہ و دیر و کلیسا میں جدھر دیکھتے ہیں — اسی بے نام و نشاں یار کا گھر دیکھتے ہیں
سات پردوں میں عبث چھپتے ہو ناحق ہے حجاب — ہم تصور میں تمھیں آٹھ پہر دیکھتے ہیں
آگ پانی میں لگاتے ہیں جو مضموں اپنے — گرمئ صحبتِ آتش کا اثر دیکھتے ہیں
کب بھلا عشق کے انجام سے غافل ہم ہیں — موت کس بات کی دیتی ہے خبر دیکھتے ہیں

زاہد بتوں کے عشق کا اظہار بھی تو ہو — کافر گلے میں رشتۂ زنار بھی تو ہو
ہر روز طور پر ہو تجلی ہزار بار — موسیٰ سا کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو
کانٹوں میں اپنے شوق سے الجھوں میں اے جنوں — دامانِ پیرہن میں کوئی تار بھی تو ہو

پوچھوں تو کس سے پوچھوں میں اس بیخودی کا حال
تم میں سے غافلو کوئی ہشیار بھی تو ہو

ہوائے نشّہ پھر پیدا ہوئی فصلِ بہار آئی
لگا دے ساقیا مُنہ سے مرے اک جام مینائی

محبت بھی جو کی میں نے تو ان کی زلفِ پیچاں سے
ذرا اندھیر تو دیکھو کہاں اُلجھا میں سودائی

دلِ پژمردہ تازہ ہو گیا اے ہجرؔ اک دم میں
بدن میں جان سی آئی اُدھر کی جب ہوا آئی

یہ بیڑیوں سے صدا بار بار آتی ہے
چلو چلو کسی جانب بہار آتی ہے

خودی سے چلتے ہیں جب بیخودی کے عالم کو
ہمارے کام مئے خوشگوار آتی ہے

جو درمند ہو کوئی تو دل کی ہم کہدیں
ہمیں دوائے دلِ بیقرار آتی ہے

کہیں کہیں یہ ابھی یادگار باقی ہے
رہا مٹا سا جو نقشِ ونگار باقی ہے

کہاں کہاں نہ پھرا دیگا عشق چشمِ بتاں
یہی جو گردشِ لیل ونہار باقی ہے

لحد میں دفن جو ہونگا تو کانپ اٹھیگی زمیں
کہ اضطرابِ دلِ بیقرار باقی ہے

نہ وہ چمن ہے نہ وہ گل نہ وہ ہوائے بہار
ہزار حیف کہ تنہا مزار باقی ہے

میرے پہلو میں دلِ ناداں نہ ہوتا کاشکے
ایک شب تو میں کبھی راحت سے سوتا کاشکے

گریۂ بیجا نے بزمِ یار میں رُسوا کیا
چھپکے چھپکے دل ہی دل میں اپنے روتا کاشکے

چشمِ تر میں حیف آنسو ڈبڈبا کر رہ گئے
ہائے رویا تھا تو میں جی بھر کے رونا کاشکے

دیکھتا میں بھی کہ پھر کیونکر مٹا دیتا سپہر مجھے
اے فلک میں دَور میں تیرے نہ ہوتا کاشکے

مُنہ کو آتا ہے کلیجہ شق جگر ہونے کو ہے
یہ مہم یہ معرکہ بھی آج سر ہونے کو ہے

ہو گیا صدق و صفا سے صورتِ آئینہ صاف
دل قبولِ خاطرِ اہلِ نظر ہونے کو ہے

گُل کی تیرے روبرو تصویر آدھی رہ گئی
ہم سے اور بلبل سے اب تقریر آدھی رہ گئی

مر گئے ہم رہ گیا الفت کا قصہ ناتمام
نامۂ اعمال کی تحریر آدھی رہ گئی

شور و غوغا تا کجا بہرِ خدا خاموش ہو
رات باقی نالۂ شبگیر آدھی رہ گئی

ضبط میں جو کچھ اثر ہے آہ و زاری میں کہاں — منہ سے نکلی بات اور تاثیر آدھی رہ گئی

چھوڑ کر دنیا ہوئی اے ہجرؔ عقبیٰ کی تلاش
فکر آدھی کم ہوئی تدبیر آدھی رہ گئی

بہارِ باغ نے کیا کیا بہارِ باغ دکھلائی — عروسِ فکرِ رنگیں کو سجا پھولوں کے زیور سے
تواضع کی صفت ہم نے نہ پائی ایک ساقی میں — کبھی جھکتے نہ دیکھا گردنِ مینا کو ساغر سے
ٹھہرتا ہی نہیں ہے دل ہمارا بحرِ الفت میں — یہ کشتی دیکھئے کب آشنا ہوتی ہے لنگر سے
بتانِ خوبرو سے گو محبت ہے ہمیں لیکن — غرض رکھتے ہیں ہم اپنے خدا کے بندہ پرور سے

شرابِ عشق ظرفِ چشم و دل میں تھم نہیں سکتی
ڈھلک جاتی ہے مینا سے چھلک جاتی ہے ساغر سے

فدائے ساقیِ کوثر ہوں میں وہ رندِ مشرب ہوں — پیالہ ہاتھ میں شیشہ سرِ محفل بغل میں ہے
جگر شق کر نہ او قاتل کیا ہے دل کو گر زخمی — مقامِ رحم بھی کچھ ہے کہ اک بسمل بغل میں ہے
بڑی تالیف سے روکا ہے دل کو دم دلاسوں میں — بصد دقت ہے پہلو میں بصد مشکل بغل میں ہے

کیا جانئے کیوں جلتی ہے کیا دل سے لگی ہے — لو شمع کی کس رونقِ محفل سے لگی ہے
ہستی کا ٹھکانا نہیں دریائے عدم میں — ڈوبی ہوئی کشتی کہیں ساحل سے لگی ہے
ہاں آتشِ جاں سوزِ محبت کی حرارت — پوچھے کوئی اُس دل سے کہ جس دل سے لگی ہے
بے سوزِ دروں آنکھ سے آتا نہیں رونا — اشکوں نے بجھائی ہے جہاں دل سے لگی ہے
پرزے مرے اُڑتے ہیں کہ ٹکڑے مرے پہلے — آپس میں یہ بازی جگر و دل سے لگی ہے

بحالِ بیخودی گذرا ہوا افسانہ کہتا ہے — پر اپنے دل کی کیفیت نہیں دیوانہ کہتا ہے
سرِ مو عقدۂ زلفِ دوتا کھلتا نہیں ان کا — زبانیں گو کہ ہیں لیکن نہیں کچھ شانہ کہتا ہے
رموزِ عاشقاں کچھ ہم سے عاشق ہی سمجھتے ہیں — اشاروں میں جو شمعِ بزم سے پروانہ کہتا ہے
صراحی میکدہ میں ہچکیاں لے لے کے روتی ہے — جو اگلے میکشوں کا حال کچھ پیمانہ کہتا ہے

تضمین بند سوم از ہفت بند ملا محمد حسن کاشی

جنت از جوئے سخاوت آبِ کوثر یافتہ   جبرئیل از فیض رایت بال و شہپر یافتہ
بحر شور از آبرو بیت کانِ گوہر یافتہ   اے سپہرِ عظمت از فرِ تو زیور یافتہ

آفتاب از سایۂ چتر تو افسر یافتہ

در دو عالم آنکہ یکسر بانگ یکتائی زدہ   آنکہ از مہ تا بماہی طبل دانائی زدہ
آنکہ مہرِ حکم بر فرمانِ والائی زدہ   آنکہ اندر آفرینش لافِ بالائی زدہ

رفعتت را ز آفرینش پایہ برتر یافتہ

چھانتے ہیں خاکِ در شمس و قمر لیل و نہار   اس زمیں کے ذرہ ذرہ پر کواکب ہیں نثار
ریمیا و سیمیا و سیم و زر کا کیا شمار   از غبارِ درگہ چرخ اخترامت آشکار

کیمیاگر نسخۂ گوگردِ احمر یافتہ

بحر و دریا ہیں رواں سب کو ہے تیری جستجو   تجھ سے اے جوئے سخا حاصل کریں تا آبرو
ہفت قلزم ہفت گردوں میں یہی ہے گفتگو   روزِ فتح الباب را بر دستِ دریا بارِ تو

نسر طائر را فلک چوں بطِ شناور یافتہ

دوسرا تجھ سا نہیں تو ہی ہے شاہِ دو جہاں   سر بسر محتاج ہیں تیرے زمین و آسماں
پھر گیا خالی ترے در سے کوئی سائل کہاں   ہر کہ دستت را بدریا کرد نسبت بے گماں

رشحۂ دستِ ترا دریائے اخضر یافتہ

آسمان و عرش و کرسی کو تو کیا ہے امتیاز   لامکاں ایک آشیانہ ہے ترا او ہوشیار
عقدۂ ترے عقدہ کشائی کا یہاں کھلتا ہے راز   بازِ قدرت ہر جگہ بالِ جلالت کردہ باز

طائرانِ سدرہ را در زیر شہپر یافتہ

بے شماراں را نمودی ہمچو قارون مالِ مست   تیجو بیشِ سخاوت در دو عالم ہرچہ ہست
اے خوشا قسمت خوشا طالع کہ در روزِ الست   ہر کہ مُہرِ مہرِ تو بر صفحۂ جاں نقش بست

مخزنِ دل را چو کانِ زر تو نگر یافتہ

خاکساری مدّتوں کی جب ہوئی حاصل صفا مشکلوں سے شکل آئینہ ہوئی صورت نما
آبروجب تونے بخشی تب ہوا نشوونما باصفائے گوہرِ ذاتِ تو رضوان سا لہا

خاکِ خجلت بر زمینِ آبِ کوثر یافتہ

کون پاسکتا ہے تیری ابتدا و انتہا اُسکے لاعلمی سے عاجز ہیں ملائک جز خدا
بے گماں ہے شانِ خالق یا علیؑ مرتضیٰ ساقیِ کوثر نہ چنداں مدح باشد مر ترا

اے ز تو دریائے فطرت کانِ گوہر یافتہ

گر نہ ہوتا تُو تو ہوتا عالمِ اسباب کب تُو خدا کے نور سے۔ تجھ سے ہوا پیدا یہ سب
طول کو اس جا سے بس میں مختصر کرتا ہوں اب گر نہ بُودے ذاتِ پاکت آفرینش را سبب

تا ابد حوّا سِتَرْوَن بودی آدم عذب

تضمین بند ششم

لامکاں یک گوشۂ از قصرِ ایوانِ شماست وسعتِ عرشِ بریں کنجِ زمیدانِ شماست
دفترِ لوح و قلم تحریرِ دیوانِ شماست اے کہ فرمانِ قضا موقوفِ فرمانِ شماست

دور دورانِ فلک دورے ز دورانِ شماست

سایہ ات عرشی کہ کرسی پایۂ اقبالِ اوست رحمتت ابرے کہ عمّان مایۂ اقبالِ اوست
جلوہ ات نورے کہ روشن آیۂ اقبالِ اوست آفتابے کاسماں در سایۂ اقبالِ اوست

پرتو از لمعۂ گوشۂ گریبانِ شماست

در دو عالم بارگاہت را حصارے بیش نیست عرشِ اعظم رتبہ ات را پایہ دارے بیش نیست
پیرِ گردوں بر درت جز خاکسارے بیش نیست آنچہ از وسعِ عالمِ امکان عیارے بیش نیست

صورتے صد چند زاں از کنج زارکان شماست

بیضۂ گردوں کو تُو چاہے تو لے پر میں دبا کھولے گر شہپر چھپے شمس و قمر تک کی ضیا
پنجوں میں چاہے تو لیوے عرش و کرسی کو اٹھا قبّہ نہ چرخ را چوں واشر بر چیند ز جا

مرغ تعظیمے کہ آں بر بامِ ایوانِ شماست

ساکنانِ عالمِ ارواح کا ہے بند دم — کہتے ہیں روح الامیں اللہ رے جاہ و حشم
دیکھتا ہوں عرش و کرسی کا یہاں پایہ ہے کم — نسبتِ قدرِ ترا با اوجِ گردوں چوں کنم

زانکہ اوجِ او حضیضِ قدرِ ایوانِ شماست

جوششِ کاندر دلِ عمّانِ امکانِ قضاست — شورشِ کاندر سرِ انسانِ امکانِ قضاست
ہر سرے کاندر سر و سامانِ امکانِ قضاست — ہر گہر کاندر ضمیرِ کانِ امکانِ قضاست

صورتِ اظہارِ آں موقوف فرمانِ شماست

زعمِ باطل میں نصارا کو مسیحا سے ہے ساز — علم پر یونانیوں کو اپنے ہے اک امتیاز
بندۂ عاجز کو تیری ہی شفاعت پر ہے ناز — بر درِ دولت سرایت روے بر خاکِ نیاز

با دلِ پر درد بر امید درمانِ شماست

در جگر تا چند از غم تیر و پیکاں داشتن — عاقبت تا کے ولا ایں خار در جاں داشتن
ہست لازم ما حضر در پیشِ مہماں داشتن — دردِ پنہاں پیشِ درماں چند نتواں داشتن

عاقلی نبود ز درماں دردِ پنہاں داشتن

ہری۔ پنڈت ہری کول صاحب۔ آپ ۱۹۱۴ بکرمی مطابق ۱۸۵۸ء میں بمقام سری نگر کشمیر پیدا ہوئے۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے وقت کے ایک مشہور اُستاد پنڈت ٹھاکر بھان سے پائی۔ بچپن ہی سے طبیعت معرفت کی طرف جھکی ہوئی تھی چنانچہ بقول آپ کے چودہ سال کی عمر میں عالمِ وجد و مستی میں کشمیر کی مشہور عارفہ للی شری کے درشن سے فیضیاب ہوئے۔

انہی دنوں میں گھر بار چھوڑ کر کارہامہ گاؤں کی طرف بھاگ گئے۔ دو سال تک یہاں مقیم رہے اور ہر روز علی الصباح پشکر ناگ کے پوتر مقام پر پوجا پاٹ میں مشغول و محو رہتے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ یہاں ایک رات کو عالمِ رویا میں شری کماری جی کے بھی درشن ہوئے جنھوں نے ایک کتاب عطا کر کے آپ کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

اسی وقت سے آپ کی شاعرانہ طبیعت کے جوہر کھل گئے اور آپ بے دھڑک رواں شعر کہنے لگے۔ چند دنوں کے اندر اندر اشعار کا ایک دفتر تیار ہوگیا جس کو آپ نے بعدازاں دیوان کی صورت میں ترتیب دیا۔ افسوس ہے کہ دستبرد زمانہ سے یہ تلف ہوگیا۔

اس کے بعد آپ واپس سری نگر تشریف لائے اور تقریباً ایک سال تک لوگوں کو فارسی میں درس دیتے رہے۔ ۱۷ سال کی عمر میں ایک علم دوست اور صاحب مذاق وزیر وزارت سے تعارف حاصل ہوا۔ ان کا نام لالہ رام کشن تھا۔ انھوں نے آپ کو محکمۂ مال میں اپنے ماتحت بمقام گلگت بطور محرّر ملازم رکھا۔ یہاں تین سال تک فرائض انجام دینے کے بعد جموں میں بھی لالہ صاحب موصوف کے تحت دو سال تک کام کرتے رہے۔ ۱۹۴۵ء بکرمی میں ملازمت سے دست بردار ہوگئے۔

آپ کو اہلِ عرفان اور خدا دوست اصحاب سے دلی عقیدت تھی۔ بلکہ خود بھی علم روحانیت کے ماہر ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔

آپ کے تصنیفات میں سے علاوہ تلف شدہ دیوان کے مثنوی قصۂ "گل بکاؤلی" المعروف بہ "گلشن عشق" "فارسی بھاگوت منظوم"، ایک دو مختصر رسالے اور چند قصائد یادگار ہیں۔ مثنوی میں نظامی اور قصائد میں قاآنی کا تتبع کرتے تھے چنانچہ تقریباً ہر شعر سے انہیں استادوں کا رنگ جھلکتا ہے۔ تشبیہات اور استعارات کے برتنے میں کافی مشق بہم پہنچائی تھی۔ پُرگو ہونے کے علاوہ اگرچہ کلام تکلّف اور تصنّع سے خالی نہیں لیکن کہنہ مشقی اور پختہ کلامی کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے اشعار میں بجا و بیجا تصرفات کا عنصر غالب ہے۔ فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور عربی سے بھی آشنا تھے۔

آپ ماہ پوہ ۱۹۸۷ بکرمی مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں رہگرائے عالمِ جاودانی ہوئے۔

انتخاب از گلشنِ عشق المعروف بہ قصۂ بکاؤلی

حمد و ثنا میں فرماتے ہیں ؎

اے ہمہ تحت تو توئی مافوق — حسن و عشقِ تو عاشق و معشوق
اے بہ عشقت نیاز و حسنِ تو ناز — صفت ذاتِ تُست ناز و نیاز
اے بذاتِ تراصفاتِ ازل — در جہاں ہر چہ ہست علم و عمل
اے کہ ہاہُوت عینِ ذاتِ ترا — نورِ لاہُوت شد صفاتِ ترا
اے صفاتِ کبودِ تو جبروت — جلوہ آرا شدہ ازو ملکوت
اے عیاں آمد از نہاں ملکوت — رونق افروزِ عالمِ ناسوت
اے چنیں رنگ ہا زبے رنگی — سر زدی در فراخی و تنگی
اے ازیں ہر سہ صفتت معروف — ملک و خلق و جن شدہ موصوف
اے توئی بے کنار دریائے — پر ز موج و حباب و از مائے
بحر را آب و آب را گرداب — خاصیت ہست و نیز موج و حباب
پس حباب و مواج و ہم گرداب — مختلف کے تواں شمرد ز آب
زیں دلالت ز تو جہاں در تو — ہست در ظاہر و نہاں در تو
خود توئی کوزہ ساز و کوزہ توئی — خود خریدار و جام و کوزہ توئی
اے کہ در واحدی نہ گنجیدی — دوئی اندر یکے پسندیدی
کے تواں گفت بے دوئی واحد — واحدی را دوئی بود شاہد
چہ دوئی و چہ احدیت بظہور — ہمچو النور بہ مہر و مہر بہ نور
اے توئی در وجود ہا موجود — بے وجودی و با وجود شہود
اے ہمہ ظاہر و نہاں در تو — بے نشانی و ہر نشاں در تو

اے توئی معدنِ علوم و عمل   مخزنِ رازِ آخر و اوّل
اے توئی مہرِ مہر و ماہِ ماہ   منبع و مجمعِ سپید و سیاہ
اے توئی خالقِ مکین و مکاں   مالکِ ملک و مُلک و جان و جہاں
اے توئی خود بخود جہاں پیکر   جاں دہ و جاں بری و جاں پرور
اے بامرِ تو آب پویاں است   آتشِ تفتہ شعلہ خیزاں است
قادرا قدرتِ تو بیچوں است   از دل و عقل و وہم بیروں است
چہ تصوّر کنم بذات ترا   چہ مصوّر شوم صفات ترا
اوّلِ اوّلی و دیگر ہیچ   آخرِ آخری و دیگر ہیچ
ہر چہ ہستی توئی درون و بروں   بے تو نا گفتنی است ہر مضموں
نقش و نقاش ہر چہ ہست توئی   آنچہ دارد بلند و پست توئی

اے ہری دمبدم بدمسازی   چوں بدینساں بحق بپردازی
حق شناسی و حق سرا باشی   حق شوی کے زحق جدا باشی

عشق مجاز و حقیقت کے بارے میں سے

اے نسیمِ صبا شمیمِ عشق   رہنما ساز در حریمِ عشق
عشق مہرے است کز ظہورِ اُو   مہر و مہ ذرّہ ہائے نورِ اُو
عشق مشکے است کز نسیمِ اُو   عالمے مست از شمیمِ اُو
عشق چوں آفتاب تابندہ   مور تا مہ ہمہ از و زندہ
عشق نارے است کز فلک تا خاک   تف گرفتہ از و سمک بہ سماک
جذبۂ عشق چوں کمال گرفت   بدر از و پیکرِ ہلال گرفت
جذبۂ عشق در دلِ مجنوں   لیلی آورد از عدم بیروں
جذبۂ عشق یافت چوں فرہاد   جانِ شیریں بنامِ شیریں داد

جذبۂ عشق یافت چوں عذرا — سر زد از جان وامق شیدا
جذبۂ عشق یافت چوں بیضا — صبح تا شام رفت چوں شیدا
جذبۂ عشق چوں دویده به آب — که بدریا ز کوه شد بشتاب
جذبۂ عشق چوں بنار آمد — که بهر سوئے شعله بار آمد
جذبۂ عشق چوں ہوا بگرفت — کز سمک جمله تا سما بگرفت
جذبۂ عشق اگر نبودے — کس بکس در جہاں نیاسودے
چرخ بے عشق کے دواں گردد — باد بے عشق کے رواں گردد
آتش از عشق ہم شررخیز است — آب از عشق موج انگیز است
خاک سکوں ز عشق بے پروا — اختر از عشق عشوہ گر بسما
عشق معشوق را عیاں کردہ — عالم پیر را جواں کردہ
عشق سوزے است کو بنالۂ و آہ — عاشقاں داشت در سپید و سیاہ
عشق جاں بخش و دلفروش آمد — شیوۂ عشق نیش و نوش آمد
عشق را خو ہمہ بناز و نیاز — قوّتِ آو ویل و واے و سوز و گداز
عشق دردے است لاعلاج و دوا — عشق دردے است در سماع و نوا
عشق از نے کند حکایت ہا — وز جدائی بسے شکایت ہا
عشق معشوق را کمال افزود — عشق عشاق را زوال افزود
عشق آباد کرد ویرانہ — عشق بر شمع تاخت پروانہ
عشق در بحر و بر قرار آورد — عشق در مرد و زن گزار آورد
عشق آوازہ الست در ہر گوش — کہ از دل بجان و جاں را ہوش
شیر از عشق ہم اسیر شود — روبہ از عشق شیر گیر شود

اے ہری عشق جانِ جانان است — ہر کہ را عشق نیست بیجان است
سوزِ عشقت اگر نہ گردد کم — شاد باشی بہ جانِ جان ہر دم

در تعریف باغ و بہار

شبے اندر چو آہوئے سیمیں — رم گرفتہ بہ باغِ خضرا ز چیں
روشنانِ سپہرِ خضرائی — عشوہ گر شدہ بجلوہ آرائی
نافہ از نافِ آہوئے شبِ تار — منتشر کردہ بد نسیم بہار
شبے ابلق ز پرتوِ ناہید — چہرہ گشتہ بہ چہرۂ خورشید
بہ عطاریِ نافۂ گلہا — کاروان کش صبا بہ منزلہا
مہ بخورشید از شکوہِ ضیا — علم افراشتہ بہ ارض و سما
صبحِ صادق خجل ازاں شب بود — مہر از مہرِ ماہ پر تب بود
روز از عودِ آں شبِ فیروز — مجمرِ مہر کردہ نور اندوز
سطحِ گردوں بہ اختر و پروین — گوہر آمود بود و نور آگیں
از شمایم مشامہا مشحون — ہر نسیمے مفرحِ محزون
پشتہ و دشت چوں گلستاں بود — راغہا ہمچو باغ و بستاں بود
عکسِ مہ آبِ سیم دادہ بکشت — زرفشاں ہر چمن برنگِ بہشت
کردہ سقائیِ کہکشانِ سما — آب پاشی بہ سبزۂ غبرا
وہ چہ شبنم بروے سبزۂ تر — ہمچو اختر بہ چرخِ اخضر
سیم اصباح یا سمینِ سفید — بزرِ احمرِ گلِ خورشید
غنچہ از نشۂ مئے ہستی — چشم وا کردہ بد بسرمستی
لالہ ز اندوہِ نیستی یکسر — چاک کردہ بجامۂ احمر
روزہ کش سوسنِ مسیح زباں — دستِ موسیٰ بہ صبح دادہ نشاں

زآتشِ رنگِ ارغوانِ چمن شعلۂ طورِ مد عیاں بہ دمن
از شقایق عیاں بہ فیضِ نسیم بود گلنارِ نارِ ابراہیم
زرِ خلاصِ گوشۂ جعفر کرده سیماب نسترن در بر
ساقیِ گل بہ ساغرِ لالہ ریختہ بود بادۂ آلہ رنگ
باسہیلِ سمن ز مسروری خندہ زن بود شعریِ سوری
کردہ واصل نسیمِ بستانی بامِ نسرین بہ شامِ ریحانی
بہ سمائے بنفشہ شعرِ نم بود رخشندہ روشنانِ نم

ظہورِ صبح کو اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

بامداداں کہ چوں شہنشہِ چیں ریخت از جامِ لعل مے بزمیں
صد ہزاراں عروسِ سیم اندام زرخ نہفتہ بہ تتق نیلی فام
بانوے شام در حجاب آمد خسروِ روم در شتاب آمد
صبح چوں شد جہاں فروز از نور زنگ تاریکی از جہاں شد دور
صبح دم کز افق سپیدہ دمید شد ز رخشتِ سیاہ شب نومید
مرغِ زرین چمیں پرید از چیں زاغ مشکیں شد آشیانہ نشیں
لعلِ گلرنگ شد بروں از سنگ خشت در گم بہ درجِ نیلی رنگ
چوں سحر گر بہ ساغرِ جمشید سبزا ورنگ بر بشد خورشید
مشعلِ روز گشت تابندہ شمعِ شب گل بنفشہ آگندہ
بامدادن چو خازنِ افلاک گنج زر ریختہ بدامنِ خاک
نازنینانِ چرخِ سنجابی پردہ بر زخ کشیدہ مہتابی

چوں سپیدہ دماں سپیدۂ روز شد ز بیضا ضیا جہاں افروز

آمدِ شام اِس طرح بیان کرتے ہیں ؎

چوں عروسِ فلک بہ پردہ دری — شد بروں از افق بہ جلوہ گری
نازنینانِ چرخِ عبّاسی — ہمہ شد عشوہ گر بہ رقّاصی
رومیِ بر حبش شدہ منصور — روم قاہر شد و حبش مقہور
چینیِ تاخت زد بہ ہندستاں — کرد تاراج ہند و زنگستاں
چوں براورنگِ چرخِ نیلی رنگ — محفل آراستہ شہنشہ زنگ
شد بہ پروازِ زاغِ مشکیں پر — پرِ طوطی نہفتہ بیضۂ زر

سراپاے بکاؤلی کا خاکہ اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

دلبر و دلکش و دلارامے — گلبر و گلرخ و گل اندامے
گوہرِ دُرجِ قلزمِ خوبی — اخترِ برجِ حسن و محبوبی
آفتابِ سحر گہِ نوروز — ماہتابِ چہاردہ شبِ روز
برکشیدہ بہ فرقِ او زعبیر — نہرے از شیر خامۂ تقدیر
چہ عبیر و چہ جوئے شیر دراں — جلوۂ بام گو بہ شام عیاں
وہ چہ شام و چہ بام عالمتاب — زادہ کافور گو بنافۂ ناب
وہ چہ کافور و نافہ در ظلمات — شد رواں جو ئبارِ آبِ حیات
وہ چہ پیشا نیش بہ حسن و جمال — صبح نوروز و بدرِ چرخِ کمال
چوں سپہرش سرو رخش چوں ماہ — اختر و شب دو چشم و زلف سیاہ
چہ جبیں و چہ قشقہ اش بجبیں — رستہ بر نسترن شقائقِ چیں
وہ چہ قشقہ بجبہہ عالمتاب — ماندہ خورشید در برِ مہتاب
جعد و زلفش بہ پیچ و تاب کمند — کردہ دلہا بہ بندِ پُر چیں بند
وہ چہ پُر پیچ و تاب گیسویش — ہالۂ مشک بر مہ و رویش

وہ چہ زلفش بچہرہ پیوستہ — سنبلِ تر ز نسترن رستہ
کاکلش ہمچو ہندوئے چوں قیر — زنگ را کردہ تا ختن تسخیر
پیشِ ابروئے آں بتِ مسعود — طاقِ محراب سر نہد بہ سجود
وہ چہ ابرو کمانِ خمدارش — قوسِ ابلیس و تیغ و سدارش
خم گرفتہ چہ جفت ابرویش — طاقِ محراب کعبۂ رویش
در دو ابروش خالِ نیلیں ناب — سنگِ اسود چو ہست در محراب
وہ چہ چشمش غزالِ باغ ارم — دامِ پا بندِ آہوانِ حرم
وہ چہ دیدہ چہ آفتِ دلہاست — سرمہ پرور دو نرگسِ شہلاست
ہست مژگانِ آں بتِ چوں ماہ — بالِ شاہبازِ عشوہ مرغِ نگاہ
وہ چہ مژگاں سنانِ جنگ و ظفر — تیز پر گو دو پرِ بازِ نظر
بینیش از دو بید برگ برو — گلِ نسریں دمیدہ سر بفرو
وہ چہ بینی ز طاقِ ابرویش — رکنِ محرابِ کعبۂ رویش
رخِ رخشانِ آں بتِ چوں حور — یدِ بیضا چہ مہر و شعلۂ طور
وہ چہ رخ موجِ رنگِ آتشِ تر — آب و تابِ ہزار شمس و قمر
دہنش غنچۂ گلِ چمن است — ذرہ چکے از عقائقِ یمن است
چہ دہن تنگ تر ز حلقۂ میم — صدفِ بے بہائے دُرِ یتیم
لب و دندانِ آں بتِ چو قمر — دُرجِ یاقوت گشتہ پُر ز دُرر
وہ چہ لب برگِ لالۂ احمر — موجِ رنگِ گلِ شقائق تر
بر رخِ آلِ او ست خالِ سیاہ — گو زحل جا گرفتہ در بر ماہ
وہ چہ خالِ سیہ بروئے چو نار — ہندوئے معتکف شدہ در نار
خالِ مشکیں بر آں رخِ گلرنگ — زنگی جانشیں بہ ملکِ فرنگ

خالِ اسود بر آں لبِ احمر   مورکے رفتہ در میانِ شکر
چہ ذقن گوئے عنبریں چو گال   سیبِ سیمینِ گلشنِ رضوان
وہ چہ گردن دراز و نرم و صفا   بازوے حورِ جنت الماوا
بر دو دوشش بہارِ ہشت بہشت   پیشِ او عہدۂ بہشت نوشت
در یسار و یمیں چہ خوش بازوش   شاخِ نسریں بہ سرو ہم آغوش
سینہ اش نوبہارِ باغِ ارم   قاقمِ جانوزِ ریاضِ حرم
وہ چہ سینہ چو شوشۂ سیماب   بزرِ احمری شدہ ہمخواب
گل و نسریں بہم نظیر شدہ   آب و آتش ز ہم خمیر شدہ
ساعد و دستش از علاقۂ زر   پُر چو گوشش و چو گردنش ز گہر
ساعدش حوتِ سلسبیل و زلال   در شنا بر مواجِ غنج و دلال
دستِ سیمینش از حنا رنگیں   یدِ بیضا مگر ضیا آگیں
کفِ پایش کہ پُر حنا دارد   در خرامش چہ خوش شنا دارد
پاے تا سر بدیں نزاکت و ناز   سروِ ناز است آں بتِ طناز
اے ہرؔی تو ازیں خیال گذر   بے مثال از مثال گشت بدر
در مثالے کہ بے مثال بود   گفت و ناگفت ایں خیال بود
دل کجائی و ایں کمال کجاست   تو کجائی و ایں جلال کجاست
قدرت است ایں کہ خیرہ قدیرِ جہاں   و اندرش کس نہ آشکار و نہاں
قادر و قدرت ایں دو یکساں اند   ہمہ در کارِ شاں پریشاں اند

در تعریفِ باغِ بکاؤلی

چوں ملک زادۂ فریدوں فر   باغ را ہر طرف فگندہ نظر
دید باغے چو باغِ خلدِ بریں   از پس و پیش و از یسار و یمیں

زارفوان و شقیق ہر چمنے — از حقائق چو پُر بُود بینے
سنگ را لالہ کردہ بتخانہ — جعدِ سنبل صبا زدہ شانہ
چہرۂ نسترن سمن رستہ — سبزہ رخ ز آبِ نم فروشستہ
سرو شمشاد در ہم آغوشی — گل و سنبل خوشا زہم دوشی
نافہ سائیدہ سو بسو شبّو — عنبریں کردہ باغِ عنبر بو
گلِ نرگس بچشمِ خواب آگیں — لالہ را کردہ غارتِ دل و دیں
تاجِ زرّیں بسر گلِ جعفر — گلِ سوری گرفتہ اندر بر
آسماں گونہ یاسمیں ریّاں — عشق بیچاں بہ یسماں پیچاں
کج کلہ داشتہ بنفشہ بسر — گلِ سُرخش درآ دریدہ بہ بر
برسر شاخ ہر گلِ حمری — پرود انگیزِ بلبل و قمری
میزدے فاختہ فغاں کوکو — قمریاں در جوابِ او ہُو ہُو
گلِ داؤد با گلِ خورشید — بادہ پیما بہ ساغرِ جمشید
شبنم از روئے سبزہ بردہ زنگ — برسر سبزہ لالہ وردہ رنگ
چمن اندر چمن ہمیشہ بہار — بے خطر از خزاں ہمیشہ بہار
صف بصف ہر طرف بسے گلزار — خیل در خیل صد ہزار ہزار
کبک و تُدراج و ہدہد و مینا — مست و مستانہ ہر یکے بہ نوا
سرفرازانہ نخلہائے رطب — سائبانہ کشیدہ تاکِ عنب

بکاؤلی کے خواب سے بیدار ہونے اور پھول کے غائب ہوجانے کے متعلق

داستاں گوئے ایں فسانۂ خوش — گوید از حالِ آں مہِ دلکش
کہ بمسند بہ خوابِ نازش بود — بابانش چوں گل و دلش بربود
صبحدم چوں زداز سپیدی دم — ظلمتِ شب شدہ ہمہ ابعدم

آفتاب از افق نمایاں شد   تابِ مہتاب تاب پنہاں شد
ماہ سیما بکاؤلی غور تاب   گشت بیدار چوں زشیریں خواب
باز چوں کرد چشم بر گلشن   او فتادش نگہ بسرِ دامن
دید بر دامنش نوشتہ بزر   عشق آمیز یکدو بیت زبر
خواند گفتا بہ حضرتِ باری   اینچہ خواب است و اینچہ بیداری
کیست کو مرغ شد پرید اینجا   بلبل آسا بہ گل رسید اینجا
جز ہوا کیست کو بباغ غنودید   خوابنا کم بجز حجاب ندید
آدمی زادہ را کجا یارا   کہ در آید بروضۂ مارا
چوں بدینساں پئے نمود خیال   شد شتاباں بہ چشمہ اندر حال
چوں رسیدہ بچشمہ خار بچشم   دید جائے گل و چو چشمہ زچشم
ریخت گل آب بر گلِ رخسار   مہر انور نمود اختر دار
رطب از برگِ نسترن بگزید   ہمچو گیسوئے خود بخود پیچید
لعل یاقوت از گہر سفتہ   ہمچو موئے خودش شدہ آشفتہ
پیش و پس دید و دید از چپ و راست   سر و گہ کج نمود و گاہے راست
سخت رنجیدہ از فراقِ گل   نالہ ہا زد چو خستہ دل بلبل
بانگ زد ہمچو فاختہ کوکو   قمریاں داد پاسخش ہو ہو
ہمچو دیوانہ ہر طرف بدوید   دید ہر سو بدیدہ ہیچ نہ دید
گفت کہ اے رہزنِ دل و جانم   راہ چوں یافتی بہ بستانم
چیست کامت بگو چہ نام ترا   چوں شدی باز از مقامم مرا
دُزد را سیم و زر بود مقصود   لیک عزمِ تو نوعِ دیگر بود
گرچہ در گنجداں نہ بردی راہ   لیک بر لعلِ لب فگندہ نگاہ

تیز پرواز کردہ چو ہزار	گل بہ منقار بردہ از گلزار
چوں بدینساں بسانِ دیوزدہ	دست حسرت بہ مکر دیو زدہ
سخت رنجید و بانگ بر زدہاں	حاضر آئید ہر طرف حوراں
چوں چنیں بانگِ وحشت آمیزش	حور ہا از لب شکر خیزش
گوش کردند و جملہ رفتہ ز ہوش	ہمہ حاضر شدہ بجوش و خروش
ماہرو سرخ کردہ چہرۂ و چشم	چیں بر ابرو زدہ بکینۂ و خشم
ہر یکے را زدہ بزجر و عذاب	بسکہ شد تیز تر بخشم و عتاب
کیست آنکو ز راہِ حیلہ گری	راہ یابندہ شد بہ باغ پری
دیدعریاں مرا دریں کاخش	پائے تا سر و چشم گستاخش
بلبلانہ ربودہ گل از باغ	لالہ ساں داشت در دلِ من داغ
وانگہی بانگ زد بطیش و عتاب	زود حاضر کنید نزدِ خراب

غزل در صفتِ آئینہ معشوق بیک قافیہ

اے منور ز نورِ رخسارت	مردمِ خلق و چشمِ آئینہ
چوں در آئینہ روئے خود دیدی	شد فزوں آب و تابِ آئینہ
چہرہ با چہرۂ تو چہرہ چو کرد	تر ز عرق گشت روئے آئینہ
طرفہ ہیں روبرو چساں دزدد	گنجِ حسنِ تو دزدِ آئینہ
از گلِ روئے تو ہزار آسا	گشت معکوس چشمِ آئینہ
تابِ شمع رخت سراسر سوخت	ہمچو پروانہ جسمِ آئینہ
آفتابِ عذارت اے دلجو	کرد پر نور ماہِ آئینہ
تابِ مہر تو اے ہلال ابرو	بدر سر زد زعکسِ آئینہ
اے ہری دل بہ صیقلِ توحید	کن مصفا بسانِ آئینہ

قصیده

در مدحتِ مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب بہادر آنجہانی
والیِ ریاستِ جموں وکشمیر

چوں صبح خونِ تیرهٔ شب از تیغ بیضا ریخته
گردونِ گرداں بر سرش عقدِ ثریا ریخته

شب بود گفتی چوں حبش دنداں کشیده بر لبش
در استخواں سوز تبش بیمار آسا ریخته

مه بود با نوئیش مگر بگرفته بر زانوش سر
در گریه از چشمانِ تر لولوے لالا ریخته

من مست و ساقی در قدح صہبا ز مینا ریخته
کاندر ہلالِ یکشبه رخشنده بیضا ریخته

شنجرف در سیماب ہیں آتش میانِ آب ہیں
اندر بلورِ ناب ہیں یاقوتِ حمرا ریخته

از آب نارا نگیخته وز نار نور انگیخته
از نور ہور انگیخته در قطره دریا ریخته

مرتیخ آغوشِ قمر بیجاده در مرمر نگر
الحق به مروارید تر لعلِ مصفا ریخته

ناگه در آمد از درم یار و نگار و دلبرم
ہوشِ سرو توشِ برم گیسوئے چہرا ریخته

شنگول و شنگ و شوخ کے وستاں سرا و مستکے
طنّاز و ناز انداز کے گلگوں بو چہرا ریخته

از نازِ آں سروِ چمن آمد خراماں پیشِ من
از لعلِ لب اندر سخن لولوے لالا ریخته

برخیز اے صاحب نفس کن ترکِ عزلت یک نفس
خود را چرائی در قفس طیّار ماوا ریخته

در مدحتِ شاہِ جہاں از گنج خود شو در فشاں
کاندر سخاوت بر کساں گنجِ مواسا ریخته

در بزم کیخسرو سیر در رزم اسکندر حشر
در فر و جاه و زور و زر خجلت به دارا ریخته

کاؤس طیفر جا کرا فغفور قیصر پیکرا
کز دانش و داد و سخا فخرت ز کسری ریخته

از صولتش لرزاں فلک وز سطوتش ترساں ملک
پژماں ز سہمش شد سمک سماک از جا ریخته

نیسانِ جودِ او نگر کز اوج جودی زو گذر
طوفانِ مروارید تر در بحر و صحرا ریخته

از مہر و قہرش جلوه گر دو دِ فلک بر خیر و شر
قہرش حجر مہرش گہر بر خصم و احبا ریخته

خاک کفِ پائیش نگر چوں توتیا شمس و قمر — روز و شب و شام و سحر در چشم بینا ریختہ
در شیری و اژدر دلی رستم بآں روزِ یلی — زالے است پیشِ زابلی تاب و توانا ریختہ
از خنجر الماس گوں در روزِ رستاخیز چوں — وز خنجرِ ظالم بروں بادِ مسیحا ریختہ
شاہنشہِ بیضا ضیا پرتاب سنگھ مہ لقا — کا فضالِ او ظلِّ ہما بر گبر و ترسا ریختہ
زیرش نگاور ابرشے نیکو جمال و دل کشے — کز پوے و تگ نیساں وشے زالہ بغبرا ریختہ
صرصر نہاد و برق رو (اسپ بجلی) ابرے است گویا رعد غو — کز شرق تا مغرب بدو بارانِ حصبا (سنگریزہ) ریختہ
شاہا ہر آں را کن نظر کو روز و شب شام و سحر — در یدِ جنت لعل و گہر دریا بدریا ریختہ
شاید اگر بنوازیش در فرق مغز سازیش — سر بر فلک افرازیش بر سر گہر ہا ریختہ
تا دورِ چرخ و مہر و مہ مادام باشد سال و مہ — سعد و نحس ہر کہ و مہ در روز و شبہا ریختہ

اعدا و خصمِ پُر شرت بدخواہ و بدخو بد ترت
بے تن سرش از خنجرت در غار و خس ہا ریختہ

ہمدم - پنڈت کنور گوری پرشاد منشی صاحب خلف پنڈت کنور شیام پرشاد منشی صاحب اکبرآبادی - آپ کی ولادت بمقام تحصیل اترولی ضلع علیگڈھ سنہ ۱۸۶۸ء میں ہوئی۔

آپ کے جدّ امجد راجہ دیارام صاحب جاگیر دار صوبۂ بہار کے صاحبزادے پنڈت ٹھاکر پرشاد صاحب میر منشی ایجنٹ گورنر جنرل ممالک متوسط ہند تھے اور آپ کے دادا کنور کالکا پرشاد صاحب اور اُن کے بھائی کنور درگا پرشاد صاحب دونوں غدر ۱۸۵۷ء میں ممالک متحدہ آگرہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ خیر خواہی اور وفاداری کے صلہ میں گورنمنٹ ہند کے عطا شدہ مواضعات دھوتانہ - مادھو پور وغیرہ ضلع متھرا میں ابھی تک موجود ہیں مگر ورثائے ذکور کی غفلتوں سے ورثائے اناث کے قبضوں میں چلے گئے ہیں۔ آپ کے والد درجہ اول کے تحصیلدار اور دادا صاحب دونوں آگرہ کے رؤسائے قدیم اور گورنمنٹ کے



پنڈت کنور گوری پرشاد منشی - ہمدم اکبرآبادی

درباریوں میں ممتاز تھے۔ تحصیلدار صاحب کو اپنی علالت کی وجہ سے پنشن لینی پڑی اور جبکہ ہمدم تین چار برس کے تھے آگرہ میں مستقل طور پر قیام پذیر ہونا پڑا۔

مولوی۔ ماسٹر کی درس تدریس کے علاوہ والد صاحب نے آپ کو خود گلستان بوستاں کی سیر کرائی۔ نو برس کی عمر میں تپ کہنہ لاحق ہو جانے سے آپ کے والد کو ایسا صدمہ ہوا کہ بستر علالت پر پڑ گئے اور مر کر ہی اُٹھے۔ دسویں برس سایۂ پدری سر سے اُٹھ جانے سے ہمدم بحر عالم میں دُرِّ یتیم ہو گئے۔ والدہ کی ناز برداریوں اور خبر گیری نے ان کو فارغ البالی کی زندگی بسر کرائی۔ پدری ترکہ نے ضروریات زندگی سے بے فکر کر رکھا ہے۔ مالکِ حقیقی کی نگاہ کرم سے اولاد سے بھی نہال ہیں۔ ۱۶ برس کی عمر میں آپ کی شادی رائے بہادر بشیشر ناتھ صاحب ہانگل وکیل و رئیس اکبر پور ضلع فیض آباد کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ خسر صاحب کے نام آموں کا شکریہ نظم میں بڑے مزے کا لکھا ہے۔ آپ کی وضع سادہ ہے۔ خوش چلن۔ تہذیب کے پتلے ہیں۔ نازک مزاج حد درجے کے ہیں۔ دشمن دنیا بھر میں نہیں رکھتے۔ ہاں دوست بھی اِنے گنے ہیں۔ مہمان نوازی آپ کا شعار ہے۔

آگرہ کالج میں انٹرینس کلاس تک انگریزی پڑھی۔ فارسی، عربی دوسری زبان تھی۔ دو سال تک یہیں قانون کے لکچر سنے مگر امتحان میں شریک نہیں ہوئے۔ زبانِ اُردو میں اعلیٰ قابلیت کی سند (الٰہ آباد) سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اُردو سے بچپن ہی سے لگاؤ تھا۔ اسکول کی زندگی ختم ہو جانے پر بیسویں صدی کے جنم لیتے ہی ۱۹۰۱ء میں آپ کو شوق ناول نویسی کا پیدا ہوا۔ طبع رواں نے دو روحانی اولادیں خارِ تمنا امید و وصال کے نام سے پیدا کیں۔ تاجی پریس کانپور نے ان کو اپنی آغوش میں لینا چاہا مگر اجازت نہ ملنے سے مجبور ہو گیا۔ ان کے بعد عشقیہ رنگ ترک کر کے اور چند ناول تیار کئے۔ مرقع عبرت کو اپنی والدہ کی وفات کی یادگار اور آتشی شیشہ کو

گورنمنٹ عالیہ کی پنجاہ سالہ جوبلی کی یادگار بنائی۔ سر مۂ بصیرت کو منشی بجے نراین ورما مالک رسالہ لکھنؤ نے اپنے رسالہ میں شایع کیا۔ ایران کا شاہزادہ جسکو نام مراد شاہزادہ پہلے کہتے تھے العزیز اخبار آگرہ میں ضمیمہ بن کر شایع ہوا۔ جاپان کی تاریخ بھی اسی اخبار کا ضمیمہ بنی۔ ناول توران کا پھول جو فردوسی کا پلاٹ ہے سر جیمس ڈگس لاٹوش لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ آگرہ کے نام سے معنون ہے اس میں لفٹننٹ گورنر ممدوح کے شکریہ کا خط خوب پُر لطف ہے۔ چونکہ آپ کے بزرگ گورنمنٹ کے قدیم وفادار عہدے دار تھے اسلئے انھوں نے بھی جادۂ وفاداری سے کبھی باہر قدم نہیں رکھا سنہ ۱۹۱۲ء میں دربار تاجپوشی پر قصیدوں کا مجموعہ غنچۂ طرب حضور ملک معظم جارج پنجم کو سنہ ۱۹۲۲ء میں حضور پرنس آف ویلس کی ورود پر آگرہ میں ایک قصیدہ حضور ممدوح کو اور سنہ ۱۹۲۹ء میں سائمن کمیشن کی آمد پر ایک رُباعی سائمن صاحب کو ذریعہ اخبار نذر کیں۔ ہرسہ تحائف نے گرانقدر مہمانوں کی قبولیت کا شرف حاصل کیا۔ غنچہ طرب احاطہ بمبئی اور کشمیر میں منظور شدہ انعامی کتب کی فہرست میں درج ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء تک آپ کو کتب نویسی کا شوق رہا۔ دو درجن کتابوں سے زیادہ تالیفیں تصنیف کیں بعد ازاں بنکوں کے دیوالے نکلے اور کثیر تعداد میں روپیہ ڈوب جانے سے کچھ دماغ پر ایسا صدمہ پہنچا کہ یکایک اس شوق کو یک قلم ترک کر دیا۔ اس زمانہ کے بعد صرف اخبارات و رسائل میں آپ کا کلام نظم و نثر ضرور ملتا ہے۔ چونکہ رسائل و اخبارات کی پابندیاں دوسری ہوتی ہیں اسلئے اس آزاد منش کا پہلا طرز ان میں نہیں پایا جاتا ہے ہاں ہر موسم۔ ہر وقت مختلف مذاہب پر ان کے دل کے ارگن سے نکلے ہوئے راگ گنبدِ فلک میں گونجتے ہوئے سُنے جا سکتے ہیں۔ ہولی ہو یا دیوالی عید ہو یا بقر عید۔ رام لیلا ہو یا محرم الحرام۔ ساون بھادوں ہوں یا رمضان المبارک سبھوں پر راگ راگنیاں موجود ہیں۔ ہم خرما و ہم ثواب کا مضمون ہر ایک میں مثنی کی طرح

پوشیدہ ہے۔

اس باہنر نے "جائے استاد خالیست" کو درست جان کر مولنا نثار اکبرآبادی مغفور کو اپنا استاد بنایا۔ حضرت واصف اکبرآبادی مرحوم کو اپنا کلام بہت کچھ دکھایا۔ مگر افسوس اتنا ہے کہ یہ دونوں ماہران فن صرف ناظم ہی تھے۔ اس ناثر و ناظم کو استاد کامل نہ ملنے سے کمال عروج حاصل نہ ہوسکا۔ حضرت نثار نے ان سے ایک روز کھلے الفاظ میں فرمایا تھا کہ نثر اور نظم میں سے کسی ایک کو سلام کرو ورنہ دونوں ہاتھ سے جاتی رہیں گی۔

اگر آپ کا تمام کلام نظم طبع شدہ جمع کیا جائے تو کیا عجب پانسو ۵۰۰ صفحوں کا کلیات مرتب ہو جائے۔ غزلیں۔ قصیدے۔ مسدس۔ قطعے۔ سہرے۔ رباعیاں۔ مثنویاں۔ تاریخی مادے۔ ساقی نامے۔ رقعات شادی۔ سب کثرت سے موزوں کئے گئے ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں سب سے چھوٹے لڑکے کے مرجانے سے دل پکڑ کر ایسے بیٹھ گئے ہیں کہ اب قلم اٹھانا بارگراں ہوگیا ہے۔ اگرچہ لکھتے یا کہتے ہیں تو اس میں یہی بیان ہوتا ہے کہ پہلے میں اپنا دل خوش کرنے کو کہتا تھا مگر اب گھبرائے ہوئے دل کے بہلانے کو۔ اب بھی اس عاشق سخن کا زخمی دل گاہ گاہ دریائے خون میں ڈوب کر ایسا حسرت ناک نظارہ پیش کر دیتا ہے کہ حضرات سخن شناس کلیجہ تھام کر رہ جاتے ہیں۔

آپ کا کلام فصاحت و سادگی کا نمونہ ہے۔ جس خوبی سے بت پرستوں سے آپ کا قلم داد سخن لے لیتا ہے اُسی خوبی سے اللہ والوں وحدانیت کے جان نثاروں سے تحسین کلام پر ہُو حق سنوا دیتا ہے۔ پہلے ہمدم کے کلام کا رنگ عاشقانہ تھا مگر اب اُداسی۔ حسرت۔ مایوسی۔ ناکامی آپ کے مضامین میں بھری ہوئی ہیں۔

"تاریخی مادے آپ خوب نکالتے ہیں۔ اپنی ولادت کی تاریخ فی البدیہہ یوں فرمائی ہے:۔

مرغِ بسمل سے سوا عالم میں ہوں
دل میں میرے بجھ گئی ہے تیغ عشق

کیوں حباب آسا نہ ہوں امواج پر
سن ولادت کا مری ہے تیغ عشق

۱۸۸۰ء

عاشقی کیا ہے کہو بندۂ جاناں ہونا
دیکھے دل اس ستم ایجاد کو حیراں ہونا

زندگی کیا ہے۔ عناصر کی جمالی تصویر
موت کیا ہے۔ نظرِ خلق سے پنہاں ہونا

مجھکو بھی طور کا دکھلائے تماشا کوئی
میں بھی دیکھوں تو ذرا ہوش کا پرّاں ہونا

ان سے سیکھے کوئی زلفیں ہیں بنائے کیونکر
مجھسے پوچھے کوئی عاشق کا پریشاں ہونا

اپنے اعمالوں کو دنیا میں سنبھالو ہمدم
جا کے محشر میں کہیں تم نہ پشیماں ہونا

جتنا زیادہ یار کا مجھپہ کرم ہوا
نظروں میں اپنی آپ میں اُتنا ہی کم ہوا

حرفِ غلط ہوں صفحۂ نامہ میں شوق کے
میں بہت مٹا کے رہ گیا جس جا رقم ہوا

ہستی ہماری۔ عمر کے مٹنے کی ہے دلیل
مرنے کے واسطے ہی یہ اپنا جنم ہوا

دنیا میں سرکشی کو مٹاتا ہے انکسار
خم گشتہ تیغ سے سرِ ترکش قلم ہوا

دنیا کے سرد و گرم بہت چکھ چکا ہوں میں
اُس میں کوئی خوشی تھی نہ اس میں الم ہوا

سینے سے تیرے آتی ہے دنیا نظر مجھے
آئینہ دل کا میرے لئے جام جم ہوا

آنکھیں نشیلی یار کی جو یاد آ گئی ہیں
پینا شراب جام کا ہمدم کو سم ہوا

کہتے کہتے کیوں زباں بدلی کہ غمخواروں میں ہوں
کیوں نہیں کہتے وہی تیرے ستمگاروں میں ہوں

یہ تو کس منہ سے کہوں تیرے خریداروں میں ہوں
لے مسیحائے زماں ہاں تیرے بیماروں میں ہوں

جب کہا آنکھوں نے ہم سو جاں سے ہیں آنپر فدا
دل تڑپ کر بول اٹھا میں بھی خریداروں میں ہوں

بے کسی غربت میں دیتی ہے دلاسے یوں مجھے
تو نہ گھبراتا کہیں ہر تیرے غمخواروں میں ہوں

کیا مزہ ہو بخش دے وہ حشر میں اس عرض پر
اے خدا رحمت کا خواہاں ہوں گنہگاروں میں ہوں

توبہ توبہ پی کے بہکوں ایسا کیا کم ظرف ہوں
روز کا ہوں پینے والا مست سرشاروں میں ہوں

کیا کروں ہمدم ادائیں ہیں حسینوں کی غضب
ایک دل کس کس کو دوں میں لاکھ دلداروں میں ہوں

وصل کی شب کس نزاکت سے چلی آتی ہے نیند
آج کچھ اٹھکیلیوں کی چال دکھلاتی ہے نیند

ہجر کی شب لاکھ چاہوں پر نہیں آتی ہے نیند
صاف آنکھوں سے مری کمبخت اُڑ جاتی ہے نیند

شکل دکھلائی جہاں نظروں سے پنہاں ہو گئی
کیا قسم کھانے کو میری آنکھ میں آتی ہے نیند

ہائے ایسے وقت تم آئے کہ میں ہوں بے خبر
نزع کا عالم ہے اور مجھکو چلی آتی ہے نیند

خواب میں آئے کا کیا رستہ نکالا آپ نے
آپ کی تو دل لگی ہے یاں اُچٹ جاتی ہے نیند

پاؤں بھی تھک تھک کے سو جاتے ہیں کوچۂ یار میں
سایۂ دیوار میں اُن کو بھی آجاتی ہے نیند

دیکھ کر آنکھیں نشیلی اپنے مست ناز کی
بیخودی کی کیسی متوالی چلی آتی ہے نیند

ہچکیاں بھی آرہی ہیں بیخودی کے ساتھ ساتھ
موت کا پیغام میرے واسطے لاتی ہے نیند

ہماری آرزو۔ حسرت۔ تمنّا۔ مدّعا تم ہو
یہ سب کچھ ہو مگر اب تک نہ سمجھے ہم کہ کیا تم ہو

بُرا اور بے وفا میں ہی سہی سارے زمانے میں
چلو دشمن بھلے اور با مروّت با وفا تم ہو

کسی کا حشر کے دن مجھسے یہ کہنا قیامت ہے
کہیں ہمنے تمھیں دیکھا ہے صورت آشنا تم ہو

مسیحائے زماں مشہور ہو مانا مگر دیکھو
نہ آئے کام جب اپنے تو درد لا دوا تم ہو

بتو ہم بھی حسیں کس بات پر تم اتنے نازاں ہو
کہ ہم بھی صنعت خالق ہیں گر شان خدا تم ہو

سوال وصل اے ہمدم کبھی جو اُن سے کرتا ہوں
خفا ہو کر وہ کہتے ہیں کہ مطلب آشنا تم ہو

چڑھتے تیور ہیں کیوں یہ بیرخی اے یار کیسی ہے
اُلجھنا ہر گھڑی ہر بات پر تکرار کیسی ہے

نگاہِ ناز کا ہو وار مجھ پر بھی کہ میں دیکھوں
کرے جو میان ہی میں کام وہ تلوار کیسی ہے

تمہاری یاد دل میں چٹکیاں لیتی ہے رہ رہ کر
یہ در پردہ کسی سے چھیڑ اسے دلدار کیسی ہے

کبھی تاکا اسے بسمل کیا اس کو اُسے مارا
غضب کی چلبلی چنچل تری تلوار کیسی ہے

نشے میں چور میخانے سے ہمدم جھومتے نکلے
کوئی اس وقت دیکھے آپ کی رفتار کیسی ہے

مرا کعبہ میکدہ قبلہ مرا بتخانہ تھا
بندۂ ساقی تھا میں مذہب مرا رندانہ تھا

دنگ تھا قاتل مرا شوقِ شہادت دیکھ کر
سو قدم آگے رقیبوں سے دلِ دیوانہ تھا

کیوں ہوئے خائف خون کی ہوگی جو میرے باز پرس
داورِ محشر سے کہہ دوں گا کہ سب افسانہ تھا

وصل کی شب کنجِ گلشن چاندنی چھٹکی ہوئی
یار ساقی تھا سبو غنچہ تھا گل پیمانہ تھا

پارسا ہمدم بنے ہیں آج کل کا ذکر ہے
میکدے سے آرہے تھے ہاتھ میں پیمانہ تھا

کیا لطف ہو وہ نور تجلّی نظر آئے
آنکھوں میں سما کر مرے دل میں اتر آئے

آنکھوں میں تری یاد سے آنسو جو بھر آئے
آغوش پکاری کہ وہ نورِ نظر آئے

اے موت کہ چھوٹ جاؤں غم و رنج و الم سے
جی جاؤں میں یارب جو یہ امید بر آئے

کیا شوقِ تمنّا ہے غشی میں بھی دل اپنا
چلاتا ہے ہاں پھر وہی جلوہ نظر آئے

لپٹے جو گلے تیغ کے کٹ کٹ گئے دشمن
ہمدم بھرے مقتل میں ہمیں نام کر آئے

جس دل میں درد و غم تھا وہ ہمدم رہا نہیں
کیا جی کے اب کروں کہ کوئی آسرا نہیں

کچھ تو خدا کا خوف ذرا دل میں لائیے
ہم بے کسوں کا اتنا ستانا روا نہیں

کس دل میں تم نہیں ہو کن آنکھوں میں تم نہیں
وہ کون ہے بشر جو تمہیں دیکھتا نہیں

تصویر ہم نے حضرتِ یوسف کی دیکھ لی
تم سے سوا نہیں ہے یہ تم سے سوا نہیں

بوتل لگادے منہ سے شراب طہور کی ساقی نشہ میں اور بھی سوجھے گی دور کی
خواہش پری کی ہے نہ تمنا ہے حور کی آنکھوں کے سامنے رہے صورت حضور کی
شور آمدِ نسیم کا صحن چمن میں ہے اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی
کیا پوچھتے ہو حال دلِ بیقرار کا اللہ کا ہے شکر عنایت حضور کی

ہمدم مرے گناہوں کو بخشے گا وہ کریم
محشر میں جب لگاؤ نگا رٹ یا غفور کی

ہمارے عشق کی حالت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے کسی کی دل نشیں صورت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے
وہی رونا۔ وہی گریہ۔ وہی آہیں۔ وہی زاری مریض ہجر کی حالت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے
وہی سوزِ نہانی ہے وہی پھکنا وہی جلنا تپِ غم کی مری شدت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے

چمک دل میں کسک سینے میں آنکھوں میں کھٹک ہمدم
ہماری عشق میں حالت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے

آے سمجھاتے ہیں ناصح ترے دیوانے کو کوئی سمجھائے تو کیا آئے ہیں سمجھانے کو
غیر پی جائیں میں ترسا کروں پیمانے کو ساقیا آگ لگے اس ترے میخانے کو
بلبلیں شاخوں پہ اٹھلائی ہوئی پھرتی ہیں پھول کھلتا ہے کوئی پھر ہے بہار آنے کو
جھومتا جاتا ہے لے لیکے بلائیں مے کی میکدے میں کوئی دیکھے ترے مستانے کو

یاد آجاتی ہے اس جا بھی کسی کی ہمدم
رکھے آباد خدا اس ترے بتخانے کو

مسدس

(مہارانی کوشلیا جی کے سامنے مہاراجہ دسرتھ جی کا جان توڑنا)

بے سوچے بات کیا مرے منہ سے نکل گئی رانی بچن کو لے کے عجب چال چل گئی
بد قسمتی کی میری نہ صورت بدل گئی آئی ہوئی یہ ساعت بد بھی نہ ٹل گئی

رخصت کیا ہے رام کو بن باس کے لئے
ٹھہرے بدن میں سانس یہ کس آس کے لئے

سرون کا خون رنگ دکھاتا ہے یہ مجھے
جوگی کا بھیس کر کے مرے لال چل دئے

انجان میں جو اوروں کو میں نے تھے دکھ دئے
آئے کرم وہ سامنے اپنے کئے ہوئے

بچنے کا میں نہیں مجھے غم نے کیا تمام
چودہ برس کو چھٹ گئے لچھمن، سیا و رام

ہر دم زمیں کو پھونک کے رکھتے تھے جو قدم
بن باس کی اٹھائیں وہ تکلیف و مبدم

منہ کو کلیجا آتا ہے۔ گھٹتا ہے میرا دم
بچوں پہ میرے ٹوٹ پڑا ہائے کوہ غم

چودہ برس کو ہائے چھٹا مجھ سے میرا لال
اب زندگی حرام ہے۔ جینا ہوا وبال

کوشلیا وفا کی تو دیوی ہے لا کلام
جور و جفا پہ میرے لیا چپ سے تو نے کام

صبحِ امید پر تری دیکھوں میں غم کی شام
روزِ حیات کیوں نہیں ہوتا مرا تمام

نورِ نظر کے جانے سے ظلمت سی چھائی ہے
کشتیِ عمر ورطۂ آفت میں آئی ہے

چالیں عجیب چلتے ہیں مطلب کے آشنا
اپنی غرض پہ چھوڑ دیں ظالم رہِ وفا

ان کی بلا سے غیر پہ لاکھ آئے گو بلا
لیکن نکالیں مکر سے یہ اپنا مدعا

کس زندگی کے واسطے کرتے ہیں یہ عذاب
بھٹکے پھریں گے چھوڑ کے ظالم رہِ ثواب

اے رام تجھ بغیر مرا غیر حال ہے
لچھمن کے ہجر کا مجھے رنج و ملال ہے

سیتا کے بن میں جانے کا صدمہ کمال ہے
ڈوبا ہوں بحرِ ہجر میں جینا محال ہے

فرقت میں کھنچ کے آئی لبوں پر ہے جانِ زار
عیشِ جہاں کھٹکتا ہے بن بن کے دل میں خار

مُنہ موڑ کر نہ جاؤ نہ پھیرو نظر کو تم
بیداد بن کے توڑو نہ میری کمر کو تم
ہاں ملتوی کرو میری خاطر سفر کو تم
آجاؤ جلد شکل دکھاؤ پدر کو تم
کچھ دم تو اور دید کے ارماں نکال لوں
چمٹا کے تم کو سینہ سے پھر دیکھ بھال لوں

اے رام! ہائے رام! دُکھی دل بہت ہے آج
تیرے بغیر لگتا ہے سنسان سارا راج
تھی آرزو کہ دیتا تجھے اپنا تخت و تاج
پر دشمنوں نے سارا بگاڑا ہے کام کاج
سو ہانِ روح غم ترا اے نونہال ہے
فرقت کی ہر گھڑی مجھے ایک ایک سال ہے

اے رام تجھ پہ صدقہ مری جان ہو گئی
مشکل بڑی پڑی تھی پر آسان ہو گئی
فرقت میں تیری جان بھی ہلکان ہو گئی
یہ موت میرے درد کا درمان ہو گئی
دم توڑتا ہوں جینے کا اب لطف خاک ہے
ایشور کے بس سپرد مری روح پاک ہے

انتخاب مسدس

راجہ گوپی چند کا بہن سے بھیک مانگنا

منظور تھا گرو کو جو گوپی کا امتحاں
ڈرج وہاں میں کھولی زبانِ گہر فشاں
فرمایا گر فقیری کا دل میں ہے کچھ گماں
لا بھیک تو بہن سے کہ پورا ہو امتحاں
ثابت قدم رہا جو رہِ امتحان میں
خورشید بن کے چمکے گا دونوں جہان میں

بوئے وفا دماغ میں تیرے سما نہ جائے
اُلفت بہن کی بھولی ہوئی یاد آ نہ جائے
سوزِ دروں بھڑک کے کہیں رنگ لا نہ جائے
تیری رگوں میں خون کہیں جوش کھا نہ جائے

کرنا تو کام ضبط سے ہے وقتِ امتحاں
قابو میں دل نہ رکھا تو ہوگا تجھے زیاں

پہنچے بہن کے گھر جو الگ دے کے یہ کہا — بابا بھلا ہو، دور سے آیا ہے اک گدا
دیتا ہے در پہ تیرے کھڑا ہو کے یہ صدا — ٹکڑا ملے فقیر کو۔ مالک کرے بھلا
آئے لگا کے آس ہیں بابا ہمیں ملے
صدقہ ہی ہم کو دیدے کہ آفت تری ٹلے

سنتے ہی اس صدا کو نکل آئی اک کنیز — اور پوچھا بابا تم کو ہے مطلوب کون چیز
ہو بھوک پیاس تم کو تو لا کر بصد تمیز — دنیا کی نعمتیں ابھی حاضر کرے کنیز
اس گھر سے بے لئے کوئی سائل پھرا نہیں
محروم آج تک کوئی در سے گیا نہیں

داسی نے ڈرتے ڈرتے سنایا تمام حال — کی عرض ساری اپنی گذشتہ وہ قیل وقال
بھائی کا نام رانی کو سن کر ہوا خیال — دیکھوں میں آپ چل کے کہ ہے کون خوش خصال
دامن جو دستِ شوق نے کھینچا چلی گئی
لیکن حیا سے آڑ میں چلمن کے وہ رہی

پوچھا ادب سے آپ کا آسن ہے کونسا — میرے محل پہ آج قدم رنجہ کیوں کیا
داسی یہ بے تمیز ہے۔ بیشک ہے پُرخطا — کیا جانے بد صفات فقیروں کا مرتبا
تم وہ خدا کے لال ہو جن پر نہال ہو
ان کے گھروں میں مال کا ہرگز نہ کال ہو

پایا بہن کو اپنی جو پردے میں تر زباں — کچھ دیر وہ خموشی سے سنتے رہے بیاں
آخر سُنائی غم سے بھری اپنی داستاں — آنکھوں سے سیلِ اشک بہن کے ہوا رواں
تھامے ہوئے جگر کو بہت بیقرار تھی
گویا کہ نوکِ تیر کلیجہ کے پار تھی

پھر بولی دل سنبھال کے اے مردِ با خدا   پاؤں میں ہے پدم مرے بھائی کے بے بہا
بھر خدا اُٹھا کے قدم تو مجھے دکھا   تا دل کو ہو یقین۔ یہ مٹ جائے وسوسا

دیکھوں گی گر پدم تو میں جانوں گی بھائی ہے
دینے کو مجھکو رنج یہ صورت بنائی ہے

ٹالا بہت سا پہلے کہ دیکھے نہ وہ پدم   مجبور جب ہوا تو دکھایا اُسے قدم
دیکھا پدم جو پاؤں میں غالب ہوا یہ غم   دم اُس کا دم زدن میں ہوا راہیِ عدم

الفت کا نام کر گئی، بھائی پہ مر گئی
روشن وہ اپنا نام خدائی میں کر گئی

زندہ ہوئی دوبارہ تو کہتی یہی اُٹھی   بھائی دکھائی کس نے تمھیں راہ جوگ کی
کیوں راج پاٹ چھوڑ کے یہ راہ فقر لی   آخر کہو تو تم نے یہ کیا دل میں ٹھان لی

کیا تھی خبر نصیب میں ایشور نے ہے لکھا
بھائی کا جوگ ہائے بہن کو ہو دیکھنا

کفنی کو پھینک بھسم کو چہرے سے تو مٹا   اس روپ سے ہمارے دلوں کو نہ تو جلا
چل ساتھ میرے۔ راج میں کر جشنِ جانفزا   کیوں رانیوں کو سوگ میں کرتا ہے مبتلا

خوش ہو رعایا جس سے تو وہ راج کاج کر
آباد میرے باپ کا تو تخت و تاج کر

بارہ برس کی عمر میں ہونا جو ننھا تھا   ہمشیر! ماں نے راہِ بقا پر لگا دیا
اُس پر ملا جو ہم کو گرو جی کا آسرا   بیڑا ہماری عمر کا طوفاں سے بچ گیا

تم کو بہن ملال ہے ناحق کے واسطے
سوچو یہ کیا خیال ہے ناحق کے واسطے

ہمشیر صبر کیجئے فرقت کا وقت ہے
رمنے کو یہ فقیر ہے کلفت کا وقت ہے

خادم کو اپنے پیر کی خدمت کا وقت ہے
کیجے وداع خوشی سے کہ رخصت کا وقت ہے

دام جہاں میں ہو نہیں سکتا ہے یہ اسیر
سب کا خدا بھلا کرے ۔ لے چلدیا فقیر

قصیدہ در توصیف شاہ ذیشان اعلیٰ حضرت ملک معظم جارج پنجم تاجدار ہند و انگلستان ادام اللہ اقبالہ

آمدِ قیصر سے گلشن بن گئی یہ سرزمیں
شکر کر اے ہند تیرا اب کوئی ثانی نہیں

آئی ہے بن کر دلہن فصلِ بہاری ناز سے
بن رہے ہیں آجکل دولھا سب اشجارِ زمیں

کِھل رہے ہیں پھول رنگا رنگ کس شکل سے
جامۂ رنگیں پہن کر آئیں جیسے کچھ حسیں

شاخِ گلبن کی لچک اپنی دکھاتی ہے ادا
ناز خود جس پر فدا ایسی بنی ہے نازنیں

حسن کا عالم ہے ہر سو کھل رہا ہے ہر سنگھار
بھینی بھینی بو کہیں پر دے رہی ہے یاسمیں

نرگسِ شہلا نے مستی کا دکھایا ہے سماں
ہر طرف آتی نظر ہے آج چشم سرمگیں

لالۂ احمر سے روشن ہو گیا سارا چمن
تختہ تختہ پر عیاں ہے آج رنگ آتشیں

چاندنی کا پھول وہ جس پر فدا ہے چاندنی
منہ کی کھائے سامنے آئے اگر ماہ مبیں

سامنے سورج مکھی کے پھر گیا سورج کا منہ
روبرو سنبل کے ہے زلفِ حسیناں شرمگیں

دانت دکھلاتے ہیں کھل کھل کر انارانِ چمن
تاک میں انگور کے خوشے لٹکتے ہیں کہیں

پتہ پتہ سے عیاں ہے آج اسرارِ خدا
ڈالی ڈالی سجدۂ خالق میں خم ہے ہر کہیں

واہ کیا جوبن برستا ہے چمن پر کیا نکھار
سین قابل دید کے قدرت نے کھینچے ہیں کہیں

واہ وا دلچسپ قدرت نے بنایا کیا چمن
دوڑ کر جائے نظر جس جا پہ رہ جائے وہیں

صحنِ گلشن میں بچھا ہے فرش ہر جا مخملی
شوق کا پائے نظر اس جا پہ رہ جائے وہیں

راگ سے ہیں راگ جن سے گونج اٹھا ہے چمن
چہچہے سے چہچہے دلچسپ و دلکش دل نشیں

یہ بہارِ جاں فزا ہے یہ فضا ہے دل کشا
کیوں تر و تازہ نہ ہو اس سے مری جانِ حزیں

ولولے آئے ہیں دل میں دیکھ کر یہ جوشِ رنگ
لکھ دے ہمدم تو یہ مطلع گو کہ مشکل ہے زمیں

تخت پر جلوہ فگن ہے شاہِ جارج پنجمیں
اے دلِ مشتاق من ایں صورتِ زیبا ببیں

بخششیں ہے بخششیں دل کھول کر کی ہیں عطا
دستِ ہمت پر ترے اے شاہِ والا آفریں

ساری دنیا میں نویدِ جشن ہے پھیلی ہوئی
قیصرِ ہند آکے دہلی میں ہوے مسند نشیں

تو ہے وہ قیصر کہ سب شاہانِ والا شان آج
آستانہ پر ترے آ آکے ملتے ہیں جبیں

اتحادِ باہمی شیر و شکر کی شکل ہے
ہو گئے ناپید تیرے عہد میں سب بغض و کیں

خوف کے مارے چڑھے شیرِ نیستاں کو بخار
دیکھ لے جو خواب میں وہ چشم تیری خشمگیں

دامن اپنے اپنے بھر لیں موتیوں سے سربسر
دُرفشانی کر رہی ہے آج تیری آستیں

اس طرف بھی اک نگاہِ لطف اے عالی ہمم
دے رہا ہے یہ دعا ئے خیر اک گوشہ نشیں

شرق سے لے غرب تک محکوم ہو عالم ترا
"تا ابد قائم رہیں دنیا میں یہ تاج و نگیں

نعمتِ عظمیٰ عطا کر یا الٰہی شاہ کو
شاد و خرم رکھ سدا تو اسکو رب العالمیں

مناجات

جرم و عصیاں کا خطا کار ہے بندہ تیرا
بخش دے بخش دے بخشش کا ہے شیوا تیرا

پتہ پتہ پہ ترے حسن کا نقشہ دیکھا
ڈالی ڈالی سے عیاں صاف ہے جلوا تیرا

یہ اندھیرا - یہ بھنور - میری یہ ٹوٹی کشتی
ناخدا ان کے بجا تو ہی سہارا تیرا

سب کا ہے اور کسی کا بھی نہیں لطف یہ ہے
اس دو رنگی پہ بھی شیدا ہے زمانا تیرا

طور پر حضرتِ موسیٰ بھی گرے غش کھا کر
تاب کس کی ہے جو دیکھے کوئی جلوا تیرا

مثلِ آئینہ تجھے دیکھتا ہوں - تو مجھکو
ہوں تماشائی بھی اور میں ہی تماشا تیرا

یہ زمیں تیری - فلک تیرا مہ و مہر ترے　　　دونوں عالم میں غرض راج ہے شاہا تیرا
بخش دے لاکھ خزانے بھی تو کیا تجھکو کمی　　　تو بھی ہے بحر کرم - دل بھی ہے دریا تیرا

کبھی ہمدم پہ بھی ہو جائے عنایت کی نظر
یہ بھی اک بندۂ ناچیز ہے شاہا تیرا

کیوں چھیڑتا ہے ہمدم - یاں دل دکھا ہوا ہے　　　تو رازدار ہو کر کیا حال پوچھتا ہے
پردہ نشیں بنا ہے - چلمن سے جھانکتا ہے　　　اچھا ہے تیرا پردہ - اچھی تری حیا ہے
چٹکی نمک کی بھر دے زخموں کے منہ میں ظالم　　　جب تک نہ درد چھکے بے لطف بے مزا ہے
پھولا نہ باغ ہستی میرا بہار میں بھی　　　کیسی ہے یہ عنایت - کیسا کرم صبا ہے
ملکِ عدم کے رہرو جب جا چکے تو سمجھے　　　کہتے ہیں جس کو دنیا - عالم وہ خواب کا ہے
آیا خیال ہمدم - ہوتا ہے خیر مقدم　　　اشکوں کا سیل بھکر لینے آسے چلا ہے

اے غم والو لو لو - مردِ سخی ہے ہمدم
بیٹھا ہوا یہ نقدِ دل کو لٹا رہا ہے

مجھے پھندے میں ڈالا آسماں کے　　　یہ ہیں سب ہتھکنڈے دورِ زماں کے
مٹیں جھگڑے کہیں وہم و گماں کے　　　تمہیں سچے - ہمیں جھوٹے جہاں کے
کئے ٹکڑے جگر کے نذرِ جاناں　　　ہوئے اظہار یوں دردِ نہاں کے
ہوا ہے جام جم سے دل ہمارا　　　نظارے اس میں ہیں کون و مکاں کے
نظر یاں آ گئی شانِ الٰہی　　　گدا ہم بن گئے کوئے بتاں کے

خداوندانِ سلطنت کے ہم ہیں پیرو
کہ ہیں ہمدم غبار اس کارواں کے

متفرقات (پیام ہمدم)

وقتِ امداد ہے تم شاہ کے آڑے آؤ　　　شیر بن جاؤ نہ کچھ خوف کسی سے کھاؤ

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

ملک اور قوم پہ ہاں زک نہیں آنے پائے   رُخ جو دشمن کرے اِس سمت تو منہ کی کھائے

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

تیغ ہندی کا ہیں مانے ہوئے لوہا دشمن   اُن کو تم گھاٹ لگا آؤ کہ سر ہو یہ رن

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

حق خدمت سے ہو آزاد۔ یہ خدمت کر کے   چاہے سر جائے مگر پاؤں نہ رن سے سرکے

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

بھیم ارجن کا تمھیں نام ہو رکھنے والے   آریہ ورت کی آنکھوں کے تمھیں ہو تارے

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

نام رہ جائے زمانہ میں وہ ساکھا کر دو   شاہ کے قدموں پہ ہو جاؤ فدا تم مر دو

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

حکم شاہی کو رکھو شوق سے سر آنکھوں پہ   جو وفادار ہیں ہمدم وہ نہیں پھیرتے سر

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

عبرت ناک سین

پردہ حیرت کا اُٹھا۔ سین نرالا دیکھو   دیکھنے والو یہ عبرت کا تماشا دیکھو

جنگ یورپ کا یہ دل سوز نظارا دیکھو   پرشیا والوں کا بگڑا ہوا خاکا دیکھو

کبر و نخوت کا ہمیشہ یہی انجام ہوا

جو ہٹا ان پہ وہ ہر کام میں ناکام ہوا

جنگ یورپ میں جو جرار بنا پھرتا تھا   ہنگری کا جو مددگار بنا پھرتا تھا

روس بھر میں جو ستمگار بنا پھرتا تھا   شہر پیرس کا طلبگار بنا پھرتا تھا

وہی بے یار و دیار آج بنا پھرتا ہے

شاہ کل تک تھا پر اب شکلِ گدا پھرتا ہے

جس نے پانی میں ڈبوئی ہیں ہزاروں جانیں
مفت میدان میں کھوئی ہیں ہزاروں جانیں

جس کے اس ظلم سے روئی ہیں ہزاروں جانیں
شکر ہے اب تک نہیں موئی ہیں ہزاروں جانیں

آج اُس کو ہیں پڑے جان کے لالے دیکھو

تن تنہا ہے۔ نہ لشکر۔ نہ رسالے دیکھو

ہند لینے کا جو سودائی بنا بیٹھا تھا
قیصرِ ہند کا جو بھائی بنا بیٹھا تھا

جنگ یورپ کی جو رسوائی بنا بیٹھا تھا
جس کا ہر شخص تماشائی بنا بیٹھا تھا

خانہ ویراں ہے وہ ہمدم یہ تماشا دیکھو

اُس کی بگڑی ہوئی تقدیر کا نقشا دیکھو

تشبیب قصیدہ از ہمدم

حبذا لطفِ خدا و کرمِ عز و جل
جس کے اخلاق سے ہے خلقتِ عقلِ اول

بزمِ ادراک میں کی شمعِ تجلی روشن
اور پھر قلب میں پروانگی رکھی منتقل

روشنی علم کی یوں کون و مکاں میں پھیلی
جس طرح مہرِ درخشاں کہیں آیا ہو نکل

دامنِ سبز پہ سبزہ کے شعاعیں ڈالیں
سبزۂ نخل پہ اگائی ہے سنہری مخمل

زرفشاں جبکہ ہوا خامۂ زریں تیرا
کھینچ دی اس ورقِ دل پہ سنہری جدول

جہلِ تاریک کو دنیا سے مٹایا تو نے
یہ قدرت کی ہے شمشیرِ قلم میں صیقل

منشیِ حمد رقم مجھ کو بنایا تو نے
نخلِ قسمت کو دیا اس سے منشیِ ازل

عقدۂ علم کو ہیں ناخنِ حکمت درکار
یہ معمہ نہیں آسانی سے ہو جائے جو حل

مردِ میدانِ عمل ان کو بنایا تو نے
جیت کرنے لگنے جو علم و ہنر کے دنگل

تیرے الطاف و کرم کی یہ فراوانی ہے ۔۔۔ چھائے برٹش کی حکومت کے سروں پر بادل
جس طرف جائے نظر بس یہی آتا ہے نظر ۔۔۔ فضل سے تیرے یہی راج ہے سب سے افضل
بارشِ فیض سے ہے علم کا گلشن شاداب ۔۔۔ چشمۂ مہر سے ہیں اُس کے زمیں پر جل تھل
ہر شناور کو یہاں گو ہر مقصود ملا ۔۔۔ وہی محروم رہا پاؤں گیا جس کا پھسل
ہندیوں کی بھی ہے قسمت کا ستارہ چمکا ۔۔۔ مل کے باہم جو کیا سب نے یہ آخر فیصل
ملک والوں کی ہو تعلیم ہنر مند بنیں ۔۔۔ کوئی اُمّی نہ رہے اور نہ کوئی اجہل

غرب کی روشنی ہو شرق میں ان کے دم سے
تارِ بجلی کا جلائیں یہ بجائے مشعل

"برج کی سیر"

سلونو کو جو ہم متھرا گئے یہ کام کر آئے ۔۔۔ بھرے دربار میں سرکار کو پرنام کر آئے
نہ پوچھو واہ کیسی موہنی صورت کسی کی تھی ۔۔۔ ہم اپنے دل کو اُس کا بندۂ بے دام کر آئے
کھلی تقدیر اپنی۔ جاگ اُٹھی سوئی ہوئی قسمت ۔۔۔ مسافر بن کے ہم بستر آشتہ میں بسرام کر آئے
کہاں کا دل یہاں تو جان تک اُن پر فدا کر دی ۔۔۔ ابھی تھی ابتدا الفت کی ہم انجام کر آئے
عجب تھی دُھن وہ بنسی کی کہ سُدھ بُدھ کھو گئی اپنی ۔۔۔ محبت کا بھلا ہو۔ دل کو ہم ناکام کر آئے
پھرے وحشی کی صورت ڈھونڈتے ہم برج میں تجھکو ۔۔۔ تجھے نام آور اپنے آپ کو بدنام کر آئے

ہزاروں شیفتہ بسمل ہیں جس کے تیر مژگاں کے
تماشا ہے کہ اُس بانکے کو ہمدم رام کر آئے

نظر میں ہیں مری۔ خم دار گیسو ۔۔۔ ڈسے لیتے ہیں بن کر مار گیسو
مُداوا ہو چکا میرے مرض کا ۔۔۔ مرے حق میں بنے آزار گیسو
زبانِ حال سے دل مانگتے ہیں ۔۔۔ بڑے ہیں آپ کے طرار گیسو

چڑھاؤ سر نہیں منہ آئیں گے یہ — سنوارو تم نہیں۔ ہر بار گیسو
پھنسا لیتے ہیں دل کو دام بن کر — ہوا ہیں آپ سے ہشیار گیسو
یہ مستوں کی صورت جھومتے ہیں — بڑے ہیں آپ کے سرشار گیسو
پجاری حسن کا تیرے صنم ہوں — گلے کی ہیں مرے زنار گیسو

کہاں یہ بخت خفتہ میرا ہمدمؔ
کہاں وہ طالع بیدار گیسو

قطعہ بر وفات مولانا محمد علی جوہرؔ محب قوم

ہوا تاریک مشرق رحلت جوہرؔ سے واویلا — حقوق قوم کی تھی طلب جو آفتاب طالب میں
سن رحلت اگر مرحوم کا لکھنا ہے اے ہمدمؔ — تو یہ لکھ دو گیا ہے آفتاب ہند مغرب میں

۱۹۳۱ء

قطعہ بر وفات فخر قوم محب وطن جناب پنڈت موتی لال صاحب نہرو

مانا ہے سائمن نے بھی اُن کے کلام کو — نور وطن کے ایک ہی نہروؔ ہوئے کلیم
شہرہ ہے جن کی عظمت و فضل و کمال کا — ہمدمؔ ہے اُن کا سال فنا۔ فاضل عظیم

۱۹۳۱ء

قطعہ وفات رائے بہادر پنڈت بشیشر ناتھ ہانگل صاحب رئیس اکبر پور ضلع فیض آباد خسر جناب ہمدمؔ

کرد بادِ خزاں ہمہ بد رنگ — لطف باغ و بہار رخصت شد
بکہ می سال مرگ خسرایں است — تختۂ بے مثال۔ غارت شد

سمت ۱۹۸۸

قطعہ تاریخ بر ولادت صاحبزادہ اکبر پنڈت شیو نارائن صاحب بھان عاجزؔ

کچھ عجب جوبن گلستاں سے ٹپکتا آج ہے ہر روش پر ہے بہار بے خزاں آئی ہوئی
سنبل و ریحان و نرگس کے عجب انداز ہیں آنکھ جن پر پڑتی ہے للچائی للچائی ہوئی
کون سے گُل کی ہے آمد جس کی آتی دھوم ہے آج جو بادِ صبا پھرتی ہے اٹھلائی ہوئی
کون سے گلرو کے آنے کی خبر لائی صبا جھومتی ہیں اس طرح شاخیں جو بل کھائی ہوئی
باغباں جامے سے باہر ہو رہے ہیں مثل گل کھل گئی ہے جو کلی کل تک تھی مرجھائی ہوئی
بکرمی سمت میں لکھ تاریخ ہمدمؔ دیکھ کر رحمتِ خالق کی عاجزؔ پے گھٹا چھائی ہوئی

۴۴۴ و ۱۴۱ و ۳۰ و ۲۸۱ ۶۱۴ ۲۲۶ و ۱۱ و ۲۱
سمت ۱۹۶۰

قطعہ تاریخ بر وفات منشی سید عاشق علی صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع ایٹہ

اک مہرباں کا ماتم برپا ہے شہر بھر میں سچ تو یہ ہے قیامت مرنا ہے نوجواں کا
غم کی گھٹا ہے چھائی تاریخ لکھ یہ ہمدمؔ ڈوبا ہے آہ کوئی خورشید خانداں کا

۲۱ ۷۰۴ ۱۱۲۰ ۳۷ ۶ ۲۸
۱۹۱۶ء

قطعہ تاریخ وفات بابو مرلیدھر صاحب ہیڈ ماسٹر وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ

درویش و غنی ۔ شاہ و گدا ۔ مفلس و زردار اے دورِ زماں تو نے تو چھوڑا نہ کسی کو
اُستاد کی تاریخ یہ ہمدمؔ نے لکھی ہے لو آج رشی کیش میں موت آئی رشی کو

۴۰۱ - ۵۱۰ - ۱۱ - ۴۴۱ - ۱۰۰ - ۸۴۰ - ۳ - ۳۷
سمت ۱۹۷۳

قطعہ تاریخ بر وفات فخر قوم جناب پنڈت بشن نارائن صاحب درؔ ایم بیرسٹر لکھنؤ

ہائے درؔ کی ناگہانی موت نے کر دیا ہے ہند میں محشر بپا
ہائے کیسی موت کی آندھی چلی گُل چراغ قوم جس نے کر دیا
رنگ و بو بن کر اُڑی ساری بہار باغ عشرت لکھنؤ کا مٹ گیا
سمت ۱۹۷۳

آؤ ہمدمؔ اُس کے پھولوں میں چلیں خیر اندیش خلایق ۔ جل چکا
۱۹۱۶ء + ۵۷ = سمت ۱۹۷۳

تاریخ وفات حسرت آیات دلبند و جگر پیوند رامیشور پرشاد منشی

سیہ مستی گئی ہے ہوش آیا — حرام اس دل کو شغلِ مل ہوا آہ
کہو رو پیٹ کر تا ریخ ہمدم — چراغِ بزمِ راحت گل ہوا اب

سنہ ۱۹۲۷ء

ہندو ۔ پنڈت مکند رام متوطن سری نگر کشمیر ۔ آپ کا اصلی وطن کشمیر تھا اور محلۂ درابی یار (متصلِ حبہ کدل) میں سکونت پزیر تھے آپ کا خاندان ٹپلو کے نام سے مشہور تھا جن کی اولاد اس وقت تک کشمیر میں موجود ہے ۔ آپ کی نسبت زیادہ حال معلوم نہ ہوا سوائے اس کے کہ اوائل عمر میں ہی بہ تلاشِ معاش حیدرآباد چلے گئے تھے اور وہاں نواب میر جنگ بہادر اور راجہ راجیشری راے کے ہاں ملازمت اختیار کی سنہ ۱۲۶۳ھ میں زندہ تھے ۔ بقولِ پنڈت بلبدر ٹپلو جی ۔ اسے جو آپ کے خاندان کے موجودہ وارث ہیں آپ کے کلام کا بیشتر حصہ تلف ہوا ہے ۔ ایک غیر مطبوعہ اور مختصر مجموعۂ کلام دستیاب ہوا ہے جس میں سے مندرجۂ ذیل انتخاب نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

جنوں بے اختیارم میکشد سوے بیابانہا — ز انساں تلخ عیشم از نفس میگرم بحیواں ہا
بگرداب بلا جانبا زہم غواص ساں دارد — درِ مقصود می آرم بکف از موج عمانہا
پرستش با خدا دارم بکفر و دیں نہ پروازم — درِ اسلام میکوبم زنم ناقوس رہبانہا
سرے از سر جدا کردم سرم سرزد بہ تنہائی — سر و کارم ہمیں بہتہ چہ می سازم بیابانہا
بہرِ قتلم چست بستہ تیر و ترکش جز کمر — میشوم قربان او چالاک می آید بروں
ہر طبیعت جلوہ میدارد بہ اصلِ خویشتن — گر زمیں را گندہ سازی خاک می آید بروں
شمیمِ گیسوے مرغولہ ثمو ییت — دماغِ من سراپا مشک چیں کرد
بتانِ سنگدل از عشقبازی
بہ بیں ہندو چرا بگفرودیں کرد

شب رفت وز من قصۂ زلف تو درازاست | کوتاہی بختم کہ میاں پردۂ رازاست
در باطن ما دیر و حرم کار بجا نیست | ما را دلِ خود کعبہ و برخویش نمازاست

چوں رنگ ارغوانِ عذارش سمن کجا | بوئے دماغ زلف بمشکِ ختن کجا
آرایشِ بدن ہمہ از بہر زندگیست | برمردہ ورنہ غیرت وننگ کفن کجا

مقسوم آب ودانہ بہ گردوں پران برد
ہندو وطن کجا و زمینِ دکن کجا

دیدہ ترکردم زہجرِ زلف او | آب میسوزم چراغِ شام را
در اصالت غیرتِ فولاد تن | قیمت از جوہر بہ بیں صمصام را

چیست دانی تو قامتِ دلبر | از قیامت بہ دہر آثار است
چشمِ مستت چہ طرفہ رندِ جہاں | زاہدِ خشک ہیں بیمار است
از انا الحق زباں دریدہ دہاں | سرِ منصور بر سرِ دار است

بس از مردن کند خاکسترِ من شعلہ افروزی | ز سر تا پا ز سوزِ عشق انگر ریزد زنارم

گر لبِ او بادہ نوشی میکند | چشمِ او مردم فروشی میکند
نوبتِ ہر یک بوقتِ خویشتن | صبحدم کوس ایں خروشی میکند

بیخبر ہندو ز تقدیرِ ازل
بر سرِ تدبیر کوشی میکند

عبیرِ زلف او تا بر زمیں ریخت | مسلماناں ز کافر رنگِ دیں ریخت
صحیح نسبت چو شد بر صاد عیشش | بہ داماں بردِ سر دنداں سیں ریخت
نہفتم در گریباں گریہ از غیر | چہ سازم چو سرِ اشک از آستیں ریخت

مقیم چلّہ بہ قرباں آں کماں ابروست | کہ مژۂ بر صفتِ عشاق تیر بارانند
ز چشمِ مستِ تو گل ہم نہد وقوفِ شراب | وگرنہ نرگسِ بستاں چہ کاسہ دارانند
جمال روئے تو شیداست مہر و ماہِ فلک | ستارہ جملہ چو سیماب بیقرارانند

ناخنِ طعنہ زد چو مضرابم — تارِ جان را سہ تارہ کرد افسوس
گوہرِ اشک من ز بیداری — دور از گوشوارہ کرد افسوس

گرداب زندگی و چو آب روان بشر — موجِ نفس چنانکہ شد آمد حباب را
دنیا زراعت است پئے کارِ عاقبت — ریزی ہر آنچہ تخم درو بر مآب را

در سر یارم سحر از سیرِ باغِ دیگرے — آہ بر دل لالہ ساں بگذاشت داغ دیگرے
بعد ازیں در خدمتش خود نامہ خود قاصد شوم — بر نمی آید مرادم از بلاغِ دیگرے
شب بہ بزم وصل ہندو طرفہ ساقی گشت یار — سوئے من مینا تہی مے در ایاغِ دیگرے

گلدستہ دست و پائے تو سرو سہی بالائے تو — من بلبلِ شیدائے تو از گلستانِ کیستی
ناوک ز مژگاں خوردہ ام آماج را دل کردہ ام — قربان جانت گشتہ ام ابرو کمانِ کیستی
از اشک ریزم گوہرے تد حلقہ کردم بر درے — گوشِ تو سوئے دیگرے غفلت بیانِ کیستی
کاکل پسِ سر جاں گسل تاریک شد چین و چگل — تاراج کردی ملکِ دل کشورستانِ کیستی
ہندو نکردی بندگی بر باد دادی زندگی
در عاقبت شرمندگی اندر گمانِ کیستی

بلبل شدی اگرچہ گرفتار بہ جور گل — چوں من بنالہ سینہ فگارے نمیکنی
دوش از زبانِ شمع بہ پروانہ شد ظہور — سوزی بہ نارِ عشق و شرارے نمیکنی
ہندو اگرچہ باز ز اسلام آمدی
باور چرا بہ دینِ کفارے نمیکنی

تیرباراں میکند مژگانِ او — پردۂ زلفش حمایت میکند
نالۂ دلسوز را آگہ نہ — بشنو از نے چوں حکایت میکند
سرنوشتِ خویشتن نتوان شکست
بے سبب ہندو شکایت میکند

جنونِ مستی وساقی خیال و دل جام است
سرشک دیدہ بہ عاشق چو پر تکالی مے

بہ دل چو جاے نمودم بآں دلِ سنگیں
قدم نہادہ بگفتا شکستہ مینا ہے

بانگِ جرس بجواب شنیدم زکارواں
دنیا فنا سراے زمنزل کنید طے

گر صورتِ خداے بہ گیتی ظہور نیست
ہندو شنو بگوش کہ حق ہست جملہ شے

راحت و غم ابتدا ہمزاے من
آں بقاے عمر و ایں افناے من

اے جفایت کے بتر سم اے فلک
دست بالا زیرِ نقشِ پاے من

شاہِ رندم فوجِ من موجِ مے است
یک صراحی دو قدح اُمراے من

بے طریقت بے شریعت کارِ من
ضد مذہب مشرب غزاے من

گرچہ بے برگم ندارم بارِ دل
گوہرِ والاے من کالاے من

شادی و غم اندر جہاں اینہم گذشت آنہم گذشت
فصلِ بہاران و خزاں اینہم گذشت آنہم گذشت

خوبانِ گیتی روز و شب مجنون او در چاہِ غم
لیلی وش و یوسف رخاں اینہم گذشت آنہم گذشت

از محتسبِ دہر شدہ شرمسار بہر دم
چشمانِ سیہ مست ترا بادہ بجام است

ہندو ندہد نسبتِ قدّت بہ صنوبر
کاستادہ چو سرہنگ یک آزادہ غلام است

بر قامتش دعاے سرافرازم آرزوست
خود را بزیرِ پاش سراندازم آرزوست

قربانِ پاے وے شدنم دسترس کجا
اے سبز بخت حنا بہ تو انبازم آرزوست

ساقی تو در چہ نشأہ کہ وا کن دہانِ خم
جام و سبوے و شیشہ ز پروازم آرزوست

دیوان عفو جاری از بارگاہِ قدرت
اسناد بے گناہی عصیاں شدہ ست مارا

استادِ عشق از بر کردہ کتابِ عشقم
تعلیم حرف مکتب نسیاں شدہ ست مارا

از غیرتِ رخسارۂ آں سرو سمن بر
گل در چمن افسردہ و بے رنگ و شام است

داریم بہ سجادہ طوافِ حرمِ دل
احرام درونِ حج ما صاف حرام است

یاس۔ پنڈت سری کشن صاحب عرف بھیاجی کول لکھنوی ولد پنڈت راجچند صاحب عرف راجی کول ابن پنڈت مہاراج کول وتاتری۔

آپ کے والد پنڈت راجچند کول اور دادا پنڈت مہاراج کول ریاست گوالیار میں ایک مدت تک ملازم رہے وہاں سے لکھنؤ چلے آئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی حضرت یاس واجد علی شاہ کے عہد میں کسی محکمہ کے داروغہ تھے۔ غدر کا زمانہ خوب دیکھا حسن خدمات کے صلہ میں دو ہزار روپیہ سرکار انگریزی نے عطا فرمایا۔ برٹش گورنمنٹ میں چند سال سب انسپکٹر پولیس اور بعد کو ضلع لکھیم پور کھیری اودھ میں داروغہ آبکاری کے عہدہ پر مامور رہے۔ مستفید پنشن ہو کر پھر لکھنؤ میں اقامت اختیار کی یہاں بچہ بچہ بھیاجی صاحب کے نام سے واقف تھا نہایت ہر دلعزیز باوضع بزرگ تھے کشمیری آل انڈیا کانفرنس کے برسوں آنریری سکریٹری رہے۔ نسیم لکھنوی آپکے خالہ زاد بھائی تھے اور آپ انھیں سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ آپ کی شیریں بیانی کے اشعار ذیل شاہد ہیں۔

تصور جلوہ آرا دل میں ہے اللہ کی قدرت کا — کہ بتخانہ میں آیا ہوں میں مشتاق اسکی صورت کا
نہ ڈر روز جزا کا ہے نہ اندیشہ قیامت کا — ترصد اسکی بخشش کا بھروسہ ہے عنایت کا
عجب رندان بیخود تاک میں ہیں دختر رز کی — الٰہی خیر ہو اب تو ہے حافظ اسکی حرمت کا
فدائے ناز ہو کر مر گیا زیر قدم اس کے — کہ نقش پائے نازک پہ نشاں ہے میری تربت کا
دم گریہ نکلتے ہیں جو اشک گرم آنکھوں سے — اثر باقی ابھی ہے سوزش دل کی حرارت کا

جنوں ہوتے ہی ٹکڑے کر دئے داماں صحرا کے
خدا حافظ یہ ادنیٰ ولولہ ہے جوش وحشت کا

سینہ یاد عارض تاباں سے روشن ہو گیا — داغ دل مشکل چراغ وحشت ایمن ہو گیا
ضعف کی شدت سے اب میں سر اٹھا سکتا نہیں — ناتوانی سے گریباں طوق گردن ہو گیا



پنڈت سری کشن کول ۔ یاس

دیکھ کر جلوہ مرے اُس شہسوارِ حسن کا
ماہِ نو گردوں پہ نقشِ نعلِ توسن ہو گیا

لختِ دل ٹپکے مژہ سے جبکہ ہجرِ یار میں
دامنِ گلچیں سے افزوں اپنا دامن ہو گیا

ہجر میں اے یاسؔ کیا ہو اب امیدِ زندگی
ایک دل تھا دوست اپنا وہ بھی دشمن ہو گیا

مہرِ تاباں اور وہ رشکِ قمر دونوں ہیں ایک
خالِ رُو و نجمِ رخشانِ سحر دونوں ہیں ایک

وہ نہاں آنکھوں سے ہے تو یہ نظر آتی نہیں
جادۂ ملکِ عدم اُسکی کمر دونوں ہیں ایک

وہ چبھی رگ ہائے تن میں اس سے ہے مجروح دل
نوکِ مژگانِ نگارو نیشتر دونوں ہیں ایک

جب لگائے تیغ وہ کیونکر نہ روکوں آنکھ پر
میری آنکھوں کی سیاہی اور سپر دونوں ہیں ایک

وہ جلادے تختۂ روئے زمیں یہ آسماں
آتشِ سوزان و آہِ پُر شرر دونوں ہیں ایک

کیا کریں یاسؔ خالق کی میں اپنے اب کہوں
اُسکے آگے بے ہُنر اہلِ ہنر دونوں ہیں ایک

کششِ آہ تیرا ہم بھی اثر دیکھیں تو
کب وہ آتا ہے پریزاد ادھر دیکھیں تو

دل لیا جان بھی لیں ذبح کریں سر بھی لیں
آپ بے سبب ظلم کریں ایک نظر دیکھیں تو

چشم بد دور تمھیں سنتے ہیں ہم صیدفگن
کیسے تم چھوڑتے ہو تیرِ نظر دیکھیں تو

قتلِ عاشق کو فقط تیغِ نگہ کافی ہے
کس لئے فکر ہے آپ ایک نظر دیکھیں تو

آج ہے فرقتِ دلدار میں رونے کی ہوا
جوشِ گریہ ترا اے دیدۂ تر دیکھیں تو

کوئے جاناں میں ابھی حشر بپا کر دینگے
آنکھ پھیرے ہوئے جاتے ہیں کدھر دیکھیں تو

صید ہونے سے کہیں طائرِ دل ہٹتے ہیں
چھوڑ تو دیجئے شہبازِ نظر دیکھیں تو

کون کہتا ہے کہ پھل دیتا نہیں نخلِ دار
آپ نیزہ پہ مرا کھینچ کے سر دیکھیں تو

از رہِ لطف یہ مقتل میں وہ فرماتے ہیں
ہے پڑا یاسؔ کہاں خستہ جگر دیکھیں تو

ترے دیوانے اپنا خانماں برباد کرتے ہیں
اسیر دامِ الفت ہیں قفس آباد کرتے ہیں

رقیبِ روسیہ کو بزم میں وہ یاد کرتے ہیں
نئی بیداد کرتے ہیں ستم ایجاد کرتے ہیں

لگاوٹ میں ستم ایجاد کیا بیداد کرتے ہیں
حنا ملتے ہیں خونِ عاشقِ ناشاد کرتے ہیں

اب آتے ہیں اب آتے ہیں وہ ہم کو یاد کرتے ہیں
یہی کہہ کے تسکینِ دلِ ناشاد کرتے ہیں

چمن ہے ابر ترہے مطرب و مینا و ساقی ہے
الٰہی وہ بھی آجائے جسے ہم یاد کرتے ہیں

مرے جاتے ہیں عاشق جنبشِ لبہائے شیریں سے
مسیحا اختیار اب شیوۂ جلاد کرتے ہیں

غضب ہے ذبح کرتے ہیں تو ہنس کر بھی جِلاتے ہیں
تماشا ہے مسیحائی یہاں جلاد کرتے ہیں

جو وہ خواہانِ سر ہے تو یہاں بھی سرگرانی ہے
عبث سر کاٹنے میں دیر اب جلاد کرتے ہیں

نگاہِ شوخ سے زخمی بدن ہوتے ہیں دیوانے
مژہ رگ رگ میں کارِ نشترِ فصاد کرتے ہیں

ادائے شکر کر اے یاس کیسی طبع موزوں ہے
پسند اپنی غزل سب شاعرِ اُستاد کرتے ہیں

تاریخ طبع کتاب شمس الضحیٰ مصنفہ پنڈت رتن ناتھ در سرشار

ذی جودت و خوش بیاں رتن ناتھ
فخرِ ہندوستانِ ادراک

گُل گفت بطرزِ نو کتابے
نوبادۂ گلستانِ ادراک

نامش شمس الضحیٰ نہادہ
نورِ مہِ آسمانِ ادراک

اوراق کہ تحفۂ گُل فہم
مضمون باگلستانِ ادراک

بخشید ز خوبیِ خیالات
در قالب علم جانِ ادراک

چوں زیورِ انطباع پوشید
ایں شاہدِ نوجوانِ ادراک

بکشود برائے سالِ تالیف
کلکِ فہمم زبانِ ادراک

گفت از سرِ لطف مصرعۂ تند
گلدستۂ بوستانِ ادراک
۱۲۹۴

قطعہ تاریخ ولادت فرزند ارجمند پنڈت اندر نرائن صاحب گُھر

این چہ خوش وقتِ سعید اوہ چہ خوش این روزگار
آمدہ در گلشنِ عشرت نسیمِ نو بہار

بلبلان شیرین نوا و مطربان خوش نغمہ ساز
میشود شورِ مبارکباد ہر سو بار بار

بارور گردید از فضلِ خدا نخلِ مراد
یعنی داد اندر نرائن را پسر پروردگار

نیرِ اوجِ شرافت کوکبِ برجِ شرف
گلبنِ گلزارِ دولت نونہالِ نامدار

گوہرِ درجِ وفا این ست فخرِ خاندان
یافت پنڈت جے نرائن وہ چہ نورِ نامدار

گشت نام اقبال نارائن لقب عالی گُھر
زندہ ماند تا صد و سی سال با عزّ و وقار

از زمین تا آسمان آمد دعا ہا بار بار
یا الٰہی عمرِ طبعی یابد آن عالی تبار

بہرِ تاریخِ ولادت چون ز دل میخواستم
یافتم از فکرِ عالی این چہ مضمون آبدار

باد عاے صد ہزاران ہاتفم این مژدہ داد
وہ چہ بادا نیرِ اقبال رخشان با وقار

۶۱۸۸۰

تاریخ ولادت فرزند ارجمند جناب مہاراجہ صاحب بہادر

دام اقبالہ۔ والئے جموں و کشمیر

حبذا این فرحت افزائے بہارِ کشمیر
آنکہ از فرطِ بشاشت شدہ فردوس نظیر

خوش خبر داد چنین پیکِ صبا وقتِ سعید
زینکہ تولید مبارک شدہ چون بدرِ منیر

وہ چہ فرزند مہاراجہ بہادر ذی جاہ
صاحبِ جود و سخا وارثِ تاج کشمیر

کانِ اخلاص و وفا معدنِ خوبی و ذکا
نور افزاے ریاست شدہ چوں ماہِ منیر

اے خدا نیرِ اقبال درخشان بادا
دولت و ملک فزون بادا بود خوش تقدیر

شاد و خرم بود و مرتبۂ صدر نشین
ذی ہنر صاحبِ تمکین بود از ربِّ قدیر

این دعا از من و از جمله کسان آمین باد / عمرِ طبعی بود از عاطفتِ ربِّ قدیر
ہاتفِ غیب پئے سالِ ولادت زطرب / داد آواز کہ نیک اخترِ اوجِ کشمیر

فکرِ عشرت شده از بهرِ شمارِ سمٰوات
کہ ندا آمده حرفِ سرِ ہر مصرع بگیر

سنہ ۱۹۶۱ بکرمی

قطعہ تاریخ ملازمت نورِ چشم برج کشن کول سلمہ

اے قبائے علم دولت راست بر بالائے تو / تاج و تہذیب لیاقت بر سرِ والائے تو
اے ہمہ اوجِ سعادت نام نامی برج کشن / عہدۂ اعلیٰ بود آسان بدوشِ پائے تو
اے ظہورِ کامرانی و نشاط افزائے دل / طرّۂ اقبال و دولت بر سرِ زیبائے تو
اے شہِ اورنگ علم و دانش و فہم و ادب / فتح شد اقلیم معنی از سرِ آرائے تو
اے مبارک فالِ نیکو باعثِ شادی بود / خوش نما چترِ ہما شد بر سرِ والائے تو
اے خورِ اوجِ ذکاوت کار آسان کردۂ / معنیِ روشن شده از فہمِ نور افزائے تو
اے گلِ گلزارِ دولت وے نہالِ باغِ علم / سروِ بستانِ لیاقت قامتِ زیبائے تو
اے کہ از ذاتِ تو گشتہ باعثِ نام آوری / شد فروغِ خاندان از ہمتِ والائے تو
کارِ خدمت وہ چہ از حسنِ لیاقت می کنی / حاکمِ اعلیٰ بود خوشدل ز موزونائے تو
شادمان شد ہر عزیز و دوستان خورسند دل / ہر عدو وے روسیہ پامالِ زیرِ پائے تو
اے کہ روشن ساختی ہر عقدۂ باریک تر / آفرین صد آفرین بر فہمِ نور افزائے تو
بادعا ہا این ندا از غیب آمد بہرِ سال / روز افزون باد ترقی مانند اَلحکم جائے تو

اے مہِ اوجِ ذکاوت وے مہرِ برجِ شرف
اے ظہورِ کامرانی فہمِ نور افزائے تو

قطعہ تاریخ وفات پنڈت سومناتھ مبی

افتخار ہند پنڈت سومناتھ
شد سوئے فردوس زین دارِ فنا

گفت ہاتف سال تاریخش چنیں
مُردی و حسرت ہمہ احباب را

ایضاً

خدیوِ مصرِ ہنر سومناتھ پنڈت آہ
بہشت منزلِ فانی وشد بہ دارِ بقا

چون بود رشکِ ظہیر وکلیم در فنِ شعر
بگفت ہاتفِ غیبی خلاصۃ العلما

۱۲۹۴ھ

تاریخ وفات پنڈت دیا شنکر صاحب نسیم لکھنوی

اے وائے نسیم چل بسے ہیں
عالم کو ہے رنج و بیقراری

ہے سینۂ صبح چاک غم میں
بادِ سحری کو بیقراری

گلشن میں بھی خاک اُڑ رہی ہے
ہر ایک چمن پہ سوگواری

غم سے گل بھی ہے چاک دامن
لالہ نے کُلاہ سر اُتاری

پژمردہ ہے گل تو بلبلیں زار
ہیں نوحہ کناں بہ آہ وزاری

ہر برگِ شجر خزاں رسیدہ
گلشن سے بہار ہے سدھاری

شمشاد بھی سوچ میں کھڑا ہے
شورِ قمری پہ بیقراری

سنبل کو ہے پیچ وتاب غم میں
چشم نرگس سے خون جاری

سبزہ کا ہے تار تار دامن
شبنم کی ہے غم سے اشکباری

یوں ہاتفِ غیب نے ندا دی
اب بخشے اسے جنابِ باری

۱۲۶۱ھ

یاور ـ پنڈت جگت نراین ہاکچر صاحب

خمسہ بر غزل آذری

بلبل بباغ و بوم بویرانہ آشناست — باسرو و شمع قمری و پروانہ آشناست
صوفی بورد و رند بہ پیمانہ آشناست — زاہد بکعبہ گبر بہ بتخانہ آشناست
ما و دلے بجلوۂ جانانہ آشناست

این دوستی و ستمگاریش بہ بین — این شیوۂ جفا و وفاکاریش بہ بین
این طرز مونسی و دل آزاریش بہ بین — این دلبری و شوخی و عیاریش بہ بین
گاہے بما و گاہ بہ بیگانہ آشناست

نے رند و نے فقیح و نہ مومن نہ کافرم — زاندم کہ اوفتاد ہوایش در سرم
از بند کفر و دین شدہ آزاد خاطرم — پاسے نہادہ ام بر و کعبہ و حرم
پاسے دگر بکوچۂ جانانہ آشناست

عمریست ہیچ گاہ نہ بہر شام و بامداد — رویش چو دیدہ دین و دل خود ز دست داد
صوم و صلوٰۃ بود بجان و دلش مراد — صوفی کہ جز بہ ورد گہے لب نمی کشاد
پیمان شکست و بالب پیمانہ آشناست

عمرے براہ سعی ز سر ساختیم پا — حاصل نہ شد ز اہل جہان ہیچ مدعا
قطع امید ساختہ از غیر و آشنا — زاندم کہ آذری زدہ ام تکیہ بر عنا
پہلوے ما بمسند شاہانہ آشناست

دارم وصلے نہ خواہش و نہ بیگانہ آشناست — یاور دیار و با غم جانانہ آشناست
ابرو بہ تیغ بازی و مژگان سنان زنی — چشمش بہ ترک تازی ترکانہ آشناست

نشان صبا کہ مشک فشان شد ز کوے یار | گیسوے او مگر شدہ با شانہ آشنا ست
دل بر عروس دہر ببندی کہ ہر نفس | بیگانہ آشنا و ز بیگانہ آشنا ست
از دین و کیش این دل دیوانہ ام مپرس | گاہے بکعبہ گاہ بہ بتخانہ آشنا ست
اے در خیال خال و عرقناک روے یار | مرغ دم بہ آب و نہ با دانہ آشنا ست
گو عیش زندگی و کجا راحت حیات | آنرا کہ ہست با غم جانانہ آشنا ست
نقد غم فراق بتان در دل خراب | دارم نہان کہ گنج بویرانہ آشنا ست

بلبل صفت چرا بکشم نالہ یاورا
آہ از یگانۂ کہ بہ بیگانہ آشنا ست

یقین۔ پنڈت اودت نراین صاحب شیوپوری عرف چکبست لکھنوی شاگرد حضرت دریاؔ

اللہ اللہ رے اثر نالوں کا تیرے بلبل | پردۂ غیب سے گل چاک گریباں نکلا

کھا گئے بن کے بلا تیرے معنبر گیسو | جان عاشق کے لئے ہو گئے اژدر گیسو
عرق رخ سے بنے سبحۂ گوہر گیسو | نور افشاں سے ہوئے غیرت اختر گیسو
پیچ کھاتا ہے ادھر موے کمر عاشق پر | بل کی لیتے ہیں اُدھر تیرے معنبر گیسو
تیری تحریک سے اے باد صبا کیا حاصل | ہو گئے اور نقاب رخ دلبر گیسو
کوکب بخت کو دونوں سے شرف حاصل ہے | خال رخ پر ہیں تو ہیں یار کے سر پر گیسو
کس طرح عاشق بد بیں کی نظر کام کرے | باعث حفظ ہوے تیرے سیہ تر گیسو
صورت درد جگر حال پریشاں ہو جائے | خواب میں دیکھے اگر عاشق مضطر گیسو

اے یقیں سنبل تر سے کوئی نسبت کیا دے
سنبل باغ جناں سے بھی ہیں بہتر گیسو

نگاہِ لطف سے اے جاں اگر نظر کرتے
تمھارے تیروں سے سینہ کو ہم سپر کرتے

جو نامہ بر ہیں رقیبوں سے ساز رکھتے ہیں
ہم اپنے حال سے کیونکر اُنھیں خبر کرتے

جفائے چرخ سے فرصت ملی نہ دم بھر کی
ہم اپنے حال سے کیونکر اُنھیں خبر کرتے

ہوا اثر نہ ترے دل میں سخت حیرت ہے
یہ نالے وہ تھے کہ پتھر میں بھی اثر کرتے

فرشتے کرتے فغاں آسمان ہل جاتے
ہم ایک نالہ جو اے چرخ کھینچ کر کرتے

غنی ہوئے ہیں یہاں دولتِ قناعت سے
وہ ہم نہیں جو تمنائے سیم و زر کرتے

یقیںؔ قابو میں رکھتے جو نفسِ سرکش کو
زمیں پہ کارِ ملائک یہی بشر کرتے

تاریخ وفات پنڈت جے گوپال زتشی

بزرگِ قوم جے گوپال نامی
کہ جن کا عرف تھا مشہور زتشی

متانت اور لیاقت میں یگانہ
سخاوت حاتم طے سے بڑھی تھی

انھیں ضیق النفس نے آ دبایا
ورم سنے اور اُس پر زیادتی کی

اطبا سے رجوع لائے اعزا
ہر ایک تدبیر بہبودی کی سوچی

ولے جانبر نہ ہو کر اس مرض سے
خدا اے جاں کو آخر جان سونپی

یقیںؔ کو جب ہوئی تاریخ کی فکر
سرِ ہجرت سے ہاتف نے ندا دی

سنِ ہجری سے کہہ تاریخ رحلت
گئے بیکنٹھ جے گوپال زتشی

سنہ ۱۳۰۱ھ تعمیہ سرِ ہجرت ۵ھ



پنڈت شیام نرائن مشران ۔ یکتہ

یکتا ۔ پنڈت شام نرائن مشران صاحب خلف پنڈت لچھمی نرائن مشران صاحب مغفور ۔

پنڈت شام نرائن مشران متخلص بہ یکتا بہت عالی خاندان اور رئیس فرخ آباد تھے انکے والد ماجد پنڈت لچھمی نرائن مشران فرخ آباد کے رئیس اعظم آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر تھے اور پسندیدہ خدمات کے صلہ میں ملکہ وکٹوریہ کی سند خیر خواہی پا چکے ہوئے تھے اور زبان فارسی کے ماہر اور علوم و فنون ادبیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے حضرت یکتا بفحواے الولد سر لابیہ جامع کمالات اور علوم غریبہ کے ساتھ چند فنون لطیفہ و شریفہ مثل مصوری و نقاشی ۔ نقشہ نگاری ۔ خوش نویسی ۔ ناخن نگاری سے بھی پورے واقف تھے چند قسم کے خط مثل خط گلزار ۔ خط توام وغیرہ کے عمدہ لکھ سکتے تھے ۔ اردو ۔ فارسی ۔ انگریزی میں استعداد وسیع اور عربی سنسکرت بھاشا میں دخل کافی و وافی رکھتے تھے ۔ ملازمت سرکاری میں تحصیلداری تک پہنچکر ریاست بڑوانی وسط ہند کے دیوان عرصہ تک رہے ۔ دیانت اور امانت میں خصوصاً اور قابلیت و انتظام ریاست میں عموماً مشہور نزدیک و دور رہے ۔ آخر زمانہ میں اپنے وطن مالوف میں دس برس تک میونسپل کمشنر رہے ۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں بغرض سیر و سیاحت کشمیر جنت نظیر تشریف لے گئے اور وہیں سے راہی جنت ہوئے ایام قیام کشمیر میں ایک موقع پر مہاراجہ کشمیر کے دربار میں قصیدہ مدحیہ پیش کیا ۔ اور مورد تحسین و آفرین ہوئے صلہ میں سات پارچہ کا خلعت عطا ہوا ۔

بدو شعور سے ذہن نقاد اور طبع وقاد کی علامتیں ظاہر ہوتی تھیں جو سن رشد کو پہنچکر درجہ کمال کو پہنچیں خاندان کے اعزہ و اقربا کے نزدیک نہایت ہونہار سمجھے جاتے تھے ؎

بالاے سرش ز ہوشمندی — می تافت ستارۂ بلندی

شعر کا مذاق سلیم اور وجدان صحیح قدرت نے اُن کی طبیعت میں ودیعت کیا تھا اردو فارسی نثر و نظم لکھنے میں پایہ بلند رکھتے تھے صفاتِ حمیدیہ میں یگانہ اور عاداتِ نکوہیدہ سے بیگانہ تھے۔ حضرت یکتاؔ مشورہ سخن اپنے پدر بزرگوار یعنی حضرت مفتوںؔ سے کرتے تھے باسٹھ برس کی عمر میں ۲۸ راگست ۱۹۰۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور خدا کے جوارِ رحمت میں داخل ہوئے اُنکے کلام سے چند اشعار بطور نمونہ از خروارِ از دریا بار درج ذیل ہیں حضرت یکتاؔ کے کلام میں مضامین کی جدت اور استعارات کی طرفگی کے ساتھ وہ لطفِ ادا اور حسنِ بیان بھی ہے جسکے بغیر شعر مقبول خاطر نہیں ہوسکتا۔

حضرت یکتاؔ نے شوخ اور عاشقانہ طبیعت پائی تھی کہیں کہیں عشق کی لذت اور واردات بیان کرتے ہیں اور کہیں شوخی اور درد ترشح ہے کہتے ہیں:-

گل کی صورت بھی نہ دیکھی بلبلِ ناشاد نے
جب بہار آئی تو پھانسا دام میں صیاد نے

عشق کے راز کو کس طرح چھپائے کوئی
چشمِ پرنم جو کرے پردہ دری اے یکتاؔ

پہلو میں آبلہ نہ ہوا کیوں بجائے دل
یارب شکستگی جو تھی اس کے نصیب میں

صلح ہو جائے گی آنکھیں جو لڑائے کوئی
رفع رنجش بہت آسان ہے معاً اے قاصد

رفع رنجش۔ عاشقوں کو معشوق کے ہجر میں اکثر خیال آتا ہے کہ ہم معشوق کے ملنے پر اس سے دردِ فراق۔ بیتابی ہجراں اور اضطرابِ دل کی شکایت کریں گے لیکن جب معشوق سامنے آتا ہے تو غم و غصہ اور درد و تکلیف سب بھول جاتے ہیں کوئی گلہ و شکوہ یاد نہیں آتا بلکہ محبوب کے ملنے کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر خوشی میں بیخود ہو کر کوئی لمحہ رائیگاں نہیں جانے دیتے۔ سعدی شیرازی نے بھی اسی قسم کا مضمون لکھا ہے:-

چہ گویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی
گفتہ بودم چو بیائی حال دل با تو بگویم

ایک شاعر عرب نے بھی یہی کیفیت بیان کی ہے کہ جب عاشق اور معشوق کی آنکھیں چار ہوتی ہیں تو زبانیں لرزتی ہیں لیکن نگاہیں صلح کرا دیتی ہیں یکتا کے شعر مذکور میں بھی عشق کی وہی گہری لذت اور واردات بیان کی گئی ہے۔

غزلیات

شکل خورشید وہ خود آئے گا مہتابی پر — اوج پر جب مری قسمت کا ستارا ہوگا
بہر گلگشت کبھی آئے جو وہ رشک بہار — طرفہ اس وقت چمن زار کا نقشا ہوگا
داغ ہوگا رخ رنگیں سے جگر لالہ کا — خجل آنکھوں سے گلِ نرگسِ شہلا ہوگا
دہنِ تنگ سے ہوگئے نہ فقط غنچے تنگ — پیچ سنبل بھی خمِ زلف سے کھاتا ہوگا

چال پہ ہوگی فدا جانِ تذروانِ چمن
سرو آزاد غلامِ قدِ بالا ہوگا

گاہے خزاں ہے باغ جہاں میں کبھی بہار — گل جس جگہ تھے گل نظر آتے ہیں خار آج
گنتا ہے وہ ہماری خطاؤں کو قہر سے — یکتا ہمارے حق میں ہے روزِ شمار آج

عشق میں کفر سے مطلب ہے نہ اسلام سے کام — بخدا ہمکو ہے بس اُس بت خود کام سے کام
خونِ دل بادۂ گلرنگ ہے آنکھیں ساغر — ہجرِ ساقی میں نہ مے سے ہے نہ کچھ جام سے کام
ہجر میں غم کو کیا مونس و ہمدم اپنا — عیش کا ہمنے لیا کثرتِ آلام سے کام

نذر کو زر لاسے غنچے جب گئے وہ باغ میں — سرو قد اُٹھکر انھیں تعظیم دی شمشاد نے
عشق میں دنیا کی پروا ہے نہ عقبیٰ کا خیال — دونوں عالم کو بھلایا ہے تمھاری یاد نے
نخلِ قامت اس کا اے یکتا چمن میں دیکھکر — لکھ دیا خطِ غلامی سرو نے آزاد نے
نئے طور کا ہے تڑپنا ہمارا — کرو ذبح دیکھو تماشا ہمارا
ادب سے رُکے دیدۂ تر میں آنسو — رہا بند کوزہ میں دریا ہمارا

سہے جور کیا کیا ہیں سنگیں دلوں کے — یہ فولاد ہے یا کلیجا ہمارا
اشاروں ہی سے ہمکو دم پر چڑھا کر — گلا تیغ ابروئے کاٹا ہمارا
کرو تم جفا ہم وفا ہی کرینگے — وہ خو ہے تمھاری یہ شیوا ہمارا
وہ ہیں سخت جانی میں ضرب المثل ہم — کہ قاتل نے مانا ہے لوہا ہمارا
عکس افگن جو گل عارضِ جاناں ہو جائے — دیکھتے دیکھتے آئینہ گلستاں ہو جائے
حسن واحد ہے کسی رنگ میں جلوہ دکھلائے — زلف مشکیں بنے یا عارضِ تاباں ہو جائے
داغ سودا ہوں وہ پُر سوز کہ اے موسم گل — جگر و دل کے شبستاں میں چراغاں ہو جائے
یا خدا از پے فزوں پائے رخِ روزِ وصال — نقطۂ خال ستمگر شبِ ہجراں ہو جائے
پھاڑ کر پھینک نہ دوں اسکو تو اے وحشتِ دل — طوقِ آہن سے سوا مجھکو گریباں ہو جائے
دیکھ لے گل ترے چھلّے کا جو اے رشک پری — داغ حیرت سے دلِ مُہر سلیماں ہو جائے
حسن اُس بُت کا وہ افزوں ہو کہ لے یا رب خدا — روز محشر قدِ گیسو شبِ ہجراں ہو جائے

دستۂ گل ہیں ترے شعر نہ کیوں اے یکتا
صفحہ صفحہ ترے دیواں کا گلستاں ہو جائے

یا رب مرے جنوں کا یہ کچھ رنگ ڈھنگ ہو — دامن سے عار نام گریباں سے ننگ ہو
جوہر سے خاک فائدہ بعد از فنا نہیں — آئینہ کب مزارِ سکندر کا سنگ ہو
بسمل ہو خلق دیکھے جو تیوری چڑھا کے یار — ابرو بنے کمان تو مژگاں خدنگ ہو
تا کے کبھی جو اُس بتِ ترسا کا طوقِ زر — ہالہ میں آفتاب کو قیدِ فرنگ ہو
زلفیں دبا نہ لیں کہیں رخسارِ یار کو — غالب نہ روم پر کہیں اقلیم زنگ ہو

درازل بخشید قوّت غم مِن دیوانہ را — آن کہ روزی میرساند ابلۂ و فرزانہ را
مو بمو در پنجہ گیر د گیسوے جانانہ را — طرفہ دستے بے گمان بخشید ایزد شانہ را
خواب در چشمش نیامد ہر کہ عالم گوش کرد — طرفہ تاثیرے بود بر عکس این افسانہ را

هر کہ مستِ بادۂ عرفان بود باشد خموش   پر شدن باز از صدا دارد لب پیمانہ را
چون نہ بعد از کشتنم آن شعلہ رو رقت کند   اشک ریزد شمع چون سوزد پرِ پروانہ را
ساز از رحمت دلم را مخزنِ اسرارِ خویش   یارب از عرفان عطا کن گنج این ویرانہ را

بسکہ سوزان آتشِ غمہاے پنہانی دروست
سینہ ام یکتاؔ تو گوئی ماند آتش خانہ را

بدخلِ علم چو پُر کردہ اند سینۂ ما   ز خرج میشود افزائشِ خزینۂ ما
مصیبت از دلِ ما کے رباید استقلال   ز سنگ بشکند اصلا ز آبگینۂ ما
نشاند تجربہ ما را بہ بامِ عقل و تمیز   بود نشیب و فرازِ زمانہ زینۂ ما

ز نفسِ ناطقہ شد زیب جسم ما یکتاؔ
گرفتہ است ز سلطان شرف مدینۂ ما

خاک بر رندان را نویدِ حشر از صہباے ماست   نعرۂ صورِ قیامت قلقلِ میناے ماست
باعثِ آرائشِ تن جوششِ سوداے ماست   طوقِ حسنِ گردن و زنجیر زیبِ پاے ماست
جوشِ عشقِ تا کجا و الفتِ مجنون کجا   خانۂ چشم دلِ ما محملِ لیلاے ماست
از وفورِ گریۂ ما پُر حذر باش اے فلک   کشتیِ تو کہنہ گشتست و موجزن دریاے ماست
لرزہ افتد گر بر اندامِ فلک نبود عجب   چرخ را دورانِ سر از شورِ ہاے ہاے ماست
روے رنگینش گلستانیست ما را در نظر   سنبلِ تر زلف چشمش نرگسِ شہلاے ماست
روزیِ ما خوردنِ خونناب دل باشد مدام   بے تو اے ساقی ہمین ساغر ہمین صہباے ماست

شورشِ دل تا کہ یکتاؔ پردہ از رخ بر فگند
کوچۂ جانان حریفِ محشر از غوغاے ماست

بہتر حیات نیست ز آزاد زیستن   مُردن بسے خوش ست ز ناشاد زیستن
اے شاہ ملکِ حسن بفرما چہ زیبدت   باداو زیستن کہ بہ بیداد زیستن

حقا کہ سخت تر بود از سختیِ اجل ۔ یکدم بزیر خنجر جلّاد زیستن

یکتا وصال مرگ طلب کن بہ ہجر یار

تا کے عبث بہ نالہ و فریاد زیستن

در صفت بارش برف بمقام کشمیر

بسکہ کوہ و دشت باشد مہبطِ باران برف ۔ در زمستان خطۂ کشمیر گردد کانِ برف

بر زمین و بامہا گویا بود انبار سیم ۔ ریزہ ریزہ نقرہ پاشد دستِ سیم افشانِ برف

یک قدم خالی نباشد جا پئے دخلِ خزان ۔ نسترن زار است سر تا سر بہارستانِ برف

چند مہ در سال فرماید بمیدان ہم نزول ۔ بر سرِ کوہ است دائم خیمہ زن سلطانِ برف

شدتِ سرما غذا را سرد سازد آن چنان ۔ میخوریم اینجا تو گوئی آب برف و نانِ برف

برف چون بارد نگردد سردیِ موسم فزون ۔ وقتِ کمٹ کَنی باشد اما سخت تر دورانِ برف

از برودت ہیچ شود ہم بالش و بستر تمام ۔ بر تنِ ما جامہ از سردی بود خفتانِ برف

زیستن بے آتش و مجمر درین جا مشکل ست

جان گزا باشد پلنگ نیشتر دندانِ برف

ز تیغ عشق تو با دل فگارم ۔ بسانِ مرغ بسمل بیقرارم

بیا اے مرگ گر یارم نیاید ۔ کہ از ہجرت بسے بہتر شمارم

شدم تا محوِ حسن شمع رویان ۔ ز جانِ خویشتن پروانہ دارم

مپرس از من کہ دل در سینہ داری ۔ تو خود فرما کہ دارم یا ندارم

خطا از ما چہ شد آخر کہ زینسان ۔ کنی اے آہوِ مشکین زمارم

ہمانم با غبانم آنچہ خواہد

نمیدانم گلم یکتا کہ خارم

سہ برف پگھل کر جب پھر جم جاتی ہے اسکو اصطلاحِ اہلِ کشمیر میں کمٹ کنی کہتے ہیں۔

گشت خور پروانۂ شمعِ رخِ نیکوئے تو
خم ہلالِ آسمان شد از غمِ ابروئے تو

گر کلیمِ ایمنِ عشقت مرادانی بجاست
شجرۂ طورِ است مارا قامتِ دلجوئے تو

از پئے مرغِ دلِ عشاق اے صیادِ خلق
حلقۂ دامِ بلا شد حلقۂ گیسوئے تو

دسترس تا پشتِ پا یت حیف شد مشکل مرا
غیر را شد رونما آئینۂ زانوئے تو

چشمِ فتّانت کجا و دیدۂ آہو کجا
سرمۂ چشمِ غزالانست خاکِ کوئے تو

در شبِ ہجران فزون محزونش اے یکتا خموش
می رباید خواب مردم شورِ ہا و ہوئے تو

پیچ و خم گیسو کے ہرگز مارِ پیچاں میں نہیں
ابروئے جاناں کے جوہر تیغِ براں میں نہیں

رنگ و بو رکھتا ہو جو مثلِ گلِ رخسارِ یار
پھول ایسا ایک بھی سارے گلستاں میں نہیں

یار کے دندان و لب کی اُن سے کیا تشبیہ دوں
آب یہ دُر میں نہیں سرخی یہ مرجاں میں نہیں

راستی اس میں کہاں ایسی یہ موزونی کہاں
قامتِ جاناں کی خوبی سروِ بستاں میں نہیں

خوب ہی پرزے کئے شاباش لے دستِ جنوں
تار تک باقی ہمارے جیب و داماں میں نہیں

جان دیتے ہو بتانِ سنگ دل کے عشق میں
کوئی ناداں تم سا یکتا نوعِ انساں میں نہیں

خوف کر آہِ دلِ سوزاں سے اے چرخِ کہن
تو کمر تا حق نہ میرے درپئے آزار باندھ

نوشۂ فصلِ بہاری کی ہے آمد اے صبا
ہر طرف گلزار کے پھولوں کی بند چھنوا باندھ

کس پہ یہ آج پھیریں گی خنجر کلائیاں
نکلی ہیں آستینوں سے باہر کلائیاں

ان ساعدوں کی پائیں نہ ہمسر کلائیاں
دیکھی ہیں خوبرویوں کی اکثر کلائیاں

محفوظ کیسے دل رہے ہاتھوں سے یار کے
دل کش جو انگلیاں ہیں تو دلبر کلائیاں

مہندی سے ہاتھ لال ہیں ساعد پر آب و تاب
مرجاں اگر ہیں پنجے تو گوہر کلائیاں

ہاتھوں سے اُس حسیں کے بڑھا پہونچیوں کا حسن　　زیور کے واسطے ہوئیں زیور کلائیاں
گجرے جو پہنے پھولوں کے اللہ رے نازکی　　سوسن بنیں وہ رشکِ گلِ تر کلائیاں

بے کل ہے اس ہوس میں طبیعت کہ دیکھئے
یکتا کے ہاتھ آئیں وہ کیونکر کلائیاں

مسدس

اعمال بد ہیں گو مرے تا درجۂ کمال　　ہے ذاتِ پاک بھی تری بخشش میں بے مثال
گر ہوں قصور لاکھ تو اے ربِّ ذوالجلال　　رحمت سے پانچ جعفر کو تو لاکھ سے نکال

رہ جائے جبکہ ایک تو اس کا حساب کیا
تھوڑے حساب کے لئے رکھنا کتاب کیا

قدرت کا تیری قصر ہے وہ آسماں پناہ　　بیند چو سوے او خرد افتد ز سر کلاہ
در کے ترے گدا ہیں زمانے کے بادشاہ　　بیشک وہ جن و انس و مَلک کا ہے سجدہ گاہ

یہ کہکشاں اُسی کا چمکتا غبار ہے
جاروب کش ستارۂ دنبالہ دار ہے

تن میں ہجومِ رنج سے جاں بیقرار ہے　　جاری سرشکِ چشم کہ دریا کی دھار ہے
عصیاں سے منفعل دلِ عصیاں شعار ہے　　سائل ترے کرم کا مرا حالِ زار ہے

سُن لے ذرا سبب مری فریاد و آہ کا
دھو ڈال آبِ عفو سے دھبا گناہ کا

ضعف و علل نے مجھکو ہے مجبور کر دیا　　فکر و الم کے دام میں پھنستا ہوں مبتلا
فرما مدد کہ قیدِ مصائب سے ہوں رہا　　دنیا کی ہر بلا سے خدایا بچا بچا

پاس آنے جو بلا تو مرا دل صبور ہو
سو کوس اضطراب طبیعت سے دور ہو

بغض و حسد سے سینہ کو میرے فراغ ہو　　روئے ہوا و حرص سیہ شکلِ داغ ہو
یکسر تہی غرور سے میرا دماغ ہو　　دل روشنی سے خانۂ دل کا چراغ ہو
باقی رہے وجود نہ وہم و خیال کا
پروانہ میں بنوں تری شمعِ جمال کا

تیرے سوا کسی کو نہ معبود میں کہوں　　تیرے سوا کسی کا نہ محتاج میں بنوں
تیرے سوا کسی پہ توکّل نہ میں کروں　　جز راہِ حق نہ اور کسی راہ پر چلوں
جب تک کہ جاں ہو یاد تری حرزِ جاں رہے
وردِ زباں ہو نام ترا تا زباں رہے

قوتِ روانِ اہلِ جہاں تیرا نام ہے　　آرامِ جانِ غمزدگاں تیرا نام ہے
درمانِ دردِ پیر و جواں تیرا نام ہے　　تفریحِ قلب و ذوقِ لساں تیرا نام ہے
بے شبہہ خارِ غم رگِ جاں سے نکل گیا
جب نام پاک تیرا زباں سے نکل گیا

تو وہ قدیم ہے کہ تری ابتدا نہیں　　ہر شئے کی انتہا ہے تیری انتہا نہیں
دنیا میں پاک عیب سے تیرے سوا نہیں　　رحم و کرم میں مثل تیرے دوسرا نہیں
قدرت سے تیری سب یہ نہاں سے عیاں ہوا
کُن کی صدا کے ساتھ ظہورِ جہاں ہوا

پستی ملی زمیں کو بلند آسماں ہوئے　　قایم ہوے جو کوہ تو دریا رواں ہوئے
اشجار بھی بہارِ ریاضِ جہاں ہوئے　　انساں برائے قالبِ آفاق جاں ہوئے
خلقت سے ناصیہ جو زمیں کا چمک گیا
انجم سے آسماں کا ستارا چمک گیا

ہوتے نہ مہر و ماہ جو اے میرے پاک رب　　اس تیرہ خاکداں میں نظر آتا نور کب

گردش یہ دائمی نہیں اُن کی ہے بے سبب   پھرتے ہیں چاکری میں کمر بستہ روز و شب
ہرکارے ہیں یہ دو تری عالیجناب کے
اللہ رے بخت مہر کے نصیب آفتاب کے

کر مجھکو اپنی درگہِ عالی میں باریاب   دریا بنوں میں قطرہ سے ذرہ سے آفتاب
اُٹھ جائے درمیاں میں جو حائل ہے اک حجاب   بندہ سے کیا ضرور ہے مالک کو اجتناب
دل میرا جلوہ گاہ ہو عرفاں کے نور کا
سینہ بنے فروغ سے ہمدوش طور کا

بخشا جہاں میں تو نے بہت مجھے مرتبہ بلند   پہنچے نہ اس کو تیرے کرم سے کبھی گزند
صابر ہوں اور صبر ہے یا رب تجھے پسند   کیا غم ہے آج ہے جو حزیں جانِ مستمند
فضلِ عمیم سے ترے کب مجھکو یاس ہے
ہر حال میں زباں سے نکلتا سپاس ہے

مجھ پر نگاہ رحم کی ربّ العباد رکھ   بھولوں جو میں کبھی تجھے تو مجھکو یاد رکھ
تنہا نہ دہر میں تو مجھے بامراد رکھ   سب میرے دوستوں کو عزیزوں کو شاد رکھ
بھر دے عدو کے سینہ کو خوفِ مآل سے
خالی کر اُس کو کینہ و حسد سے

افکار کے مرض میں ہے جاں مبتلا مری   ہے تیرے ہاتھ شافیِ مطلق شفا مری
فرما تو حاجتوں کو روا یا خدا مری   رحمت سے تو بھی سن لے یہ اب التجا مری
مقبول ہو حضور میں تیری مرا کلام
یکتا تو واقعی ہے میں یکتا برائے نام

ہر موے تن زباں ہو تو کچھ ہو بیانِ رنج — کیونکر میں اک زباں سے کہوں داستانِ رنج
سُنتے تھے ذکر معدنِ لعل و گہر یہاں — آنکھوں سے دیکھ لی دلِ محزوں میں کانِ رنج
دل میں مرے ملی اُسے آرام کی جگہ — منزل پر آکے ٹھہر گیا - کاروانِ رنج
یکتا دلِ حزیں میں سویدا اُسکا نام ہے
داغِ سیاہ ہے یہ مقرر نشانِ رنج

ناداں کی دوستی میں کوئی کیا جلائے دل — دشمن ہو اپنی جاں کا جو تم سے لگائے دل
یارب شکستگی جو تھی اسکے نصیب میں — پہلو میں آبلہ نہ ہوا کیوں بجائے دل
کیا پوچھتے ہو اب دلِ شیدا کی آرزو — قابو میں اپنے ہو تو کہوں مدعائے دل
کب رونما ہو صورتِ معنی نہ ہو اگر
یکتا مثالِ آئینہ حاصل صفائے دل

ہونگے پامالِ خزاں لے بلبلِ گلزار پھول — اس بہارِ چند روزہ پر نہ تو زنہار پھول
اک فقط بلبل کو سودا روے رنگیں کا نہیں — تاکتے ہیں منہ ترا گلشن میں سو سو بار پھول
رہتے ہیں خنداں یہ دائم وہ فقط وقتِ بہار — دل کے زخموں سے مرے کیونکر نہ کھائیں خار پھول
فصلِ گل میں سبکہ طالب ہے مئے احمر کا دل — دمبدم کہتا ہوں پھول لے ساقیِ سرشار پھول

ہر دم دلِ پُر سوز ہے نالاں صفتِ صور — محشر کا سدا گرم ہے بازار بغل میں
فرقت میں سکونِ دلِ بیتاب کی خاطر — رکھتا ہوں شبیہِ بتِ عیار بغل میں
بڑھکر ہیں بھویں کاٹ میں شمشیرِ دو دم سے — رکھتی ہے بلا آپ کی تلوار بغل میں
آنکھوں سے بہا بادۂ خوں ہجر میں ساقی — مینائے شکستہ ہے دلِ زار بغل میں
افسانۂ محبت کے رقم اس میں ہیں کیا کیا
یکتا یہ ترا دل ہے کہ طومار بغل میں

فصلِ خزاں میں لطفِ بہارِ چمن کہاں — سوسن کہاں گلاب کہاں نسترن کہاں

عازم ہوں گاہ دشت کا گہ کوہسار کا ـــ لیجائے دیکھئے مجھے دیوانہ پن کہاں
آدم کو عیش خلد کا دنیا میں خواب تھا ـــ غربت کی آفتیں کہاں لطفِ وطن کہاں
عاشق ہیں کیسے کیسے کئے عشق نے ہلاک ـــ وامق کہاں ہے قیس کہاں کوہکن کہاں

ہے یہ عشق و حسن کا شہرہ کہ جسکو دیکھئے ـــ میرا کہتا ہے وہ قصہ یا کہانی آپ کی
دیکھکر صورت کو وہ خود نقشِ حیرت بن گیا ـــ کیا بھلا کھینچے گا پھر تصویر مانی آپ کی
لوگ کہتے ہیں سویدا جسکو وہ اے گلبدن ـــ داغِ سودا میرے دل پر ہے نشانی آپ کی

لَو لگائے نہ کبھی شمع رخوں سے زنہار ـــ دل کو پروانہ کی صورت نہ جلائے کوئی
جوشِ وحشت کے یہ معنی ہیں کہ میری صورت ـــ پرزے دامانِ بیاباں کے اُڑائے کوئی
چشمِ پرنم جو کرے پردہ دری اے یکتا
عشق کے راز کو کس طرح چھپائے کوئی

توسنِ عمر شب و روز برابر ہے رواں ـــ سیلِ آرام یہ کرتا نہیں رہوار کبھی
مرکزِ دائرہ حسن ہو تم نام خدا ـــ کجروی جائے نہ شکلِ خطِ پرکار کبھی

کام کچھ نکلا یہ سمجھیں دیدۂ خونبار سے ـــ چاکِ دامن جب رفو ہو آنسوؤں کے تار سے
لین دین ایسا جہاں میں ہمکو گر آتا نظر ـــ بختِ خفتہ کو بدلتے طالعِ بیدار سے
شوق مے وہ ہے کہ کب ہم پر نگاہِ مہر ہو ـــ لڑ رہی آنکھیں ہیں دست و ساغرِ خمار سے

آج پھر یاد مجھے اک ستم ایجاد کی ہے ـــ پھر ہوس دل کو جگر کاوی بیداد کی ہے
چین گل کو ہے نہ بلبل کو چمن میں آرام ـــ اُسکو گلچیں کی تو دہشت اسے صیاد کی ہے
نہیں رہتا ہے جو لب تشنۂ خونِ عشاق ـــ کیوں یہ پھر خشک زبان خنجرِ فولاد کی ہے
غم جگر سوز تو صیاد ہے نازک خاطر ـــ ضبط کی تاب نہ جرأت مجھے فریاد کی ہے

پھر ہوئی مدِّ نظر آرائشِ گیسو انھیں ـــ کیا بلائے تازہ کوئی میرے سر پر لائینگے
مے کے بدلے ہجرِ ساقی میں پئینگے خونِ دل ـــ چشمِ تر کو کام میں ہم جامِ ساغر لائینگے

سیرِ گلشن کو اگر جائیگا وہ گل پیرہن
مٹھیاں بھر بھر کے غنچے نذر کو زر لائینگے

پست فطرت جو ہیں وہ ہرگز نہ پائینگے فروغ
خاک کے ذرّے کہاں سے تابِ اختر لائینگے

مقتل میں آج خوں وہ ہمارا بہا گئے
دم بھر میں ایک عمر کا جھگڑا مٹا گئے

بلبل کو محو عارضِ گلگوں بنا گئے
آخر چمن میں آپ نیا گل کھلا گئے

صحنِ چمن میں اُسکے رخ و قد کو دیکھکر
حیران گل تھے سرو تھے سکتہ میں آگئے

ہاں بپا یادِ قدِ جاناں میں محشر کیجیئے
صور کے ہمدم ہوں وہ نالے دلا سر کیجیئے

جام مے ملجائے ساقی سے تو لا تو شل جم
گھر میں بیٹھے بیٹھے سیر ہفت کشور کیجیئے

مفت کی پی جاؤں وہ میکش ہوں اے ساقی نہیں
سو دعائیں دوں عطا جو ایک ساغر کیجیئے

خضر سے کیا خاک پوچھوں یار کے گھر کا پتہ
خود جو ہو گم کردہ رہ کیا اسکو رہبر کیجیئے

قصیدہ[1]

درمدح عالیجناب مہاراجہ دھراج سر پرتاب سنگھ بہادر
جی سی ایس آئی اندر مہندر سپر سلطنت انگلشیہ والی قلمرو
جموں و کشمیر ولداخ وغیرہا دام اقبالہ وحشمتہ

نظر کہیں نہیں آتا جہاں میں اسکا نظیر
بہشت کا ہے نمونہ قلمروِ کشمیر

ہوا یہاں کی صبا ہے تو آب آبِ حیات
زمیں کی خاک ہے رتبہ میں ہمسرِ اکسیر

وہ جاں نواز ہے آتش یہاں کہ کانگڑ کو
عزیز رکھتے ہیں سو دل سے سب صغیر و کبیر

بہار برف کی دیکھو اگر زمستاں میں
وہ لطف آے کہ مُنہ سے نہ ہو سکے تقریر

نہ سمجھو برف برستے ہیں فیض قدرت سے
سمن کے یہ گل تریا کہ ریزہ ہاے عبیر

نہیں یہ مقدمِ فصلِ بہار کی خاطر
بچھایا کرتا ہے فراش ابر فرشِ حریر

صفت بہار کی لکھتا ہوا ہے عجب کیا ہے
قلم کی شاخ جو ہو گلفشاں دمِ تحریر

---

[1] یہ قصیدہ ۲۶ مئی سنہ ۱۹۰۳ء کو مہاراجہ صاحب بہادر کے حضور میں پیش ہوکر مصنف کو خلعت مرحمت ہوا۔

یہ فصل وہ ہے کہ جس میں شگوفۂ اشجار — فزوں بچشم تماشائیاں کند تنویر
وفورِ لالہ و گل ہر طرف ہے عشرت خیز — شگفتہ دل ہو جو دیکھے اُسے کوئی دلگیر
عجیب کیوں نہ ہو گلمرغ کے چمن کی فضا — فضائے بخشش ہے پھولوں کو اس جگہ جاگیر
نسیمِ باغِ ارم آتی ہے اِدھر ورنہ — کہاں سے آئی یہاں کی ہوا میں یہ تاثیر
وہ لطف شہر میں دریا کی ہے روانی کا — کہ سلسبیل کا ہے لطف اُس کا عشرِ عشیر
ہٹائے وقتِ تماشا کوئی اُسے کیونکر — نظر کے پانوں کو پانی کی موج ہے زنجیر
بروئے آب ہے ہر وقت کیا ہی فرحت بآ — رواں ہر ایک طرف کشتیوں کا جمِ غفیر
نہ ہاؤز بوٹ۔ کئے ہیں عجیب صنعت سے — یہ خانہ ہائے رواں سطحِ آب پر تعمیر
یہاں کے میووں کے ہمسر ارم میں شاید ہوں — زمیں پر ایسے کہاں ہیں لطیف اور کثیر
یہ جیسا ملک ہے ویسا ہی اس کا مالک ہے — ملک خصال فریدوں شکوہ جم توقیر
وہ کون اندر مہندر سری مہاراجہ — جہاں میں نام سے پرتاب سنگھ جی کے شہیر
ہے اس لئے سپہرِ سلطنت خطاب کہ ہے — اُسی کی تیغ سے جنتِ ہند امن پذیر
ثنائے شاہ میں کرتا ہوں اب گل افشانی — بنے گی نغمۂ بلبل مرے قلم کی صریر

مطلع ثانی

نہ کیوں ہو کشورِ کشمیر تجھ سے زینت گیر — فلک ہے بلکہ تری ذاتِ پاک مہرِ منیر
قدم سے تیرے ملا مسندِ شہی کو عروج — نگیں کی نام سے تیرے چمک گئی تقدیر
تو وہ ہے خسروِ عادل کہ سب مساوی ہیں — تری نظر میں امیر و فقیر و پیر و صغیر
ہوئی ہے ان دنوں بیداد کی وہ سرشکنی — کہ شکل اُسکی ہوئی صین وا و میں تغئیر
بنی وہ عدل سے تیرے صفیرِ عنقا کی — کہاں سے کان میں آئے ستم کشوں کی نفیر
عیاں ہوں صاف نہ کیوں تجھ پہ رازہائے نہاں — ملا ہے تجھکو مصفا تر آئینہ سے ضمیر
سخا میں حاتمِ طے سے نہ دوں تجھے تشبیہ — کہ فیضِ عام میں بے شبہ ہے تو ابرِ مطیر

گہرفشاں ہے تو نیساں کی مثل فرق یہ ہے
قلیل اُسکی بضاعت ہے تو امیر کبیر

تو لاجواب سخی ہے کہ اک سوال کے ساتھ
کرم سے تیرے توانگر بنے گدا اے حقیر

مہام ملک میں عقدہ وہ کون ایسا ہے
جسے کہ وا نہ کرے تیرا ناخنِ تدبیر

عدو کا کیوں نہ جلادے یہ خرمنِ ہستی
نیام ابرِ سیہ برق ہے تری شمشیر

نہیں ہے قوسِ قزح دیکھ کر کماں تیری
یہ اُسکی کھینچی ہے نقاشِ چرخ نے تصویر

جگر کو شوق سے دشمن ہدف بناتے ہیں
اس آن بان سے چلتا ہے تیرا رن میں تیر

شکارگہ میں شہا تیرے دست و بازو پہ
نثار کرتے ہیں جانوں کو اپنی خود نخچیر

وہ کون ہے جو نہیں تیرے خُلق کا ممنون
یہ وہ کمند ہے جس میں کہ اک جہاں ہے اسیر

میں ملک ہند سے درشن کو تیرے آیا ہوں
ملا وہ تیرے کرم سے ہوا جو بخت نصیر

یقیں ہے مجھسے غریب الوطن پہ ہو مبذول
نگاہِ مہر تری اے امیر ابنِ امیر

بیاں زباں سے ہوں کس طرح تیرے شان شکوہ
مجالِ خامہ نہ یہ ہے کہ کر سکے تسطیر

دعا کر اب مہاراجہ کے حق میں لے یکتا
نہ کر تو مدح سرائی کے ختم میں تاخیر

برنگ سرو ہو تو زیب باغِ دہر شہا
دراز عمر تری ہو بفضلِ ربِ قدیر

وہ اوج پائے ترا نجم شوکت و اقبال
کہ آسماں کا ہو سر اور تیرا پائے سریر

ہمیشہ یاوری بخت سے تو ہو شاداں
بلا و رنج رہیں دشمنوں کے دامنگیر

غزلیات وغیرہ

ہر دم جگر ز درد فلک کج ادا مرا
سائیدہ است گردشِ ایں آسیا مرا

از شرم معصیت نکنم التجاے عفو
یاراں دعا کنید کہ بخشد خدا مرا

ولہ

تابشِ خورشیدِ محشر را حسابے دیگر است
عارضِ پرنورِ جاناں آفتابے دیگر است

مست دارد اشک خونیں و دل بریاں مرا
آں شرابے دیگر است و ایں کبابے دیگر است

نسبتش با سنبل و زنجیر دانمی چوں دہم ... زلفِ مشکینِ بتاں راپیچ و تابے دیگراست
کے کند چرخِ ستمگر آنچہ دل با من کند ... در پئے آزارم ایں خانہ خرابے دیگراست
گرم کن در دیدہ ام جاے بتِ پردہ نشیں ... پردۂ چشم دل افگاراں حجابے دیگراست

ابر بارد گاہ گاہ و ایں فشاند خوں مدام
دیدۂ گریانِ ما یکتا سحابے دیگراست

نوٹ ـ دوبارہ درج ہوگئی ہے

زتیغِ عشق تو تا دلفگارم ... بسانِ مرغِ بسمل بیقرارم
بیاے مرگ گر یارم نیاید ... کہ از ہجرت بسے بیحد شمارم
شدم تا محوِ حسنِ شمع رویاں ... ز جانِ خویشتن پروانہ دارم
مپرس از من کہ دل در سینہ داری ... تو خود فرما کہ دارم یا ندارم

ہمانم باغبانم آنچہ خواند
نمیدانم گلم یکتا کہ خارم

مخمس بر تضمین غزل پنڈت وبھی پرشاد صاحب شگفتہ متخلص بہ فرحت کانپوری

میل راحت نبود طبعِ بغم ساختہ را ... سبز کے دید کسے نخلِ بر انداختہ را
صبر از دل بر ود عاشقِ جاں باختہ را ... گر بہ بیند بچمن آں قدِ افراختہ را

سرو در چشم ہوس میل نمود فاختہ را

از سرِ لطف نظر کے برخم ساختہ یار ... کے بہ تسکینِ دلِ غمزدہ پرداختہ یار
بل حریفانہ ز من نرد دغا باختہ یار ... غلط است اینکہ بگویند بمن ساختہ یار

نتواں راست شمرد ایں سخنِ ساختہ را

بیدلاں را خبر از سرگرمی نبود ... غم فرداونیالِ طرب ردی نبود
طرزِ گردانِ جہاں دست درازی بود ... کشتنِ عاشقِ سر باختہ مردی نبود

نکشد ہیچ دلاور سپر انداختہ را

روز فردا اگر اے دل سر بہبود مدار ‏ تا ز آئینِ طریقت نشوی واقفِ کار
نخلِ خطِ طفل چو نشانے نہ دہد ثمیرِ بار ‏ بر ہدف تیرِ خطا گشتہ نہ افتد زنہار
چارہ ہرگز نبود عمر تلف ساختہ را

جائے در دیدۂ نمناک کند طفلِ سرشک ‏ زانکہ لختِ دلِ عشاق بود طفلِ سرشک
گو بدیں پایۂ اعزاز رسد طفلِ سرشک ‏ بر ندارند چو بر خاک فتد طفلِ سرشک
آبروئے نبود از نظر انداختہ را

بر فلک چوں نرسانم ز تفِ غم فریاد ‏ فصلِ گل آمد و از بند نگشتم آزاد
پیشِ گلشن پئے حسرت قفسم را جا داد ‏ طرفہ طرزِ ستم ایجاد نمودہ صیاد
کز قفس کردہ رہا مرغِ پر انداختہ را

کس نباشد جگر افگارِ سنانِ مژہ آت ‏ ہمچو یکتا کہ فتاد است تپاں در رہِ آت
زلف بر پا نکند صرف بلا و آفت ‏ چشمت از غمزہ کند قصدِ ہلاکت فرحت
جانِ من منع کن ایں تیغِ جفا آختہ را

ترجیع بند بتقاضائے دلِ درد مند

نہ نارِ غم مرا چوں شمعِ جسمِ ناتواں سوزد ‏ براں سوزندہ شمعم صورتِ پروانہ جاں سوزد
اگر آہے کشم از دل زمیں تا آسماں سوزد ‏ نہ تنہا آسماں بل عرش سوزد لامکاں سوزد
مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

بود کیشِ تو دانم عشوہ سنجی و خود آرائی ‏ دمے بگذر خدا را از سرِ شوخی و رعنائی
ندارد در فراقت یک نفس جانم شکیبائی ‏ بوصلِ خود علاجم کن کہ تو رشکِ مسیحائی
مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

پئے رنج و الم در سینہ سوزاں از مژگاں دارم
ہمانا آتشے در زیرِ خاکستر نہاں دارم

عجب مشکل بجانِ خویشتن اے دوستاں دارم
نہ اکنوں طاقتِ ضبط و نہ یارائے فغاں دارم

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

دلم صد پارہ از تیغِ نگاہِ تست اے قاتل
زبیتابی چساں غلطاں نباشم صورتِ بسمل

لبِ خود گرچہ میخواہم بخاموشی بود واصل
ولے ایں کار آساں بر من افتادست بس مشکل

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

چو باشد شیوۂ او با منِ مسکیں جفا کاری
بود کارم شب و روزم فغان و نالہ و زاری

بود خفتن غشی و عینِ بیہوشیست ہشیاری
نہ یکتا خوابِ من خوابیست بیداریست بیداری

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

اشعار کہ در صفتِ چشمۂ شاہی واقع کشمیر ہنگامِ سیر و تماشائے چشمۂ موصوف بتاریخ ۳۰ اگست ۱۸۹۱ء گفتہ شد

لطفِ آبِ خوشگوارِ چشمۂ شاہی نگر
چشمۂ کوثر اگر خواہی کہ آید در نظر

پیشِ آب و تابِ ایں پاکیزہ و آبِ پر صفا
آبرو بر خاک دارد ریختہ آبِ گہر

برف ساں سرد و شیریں ہیچ آبے اینچنیں
ہم سبک ہم صاف چوں جسمِ بتانِ سیمبر

داشتے گر خضر زیں آبِ جانفزایش آگہی
دستِ ایں چشمہ سکندر را بگشتے راہبر

گر دہند ایں آب نخلِ خشک را نبود عجب
سبز گردد برگ و گل آرد و بخشد ثمر

صورتِ فوارہ اش جاری ز صنعت کردہ اند
تا لطیفے زاں بر انگیزد چو چشمِ ابرِ تر

چادرِ سنگیں فزاید ہر زماں توقیرِ آب
بر سرش ہر قطرہ گردد غیرتِ لولوئے تر

خوشتر است ایں آب نے زانکہ قوت میدہ / گر بنوشد جرعۂ زیں صاحب ضعف جگر

کے عجب زیں چشمۂ شفاف اگر سازد درست / دیدۂ اہل تماشا عینک نورِ بصر

آب خضر از شرم آبش گشتہ در ظلمت نہاں / چشمۂ شاپور پیشش بر زمیں افگندہ سر

نافع کامل چنیں یکتا ندیدم دار وئے / طرفہ در ہضم غذا ایں آب میدار و اثر

باغ جانِ خلق ازیں آب رواں شاداب باد
چشم زخم تا کساں زیں چشمہ ماند دور تر

یکے از غریبان کشمیر

حکایت ۲۶ پنڈت کیشو بھٹ جی

از کتاب بھگت مالا

بہ علم نکتہ دانی تر زبانے / بیاں فرمود رنگیں داستانے

کہ کیشو بھٹ چو در دانش سر آمد / پئے تسخیرِ دانایاں بر آمد

بہر جا بید خواں می یافت قابل / بہ بحث علم خود میساخت قائل

بسوے گوندلبیں آں مرد زو کرد / فزود اندر دلِ دانشوراں درد

سوالش را نداد کس جوابے / خفا گشتے چو چشم از آفتابے

بہ بحث علم او زنار داراں / ہمہ خجلت قرین و شرمساراں

زدل گشتند راجع سوے معبود / علیم مطلق است و باشد و بود

نیازِ شاں قبول آمد بہ درگاہ / جنابِ کشن و ہم بلرام ناگاہ

بہ دانش پیر لیکن خورد سالاں / کہ میکردند بازی با گوالاں

رسیدند و بہ جمعِ بید خواناں / تسلی دادہ گفتند اے جواناں

کنیم امروز ما از خوش دلائل / ہنر ور مرد را در بحث قائل

گزیں کردند جاے بر لبِ گنگ / نشستند و سخن سر شد بہر رنگ

جنابِ کشن گفتش اے سخنداں / کلام از طبع زادِ خویش بر خواں

بماندم موج زد آں بحرِ ذخّار — بہ وصفِ گنگ شد طبعش گہربار
سراسر گوش کردم عالم الغیب — بگفت اکثر قباحت ہاست ہم عیب
ازیں گفتار کیشو بھٹ بجوشید — کہ از گل چشمۂ خورشید پوشید
بر آں مستقیم و قباحت ساخت قائل — بحیرت ماند از اں رعنا شمائل
درونش سوخت گفتا صبح دیگر — نمایم بحث اے طفلِ سخنور
بہ مسکن رفت و با صد پیچ و تابے — نہ چیزے خورد و نے شب کرد خوابے
بہ یادِ مرشدِ کامل فرو شد — خیالش در تصوّر روبرو شد
بگفتش با ہمہ علم و فضائل — مرا از کودکے کردند قائل
بہر حرفے کہ او کردے خطا بے — نمی آمد ز من ہرگز جوابے
بحیرت ماندہ ام زیں کارِ نادر — بہ بُردم پیے بہ قدرت ہائے قادر
جوابش داد کاے فرزانہ مخروش — مگو کودک مشو دیوانہ کن گوش
کہ آں دانا ظہورِ ذاتِ قدسی ست — سری کشن است دانا تر از وے کیست
تمامی قدسیاں مشتاقِ دیدار — ملایک را میسّر نیست گفتار
زہے دولت کہ دیدارش تو دیدی — ز گفتارش بہ کامِ دل رسیدی
مکن ہرگز خیالِ بحث با او — سعادت جوی و بر پایش بنہ رو
شنید آں مژدہ کیشو بھٹ بہ در جست — براہِ انتظارِ او نظر بست
بر آمد صبحدم چوں مہرِ تاباں — بشوقِ پائے بوسش شد شتاباں
بہ پایش سود سر از فیضِ دیدار — ز دل زنگِ خودی خود رفت یکبار
ز لطفِ مقدمش روشن جبیں شد — ز خود بینی گزشت عین الیقیں شد

دل از علم و عمل آزاد کردش
ز گنجِ معرفت آباد کردش

(ماخوذ از مراسلۂ کشمیر مارچ ۱۸۷۹ء)

ضمیمہ جلد ثانی

عاجز۔ پنڈت موتی لال شرغہ صاحب (نیز صفحہ ۴ ملاحظہ ہو)

مولف۔ جناب عاجز مرحوم کے فرزند پنڈت امرناتھ صاحب حال مقیم مُرار کی عنایت کا مشکور ہے کہ انھوں نے جناب مرحوم کے کچھ حالات سے مطلع کیا ہے۔ پنڈت صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ عاجز مرحوم کا کلام ان کی زندگی میں ضائع ہوگیا تھا۔ مرحوم کے ایک ایرانی نژاد عبدالحلیم عاصم نامی دوست تھے انھوں نے مرحوم کا کل کلام طبع کرانے کی غرض سے لے لیا تھا مگر نتیجہ آخر یہ ہوا کہ پھر وہ کسی کی نظر سے نہ گذرا۔ خدا جانے عاصم کی اس مجموعۂ کلام کے لینے اور گم کر دینے میں کیا مصلحت تھی۔ عاجز مرحوم نے دو کتابیں ایک محبوب نامہ بروزن محمود نامہ اور دوسری جواہر بدائع نظمی تصنیف کی تھیں اور ان کو چھپوا کر بطور تحفہ اپنے احباب میں تقسیم کیا تھا مگر افسوس ہے کہ ان دونوں کتابوں میں سے اب ایک بھی دستیاب نہیں ہوئی۔ علاوہ ان کے ایک مثنوی مناجاتیہ بھی جس میں ایک سو سے زیادہ اشعار تھے عاجز کی تصنیفات میں سے تھی۔ گو وہ طبع کرائی گئی تھی لیکن اسکا بھی کہیں پتہ نہ ملا۔ پنڈت امرناتھ صاحب نے چند اشعار اپنے والد مرحوم کے جو انکو یاد تھے عنایت کئے ہیں وہ بصد شکریہ درج کئے جاتے ہیں۔

در دلم دارد الم طومارہا   کاکلِ او کرد طولِ کارہا
طرّۂ او دامِ دل آرد ہمہ   کرد زو در ہر سرِ مو مارہا

اشعار مثنوی

خدایا بندۂ عصیان شعارم   ترحّم را ز تو امید وارم
کرم کن با ہمہ ناکاریِ من   ز حد بگذشت آہ و زاریِ من
پریشانم ز دستِ نفسِ خیرہ   بہ چشمانم جہان گردیدہ تیرہ
ندارم جز درت ماوائے دیگر   من و این گریہ ہائے وائے دیگر

گنا ہا ے کہ کردم نیک دانی — اگر گویم دگر دارم نہاتی
نکو کارے نشد از من کہ نازم — علاج آن نمی دانم چہ سازم
بجز لطفت کہ باشد دستگیرم — ز وحشت خود بہ معصیت اسیرم
کنون تو ان میخورم بر غفلتِ خویش — بود در دسرم بر عزلتِ خویش
جفا ہا کردہ ام از دست بر خویش — نمک پاشیدہ ام خود بر دلِ ریش
سزا وارم بخواہی ہر چہ آن کن — نمیگویم چنین کن یا چنان کن

عاجزؔ۔ پنڈت درگا پرشاد صاحب نگسی خلف پنڈت بھوانی داس صاحب متوطن دہلی

آپ ریاست بھرتپور میں نائب سر رشتہ دار عدالت دیوانی و فوجداری تھے۔ آپنے ایک کتاب مجمع البحرین عاجز تصوف و معرفت میں ۱۸۷۵ء میں تصنیف و تالیف کی تھی جو مطبع الٰہی آگرہ میں طبع ہوئی اور ارباب قوم نے ہاتھوں ہاتھ اسکو لیا۔ عاجزؔ کا کلام اسی کتاب سے انتخاب کرکے ناظرین کرام کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ ۱۸۷۶ء میں عاجزؔ کی عمر تقریباً ۵۶ سال کی تھی سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔

خموشی گوہر است و خوبیش گفتن نمی آید — دُرِ وصفش بسلکِ خامہ در سفتن نمی آید
خموشی را محک اعمال را مثلِ طلا دانی — چو گردے بر عمل افتد جز آن رُفتن نمی آید
خموشی را نگو نیز کہ نورِ حق ازان خیزد — ز اہلِ دل خلافِ آن پذیرفتن نمی آید
خموشی عین اشراق است فصلِ حق و باطل را — بلے از کس فروغ مہر بنہفتن نمی آید
خموشی غنچۂ ذکر است عاجزؔ ہم تو شاغل شو — کہ بے لب بستن از تقریر بشگفتن نمی آید

دیگر

خموشی راست وارد کہ در گفتن نمی آید — خموشی ہر کہ دارد گہ ہم آشفتن نمی آید
بخوابِ غفلتِ دنیا مرو نسبت خموشی را — ولے گر صحبت شد بیدار و خفتن نمی آید
رہ اہلِ جہان بستہ است گوشم گو مندراہ وہم — ولے این رہ بجز چشم و مژہ رُفتن نمی آید
نہ بند تا تو چشم و چشمِ دل را تا نہ بگشائی — گل دیدارِ حق را گاہ بشگفتن نمی آید
ز خدا یا وخدا عاجزؔ بود موضوع جام دل — چو خورد دل بجز خدا زان وصف و گفتن نمی آید

دیگر

قیامت بیشتر یار کہ یابی جمال را — دانی کہ صبر دل بنماید وصال را

چون بستگی لب بود از بهرِ حسنِ فکر — خامُش که لطفِ او به تو آرد کمال را
لب وا مکن به نطق بود عیب بیں جهال — چون غنچه لب کشاد در آمد زوال را
بین نقش خامشی به نگین حسن نام زاد — مُهرِ سکوت کن تو نشانِ جلال را
هم پلّه بے سکون سرِ میزان کجا شود — عاجز تو هم خموش قرارِ خیال را

در سیه مستی بخواب آورد چون جانان مرا — روے خود را خود بدید و گفت خود مانند ما
چشم را هم منتشر گردید چون تا بِ نظر — عزم چون کردم که بینم جلوه هاے باصفا
بود چون عاجز به دیدن دیدهٔ نادیده ام — پردهٔ بیهوشیم افتاد بر رُو بر ملا
ماؤ تو آنجا نبود و بود هم پیدا نبود — جلوه ها هم خود شد و خود دید هم آن جلوه‌گا
عاجزا خوش لذّتے آمد بجامِ بیخودی
هردم و هر لحظه میخواهم سُرورش از خدا

درین چمن که کسے خستهٔ خزان گردید — ز نخل پستیِ دوران گُلِ بلندی چید
همان به مغزِ سخن میتوان رسید ز پوست — زبان و گوش یکے باشدش بگفت و شنید
نهال بخت هر آنکس که رشحتِ حق یافت — بہ حصول مقاصد بگفت تو اند دید
جمالِ شاهدِ مطلق همان بخود بیند — هر آنکه چشم و دلش هر چهار سو نه دوید
همان به شوق وصالش قدم نهد آخر — که سوے بام تصوّر کمندِ دل بکشید
چو مثلِ عاجزِ حیراں روی به وادیِ عشق
توان رسید به یکدم به منزلِ توحید

صورتے دیدم به چشمِ دل خود از معنی جدا — جلوهٔ طبعش بگویم یا که انوارِ خدا
بود آن نورے و چشم من تو انستش ندید — ساز و سامانِ خدائی داشت یکسر در قفا
در خیالِ دیدنِ آن آنقدر حیران شدم — کین حواسِ خمسه ام یکبار شد پا در هوا
حالتِ رفت آنچنان عاجز که گفتن نادرست — این حواسِ ظاهر و باطن ندارد اقتضا

وله

هست دنیا مثلِ دریاے روان — چون حباب و موج انسان را بدان
رازِ پنهانی ست کز ذاتِ کریم — گشت از یک حکمِ کن پیدا جهان

اے دلِ من اندرین دارِ فنا — دم مزن بر ہستی خود بے گمان
بشنو از من گر تو میخواہی نجات — کلمۂ توحید کن ورد زبان

گر ہوس داری ز دنیا بر خوری
ہمچو عاجز اسم اعظم را بخوان

رباعیات

بیا اے فاعلِ خاموشی و گفتار ہا من — بنہ مہرِ خموشی بر دہانِ ماجرائے من
بدم لب بستہ از روزِ ازل عاجز صفت گرچہ — ندانم در سخن حکمت چہ بودے لب کشائے من

ولہ

اے دل تو چہ بر ہستیِ خود می نازی — وین نقدِ حیات رائیگان می بازی
آنرا کہ بود اوّل و آخر عدمش — بودش بمیان چگونہ قایم سازی

ولہ

نمیدانم چہ شد احوالِ عالم — بگویم خواب را تمثالِ عالم
بگو عاجز چگونہ میتوان زیست — کہ اعمال است چون احوالِ عالم

ولہ

بگو من کیستم ما ہستیم چیست — نمیدانم چگونہ میتوان زیست

در صفت عشق

عشق نیرنگ سازِ جان آمد — عشق مرغوبِ انس و جان آمد
عشق رنگین بود بیک رنگی — عشق وسعت دہد بدل تنگی
این طلسمات عشق پیدا کرد — ہمہ گہ مبتلا و شیدا کرد
عشق دلچسپ صورتے دارد — ہمہ باو سے قصہ ورتے دارد
در غم عشق خود گرفتار است — خواہ دیوانہ خواہ ہشیار است
سر شریہ بکار عشق شدہ — قیس مجنون نثار عشق شدہ
عشق منصور را کشیدہ بدار — شمس تبریز پوست کردہ نثار
گہ بود اصل و گاہ شاخ بود — عشق را قدرت فراخ بود
گہ مجاز و حقیقت است گہے — گاہ شرع و طریقت است گہے
گہ فقیر است و گاہ دولتمند — گاہ مغموم و گاہ فرحت مند

عشق باشد انیس جان و دل — عشق باشد جلیس آب و گل
حالتِ عشق را کجاست حصار — مل نگر دیدہ است این اسرار
مرو آبست کاندرین دریا — از سرِ ضبط کردہ است شنا
سالکِ این طریق دریابد — گر سلامت رود گہر یابد
پردۂ ہفت رنگ را مشمار — ہست یکرنگ در ہمہ گلزار

عاشق - پنڈت درگا پرشاد صاحب خلف پنڈت ٹیکا رام صاحب لکھنوی

دیباچۂ کتاب قلمی میں جناب عاشق نے حسب ذیل تحریر فرمایا ہے

خادم آستانِ سخن کہ محض سخنے از سخن شنیدہ و بجز سخن و صنفِ سخن سخنے نہ شنیدہ عاشق روئے شاہدِ سخن عاشق تخلص عاشقی فن احقر الانام درگا پرشاد ولد ٹیکا رام بگوش سخنورانِ سخن ایجاد میرساند کہ ایں آشفتہ طرزِ سخن را کہ بے تکلف سخن ساختگی سخنے نمی تواند ساخت از چندے ہوائے سخن در سر افتادہ بود و سر در ہوائے سخن نہادہ بودم ہر نفس با سخن ہم سخن می بودم و ہر دم سخن از سخن می نمودم سخنے کہ در و ذکر سخن نبودے گوش نمیکردم و حرفے کہ بیگانہ از سخن نمودے بزبان نمی آوردم و گاہے کہ سخنِ رنگین بر زبانم می آمد چون سخن بہ ہر گوشے میرساندم تا آنکہ از فیضِ سخن فیضے بمن رسید سخنے چند بے تکلف گفتم ہر چند قابل آن نہ دیدم کہ بگوشِ سخنورانِ سخن ایجاد برسانم اما چون این سخن از لب و زبانِ عجز و نیاز برآمدہ سخن کہ در پیشگاہِ قبول سخن دانانِ سخن شناس سخنِ این سخن ناشناس پذیرا افتاد و ہر صاحب سخنے ہر جا جائے سخن سخن چینی بیند باصلاح آرد۔

عاشق کہ سخن ز عجز خود میگوید — این حرف بہ اربابِ خرد میگوید
مشکل بود آئینِ سخن گوئیہا — آسان نتوان گفت کہ بد میگوید

پنڈت مہاراج کرشن صاحب صاحبین لکھنوی المتخلص بہ ندیم تحریر فرماتے ہیں کہ جب اُن کے دادا صاحب پنڈت کنہیا لال صاحب عاشق پنجاب سے ہمراہی حکام انگلشیہ

کشمیر گئے تھے تو بہت سی قلمی کتابیں لائے تھے۔ بہت تو ضائع ہو گئیں معدودے چند ابھی بھی ہیں چنانچہ اُن میں سے حضرت عاشق (درگا پرشاد صاحب) کا ایک مجموعہ نظم ہے جس کا انتخاب زینت بخش اوراق تذکرہ ہذا ہے۔ یہ مجموعہ نظم بھی حضرت عاشق کے سوانح عمری کے متعلق خاموش ہے۔ البتہ سرورق پر قطعہ ذیل درج ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعۂ بالا سنہ ۱۲۰۹ ہجری میں تحریر کیا گیا تھا۔

منتظم شد ز طبع عاشق زار ‌ عاشقِ کاملِ تمام عیار
سال تاریخ چون شمار نمود ‌ یک ہزار و دو صد دگر نُہ بود

اے ز تو نورِ نظر ہمگنان ‌ نورِ چراغ بصر ہمگنان
نور دہِ دیدۂ بینا توئی ‌ تیرہ کشِ حقۂ مینا توئی
ہست ز تو روز و شب صبح و شام ‌ سلسلۂ کارِ جہان را نظام
چون تو بہ رخسار نقاب افگنی ‌ دفترِ ایام در آب افگنی
شب ز الم زلف پریشان کند ‌ سلسلۂ عیش بہم بر زند
عقل بہ حیرت چہ ستاید ترا ‌ ہرچہ ستاید ہمہ شاید ترا
وصفِ تو بیرون ز حدِ گفتگو ست ‌ خاک درت مایۂ صد آبرو ست
عالمِ علوی ز جلالِ تو پُر ‌ عالمِ سفلی ز نوالِ تو پُر
آب دہِ روضۂ جان ہا توئی ‌ تاب دہِ گوہرِ کان ہا توئی
سبزہ بوصفِ تو کشیدہ زبان ‌ غنچہ بمدحِ تو کشادہ دہان
گنبدِ گردون بہ جلالِ تو گم ‌ فکرِ دو عالم بہ خیالِ تو گم
پشتِ فلک خم شدہ از بارِ تو ‌ روے زمین تازہ بہ دیدارِ تو
چرخ بہ چرخ است ز سوداے تو ‌ خاک کند جان بہ تمناے تو
ہست ز مہرِ تو بشام و سحر ‌ روے شفق سرخ ز خونِ جگر
میکنم از دور تو اصنع ترا ‌ اے ہمگی نور تو اصنع ترا

سراپای معشوق

وه چه سیمین تنت اے سیم اندام — که از ورشک برد نقرهٔ خام
شیوه ات ناز و جفا آئینت — کشتنِ عاشق بیدل دینت
پیشه ات جور و ستمگاری هاست — رسم و راهِ تو دل آزاری هاست
قامتت سروِ روانش گویم — طوبئ باغِ جنانش گویم
وه چه سروِ قدت اے غارتِ هوش — با قیامت گذرد دوش بدوش
طرزِ رفتارِ تو اے رشکِ چمن — بر سرِ کبک بود قهقهه زن
فرقِ مشکیں تو راهِ ظلمات — خضر گم کرده دران راهِ نجات
کاکلت پاے تو بوسد هر دم — حلقه بر حلقه و خم اندر خم
کز تو روے دلِ دیوانه اسیر — پایت از جعد بود در زنجیر
جبهه ات نیمهٔ ماهست ز نور — شده مه جبهه پیشش از دور
لوحِ سیمی است که خطِ قضا — در ازل کرده بر و مشقِ صفا
یافت از حلقهٔ گوشت چو خبر — حلقه در گوشِ تو گردید گهر
گرچه آویزهٔ گوشت گردید — در صفا با بنِ گوشت نرسید
چشمِ بیمارِ تو مستی مخمور — گشته از باده کشی ها رنجور
گرچه مست است و اگر بیمار است — لیک در بردنِ دل هشیار است
گردشِ چشمِ تو چون دورِ سپهر — سببِ فتنه بود اے بے مہر
از چه در دورِ تو مستی عام است — گردشِ چشمِ تو دورِ جام است
از دهانِ تو نگویم سخنے — خود ترا هیچ نباشد دهنے
رهبرِ راهِ عدم گرچه گم است — دهنت رهبرِ راهِ عدم است
کمرت رشتهٔ گلدسته بود — که بدان خرمنِ گل بسته بود
زیرِ دامانِ تو فتنه است نهان — بهتر این فتنه بزیرِ دامان
ساعدت دستِ خرد تا فته است — دست بر کشورِ دل یافته است

سرِ انگشتِ حنا بستۂ تو   غنچۂ دستِ تو گلدستۂ تو
کفِ دستت ز حنا رنگین نیست   جز بخونِ دلِ ما رنگین نیست
کفِ پاے تو چہ خوشنما پامال   گرد از رنگِ حنا تا شد لال
برکفِ پا کہ ز گل آزردہ   گوئیا نشترِ خارے خوردہ

آغازِ قصہ

بود مردے بہ بنارس آزاد   نیک دل نیک روش نیک نہاد
نہ زغم بر دل و جانش بارے   خاطرش را نہ بہ کلفت کارے
تر و تازہ چو گلِ تازہ و تر   با دلِ شاد ہمی برد بسر
گہ بہ گلگشتِ گلستان رفتے   ہمچو گل خرم و خندان رفتے
گہ شدے شمعِ شبستان افروز   زیست میکرد بدینسان شب و روز
تا کہ از گردشِ دولابِ سپہر   شد بدل حالتش از گردشِ دہر
دلِ اورا بہ جنون مائل ساخت   خرد از طبعِ دلش زائل ساخت
در سرش مایۂ سودا جا کرد   در جہانش بجنون رسوا کرد
منحرف شد دلش از جادۂ عقل   ریخت بر خاک سبوے بادۂ عقل
آشنایان شدہ زو بیگانہ   بنہادہ لقبش دیوانہ
ہمچو بلبل بہ چمن نالیدے   خاک کندے و بہ رخ مالیدے
گاہ در گریہ گہے در خندہ   گاہ آزادہ و گاہے بندہ
گاہ خاموش و گہے گویا بود   در ہمہ خانہ و کو رسوا بود

منتظر بود دلش کا خر کار
دوحۂ عشق چہ بر آرد بار

روزے آن شیفتۂ شورِ جنون   شد جنونش بہ چمن راہنمون
دلش از خانہ چو زندان بگرفت   راہِ گلگشتِ گلستان بگرفت
چون صبا سوے چمن کرد گذار   بر گل و سرو و سمن کرد گذار

خبرش داد ز حیرانی او — زلف سنبل ز پریشانی او
لاله از داغ دلش کرد خبر — سرو چون آه درآمد بنظر
در چمن از سر عبرت نگریست — گاه خندید بران گاه گریست
ناله درد ز بلبل بشنید — گل داغ از چمن حیرت چید
گاه بر سبزه چو شبنم غلطید — گه به شمشاد چو ارقم پیچید
چون ز گلگشت دلش شاد نگشت — همچو مار از سر گلشن بگذشت
شامگاهی سر بازار رسید — قصری آراسته دلکش دید
اندران غرفه که بد مطلع مهر — جلوه گر گشته مهی زیبا چهر
ماهروی چو هلالش ابرو — ماه از رشک رخش باخته رو
سیمبر سیم ذقن سیم اندام — نوش لب نوش دهن نوش کلام
خوبروی شکرین گفتاری — سمن اندامی و گل رخساری
قدش از سرو روان دلکش تر — لبش از لعل بدخشان خوشتر
گلبدن غنچه دهن نسرین بو — ماه رخ، چاه زنخ مشکین مو
سیه مو لعل لب و دُر دندان — سیمبر سیب ذقن موی میان
قامتش رشک ده قامت سرو — طرز رفتار وی اندوه ده تذرو
چهره‌اش غیرت ماه تابان — چاک کرده دل عاشق چو کتان
مرد دیوانه که دید آن مه را — ساخت مهرش به دل او ماوا
ماند محو رخ آن حور جمال — حیرت آگین شده آئینه مثال

آه بر آه کشیدن سر کرد
ناله بر ناله دمیدن سر کرد

نازنینی که از نزاکت تن — رنجه گشتی تنش ز برگ سمن
گلعذاری که چون به باغ شدی — از رخش لاله داغ داغ شدی
مه جبینی که در شب مهتاب — جبهه اش بردی از رخ مه تاب

سرو قدے کہ چون خرامیدے ‌‌ ‌ ‌ ‌ سرو چون سایہ پاش بوسیدے
بود رعنا زنے پرستارش ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ در ہمہ حال یاور و یارش
گفتش از راہ مہربانی ہا ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کاے گلِ باغِ دلستانی ہا
گلِ رویت چرا زریر شدہ است ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ وز چہ رو حالتت تغیر شدہ است
روز و شب بمحنت چو دف نالان ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ چون جلاجل بہم دو کف نالان
تنِ تنہا بہ غصہ خون خوردن ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ رازِ دل را بلب نہ آوردن
مہر بر درجِ لعل بنہادن ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ عقدۂ راز بستہ نکشادن
ترک دادن نشاط عشرت را ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ در نوشتن بساطِ صحبت را
خاطرت باز گو غمی از چیست ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ در موادِ طرب کمی از چیست
چہ شد آن در نشاط کوشیدن ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ بادہ از جامِ عیش نوشیدن
تیغِ غمزہ کشیدن از سرِ ناز ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ سر فگندن ز دوش اہلِ نیاز
تاب دادن کمندِ گیسو را ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ آب دادن حدیقۂ رو را
گفت کاے محرمِ سرایۂ من ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ گفت کاے واقفِ ضمایرِ من
چہ کنم قصدِ زیب و آرایش ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ چہ زنم دم ز عیش و آسایش
ہمدمِ من زِ من جدا گشتہ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ہمچو جان از بدن جدا گشتہ
کیست کز نخلِ من ثمر چیند ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کیست کاندر جمالِ من بیند
نیست جنسِ مرا خریدارے ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ نیست نازِ مرا طلبگارے
صبحدم چون وزید بادِ نسیم ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ خاست از خوابِ ناز لعبتِ سیم
نرگسِ چشمِ او خمار آلود ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ قدمِ نازکش نگار آلود
آنگہ آئینہ را بکف بگرفت ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ دید و در حسنِ خویش ماند شگفت
زلف را رشتۂ رسائی داد ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ غمزہ را حکمِ کج ادائی داد
چون شد آرایشِ جمال تمام ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ پردہ بربست ماہِ سیم اندام
چہرہ را ساخت از حریر نقاب ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ہمچو بر برگِ لالہ چادرِ آب

از پئے اختلاطِ مستانہ — مجلس آراستہ جدا گانہ
قدح و ساغر و صراحی و مے — نقل و طنبور و چینی و دف و نے
بالشے نرم تر ز سینۂ حور — شمعے افروختہ نہادہ ز دور
ساقیان شیشہ را نگون کردند — دلِ غم را ز غصہ خون کردند

مناجات

الٰہی چشم جانم باز گردان — ز بیراہی دلم را باز گردان
براہِ راست آور روے جانم — مکن کج رو بسانِ آسمانم
دلے دارم ہوا ورز و ہوسناک — سرم را کن ز سوداے ہوس پاک
چراغ درد بر را ہم بیفروز — طریقِ عشق جانکاہم بیاموز
سرے دہ پُر ز سوداے جنونم — دلے چون برگِ لالہ غرقِ خونم
دلے دہ کو سراپا درد باشد — رُخے کز کلفتِ غم زرد باشد
دلے با بیدلی یارِ صمیمے — بلے با نالہ و مسازِ قدیمے
دلے پابستۂ بندِ بلا ہا — کہ از عشقش رسد ہر دم صلا ہا
دلے صد چاک مانندِ صنوبر — دلے از تاب و تب مانندِ اخگر
دلے در حسرت و افسوس ماندہ — بہ درد و غم کشی مانوس ماندہ
دلے نالان چو بلبل در گلستان — پریشان چون بہارِ سنبلستان
دلے در بند غم محبوس ماندہ — ز امّیدِ طرب مایوس ماندہ
برون کن پنبۂ غفلت ز گوشم — کہ با افسانۂ عشقت ہم گوشم
برنگِ عین سرِ حرفِ غمم ساز — چو شبنم درمیانِ عشق انداز

در فضیلت عشق

بکوے دوست باشد رہنما عشق — خوشا عشق و خوشا عشق و خوشا عشق
ز عشق است اینکہ گردون بیقرار است — ز عشق است اینکہ گیتی خاکسار است
حیاتِ آدمی در عشق باشد — نشاطِ دائمی در عشق باشد

بلند از آسمان ہا جاے عشق است — سر خورشید زیر پاے عشق است
ز عشق است اینکہ جان با تن بود یار — دل بے عشق را تو مردہ پندار
بہ چرخ آرد فلک را نغمۂ عشق — برد از خود ملک را نغمۂ عشق
چو عشق اندر دلے جا گرم سازد — اگر چون سنگ باشد نرم سازد
سرے کاندر سر او جاے عشق است — سراسر در سر سوداے عشق است
ز شادیہا بود خوشتر غم عشق — ہمہ شادی بود در عالم عشق
سخن در عشق از اندازہ بیش است — ولے تتمیم او بر جاے خویش است
بیا ساقی سخن از جام وے گوے — بیا مطرب حدیث از ناے وے گوے
تو مے دہ تا کہ سر مستی نمایم — تو نے زن تا ز بند غم در آیم

نالۂ جانکاہ

منم امشب بہ آہ و نالہ دمساز — بہ داغ دل چو برگ لالہ دمساز
ولے خالی ز صبر و چشم پر نم — ندارم ہمدمے جز نالۂ غم
غم ہجران غمے جانکاہ باشد — دل غمگین ازین آگاہ باشد
منم در ورطۂ این غم فتادہ — بہ سیلاب الم ہا رخت دادہ
بہ کویت بہ نشستن بر خس و خار — کہ بے روے تو در ایوان و گلزار
کنم از حال خود سویش خطابے — مگر آید جوابے با صوابے

سواد نامہ

زہے وصلت بہار زندگانی — زلال چشمہ سار زندگانی
جمالت آفتاب برج خوبی — نہال قامتت رشک طوبی
اگر مجنون بہ لیلی بود مفتون — ز عشقت عالمے گردیدہ مجنون
ز فرقت نافہ را خون در جگر زان مشک — بہاے موے وے صد نافۂ مشک
پریشان کردہ صد دل ز کاکل — یکے ز آشفتگان او ست سنبل
ز خست اکلیل مہ از سر ربایید — بہ پیشش جبہۂ مہر از دو سایید

بیا اے بے تو جانم در تب و تاب — کہ ہستم در فراقت بے خور و خواب
ز شب در چشم گریان خوابم آید — نہ روزم صبر و تسکین رو نماید
بیا و ز وصلِ خویشم شاد گردان — ز بندِ فرقتم آزاد گردان

جواب نامہ از دلبر

کہ اے بیہودہ گوے ہرزہ گفتار — مزن بیہودہ دم دم را نگہدار
نیم ماہی کہ از بحرم بر آری — نیم صیدے کہ در دامم در آری
وگر گوئی مرا درد و غم خویش — کنادا یزد ترا ازیں بیش دل ریش
تو گر سوزی ز غم ما را چہ تقصیر — مثال از شمع و از پروانہ برگیر
ترا امیدِ وصلم از جنونست — علاجت اندکے اخراجِ خون است
ازین سودا نیابی ہیچ سودے — وزین آتش نہ بینی غیر دودے
دہی از صحبتِ دیرین بیادم — کزین حیلہ کنی از خویش شادم
چو یاد آرم زمانہ و بود محمود واے — کہ در زندان سرائے داشتم جاے
فرستی گردِ گر قاصد بدین سوے — نخستین گو کہ دست از زندگی شوے
بخونِ او شود رنگیں رُخِ او — زبانِ تیغ گوید پاسخِ او

اے نورِ دو چشم پاک بینان — وے چشم و چراغِ شب نشینان
آرامشِ سینہ ہاے بیتاب — آسایشِ دیدہ ہاے بیخواب
درمان دہِ دردِ دردناکان — مرہم نہِ زخمِ سینہ چاکان
سرسبز نماے باغِ امید — لبریز کن ایاغِ امید
رحمے بر حالتِ منِ زار — لطفے بر حالِ این گرفتار
دارم وے از ہجوم اوہام — چون مرغِ اسیر بستۂ دام
نے گوش کند کسے فغانش — نے رحم کند کسے بجانش
از بار گناہ گرچہ پستم — در دامنِ عفوِ تست دستم

نومیدیم ارچہ جان گدازد عفوِ تو امید تازہ سازد

با عفوِ تو ہست امیدواریم
کو نگذارد بشرمساریم

اے خامہ زعشق زن نوائے بر دردکشان بزن صلائے
عشق است بلائے جانِ عاشق آتش زنِ خانمانِ عاشق
برق از تب و تابِ او شرارے ست خاک از سرِ کوئے تو غبارے ست
جان و دل ما برشتۂ اوست آب و گلِ ما سرشتۂ اوست
عشق آفتِ جانِ بیدلان است حکمش بر جان و دل روان است
شاہیست کہ سکۂ اش زداغ است زو سینہ شگفتہ باغ باغ است
آوازۂ عشق چون کہ خیزد دانش زشنیدنش گریزد
آن دل کہ زسوزِ عشق خالی است ہمکاسۂ مہرۂ سفالی است

دل بے تبِ عشق مشتِ خاک است
با آب دلے کہ دردناک است

عاشق - پنڈت شیوراج ناتھ صاحب کول مرحوم نیز صفحہ ۱۶ ملاحظہ ہو۔

ہے جنوں مجنوں کا تیرے روز افزوں آجکل لیلی وش عاشق ہے تیرا رشکِ مجنوں آجکل
آجکل میں تم سے عیسیٰ دم کا وہ بیمار ہوں حکم دو تو دیکھ لوں نبضِ فلاطوں آجکل
ہے بہارِ باغ کا منظر ہمارے سامنے زلف شبگوں - چشم میگوں - روئے گلگوں آجکل
میں نے سیکھا ہے مضامینِ دہن کا باندھنا میں نے باندھے ہیں پر عنقائے مضموں آجکل

یہی عشاق کا دل پھانس لیا کرتے ہیں حلقۂ زلفِ دوتا - زلفِ چلیپا - مو باف
چہرہ مہتاب - نظر برق - ہلال ابرو ہیں زلف ہے کاہکشاں عقدِ ثریا مو باف

جلوا ہے اس کا ایک ہی ہر خوب و زشت میں پرتو فگن وہی تو ہے سب کی سرشت میں

واعظ خدا کر کہنا یہ کفر ہے ۔ ہوں گے حسین بڑھ کے بتوں سے بہشت میں

جلوۂ عارض نہیں ہے بادۂ گلرنگ میں ۔ آفتابِ حشر نکلا آبِ آتش رنگ میں
ہے جھلک مہتاب کی پیشانیِ پُر نور پر ۔ ہے چمک خورشید کی رخسارِ آتش رنگ میں
وہ خفا ہیں، چاند سے تشبیہ کیوں تلوے کو دی ۔ کیوں کہا اچھے ہیں دونوں اپنے اپنے رنگ میں

میرے سینہ سے چلی پھر آہِ آتشبار آج ۔ جل نہ جائے تو سہی یہ گنبدِ دوّار آج
ہائے کس شوخی سے کہتے ہیں کہ میں ہی جاں بلب ہوں ۔ جان سے تم ہو گئے ہو کس لئے بیزار آج
روئے رنگیں کی بہار آتی ہے آج اُس سے نظر
ہے درِ فردوس عاشق روزنِ دیوار آج
لوٹتی رہتی ہیں ہر رنگ کا جلوا شب و روز ۔ آنکھیں رہتی ہیں مری محو تماشا شب و روز
شام کاکل کی ہے شب گیسو کی دن ہے رخ کا ۔ طائرِ دل کا یہیں پر ہے بسیرا شب و روز
دیکھتی رہتی ہیں آنکھیں تری کیوں دل کی طرف ۔ تاکتی رہتی ہیں کیوں مال پرایا شب و روز

باغباں بیدرد ۔ گل بے رحم ۔ شیون بے اثر ۔ مدتے درباغ بودم ہمنوائے عندلیب
در چمن اے رشکِ گل بشنو بزیرِ شاخِ گل ۔ شیونم یکسو دگر شو نالہائے عندلیب
در بہاراں داغہائے سینۂ عاشق بہ بین
تحفہ ہا آوردہ است اے گل برائے عندلیب

عاصی ۔ پنڈت مہاراج کرشن گورٹو صاحب خلف پنڈت جیالال صاحب گورٹو

آپ کی فارسی کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی تھی ۔ کسی قدر انگریزی بھی جانتے تھے ۔ سترہ اٹھارہ سال آپ ریاست ساہن پور ضلع بجنور میں اسسٹنٹ مینجر رہے اور اسکے بعد تقریباً تیرہ سال تک تعلقہ داران بھدری ۔ جگادھری ۔ دھامپور اور ہلدور کے ہاں

بہ حیثیت منیجر آپ مامور رہے۔ آپ فقیر دوست تھے۔ اور آپ کا رجحان طبع تمام عمر اپنے مذہب کی عظمت کے جانب رہا۔ ۱۹۱۶ء میں ۴۳ سال کی عمر پا کر بمقام بجنور آپ رہگرا ے ملک بقا ہوئے۔ نثر میں ایک کتاب چراغ معرفت آپ نے تصنیف کی تھی۔ اسکا دیباچہ جو نظم میں ہے اس تذکرہ میں درج کیا جاتا ہے تاکہ آپ کی یادگار قائم رہے۔

ہر نام ز نام تست نامی — ہر ذات بہ ذاتِ تو گرامی
بودن ہمہ از بُودنِ تُست — راہِ ہمہ از نمودنِ تُست
از دانہ چہ غنچہ ہا شگفتی — در بیضہ چہ مرغہا نہفتی
اے در رہِ تو خیالِ دانا — بریک قدم است ناتوانا
از رازِ تو صاحبانِ ادراک — گشتند مُقر بما عرفناک
پس من کیم و رسائیم چیست — در حمد تو غیر از خائیم چیست
آن بہ کہ ازین کنارہ گیرم — از فضل تو کار چارہ گیرم
غیرت نشوم بہ کس گرفتار — جز تو نبود بہ کس سروکار
آزادیِ من اسیریِ تست — حقِ من و دستگیریِ تست
عاصی مہاراج کرشن بندہ — در سجدۂ تست سر فگندہ
راحت و شوار و لنگ پایم — ز افضال تو ہست رہنمایم
ہر شوق ز خاطرم بروں آر — یک عشقِ خود اندرونِ من دار
در جان و دل من آتشے زن — برقِ سو خرمنِ من افگن
از الفتِ خویش دہ جنونم — سوز این ہمہ اندرو برونم
از ہجرِ خودم جدائی بخش — تا وصلِ خودم رسائی بخش
تو قادرِ مطلقی خدایا — من بندۂ احقر البرایا
تا خود برسانی از تو خواہی — پس چیست تامل اے الٰہی
از جملہ بریدہ سوئے خود خوان — مارا مشکل ترا ست آسان
از جہل اگر روم بہر سو — چون قبلہ نما بتو کنم رُو

از چشمِ کرم بہ دادِ من رس — من ہیچدان چہ دانم و بس

دیباچۂ نسخۂ چراغِ معرفت

تعجب چیست گر خورشیدِ رخشا — چکد اندر دواتم قطرہ آسا
سزاوار است گر بر ہر دُرِ حرف — دبیرِ چرخ صد دُرّے کند صرف
نئے کلکم اگر گردد شکر نئے — ز برکتہاے مدو ہم عجب نئے
بہ پنج انگشتِ من گر خامہ ما — پذیرد پنج حسِ فعلیت ادئ
سزد گر کاغذم گردد زر افشان — ز بحرِ شعر جوشد بحرِ عرفان
کہ عزمِ من بہ مدحِ ذوالکمالے است — کہ در چشمش جہان خواب و خیالے است
تعلق یکسر از دنیا بُریدہ — بہ دامانِ تجرد پا کشیدہ
امیرِ مسندِ عرفان پناہی — دلش روشن بہ انوارِ الٰہی
ضمیرش مرجعِ اسرارِ باری — خیالش با خدا در راز داری
رجوعِ اولیا در چار سویش — کہ جامے حاصل آید از سبویش
حیاتِ جاودان در سایۂ او — فنا فی اللہ باشد پایۂ او
بہ بحرِ معرفت فی الجملہ غرق است — از و تا حق چو موج و بحر فرق است
خلوصِ نیتش ز آلودگی دور — صفاے قلبِ او نورٌ علیٰ نور
مقدس ذاتِ او دور از خدا نیست — کہ لفظ از معنیش ہرگز جدا نیست
گرامی نامِ او نزدیک و ہم دور — بسانِ ماہ و خورشید ست مشہور
زبان صد رہ بہ آبِ گنگ شویم — کہ نامِ برہم دیو آشرم بگویم
بہ علمِ معرفت استادِ کامل — مرا فخرِ مریدی زوست حاصل
منم از خادمانِ خاندانش — یکے از زلّہ بردارانِ خوانش
زہی پُر معصیت ناکارہ ناکام — بدان مہاراج کرشن گورنو نام
جنابِ قبلہ ام پنڈت جیالال — کہ رحمت باد و غفران شاملِ حال
بہ دہلی مسکنِ اجدادِ من بود — کہ در عہدِ سلاطین خوش چمن بود

چو آنجا داد و آبم نماندہ معاشم سوئے بجنورم رساندہ
خدایا سایۂ آن قطب عالم طبیب عاصیان غوث المعظم
مخلد بر سر ما خاکساران بہ عصیان روزگار خود گذاران
بود گستردہ تا را سے بہ بینیم بہ فیض او ز غم فارغ نشینیم
درین ایام از جوشِ ترحم گرفتار معاصی دیدہ مردم
اصولِ گیان و ہم بیراگ بنوشت کہ تخم معرفت در قلب ہا کشت
بہ سلک طبع آرم این گہر را گزارم پیشکش اہلِ بصر را
امید از صاحبانِ دانش چنین است کہ عاصی این غلام کمترین است

دعائے در حق عاصی بگویند
معاصی نامہ ام را پاک شویند

عاصی - پنڈت ہر نراین المعروف پنڈت شمبھو ناتھ ہاکسر صاحب

خلف رائے بہادر پنڈت دھرم نراین ہاکسر صاحب سی۔آئی۔ای

آپ اندور ریزیڈنسی میں ایک مدت تک بعہدہ مترجم مامور رہے اور آپ کا تمام حصہ عمر اندور میں گذرا۔ آخر حصہ عمر میں آپ اپنے فرزند کرنل پنڈت کیلاس نراین کے پاس بمقام لشکر گوالیار چلے آئے تھے اور وہیں ۱۹۶۵ء یا ۱۹۶۶ء میں تقریباً ۸۲ سال کی عمر پاکر آپ نے اس دارِ فانی سے رحلت کی۔ افسوس ہے کہ آپ کے فارسی اور اردو کلام کا مجموعہ تلف ہو گیا۔ سنسکرت میں بھی آپکو اچھا دخل تھا۔

مناجات

حیرت زدہ ہوں مرے خدایا ڈھونڈھا تجھے لا کہ پر نہ پایا
آنکھوں کا قصور ہے یہ سارا ہر شے میں ہے ورنہ تو سمایا
سو بار میں تیرے در پہ آیا حالِ دلِ مضطرب سنایا

عاصی یہ بتاؤ تو کہ تم نے
اس دہر میں آ کے کیا ہے پایا



پنڈت ہر نراین عرف بشمبر ناتھ ہاکسر۔ ماحی

ہوں گنہگار پر مجھے زنہار — اپنے در سے نہ پھیر تو غفار
ہے بجز تیرے کون یا معبود — جو سُنے میرا اور دِ حالِ زار
تیرہ بختی نے کر رکھا ہے مجھے — اس جہانِ دنی میں بالکل خوار
کاہشِ دل نے کر دیا ہے نحیف — جیسے ہوتا ہے عنکبوت کا تار
میں ہوں جورِ فلک سے چکر میں — جیسے گردش میں رہتا ہے پرکار

یاد حق کی مدام کر عاصی
دل کو آتا ہے بس اسی سے قرار

غزل

آن پہنچا ہوں ترے در پہ تری کھٹ پٹ سے
میرے سر کا ہے محال اُٹھنا تری چوکھٹ سے
نشۂ کبر سے تھے حضرتِ انساں مخمور
رنج کی اوس پڑی آنکھ کھلی پھر جھٹ سے
حضرتِ عشق کے پھندے میں نہ پھنسنا اے دل
یاد رکھ عمدہ برآ ہو گا نہ اس نٹ کھٹ سے
ہے یہ وحشت کا کرم عقل مری کی زائل
مخمصہ چھوٹ گیا خوب بچے جھنجھٹ سے

دل کو بھٹکاتا ہے کیوں یاد کر اپنے حق کی
عاصی چل بھاگ نکل دہر کی اس کھٹ کھٹ سے

قطعہ

مصیبت میں ہو بندہ اور خالق — خبر اُس کی نہ لے یہ کب ہے ممکن
دُعا جو مانگی جائے صدقِ دل سے — نہ ہو مقبول وہ یہ کب ہے ممکن

ایضاً

بتاؤں کیا تمھیں یارو طبیعت کس پہ آئی ہے — میرا محبوب ہے وہ ہی کہ جسکی یہ خدائی ہے
حرم میں دیر میں ہے ڈھونڈتا بیکار عاصی کو — چلو دیکھو درِ جاناں پہ وہ دھونی رمائی ہے

ایضاً

بتا دل تجھے کس کی یہ آرزو ہے — کہ پھرتا ہے مارا تو یوں کو بہ کو ہے
کہیں زلف کھولی ہے جاناں نے شاید — نسیم سحر کس قدر مشکبو ہے

مادہ تاریخ اختیار یابی مہاراجہ سیندھیا عالیجاہ بہادر

در ۱۸۹۵ء

تکلم نعیمی سے پوچھا میں نے کچھ فرمائیے — خورمی ہے آج کیسی زیر چرخ زرنگار
ہنس کے بولے ہو گئی درگاہ ایزد میں قبول — مانگا کرتے جو دعا تھے مدتوں سے جاں نثار
اب خوشی میں گاتے پھرتے ہیں ترانہ کو بہ کو — مادہ ہو راؤ سیندھیا مہاراجہ صاحب اختیار

۱۸۹۵

رباعی

شاہ من خستہ روانم ز در الطاف مبند — رحم فرما و نگہ دار تو مارا ز گزند
گرچہ عصیان شدہ سرزد ز من ناکارہ — ... بہر من این خواری و ... پسند

حیات میدہد یا ... مسیحا — قضا تدبیر کار من چہ کردی

عاصی - یکے از ارباب قوم

سنہ ... کے کسی ایک مہینہ کے ... سلہ کشمیر سے چند اوراق ناچیز مولف کے ذخیرۂ کتب میں اتفاقاً دستیاب ہوئے چنانچہ تاریخ ذیل انھیں اوراق سے انتخاب کی گئی ہے۔

تاریخ وفات پنڈت شیو نراین بہار

چگویم از ستم چرخ پر فریب ... — کہ ... ذات چہ است ... بپا
حلیم و صاحب اخلاق و ... و صاحت — ... بہ لقب شیو نراین اسم آورا
زمانہ ہم چو دی ازیں پیشتر ... — ... ماہ ... گشت ... و ... ونیا



پنڈت رتن نرائن در - شوقؔ

به مکتب خروش بهر اکتساب ادب — نشسته صد چو فلاطون و بوعلی سینا
بنای جلسهٔ تهذیب کرده او قائم — به قوم نامهٔ کشمیر یافت زو اجرا
پیام مرگ بگوشش چو گفت پیک اجل — ببست رخت سفر زین جهان به دارِ بقا
فغانِ ماتمیان از زمین به عرش رسید — ز فرطِ غم به جهان شورِ حشر شد برپا
ز دودِ آه حزینان فلک شده نیلی — ز چشمِ نوحه گران هر طرف روان دریا
ازین غم است که گل چاک کرده پیراهن — وزین الم به چمن بلبل است در غوغا
ازین غم است که چشمِ سحاب گریان است — ز برق کرده فلک آهِ آتشین پیدا
شنید هر که ازین صدمهٔ جگر فرسا — بگفت آه چه شد وا مصیبتا دردا
به سالِ رحلتِ او عاصیا چو پے بُردم — ز سترِ غیب به گوشِ من ایں رسید ندا
که هفت و ستّه و ثُمّه اعداد با مراتب او — نویس و از رهِ ترتیب کن دو تا او را
ازین حساب چو آگه شوی نشان یابی — ز سالِ عیسوی رحلتش بدون خطا
وگر ز سمتِ بکرم کنی تو استفسار — هزار و نه صد و سی و یک است اے دانا

۱۹۳۱ ب

عرش - پنڈت رتن نراین در صاحب خلف پنڈت کشن نراین در صاحب لکھنوی

آپ ماہ مارچ ۱۸۸۹ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ آپ کی ملازمت کا آغاز بطور اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول کانپور ۱۷۔ جولائی ۱۹۱۷ء سے ہوا اور اگست ۱۹۲۰ء میں آپ کی تقرری مستقل طور پر بعہدہ سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہوئی۔ جس کی وجہ سے آپ کو کانپور چھوڑ کر سیتاپور جانا پڑا۔ اضلاع بریلی۔ بدایوں اور گونڈہ میں آپ نے اسی عہدہ پر کام کیا ہے اور اب اگست ۱۹۲۶ء سے سیتاپور میں سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہیں۔ آپ کے والد ماجد صوبۂ اودھ میں سب جج تھے اور آپ فخرِ قوم پنڈت بشن نراین در۔ آبر مرحوم کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں۔ ظرافت۔ خوش اخلاقی اور منکسر المزاجی کے اوصاف سے آپ متصف ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

ہے طلسمِ حیرت افزا جس کا دنیا نام ہے
مرگ و ہستی کا سمجھنا اک خیالِ خام ہے

آپ کی الفت میں مگسوزِ لیست سے کیا کام ہے
درد جس دنیا میں ہو دل کو وہاں آرام ہے

سارا عالم جب تمہارے چاہنے والوں میں ہے
پھر ہماری آرزو کیوں مفت میں بدنام ہے

رنج ہی میں یاد آتا ہے خدا انسان کو
گردشِ ساغر سے بہتر گردشِ ایام ہے

بیخودی شوق میں ساقی تکلف برطرف
خم کے خم منہ سے لگا دے جام کا کیا کام ہے

سو رہے ہیں مرنے والے منہ لپیٹے قبر میں
اب نہ حسرت ہے۔ نہ ارماں ہے نہ کچھ پیغام ہے

طلسمِ ایک دھو کا ہے نقطہ یہ دل کے ارماں کا
وفا کیسی۔ کہاں کا عشق۔ کیسا حُسن جاناں کا

نسیم اُس کی صبا اُس کی صبا کی شوخیاں اُس کی
گُل اُس کا رنگِ گُل اُس کا وہ ہے بلبل گلستاں کا

قیامت کر رہی ہے ہائے یہ دیوانگی اپنی
کئے دیتی ہے پردہ فاش میرے رازِ پنہاں کا

ہوائے دہر کیا بدلی کہ اپنوں نے بھی رنگ بدلا
گلوں کا قافلہ تک بن گیا مہماں گلستاں کا

ابھی کیا دیکھنا تم۔ یہ جنوں کیا کیا دکھائے گا
نہ گلزاروں کا رکھے گا۔ نہ رکھے گا بیاباں کا

طریقِ عشق میں جو مٹ گیا اُن کا تیں پیرو ہوں
لحد پر قیس کی سایہ رہیگا میرے داماں کا

ولہ

کم مائگیِ دل نے کیا ہے ہمیں ذلیل
راہِ طلب میں بڑھنے کی ہمت نہیں رہی

تم نے جو ایک شمع جلا دی تھی ایک رات
سُنتا ہوں وہ بھی اب سرِ تربت نہیں رہی
یہ کس لئے ہے آتشِ دوزخ بھی شعلہ خیز
کیا تیری قدر اشکِ ندامت نہیں رہی
اے عرشؔ اب تو تم کو بھی آئینِ عشق میں
پابندیِ جنوں کی ضرورت نہیں رہی

نہ فرقت میں تڑپتے اور نہ فریاد و فغاں کرتے
اِک آہ سرد کے پردے میں رازِ دل عیاں کرتے
مرے قلب و جگر کی بیکسی پر اک جہاں روتا
یہ ناکامِ محبت گر کبھی آہ و فغاں کرتے
نہاں ہیں خاک کے پردے میں کیا کیا محسنِ یکتا
کہاں قدرت گلوں میں ہے کہ وہ ان کو عیاں کرتے
تعلّی کی نہ لو اے عرشؔ بس خاموش ہو جاؤ
رموزِ ہستیِ موہوم کو تم کیا بیاں کرتے

عزیزؔ۔ پنڈت شام ناتھ زتشی صاحب خلف اکبر رائے صاحب پنڈت منوہر ناتھ صاحب زتشی دہلوی۔ اکونٹنٹ محکمہ پبلک ورکس پنجاب

پنڈت صاحب مرحوم فاضل اجل عالم اکمل پنڈت رام کشن صاحب بسملؔ مرحوم کے جو پرانے دہلی کالج میں ماسٹر تھے نواسے تھے۔ علوم رسمیہ سے بخوبی ماہر تھے۔ بچپن ہی سے فن سخن کا ذوق تھا۔ خلق و مروت اہلیت اور شرافت و زندہ دلی میں فرد تھے افسوس کہ عالم شباب ہی میں بعمر ۳۲ سال انتقال کیا۔ کلام میں سادگی ہے۔ تصنع سے بہت دور تھے اور روزمرہ زیادہ لکھتے تھے۔

دلبر تو ہم نے مانا ادھر سے نکل گیا
پہلو سے دل بتاؤ کدھر سے نکل گیا
غنچۂ دل مرا کھلاتا جا
شکل بہرِ خدا دکھاتا جا
مضطرب ہو رہا ہوں اے دلبر
وعدۂ وصل تو سناتا جا

عزم رخصت اگر مصمم ہے مجھکو راہِ عدم بتاتا جا
ہائے تجھ بن نہیں ہے کل پڑتی جا - یہ جھگڑا مگر مٹاتا جا
بے کلی ہے عزیزؔ کو پیارے
اس کی تدبیر کچھ بتاتا جا

رنج و راحت مجتمع ہیں اسے عزیزؔ
دیکھ لو یوں کہہ رہے ہیں خار و گل
آنکھ گو مست ہے بدمستوں کی لیک باطن میں تو بیدار ہے دل
گئی افسوس جوانی تری برباد عزیزؔ
کچھ نہ سمجھے کہ یہ افتاد مصیبت کیا ہے

انتخاب دیوان عزیزؔ

پنڈت کرتاکشن صاحب گورٹو دہلوی

نیز صفحہ ۹۴ ملاحظہ ہو

کہ سوخت خار و خسِ آشیان بلبل را دگر بہار بہ افروخت آتشِ گل را
برآمدہ است چو دود از و مارِ سنبل را بہ پیچ و تاب کہ آورد آتش گل را
طپیدن من بسمل اگر نہ خوش داری چرا بہ خویش پسندیدہ تغافل را
بریز آب طرب خیز ساقیا در جام بانند سازندہ بزم بانگِ قلقل را
عزیزؔ منتِ دو نان چرا توان بر داشت
گرفتہ ایم بکف دامنِ توکل را
از بیکسی بسوخت دل داغ دار ما روشن نکرد شمع کسے بر مزار ما

هستیم سرگران بشب غم عزیز وار — ساقی بیار بادهٔ و بشکن خمار ما

لاے نمط به میکده پاے خمے فتاده ام — کس نفشاند جرعهٔ خاک منِ خراب را
اشک ز دل به چشم شد باز ز چشم بر مژه — ریخت مژه به پاے من این گهرِ خوشاب را
چشم فلک بحال ما اشک فشاند آنقدر — حسرت گریه برق برق سوخت دلِ سحاب را

به بزم باده مرا من چو بے حجاب نشست — پیاله بارے خو و مینا پرِ آفتاب نشست
نظر فگند چو آن رشکِ گل به غنچهٔ و گل — حجاب کرد و ز شبنم ترِ نقاب نشست
گذشت از سرِ ما آب و شد بپا طوفان — نگر که کشتیِ عمرِ م درونِ آب نشست
به آرزوے مے لاله رنگ حضرت شیخ — ز کعبه آمد و در محفلِ شراب نشست
خوشا عزیز که مانند آصفی در جام
به ذوقِ شعر و سخن در خمِ شراب نشست

گلِ روے تو دیدنم هوس است — خارِ مژگان خلیدنم هوس است
رشته بر بالِ من مزن صیاد — بهوایش پریدنم هوس است
به تمناے وصلِ گل بد ستے — جامه بر تن دریدنم هوس است
جان ز سختی نمیرسد به گلو — آبِ خنجر چشیدنم هوس است
بادهٔ وصل او نمیخواهم — دُردِ دُردی کشیدنم هوس است

چشم بهبودی مرا از ابروے خمدار نیست — راست بازی درمیانِ تیغ کجرفتار نیست

گردید غرق بحرِ خون آفتابِ صبح — برخاست بے نقاب چو ماهم ز خوابِ صبح
کیفتِ شرابِ ناب ز هوشش نمی برد — سرمستِ ناز میکند او را چو خوابِ صبح
رنگِ بهار چون نفزاید درین چمن — بارد چو قطره قطره به گلشن سحابِ صبح

چشمِ فتانِ کسے برد ز دل تاب و شکیب — سرمه ام شد به گلو طاقتِ فریاد نبود
دل به نظارهٔ او باخته ام هم دین را — غارتِ هوشِ من آن حسنِ خداداد نبود
آمدی بر سرِ بیداد و نه کشتی قاتل — اے ستمگر مگرت طرزِ جفا یاد نبود

سوخت جان و دلِ من آتشِ هجرانِ کسے   از دلم خاست نه دودے که شرر زاد نبود
تا گذر لاله رخے را به گلستان افتاد   بلبل از گل شد و گل چاک بدامان افتاد

حسرتِ زخم نباشد دلِ مجروح مرا   وه چه شورے ز لبِ او به نمکدان افتاد
تا نگه کرد سرِ زلف و رخِ رنگین را   خارِ حسرت به دلِ سنبل و ریحان افتاد
زخمیِ ناوکِ مژگانِ حریفے گشتم   بے سبب تہمتِ خون بر سرِ جانان افتاد

غم مخور اے دلِ پر درد که غمخوار آمد   غمِ دیرینه شد و راحتِ بسیار آمد
نوکِ پیکانِ کسے در دلِ من کرد اثر   تیرِ مژگانِ کسے تا لبِ سوفار آمد
دمبدم راوقِ عشقِ تو مرا برد ز خویش   طرفه کیفے است که با ساغرِ سرشار آمد

دل بستهٔ مهرِ توام جان دادهٔ عشقِ توام   پروانهٔ روئے توام تو شمعِ ماواے دگر
در کوے او افتاده ام خاکِ رهش گردیده ام   جز آستانش می سزد ما را نه ملجاے دگر
رنجے مبر بیفائده از بهرِ درمانم طبیب   بیمارِ عشقش بهر خود دارد مداواے دگر
بلبل چرا آشفته از شور و افغانِ عزیز
او داشت غوغا دیگرے داری تو غوغاے دگر

هرچند گریستیم د اکنون   اے واے که چشمِ تر نداریم
تیرِ مژه از زند چه باک ست   از بے جگری جگر نداریم
افسرده دلیست زیرِ پهلو   در گلخنِ تن شرر نداریم
آوارهٔ غربتیم و جز اشک   ما زادِ رهِ سفر نداریم
صیّاد نمیدهد رهائی   هیهات که بال و پر نداریم

ما در امیدِ وصلِ تو شبها گریستیم   در کنجِ خانه با دلِ شیدا گریستیم
از دیده آب آمد و بر دامنم نشست   اے طفلِ اشک واے چه رسوا گریستیم
جوشِ درونِ ما چه اثر کرد بر فلک   کز چشمِ زارِ عقدِ ثریا گریستیم

ازان روزے که دیدم چشمِ میگونش بچشمِ دل   ز خود بیگانه گردیدم بیک پیمانه مدهوشم

شبِ تاریک و جوشِ ابر و تابِ برق و شورِ رعد / هزار افسوس کامشب نیست ماهِ من در آغوشم
منه انگشت بر نبضِ منِ بیمار ای نبّاض
مریضِ عشقم و مانندِ نبضِ موج در جوشم

چو شبنم بر سرِ گل باده پیمائی نمی‌دانم / به رنگِ باغبان گلدسته آرائی نمی‌دانم
تمنّا هر طرف دامن کشان در ذوقِ وصلِ او / مثالِ برق بیتابم شکیبائی نمی‌دانم

دل را به داغِ حسرتِ جانانه سوختیم / قندیل را به رونقِ بتخانه سوختیم
بتخانه را به آتشِ میخانه سوختیم / صد کفر را بعالمِ مستانه سوختیم
بر باد داده ایم متاعِ شکیب را / از گرمیِ نگاهِ تو صد خانه سوختیم
یک جرعهٔ زیاده میسّر نشد هنوز / صد حیف در تحسّرِ پیمانه سوختیم
مستانه در هوای رخ و زلفِ او عزیز
چون باده سوختیم و چه دیوانه سوختیم

عقده از زلفِ گره گیرش خوش آسان کرده ایم / ای پریشانی برای خود چه سامان کرده ایم
پیرهن بارِ گران شد بر تنِ بیمارِ غم / ناتوانی را به دل دست و گریبان کرده ایم
چشمِ تر داریم و دلها چاک در یادِ رخش / خارِ حسرت در جگر از نوکِ مژگان کرده ایم
تا لبِ بامِ آفتابِ عمرِ ما باشد هنوز / ای اجل زود آ که جان را وقفِ جانان کرده ایم

کافرِ عشقِ بتانم دین و ایمان هیچ نی / عاشقِ لا مذهبم گبر و مسلمان هیچ نی
رحم بر مشتِ پرم صیادِ سنگین دل نکرد / بلبلِ بی آشیان مرغِ گلستان هیچ نی
سرد مهری های دوران التهابِ سینه داد / چشمِ گریان جز ای سیلِ بیابان هیچ نی
کاوشِ دلها نیفزاید بغیر از درد و غم / همّت ای نوکِ مژه خارِ مغیلان هیچ نی

نغمه گو مرغِ چمن غنچه ز شادی خندان / دیده‌ام امروز به گلگشت بهاری عجبی
کرد کاری عجبی در دلِ بیمارِ کسی / نرگسِ چشمِ کسی داشت خماری عجبی
رفت هوش و خرد و تاب و توان در دمِ آه / غمزهٔ غارتِ جان کرد چه کاری عجبی
گاه با غمزه کُشد گاه به تیغِ ابرو / این ندانم ز که آموخت شعاری عجبی

استدعا به درگاه حق سبحانه تعالی

خدایا مرا از من آزاد کن | دلم را ز رنج خودی شاد کن
دلی ده که فارغ بود از جهان | نگردد به آشوب آلوده جان
دلی ده که باشد ز عصیان بری | بملک قناعت کند سروری
دلی ده که یادت کند روز و شب | ز خود گم کند راه رنج و طرب
دلی ده که چون گل بود سینه چاک | برنگ دل بلبلان دردناک
دلی ده که چون شمع سوزد مدام | فروزد به پروانگی با تو نام
دلی همچو باغ ارم باغ باغ | دلی خانه افروز مشعل چراغ
دلی آتش افروز خوان خلیل | دلی آبرو بخش دریای نیل
دلی ناله پرواز بلبل مزاج | دلی آتش افروز در امتزاج
دلی چاشنی بخش شیرین لبان | دلی شورش افزای مجنون‌وشان
دلم را بشهر خود آباد کن | دلم را سوی مرحمت یاد کن
دلی کز غم تو نباشد تهی | دلی خالی از فکر امر و نهی
دلی ده که مانند ماهی بخاک | طپان باشد و باشدش سینه چاک
دلی ده که چون مرغ بسمل طپید | دلی کز برای تو بر جا نشد
دلی ده که آتش زند در شراب | دلی ده که سوزد زند نمکش کباب
دلی را که از تو نباشد خبر | درا دل که گوید که داند خبر
چو پیمانه باشد لبالب ز مے | بعشرت درآید چو کاؤس کے
دلی ده که صد چاک دارد بدل | دلی ده که از ما سوا منفصل
دلی حب دنیا فراموش کن | مرا بخش ای خالق جان و تن
دلی ده که آسا چگاه شد تنگ | شود بی‌گمان و شود بی‌درنگ
دلی ده که از پرتو نور تو | ز ظلمت برآید بسوی نکو
دلی شور محشر برانگیخته | دلی صد جهان آبرو ریخته

دلے رنگ در رنگ باشد چو گل — دلے نشّۂ بر نشّہ باشد چو مُل

ولہ

رسیدم درین باغ فرخا روش — برنگِ غریبانِ بیچارہ فش
روم صبحگاہان سوے ہر دوار — کنم پاک از غسل این جسم زار
برم التجا پیش مرتاضیان — کنم حلِ مشکل ز ستاسیان
تمنّاے خاطر بر آرم زول — ز خدمتگذاری نگردم خجل
نہم تارکِ عجز در پاے شان — در آرم بجا شرطِ خدمت بجان
گلیم اطاعت نہم برسرم — نصیبے ز الطاف آنہا برم
بجواہم از وشان مرادِ دلت — کہ تا بر رسم برسرِ منزلت
یقین دارم از لطف و اخلاقِ شان — کلاہم رود بر سرِ آسمان
بر آید مرا آرزوے تمام — دریں نیست ہرگز مرا یک کلام
کنون کار از دست و دستم زکار — شدہ ناگہان اے ثریا وقار
دریں دَورِ دوران نہ بینم کسے — کہ بر من نماید کرم اندکے
شما گر بخواہید از ما سخن — خرامان بیائید اندر چمن
دمے تا نشینیم یکجا بہم — نمائیم خالی دل از بیم وہم
وزان پس بگوئیم علیک السلام — علیک السلام و علیک السلام

نہ این نظم گفتم گہر سفتہ ام
بہ کرتا کشن نامم خود گفتہ ام

انتخاب مثنوی سام و پری دخت

پس از حمد خلّاقِ بیچون و چند — چنین گوید این عاجز مستمند
کہ شاہِ خراسان زرّین کمر — حضورِ منوچہر والا گہر
فرستاد نامہ بصد انکسار — نگارش چنین داد کاے تاجدار
توئی رونق افزاے ہر انجمن — توئی سرورِ سروران زمن

توئی دادخواه ستم دیدگان / توئی سایه گستر بفرق جهان
سر تاجداران جمشید فر / معین و مددگار هر تاجور
توئی چاره فرمای بیچارگان / توئی عالم آرای کشورستان
پناه بزرگان ایران توئی / خداوند شاهان توران توئی
نواح خراسان یکی اژدها / زریک چند دارد قیامت بپا
بدم درکشد آدم و دام و دد / خرابی رساند به شهر و بلد
امید مدد از تو دارم بسی / که بفرستی از پهلوانان کسی
یل پیلتن سام جنگی جوان / شنید این سخن چون ز شاه جهان
بایستاد چون خادمان پای تخت / جبین سود و گفتا که این کار سخت
بتائید و امداد لطف اله / به نیروی بازوی اقبال شاه
رسانم به انجام و سازم زبون / سرش را بیکدم کنم غرق خون
چنین داد پاسخ یل نامور / مرا خواست از رستخیزش خطر
کنم وقت هیجا دو پاره تنش / بکوبم سرش بشکنم گردنش
بگفتا و بر اسپ گشته سوار / روانه شده سوی ناهموار
بپای قلم منشی نیک پی / طریق نگارش چنین کرد طی
گذر کرد چندی بدینسان چو سام / نیامد خوشش نغمه و دور جام
صدای نغم خاطرش بر گرفت / هوای شکارش بسر در گرفت
خرامان رسیدند در مرغزار / همه لشکر و سام جنگی سوار
چه دشت مطرا چو فصل بهار / بهر چار سویش روان آبشار
گل و لاله و سبزه و ارغوان / نسیم بهاری و آب روان
لب جو سهی سرو ایستاده بود / کنار چمن سنبل افتاده بود
چنار آتش از دل برافروخته / هوا دلش دل طایران سوخته
چو دید آنچنان دشت رشک بهار / دل سام بشگفت چون لاله زار

خرامنده گورے بنظرش رسید   درآمد سوے صیدگاه و رمید
همان دم یلِ سام زور آزما   دوانید بر پشتِ او باد پا
ولیکن نه شد بند در دام او   نهان از نظر شد نشد رام او
تجسّس کنان هر طرف میدوید   که تا صید رم کرده گردد پدید
غرض رفته رفته بوقتِ سحر   رسیده لبِ جوے آن نامور
دران مرغزار و لبِ آبجو   گلِ تازهٔ تر پر از رنگ و بو
صفیرِ عنادل گلِ بوستان   بهارِ چمن رشک باغِ جنان
نگه کرد ایوانِ زرّین نگار   بهارِ چمن زو شدے شرمسار
یلِ نامور زد قدم چون بباغ   بفرطِ طرب با دلِ پُر فراغ
یکایک پری پیکرے را بدید   ز دیدار او خاطرش آرمید
نظر کرد او رنگِ زرّین دران   یکے پرنیان نیلگون درمیان
کشیده است نقاش مانی نژاد   بران پرنیان صورتِ دل نهاد
پری دُخت نامش پری پیکر است   سمن بو گل اندام و سیمین بر است
چو آن صورتِ دلربا سام دید   بعشقش چو گل پیرهن بر درید
بیادِ لبِ او چو مے نوش کرد   بیفتاد و خود را فراموش کرد
برنج و تعب این دلِ زار شد   بدردِ جدائی گرفتار شد
نه در دل صبوری نه در چشم خواب   فزونست هر ساعتم اضطراب
همی گفت اے وا شب فرقتم   بسر چون شود هاے با درد و غم
همه شب درین آه و زاری گذشت   بدرد و غم و بیقراری گذشت
برآمد چو خورشید عالم فروز   کمر بست آن سرورِ نیک روز

در خواب دیدن سام پری دخت را

بیفتاد در خواب باغے نظر   مطرّا و خندان و شاداب تر
همه داشتند این سخن بر زبان   که آمد پری دخت در بوستان

چو در گوش سام دلاور جوان در افتاد نام بت دلستان
یکایک در افتاد بر روی خاک ز دیوانگی پیرهن کرده چاک
پس آنگه که آمد به هوش آن جوان بگفتش که ای دلبر دلستان
توئی مرهم ریش و آرام دل برآید ز لعل لبت کام دل
نه در دل صبوری نه در سینه تاب نه طاقت بجانم نه در چشم آب
به تیغ محبت ذبیح تو ام بشورش ز حسن ملیح تو ام
بکن چارهٔ خاطر دردمند دوای دل عاجز و مستمند
پریدخت بشنید چون این سخن بگفتار شیرین شده حرف زن
عبث این همه گفتگوهای تست عبث این همه جستجوهای تست
به مهر تو صد لاله جان میدهد به درد محبت جگر میدهد
توئی جلوه فرمای تخت مهی عبث دل به عشق و محبت نهی
مقام محبت سر تخت نیست به دلدادگان یاری بخت نیست
سزد عاشقان را اقامت بخاک جگر خون دل آشفته و سینه چاک
چو بشنید قول پریدخت سام درآمد بجوش آن یل نیکنام
بناگاه از خواب بیدار شد به اندوه و درد و الم یار شد
بده ساقی آن می که شور آورد نمکپاش زخم جگرها شود
برآرد ز اقلیم راحت برون بملک خرابی شود رهنمون

رسیدن سعدان و سام در اقلیم چین

دبیر رقم ساز صاحب خرد به کلک قضا همچنان نقش بست
فرستاد سعدان خبر پیش شاه که آمد پریزاد با عز و جاه
به ایوان شاهی چو آن رشک حور رسید و شده قصر لبریز نور
از آنجا به ایوان خواهر رسید هم آغوش گردید با صد امید
بپرسید ای خواهر و جان من که بر دست بیان کن ازین انجمن

چو رنج و مصیبت کشیدی بگو — چہا درد افزود بر جانِ تو
شبے زندہ جادوے دیو لعین — زایوان مرا بُرد اے مہ جبین
چو بیدار شد بخت ناسازگار — در آمد جوانے زایران دیار
سمن بو گل اندام و نسرین عذار — شود مہر و مہ بر رخِ او نثار
نگہ ناوک انداز و ابرو کمان — مژہ ہمچو نوکِ سنان جان ستان
دو چشمش فسون ساز و جادو طراز — پئے غارتِ جان و دل فتنہ باز
دہان بے سخن رشکِ قند و نبات — بہ دل مردگان بخشد آبِ حیات
لبش قدرِ عنّاب درہم شکست — گرہ در دلِ نیشکر زار بست
منوّر ز پیشانیش قرصِ ماہ — نہد پیش او چرخِ گردان کلاہ
چو عشقِ تو اندر دلش جا گرفت — زحبِّ وطن خاطرش وا گرفت
ترا ہم چنین زیبد اے ماہوش — دل پُر حزینش کنی شاد و خوش
ز دیدارِ خود نا امیدش مساز — بحالِ نزارش بہ پرداز و ساز
پریدخت بشنید چون این سخن — بدل شاد گردید و شد خندہ زن
بظاہر دلے خوردہ صد پیچ و تاب — پریزاد را داد زینسان جواب
اگر گلعذار است آن نوجوان — ندارم سروکارے ہرگز ازان
تو دیوانہ سان ژاژ خائی مکن — زبیگانگان آشنائی مکن
گذر زین حکایت بکش جام مئے — شنو رود و بربط و دف و چنگ و نئے
بیا تا دمے صرفِ عشرت کنیم — وداعِ غم و رنجِ کلفت کنیم

عاشق گشتن پریدخت بر سام

پریدخت بشنید چون این خبر — کہ مہمانِ شہ شد یلِ نامور
بگفتش پریزاد را دلستان — بیا بر سرِ قصر جلوہ کنان
بہ یکسو نشستند ہر دو نہان — کہ تا رازِ مخفی نگردد عیان
درین بزمِ عشرت یلِ شیرزاد — پریدخت را در نظر اوفتاد

بدانست آن غیرت گلستان — کہ ایں ہست سام دلاور جوان
درافتاد بیہوش آن نازنین — سراسیمہ و مضطرب بر زمین
ہمہ داد برباد تاب و توان — شدہ سخت رنجور آن دلستان
کہ اے دشمن جان این ناتوان — بلا ریختی بر سرم ناگہان
گرفتار کردی بہ دام بلا — کنون بس محال این کہ گردم رہا
بیا و بکن چارہ کار من — بیا بر سر من غمخوار من

ملاقات سام با پریدخت

عنان خیز میرفت سام جوان — کہ برخاست در راہ شور و فغان
نظر کرد خیلے ز خوبان چین — ہمہ مہر طلعت ہمہ مہ جبین
خرامان بصد شوق در مرغزار — ہمہ شاد و خرم بہ رنگ بہار
درین دشت باغیست رشک بہشت — بنام پریدخت نیکو سرشت
بہنگام فصل گل و نوبہار — خرامان ہمی آید این گلعذار
غرض رفتہ رفتہ بصد آرزو — درآمد بہ گلزار آن ماہرو
درآمد ز بالائے ایوان فرو — قریب سراپردہ آورد رو
خروش سرائی و شور نغم — چو بشنید آن مرد فرخ شیم
بہ آواز دلکش ترنم سرا — شد آن شیر صولت بہ مہر و وفا
برآورد مضمون رنگین زوال — کہ اے غیرت گلرخان چگل
چو زلفت پریشانت آشفتہ ام — گہر ہائے اشک از مژہ سفتہ ام
کجائی تو اے راحت جان ما — کجائی تو اے درد و درمان ما
تو دمساز باشی بہ چنگ و رباب — من اینجا ز حسرت خورم پیچ و تاب

طلب کن مرا یا بیا پیش من
تو اے غیرت طلعہ تنگ چمن

رسیدن سام پهلوان زیر قصر پریدخت

چنین گفت راوی شیرین بیان | جدا از قمر رُخ چو شد پهلوان
بعزم وصالِ پریدخت زود | روانه ازانجا شده مثلِ دُود
غرض رفته رفته یلِ پُر امید | بهنگام شب زیر قصرش رسید
بگفتش پریدخت شیرین ادا | وصالم محالست اکنون ترا
هم آغوش سازد قمر رُخ ترا | دِرِ عشق سازد بروے تو وا
ادا خوب کردی طریقِ وفا | همین بود امیدے ز تو مرحبا
خطا شد زمن اینکه شیدا شدم | بعشقت بهر ملک رسوا شدم
بهر شهر و اقلیم شد آشکار | زعشقِ تواے سرورِ نامدار
توگشتی گرفتار بندِ گران | اسیرِ غم اینجا شدم ناگهان
چنین گفت و از غصه چین بر جبین | روان شد سوے خانه آن نازنین
بصد نا امیدی یلِ تیره روز | بر آمد ز گلزارِ آن دلفروز
نه هوشے که دل را بکارے دهد | نه صبرے که جان را قرارے دهد
نه آنرو که تا رُخ کند سوے یار | نه آن ره که آنسو نماید گذار
گهے اشک از چشم تر ریخته | گهے خاک بر فرقِ غم ریخته
به صحرا نوردی شب و روز بود | دلش مخزنِ آهِ پُر سوز بود
غرض با غم و ناله و درد و آه | رسیده سرِ چشمه وقتِ پگاه
چراگاه و ماواے نخچیر بود | که سامِ جوان آنجا آمد فرود

ملاقی شدن پریدخت با سام
در صحراے پُر هول

کنون از پریدخت آرم خبر | که چون رفت زانجا یلِ نامور
چگویم چه شد حالِ آن مه عذار | کشید آه پُر درد و شد بیقرار
زبس منفعل شد به گفتارِ خویش | پشیمانی آورد از کارِ خویش

درون شبستان نیامد قرار / برون آمد و شد به توسن سوار
به دشتی که مسکن گزین بود سام / در آنجا رسید آن بت خوشخرام
در آمد یکایک نظر رخش او / یقین در دل آورد آن ماهرو
که بیشک همین جا بود صید من / همان صید رم کرده از قید من
روان پیشتر شد چو آن نازنین / در آمد نظر آن یل دل گزین
روان اشک گلرنگ از چشم تر / جگر خسته و خاک بیزان بسر
فغان از لبش بود هر دم بلند / ز دو چشمش گهر بار و دل دردمند
پریدخت را دل بحالش بسوخت / شرار محبت در دلش برفروخت
همی خواست تا سر نهد پیش پاش / ولی عشوه و ناز گفتش که باش
بگفتش پریدخت رشک چمن / چه داری نژاد و کجایت وطن
بدو گفت سام نریمان چنین / که برده است دل دختر شاه چین

عقد نکاح بستن سام با پریدخت

نوازندهٔ کوس این داستان / صدای چنین برزد از باستان
چو بنشست شاهان به تخت زری / سپهدار با شوکت سروری
دلاور بگفتش بفر و سرور / که بزم عروسی پذیرد ظهور
به آئین و رسم کیومرث شاه / بهم عقد بستند وقت پگاه
ز اقلیم چین کرد عطف عنان / شد و سوی اقلیم ایران روان
چو در شهر خاور رسید آن جوان / اقامت گزیدن گشته با فر و شان
گهی بزم و گه خلوت و گه شکار / گهی سیر باغ و گهی کوهسار
پیاپی روان بود چون دور جام / زمانه هوا خوش فلک شد بکام
از انجا روان بار شد پهلوان / سوی ملک ایران بصد فر و شان
بنگه شهنشاه والا تبار / مرتب شد و بزم رنگین بهار
دو گشتند فارغ ز عیش و نشاط / بشد نامور از در ارتباط

جوان را قبا دادہ زرین کمر — کلاہ و کیانی نہادش بہ سر
پس آنگہ جوانمرد کیوان نشان — ز شہ گشت رخصت سوے سیستان
شکار افگنان با نشاطِ تمام — بزابل رسید آن یلِ نیک نام
سرِ نو درآمد بہ زابل بہار — شد از جلوہ ات دشت و در زرنگار
الٰہی تو سرسبز باشی مدام — دوامت بود چرخ گردان بکام

بفضلِ خداوند گارِ جہان
رسانندم بہ اتمام این داستان

جناب عزیز نے اس مثنوی کی کتابت بتاریخ ۱۳؍ اکتوبر ۱۸۶۹ء ختم کی تھی۔

قصیدہ

دم میزند ز جوہرِ تیغِ تو آفتاب — گردون بہ پیش میدود و ماہ در رکاب
آن اشجعی کہ رستمِ دوران ز خوفِ تو — بگریزد آنچنان کہ ز بادِ خزان سحاب
با چشمِ خشمگین گر نگری سوے دشمنت — سوزد جگر کباب شود دل گرِ عتاب
آندم کہ در مصاف کشی تیغ از میان — مریخ را ز سہم شود زہرہ ہمچو آب
گر حاسدے بہ حشمت و جاہت نظر کند — سوزد در آتشِ حسدِ خود بصد عذاب
بر رخش گر سوار شوی سوے صیدگاہ — از تابِ تیغ سینۂ شیران شود کباب
تو آن دلاوری کہ ز تقدیر شد رقم — بر پرچمِ لواے تو لفظِ ظفر مآب
آن اختری براوجِ جمال اے مدارِ حسن — کز جلوۂ نگاہِ تو روشن شود شہاب
در گلستانِ بزمِ تو گلہاے رنگ رنگ — پاشند ز آبِ شبنم ہر روز و شب گلاب
امرِ نہی بہ بزم رسد چون بہ دورِ تو — ساقی پیالہ بشکند از مجلسِ شراب
داؤد نغمہ ساز بود در مقامِ تو — زہرہ بہ محفلِ تو کند رقص بے حجاب
گر بہرِ سیر در چمن آئی سحر گہان — خیمہ ز ابر گردد و باران شود طناب
آن ماہ پیکری کہ ز حسنِ جمالِ تو — مہ ز ابر میکشد بہ رخِ خویشتن نقاب
در عہدِ نو بہارِ تو ترتیب میدہد — بلبل بہ وصفِ حسنِ تو ز اوراقِ گل کتاب

جوشِ بہار و ابر گہر وار و سبزہ زار
در گوشِ گل ز قطرۂ شبنم دُرِ خوشاب

آن حاتمی کہ پیشِ عطاے تو دستِ غیب
برخاک میکشد الف ہاے بے حساب

آن نیک منظری کہ ز رشکِ جمالِ تو
گل چاک میزند بہ گریبان ز اضطراب

آمد عزیز بر درِ دولت سراے تو
بروے نگہ ز لطف تو اے مالکِ رقاب

در بحرِ فکر و غور زبس غوطہ ہا زدم
نامد بجز دعاے تو در کف ز خوشاب

از فضل و مہر و لطفِ خداوندِ کارساز
بر روے تو مدام کشاید ز فتح باب

از گردشِ زمانہ بہ امن و امان مدام
باشی بہ صدرِ جاہ و جلال اے فلک جناب

دورانِ عیش و جاہِ تو دائم خجستہ باد
ناید ز چشمِ زخم بدورِ تو انقلاب

غیوری - پنڈت گوپال کول صاحب متخلص بہ گوپال و غیوری -

آپ کے مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے۔ آپ غالباً مہاراجہ گلاب سنگھ آنجہانی کے ابتدائی دورِ حکومت میں بمقام سری نگر کشمیر پیدا ہوئے اور ریاست جموں میں سکونت پذیر تھے۔ آخیر میں افسر دفتر صدر یعنی بعہدۂ اکونٹنٹ جنرل مامور ہوئے اسی وجہ سے آپ کا خاندان اب تک "دفتری" کے نام سے مشہور رہے۔ فارسی میں خاطر خواہ تعلیم پائی تھی۔ اس کے علاوہ زبانِ سنسکرت کے ماہر اور شعر و سخن سے نہ صرف مذاق آشنا بلکہ اچھے شاعر بھی تھے۔ بھگتی اور یادِ الٰہی میں مگن رہتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد کلامِ منظوم اور "ترجمۂ وشم اسکند بھاگوت" کی طرف متوجہ ہوئے۔

کلام میں سلاست اور درد موجود ہے۔ محاسنِ شاعری اور دیگر خصوصیات کلام سے بھی ناآشنا نہیں۔ تقریباً اسی سال کی عمر پاکر اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ افسوس ہے کہ سوائے ترجمۂ "وشم اسکند" کے آپ کا متفرق کلام دستیاب نہیں ہوا۔ بامرِ مجبوری فقط اسی کتاب کے انتخاب پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مناجات

غفّار و مکرّم و کریمی — ستّاری و راحم و رحیمی
دانائی و آگہ و خبیری — بینائی و ناظر و بصیری
بخشندۂ جرم و عذر خواہی — برپا زتو ماہ تا بہ ماہی
اے نامِ تو بیش ازانکہ خوانم — وصفِ تو بروں ازآنچہ دانم
اے حاصل ازتو جملہ حاجات — واصل بدرِ تو ہر مناجات
اے بر ہمہ کارساز و کافی — ہر دردِ کہ را ہمیشہ شافی
اے آنکہ ازآنچہ ناپدیداست — بینائے ہر آنچہ کس ندیداست
اے ازتو تمام کارِ ہر دل — دردستِ تو اختیارِ ہر دل
از قدرتِ خود کنی ہویدا — پیدا ز نہان نہان ز پیدا
درگنجِ تو دم نمیتوان زد — زین راہ قدم نمیتوان زد
من کیستم و چہ کارہ فرما — بیچارہ ام و تو چارہ فرما
خواہم کہ نرانی ازرہِ خویش — خوانی زکرم بدرگہِ خویش
خواہم کہ حسابِ من نہ پرسی — ازبیش و کمم سخن نہ پرسی
دوشم غرقِ گناہ تا دوش — بوداست امروز زو زسر جوش
درواچہ شود چہ چارہ جویم — چون دست ز بودِ خود بشویم
مپسند خجالتم کریما — رحمے بر حالتم رحیما
توبے ہمتا بعذر خواہی — من ہم یکتا بہ پُر گناہی
بنواز کہ ہر دو ایم یکتا — من درگنہ و تو درکرم ہا

ظہورِ تولدِ شری کرشن جی مہاراج کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

یک نیم شبے کہ بود در نور — ہمچون شبِ نیمروز مشہور
فرخندہ شبے چو نیک روزے — ہمچون شبِ وصل دلفروزے
این شب کہ شبے است روشنی دہ — گفتندش از فلک ملک زہ

خورشید چو عاشقان مدامش جوئندهٔ وصل صبح و شامش
در نیم شبان که خلق عالم بودند به خاطرِ فسرا اهم
آسوده جهان ز شور و غوغا هر کس به مقام خویش برجا
آن یکتا دُر بُرجِ قالب با شکلِ چهار دست آن شب
در ساعتِ سعد دیوکی را از بطنِ سعید شد هویدا
چون مهر ز مشرقِ سعادت فیروزه موافقِ سعادت
موزون بقد و به حسنِ نیکو رنگش به ملاحت است دلجو
پُر نور دو چشمش از مه و مهر روشن کنِ چشمِ مردم دهر
پوشیده لباسِ زعفرانی آن جانِ جهان به بوستانی
دریک دستے بود مدامش ناقوس که هست شنکه نامش
در دستِ دوم شده مزیّن چکّر است بنام آن سودرشن
وان پدم بدستِ چارمین است در اصل گلِ کنول همین است
چشمش چو گل و کنول دهانش چون غنچه و برگ آن زبانش
زین مژده نسیم شد معطّر بیوقت ز آب زد کنول سر
زین مژده چو گل شگفت هر دل یک خارِ غمی نماند در دل
زین مژده شد از فلک منادی یک شادی و صد هزار شادی

روزے همه گوپیان به عادت از بهرِ حصولِ آن سعادت
گرد آمدند چون شدند آنجا مشغول به عزم غسل و پوجا
یکبار به سجده سر نهادند وانگه درِ التجا کشادند
بینیم عیان جمالِ شری کرشن یابیم همه وصالِ شری کرشن
شری کرشن که آگه از ضمیر است علمش ز همه نهان خبیر است
بے آگاهانه از پسِ شان گشت آن کسِ بیکسانِ پشان
عریان شده آن همه چو در آب بر رفتند برائے غسل در آب

در بازی چون شدند مشغول آنجملہ لعبتانِ مقبول
پوشیدنی کزان خبر داشت زیشان پوشیدہ رفت و برداشت
بر نخل کدنبہ بر لبِ آب کان داشت قدم بہ مشربِ آب
بگذشت و نشست در تماشا بگذاشت نگاہ بر تماشا
بعد از غسل آن پری رخان چون از آب برآمدند بیرون
دیدند کہ رخت ہا بجا نیست آگاہ کسے ز ماجرا نیست
شرمندہ دگر در آب رفتند غرقِ عرقِ حجاب رفتند
در آب پُر اضطراب و بیتاب چو ماہیِ بر کنار بے آب

شری کرشن چندر مہاراج کی بانسری بجانے پر گوپیوں کے محو ہو جانے کے متعلق لکھتے ہیں

وقتے شبے از میانِ شبہا از خوبیِ لطف و جانِ شبہا
از بسکہ نسیم بد معنبر مے ساخت دماغِ جان معطر
شری کرشن کہ بانسری نوازان مے رفت براہ مست و نازان
زان زمزمہ ساز بود در دور سوزے بزمان و بر زمین شور
کردندے آن صدا چو در گوش گوپیہا میشدند از ہوش
زانگونہ کہ ہر یک اندر آن حال میرفت ز دست و پا بر آن حال
میدوشید آنکہ شیر از دست افگندے ظرف میشدے مست
میکرد کسیکہ سرمہ در چشم یا دیش نماندے از دگر چشم
آنکس کہ بخواب بود یکبار حیرت زدہ وارگشتہ بیدار
پیش از ہمہ در حضورِ شری کرشن تابان مے شد بنورِ شری کرشن

شری کرشن چندر مہاراج کے ناگہان غائب ہو جانے پر گوپیوں کی بیقراری
کا سمان یوں باندھتے ہیں

شری کرشن چو غائب از میان شد روپوش ز چشمِ گوپیان شد
نازان کہ ز بس بخویش بودند سرشار بجامِ عیش بودند

تنها چون رفت از بر شان — رفت از تن پاس شان برون جان
آنگاه بصد نیاز و زاری — وز بس سرگشتگی و خواری
آهو صفت از قطار خود دور — افتاده ز چشم یار خود دور
در راه طلب فتان و خیزان — خوناب دل از دو دیده ریزان
هر سو نگران و چشم در راه — وا کرده نظر بسوی هر راه
زان گمشده می‌شدند پویان — از هر طرفی سراغ جویان
میگفتند ای کجا شد آیا — چون شد که ز ما جدا شد آیا
کو آن بدل آرمیدهٔ ما — آرام دل رمیدهٔ ما
کو آن سرو سایهٔ تن ما — چون جان همه مایهٔ تن ما
کو آن گهر یگانهٔ ما — گم گشته متاع خانهٔ ما
کو راحت جان خستهٔ ما — پیوند دل شکستهٔ ما
ای چرخ بگو که ماه ما کو — کو ماه شب سیاه ما کو
هان ای دل ما نشان از او کو — آن بی همه با همه بگو کو
زین گونه ز خواب و نوش رفته — چون شیفتگان ز هوش رفته
قمری صفت از فراق آن سرو — کوکو زنان ز اشتیاق آن سرو
از بسکه پر اشتیاق بودند — استاده بارے بجے نمودند
کای گلها همه درختان — علامتان و سبزه بنان
از مشتری کرشن آگهی شما را — گر هست نشان دهید ما را
از بس سر سبز و تازه رونید — با ما خبری از او بگوئید
تلسی تو که هر زمان و هر آن — میباشی در تک نشان
در ده از جنبش زبانی — ما را ز آن بی‌نشان نشانی
زان راحت جان بده سراغی — یابد دل ما مگر فراغی

چون آن ہمہ این ہمہ بخواری
بو وند بحالِ بے قراری

فریاد زخستگانِ نارس
اے داورِ ما بدادِ ما رس

فریادِ دشتِ دردمندان
اے یاورِ ما وفاپسندان

فریاد کہ زار و ناتوانیم
ہجرانِ تو تا کجا توانیم

تا چند شکیب در فراقت
رحمے کہ دگر نماند طاقت

مارا قدرے نماند یارا
یارا نظرے بلطف مارا

غافل از حالِ زارِ مائی
نے ہیچ خبر زکارِ مائی

مارا بہ غم و محن فگندی
تنہا از خویشتن فگندی

داد از تو کہ بردۂ دل از ما
ماندی آنگاہ غافل از ما

داد از تو کہ جز الم ندادی
رفتی و بغیر غم ندادی

داد از تو کہ دل گرفتی از ناز
جان دادیم و ندادۂ باز

باز آ کہ بروے فرخت باز
خواہیم نمود دیدہ یا باز

باز آ کہ براہِ انتظاریم
کن چارۂ ماکہ چشم داریم

باز آ کہ شدیم جملہ تن چشم
طاؤس وش از ہمہ بدن چشم

چشمیم کہ جلوہ کے کنی باز
گوشیم کہ حرف کے زنی باز

باز آ از عتاب و ناز باز آ
باز آ اے چارہ ساز باز آ

شری کرشن چندر مہاراج کی تعریف گوپیوں کی زبانی اس طرح بیان کرتے ہیں

اے مایۂ جان ز فرق تا پا
سرمایۂ زندگی سراپا

اے جلوہ ات از سر ادا ہا
غارتگرِ ہوش و دلربا ہا

اے قدِّ تو جانِ جان سراسر
موزون الفے عیان سراسر

اے کاکلِ پُر خمت کمندے
انداختہ ہر دلے بہ بندے

اے جعدِ تو پُر گرہ فتادہ
از کارِ جنون گرہ کشادہ

اے جبہ ات از سرِ تجلّی
روشن شدہ مظہرِ تجلّی

ای بر پیشانی تو تشقه … تابنده فروغ مهر بر مه
ای ابروی تو به دلبری طاق … جفت تو ز بی حساب بیباق
ای چشم تو دلفریب مردم … تاراج گر شکیب مردم
ای کرده کرشمه را اشارت … تا کشور دل دهد به غارت
ای از نظرت یقین گمانها … بنموده نهان همه نهانها
ای عشوه ات از فریب و نیرنگ … ملک دل و جان گرفته بی جنگ
ای بانسری از لبت نواساز … جان در تن مرده و دیده باز
ای نوش لب تو بانسری را … تعلیم نموده دلبری را
ای از تو بکام کام مرلی … خلقی بگذشته بر رام مرلی
ای از لب تو امید مرلی … بر مرغ دل از صفیر مرلی
مرلی تا بر لبت رسیده … خلق از [illegible] زبان بریده
مرلی ز لبت چو کامران شد … غارتگر هوش دلبران شد
مرلی ز لبت چو بهره ور شد … شیرین ز هزار نیشکر شد
مرلی به لبت چو دسترس یافت … خود را به حیات جاودان یافت
مرلی که به صحبت آشنا شد … بیگانه از خود و ز دست و پا شد
مرلی خود خشک و خالی از دست … از گوش نوا مست و دیده تر مست
مرلی ز لبت چو کامجو شد … جنبید کام و زبان به گفتگو شد
کی یاد کند به پیش کی هم … سنگ شاد کند به یک نگاهم
ای وای به حال زار جانم … [illegible] کارم ای وای
چون سازم و چون کنم به چاره … [illegible] خیال که ساخت [illegible] دو باره
ای وای گر از [illegible] … [illegible] به جهد [illegible]
با خود ز نیکو شده [illegible] … [illegible] به حال خویش [illegible]
[illegible] … [illegible]

زینسان شدے آن جفا رسیدہ | تا آنکہ بدوار کار رسیدہ ۵
خود را بہ درِ سراے عالی | آن بے سر و پا رسانُد حالی
ترسان لرزان زدر در آمد | با خاطرِ پُر خطر در آمد
ہر دم بہ قفا نگاہ مے کرد | میرفت و بخویش آہ میکرد
کاید کسے از زخا جبانم | ترسم کہ کشد کشان کشانم
آن برہمن از چنین عنایت | وز اینہمہ لطفِ بے نہایت
حیران شد و در تعجب افتاد | گفت آیا برمن اینچہ رُو داد
این حال مگر بخواہم آید | یا در بیداریم نماید
یا گشت فلک بکامم امروز | کآرامِ دل است رامم امروز
یا شوقِ نہفتہ شد پدیدار | کم ساختہ بختِ خفتہ بیدار
بودم بہ کجا کجا رسیدم | وین دیدنی بدیدہ دیدم

غزل

اے شاہبر از تو دُور تا کے | دُور از برِ تو صبور تا کے
در سجدۂ آستانِ حضرت | آید ز سرم قصور تا کے
از پردہ برون نمی نکو راے | تا کے نکنی ظہور تا کے
وصلِ تو سرورِ جان و جانم | مہجور از آن سرور تا کے
جانا قدرے ز ناز باز آئے | با دل شدگان غرور تا کے
زین سوے محیطِ دھرم اُفتوے | تا کے نہ ہی عبور تا کے
اے شری کرشن از رقیب بزمت
گوپال بود غیور تا کے

ترجیع بند

اے پاے تو از صفاتِ ما پاک | از پاک صفت چہ میکند خاک
وصفِ تو فزون تراست و بیرون | ز اندازۂ عقل و حدِّ ادراک

مارا از روے خود مگردان | نومید بجان آرزو ناک
تا کے ز تو دور میتوان زیست | جان خستهٔ و سینه ریش و دل چاک
بالاے تو سرفراز چون سرو | ما پستی ما فگنیم چون خاک
مارا یارا کجاست پارا | کافتیم به رهگذر تو چالاک

آلا که اگر نگه از تو باشد
یعنی که توجه از تو باشد

از تو قدمے رسید نتوان | جز تو دمے آرمید نتوان
صبر از تو جدا نکوست گویند | گویند و لے شنید نتوان
چون دل به شست کشد ازین پا | بستن ز کسے کشید نتوان
هرچند که تیز تر ز تیغ است | زیر نگهت طپید نتوان
یک برگ گل از بهار وصلت | کے چید توان که دید نتوان
در راه تو جان رسید برلب | در وادی رهت رسید نتوان

آلا که اگر نگه از تو باشد
یعنی که توجه از تو باشد

اے خوبترین خوب رویان | وے بهتر نکو از همه نکویان
از روے تو گل ز موے سنبل | دریافته رنگ این و بوے آن
تا کے پیش دیدن تو باشم | با آب دو دیده دست شویان
رنج آرزو [illegible] | بوسے از لطف چهره آرزویان
پسند کز آب جو جو دست | [illegible] آهی سبو یا ان
کو بکن ایک گرچه باشم | وصل تو بصد تلاش جویان

آلا که اگر نگه از تو باشد
یعنی که توجه از تو باشد

من از تو به مدعاے دیگر | هر دم زخمم از بناے دیگر

داغ ز تو باغ دیگرے خوب — درد تو به از دوائے دیگر
هر سوئے ز گیسوے مسلسل — بینم به تو مبتلائے دیگر
بشنیدی نالهٔ ام ز اشکم — نشنیدی ماجرائے دیگر
پسند مرا که رفته باشم — از پیش تو در قفائے دیگر
جائے که صد آرزو شنیدی — کن گوش یک التجائے دیگر
دانستم من که دید نتوان — روئے تو به سعی هائے دیگر

آلا که النو گره از تو باشد
یعنی که توجه از تو باشد

عمریست که از برم جدائی — اے عمر کجے از درم درآئی
یکدم به سرم نداری آرام — شورام چها گریزپائی
من بے تو چه رنج ها که دیدم — اے راحت جان من کجائی
بیگانه ز خویشتم اے یگانه — بخشائے بخویشتم آشنائی
مهجور در عین وصلم اے وائے — پیش منی و بمن نمائی
بر درگه عرش سایت اے کاش — اے آسائیم به جبه سائی
در وصل تو اے گره کشائیم — آسان نه بود گره کشائی

آلا که النو گره از تو باشد
یعنی که توجه از تو باشد

آنی تو که خود ترا تو دانی — دانی و بری ازین و آنی
پیدا همه را کنی و پنهان — خود با همه بے همه همانی
پیدا است که جمله از تو پیدا است — چون پیدائی چرا نهانی
دور است بجو دت از وجودم — اے صاحب جود و مهربانی
من پست ترم ز پستی خاک — تو برتر از اوج آسمانی
پیش تو کجا توان رسیدن — با این همه ضعف و ناتوانی

آلا کہ اتو گرہ از تو باشد
یعنی کہ توجہ از تو باشد

اے آنکہ تو بے منی و با من — ہر جائی و جو یست کجا من
تا وصل توام نمے دہد دست — من وست ندارمت ز دامن
بیگانگی از من این قدر چیست — اے گشتہ بدروت آشنا من
تو با من و ما من تو جویان — تا بینا یا دبا بجا من
امریست محال دیدن تو — دانستم خوب حالیا من
آن وصل سعید کے توان یافت — گر سازم سعی عمر ہا من

آلا کہ اتو گرہ از تو باشد
یعنی کہ توجہ از تو باشد

وحشت پنڈت کدارناتھ دکشٹ صاحب۔ نیز صفحہ ... ملاحظہ ہوں

آپ امانت لکھنوی کے شاگرد تھے۔ جلد اول میں شاگرد امانت لکھنوی تخلص سے درج ہوا ہے۔ ۱۹۰۸ء میں آپ پرتاب گڑھ میں سر رشتہ دار اجلاس ڈپٹی کمشنر بہادر تھے۔ اسکے بعد آپ نے اناؤ، فیض آباد اور دیگر مقامات میں اسی عہدہ کی خدمات کو انجام دیا۔

دریا، چاک ہائے قفس کیوں کھلتے تھے بند — گر عندلیب زار سے تو بدگماں نہ تھا
پچھتا رہے ہیں آکے یہاں، تو اب نہیں — کیوں آئے کوئی کام ہمارا یہاں نہ تھا
پہلے پہل وہ آئے تھے جب بے نقاب — پردہ حجاب آئینہ پیدا یہاں نہ تھا

وہ جا رہے وہاں ... نہ کہ سکے
... نہ تھا

[illegible]

چمن میں آتشِ گل اس قدر بھڑکی ہے اے گلچیں
گماں ہوتا ہے ہر اک دیکھنے والے کو گلخن کا

ہیں آپ شاہِ حسن یہ ہے شانِ کج کلاہی بندھوایئے حضور نہ مہندی لگا کے ہاتھ
بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گل آ گئی بہار گلچیں چمن میں پھولوں کو توڑے بچا کے ہاتھ
میں خوب جانتا ہوں بہانہ دعا کا تھا وہ مجھ کو آج کوس رہے تھے اٹھا کے ہاتھ

گلستاں میں ہے آیا وہ سہی قد اکڑتا ہے عبث اے سرو تو آج
بہار آئی گھٹا اٹھی ہے گھنگھور لگا دے منہ سے اے ساقی سبو آج
کل اثباتِ کمر میں نکتے شاعر دہن کے باب میں ہے گفتگو آج

کیا قیامت ہے سبکسار گرانبار چلے بے گنہ آئے تھے دنیا میں گنہگار چلے
لکھتے ہیں ہم جو کبھی مدح و ثنائے ساقی یوں قلم چلتا ہے جیسے کوئی سرشار چلے
شوق یہ ہے کہ پڑے حلق پہ خنجر تیرا ہے یہ حسرت مرے سر پر تری تلوار چلے
وہ بندھی رہتی ہے نازک کمرِ قاتل میں ناز سے کیوں نہ لچکتی ہوئی تلوار چلے

رشک سے بزم میں بسمل ہوئے غیر اے فرحت
میری جانب جو ہیں تیرِ نگہِ ناز چلے

کول — **شکور** پنڈت وشوناتھ کول صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ سابق میں آپ کا تخلص شکور تھا۔ نیز صفحہ ۳۶۶ ملاحظہ ہو

بات بھی سوزِ دروں سے مری جل کر نکلے آہ کھینچوں تو دہن سے مرے اخگر نکلے
بیٹھنا صحبتِ اغیار میں یوں چھپ چھپ کر ہم سے آڑنے لگے کیوں آپ کے بھی پر نکلے
چار ہی دن میں یہ ہو جائیں گے رسوائے جہاں پردے والوں کا قدم گھر سے نہ باہر نکلے
جیتے جی ہم سے نہ چھوٹی تری چوکھٹ او بت ہم ترے کوچے سے نکلے بھی تو مر کر نکلے

رتبہ گوہر نے سمندر سے نکل کر پایا
قدر ہو کول کی بھی گھر سے جو باہر نکلے

ترا کوسنا بھی دُعا ہو رہا ہے — ہمیں زہر آبِ بقا ہو رہا ہے
میں قدموں تلے تیرے دم دے رہا ہوں — مرا مطلب اس میں ادا ہو رہا ہے
بھروسہ ہر یکجان کیا دم کا میرے — ہوا ہو رہا ہے۔ ہوا ہو رہا ہے
عجب عشق کی ہمنے سرکار دیکھی — یہاں ایک شاہ و گدا ہو رہا ہے
نظر اُن کی اے کوَل ہے آئینے پر
جواب اُن کا اب دوسرا ہو رہا ہے

جو گرا تیری نظر سے وہ سنبھلتا ہی نہیں — جو رہا تجھ سے جدا پھر وہ بہلتا ہی نہیں
جم گیا ہے تیری صورت کا کچھ ایسا نقشہ — میرے ارماں کی طرح دل سے نکلتا ہی نہیں
آپ کی آنکھ نہیں ہے جو بدل جائیگا — ہو گیا جس کا یہ دل اُس سے بدلتا ہی نہیں
میرا دل تو تری چتون سے لرز جاتا ہے — تیرا دل تو مرے نالوں سے دہلتا ہی نہیں
یوں تو اے کوَل ترے دل میں ہیں لاکھوں شکوے
روبرو اُن کے تو کچھ منہ سے نکلتا ہی نہیں

کوئی غمخوار نہ پایا ہم نے — اپنا عالم کو بنایا ہم نے
جس پہ پڑا اوس کے غم میں دل سے — دونوں عالم کو بھلایا ہم نے
عیش دنیا ہے جو کچھ دے ہم کو — صدمے جھیلے ہیں خدایا ہم نے
ہم کو تھا شوقِ شہادت جو بہت — آپ خنجر سے نہایا ہم نے
ہم کو بلبل سے بھڑایا تم نے — تم کو غنچے سے لڑایا ہم نے
بارشِ اشک سے اپنی اے کوَل
ترِ بے ابر گھٹایا ہم نے

دنیا میں بشر ہزار جتنے دیکھے — اچھے برے بے شمار جتنے دیکھے
دیں ساتھ جو وقت پہ کسی کا اے کوَل — [illegible] دو شمار جتنے دیکھے

بتقریب سعید جشن سالگرہ مبارک آقائے ولی نعمت حضور پر نور ہز ہائینس مہاراجہ جیاجی راؤ سیندھیا عالیجاہ بہادر فرمانروائے ریاست گوالیار خلد آشیان

سن اُنتالیس ہے یہ اور مہینہ ہے نومبر کا   خوشا تقدیر چمکا ہے ستارہ اب مقدر کا
چلا ہے دور گلشن میں مئے عشرت کے ساغر کا   نہ کیوں ہو عرش سے اونچا دماغ اب اہلِ لشکر کا
جنم دن ہے مہاراجہ جیاجی راؤ [illegible] کا

جدھر دیکھو اُدھر ہیں دلفریب و دلربا جلسے   جہاں جاؤ وہیں ہیں بہجت افزا دلکشا جلسے
جدھر پہنچو اُدھر ہیں منعقد فرحت فزا جلسے   اسی کی ہر طرف خوشیاں اسی کے جابجا جلسے
ادا کرتے ہیں مل کر شکر سب اللہ اکبر کا

دلوں میں جو تمنا تھی وہ فضلِ حق سے بر آئی   جو کیفیت خیالی تھی وہ ہم نے آنکھ سے دیکھی
خدا کا شکر ہے جس نے مسرت ہم کو یہ بخشی   دعا درگاہِ رب العالمیں میں ہے یہی سب کی
فلک پر تا رہے جلوہ مہ و مہر منور کا

الٰہی یہ رعیت پر ہمیشہ دادگستر ہو   ق   اسی کے لطف و عدل و بذل کا عالم ثناگر ہو
اسی کے دم قدم سے روشنی عالم میں گھر گھر ہو   مہاراجہ کو جو سال آئے وہ بہتر سے بہتر ہو
ترقی پر رہے حسن و شباب اس خلق پرور کا

جو دیکھو غور سے شہر و دیار اس سے ہیں وابستہ   ہزاروں بندگانِ کردگار اس سے ہیں وابستہ
جو سچ پوچھو تو سب کے کاروبار اس سے ہیں وابستہ   زمانے کی امیدیں بے شمار اس سے ہیں وابستہ
یہی تو ہے سہارا بے کسوں کے قلبِ مضطر کا

خدائے پاک بخشے اس جہاں میں اس کو وہ عزت   کہ دل سے سلاطینِ جہاں اس کی کریں عزت
میسر ہو اسے عالم میں روز افزوں نئی راحت   فراواں اس قدر ہو عزّ و جاہ و دولت و حشمت
کہ عالم بھول جائے نام دارا اور سکندر کا

رہے حاضر ہمیشہ اس کے در پر فتح اور نصرت   ترقی پر رہیں اقبال و عمر و دولت و حشمت

بڑھے ہر لحظہ و ہر ساعت اسکے ملک کی وسعت — در ایوانِ اعظم کا ہو ہر دربان ملک شوکت
عطارد رتبہ ہو ایک اک محرر اس کے دفتر کا

رہیں دنیا میں جب تک مردمانِ نیک و بد قائم — دلوں میں تا رہے لطف و کرم بغض و حسد قائم
سمندر میں رہے تا زور و شور جزر و مد قائم — رہے ماؤں کا سایہ اسکے سر پر تا ابد قائم
رہے عالم پہ دائم سایہ ہمشیر و برادر کا

مسلماں اور ہندو دونوں کہتے ہیں یہی باہم — رہے یہ شاہ عالیجاہ مسرور و خوش و خورم
رہے آباد اسکے سایۂ رحمت میں اک عالم — دعا یہ کول کی بھی ہے خدائے پاک سے ہر دم
کہ یہ فرمانروا - فرمانروا ہو ہفت کشور کا

نظم ذیل حضرت کول نے بہ تقریب جلسۂ دعوت مسٹر کشمیری پنڈت صاحبان بروز نوروز (۱۰-اپریل ۱۹۳۲ء) بمقام لشکر گوالیار پڑھی تھی۔

کیوں ہم ادا نہ دل سے کریں شکر کبریا — لطف و کرم سے جس کے مقدر یہ دن ہوا
نوروز کا بھی روز ہے کیا خوب با صفا — دن بھی نیا ہے، ماہ نیا، سال بھی نیا
ارماں نئے، امنگ نئی، آرزو نئی
خواہش نئی، خیال نیا، جستجو نئی

یہ سال حق میں قوم کے یا رب ہو نیک فال — دولت بڑھائے اور زیادہ کرے جلال
ہر نوجواں ہو قوم کا ذی علم و ذی کمال — اوصاف جو ہیں ان میں ہو اک ایک بے مثال
شہرہ ہو جب کہ قوم کا سارے جہان میں
یکتا ہوں یہ یگانہ علم میں حکمت میں شان میں

ان کے دلوں میں جوش محبت فزوں رہے — بدخواہ ان کا خستہ ہو سب کی زبوں رہے
جب تک بھی ان کا عالم امکاں میں یوں رہے — یہ سب جہاں میں سرفراز و عدو سرنگوں رہے

گلزار بے خزاں ہو چمن کاشمیر کا
جنت ہو نام خطۂ جنت نظیر کا

یہ خطۂ زمیں وہ چمن پر بہار ہے — جس پر ہزار جان سے ہر دل نثار ہے
رشکِ ریاضِ خلد یہ وہ مرغزار ہے — سبزے سے جس کے قدرتِ حق آشکار ہے

جنت ہے کاشمیر جو ہندوستان میں
یہ لکھ گئے ہیں حضرتِ اکبرؒ اس کی شان میں

ہے سیر برف کی وہی بالائے کوہسار — جاری ہیں ہر طرف سے وہی اب بھی آبشار
کوسوں تلک وہی ہیں شجرہائے میوہ دار — گلزار میں وہی گُل نسریں کی ہے بہار

بلبل وہی ہیں ۔ گُل وہی ہیں ۔ بوستاں وہی
نہریں وہی ہیں ۔ سرو وہی ۔ نہریاں وہی

دریا وہی ہیں ۔ دشت وہی ہیں جبل وہی — سبزہ کنار آب وہی ۔ سیر ڈل وہی
گردوں پہ مہر و ماہ و سہا و زحل وہی — روئے زمیں پہ شہر و مکان و محل وہی

آب و ہوا وہی ہے مرے کاشمیر کی
سردی وہی ہے خطۂ جنت نظیر کی

سب کچھ وہی ہے حیف مگر وہ بشر نہیں — وہ اہلِ دل نہیں ہیں وہ اہلِ نظر نہیں
کان و صدف وہی ہیں پہ لعل و گہر نہیں — باغ و چمن وہی ہیں پہ گلہائے تر نہیں

قالب ہے دیکھنے کو پہ قالب میں جاں نہیں
نام وطن ہے ۔ حبِّ وطن کا نشاں نہیں

[illegible] — دامن گُلِ مراد سے اپنا بھرا رہے
سینہ ہمارا معدنِ صدق و صفا رہے — دل بھی ہمارا مخزنِ مہر و وفا رہے

حاصل ہو رتبہ ہم کو وہ عزّ و کمال میں
آیا نہ ہو کسی کے جو اب تک خیال میں

یوں باغِ آرزو میں ہمارے چلے صبا — نخلِ مراد خوب پھلے پھولے قوم کا
جاری رہے اب ایسے ہی جلسوں کا سلسلہ — ہمپایہ جن کا اور نہ ہو کوئی دوسرا

روشن زمیں پہ علم و ہنر کی یہ کان ہوں
تہذیب کی یہ جان ہوں عزت کی شان ہوں

گرٹو۔ پنڈت اوتار کشن گرٹو صاحب۔ مقیم مراد گو اپیار

آپ کا شوق شاعری تازہ ہے مشقِ سخن جاری رہی تو طبع موزوں اپنا رنگ دکھائیگی۔

بس جور و ستم ہو چکے۔ کچھ رحم ہے لازم — جو دل ہے دُکھی اس کا دُکھانا نہیں اچھا
نالوں سے ہلائے نہ یہ دل کو ترے۔ ظالم — اس باغ سے بلبل کا اُڑانا نہیں اچھا

بگڑتا کیا تھا شاخِ گل کا ان دو چار تنکوں سے — اُجاڑا آشیاں کس واسطے اے باغباں میرا
کسی کی موت پر گر تو عبث ہے رنج و غم کرنا — ہے سب کو مرگ لازم اور سب کو ایک دن مرنا

بس اتنی آرزو ہے دلِ پُر اُمید کی — دیکھے نگاہِ مہر سے وہ دلربا مجھے
بلبل کی طرح نالہ و شیون سے کام ہے — کچھ بھی نہ راس آئی چمن کی ہوا مجھے
دیر و حرم کی مجھکو نہ مطلق خبر رہے — ساقی شرابِ عشق تو ایسی پلا مجھے

دامن سے اٹکے کیوں نہ الجھ جائے وقتِ سیر — اتنا بھی کیا نہ ہوگا گلستاں میں خار سے
جامِ شراب ہاتھ سے اپنے سا آگیا — گر تو بھی فیضیاب ہو فصلِ بہار سے

نہ دیر زاہد کے جھگڑے کی ہے کچھ فکر خیال — یہ سب ہے مانا اور وہ کہتا ہے۔ کچھ پینے تو دے
خواب میں آنکھ نہ زنگا گلہ کس سے کریں — نہیں ہی گر لو نہ آئی کوئی اس کو کیا کرے



پنڈت اوتار کشن گورٹو - گورٹو

پچھمن - پنڈت کاشکاری صاحب ساکن جبہ کدل سرینگر کشمیر

آپ نے بعمر ۸۴ سال سمت ۱۹۰۵ بکرمی میں بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ وفات پائی
آپ کا صرف ایک شعر تبرکاً درج کیا جاتا ہے

اے مصور چشمِ خشمش میکشی مستانہ کش	چون بچشمش میرسی بگذار من خواہم کشید

پنڈت لکھمی رام صاحب

سرینگر کشمیر میں سوامی کیلاس کول جی مہاراج ایک مشہور عارف و عابد بزرگ تھے بست ۱۹۶۷ میں وہ رگہراے ملک بقا ہوئے - پنڈت لکھمی رام جی سوامی جی موصوف کے خاص معتقد ہیں - ان کی وفات سے آپ کے دل کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کا اظہار آپ نے رباعیات ذیل میں کیا ہے -

در ماتم او دہر بسے شیون کرد	لالہ ہمہ خونِ دیدہ در دامن کرد
گل جیب قبائے ارغوانی بدرید	قمری نمد سیاہ در گردن کرد

ایضاً

غبارِ رہِ خاکسارانِ او	کنم سرمہ سان دیدہ را مو بمو
ہمیں آرزو دیم درین جستجو	دل و جانِ من ہر دو قربانِ او

ایضاً

رفت زین خاکدانِ محنت ورن	آتش از محنتش گرفتہ چرن
خلق و ملک گلفشان شدہ باہم	گشت کیلاس رام رام شرن

فرد

زین رحلتِ کیلاس ز سامی گہرش	گل خلق و ملک نشاندہ گلگل بسرش

فرد

چونکہ دنیا دیدپُر شور و شر است	بس بخلوت نشست شد ایزد پرست

نظم

والا کارو بارِ جہان ہیچ نیست	اساسِ زمین و زمان ہیچ نیست
بوابستۂ دل درین باغ و راغ	کہ این بے وفا بوستان ہیچ نیست
اگر سبز و خورم بود تو بہار	چو میگرد و آخر خزان ہیچ نیست
کسے را میازار و از بس مرنج	گزین بہتر اے نکتہ دان ہیچ نیست

قطع تاریخ وفات

برخیز فلک را سر و گردن ہمہ بشکن — افسردہ چرا اہل دلان زین گلشن
افشاندہ ملایک چو خلایق بسرش گل — در ساخت چو کیلاس ز کیلاس نشیمن

۱۲۶۵ ۱۳۰ ۱۲۰ ۳۵۰

سنہ ۱۹۷۳ ہجری

لعل۔ پنڈت کنہیا لعل زتشی صاحب

آپ کی ولادت بریلی میں ہوئی اور تکار خاندان سے زتشی خاندان میں آپ متبنیٰ ہوئے عرصہ تک فتح پور سیکری اور سینٹ جان کالج آگرہ میں بہ حیثیت اسسٹنٹ ماسٹر ملازم رہے بعدہ راجپوتانہ مالوہ ریلوے اجمیر میں ہیڈ کلارک تھے اور اجمیر ہی میں حضرت داغ دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ آپ نے سنہ ۱۸۹۹ء میں ۵۰ سال کی عمر پاکر بمقام اجمیر انتقال کیا۔ آپ کے فرزند پنڈت برجموہن لعل صاحب زتشی دھولپور ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔

دارم از عشق بدل سوز و گداز عجب — غم بہ طرز عجب نالہ بہ ساز عجب
طاق ابروی تو چون قبلۂ من سر بسجود — او بہ ناز عجب من بہ نیاز عجب
بہ تکلم چو کشد تیغ ستم سر بسجود — چشم جادو کہ زند تیر بہ غماز عجب
[illegible] و نعرہ و نی بہ فراموش است لعل
با [illegible] و نغمہ و راز است عجب

ہوئی وہ بات عشق آنکھوں کو محال — [illegible] ایک [illegible] نکلا
وہ نہیں تاک کر تیر مژگاں سے مارا — [illegible] زخم [illegible] دل تک آنکھ [illegible] نکلا
بت افضل ہم دل میں رکھتے تھے بخشی — زمانے میں وہ [illegible] نکلا
عشق خوباں کا نتیجہ دل شیدا دیکھا — ہم نہ کہتے تھے کہا مان نہ مانا دیکھا
لاکھ دنیا نہ ہوں دید کے قائل اے لعل
ہم بہ تکرار کہیں گے اسے دیکھا دیکھا

مدنؔ - پنڈت کنور کشن مدن صاحب خلف پنڈت راجکشن مدن صاحب

آپ کا تعلق اُسی خاندان سے ہے جسکے ایک رکنِ اعظم جناب ساحرؔ دہلوی ہیں۔

آپ فیض آباد میں بتاریخ ۱۶ فروری ۱۸۹۵ء پیدا ہوئے ۱۹۲۵ء میں ایم۔اے کی ڈگری لی اور ۱۹۲۶ء میں ایل۔ایل۔بی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں آپ ایڈوکیٹ ہوئے فی الحال ہردوئی میں مقیم ہیں اور وہیں وکالت کرتے ہیں۔ آپ کو ظریفانہ نظم سے زیادہ شوق ہے۔ مناظرِ قدرت و فطرت کی طرف آپ نے ہنوز توجہ نہیں کی ہے۔

بتوں کے ہاتھ سے کھلوا رہے ہو ...... مجھکو تمھاری یہ ادا بھاتی نہیں اللہ میاں مجھکو
زمیں میں کر کے سر کھالوں گا غضب پھر یہ نہ تم جانو؟ اسیرِ تازہ ہوں آتی نہیں طرزِ فغاں مجھکو؟

جوابِ جاہلاں باشد خموشی کیا مدنؔ بولوں
سناتے ہیں سنا میں شوق سے وہ گالیاں مجھکو

دانت کھٹے کر نہ دوں اغیار ہاں سنبھلے ہوئے سمجھے ہو مرزا جسے سوکھا ہوا انگور ہے
سبزۂ خط لائے گا اک دن تباہی حسن کی اے صنم دشمن ترا اللہ میاں کا نور ہے

یار کی نظروں سے کب تک دل بچاؤگے مدنؔ
مدتوں سے لومڑی تاکے یہی انگور ہے

ہو گیا پیکاں تو دل میں جاگزیں بہرِ وصال حسرت آگیں رہ گیا سوفار منہ کھولے ہوئے
دیکھتا جھک جھک کے ہے پیرِ فلک کس کا جمال کون بیٹھا ہے پسِ دیوار منہ کھولے ہوئے
مر گیا پھر بھی نہ با جی پن سے باز آیا رقیب مانگتا ہے شربتِ دیدار منہ کھولے ہوئے

پھر وہ لنگی تھا لئے ہیں چار جامہ دیکھ کر پیرہن ہم وحشیوں پر پھر وبالِ دوش ہے
پنڈ و خانہ ہو رہا ہے بزمِ جاناں آج کل جس طرف دیکھو جسے دیکھو وہی مدہوش ہے

[illegible] رہا ہے وصل میں آج اُنکے ہاتھ سے اپنے لئے خزاں ہی میں لطفِ بہار ہے
[illegible] حضرتِ ناصح بہک کے چلے لینا ذرا لپک کے نشتر یہ تمہارا ہے

نشاں باقی ہے سر پر آج تک رنگیں سلیپر کا — کبھی ہم پر بھی لطف خاص تھا اک بندہ پرور کا
گلا ہے گالیاں دینے پہ وہ ہکلا بہت میکش — کہاں ہو تشنہ لب۔ لو منہ کھلا ہے آج جھجھر کا
ذرا سایہ میں ہم بھی دو گھڑی آرام کرتے ہیں — بگڑتے کیوں ہو لے لینا کرایہ اپنے چھپر کا
مدن گھٹوا کے جاتا مونچھ داڑھی بزم جاناں میں
کہیں تو پوچھے نہ وہ بت کیا ٹھکانا ایسے بندر کا

کوس کر کھا جائیں سب کو ہیں اسی تدبیر میں — آج تک ہم ہیں فریب آہ بے تاثیر میں
مانگ لیتے۔ دل چرانے میں تمہیں کیا مل گیا — فرق آخر کیا رہا تم میں اٹھائی گیر میں
تم مار ڈالو شوق سے گالی نہ دو مگر — جاں بھی تمہارے ہاتھ ہے عزت خدا کے ہاتھ
سمجھے نہ خاک عقد کی ہم ذمہ داریاں — پکڑا دیا ہے ہنس کے کچھ بڑے بڑوں کے ہاتھ
شاید وہ مسکرا کے مدن سر ذرا تھپکا دیں
تم کچھ کہو تو کان میں انکے دبا کے ہاتھ

کہاں عمر عاشق تمہاں۔ کہاں زاہدا تری زندگی — تری کشتی پہنچیگی حشر تک یہاں ہا بہتے ہیں بہاؤ میں
وہ تماشا گاہ کا شور و غل۔ وہ چوتی والوں کا جھٹنا — کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
نہ تو قافیہ کا کہیں پتہ نہ مدن ہے بحر کی انتہا
ترے حوصلے کی ہے یہ سزا کہ پھنسا ہے بندش آز میں

وعدہ پاس ادب مجھسے نہ ہوگا وصل میں — کون جانے بیخودی میں کیا سے کیا ہونے لگے
نہ رہا ہوں آپ کے جور و ستم۔ ایسا نہ ہو — عاجزی میری تمازی کا مکا ہونے لگے
عاشقی پہلی خطا ہے اے مدن تم شستہ میں
پانچ سو باسٹھ کھانا جب مزا ہونے لگے

بتوں کی بندگی یا سجدۂ اللہ میاں کر لوں — غلامی نقش قدمت ہے جہاں کہئے وہاں کر لوں
بجز اغیار کوئی بھی نہ ساتھی حشر میں ہوگا — نہیں ہیں جنت میں۔ دوزخ کے ان کو مہرباں کر لوں
جوانی ہے نہ ہے شوق و ہمت ہے نہ دلچسپی ہے میں
یہی ٹھان ہیں مدن دل کھول کر زر ستیاں کر لوں

ناز: شاعر بلند [illegible]



پنڈت روپ نراین د... مشتر و...

مسرور - پنڈت روپ نرائن صاحب ولد پنڈت کاشی نرائن صاحب در

آپ پنڈت کاشی نرائن صاحب در مرحوم سب جج یو پی کے فرزند اصغر ہیں۔ پنڈت بشن نرائن صاحب در آنجہانی آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ بنگال ہائی کورٹ کے اول ہندوستانی جج آنریبل جسٹس پنڈت شمبھو ناتھ صاحب غوطائی آپ کے پھوپھا تھے۔ تعلیم انگریزی ایف۔ اے تک ہوئی ہے۔ اُردو، فارسی اور ہندی میں اچھی مہارت ہے۔ نظم میں اساتذہ کے کلام سے آپ کو بہت ذوق و شوق رہا ہے آپ نے طبع موزوں پائی ہے اور احباب کے اصرار سے آپ نے اکثر موقعوں پر نظمیں لکھیں مگر اُن کے محفوظ رکھنے کی پرواہ نہیں کی۔ آپ نے ریاست گوالیار میں زیادہ تر صیغہ جوڈیشل میں ملازمت کی ہے اور اس وقت اُجین میں ڈسٹرکٹ جج ہیں۔ آپ بہت نیک دل۔ خوش مزاج۔ بامروت اور خلیق ہیں۔

غزل تہنیت بموقعہ ولادت باسعادت سرینت میری کملا راجہ صاحبہ

آج طبع شوق کی کچھ اس قدر جودت بڑھے
آفریں کہتی ہوئی نیرنگیِ فکرت بڑھے

آج وہ مژدہ سنا ہے روح پرور جانفزا
خود بخود جس سے سرور و عیش کی لذت بڑھے

آئی ہیں دنیا میں شہزادی تو دل ہے باغ باغ
غنچۂ دل جب کھلے تو کیوں نہ پھر فرحت بڑھے

جوش پر رہتا ہے دریائے کرم سرکار کا
باڑھ پر جس سمت آئے موج کی صورت بڑھے

ایسے پیارے مالک و سرتاج کی پروردگار
حشر تک عظمت بڑھے ثروت بڑھے حشمت بڑھے

شاہزادے کا بھی اگلے سال ہی مژدہ سنیں
یہ جو عشرت ہے اسی میں اور بھی عشرت بڑھے

سینت ھیا پر تا ابد یارب رہے ظلِ ہما
اور اس دربار کی حشمت بڑھے شوکت بڑھے

شاعرِ مسرور کرتا ہے یہی دل سے دعا
عمر و دولت و عزتِ آقا کی ہر ساعت بڑھے

اے اکبر تو ہے جلوۂ وہ فہم ہر بشر
ہم خواستگار تیری مدد کے ہیں سربسر

اے فکر دیکھیں آج کہاں تک رسا ہے تو
اے کلک تو ہی کھول دے اپنی زبانِ تر

دنیا میں بعد علم کے حاجت ہے گنج کی
وابستہ ہے اسی سے یہاں پر ہر اک بشر

اوروں میں ایسی کیا ہے جو ہم میں نہیں ہے بات
اہلِ فرنگ و پارسیوں کو تو دیکھئے
پڑھ پڑھ کے نوکری ہی پہ دیں جان کس لئے
اک بندۂ خدا کو خداوند کیوں کہیں
کیوں خون اپنا خشک کریں رہ کے زیرِ حکم
کیوں ہم خوشامدوں میں رہیں ان کی رات دن
گر سنتو ملیں غلامی سے ہرگز نہیں وہ خوب
آزاد رہ کے خشک ہی روٹی اگر ملے
ہو پُر خطر جو رستے کو حاصل محلسرا
رکھئے اگر قدم کو تجارت کی راہ میں
ہرگز نہ آپ ناز کسی کے اٹھائیے
انسان ہو کے خوف نہ انساں کا کیجئے
اہلِ فرنگ کی تو ذرا دیکھئے مثال
اہلِ فرانس کی بھی تجارت کو دیکھئے
انگلینڈ کی بھی آپ تواریخ دیکھئے
ہیں جملہ اہلِ قوم بفضلِ خدا [illegible]
سر سے یہ دور کیجئے سودا کہ شغلِ قوم
ہے میری رائے میں یہ سراسر غلط خیال
وہ کام کون سا ہے جو انساں نہ کر سکے
یکجا ہے ہمارا یہ سب [illegible]
بعد [illegible] اہلِ قوم ہوں سب ایک ایک سے
اس وصف کی کمی [illegible] رنگوں
[illegible]

عقلِ سلیم کا ہے فقط بھیر پھیر مگر
قانع نہیں ہیں اب بھی ترقیِ حال پر
کیوں اپنی عمر کاٹیں یونہیں ہاتھ باندھ کر
کافر نہیں۔ خدا سے ہوں کیوں اتنے بے خبر
خانہ بدوش کیوں رہیں افسوس عمر بھر
کیوں ہر گھڑی غلامی پہ باندھے رہیں کمر
آزادی سے جو چار ملیں ہوں وہ خوب تر
ذلت سے جو ہو وہ حلوے سے بڑھ کر لذیذ تر
بہتر ہے اس سے جھونپڑی ہی گر ہو بے خطر
آسان ہوں یہ مشکلیں۔ حاصل ہو خوب زر
دل میں جو حق رہے تو رہے حق زبان پر
ڈریئے فقط خدا سے کہ حق ہے اسی کا ڈر
تاجر تھے پہلے۔ آج جو حاکم ہیں ہند پر
جاپان اور چین اسی سے ہیں نامور
حاصل کیا ہے اس نے تجارت سے کتنا زر
تفصیل [illegible] ہوں یہ تجارت کریں اگر
آسیب ملازمت سے فقط ہوگا بار ور
کشمیری کر سکیں گے تجارت نہ عمر بھر
دل کی طرح نہ بیٹھے وہ ہمت کو ہار کر
رکھا [illegible] ہمت [illegible]
باندھیں کہ ہم [illegible]
تجارت ان کی [illegible] زیادہ تر
کرتے ہیں [illegible] تجارت [illegible]

ہمدردی و محبت و اخلاق و اُنس سے
بنجاتے ہیں یہ تھوڑے ہی عرصہ میں اہلِ زر

ان کے علاوہ پارسیوں کو بھی دیکھئے
تھوڑے سے ہیں مگر یہ ہیں سب کتنے ذی ہنر

انگریز ابتدا ہی سے کیا مالدار تھے
تاریخ ان کے حال کی شاہد ہے سربسر

خالق نے آپ کو بھی دیا ہے دل و دماغ
فیشن نئے نکالئے ایجادیں تازہ تر

نکلے کوئی طریق تو سب دستگیر ہوں
رائج پھر اُسکے کرنے کی کوشش ہو ہمدگر

ہو جائیں اہلِ قوم جو سب اس طرف رجوع
بیشک ترقی اس میں نمایاں ہو زود تر

کشمیر کم نہیں ہے تجارت کے واسطے
حُبِّ وطن تو فرض ہے ہر ایک شخص پر

سب اہلِ قوم اسمیں کرینگے جو غور و خوض
نکلیں گی سیکڑوں روشیں اسکی نیک تر

بھیرا ہے چند لوگوں نے اس کو جہاں جہاں
امداد اُن کی کیجئے ہم قوم جان کر

دنیا میں نام کیجئے۔ بیدار ہو جئے
کچھ کھائیے ترس بھی اب اس حالِ زار پر

مسرور مان لیں جو مری عرض اہلِ قوم
احسان اُنکا میں کبھی بھولوں نہ عمر بھر

مفتوں۔ پنڈت موتی لال صاحب دہلوی

آپ صاحبِ دیوان تھے۔ یہ دیوان موسوم بہ وصلِ یار ماہ اگست ۱۸۸۵ء میں طبع ہوا تھا۔ اس کی لوح پر زندہ شاعروں کا زندہ کلام لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفتوں ۱۸۸۵ء میں حینِ حیات تھے۔ حضرت کیفی نے اُس دیوان سے غزلیات ذیل لکھ کر ارسال فرمائی ہیں۔ افسوس ہے کہ مفتوں کے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے۔

اُس نازنیں کو بسکہ جفا سے بہت ہے ربط
اس دل رمیدہ کو بھی وفا سے بہت ہے ربط

نیچی نگاہ سے جو کیا دل کو پائمال
ثابت ہوا کہ اُن کو حیا سے بہت ہے ربط

اُس بُت کا آشنا بدل و جاں رہے مدام
جس زندہ دل کو یادِ خدا سے بہت ہے ربط

خوف و رجا کا پردہ جو ہے وصل و ہجر میں
ہر دم ہمیں خلا و ملا سے بہت ہے ربط

نورِ بلائے زلف جو نفسِ خودی ہوا
ہستی میں روحِ پاک کو لاتے بہت ہے ربط

بختِ سیہ کا شکر کہ سودائے عشق میں
گیسو کو دل سے دل کو بلا سے بہت ہے ربط

دودِ جگر سے ہم نے کیا آسماں سیاہ
جب سے کہ اس کی زلفِ رسا سے بہت ہے ربط

ذرّے پہ نور پاشیٔ خورشید کیا عجب
روشن ہے جو زمیں کو سما سے بہت ہے ربط

دیکھی جو قدردانیٔ قاتل نگاہ سے
مفتوں کو تیرِ حکمِ قضا سے بہت ہے ربط

بزم میں جو ماہرو کے سامنے آتی ہے شمع
رعب سے مثلِ چراغِ صبح شرماتی ہے شمع

اشتیاقِ دید میں اُس آتشیں رخسار کے
حالت اپنی عشق سے پروانہ ساں پاتی ہے شمع

دیکھ اس خورشید پیکر کا جمالِ باکمال
تابِ نظارہ ہے تحمل نہیں لاتی ہے شمع

چارہ چشمی جو شبِ مہ میں ہوئی اس ماہ سے
دیکھ کر تحقیر سے سورج کو اتراتی ہے شمع

جلوۂ حسنِ پری رو جو سمایا آنکھ میں
مستِ صہبائے تحیر صاف ہو جاتی ہے شمع

دیکھ لینا یار کا کافی ہے داغِ عشق میں
گلشنِ امید میں راتوں جو گل کھاتی ہے شمع

بعد مردن بھی جو مفتوں شمع رو کا ہے خیال
خاک پر کنجِ لحد میں نور برساتی ہے شمع

وحشتِ نزہت ہم نے اتنے کھائے داغ
نام سے انگور کے شرمائے داغ

ہجرِ گلرو سے میانِ لالہ زار
داغ پر دل نے دوبارہ پائے داغ

مثلِ پروانہ جلایا شمع کو
آتشِ ہجراں نے جو دکھلائے داغ

قتل پر اُس لالہ رو کا دل بجھا
ہم کو بھائے خوں بہا جو بھائے داغ

تا زمینِ دل رہے سیرابِ حسن
آسمانِ عشق نے برسائے داغ

گرمیٔ دوزخ ہوئی اک لخت سرد
سوزِ دل نے جس گھڑی چمکائے داغ

تازہ رکھ زخمِ جگر مفتوں مدام
زیست ہے بیکار گر مرجھائے داغ

مونسؔ - پنڈت کیول رام صاحب دہلوی

مونس کے حالات صرف اس قدر دریافت ہو سکے کہ وہ ۱۲۴۰ھ میں بعہد اکبر شاہ ثانی سلسلہ ملازمت میں تھے. آپ کی تصنیفات سے اُردو اور فارسی کی دو مثنویاں بہ سعیِ حضرت کیفیؔ دہلوی کی توجہ سے وہ دونوں مثنویاں قلمی ناچیز مولف تک پہنچیں چنانچہ ہر مثنوی کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے - مونسؔ کی زبان اُردو اُس زمانہ کی ہے جبکہ اُردو نے اپنے گہوارۂ ناز سے قدم باہر نہیں نکالا تھا اور مثل ایک شیر خوار بچّہ کے آغوش دایہ سے ہمکتی تھی -

مئے ناب کا ساقیا جام دے
خوشی سے مرے دل کو آرام دے
کہوں تجھسے میں تازہ تر یہ سخن
فراموش کر داستانِ کہن
یہ رنگیں سخن نکتہ پرداز ہے
کشایندۂ معنیِ راز ہے
نہ کچھ ہے جہاں میں بغیر از سخن
سخن زندگی ہے بہ ہر انجمن
سخن داں جہاں میں سرافراز ہے
سخن سے درِ آرزو باز ہے
سنو تم اسے گوش دل سے ذرا
عجب ہیگا یہ طرفہ تر ماجرا
ملا مجھکو اک مرد ریش سفید
دیا اُس نے یہ مژدۂ پُر امید
بوقتِ سحر آ اُٹھا یا مجھے
بہ نزدیک خود لے بٹھایا مجھے
بنایا درِ اقلیم ہندوستاں
چو باغِ ارم شہرِ جنت نشاں
کہا شاہجہاں باد اس کا ہے نام
فرح بخش جنت کا ہے وہ مقام
یہاں کی سنی ایسی آب و ہوا
شفا بخش - ہر رنج کی ہے دوا
مشاموں کو تازہ کرے دمبدم
فرح بخشِ دل دُور سازِ الم
بہ سوئے انہار آبِ گلاب
لگیں خوشنما چوں پری در شباب
وہ موج اُن میں ہے اس طرح سے رواں
کہ جوں بال پر آوے جوبن دواں
مجھے ساقیا بھر دے اک جام اور
ہمیشہ یہ قایم رہے تیرا دَور
چلو ساقیا اب کریں سیر باغ
منوّر ہوں آنکھیں معطّر دماغ
عجب میر کا یہ گلستان ہے
یہیں عاشقوں کی بسی جان ہے

قرینوں پہ ایسے لگے ہیں درخت
کہ جوں شاہ بیٹھے ہیں بر روئے تخت

صنوبر و شمشاد و بید و چنار
صفوں پر عجب دے رہے ہیں بہار

کھلے پھول چنپا پہ ایں دلبری
جنھیں دیکھ کر مبتلا ہوں پری

چمن میں کھلے ایسے نرگس گلاب
اُٹھے جوں پری ناز سے مستِ خواب

گلِ کیوڑا کیتکی یاسمن
چو معشوقِ خنداں میانِ چمن

گلِ سوسن و سنبل و زعفران
چو رعنا و زیبا گلِ ارغوان

جدھر دیکھو ہے اُس طرف لالہ زار
ہزاروں طرح کی گلوں کی بہار

گلِ سیوتی نالتی جعفری
نمایاں چو معشوق با دلبری

گلِ مہندی ہیں نو عروسِ چمن
دکھا موہ دیں مانگ لیتے ہیں من

مصفّا ہے اک حوض بلّور کا
نہ ہوگا ارم میں بھی اُس طور کا

چمک حوض اور آب کی یہ جھلک
یقیں دیکھ کوثر کو ہووے ملک

ادا سے کہیں رقص کرتے ہیں مور
کہیں طوطیاں تان لیتی ہیں زور

کہیں فاختہ شاد شمشاد پر
خوشی قمریاں سرو آزاد پر

عجب سیر کا دلکشا باغ ہے
جسے دیکھ جنت کا دل داغ ہے

خوش آواز مرغاں بہ شاخسار
بیاں سب کریں حمدِ آں کردگار

چلیں ساقیا اب طرف شہر کے
فزائندۂ رونقِ دہر کے

چو فردوس یہ شہر ہے بر زمین
نمونا لگے جوں بہ خاتم نگین

بہ جائے عالی محل ہیں بپا
مصفّا تر از آئینہ دلکشا

مصفّا مجلّا منقّش تمام
نمایاں ہیں سب اُن میں صنعت کے کام

بہ آسودگی واں ہر اک ذات ہے
خوشی میں کٹے جن کی دن رات ہے

ہر اک شب شبِ قدر ہر روز عید
جدھر دیکھو اُس طرف شادی پدید

کہیں ہو رہے شعر و شیریں سخن
کہیں ہنس رہے مل کے غنچہ دہن

کہیں بازیاں کر رہے شعبدہ باز
بتاویں نجومی کہیں دل کا راز

کہیں گا رہیں باذوق رانجھا و ہیر
تماشا کہیں کر رہے [illegible] گیر

کہیں خیر و خیرات اور دھرم ہے — کہیں بے لحاظی کہیں شرم ہے
کہیں بج رہے چنگ و بین و رباب — کہیں ہو رہے مست پی کے شراب
کہیں سیر کرتے ہیں با دلبری — ہزاروں ہی مہوش بسانِ پری
عجب سیر کے کوچے و بازار ہیں — پری وار بیٹھے دکاندار ہیں
ہر ایک کام کے جتنے ہیں پیشہ ور — سدا ان کے آگے برستا ہے زر
پری روے سب واں کی مستور ہیں — ز سر تا بپا نور کی حور ہیں
قد ان کے دیکھے سے سروِ بلند — ہوا شرم سے ایک جا پاے بند
مسلسل ہیں زلفیں بسانِ کمند — ہوے جن میں ہیں روز و شب پا بہ بند
ہمہ نازنینانِ زہرہ جبیں — چو گلدستۂ باغِ جناں بر زمیں
دو ابرو کماں ہیں مژہ چوں خدنگ — نشانے دلوں پر گرین بے درنگ
لبیں درج یاقوت و دنداں چو دُر — کہ با جامِ مرجاں ز الماس پُر
بھری روپ میں سر سے لے پاؤں تک — فرشتے بھی دیکھیں تو ہو جائیں دہک
عجب روپ جوبن کی اُن کی اُمنگ — کرے جس طرح موج دریاے گنگ
عجب شہر رشکِ پرستان ہے — سبھی شہروں میں خاص یہ جان ہے
اگر دیکھیں اس شہر کی دلبری — فلک بھولے جنتِ اِرم کو پری
سنو اب ذرا وصفِ والیِ شہر — سر افراز بر تاجدارانِ دہر
سنو نام آن بادشاہِ جہان — شہنشاہِ اکبر میانِ شہاں
شہنشاہ کی دیکھ کیا شان ہے — بعینہ کہ شاہِ سلیمان ہے
سکندر اگر دیکھتا اُس کی شان — بصد شوق وہ گرتا قدموں پہ آن
امیران بزرگانِ از ہر دیار — کھڑے صف تر وہ پیش آں شہریار
ہزاروں کھڑے ہر طرف شور و بیر — زرہ پوش با تیغ و با گرز و تیر
ہمہ پہلوانانِ شمشیر زن — چو شیرِ سر افراز و لشکر شکن
ترا کام اس وقت ہے ساقیا — ذرا دخترِ رز کو یاں تک لے آ
میانے میں شیشہ کے کر کے سوار — لے آ اُس پری کو ہے وقتِ بہار

تو اُس وقت لے ہاتھ میں جام کو
خوشی کر سبھی خاص اور عام کو
اُٹھا دیگی خط اُس سے یہ انجمن
کریگی وہ خوش آن کر گلبدن
کھڑی آ ہوئی ناچنے کو پری
ہوئی دُر فشاں زہرۂ و مشتری
ہوا گرم بازار اب ناچ کا
سماں آئے گا دیس و کھماج کا
عجب دیس کی راگنی چھا گئی
نیا روپ مجلس میں دکھلا گئی
پرج سوہنی مالکوس اور بہاگ
برت ستے ہیں سب راگنی اور راگ
بندھا راگ اور راگنی کا ہجوم
گئی شش جہت میں تھی مچ انکی دھوم
فلک سے ملک سُن کے آئے یہاں
بدرگاہِ شاہنشہِ دیں جہاں
تماشے کو آئے تھے وحش و طیور
ارم کی پری اور غلمان و حور
یکایک سبھی وجد میں آ گئے
رہِ معرفت معرفت میں پا گئے
یہ شب تھی شبِ قدر تھا روز عید
چنیں روز و شب کس ندید و شنید
رہا شام سے صبح تک یہ مزا
فلک پر ملک کہہ گئے مرحبا
نکل آیا یہ سُن شہِ خاوری
چھپی شرم سے دیکھ لیلی پری
رہے شاد و خرم ہمیں تخت شاہ
جہاں میں جہاں تک رہے مہر و ماہ

کرے ہے دعا مونس خاکسار
مبارک ہو یہ جشن بر شہریار

انتخاب مثنوی فارسی

نخستین کنم حمد آن پادشاہ
کزو یافتہ نور خورشید و ماہ
بگسترده فرش زمین را بر آب
زده خیمۂ آسمان بے طناب
کزو کاخ گردیده بے ستون
شده آراستہ چنبری نیلگون
نهاده درو شمع از مہر و ماہ
کزان گشتہ روشن ہمہ بارگاه
زمہر و خود آمده بجلوه گری
بہر کسوت از انس و حور و پری
بیک لفظ کن عالم آراستہ
بیک حکم شد ہرچہ او خواستہ
دگر را بہ خلوت گہش بار نیست
کرا تا او ہمچو قدرت بار نیست

کجا فہم من تا ستایش کنم
کہ توصیفِ او بر زبان آورم

بدہ ساقیا آن مئے لعل فام
رسیدہ دلم زان شود باز رام

وزان پس چنین پندِ من گوش کن
بنوشانم و ہم خودش نوش کن

بتائیدِ آن کردگارِ جہان
شدہ آشکارا نچہ بُد در نہان

یکے مرد را دیدم امشب بخواب
رخش بود رخشان تر از آفتاب

ز سر تا قدم مطلعِ نور بود
چراز نور روشن تر از حور بود

چو بنشست آن مردِ دانائے راز
درِ خانۂ راز را کرد باز

نگہ کرد و فرمود آن نامدار
سوئے من کہ اے مونسِ خاکسار

نشانت دہم نامور بادشاہ
شہنشاہ اکبر چو تابندہ ماہ

جہانبان جہانگیر و جانِ جہان
شہنشاہِ والیِ ہندوستان

بمدحش روان کن کنون خامہ را
رقم زن بہ اوصافِ آن نامدرا

ثنا ہا بگو آن گرانمایہ را
ملک قدرِ عالی فلک پایہ را

بجود و سخا و ز لطف و کرم
شدہ نور در چشمِ دیر و حرم

سپہدار و ہم جاہ و نیکو کنش
سرافراز شاہِ سلیمان منش

بداد و دہش حاتمِ این زمان
گہے عدل برتر ز نوشیروان

بنیروئے روئین تن اسفندیار
چو افراسیاب است در کارزار

گرفتہ جہان را بہ شمشیر زور
برامش نشیند چو بہرام گور

ندیدہ چنین شاہ گردونِ پیر
جوان دولت و تخت و صاحب سریر

عروسِ جہان را گرفتہ ببر
ببازوئے خیرات شہ تاجور

عطارد دبیرے بدیوانِ او
کمر بستہ کیوان بفرمانِ او

خرد دولت و بخت فتح و ظفر
بیاریِ آن نیک بستہ کمر

بدہ ساقی از بادہ جامِ طرب
بگویم ترا داستانِ عجب

کز آرایشِ جشن شاہنشہی
مرا داد امشب خرد آگہی

بفرمان شاہنشہے با کرم
شدہ آراستہ بزم رشکِ ارم

برآمد شہنشاہ بر تختِ زر
چو خورشیدِ تابان بصد زیب و فر

بسے پہلوانان چو شیران نر　　بهر سو ستاده کمر در کمر
بهر جاے سرگرم رامشگران　　برامش گری از گران تا گران
برین حورزادان رشک پری　　بصد جان و دل زهره شد مشتری
برقص و به نغمه دل انجمن　　نمودند مائل سوئے خویشتن
زهر در در آمد نشاط و سرور　　بشادی شد این بارگه پر ز نور
صداے مبارک دهد دمبدم　　بآواز خوش شاه را زیر و بم
بعالم خبر شد ازین جشن شاه　　چه از پشت ماهی و تا اوج ماه
دعا میکند مونس خاکسار　　بمدح و ثنا پیشت اے شهریار
بتخت خلافت بمان جاودان　　بعمر دراز و بتخت جوان
پئے سال این جشن فرخنده فال　　ز پیر خرد کرده بودم سوال
کرناگاه هاتف بگفت آن زمان
زہے شاه با عدل و روشن روان

در مدح باری تعالیٰ

بخوان مونسا نام او دمبدم　　رها میشوی از وجود و عدم
شب و روز با او بدل یار باش　　مئے معرفت نوش و هشیار باش
وشش باد شد تو ز خویش آب پاک　　شده از جلال آتش تاب ناک
ز پالیش زمین دیده اش ماه و مهر　　شده از سرش هفت گردان سپهر
محیط است خود در طبق چارده　　ز نورش شده نور در نور مه
نهان ماند خود را نمودار کرد　　ز بالاے بالاتر از کار کرد
بتابد بصد ناز با دلبری　　بهر کسوت انس و حور و پری
میان همه دل گرفته مقام　　شده جلوه گر در همه خاص و عام
بیکبار شد هرچه او خواسته　　طلسمے به نیکو نه آراسته
بدین کار کردن نشد زحمتش　　نداند کسے جز او دیگرے عظمتش

ندیمؔ۔ پنڈت مہاراجکشن صاحب ابن رازدان صاحب

نیز صفحہ ۴۷۳ ملاحظہ ہو

نو عمری میں آپ کا تخلص مفتوںؔ تھا۔ یہ تخلص آپ کے دادا صاحب جناب عاشقؔ نے آپ کے لئے پسند کیا تھا۔ ۱۹۱۷ء کے بعد آپ نے لباس پارینہ کو اتار پھینکا اور لباس نو میں دنیائے ادب میں جلوہ گر ہوئے یعنے ندیمؔ تخلص اختیار کیا۔

قطعہ تاریخ جشن قیصری

یعنی

دربار شہنشاہ دوران ۱۳۲۹ھ
۴۰۷ ۶۶۱ ۲۶۱

نمی گنجد بخود از شادمانی جملہ ہندوستان — سر برآراشدہ چون جارج خامس قیصر ذیشان
صدائے ہرّے ہرّے بایدت سہ بار بنمودن — بسر بنہاد اکلیل جہان بانی شہ شاہان
منور گشت تاج و تخت از فرق و قدوم او — شہے کو ہست در زیر نگینش جملہ انس و جان
شہے کو ہست شاہنشاہ ہند و جملہ کالوق — شہے کو ہست شاہ برطن و ہم سرور ایمان
شہے کو ہست چون نوشیروان معدلت گستر — شہے کو ہست بر فرق رعایا سایۂ سبحان
شہے کو ہست شیر بیشۂ عدل و جہانبانی — شہے کو ہست شہباز بہ اوج عز و جاہ و شان
شہے کو ہست از دریادلی در گوہر افشانی — شہے کو ہست در جود و سخاوت ابر و بحر و کان
شہے ہستند شاہان جہاں فرمان گذار او — شہے ہو ہیچ ستان و باج گیر از راجگان رایان
فرو رفتند در قعر مذلت جملہ اعدایش — لوائے پرچم شاہیش بگذشت ست از کیوان
سکندر بودے ار اکنون سپہ سالار او بودے — اگر بودے کنون دارا بدر بودے کمین دربان
پنہاں در دل رعایت مخمور از عدل و داد او — کہ شیر از گوسپندان میرمد گوید منم ترسان
رعایا جملہ در عہدش حقوق ہمسری دارد — عدالت واست بر ہر سہ نصاری ہندوان ترکان
بعہد او حکیمان آنچنان انگلینڈ مسیدارد — کہ زانوے ادب تہ کردے ار بودے کنون لقمان
عجب در عہد او سائنس ایجادے نوی کردہ — کہ بر اوج فلک انسان شدہ چون طائران پران

بهند آمد که بر اورنگ دہلی جلوه فرماید — نماید مشکلِ ما هندیان از لطفِ خود آسان
برائے تاجپوشی در تو آمد قیصرِ دوئم — تو ہم دہلی بکن مہماں نوازی تا حدِ امکان
خوشا اے ساعتِ مسعود و لے روزِ طرب گستر — کہ جشنِ قیصری ترتیب داده شاه انگلستان
خوشا وقتے و خرم روزگارے می‌تواں گفتن — فزوں از حد و پایان ست اکنوں نازشِ ملیان
نثارِ مقدمش سازیم جان و تن بصدقِ دل — شہنشہ جارج پنجم بیگم میری ست چون مہمان
خموش اے دل کہ خاموشی ست بس حدِّ ثنائے او — کجا گنج و زبانِ تو کجا مدحتِ شہِ دوران
صلاحِ نیک بشنو عجز داری بہ کہ دم در کش — عنانِ اسپِ مدحت را بسوئے راہِ دعا گردان
خدایا بیگم و شاہنشہِ ما شادمان بادا — دلِ اعدا چو آتش خانۂ ایشان بود سوزان
زند بر سنگ سر چوں آب گر بدخواہِ شان باشد — بسانِ آبشار اعدائے شان صبح و مسا گریان
بود چوں شیشه از غم سینه‌اش پر خوں کہ بدبینت — کباب آسا کند سوزِ درونِ او دلش بریان
برقص آید پیالہ شیشه از قلقل غزل خواند — بہ محفل کہ بنشیند عشرت زا بود سامان
نمی داری لب و دندان خموش اے دل خموش اے دل — کنوں باید کہ تاریخِ مسمیٰ را بجوئی جویان
چو زینت بخشِ اورنگ اندریں قیصر ده بہ دو — بگو سالِ مسیحی ماہِ تابان نیرِ رخشان

۱۴۱۱ ۰ ۵۰۰
۱۹۱۱ ۱۰

برائے سالِ دربارِ معلیٰ فکر چوں کردم
ندا آمد کہ جشنِ اولینِ قیصرِ ذیشاں
۱۹۱۱ = ۱۰۶۱ ۴۰۰ ۹۰ ۳۵۲

پُر اثر اتنے تو یا رب مرے نالے ہوتے — آہ کرتا میں جہاں دل وہ سنبھالے ہوتے
باغ ہوتا کوئی پہلو میں وہ گلرو ہوتا — مئے گلرنگ سے لبریز پیالے ہوتے
تھا اگر شوق ٹینس کا بتِ نادان تجھ کو — گیند کی جا دلِ عشاق اُچھالے ہوتے
پہلے کیوں کاکلِ پیچاں پہ ہوئے تھے شیدا — خوف ایسا تھا تو یہ سانپ نہ پالے ہوتے

دشتِ پُرخار کی جانب ہے ارادہ مفتوں
سیر ہوتی جو کبھی پاؤں میں چھالے ہوتے

کہاں انداز اپنے نالہ کا بلبل کے شیون میں اسی کی مدتوں بخشیں رہی ہیں صحنِ گلشن میں
بتوں کو جانتا ہوں اور واقف ہوں بہت ان سے دیا ہے نقد جاں کچھ تو سمجھ کر دستِ رہزن میں
کبھی تھا خانۂ کعبہ میں جو کچھ اور اب بھی ہے وہی تھا اور ہے اس وقت بھی دیرِ برہمن میں
نہ چھوڑینگے کبھی مفتوںؔ تجھے ترکِ کمان ابرو
یہ رہزن نقد دل کو لوٹتے ہیں روزِ روشن میں

ذرا اے دیدۂ تر ابرِ گوہر بار ہو جانا کہ دل کے جوش کا اب چاہیئے اظہار ہو جانا
کہیں غش کھا نہ جانا موسیِ عمران کی صورت سے وہ جلوہ دیکھ کر اچھی طرح ہشیار ہو جانا
نہ کرنا چھیڑ چھاڑ اصلا کسی سے ابروِ قاتل مناسب کب ہے ہر دم بر سرِ پیکار ہو جانا
جو چاہو مغفرت مفتوںؔ تو راہِ راستی ڈھونڈو
کسی مرشد کے پیرو تم بھی ہاں اے یار ہو جانا

دنیا مری نظروں میں کیا جانئے اب کیا ہے جس وقت سے اک جلوہ آنکھوں میں سمایا ہے
کیا ذکرِ دوئی اس میں بے مثل ہے یکتا ہے ہر چیز کا ملجا ہے ہر چیز کا ماوا ہے
ہے کونسی شے ایسی جس میں وہ نہیں مخفی جو کچھ کہ نظر میں ہے اُس کا ہی نظارا ہے
کچھ اس کی حقیقت پر بھی تو نے ہے نظر ڈالی بازی گہ دنیا میں کیوں محوِ تماشا ہے
دنیا سے نہ مافیہا سے ہم کو ہے غرض زاہد محفل ہے یہ رندوں کی یا قلقلِ مینا ہے

ہے عشق کی نظروں میں بیشک وہی فرزانہ دنیا سے محبت میں کہلائے جو دیوانہ
ہوں رندِ خرابات مشرب مرا رندانہ بتخانہ ہو یا کعبہ ہر اک مرا میخانہ
وہ ایک ہی مالک ہے ان دونوں مکانوں کا کعبہ بھی اُسی کا ہے جس کا ہے صنم خانہ
کچھ لطف اُٹھا زاہد رندی کا مزا بھی چکھ اک ہاتھ میں ہو سبحہ اک ہاتھ میں پیمانہ
دونوں کی کشش سے میں ساکت ہوں جہاں پر ہوں رخ ہے طرفِ کعبہ دل جانبِ بتخانہ
عشاق ہنا سب ہے لو چل کے سبق اس سے تم سے کہیں بہتر ہے دل سوختہ پروانہ
پایا ہے لقب اچھا واللہ مبارک ہو کہتے ہیں ندیمؔ اب تو سب آپ کو دیوانہ

ہوئے ہم صید جب سے جیب پائے جستجو ٹوٹا — گرہ کلفت کی دل میں ہے تو دست چارہ جو ٹوٹا
نکل جاتے سنا پانی جو ہوتا ہے سبو ٹوٹا — گلستاں دو قدم پر ہے قفس سے پر سو ٹوٹا
مزا اٹھاتے پر پرواز گر ہوتا نہ تو ٹوٹا

ہم نے مانا کہ نہیں آج قفس کا در باز — ہمصفیروں نے تو سن لی ہے ہماری آواز
ہوگا انجام بخیر اپنا بسانِ آغاز — بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

ہمارا سر ہے فقط اُس کی آستان کے لئے — نہ کبر و نخوت و پندار و عز و شان کے لئے
مجاز میں ہیں پڑے چھوڑ کر حقیقت کو — کہاں پہنچ گئے نکلے تھے ہم کہاں کے لئے
کبھی تو کشتۂ الفت کی دل دہی کر دو — یہ منتظر ہے فقط ایک لفظ "ہاں" کے لئے
سحر کے نالے مرے بے سبب نہیں ناصح — جرس کی طرح میں ہوں نغمۂ کارواں کے لئے
یہ گوشِ گل میں صدا عندلیب کی پہنچی — گری جو برق تو میرے ہی آشیاں کے لئے
نتیجہ خیر ہوا چاک دامنِ یوسف — زلیخا داغ بنی اپنے خاندان کے لئے
ہمارے رنج و محن کی ہے داستاں طویل — کچھ اس جہان کے لئے ہے کچھ اُس جہان کے لئے

نبھا شنک سمبا سے چند قطعات

بولی رنبھا واہ کیسا لطف ہے صحرا میں آج — سر پہ رکھے ہیں جوانانِ چمن پھولوں کا تاج
کیا مہکتا ہے یہ صحرا ہے گلابوں پر ہر ایک — مرغ شاخ گل پہ اور دریا میں بط او [illegible]

کیا مزے کی بات ہے دل کو بھاتا ہے سماں — سبزہ ہے نیچے سے اوپر تک زمین و آسمان
چہچہے کرتے ہیں بلبل اور پپیہے کوکتے — [illegible] حالت میں [illegible] جہان

بولے شنک نبھا ذرا دیکھو تو صحرا کی طرف — کیسے بیٹھے ہیں [illegible]
کوہ [illegible] وقت یاد [illegible] — کھاتے ہیں [illegible]

کوئی ہے مصروف یادِ حق میں چپ بیٹھا ہوا　　پاک اشلوکوں کی ہے کوئی تلاوت کر رہا
جس کے سننے سے گنہگاروں کے جلتے ہیں گناہ　　اور کھل جاتی ہے بالکل حالت ہر دوسرا

تیرتھوں پر ہیں برہمن بید خوانی کر رہے　　اور سمجھا کر ہیں اظہارِ معانی کر رہے
شیو کے درشن ہوتے ہیں کھلتا ہے رازِ عنصری　　واہ وا کیسا ہیں وا رازِ نہانی کر رہے

ہندی نظم ملاحظہ ہو

کسی اُستاد کا شعر ہے :-

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ ثمر نہ سایہ دارم　　ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :-

نا پاتی نا پھول پھل نا چھایا چھتنار　　نا جانوں کیہے ہیتو موہیں اُپجایو کرتار

دوسرا شعر ہے :-

پرتو حسنت نگنجد در زمین و آسماں　　در حریمِ سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہٗ

ترجمہ ملاحظہ ہو :-

تین تلوک ماں نا ہین سمانو جیوتی اکھنڈ اپار تمھاری
بھگتن ہر دیسے باس کس کینھو لیلا اپرم پار تمھاری

واسدیو یا شارکا

پنڈت واسدیو صاحب۔ آپ کشمیر کے گاؤں توتر میں ۱۸۸۸ بکرمی میں پیدا ہوئے تھے اور تقریباً ۵۵ سال کی عمر پا کر ۱۹۴۳ بکرمی میں انتقال کر گئے۔ آپ ایک خدا دوست اور حق رسیدہ بزرگ تھے۔ اسی وجہ سے دیگر سادھوؤں اور مہاتماؤں کی صحبت میں اپنا بیشتر وقت صرف کرتے تھے۔ پنڈت دیوہ کول صاحب دیوہ کے حالات میں کشمیر کے مشہور سوامی طوطہ کاک جی مہاراج کا ذکر آگیا ہے۔ پنڈت واسدیو کو بھی انکے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔

افسوس ہے کہ آپ کے مزید حالات باوجود تلاش دریافت نہ ہو سکے۔ صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ آپ۔ دیوان پنڈت شیو ناتھ کول صاحب مختظر اور پنڈت دیوہ کول صاحب دیوہ کے ساتھ محفلِ سخن گرم رکھا کرتے تھے۔ حضرتِ مختظر پنڈت دیوہ کول صاحب کے نہایت گہرے دوست تھے اور سوامی طوطہ کاک سے بھی خاص عقیدت رکھتے تھے۔ دیوان صاحب نے پنڈت دیوہ کول کی وفات پر جو قطعہ تاریخ لکھا تھا اس کی ایک نقل ہمیں ہاتھ آئی ہے۔ اس کو یہاں ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا۔

اگرچہ رفتنِ دیو کول جائے آلام است	ولے چہ غم کہ محبِ حبیب خود کلام است
عیاں دو تن بجہاں خفتہ یک رواں بردند	بہم مدام مئے عشقِ خاص مے خوردند
چو دید طوطہ وے ازدرِ ہجر خود دلریش	کشید دیر و بہ شفقت بہ بزم عشرت خویش
برائے سالِ وصالش رہینِ الفتِ شاں	بگفت مختظر لطف و رحیم ایں پاکاں
بروئے زیب ز دنیا کشیدہ دل بے ہول	بظلِ عاطفتِ طوطہ کاک شد دیو کول

سنہ ۱۹۴۹ بکرمی

کئی بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ واسدیو صاحب کا کلام پرانی شاعری کا ایک اچھا نمونہ تھا۔ لیکن جس طرح آپ کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے اسی طرح آپ کا کلام بھی نہیں ملتا۔ بصد مشکل آپ کی تصنیف سے دو نظمیں اور وہ بھی پنڈت دیوہ کول کے ہاں سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ایک سوامی طوطہ کاک جی مہاراج کی تعریف میں اور دوسری خود انکی ہردوار کی یاترا سے واپسی پر۔ اول الذکر میں ناظرین شاعر کے زورِ طبع کا اندازہ فرمائیں۔

قصیدہ قوافی دار در تعریف طوطہ کاک سادھو

بادشاہا شہنشہان زمستی	در غلامیت داد ہر دم دم
زیرِ ایوانِ قصر تمکینت	مہر و شمعہ فلک نم نم
چون نشینی بکا مبخششی ہا	می‌شود دور دور حاتم تم
نظرت کیمیاست گر نگری	گنج بانند زر فشانت خاتم کم

تا کنی جلوهٔ بباغ ظهور … گل بکف رنگ و بوی شبنم نم
چون بعالم ز نیکوئی داری … صیت و آواز و شهرت و دم دم
داغ هجران منه بهیچ دلی … گر نهی باز بخش مرهم هم
ساقی کوثری بجام الست … تشنه لب را نوازش زمزم
جوش گرمی شوق پابوست … خشک تر کرد در دهانم نم
نظرم تا ز چشم تو وحشی است … آهو آموزد از قرارم رم
گر سگ کوی خویشتن خوانیم … شیر غم را ز هم ترانشم شم
گر همای تو سایه اندازد … باز گیرد ز پنگ کبکم کم
تا فدای تو گشت جان و دلم … نیست از هیچ دود داغم غم
بر مرادم اگر نه گردد چرخ … میخورد زیر انقلابم بم
جز لب لعلت ار شکر باشد … بی سخن گفتنش شناسم سم
غیر نامت که هست ورد زبان … بسته بهتر ز انسلا فم
چون مرا نیست جوهر غواص … از فن گوهری ندادم دم
لیک در بحر ژرف معنی ها … آشنای سخن شوم کم کم
گر سحاب کرم مطیر شود … از یکی قطره بر کشایم یم

پای خواهش کشم بدامن عشق
تا نباشد بسوی هیچم چم

قصیدهٔ تاریخ آمدن پنڈت طوطه کاک صاحب سادهو از هند به کشمیر

قاصدی با ناز و طناز آمد از هندوستان … هان کر جان دوستان باز آمد از هندوستان
سرو آزاد گلستان فضای لامکان … خازن گنجینهٔ راز آمد از هندوستان
بلبل بستان معنی قمری گلزار لفظ … با نوا با برگ و با ساز آمد از هندوستان
بینوایان نشاط عیش را در هر مقام … دم کش و غمخوار و دمساز آمد از هندوستان
سایهٔ بال هما و مایهٔ آب بقا … کرده سیری یا ز شهباز آمد از هندوستان
همدم انفاس ناسوت و بلاهوتش قدم … محرم انجام و آغاز آمد از هندوستان

پائے بست عشرت دلہا اساس نونہال — کاخ غم را خانہ پرداز آمد از ہندوستان
بزم عشرت را چو جام و شور محفل را چو باغ — سرخوش و مست و سرانداز آمد از ہندوستان
در گلستان وفا و گلشن صدق و صفا — بلبل خوش لحن و آواز آمد از ہندوستان
زاہد معبود برحق شاہد مقصود خلق — غسل گنگا کردہ با ناز آمد از ہندوستان
غیر حرف حق بشست از لوح خاطر نقش غیر — بے ہوا و حرص و بے آز آمد از ہندوستان
پا براہ در داز بنارس رو بسوئے کشمیر کرد — طائر ہمت بہ پرواز آمد از ہندوستان
چون سراپا دید گنگا شار کا آواز داد — طوطئ شکر سخن باز آمد از ہندوستان

مادۂ تاریخ ۱۹۲۴ ہجری

وطن - پنڈت برج لال نہرو صاحب خلف پنڈت نند لال نہرو صاحب

آپ ۵ مئی ۱۸۸۴ء کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے۔ تین برس بعد آپ کے والد کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا اور آپ کی پرورش و تعلیم زیر سایۂ عاطفت اپنے عموی محترم نور قوم پنڈت موتی لال نہرو مرحوم ہوئی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں الہ آباد یونیورسٹی کی بی۔ اے۔ ڈگری لیکر آپ انگلینڈ تشریف لے گئے اور وہاں ایڈنبرا کالج میں داخل ہو کر سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ چنانچہ اسی کالج سے ایم۔ اے کی ڈگری ۱۹۰۴ء میں آپ نے حاصل کی اور اسکے بعد محکمہ انڈین فائنینس میں وزیر ہند نے آپ کی تقرری فرمائی۔ آپ فی الحال محکمہ ایسٹ انڈین ریلوے میں بمقام کلکتہ عہدۂ ڈپٹی آڈیٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی زبان فارسی کی تعلیم معمولی ہے مگر غالب اور دیگر شعرائے باکمال کے کلام کو بہ غور مطالعہ کرکے کافی استفادہ حاصل کیا ہے۔ اور چونکہ آپ نے قدرتاً طبع موزوں پائی ہے آپ اردو اشعار بہ آسانی موزوں کر لیتے ہیں۔ ہاں البتہ انگریزی نظموں سے آپ کی اعلیٰ قابلیت اور لیاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ نے تقطیع اشعار کا ایک جدید اور آسان طریقہ نکالا ہے جن حضرات کو یہ طریقہ دریافت کرنا منظور ہو وہ حضرت وطن سے خط و کتابت کرکے اس سے ماہر ہو سکتے ہیں۔ حسب الارشاد وطن صاحب اشعار ذیل بلا ردو بدل درج کئے جاتے ہیں۔

اس قدر جور و جفا ختم ہے بیداد کا نام — اے خدا تیرے سوا کس سے لوں امداد کا نام



پنڈت برج لال نہرو۔ وطن

درد سینہ سے نکلنے کو کرے ہے اصرار | عقل کہتی ہے نہ لو غیر سے فریاد کا نام
مثل پتھر تہ بنیاد میں دبنا منظور | میرے دبنے سے ابھر آئے گر اولاد کا نام

باقی ہے اب بھی نام اگر عز و شاں نہیں | رہتا ہوں اک محل میں اگر پاسباں نہیں
ٹھہرا ہے جس سے روح - وہ گرمی کلام کی | اب بھی نہاں ہے گو مرے منہ میں زباں نہیں
اہل سخن کی بزم سے میں کیوں کروں گریز | کیا محفلوں میں میری زباں دُرفشاں نہیں
شیخی بہت سُنی تری - کچھ کام بھی دکھا | منظور اب مجھے یہ چنیں و چناں نہیں
دیکھو اثر یہ آہ کا جس نے کیا ذلیل | اب وہ زمیں نہیں رہی وہ آسماں نہیں

قومیں ہوئیں سب ایک پھرینگے وطن کے دن
اب امتیاز برہمن و مسلماں نہیں

ہے مجھے جستجو وہی - راہ مجھے دکھائے کون | حق کی مجھے تلاش ہے - نام خدا بتائے کون
خلق سے ساری روٹھ کر آنکھوں کو آنسوؤں سے دھوئے | گوشہ نشیں ہیں مادرِ ہند انکو گر منائے کون
دولت کی جب تلاش میں گھر سے نکل کے جو رہے | شامل کانگریس ہوئیں - بچوں کو پھر کھلائے کون

سینیں رسموں کے پھیر میں اے شیخ ہوشمند | مٹی میں آبرو کو نہ اپنی لتھیڑ تو
وہ دن گئے اور آیا زمانہ سوراج کا | ڈر سے کسی کے پاؤں نہ ہرگز سکیڑ تو
خوں ہے رواں رگوں میں ہے بیداری کا سماں | اب سوتے والے فتنوں کو دے ایک ایڑ تو

لڑتے ناحق تھے ہم ہند کے بچے پیارے | کج خیالی نے بہت روز ستایا ہم کو
ایک مدت سے تھے غفلت کے نشہ میں دونوں | غیر نے بات میں بے پر کی اڑایا ہم کو
نیند کے غلبہ میں مُردوں کی طرح سوتے تھے | صور کی جگہ پہ گولے نے جگایا ہم کو
ان شہیدوں نے جو عالم سے مٹے ہستی کے | بیش قیمت ہے سبق یہ - جو پڑھایا ہم کو
ہے دعا روح پہ اُن کی ہو خدا کی رحمت | راستہ فتح کا کیا خوب بتایا ہم کو
آج وہ دن ہے کہ ہندو نے بھی کی [illegible] | فرض بھائی پہ برادر کا [illegible] سمجھایا ہم کو
سیدا احمد کا وہ کہنا کہ یہ دونوں آنکھیں | ایک ہی ماں کی ہیں - پھر یاد دلایا ہم کو
پردہ آنکھوں سے اٹھا جبر تعصب ٹوٹا | باغ پر قبضہ - یہ عالم نظر آیا ہم کو

مل کے لازم ہے کہ خدمت کریں اُسکی جسنے — پالا پوسا ہمیں اور مرد بنایا ہم کو
کام ایسا نہیں کوئی کہ نہ ہو مردوں سے — اہل دانش نے سبق ہے یہ سکھایا ہم کو

غیب سے ہمتِ عالی کی مدد ہو گی وطن
چھوڑنا وقت مصیبت نہ خدایا ہم کو

اے وائے اضطرابی خاطر۔کروان عتاب — اور یاں عتاب نامہ کا بھی انتظار ہے

ولی۔ پنڈت منموہن کشن ولی صاحب۔ نیز صفحہ ۶۹۵ ملاحظہ ہو۔

آپ ۱۸۹۵ء میں بمقام لاہور پیدا ہوئے اور وہیں فورمین کرسچین کالج سے ۱۹۱۰ء میں بی۔اے آنرز کی ڈگری آپ نے حاصل کی۔ اسکے بعد آپ انگلستان تشریف لے گئے اور بیرسٹری کا امتحان پاس کرکے ۱۹۲۳ء میں وہاں سے واپس آکر لاہور میں پریکٹس شروع کی۔ اب تقریباً تین سال سے آپ ریاست سکیت میں ملازم اور عہدہ جوڈیشل سکرٹری پر ممتاز ہیں۔

نوحہ بر وفات پنڈت جیون لال کول ڈپٹی سکرٹری ریلوے بورڈ دہلی

اے جوشِ حُبِ قومی ہے امتحاں ہمارا — دنیا سے اُٹھ گیا ہے اک نوجواں ہمارا
تھا ناز جس پہ ہم کو آنکھوں کا تھا جو تارا — وہ قوم کا دُلارا اور دلستاں ہمارا
بجتی تھی جس کی نوبت دنیا میں وہ کہاں ہے — جھنڈا گرا تھا جس کا وہ مہرباں ہمارا
اندھیر اک جہاں میں آتا نظر ہے ہم کو — گل ہو گیا چراغ کشمیریاں ہمارا
ہستی مبارک اُس کی تھی قومی انجمن میں — ہے ایسی ہستیوں سے قائم نشان ہمارا
اِس آن میں بُلایا خلاقِ دو جہاں نے — بہوت غم ہوا ہے پیر و جوان ہمارا
گذرا وہ جس کا نافذ تھا حکم ریلوے میں — آنکھوں سے اُڑ گیا ولی بن کر دھواں ہمارا
اس عمر بیوفا کی پینتیسویں تھی منزل — قزاقِ مرگ! لوٹا کیوں کارواں ہمارا
بھائی فضائے جنت اُس گل کو فصلِ گل میں — منت پذیر ہوگا باغِ جنان ہمارا

سولہ تھی فروری کی اُنیس سو اکتیس ۱۹۳۱
خلد آشیاں ہوا جب فخرِ جہان ہمارا

ہاکسر۔ پنڈت چاند نرائین ہاکسر صاحب خلف پنڈت گووند نراین ہاکسر صاحب تلمیذ حضرت رہبر جالندھری

آپ کے جدّ امجد پنڈت کنہیّا لال ہاکسر المتخلص بہ مضطرؔ تھے۔ مارچ ۱۹۳۲ء میں بہ سرپرستی بزم ادب مادھو کالج اجین ایک مشاعرہ منعقد ہوا تھا اُس مشاعرہ میں بہ حیثیت طالب علم ہاکسر صاحب کی غزل مقبول قدر دانان سخن ہوئی اور آپکو ایک چاندی کا تمغہ عطا ہوا تھا۔ وہ غزل ذیل میں درج ہے۔

کس جگہ بھول گیا کس کو دیا۔ یاد نہیں
آج پہلو میں ہمارے دلِ ناشاد نہیں

جب سے دل اُس بتِ کافر سے لگایا ہمنے
ایسے بھولے کہ رہا نام خدا یاد نہیں

اب جو اُٹھے مرے سینہ سے دھواں ہی اُٹھے
تاب اُٹھنے کی تو مجھ میں ستم ایجاد نہیں

صرف دو چار قدم کا ہے تفاوت ورنہ
کالے کوسوں تو یہاں سے عدم آباد نہیں

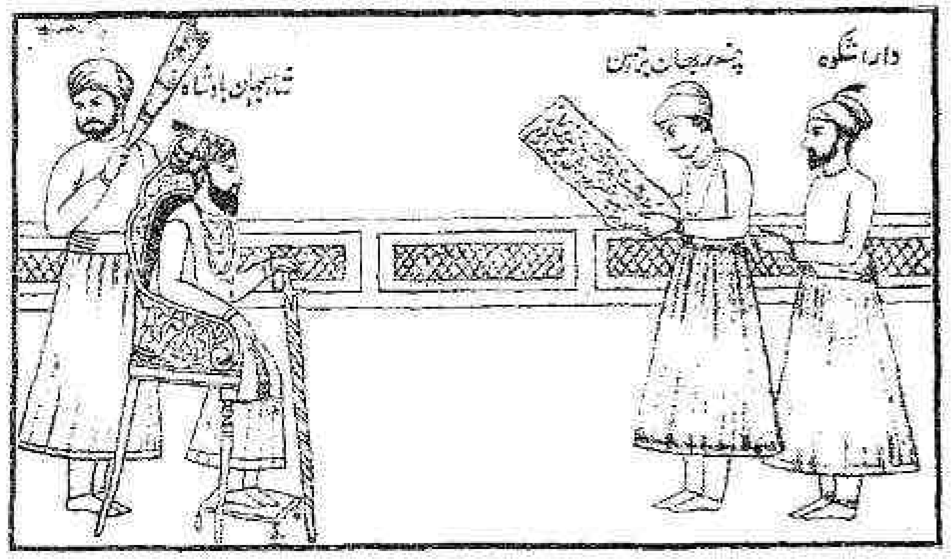
جانے کیا خواب میں دیکھا ہے خدا خیر کرے
آج قابو میں ہمارا دلِ ناشاد نہیں

تھا یہ ارماں کہ شبِ وصل کریں گے شکوے
جب وہ آئے تو رہا ظلم و ستم یاد نہیں

بعد مردن بھی رہیں گے مرے ذرّے قائم
مٹنے والی مری تعمیر کی بنیاد نہیں

یا وہ حالت کہ نظر میں تھی ہر اک منزلِ دوست
یا یہ عالم کہ رہا گھر بھی مجھے یاد نہیں

مجھکو رونا ہے تو یہ ہے۔ کہ مری قسمت سے
وہ بھی کہتے ہیں کہ تو قابلِ بیداد نہیں



دارا شکوہ نے چندربھان برہمن کو شاہجہاں کے حضور میں
پیش کیا ہے



پنڈت دھرم چند کول ۔ جلالی



پنڈت بشمبر ناتھ سپرو۔ صابرؔ



پنڈت کشن لال ڈُل ڈُل

بقیہ ضمیمہ جلد اوّل

اٹل۔ پنڈت کشن لال اٹل صاحب خلف پنڈت موتی لال صاحب

آپ کی جائے ولادت دہلی ہے آپ نے جنوری ۱۹۲۱ء میں تقریباً ۸۴ سال کی عمر پاکر بمقام لکھنؤ رحلت کی ۱۸۸۰ء تک آپ مہاراجہ رام سنگھ جی صاحب والیٔ جے پور کے دربار میں رہے اور اُس کے بعد کچھ عرصہ تک آپ نے مہاراجہ جسونت سنگھ جی صاحب والیٔ جودھپور کی ملازمت کی۔

قصیدہ

شہنشاہ اڈورڈ ہفتم بلا ۔۔۔ بما ناو محفوظ از ہر بلا
نہال گلستان ولیم دی فورتھ ۔۔۔ پرنس البرٹ ابن وکٹوریا
گرفت از سرِ تاج شاہنشہی ۔۔۔ سرت زینت و کروم اینک دعا
بعیش وطرب زی بسے سالہاں ۔۔۔ کند مملکت روز افزوں خدا
رفیقت بماند ہمہ عمرِ تو ۔۔۔ شہنشاہ بانو الکزنڈرا
ہمہ خورم و شاد یارانِ تو ۔۔۔ بیکے دشمنت صد بلا در قفا
ترا خدمتے قبل ازیں کردہ ام ۔۔۔ بہ دربار جے پور بشنو شہا
بیاد آرمت شادمانی تو ۔۔۔ چو زیر گلو نشترے زد صدا
مبادا کہ گوشت گرانی کند ۔۔۔ زبس مختصر ساختم مدعا
پئے سال ایں جشن عالم فروز ۔۔۔ بہ بینی بہ گوشم چہ آمد صدا
سہ پنجاہ و شش صد ہزار بہ ثلث ۔۔۔ سن عیسوی گشت تخت بقا

۱۹۵۹ بکرمی ۔۔۔ ۱۹۰۳ء

قصیدہ در مدح شاہنشاہ ہند

نام لینے کو ترا دھوتا ہوں پہلے بھگون
کیوڑہ و مشک سے سو بار زبان اور دہن

جارج پنجم تجھے آنند رکھے نارائن
آمین از ہر بشر و ہست دعا این از من

کوئی ہم پلہ نہیں آج ترا دنیا میں
نہ تو فغفور نہ قیصر نہ تو زار رشین

دولت و عظمت و شوکت جو تجھے ہے حاصل
پہونچے اس تک نہ بھرت اور نہ رام اور راون

آب و خاک آتش و باد ہیں ترے سب حکم میں دیکھ
احسن اللہ کما احسن قد لا تمنن

چاند سورج سی بنو تم تری تیری کی بالو
جب تلک ہیں مہ و خورشید فلک پر روشن

تیرا مداح ہوں اور باپ کا بھی تیرے تھا
کیا ہوا پہنچا نہ خدمت میں اگر میں لندن

سارے اسرار ہیں قدرت کے مری پیش نظر
گھولا آنکھوں میں گرو نے ہے کچھ ایسا انجن

بیٹھا خاموش تھا مدت سے مگر وقت آیا
کہے دیتا ہوں میں حضرت کو سخن گر مختصرا

شادی ہے تخت نشینی کی تری عالم میں
پورب اور پچھم اور ایشاں اور اتر دکھن

عیش و عشرت کا سرانجام ہے ہر چار طرف
چوک بازار محلہ گلی کوچہ مسکن

تجھکو رعیت تری دیتی ہے دعائیں لاکھوں
چین سکھ راج میں تیرے ہے یہ اے شاہ زمن

عقل تیری وہ جہانگیر کہ کیا نور جہاں
زور اکبر وہ کہ روباہ سے کم شیر افگن

مملکت کے ترے وزرا ہیں ارسطو اک اک
ایسکوتھ لارڈ کریو ہیں چرچل و چیمبرلین

ہارڈنگ ہے بالفور اور مارلے منٹو لاینز
مشفق ہند وہ رپن اور ہیوم اور کاٹن

نورتن جس کے ہوں مشہور ترے لاکھ رتن
ظرف سب عقل کے اور علم کے جامہ برتن

جو مقدر میں لکھا تھا مرے وہ پیش آیا
جو خداوند کو منظور وہ ہے مستحسن

چھوڑ بیٹھا ہوں میں سب میرا خدا رازق ہے
کچھ نہ چھوڑا ہے ابھی تک تو تمھارا دامن

لے کے آیا ہوں یہ نذرانہ حضور اقدس
تخت کے نیچے میں رکھتا ہوں مجھ کا گردن

تاج اور تخت کو تیرے ہو قیام اور قرار
جب تلک ہند میں بہتی ہیں یہ گنگ اور جمن

خرم و شاد رہیں تیرے ہیں جتنے احباب
رہیں مخذول و مرتد ترے سارے دشمن

خادماں در درگاہ میں معروض اپنا
صنعتِ قلب میں ہے نام اثلؔ لال کشن

رباعیات

آہن کی حفاظت جو کرے کوئی عبث
شیشہ کی حمایت جو کرے کوئی عبث
جو دوست نے لکھ دیا مقدر وہ صحیح
دشمن کی شکایت جو کرے کوئی عبث

ولہ

مرنا جو ضرور ہے تو کل اور کیا آج
کرنا منظور ہے تو پھر کل کیا آج
آفت جو کسی پر ہے مدد اُس کی کر
تیرا مقدور ہے تو پھر کل کیا آج

ولہ

اچھا ہے جو سرو کی طرح ہو آزاد
اچھا ہے نہ پھل نہ پھول ہو جیوں شمشاد
گر کچھ ہے بُرا، تو ہے وہ ۔ سروسامانی
جب کچھ بھی نہ ہو تو کیوں ہو ناشاد

ولہ

الٰہی میں ہوں بندۂ شرمسار
ترے عفو کا دل سے ہوں خواستگار
بچا اپنی رحمت سے میرے خدا
میں بخشش کا ہوں تیری امیدوار

ولہ

جستجو میں رہے سب صاحب راز
تیری قدرت کا نہ پایا انداز
بات اُلجھن کی ہے مت پوچھ اثلؔ
شب ہے کوتاہ کہانی ہے دراز

ولہ

شعبدہ باز ہے چرخِ بدکیش
دیتے کچھ دیر نہیں نوش نہ نیش
چاہے اک دم میں کرے شاہنشاہ
چاہے لحظہ میں بنا دے درویش

ولہ

اپنا معبود سے رکھنا اخلاص
نکتہ بتلا دیا یہ خاص الخاص
بات تہ کی تمھیں کہہ دی ہے اثلؔ
پائیں گے موتی جو ہونگے غواص

ولہ

میں ہوں کوتاہ زباں تو ہے سمیع
پست ہوں میں تری درگاہ رفیع
میرا ایمان سوا تیرے نہیں
تیری رحمت کو میں لایا ہوں شفیع

ولہ

الفت جو کھینچ لائی اِدھر اُن کو اے فلک
پہنچے گی میرے گھر کی زمیں آسماں تلک
دونوں یہ ماہ و خور نظر آویں گے خال دو
دکھلا دی میرے یار نے رخ کی اگر جھلک

ولہ

مجھ سے راضی بھی کسی طور سے ہو
میری جانب سے کوئی اُس سے کہو
جان تک دینے کو میں ہوں حاضر
میری اک بات ہے گر وہ کہدو

ولہ

تو خدا ہم ہیں خدائی تیری
نہیں منظور جدائی تیری
بن نہ منصور۔ خبردار امّل
کہیں شامت نہ ہو آئی تیری

آخون - پنڈت ٹیکا رام جیو آخون

آپ سری نگر کشمیر میں ۱۸۴۳ء بکرمی میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی میں اعلیٰ تعلیم پانے کے بعد آپ نے ایک مکتب جاری کیا اور اس میں عوام کی خاطر درس و تدریس کا انتظام کر دیا۔ عمر بھر یہی ذریعہ معاش رہا۔ بہت سے اہل وطن آپ کی تعلیم سے مستفیض ہوئے۔ آپ درحقیقت نہ اعلیٰ پایہ کے اُستاد تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کے کلام میں سے

صرف ایک تصنیف "کبک نامہ" دستیاب ہوئی ہے۔ آپ ۱۹۳۰ بکرمی میں تقریباً ۷۰ سال کی عمر پاکر اس عالم فانی سے کوچ کر گئے۔ پنڈت لسہ کول صاحب المتخلص بہ بہار (جنکے حالات و کلام جلد اول میں درج کئے گئے ہیں) آپ کے قابل فخر فرزند تھے۔

کبک نامہ

چو کبکِ صبح نورانی بصد ناز　　ز کوہِ چرخ کردہ خندہ آغاز
سیاہی بلبل آسا پر زد از باغ　　چو اصل سر کشید از بیضۂ زاغ
برون زد طوطیِ گردونِ بیتاب　　ز خورشید و شفق نورے و سرخاب
چہ نورے شاہبازِ پرتو انداز　　زد از خطِ شعاعی بالِ پرواز
شُد از روشن دلی سردار ہشیار　　چو چشمِ بختِ خود از خواب بیدار
بہر سو باز کرد آن چشم پُر تاب　　ز مژگان نیشتر زد بر رگِ خواب
دہن چون غنچہ وا کرد از تبسم　　زبان چون بلبل آمد در تکلم
سمن بویان چو سرو استادہ گشتند　　ہمہ ثابت قدم چون جادہ گشتند
بخدمت یک بیک از رائے صائب　　ز ندا احوال ہر مغلوب و غالب
یکے گفتا شبانگہ شمع سرکش　　فگندہ بر سرِ پروانہ آتش
ز تیغِ شعلہ اش بے بال و پر ساخت　　دماغش تیرہ از دودِ جگر ساخت
گواہی مید ہد فانوس اینک　　کہ خاکسترنشینش کرد بے شک
چہ گویم تا چہا از بے گناہی　　بران بے خانمان کردہ سیاہی
اگرچہ بود سردار ہنرور　　بہر مظلوم و ظالم رحمت آور
برائے غیرتِ ہر آتشین خو　　ز جوشِ این سخن زد چین بر ابرو

۱؎ در بیانِ صبح۔　۲؎ روز۔　۳؎ کنایہ از آفتاب است۔　۴؎ سردار عبداللہ خان۔
۵؎ ظالمان۔　۶؎ ظالم و مظلوم۔　۷؎ سیاہی کردن کنایہ ز ظاہر شدن۔　۸؎ ظالم۔

نداز و از غضب بر کشتن شمع زوند از خنجر کین گردن شمع
گسسته رشتهٔ جانش بیکدم چو تار آه مشتاقان درهم
بخون تر شد زبان شمع قاتل زہے رحمت زہے سردار عادل
غرض ندکشود لب در خندهٔ تر لباس تازه چون گل کرد در بر
زعکس خلعت زرین براق عیان شد پرتو عشرت در آفاق
کمر بند مرصع بست و برجست چو خورشید آمد و در بزم بنشست
چو جان بنشست بر مسند بتمکین بگردش چون عناصر چار بالین
چو گلشن داد آب و رنگ مجلس کشاده چشم هر جانب چو نرگس
تعالی الله چه بزم راحت اسباب که مخمل از بساطش بود در خواب
بساط جانفزا و دلبری بود نگر از خوش قماشیها پری بود
دلیران صف زدند از خیک خالی سر مسند برنگ شیر قالی
شد از زرکش قباهای خوانین هوا چون برگ گل از عکس رنگین
بهر سو جلوه گر دیبای چین بود تو گفتی چرخ اطلس بر زمین بود
ستاده خیل زنگی با غلامان بباغ ارغوان گل کرد ریحان
در آمد ناظر فرخنده منظر بدستش همچو نرگس کاسهٔ زر
بدنبالش همه خوانهای زرین بدوش حاملان مطبوخ شیرین
ز شربت در طبقهای بلورین گل حلوا شگفت از برگ نسرین
غلط گفتم که در بستان خرم ز برگ نسترن گل کرد شبنم
شد از لذات نعمت آشکارا برار باب تناول منّ و سلوا
ز شربتهای شیرین بسکه تر بود زبان در کام برگ نیشکر بود
زلذت شکّرین کام و دهن شد بنکهت شامه همچشم ختن شد
چنان دست و دهن شد محو لذات که ناظر گشت منظور عنایات

۱۔ جمع خان۔ ۲۔ گل کردن ۔ ظاهر کردن۔

پس آنگہ در سر سردار ذی شان	سرے برزد ہواے صید مرغان
نشست از خسروی بر پشت شبدیز	بہ غیرت از رکابش چشم پرویز
چو پایش بر رکاب افگند پر تو	عنان صبر داد از کف مہ نو
بہ سختی کرد از بس خاک را گم	عیان میگشت ماہی از سہ سُم
نمودے در بیابان از تگا پو	رکابش در نظر ہا چشم آہو
بوصف نعل او عاجز ہلالی[1]	زبانم تر شد اینک از زلالی
ز جستن جستن او سایہ در دشت	چو زاغ آشیان گم کردہ میگشت
ز نعلش گرم چو شیدن شرارہ	تو گفتی کز ہلال آمد ستارہ
دُمش را مو بمو رنگ حنا بود	بسان شعر رنگین خوشنما بود
عیان شد وقت جستن در بیابان	دُم او چون نگار مو پریشان
بہ شوخی ہمقدم چندان کہ گوئی	در آتش نعل او از گرم خوئی
زُسُمش خاک را عنبر بہ دامن	ز یالش نافہ را منت بہ گردن
بجز یالش کہ بوے مشک مید اد	کہ دیدہ سنبلستان بر سر باد
سُمش را از حنا انوار مہ بود	شفق گون گشتہ ماہ چاردہ بود
زبس کان آب[2] گردش بود بیتاب	دُم او گاہ جستن موج سیماب
بنامیزد عجب رخش فلک قدر	کہ در پایش ہلال و بر سرش بدر
بر و سردار با صد عزّت و شان	چو بر تخت[3] روان با شد سلیمان
بر آن زین مرصّع با ہمہ جاہ	چو بیضا جلوہ گر در خانۂ[4] ماہ
بدنبالش روان گردان لشکر	ستادہ چون الف ہر یک برا شقر
نمایان آب خنجر از میان ہا	چو ماہی کو بچشم آید ز دریا
دلیران جلہ بر اسپان تازی	چو ترکب آسمان در ترکتازی

۱؎ نام شاعر۔ ۲؎ چو شبرنگ۔ اصلاح تحسین کاشتکاری۔ ۳؎ تخت روان اسپ را گویند ۴؎ برج سرطان۔

بگرمی ہر سوارے بود بر زین　　بپہلو شعلۂ سرکش تبر زین
ز جوشِ سطوتِ غوغاے لشکر　　نمود آن بادیہ صحراے محشر
غرض در کوہ بعد از قطع ہامون　　گذر کردند چون فرہاد و مجنون
خدیو محتشم فرماندہِ خاص　　خرامان زیرِ رانش کبک رقاص
سمندش غیرتِ بالِ پری بود　　غلط گفتم غلط کبکِ دری بود
بگفتا ہر یکے در صیدِ کبکان　　شود چون شہپرِ سیمرغ پرّان
ز یکسو خیلِ افغانِ جفاکار　　تو گفتی نالہ مے پیچد بہ کہسار
ز یکسو ہندیانِ لب پُر از شور　　عیان گشت از سلیمان لشکرِ مور
ز تیغ کوہ صیّادانِ سیاف　　چو سیمرغ آشکارا از قلعۂ کاف
طپیدن کرد سر از جوشِ بسیار　　رگِ کہسار ہمچون نبضِ بیمار
گریزان سو بسو کبکان پیاپے　　ز بیمِ محتسب ہمچون بطِ مے
ز لشکر در کشاکش آنچنان بود　　کہ کبک اندر نظر زاغ کمان بود
ہمہ زان کوہ از وحشت گریزان　　تو گفتی پر زند مرغِ سلیمان
ز افغان ہر طرف کبکانِ دل تنگ　　شرر آسا بدر جستند از سنگ[1]
ولے ہر کبک زان ترکانِ صیاد　　چو جست از آشیان در دام افتاد
ہمہ گرمِ طپش در دام پیچان　　بسانِ مرغِ دل در زلفِ خوبان
فشاندند اشکِ سُرخ از دیدۂ تر　　ز کبک آمد برون خونِ کبوتر
ز تارِ آہِ کبکانِ دل افگار　　سلیمانی صفت بستند زنّار
چنان خونین شد از کبکانِ بیتاب　　کہ شد تختِ سلیمان کوہِ سرخاب
ز جوشِ غم دلِ کبکان مایوس　　سراپا داغ شد چون بالِ طاؤس
ہمہ بر تیرہ روزے قہقہہ زن　　چو قمری طوقِ استغفا بگردن
ز بیمِ خنجرِ گردانِ خونخوار　　دلِ کبکان دو نیم آمد چو منقار

[1] سنگ سلیمان۔

مقید شد از ان فوجِ رسن ساز ہزاران در قفس صد بار سن باز
نموے در قفس ہر مرغِ غمناک دلِ عاشق درونِ سینۂ چاک
نمایان در رسن کبکانِ دل خون چو لختِ دل بتارِ آہِ مجنون
زبس کز دستبرد فوجِ سیّار نشانِ کبک شد عنقا بہ کہسار
گذر کردند در میدان ز کہسار بلند و پستِ گیتی شد نمودار
قضارا جمعے از کرگس دران حال چو نسرین از بلندی فارغ البال
ہمہ اندر ہوا گرمِ پریدن چو چشمِ بلبلان از شوقِ گلشن
چو این کبکانِ چنبر بستہ دیدند زبانِ طعنہ برایشان کشیدند
کہ ہان اے کوہیانِ سست بازو ہمہ بے پر چو شاہینِ ترازو
ازین لشکر چرا اندیشہ دارید طپیدن چیست یکسر پر برآرید
زبالِ خود شمارا ذوالفقار است چہ باک اے بیدلان زین گیرودار است
شنیدستم کہ یک کبکِ سخن ساز برایشان زہرہ خندے کرد آغاز
کہ بر عمرِ درازِ خود منازید زحدِ خویش بالاتر متازید
بپروازید دل زین لافِ ہذیان کہ اینجا کرگس و کبک است یکسان
رسانید این خبر را عقلِ ہشیار چو مرغِ نامہ بر در گوشِ سردار
ندا بر زد کہ بازِ تیرِ پرواز کشاید پر چو تیرِ ناوک انداز
شدند استادہ یکسر بازداران بجوش اندر چو سیلِ کوہساران
رہا کردند بازان را چو شاہین بصیدِ کرگسانِ خویشتن بین
پریدند آنقدر بازانِ صیاد کہ نسرین از فلک آمد بفریاد
بصیدِ کرگسان گشتند طیار ہمہ تیغ و دو دم در کفِ ز منقار
بچشمِ کرگسان از جوشِ سودا جہان تاریک شد چون مرغِ عنقا
زبس خوردند زخمِ تیغِ شہپر شدند آشفتہ چون کنجشکِ لاغر
فتادہ ہر یکے با چشمِ خونریز بگردون ششپری از شہپرِ تیز

ـــہ ششپر قسمے از سلاح است۔

بزورِ بختِ سردارِ فسوں ساز | مبدّل شد بکرگس عمرِ شہباز
شدند اندر کشاکش بسکہ مذبوح | پرید آں کرگساں را طائرِ روح
درِ انعام از سردارِ ذیشان | بیکدم باز شد بر بازداران
زسیم و زرعطا شد بخشِ ہرکس | تو گفتی بیضۂ بنہاد کرگس
پس از انعام شد سرگرمِ رفتن | بیادِ شاہ باز آمد نشیمن
فرود آمد زبادِ کوہِ تمکین | بخانہ نقل کرد از خانۂ زین
چنیں باشد رہِ شاہانِ عادل | کہ برگردند خوش منزل بہ منزل

آغا - پنڈت نرنجن ناتھ آغا صاحب

آپ کا ذکر جلد اول میں کیا گیا ہے مگر آپ کی غزل کے نقل کرنے میں کاتب سے سخت غلطی ہوئی ہے۔ حضرت آغا نے اپنے مزید حالات زندگی معہ چند غزلیات کے ارسال فرمائے ہیں جو شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔ آپ کی صحیح تاریخ پیدائش ۱۴ دسمبر ۱۸۶۶ء اور مقام ولادت مرادآباد ہے۔ سرکاری ملازمت کے زمانہ میں آپ مرادآباد۔ شاہجہاں پور۔ بدایوں۔ پیلی بھیت۔ بجنور۔ گورکھپور۔ اناؤ۔ بستی اور متھرا میں رہے۔ اور آخر ۱۹۲۲ء میں بعد ختم ملازمت سی سالہ مظفر نگر سے مستعفید پنشن ہوئے۔ ۱۸۹۶-۹۷ء میں آپ کو خوشنودی مزاج جناب لفٹننٹ گورنر کا سارٹیفکٹ ملا۔ اور ۲۔ نومبر ۱۹۰۸ء کے پبلک دربار بریلی میں جناب لفٹننٹ گورنر بہادر نے آپ کی خدمات پلیگ کی تعریف اپنی اسپیچ میں فرمائی اور سارٹیفکٹ عطا کیا۔ ۱۹۱۰ء کی نمائش الہ آباد میں جواہرات کے محکمہ میں آپ کی تعیناتی خاص طور پر کی گئی اور آپ کی حسن خدمات کے صلہ میں آپ کو سارٹیفکٹ دیا گیا۔ خدمات زمانۂ جنگ کے صلہ میں بھی آپ کو سارٹیفکٹ ملا ہے۔ آپ کے دادا پنڈت آفتاب رائے صاحب آغا ۱۸۵۷ء

نوٹ: عمر شاہباز یکسالہ است و عمر کرگس سہ صد و چند سال است۔



شریمتی روپ بھوانی۔ الک دختر پنڈت مادھوجو در

میں مستفید پنشن ہوئے تھے۔ لیکن ایام غدر ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ نے اُن کو خیر خواہ سمجھکر پھر سلسلۂ ملازمت میں لیا اور غدر کی خیر خواہی میں ان کے پسر پنڈت دینا ناتھ آغا کو تحصیلدار مقرر کیا اور تحصیل اترولی ضلع علیگڈھ میں جاگیر عطا کی جو ابتک موجود ہے چند ریاست ہائے بندیلکھنڈ نے پنڈت نرنجن ناتھ صاحب کی خدمات سے مستفید ہونا چاہا تھا مگر پنڈت صاحب نے ریاستوں کی ملازمت کو پسند نہیں کیا۔

وہ ہے بتکدے میں وہی ہے حرم میں ۔۔۔ ہے دونوں گھروں میں ٹھکانا کسی کا
تمھیں یاد ہو یا نہ ہو حضرتِ دل ۔۔۔ ہمیں یاد ہے دل لگانا کسی کا
کوئی دل کو دیکھے نہ ترچھی نظر سے ۔۔۔ خطا کر نہ جائے نشانا کسی کا
ذرا دیکھ لے چل کے صیاد تو بھی ۔۔۔ کہ اُٹھتا ہے اب آب و دانا کسی کا
ملا خوب آرام مٹی میں مل کر ۔۔۔ فلک بن گیا شامیانا کسی کا

ولہ

ذرّے ذرّے میں ترا حسن سراپا دیکھا ۔۔۔ تیری کثرت میں بھی وحدت کا تماشا دیکھا
ڈھونڈنے والے تجھے کوہ و بیاباں میں گئے ۔۔۔ ہم نے جب دیکھا تجھے دل میں ہی بیٹھا دیکھا

ولہ

شان دنیا میں تری ہم نے نرالی دیکھی ۔۔۔ خلق جتنی تھی ترے در پہ سوالی دیکھی
اور دیکھا جنھیں۔ تھے کین و دغا کے بندے ۔۔۔ اک فقط ذات تری عیب سے خالی دیکھی

الکؔ - روپ بوائن صاحبہ عرف روپ بھوانی الکؔ

آپ کے حالات زندگی جلد اوّل کے صفحات ۴۸۶ اور ۵۶۷ میں درج ہو چکے ہیں اس سلسلہ میں پنڈت دینا ناتھ صاحب چکبستؔ مقیم سرینگر کو بڑی تلاش کے بعد ایک اور مسودہ دستیاب ہوا ہے جس میں بالہ پنڈت ور (برادر الکؔ) اور شری روپ بھوانی دونوں کے وہ مشہور خطوط درج ہیں جن کی ایک مدت سے تلاش درپیش تھی۔ جلد اوّل میں روپا بھوانی کے جو اشعار شائع ہوئے ہیں وہ نامکمل ہیں اور اُن میں بعض اشعار بالا پنڈت کے غلطی سے شامل ہوگئے ہیں روپ بھوانی کے اشعار تو

کسی کسی کو یاد بھی ہیں مگر بال پنڈت کے منظوم خط کا تو کوئی شخص نام تک نہیں لیتا۔ غالباً سب کا یہ قیاس ہے کہ وہ خط نثر میں لکھا گیا ہوگا۔ لیکن نہیں حقیقت یہ ہے کہ دونوں خط منظوم تھے۔ الکؔ کے پدر بزرگوار اُن کے گرو بھی تھے اور یہ اپنے باپ ہی کی تلقین کا نتیجہ تھا کہ الکؔ کو زمرۂ عارفان میں ایک خاص جگہ ملی۔ الک کی تصویر کا دستیاب ہونا قریب قریب ناممکن تھا مگر اُن کے خاندان کے لوگ سرینگر کشمیر میں موجود ہیں اور جناب ڈاکٹر پنڈت بالکشن صاحب کول رائے بہادر کی خاص سعی و توجہ سے الکؔ اور اُن کے باپ کی تصویریں ہاتھ آئیں جو زینت بخش صفحات تذکرہ ہذا کیا۔

مسودہ مذکور کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے:۔

(عرضداشت منظوم من کلام بال پنڈت در مرید صادق (برادر حقیقی) شری روپ بھوانی صاحبہ کہ در ہندوستان رفتہ بود از آنجا نوشتہ فرستاد است)

عرض حالِ سرگزشتم بشنوید ۔ لاعلاجم چارہ سازِ من شوید
بودم از غفلت در ایامِ شباب ۔ روز و شب مشغولِ ذکرِ خورد و خواب
ہم ز پائے کار غافل ہم ز سر ۔ بودم از اصلِ خبر۔ پُر بے خبر
مدتے بودم ز الطافِ کمال ۔ بہرہ مند از دولتِ قربِ وصال
قدر آن دولت بلے نشناختم ۔ خود بیر او راستی کج باختم
. . . .
وائے بر من جرمِ غفلت کردہ ام ۔ سر بسر تقصیرِ خدمت کردہ ام
چون چنین جرمے زمن گشتہ ظہور ۔ بر کنار افتادم از دریائے نور
صد بیابان دُور ماندم زان جناب ۔ خانۂ ہجران شود یا رب خراب
باز رُوئے از راہِ غفلت تافتم ۔ بر درِ رحمت سُراغے یافتم
رفت در پائے دلم خارِ طلب ۔ دم بدم شُد گرم بازارِ طلب
پئے بسوئے رہ نہ بردم چند گاہ ۔ دُور ماندم زان درِ عالی پناہ
تا کہ روزے خضرِ وقتے شُد دو چار ۔ گو ز راہِ ظلمتم شُد دستیار
چونکہ پیمودم ز رہ چندین قدم ۔ ناگہان گشتہ اسگے سنگِ رہم
آن نہ سنگ ہم سنگِ گرگ و شیر بُود ۔ دہشتش از عالمے جان می ربُود
سنگ بہ یک لقمہ وفاداری کند ۔ این سنگ از خوردن جفاکاری کند

زین سگ درندہ یاران الحذر — الحذر اے زیرکان کردم خبر
چون سگ بدخوے دامنگیر شد — پس بپائے رفتنم زنجیر شد
از کشاکشہائے آن سگ دم بدم — صد ولا ساکردہ رفتم یک قدم
قلعۂ دیدم چو رفتم چند گام — بود در رفعت بسے عالی مقام
. . . . ؟ — تا بخلوت گاہ او پے بردمے
جانب خود ناگہان دیدم روان — از نگہبانان آن دہ پہلوان
ہر یکے دیدم عیار و رہزنے — در رہ یزدان شدہ آہرمنے
ہر یکے در گمرہی غول شدہ — ستر راہ راہ مقبول شدہ
ہر یکے راہے بجاہے مے نمود — در حیاے وستگاہی مے نمود
بسکہ با آنہان ندیدم کس حریف — در غریبی یافتم خود را نحیف
ناگہانم جذبۂ آن خضر راہ — از کشاکشہائے آنہان شد پناہ
جذبۂ توفیق چون شد دستیار — یافتم پس بر در آن قلعہ بار
کوچۂ دیدم بسے تاریک و تنگ — . . . . ؟
راہ کوچہ در حریم خاص بود — رہنمائش جذبۂ اخلاص بود
می شدے ہر گاہ سعادت راہبر — بر سر آن کوچہ میکردم گذر
بر سر آن کوچہ چون باد صبا — گاہ گاہے یافتم بوئے وفا
بر سر آن کوبہ ہستم خاکسار — تا بہ بینم نقش پائے آن نگار
لیک رہ در خلوت خاصم کجاست — گر نمائی راہ آن خلوت بجاست
زانکہ از دل بندۂ آن درگہم — جذبۂ فرمائے اے خضر رہم

داشتم حق ادب چون در نظر
عرض حال خود نمودم مختصر

(شری روپ بھوانی صاحبہ کا جواب)

(جواب باصواب بزبان سحر بیان شری روپ بھوانی صاحبہ الکٹ در ہندوستان نوشتہ فرستادہ است)

دل پسندا فضل حق یار تو باد — در حریم خاص دل بار تو باد

مہربان پیوستہ اہلِ دل بہ تو — کامِ دل بادا ہمہ حاصل بہ تو
گوش کردم جملہ شرحِ نامہ ات — خوش بیاں بادا زبانِ خامہ ات
گر بصورت دُوری از ہجرم منال — لیک در معنی بمن داری وصال
ہیچ دُوری نیست از ما تا بہ تو — درمیاں گر ہست منزل ہا بہ تو
نورِ من بنگر بہر جا جلوہ گر — عام در حیوان و خاصہ در بشر
نورِ پاکم در گرفت آفاق را — لیک دانند ہر کہ شد مُشتاقِ ما
رُتبۂ مشتاق ما بالاتر است — ہر کہ شد مشتاقِ مانیک اختر است
نورِ من تابندہ از ماہ و خور است — نورِ من رخشندہ در ہر اختر است
درحقیقت گشتہ از ما نامور — اسم و جسم و رنگ و رُوئے ہر بشر
در حریمم نیست بارِ خود پرست — وصلِ ما یابد کسے گر خود پرست
خود فروشی بابِ این بازار نیست — خود فروشاں را درینجا کار نیست
ہستیِ خود بین بوَد بارِ گران — خود فروشی ہست آزارِ گران
شیوۂ مردانِ رہ نبود خودی — از خودی بگذر بما واصل شدی
بے نشاں آمد نشانِ بیخودان — سر بنہ بر آستانِ بیخودان
بیخودان ہستند والا دستگاہ — شاہِ وقت و صاحبِ تاج و کلاہ
بیخودان خود مظہرِ خاصِ حق اند — بیخودان خود محوِ ذاتِ مطلق اند
باش فرمان بخشِ شہرِ بیخودی — آشنائے برّ و بحرِ بے خودی
تا بود قائم قرارِ کائنات — تا بوَد دایم مدارِ شش جہات
باش از الطافِ ما اے جانِ جان — کامرانِ این جہان و آن جہان
بسکہ از تاثیرِ اُلفت ہائے ما — دولتِ اسرارِ عرفان کردہ جا
واقفی خود از رموزِ فیضِ وصل — از فرع پے می بری تا سوئے اصل
درحقیقت ہر چہ گفتم اے رفیق — یاد دارانِ بود از شرطِ طریق
از سدانندِ دعاگوئے قدیم — کہ اوست بر درگاہ اخلاصت مقیم

صد دُعا بادا براحوالت شمول
زانکہ حق باشد دعائے او قبول

انور۔ پنڈت دیا شنکر کوچک صاحب خلف پنڈت گوری شنکر صاحب لکھنوی۔ شاگرد نسیم دہلوی

آپ کے جد امجد پنڈت گلاب رائے صوبہ دار صوبۂ دادری دہلی کے قریب آخر زمانۂ سلطنت مغلیہ میں جاٹوں کے بلوہ میں قتل ہوئے۔ اور ان کی بیوہ دہلی میں ستی ہوگئیں ایک لڑکا پنڈت بھوانی شنکر اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ پنڈت بھوانی شنکر لکھنو میں اپنے خسرال میں ندھان جی کول جائزہ نویس نواب آصف الدولہ کے پاس رہے۔ پنڈت گوری شنکر ان کے پسر کلاں نواب سعادت علی خاں کے داروغۂ جیب خاص تھے۔ جنکی اولاد اکبر پنڈت دیا شنکر کوچک تھے اور انور تخلص کرتے تھے۔ حضرت انور نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے آخر زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۸۳۵ء میں ان کی عمر کا اکیسواں سال تھا۔ ۱۹۱۱ء میں ۷۳ سال کی عمر پاکر بمقام لکھنؤ رہگرائے ملک بقا ہوئے۔ آپ کو فارسی۔ عربی اور سیاق میں اچھی دستگاہ تھی اور فن سپہ گری بھی اس زمانہ کے موافق بخوبی حاصل کرلیا تھا۔ زمانۂ واجد علی شاہ میں پانچ سال قبل غدر کیٹاری ضلع ہردوئی میں آپ تحصیلدار تھے۔ ۶۴-۱۸۶۳ء میں محکمۂ بندوبست ضلع کھیری میں منصرم رہے اور جب بندوبست ختم ہوگیا تو خانہ نشین ہوگئے۔ ہندو دھرم کے سخت پابند تھے انور نے فارسی زبان میں ایک گنیش مہاتم بھی تصنیف کیا تھا جو نثر میں ہے۔ آپ کے برادر خورد پنڈت کرپا شنکر بھی شاعر تھے اور ان کا تخلص نور تھا۔ حضرت انور کا کلام سادگی زبان اور روانی طبع کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ آپ صاحب دیوان تھے جس کا قلمی نسخہ آپ کے فرزند پنڈت اقبال شنکر کوچک صاحب کے پاس موجود ہے۔

انتخاب دیوان انور

کچھ نہ غنچہ ہی ترے فیض سے پُر زر آیا — بلکہ دامان صدف میں بھی تو گوہر آیا
دم بدم شوق شہادت میں خلش ہے جاں کو — آپ کے ہاتھ میں جس وقت سے خنجر آیا

میری دیوانگی نے سب کو کیا دیوانہ ۔ جو مجھے دیکھنے آیا لئے پتھر آیا

ولہ

امید وفا بعد فنا کیا رکھے عاشق ۔ وعدہ تو کبھی تجھ سے وفا ہو نہیں سکتا
پیاسا ہوں بہت شیشۂ مے منہ سے لگا دے ۔ ساقی مرا چلو سے بھلا ہو نہیں سکتا
فرماتے ہیں حالِ دلِ مشتاق کو سن کر ۔ بیتاب ہے کیوں۔ صبر ذرا ہو نہیں سکتا

ولہ

گلِ مراد کی جا داغِ گل ہوا حاصل ۔ مرا ریاض غنیمت ہے رائگاں نہ ہوا
کبھی حرم میں کبھی دیر میں پھرا برسوں ۔ تری تلاش میں سرگشتہ میں کہاں نہ ہوا

ولہ

کیوں نہیں سنتے ہو حال اپنے ہی دیوانے کا ۔ رات دن شوق اگر ہے تمھیں افسانے کا
خاک اڑا کر کبھی ہنستا ہے کبھی روتا ہے ۔ آج کچھ اور ہے عالم ترے دیوانے کا

ولہ

موجدِ حشر تھے گر ابرو و چشم فتال ۔ جنبشِ لب میں بھی اعجازِ مسیحا دیکھا
داغ دل دیکھ کے میرا وہ یہ بولے ہنسکر ۔ ہم نہ کہتے تھے کہ ہو جاؤگے رسوا۔ دیکھا
حسن کی حد نہ نہایت ہے بس اللہ رے حسن ۔ قدرتِ حق نے تماشا جو دکھایا۔ دیکھا

ولہ

آچکے زیر قدم دشت و بیاباں کیا کیا ۔ دیکھیں دکھلاتی ہے اب گردشِ دوراں کیا کیا
درد سر داغ جگر۔ یاس و غم ہجر صنم ۔ وائے تقدیر ہوئے ہیں مرے مہماں کیا کیا
آہ دمساز تھی اور اشک ہوئے ہمدم تھے ۔ کیا بیاں کیجیے گذرا شبِ ہجراں کیا کیا

میں تو ایسا نہ تھا افسوس ہزار دل افسوس
انورؔ اس دل نے کیا مجھکو پشیماں کیا کیا

آشنا سب ہیں اپنے مطلب کے ۔ بے غرض کس کو آشنا دیکھا
کوئی محبوب باوفا نہ ملا ۔ آپ سے بھی تو دل لگا دیکھا
نور سے تیرے ہے جہاں روشن ۔ ہم نے دیر و حرم میں جا دیکھا
نہ بنا تجھ سا۔ کلک قدرت نے ۔ مہ کو کیا کیا گھٹا بڑھا دیکھا

ولہ

جس کو لینا چاہئے تھا خود بکے ہم اُس کے ہاتھ
عقل پر پتھر پڑے سودا یہ اُلٹا ہو گیا

چھپ سکے کب تک بناوٹ راز آخر کھل گیا
غیر سے بے پردگی اور ہم سے پردا ہوگیا

ابتدائے عشق ہے۔ گھبرا نہ انور۔ صبر کر
دیکھ لینا آگے جو ہوگا۔ ابھی کیا ہوگیا

دل عہد شکن بُت سے لگانا نہیں اچھا
اس کعبہ کو بتخانہ بنانا نہیں اچھا
آگاہ نہ کر مجھکو بہار آنے سے بلبل
دیوانہ کا سوتے سے جگانا نہیں اچھا

ولہ

سنگ دل بُت نے کبھی مُنہ سے نہ سچ بات کہی
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

معصیت کا نہیں اندیشہ ذرا انور کو
خوف ہوتا۔ جو ترا نام نہ رحماں ہوتا

ولہ

شمع و پروانہ۔ صبا۔ ساقی و پیمانہ و جام
جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا
اے جنوں تو بھی اسی راہ سے ہو خانہ خراب
فصل گل آتے ہی میں سوئے بیاباں نکلا
حسرت و یاس تھی تزئینِ جلوسِ میت
تیرا دیوانہ بھی کیا با سر و ساماں نکلا
باغ میں بلبل جو لائی مژدۂ فصل بہار
گل خوشی کے مارے اپنے جامہ سے باہر ہوا
عاشقِ کاکل میں خود ہوں کھینچے گا کس کو قید
حسن سے ہر خانۂ زنجیر اپنا گھر ہوا
خوف کیا نارِ جہنم سے بجھا دوں گا اُسے
بحرِ عالم میں مقید ہو کے دامن تر ہوا
عشق بوسہ میں تناسخ کا کہانتک ہو حساب
خاک میں مل مل کے شکلِ جام میں اکثر ہوا

ولہ

چاہتا ہے رفتہ رفتہ ہو نا ہمسر آفتاب
اس لئے عالم میں رہتا ہے منور آفتاب
بیشک اُسکے دل کو بھی کوئی ستمگر لے گیا
ڈھونڈھتا پھرتا ہے اس دلبر کو گھر گھر آفتاب
گرمئ ناز ایک شعلہ عاشقوں کے دل کا ہے
دل جلوں کو کیا دکھاتا ہے تو جوہر آفتاب
کیا تجلی ہے صنم کے عارضِ پر نور کی
کانپتا ہے رعب سے ہر لحظہ تھر تھر آفتاب
کیوں ترقی ہو نہ اسکے حسن کی نام خدا
کرتا ہے شام و سحر تسلیم جھک کر آفتاب

دور ہے منزل اُٹھاؤ بستر اور باندھو کمر
خواب کب تک۔ سر پر آیا۔ دیکھو انورؔ آفتاب

چہرۂ پر نور سے اُلٹے اگر دلبر نقاب
ساقیا وہ دن کہاں اب اور وہ مستی کہاں

جھر کے مُنہ پر اُڑھا دے شرم کی چادر سحاب
اب تو خونِ دل ہے بادہ اور جگر جل کر کباب

ولہ

سمجھے ہم تو نے کہیں غنچۂ دہن دیکھ لیا
روز اک ظلم نیا چرخ کہن دیکھ لیا
ہوسِ دیدِ گل اب دل کو نہیں اے بلبل

بلبل اب شور نہ کر طرزِ سخن دیکھ لیا
ہتھکھنڈا تیرا تھا۔ جور و رنج و محن دیکھ لیا
ہم نے جی بھر کے تماشائے چمن دیکھ لیا

ولہ

اُن کے کوچہ سے خاک اُڑا دی مری
شمع کے سر چڑھا ہی آتا ہے
یہ بھی رنگ اپنا اب جمانے لگی

اس قدر ہو گئی صبا گستاخ
کیا ہے پروانہ بے حیا گستاخ
خوب اب ہو گئی حنا گستاخ

ولہ

تصدق فتنہ دوراں ہے ان کے دورِ داماں پر
گماں صبحِ محشر ہے مرے چاکِ گریباں پر
نہیں آتی ہے سرخی پنجۂ خوباں میں مہندی سے
حنائے سبز خوں روتی ہے اُنکے سوگواروں پر
اُڑاتی ہے صبا خاک اور بلبل نالے کرتا ہے
گریباں چاک ہے گل کا مرے چاکِ گریباں پر

ولہ

لذتِ عشق سے غافل ہے وہ بیدرد ہنوز
آتشِ عشق لگا کے تو ہوئے آپ الگ
مجمعِ رنج و غم و درد و الم رہتا ہے

دلِ پُر درد کا ہم درد بتائیں کیونکر
آہ ہم دل کی لگی اپنی بجھائیں کیونکر
وہ تصور میں مرے آویں تو آئیں کیونکر

کارسازِ دو جہاں نام ہے اُن کا انورؔ
میرے مولا میری بگڑی نہ بنائیں کیونکر

صورت ہے میرے دل میں نہ آئینہ دیکھئے
حیران ہو گئے آپ بھی حیران کو دیکھ کر
کوئی نہ بے کسی کے سوا غمگسار تھا
رو یا بہت میں گورِ غریباں کو دیکھ کر

ولہ

ہاتھ اُٹھایا جو تری کاکلِ پیچاں کی طرف
پاؤں پھیلا دئے زنجیر سے زنداں کی طرف
کیوں ستاتا ہے غریبوں کو امیری پہ نہ بھول
اک نظر دیکھ ذرا گورِ غریباں کی طرف
کشتۂ حسن ملیحاں ہوں پسِ مردن بھی
آنکھ ہر زخم جگر کی ہے نمکداں کی طرف

دو ترے ترک چشم مست ۔ کرتے ہیں جنگ الگ الگ
ایک جگر پہ سیکڑوں ۔ زخم خدنگ الگ الگ
لالۂ و گل و یاسمن ۔ ہیں تو کھلے بہم ۔ مگر
سب کی ہے بُو جدا جدا ۔ سب کا ہے رنگ الگ الگ
رنگ کسی کا دیکھ کر ۔ اپنا نہیں بدلتے ڈھنگ
مستِ الست رکھتے ہیں دل کی اُمنگ الگ الگ
کس پہ یہ دل کروں فدا دشمنِ جاں ہے ایک ایک
سب کی ہیں چتونیں جدا ۔ رنگ ڈھنگ الگ الگ
نیک کہے کہ بد کوئی ۔ رند ہے ۔ اُس کو کیا غرض
انورِ تشنہ لب کی اب ۔ گھٹتی ہے بنگ الگ الگ

بگڑے نہ اُن کو دیکھ کے روزِ شمار دل
پیشِ خدا کرے نہ کہیں شرمسار دل
گُل خود کسی کی یاد میں کرتا ہے جامہ چاک
قربان اُس پہ کرتی ہے بلبل ہزار دل
اندھیر ہے جلا لے مجھے شمع رو یہاں
اللہ کو واں دکھاؤنگا یہ داغدار دل

ولہ

ہو کے بے بس چشمِ جادوگر سے ہم
جیتے جی ہارے ہیں دل ۔ دلبر سے ہم
مفت کوئی لے تو دے ڈالیں اسے
تنگ آئے ہیں دلِ مضطر سے ہم
خونِ دل پینے کے عادی ہیں مدام
مست ہوں کیا بادۂ احمر سے ہم

کون مجھے کون سمجھاوے کسے | روتا ہے اندر سے دل باہر سے ہم

ولہ

کیا نظر نے تری کام دو جہاں کا تمام | بس اک نگاہ کے امیدوار ہم بھی ہیں
یہ رنگ و بو تری ہر دل پسند ہے گلرو | جو سب کی آنکھ میں کھٹکے وہ خار ہم بھی ہیں
سخن پرستی کا دعوی یہ شکل غنچہ نہیں | مثال نقش بر آب لے نگار ہم بھی ہیں

کوئی سُنے نہ سُنے داستانِ ہجر انور
فراقِ یار کے نامہ نگار ہم بھی ہیں

نہیں ہے پیچ اے دلبر تری زلفِ معنبر میں
ازل سے پڑ گیا ہے بل یہ عاشق کے مقدر میں
نگاہِ یار میں یا سینۂ عاشق میں ہے ساقی
مئے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشہ میں نہ ساغر میں

وفا یاد آئی میری یا ہوا خوفِ خدا تجھکو | رُکا خنجر ہے۔ اس مہلت سے دو پہلو نکلتے ہیں
جہنم یا کہ جنت جس طرف چاہو قدم رکھو | جہاں میں حاصلِ دولت سے دو پہلو نکلتے ہیں

وہ آ سکتے نہیں یا امتحاں ہے صبر انور کا
بتِ عیار کی غفلت سے دو پہلو نکلتے ہیں

ہر دو عالم سے فزوں وسعتِ دل رکھتا ہوں | کوئے جاناں کا مجھے دور سفر کچھ بھی نہیں
مجھسے پروانہ ہی بہتر ہے کہ جل مرتا ہے | میرے نالوں میں اثر مرغ سحر کچھ بھی نہیں
نہ تو ہندو نہ میں مسلمان ہوں | عاشقِ زلف و روئے جاناں ہوں
رحم کا کس طرح میں خواہاں ہوں | اپنے اعمال سے پشیماں ہوں
کوئی ہندو بنا کوئی مومن | میں فقط جاں نثار جاناں ہوں

وہ گنہ بخش ہے تو میں انور
سرگروہِ گناہگاراں ہوں

خدا کے واسطے ناصح تو رہنے دے اپنی | جو ابتدا میں نہ سنبھلے وہ کیا سنبھلتے ہیں
ہمارے دل کو وہ ہاں ہوں میں رکھتے تھے پہلے | خفا ہوئے ہیں تو رہ رہ کے بات ٹلتے ہیں

آپ کا مثل آفتاب نہیں — آپ کے حسن کا جواب نہیں
بھوکے پیاسے عبث ہی مرتے ہو — خودکشی زاہدو صواب نہیں
بل مقدر کا اس کو کہتے ہیں — زلف جاناں میں پیچ و تاب نہیں
دیکھ لیں گے نقاب اُلٹو تو — لن ترانی کا کچھ حساب نہیں
کیا بھروسا ہے جام دے ساقی — دم میں ہم صورت حباب نہیں
درد سر کس طرح مٹے ساقی — دُرد ہی دے اگر شراب نہیں

شمع و پروانہ کی طرح انور
عشق سے دل کو رنج و تاب نہیں

پُرانا ہوا پر یہ قدرت ہے اُس میں — نیا رنگ ہے روز چرخ کہن میں
جو ہو عشقِ کامل کھلے چشم وحدت — وہ لیلی ملے قیس کے پیرہن میں
ہے تکمیل دونوں کو جور و وفا میں — تمھیں اپنے فن میں ہمیں اپنے فن میں
میں شکووں کو اُنکے رکھوں یاد کیونکر — سماتے نہیں ہیں دلِ پُر حزن میں
افسوس میرے دل میں رہیں دل کی حسرتیں — کچھ حال زار کہہ نہ سکا اضطراب میں
دیکھے جو بے ثباتیِ امواجِ بحر کو — کیوں پانی بھر بھر آوے نہ چشم حباب میں
تعظیم اُس کی گبر و مسلماں کریں نہ کیوں — جلوہ کسی کے حسن کا ہے آفتاب میں
ہجر میں مرجانے کا غم کیا کریں — آپ ہی ہم اپنا ماتم کیا کریں
نشۂ الفت کے جو سرشار ہیں — جام تیرا پی کے اے جم کیا کریں

انور ان پر جان جاتی ہے تو جائے
جانے والی چیز کا غم کیا کریں

یارو جاتے ہو کہاں تم اس طرح — کچھ عدم کی تو خبر آنے دو
لایا ہے شوقِ شہادت مجھکو — میرا قاتل ہے کدھر۔ آنے دو
کون آئے مری غمخواری کو — آتے ہیں لخت جگر۔ آنے دو
یارب بتوں کے عشق میں دل مبتلا نہ ہو — زنجیر پائے شوق کی زلف رسا نہ ہو

ٹھکرائیے نہ گورِ غریباں کہ حشر ہو | چلئے سنبھل کے پھر کوئی فتنہ بپا نہ ہو
ہے جوشِ گریہ گریہ ہی فصلِ بہار میں | اندیشہ ہے کہ زخمِ جگر پھر ہرا نہ ہو
قتل کرکے تو اک نظر دیکھو | مجھکو دیکھو مرا جگر دیکھو
کون مانع ہے سیرِ عالم کا | جس طرف چاہو تم اُدھر دیکھو
ہر دم آئینہ دیکھتے کیا ہو | میری حسرت بھری نظر دیکھو
خندۂ گل سے تمھیں لطفِ سخن حاصل ہے | نالۂ بلبلِ شیدا ہے ترنم مجھکو
رازِ ہستی و عدم دیکھ لیا آنکھوں سے | آئینہ میں جو نظر آگئے مردم مجھکو
حال اس رند کا کیا ہوگا جو پیتا ہو شراب | آتا ہے گریۂ مینا پہ تبسم مجھکو

عمرِ چندروزہ پہ گلزارِ جہاں میں انورؔ
خندۂ گل کرتا ہے آتا ہے تبسم مجھکو

بتادیں ہم تمھارے کاکل و عارض کو کیا سمجھے
اُسے سایہ خدا کا اور اسے نورِ خدا سمجھے
ادا قاتل ہوئی ہمنے صلہ الفت کا بھر پایا
لبِ شمشیر کے بوسہ ہی کو خوں بہا سمجھے

دیوانے ہیں سب تیرے رخ و زلف کے یکسر | کچھ فرق مسلمان میں ہندو میں نہیں ہے
سمجھاتا ہے جو تو وہ سمجھتا تو ہوں ناصح | پر کیا کروں یہ دل مرے قابو میں نہیں ہے
جتنا تم کوستے ہو اتنی ہی | عمر عاشق کی بڑی ہوتی ہے
بے حیا کیسی ہے یارو یہ اجل | بے طلب آکے کھڑی ہوتی ہے
چہرہ پر تیرے عرق رہتا ہے۔ یا | پھول پر اوس پڑی ہوتی ہے

دل لگانا تو ہے آسان انورؔ
آفتِ ہجر کڑی ہوتی ہے

چرخ دکھلاتا ہے کیا تصویرِ ماہ و آفتاب | دو جہاں جس سے منور ہیں وہ دلبر اور ہے
بلبل و پروانہ میں ہرگز نہیں سوز و گداز | جس میں سودا عشق کا ہوتا ہے وہ سر اور ہے

چین لینے نہیں دیتا ہے کسی دم دلِ زار   دل سے دل بدلیں تو آجائیں بدلنے والے
ثمرۂ عشق تجھے اُن سے ملے کیا قمری   سرو گلشن نہیں ہیں پھولنے پھلنے والے
سوزشِ عشق نے اک آگ لگا رکھی ہے   اور بھڑکا نہ اُسے مہندی کے ملنے والے
کون سنتا ہے نصیحت کو تری اے انورؔ
ایسے بگڑے نہیں ہم ہوں جو سنبھلنے والے

آپ پر دل آنے سے گر جان گئی تو کیا ہوا   دل ہے آنے کے لئے اور جان جانے کے لئے
محفلِ دلبر میں جب تعظیم و جا ملتی نہیں   درد اُٹھتا ہے مرے دل کو بٹھانے کے لئے
شکر احسانِ بتاں سے گو سبکدوشی نہ ہو
ہے سرِ انورؔ خدا کے آستانے کے لئے

کچھ بھی کرتے نہ بنی دل نے کیا جب مجبور   تیرے کوچہ کی طرف ہار کے ناچار چلے
دیکھنے جلوہ کو تیرے عدم و ہستی میں   حضرتِ شیخ چلے صاحبِ زنار چلے
جب نشاں اُسکا کہیں بھی نہ ملا دونوں کو   چھوڑ کر دیر و حرم کافر و دیندار چلے
عشق کے راز سے واقف ہی نہ تھے پروانے   تجھ پہ جاں دینے کو اے شمع وہ بیکار چلے

ولہ

خاک اُڑا کر تہ و بالا ہے کیا عالم کو   تنگ آیا ہے جنوں خود ترے دیوانے سے
ہر دو جا دیکھ پڑے سنگِ نشانِ منزل   نہ لگا تیرا پتہ کعبۂ و بتخانے سے
اپنی گاتا ہے کسی کی نہیں سنتا ہرگز   تنگ محشر میں ہے عالم ترے دیوانے سے

ولہ

دیکھئے یاں سے کہاں پھر ہمیں لیجاتی ہے   لائی ہستی میں عدم سے تو محبت تیری
جزو سے کل کو تعلق ہے مگر کل نہیں جزو   مظہرِ کثرتِ کونین ہے وحدت تیری
ہجر میں تیرے تصور سے بہل جاتا ہے دل   دلربا ایک سی ہے خلوت و جلوت تیری
تجھکو نسبت گلِ رعنا سے نہ دیگا انورؔ
تُو وہ گل ہے کہ ہر اک رنگ ہے رنگت تیری

آپ ہی موسیٰ ہے خود ہی طور ہے   وہ دوئی کے رنگ ہی سے دور ہے

وصل کس کو کہتے ہیں اور ہجر کیا　　یار کے جلوے سے دل معمور ہے
دیر و کعبہ میں ترا مذکور ہے　　بزم رنداں میں بھی تو مشہور ہے
ہم سے مخموروں کو کون اب دے شراب　　آپ ہی ساقی نشے میں چور ہے
وہ گلابی جام ساقی کیا پیئے　　نشۂ الفت سے جو مسرور ہے
خوف وہ روزِ جزا کا کیوں رکھے
جبکہ انورؔ بندۂ مجبور ہے

اوتار - پنڈت اوتار کشن تکو صاحب خلف پنڈت کرتا کشن تکو صاحب

آپ پنڈت کرتا کرشن تکو صاحب کے سب سے بڑے فرزند ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت ۱۸ فروری ۱۸۹۳ء اور مقام پیدائش امرتسر ہے۔ آپ منشی ضمیر حسن خاں صاحب دلؔ شاہجہاں پوری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کی ڈگری لیکر آپ انگلستان بغرض تعلیم انجنیری تشریف لے گئے۔ لنڈن اور گلاسگو یونیورسٹی میں تعلیم پاکر ۱۹۱۸ء میں بعہدہ اسسٹنٹ انجنیر مقرر ہو کر آخر فروری سنہ مذکور میں آپ ہندوستان میں واپس آگئے فی الحال آپ بمقام چھندواڑہ (صوبہ ممالک متوسط ناگپور) مقیم ہیں۔

شکوہ کرکے اس بھری محفل میں رسوا ہوگیا　　اے دلِ بے صبر آخر تجھکو یہ کیا ہوگیا
میری خاکِ دل کا ذرّہ ذرّہ صحرا ہوگیا　　ڈھل کر آیا آنکھ سے جو اشک دریا ہوگیا
ہم تو سمجھے تھے کہ ان کو دیکھ کر ہوگا سکون　　آشنا ہو کر دوا سے درد دونا ہوگیا
سرگزشتِ اضطرابِ دل پہ ہنستا ہے کوئی　　شکوۂ جور و جفا گویا تماشا ہوگیا
گریۂ پیہم سے رازِ کاوشِ پنہاں کھلا　　اے دلِ نافہم کوئی تجھسے رسوا ہوگیا
ڈھونڈھتے ہو کیا مرے پہلو میں اب رکھا ہے کیا　　ایک دل تھا وہ بھی تو صرفِ تمنا ہوگیا
خود فراموشی سے دنیا میں ہے تحصیلِ کمال　　بلبلا جو مٹ گیا وہ آپ دریا ہوگیا
دامنِ تقدیر مل ہی جائیگا　　بے تکلف دامنِ تدبیر کھینچ
ہے شبِ غم کس بلا کی تیرگی　　اے تصور یار کی تصویر کھینچ
دعویٔ عشق کہتے ہیں وہ "سر بسر غلط"　　سب اضطرابِ "قلب غلط چشمِ تر غلط"



پنڈت اوتار کشن ٹنکو ۔ اوتار

راہِ وفا میں منزلِ رحمت کہاں نصیب
رہرو غلط ہے راہ غلط راہبر غلط

ذوقِ نظر الگ الگ فہم بشر الگ الگ
سارے ثمر الگ الگ سب کا اثر الگ الگ

جاتا ہے وہ پر غضب اُڑ نہیں سکتا صید اب
کھول دیا قفس کو جب کر دیئے پر الگ الگ

غافل! قفس کی قید یہ ظاہر حیات ہے
کب تک رہیگی بند ہوا اس حباب میں

میرا شمار جرم فرشتے نہ کر سکے
محشر کا دن تمام ہوا اس حساب میں

دلِ بے آرزو راہِ وفا میں ایک نعمت ہے
نہ شکوا ہے جفاؤں کا نہ ارماں ہے نہ حسرت ہے

صنم کو دیکھ کر ہم دیکھتے ہیں قدرتِ صانع
ہماری بت پرستی درحقیقت اک عبادت ہے

بقائے دائمی دشوار ہے دنیائے فانی میں
فسانہ خضر کا بھی اک کہانی ہے حکایت ہے

دلِ حسرت زدہ! وہ رحمتِ حق جوش پر آئی
کہ تاثیر آشنا میرا ہر اک اشکِ ندامت ہے

کیا فائدہ جو لب ہوں نا آشنا فغاں سے
ہوتا ہے راز افشا جب چشم خوں فشاں ہے

یوں تو بہت نشیمن ہیں گلشنِ جہاں میں
ہے برق کو عداوت میرے ہی آشیاں سے

حالِ زبوں ہے میرا اک درس اس جہاں میں
عبرت کریں گے حاصل سب میری داستاں سے

ظلمت کو دخل کیا ہے اب میرے غمکدے میں
ہر داغِ دل ہے روشن سوزِ تپِ نہاں سے

بنانے سے بگڑ جاتا ہے میرا کام اے ہمدم
مری تقدیر کرتی ہے مری تدبیر کے ٹکڑے

نکالا تیر گو تو نے خلش باقی رہی پھر بھی
ابھی تک چبھ رہے ہیں دل میں تیرے تیر کے ٹکڑے

اگر سودا سلامت ہے تری زلفِ مسلسل کا
اُڑا دیگا یہ وحشی آہنی زنجیر کے ٹکڑے

میں عاصی ہوں مگر اے زاہدو غرقِ ندامت ہوں
کئے خود جوشِ رحمت نے مری تقصیر کے ٹکڑے

نہ ارماں ہو نہ حسرت ہو نہ شکوہ اور شکایت ہو
خدایا آرزو یہ ہے دلِ بے آرزو دیدے

اللہ اللہ اس قدر شوقِ اسیری ہے مجھے
آپ چن لایا ہوں میں اپنے قفس کی تیلیاں

کوئی قسمت بدل نہیں سکتا
جو لکھا ہے وہ ٹل نہیں سکتا

جب تک نہ چشم صرفِ تماشا کرے کوئی
مشکل ہے قلبِ تنگ کا در وا کرے کوئی

مے کا منت کش نہیں مستانۂ ابرِ بہار
سایہ افگن سر پہ ہے میخانۂ ابرِ بہار

اُس میں مضمر ہے یقینی اُنکے جلووں کی جھلک ہوگیا ہے دل مرا دیوانۂ ابرِ بہار
بادہ نوشی اُسکے حق میں بادہ نوشی ہوگئی مست ہے پرواز میں پروانۂ ابرِ بہار
میں وہ رندِ بادہ کش ہوں جسنے توبہ توڑ دی جب کبھی دیکھا رخِ مستانۂ ابرِ بہار

ولہ

اسیر تو نہیں ہیں ہم جو گھبرا کر کریں نالے سنبھالا ہوش جب سے ہم قفس کو آشیاں سمجھے
اسیری میں دلِ بیتاب کو اس طرح بہلایا قفس کو آشیاں صیاد کو ہم باغباں سمجھے
سمجھ میں بات ہی کوئی نہ بزمِ ناز کی آئی فقط جلنا ہی ہم اس انجمن میں شمع ساں سمجھے
تمہاری ہی سمجھ اُلٹی تم اے اوتار ہو ناداں
ذرا سوچو تو کس بے مہر کو تم مہرباں سمجھے

چشم و دل جوش سے لبریز ہیں پُر کیف ہے روح ساقیِ عشق نے بخشے مجھے پیمانے چند
نگہِ غور سے کر میکدۂ دہر کی سیر اس میں مدہوش بہت لوگ ہیں فرزانے چند
حسنِ لیلٰی ہے نہ وہ شورشِ عشقِ مجنوں اگلے وقتوں کے فقط رہ گئے افسانے چند
تیری جنت میں نہیں عذر مجھے اے اوتار
پاس رکھ دے مرے لیکن کوئی پیمانے چند

ممکن نہیں اگرچہ ملاقات چاند کی پھر بھی پسند دل کو ہے ہر بات چاند کی
تکتے ہیں راہ خاک کے ذرات چاند کی ملتی ہے ہر مہینہ میں اک رات چاند کی
ٹھنڈی سہانی ہوتی ہے کیا ذات چاند کی
بھاتی ہے کیک دل کو بہت رات چاند کی

ہوتا ہے بعدِ شام عیاں آسمان پر چھاتا ہے اپنے نور سے سارے جہان پر
پڑتی ہے روشنی تری کون و مکان پر مرتا ہوں اے مسافرِ شب تیری آن پر
ٹھنڈی سہانی ہوتی ہے کیا ذات چاند کی
بھاتی ہے کیک دل کو بہت رات چاند کی

کچھ دن ہوئے کہ شکل تھا اک نونہال کی اب وقت پاکے بن گیا صورت کمال کی
تعریف کیا کروں ترے حسن و جمال کی تجھ میں غضب ہے شان کمال و زوال کی

ٹھنڈی سہانی ہوتی ہے کیا ذات چاند کی
بھاتی ہے کیک دل کو بہت رات چاند کی

ہے گھٹنے بڑھنے سے کبھی کم سن کبھی جواں — کیا کھیل کھیلتا ہے ترا چاند آسماں
اسکے طلسم سحر کا میں کیا کروں بیاں — دو ہفتے آشکار تو دو ہفتے ہے نہاں

ٹھنڈی سہانی ہوتی ہے کیا ذات چاند کی
بھاتی ہے کیک دل کو بہت رات چاند کی

بدر۔ پنڈت بلبدر رجیو صاحب بدر۔ متوطن کشمیر

آپ کے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے

قحط سالی کشمیر

بکشمیر از سر قحط است ہر سو شور و افغانے — کسے از شامت طالع نہ بیند صبح تا بانے
نماندہ آب و تابے در رخ دریا دلان ہرگز — کہ سیلاب الم از ہر طرف بنمود طغیانے
چو گندم چاک دل باشد عیان از نالہ ہر دم — کہ ننہادش جہان از بد خمیری صورت نانے
چو گز بڑ از را کارش گرہ اندر گرہ آمد — گرہ شد از خوش قماشی دست زد ہر دم بہ دامانے
نیابد باغبان جز میوۂ افسوس در بستان — کفیدہ دل برائے دانہ باشد ہمچو رمانے (انار)
زدست آرہ کش پیدا دما دم نبض نشاری — لب نانے ندید و لب ہمی خاید بہ دندانے
مغنی را ستار آسا جدا شد بند بند از ہم — بزرگ و کوچک از اہل عیالش کردہ افغانے
چو زلف خویش پیچیدہ بخود ہر نوچہ از غم — ز راز دل نوشتہ مو بمو حال پریشانے
نماید بیگمان خیاط قطع رشتہ داری ہا — کہ چشمش در قفا چون سوزن است از خوف تھانے
ہمے قصاب خون گرید کباب آسا ز دلسوزی — بہ میدان شہادت میکند ہر لحظہ جولانے
نماندہ پیش باورچی کبابے از پئے مہمان — ز آہ آتشین لخت جگر را کردہ بریانے
چو صابون کف بہ لب می آورد گازر ز جان گاہی — بجائے جامہ از جان دست شستہ ز آب طبع فانے
بہ فکر دانہ ہمچون خوشہ ہر دم سر نگون ساقی — چو تاکش بست خیر از پیچ و تابے پیچ سامانے

گر مہراج جم جاہ شد آگاہ زین کشور که سازد روز و شب از انتظام ملک برہانے
ز نظمش ہیچ کس آزردہ نبود بہرِ آذوقہ مگر حاسد کہ باد او مبدم پابند زندانے
بیا بدرا سخن کوتاہ کن خوش دل نشین اکنون
کہ از احسانِ شہ یابی بہ درد نفس درمانے

قصیدہ در توصیف پنڈت شیوہ کاک در

دی شب چو ہنگام سحر - برداشتم از خواب سر
ناگاہ آمد از درم - آن سرو قدِّ سیم بر
چون شمع رو افروختہ - چون دود موآسوختہ
صد رشتۂ جان سوختہ از یک نگاہ شعلہ ور
از ناز نازش ومبدم - صد دل کفیدہ یک قلم
تاب و توان یک دانہ ہم - ننہادہ در چشم بشر
زیبا قد و زشتی گزین - آہستہ گوے و تیز بین
خالی ز مہر و پُر ز کین - محنت دہ و آرام بر
از تنگنائے آن دہن - باشد طبیعت رائے زن
گردد نفس در حلقِ من ساعت بہ ساعت تنگ تر
تا چند وصفِ آن میان - آورد خواہم در میان
ہر دم گہر باز زبان - سازد حکایت مختصر
اے آنکہ نامش شیوہ جی - مشہور تر شد بر زمی
در ہیچ تعریفش کمی نبود ز فرط زیب و فر
طے کردہ اندر حاتمی - زندہ کردہ جانِ آدمی
پے بُردہ خصم ماتمی از رشکش اندر شور و شر
در ہر زمین و ہر زمان - در ہر دیار و ہر مکان
مدحش سرآمد بیگمان از مہترین تا خور و تر

ہر فاضلے وہر سیاستے - ہر جاہل و ہر عاقلے
ہر ظالم و ہر عادلے - ہر عاجز و ہر بختور
قوم دران آباد از و - مردم بسے دلشاد از و
شد زندہ نام داد از و - من بعد در ہر بوم و بر
حالی زجا برخیز و شو - در درگہِ او تیز رو
تا آنکہ لطفِ نو بہ نو - خواہد نمودن بہ تو بر
گفتم زہے اے نازنین - کردی دلم فرحت گزین
زین نکتہ ہائے دل نشین - بردی غمم را سر بسر
لیکن برش اے مہربان - دربانِ بس ناقص زبان
بارم ندادہ یک زمان - تا من شدستم بہرہ ور
گفتا بہل این افترا - وین شکوہ از دل کن رہا
کن جانِ خود زین پس فدا - در خدمتش شام و سحر
خود را رسانیدم برت - زامید دیگر رفتم درت
حاضر شدم چون چاکرت - رستم ز رنج بے شمر
گر من خطا کردم خطا - توعے نیامد داد مرا
خود ساختی قدرِ مرا - نزدیکِ ہر کس پست و تر
قدرِ ورا افراختی عزِ مرا نگداختی
وہ وہ چہ زیبا ساختی - اے قدر دانِ خوش گہر
گشتم بشکلِ خویشتن - بیزار تر از اہرمن
پس رخت خود سوئے وطن ہر دم شدم آسیمہ سر
فی الحال اے صاحب کرم - در خدمتت باز آمدم
آزردگی تا از برم - تدبیر ترا در دل خبر
باشد چو از تو بر سرم - زینگونہ الطاف و کرم
سازم دعا ایست و مبدم - بخشد خدا دعوتش اثر

تا گل بود با رنگ و بو - تا مُل بجوشد در سبو
تا ظل ز شاہان سو بسو - باشد غریبان را بسر

بخت تو باد ابر ترین - از گنبدِ چرخ برین
رُخت تو ہمچو حورِ عین - زیبندہ در چشم بشر

یارت بجا خصمت فنا - این در غنا آن در عنا
این در علا آن در بلا - این شادمان آن نوحہ گر

قصیدہ در تعریف مہاراجہ شری پرتاب سنگھ صاحب بہادر آنجہانی

رسید موکبِ فصل بہار در کشمیر
بہ برگ عیش و طرب کرد عالَمے تسخیر

رسید صبح وصال و رسید شام فراق
چمید ہر طرفے گلرخے بصد توقیر

شگفت غنچہ در اطرافِ بوستان گلگل
رہاند خاطر بلبل ز خار خارِ خطیر

زعین ناز درآمد بجلوہ نرگسِ مست
فزود روشنیِ چشم مردمانِ بصیر

گلِ خطائے از بس صواب کار رہا
چو نافہ کرد معطّر دماغ اہلِ ضمیر

ہزارہ داد صلائے درود صد در صد
ہزار و فاختہ آمد ز شوقِ وصے بہ صفیر

ز سرخروئیِ خود لالہ در میانِ چمن
وداعِ داغِ محن از قلوبِ میر و فقیر

خدیوِ نیو مہاراجہ فریدون فر
معینِ خلقِ جہان و امینِ ربِ قدیر

بہ قدر اوج چو دُرِ یتیم بے ہمتا
بہ برجِ عرج چو مہرِ منیر در تنویر

بہ عیش ثانیِ خاقان بہ عیش چون خسرو
بہ عقل آصفِ دوران بہ شکل بدرِ منیر

ز شرمِ کرمتش بسکہ آب شد دریا
گزاشت مضمر ازین رو بہ قعرِ دُرِ کثیر

نگشتہ ہیچ تنے خم ز بارِ کشمکشے
مگر کمان بکفِ غازیانِ شیرِ نظیر

ندیدہ غارتِ دستش کسے درین دنیا
مگر بگاہ عطا گنج زاید از تحریر

بلند کوکبہ پرتاب برگزین پورس
گر ہست نو ہمچو مہر عالمگیر

زبانِ مدح برو یمش کشادہ شام و سحر جوان و پیر و امیر و فقیر و خورد و کبیر
دبیر بارگہش ویدہ لعل پنڈت در خمیدہ ہمچو کمان از خطش ومادم تیر
علیم و فاضل و دانا و شعروان و گزین فہیم و عاقل و بینا دل و نکو تدبیر
دوم برام[1] مسمی چو راجی ہر دم نمودہ انس جہان را بانس خود خوگیر
اسیرِ الفتش آنگونہ وحشیانِ جہان کہ رام رام بود وردِ شان زہے تسخیر
سوم امر[2] کہ زید روز و شب بہ عیش و طرب ہزار سال بہ افضال[3] آلہائے ربِّ قدیر
کنم کتابتِ تعریفِ حضرتش تا چند نئے قلم ہمہ دم نالہ میسد بہ زصریر
اگر صفاتِ شہنشہ بصد زبان سازم ہنوز گفتہ ثنا شمم یکے ز عشر عشیر
ولے زبہر جوابِ قصیدۂ خاور بخامہ این قدر اشعار ساختم تسطیر
خموش بدر[4] و سخن ختم دعائے شاہ بکن کہ ایزدش دہد از فضلِ خویشتن تاثیر
ہمیشہ تا کہ کشد خار سر ز پہلوئے گل ہمارہ تا کہ بود گل بباغ جلوہ پذیر

چو خار رنجِ نظر باد حاسدش بجہان
چو گل شگفتہ جبین حافدش[5] بصدر سریر

برہمن ۔ پنڈت طوطہ رام صاحب بٹ ۔ مدرس اوّل فارسی مدرسہ سرینگر کشمیر

نظم ذیل ست کرم سبھا کے دوسرے جلسہ میں پنڈت طوطہ رام صاحب نے پڑھی تھی اور مراسلہ کشمیر بابت ماہ اگست ١٨٦٧ء میں شایع کی گئی تھی جسکو پچپن سال کی مدت منقضی ہو چکی ہے۔ اُس کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

اے دل اے دل تو از سخن رانی چند از ذکر فخر میخواہی
تو چنیں فخر شعر میسازی فاخرانہ بہ مدح می نازی

---

[1] راجہ رام سنگھ جی آنجہانی۔ [2] مراد از راجہ امر سنگھ جی کہ پدر بزرگوار مہاراجہ ہری سنگھ بہادر بود۔ [3] جمع الجمع۔ [4] بمعنی دوست۔

بہ حقارت بہ سیم و زر نگری — بہ کراہت بہ مال در نگری
ساترِ عیب زر بہ بینم و بس — چارۂ خود ز زر گزینم و بس
مرد زردار سرورِ زمنست — مال و زر دلنواز جان و تنست
در دمے دلنوازِ جانے شد — راحتِ ساعتے و آسنے شد
قوتِ جان صوتِ جانفزائیش بود — مژدہ را مژدہ زان نوا افزود
دل ز بس اعتراض رازِ نہاں — از سرِ دلدہی نمود عیان
تا زمانے کہ جاں بدن را بار — باشد و باشد آں زرش در کار
شعر کز مدحت و ثنا خوانیست — زندگی دہ چو آبِ حیوانیست
شاعر از وصفِ کس ہمی خواند — تا ابد یادگار می ماند
یادگارِ جہانیاں سخن است — دید و دانست این و آن سخن است
شور و سوزِ زمانہ ہم سخن است — بیگماں - جاں سخن - جہاں چو تن است
رازِ ماضی و حال و مستقبل — در زماں آورد سخن بہ دل
بہ تعصب کشادہ دستِ وغا — وز سرِ غصب و جور و زور و دغا
خلق را در عذاب میکردند — کشتہ و جاں کباب میکردند
رخنہ اندازِ رسم گشتند سے — عہد و پیمان ہم شکستند سے
ہمہ ہندو نژاد داد کناں — زیں ستم بودہ اند نالہ زناں
شکر صد شکر کارسازِ جہاں — چارۂ کار آشکار و نہاں
چوں چنیں دھرم راج یافت ظہور — از زماں رفتہ شد قصور و فتور
سری مہاراجہ صاحبِ ذیشان — واہبِ فیض بخش و فیض رسان
ناظم الملک لازم الاوصاف — جازم العدل عازم الانصاف
حامیِ حوزۂ عدالت و داد — نامیِ روضۂ صلاح و سداد
نام رنبیر سنگھ و نامی تر — از ہمہ ناظماں گرامی تر

بادجایش بہ تخت جم جا دید
باد باروے سرخ و بخت سپید

نیز دیوانِ خاص کرپا رام
بادش ایام عیش و ناز بکام

دیدہ دہر گرچہ دید بسے
در فضالت چنو ندید کسے

ہم امینِ اماں وزیر چنوں
تا معِ بیخ اعتساف وجنوں

کاں بہ تفصیل آورم بہ بیاں
از ہمہ وصفش آشکار و نہاں

ہم پدیدار کرد دھرم سبھا
ہر کسے را از وست فیض و نوا

ہر کس از خاص و عام خوشحال اند
گو شہاے ملال می مالند

بخششِ او بہ ہر طریق مزید
بے تعصب بہ ہر فریق رسید

پس دعایش پسند بشمارم
زیں سپس ہم دعا بود کارم

تا بود گردشِ خزان و بہار
تا بود دورِ دورِ لیل ونہار

باد در رنگِ گل بسر سبزی
با دلِ تازہ از طرب ورزی

طالبِ نفع عام کرپا رام
کردہ مندر بنا مفید عام

باد آوازہ ثنا خوانیش
ہر زماں ہر زباں زدیو نیش

اندراں مندرِ خجستہ مکاں
ہست امکانِ کانِ عزت وشاں

زیں مکان است سود ہر مقصود
زیں مکان است بود ہر بہبود

ایں مکان معبدِ زمین و زماں
ایں مکاں مقصدِ ہم این و ہم آں

ہر مکاں را شرف بود بہ مکیں
بمکیں راست زیں مکاں تمکیں

پس گردہِ زہندوانِ شریف
ایں مکاں بس پسند دید شریف

جلسہ ساختند خوش برپا
آں ہمہ عاقلانِ خوش سیما

از دل آں جلسہ خوش پسندیدند
ہمہ خوش پسند تر دیدند

باہم از خرمی جلیس شدند
باہمہ ہمدمی انیس شدند

پطرازِ مراسلہ کشمیر کاں بہ لکھنؤ طبع شد از تدبیر
برہمن گفت در نظیرش بین
ست کرم زیں سبھاست در تزئیں

تاریخ ست کرم سبھا

ناہید بہ مہر ورزی از تیر پرسید ز جلسہ چیست تاثیر
از چرخ کشید ہ سرفرو گفت ست کرم سبھاست حسن کشمیر
سمت ۱۹۳۳ء

بقا - پنڈت ست رام بقایا صاحب

آپ پنڈت کیشو جیو صاحب بقایا کے صاحبزادے تھے - پنڈت کیشو جیو ایک مشہور تاجر تھے اور کابل و قندھار وغیرہ ممالک کے ساتھ تجارت کرتے تھے - شاہ شجاع کے زمانے میں آپ کے ایجنٹ مال لے کر کابل جا رہے تھے جن کو شاہ شجاع کے ہمراہیوں نے راستے میں لوٹ لیا - آپ اس ناقابلِ تلافی نقصان کا صدمہ برداشت نہ کر سکے اور زہر کھا کر خودکشی کر لی -

حضرت بقاؔ ۱۸۴۲ء بکرمی میں بمقام سری نگر پیدا ہوئے اور محلہ کنہ کدل میں سکونت پذیر تھے - اٹھارہ برس کی عمر میں فارسی و عربی کی مروجہ تعلیم ختم کر کے محکمۂ داغشال میں ملازم ہوئے اور کشمیری پنڈتوں کے مشہور خاندان پنڈت بیربل کول المعروف بہ بیربل راجہ کی صاحبزادی آپ سے منسوب ہوئیں - شیخ غلام محی الدین - کرنیل میاں سنگھ اور دیوان کرپا رام صاحب صوبہ داران کے پاس یکے بعد دیگرے آپ کچھ عرصے تک حضور نویس اور فارن سکرٹری کے

فرائض انجام دیتے رہے۔ پنڈت گنیش داس صاحب ور کے ساتھ ڈوگرہ خاندان کے دورانِ حکومت میں آپ محکمہ دول جنس میں بھی کام کرتے رہے اور اُن کے ساتھ حساب بقایا وغیرہ کے بیباق کرنے میں امداد دینے کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں یہ کام بوجۂ احسن انجام دے کر اور خلعتِ فاخرہ سے سرافراز ہو کر باعزاز تمام واپس آئے۔ آپ نے ۱۹۰۲ بکرمی میں وفات پائی۔

آپ پنڈت راجہ کاک در صاحب فرخؔ کے دربار میں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے اور دیگر شعراء کی صحبت میں شریک مشاعرہ ہوتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت فرخؔ نے صائبؔ کے مندرجۂ ذیل شعر کے مصرعۂ دوم پر چند شعرا سے گرہ لگانے کی استدعا کی ؎

چین و خطا بیکطرف آن مُو بیکطرف گلہا تمام یکطرف آن رو بہ یکطرف

اس وقت حضرت دیرؔی بھی موجود تھے انھوں نے ذیل کے تین شعر کہے ؎

آں سروِ ناز با قد و بجو بیکطرف زیں چشم آبخیز رواں جو بیکطرف

از وحشتِ دلم بہ بیاباں خبر کہ کرد مجنوں بیکطرف شد و آہو بیکطرف

دیرؔی زشوقِ مصرعۂ صائبؔ دلم شگفت گلہا تمام یکطرف آن رو بہ یکطرف

حضرت فرخؔ نے بھی ذیل کا شعر اُسی وقت کہا ؎

جو شم زند بہ سینہ غمِ او بہ یکطرف ہوشم برد دو نرگسِ جادو بیکطرف

جب بقاؔ کی باری آئی تو آپ نے فی البدیہہ یہ شعر کہا ؎

تا پردہ برفتاد ازاں رو بیکطرف یکسو پرید رنگ زگل بو بہ یکطرف

حضرت بقاؔ بہت سا کلامِ منظوم بہ طورِ یادگار چھوڑ گئے تھے لیکن افسوس ہے کہ دستبردِ زمانہ سے تقریباً سارا کلام تلف ہو چکا ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے "سوزن نامہ"، "دستور العمل" اور "بحرِ طویل" مشہور ہیں۔ انکے علاوہ

ایک دیوان اور متفرق اشعار بھی آپ سے یادگار رہے تھے لیکن اس وقت سوائے "بحر طویل" اور چند منتشر اشعار کے ہم کو اور کچھ دستیاب نہیں ہوا۔ ہاں "دستور العمل" کی نقل بعض بزرگوں کے پاس اب بھی ملتی ہے۔ یہ کتاب نثر میں ہے اور ہو بہو سہ نثر ظہوری کا نمونہ پیش کرتی ہے۔

آپ کا کلام فصاحت و بلاغت سے معمور ہے۔ شستہ اور مسجع و مقفیٰ فارسی نثر لکھنے میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فن سخن سے بھی کما حقہ واقف تھے۔

آپ کے چند اشعار اور "بحر طویل" جو بصد مشکل و بعد تلاش دستیاب ہوئے تھے جلد اوّل میں درج کئے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں صفحہ ۱۳۷ و ۲۸ (ضمیمہ) جلد اوّل۔

بُلبُل۔ پنڈت واسہ کول صاحب اوگرہ

نیز جلد اول صفحہ ۲۳۰ ملاحظہ ہو

گل چاک کردہ پیرہن از رشک روئے کیست　　مشکِ ختن بباد ز تا تارِ موے کیست

موے دماغ بوے گلِ باغ جنت است　　ایں نکہت اے صبا ز خس و خار کوئے کیست

برقِ عتاب خرمنِ مہر و وفا بسوخت　　آتش زدہ است در دلم ایں شعلہ خوئے کیست

دیوانہ ہیچ جاے قرارے نے کند　　در پاے عقل حلقۂ زنجیر موے کیست

آیا صبا ز کاکلِ او نکہتے گرفت　　آشفتگی دماغ دلم را ز بوے کیست

بے گلرخے بہار خزاں است در نظر
بلبل فغاں و نالہ ات از آرزوے کیست

بدل داغے چناں دارم کہ باغش رونما باید
برخ نورے چناں داری چراغش رونما باید
دلے روشن چناں دارم کزو روید سیہ روئی
بے میگوں چناں داری ایاغش رونما باید
براہ عشقت اے دلبر کہ عقل و ہوش در سر شد
دلے گم گشتہ دارم سراغش رونما باید

ازان زلفینِ مشک آگیں کہ شد زنجیر پائے دل
اگر آرد صبا بوئے دماغش رونما باید

میانِ بارگاہِ عشق تاج و تخت پامال است
ہمائے بخت در پیشِ کلاغش رونما باید

بہ بلبل در غم عشقت چنان دردے میسر شد
کہ صد گلزار آسایش بداغش رونما باید

خاشاکِ کوئے یار گلِ بسترِ من است — خورشید در نقاب زمہ پیکرِ من است
خالِ سیاہ بر رخ زیبا چہ خوشنما است — زین خال نیست بلکہ سیہ اخترِ من است
درکیشِ عشق سبحہ وزنار با ہم اند — زنارِ سبحہ بر کمرِ کافرِ من است
خون در دلم بہ گرمیِ عشقِ تو جوش زد — فصّاد چشم غمزہ تو نشترِ من است

ولہ

زبند درد و غم وارستم امشب — کہ از جام وصالش مستم امشب
سرِ دگر مے نہم پا بر دو عالم — کہ دستِ او گرفتہ دستم امشب
زبند این و آن آزادم امروز — اسیرِ تارِ زلفش ہستم امشب
برو بگذار بلبل صحبتِ گل
کہ دل بر خاکِ کویش بستم امشب

چہ خونہا کہ از چشم ترمے فشانم — چہ گلہا ز لختِ جگر مے فشانم
بہ تیغِ غمِ تو ندارم جو ہر — ز چشم ارچہ لعل و گہر مے فشانم
شوم فارغ از پرتو شمع و مشعل — چو شب لعلِ تر تا سحر مے فشانم

ولہ

دوش آتش در دلم زد آتشین رخسارکے — کافرے شوخے ستمگر دلبرے طرارکے
رشکے افگندہ در بر نازک و تر ہمچو گل — شبنم آسا بر سرِ گل بر سرش دستارکے
بیکسانہ سر نہادم بر سر بالینِ باغ — نیست جز غم مونسے جز آہ غم غمخوارکے
صبر و طاقت باخت دل افتاد رازش برملا — تاکے این جورِ تغافل بر سرِ بے خارکے

برو جانِ بلبل از یک خندۂ شکر شکن
شوخکے غدّارکے طرّارکے دلدارکے

دل راشکایتے ایست کہ بسیار نازک است
لب بستہ بہتر است کہ دلدار نازک است

در پیچ و تابِ طرۂ دلدارِ مشک و مو
اے شانہ ہوشدار کہ این تار نازک است

گر چشمِ مستِ او نہ کند سوے ما نگاہ
اے دل بدان کہ خاطرِ بیمار نازک است

محرم بدردِ غم نبود غیرِ سینہ ام
این رازِ دلنواز براغیار نازک است

ترسم کہ سینہ خون شود ت از ہجوم درد
محرم برو کہ پردۂ اسرار نازک است

نازنینا بہرِ تو از جاہ و سامان رفتہ ام
بہرِ شوقِ روے تو از دین و ایمان رفتہ ام

بسکہ در ہجران تو جاری شدہ دریاے خونِ اشک
درمیانِ موجِ طوفان تا گریبان رفتہ ام

بود دل دریا و در وے جمع لیک از عشوۂ
ہمچو تارِ زلفِ مشکینت پریشان رفتہ ام

ولہ

ہر گہ کہ قامتِ خوش و زیبا روان کند
بر عاشقان قیامتِ کبرے بپا کند

ناخن زدہ است در دلم آن سروِ گلعذار
پامالِ دستِ جور دلم چون حنا کند

عمرم بسر رسید و نشد وعدہ اش بسر
دل صبر و جان شکیب بگو تا کجا کند

ہر گوشہ لالہ میدمد از اشکِ لعل رنگ
بلبل اگر ز ہجرِ تو با گل قصہ ہا کند

بیک جلوہ دل و جانم بخاک انداختی رفتی
چو زلفِ خود پریشان روزگارم ساختی رفتی

دل از کفِ زندگان راشد قیامت آن زمان برپا
چو بالاے بلا پیما بناز افراختی رفتی

قدم بر جور و بدعہدی و بے مہری چو بنہادی
دل از مہر و وفا و عہدِ خوش پرداختی رفتی

دل و جان را بخاک و خون فگندی پائمالِ غم
چو شمشیرِ تغافل بر سرِ من آختی رفتی

بکین بر ادہم ناز و تغافل بسکہ زین کردی
بجانِ بلبلِ نالان بہ تندی تاختی رفتی

واسوختِ بلبل

دوستان شکوۂ بے برگ و نوائے بینید زردیِ رنگِ رخِ بے سروپائے بینید
دستبردِ ستمِ ہوش ربائے بینید تازہ اندازہ نما نازو ادائے بینید
طرزِ غارتگریِ عشوہ نمائے بینید خون شدہ جانِ من از جور و جفائے بینید
دردمندم دلِ ما را ز دوا چارہ کنید
مردم از جور و جفا بہرِ خدا چارہ کنید

اینچہ ناز است کہ نا آمدہ باز آمدہ بہرِ قتلِ دلِ ما عشوہ طراز آمدہ
با رخِ تازہ و با زلفِ دراز آمدہ چشمِ بد دور کہ لبیار بناز آمدہ
دانم از بہرِ کسے ہمدمِ راز آمدہ بہرِ ما فتنہ نما سینہ گداز آمدہ
یارِ من این ہمہ اغیار پرستی نہ سزد
گر از مذہبِ تو یار پرستی نہ سزد

بوئے گلزارِ ارم در خسِ کوئے است مرا خار خارِ دل و جان از گلِ روئے است مرا
کار با سنگدلے عربدہ جوئے است مرا دل بہ سودائے بتے سلسلہ موئے است مرا
سوختہ جان و دل از شعلہ خوئے است مرا چشم پُر روشنیِ روئے نکوئے است مرا
نیست جز کوئے تو جائے بکجا خواہم رفت
جز غمت نیست دوائے بکجا خواہم رفت

بُرد آرامِ دلم جلوۂ دلجوئے کسے کرد در بندِ بلا حلقۂ گیسوئے کسے
دلِ دیوانہ شدہ از ہوسِ روئے کسے بہرِ پامالِ کسے خاکِ سرِ کوئے کسے
رشک آمیزِ تلطف کندم خوئے کسے نظرش سوئے کسے و نگہش سوئے کسے
چہ کنم غیرِ رقیبم نفسے ممکن نیست
بال وا کردہ نشیمم قفسے ممکن نیست

اے ستمگارہ در و تم ز جفا سوختۂ طرزِ غارتگری از بیش کہ آموختۂ
از پئے سوختنم شمعِ رُخ افروختۂ جانِ مسکینِ من از تیرِ نگہ دوختۂ

شیوۂ جور و جفا بہر کہ اندوختۂ — جگرِ سوختہ را باز چرا سوختۂ

جانِ من این ہمہ بے مہر و وفائی تا چند

چند از جور و جفا طرزِ جدائی تا چند

گاہے از پنجۂ غم چاک جگر مے سازم — گاہے از گردِ الم خاک بہ سر میسازم

گہ ز بیدادِ تو با دیدۂ تر میسازم — گاہ با تیغِ غمت سینہ سپر میسازم

از غمت بہرِ جگر تیر و تبر میسازم — بدلِ بے خبرِ خویش خبر میسازم

چند از جور خوری خونِ دلِ مسکینے

شادمان باش نگاہے بہ سوئے غمگینے

انتخاب از گلشنِ عندلیب

در ابتدائے قصّہ

پس از حمدِ ذاتِ خداوندِ پاک — کہ کون و مکان آفریدہ ز خاک

در آرایش آرم بساطِ سخن — کشم نو طرازے ز دورِ کہن

چنین گوید آن داستان گوے مرد — کہ طبعش بہارِ سخن تازہ کرد

نئے کلکش از نیشکر خاستہ — بہارے ز دانش بر آراستہ

بہ ملکِ بنارس در اقصائے آن — کہ آنجا بود معبدِ ہندوان

برہمن جوانے ہنرمند بود — کہ در سادہ لوحی خردمند بود

نکو روے و خوشخوے و شیرین زبان — ولے بے شعور از سرشتِ زنان

زنے داشت پاکیزہ روے چو حور — کہ رویش بہ خورشید میداد نور

بہارِ رخش نوبہارِ جہان — سزاوارِ دوش و کنارِ شہان

شکر چاشنی گیرِ نوشِ لبش — گرو بردہ از مشتری غبغبش

دو چشمِ فسون سازِ او فتنہ زا — موکل بہر غمزۂ فتنہ ہا

نہالِ قدش سروِ باغِ کمال — مروت ز درجِ دہانش جمال

ز زلفِ مسلسل در آغوشِ او — سیہ پوش گشتہ بر دوشِ او

نمک پاشِ دلہا شکر پاسخش | منور تر از ہور نو بر رخش
گران قیمت از گردنش لعل و دُر | سراپائش از فتنہ و ناز پُر
عقیقین لبش لعلِ نوشینۂ | بلورین ستنے یاسمین سینۂ
بتے در ہمہ کار پرکار بود | بہ پرکاریِ خویش عیار بود
فسون ساز چون چشمِ جادوے خویش | رسن باز چون سنبلِ موئے خویش
بخوش پیکرے در چمن لالۂ | بخوبی مہِ چہاردہ سالۂ
گل از بہشتِ برین آمدہ | مہے ز آسمان بر زمین آمدہ
دو زنّارِ زلفِ مسلسل شکن | در افگندہ در گردنِ برہمن
ز خواب و قرارش بجز روے او | گرفتار در دامِ گیسوے او
ز تاراجِ زلفِ سیہ مستِ او | دلِ خویشتن دادہ در دستِ او
دمے بے وصالش قرارے نداشت | بلے با خودش اختیارے نداشت
دمِ صبحدم تا بوقتِ مسا | نگشتے ازو یکنفس ہم جدا
زنِ پاکدامن بخدمت درست | بظاہر پرستی کمر کردہ چست
بباطن سرش را ہواے دگر | بخاطر نہادہ ولاے دگر
قدش جلوہ سازِ دگر گلشنے | دلش صید بازِ شکار افگنے
بروئے جوانے بر آشفتہ بود | زعشقش شب و روز آلفتہ بود
دل از کف ز عشقِ گلے دادہ بود | شکارے بدامش در افتادہ بود
جگر چاک از بہرِ دلدار داشت | بسر خاک از بہرِ طرّار داشت
ہمے جست تدبیرے از بہر کار | کہ اخراج شوہر کند زان دیار

سرشت و بیوفائی زن کے متعلق کہتے ہیں ؎

سرشتِ زنان چون بنا کردہ اند | بآب و گلِ مکر پروردہ اند
ز خوے زنان بوے خوبی مجوے | میاویز خود را بدین رنگ و بوے
خمیر زن آغشتۂ خامی است | برو دل نہادن ز ناکامی است

اگر پاکباز است زو ہم بترس — وگر بے نماز است زو ہم بترس
طریق زنان نیست جز پیچ پیچ — مکن اعتمادش بپا کی بہ ہیچ
بیا بلبل اکنون سخن کن تمام — کہ طرز ملال است طول کلام
کہن اوستادان کہ دانا بدند — درین داستان داستان بازوند

انتخاب از "گلزار بلبل"

حمد و ثنا اس طرح شروع کرتے ہیں ؎

اے مبدع ہر بلند و پستی — موجود کن وجود و ہستی
اے محرم راز دردمندان — مقصود دل نیازمندان
اے ذات توبے زوال و بیچون — انعام تو از کلام بیرون
اے مبدع آسمان و انجم — وے مخترع وجود مردم
اے درگہت از شریک خالی — شاہنشہ ملک لایزالی
اے از تو تمام کار عالم — وے لطف تو پردہ دار عالم
اے در رہت عقل گشتہ گمراہ — با تست کمند وہم کوتاہ
اے وہم و خیال و فکرت و ہوش — در وصف تو ساکت اند و خاموش
اے تاج دہ سر بلندان — وے مرہم زخم دردمندان
اے ذات تو از صفات بیرون — زادراک تو کائنات دل خون
اے بر در تو امید عالم — افلاک بر آستان تو خم
اے مالک ملکت قدیمی — ستار و رحیمی و کریمی
اے ذات تو از تغیر خالی — بر تست مثال بے مثالی
اے بر کرمت امید جاوید — از نور تو ذرہ ایست خورشید
اے وصف تو چون نمود آغاز — از چنگ فتادہ زہرہ را ساز
اے روشنی درون احباب — از نور تو پر توے است مہتاب
اے درد مرا دوا است از تو — وے چارۂ کار ما ست از تو

اے چارہ نمائے ما تو ہستی — ما بندہ خدائے ما تو ہستی
مقصود توئی بہر نمودے — معبود توئی بہر وجودے
دربارگہِ تو بندہ پرور — خورشید غلام و ماہ چاکر
جز درگہِ تو درے دگر نیست — باسر وریت سرے دگر نیست
بر لطفِ تو ہر دو چشم دارند — بر درگہِ تو امید وارند
محروم نگردد از درت کس — فریادرسِ جہان توئی بس
اے خاک درِ تو آبِ عالم — وے گردِ رہت عبیرِ آدم
یارب بمن از رہِ عطیہ — کن عفو جرائم و خطیہ
از ظلمتِ جہل ایمنی بخش — وز پرتوِ خویش روشنی بخش
جز ذاتِ تو دیگرے ندارم — جز درگہِ تو درے ندارم
اے بر درِ خویشتن بخوانم — وے بر درِ دیگرے مرانم
گر بارِ گناہِ من گران است — دریائے محیطِ بیکران است
از راہِ کرم بمن زبان دہ — وز نام و نشانِ خود نشان دہ

ساقی سے خطاب اور طلبِ شراب کے بارے میں ۵

ساقی پیش آر جامِ بادہ — بند از سرِ شیشہ کن کشادہ
آن بادہ کہ قوتِ روان است — روشن کنِ دیدۂ مغان است
ساقی ز شرابِ ناب جامے — دردہ بہ مذاقِ تلخکامے
ساقی قدحے ز لعلِ گلرنگ — دردہ کہ دلم ز غصہ شد تنگ
آن بادہ کہ فایقِ جوانی است — بخشندۂ عیشِ جاودانی است
آن مے کہ چو لعلِ آبدار است — ہم مرہمِ سینۂ فگار است
آن مے کہ دہد بدیدہ نورے — بخشد بدل و جگر سرورے
ساقی ہمہ آشنا بہ پیش اند — بیگانہ مشو کہ یارِ خویش اند
ساقی ز نوازشے کہ داری — در شیشہ چوارشے کہ داری

وردہ کہ غم ہمسر آید
بلبل گلزار خود سر آید

در تعریف بہار

چون گشت زمین ز گل مزین
شد چشم جہان چو چشمہ روشن

بگرفت بہار جام بادہ
شد نالۂ بلبلان کشادہ

بشگفت گل و دمید سنبل
زد جوش بہار آتش گل

بر تخت چمن بصد تجمل
بنشست بناز خسرو گل

گل بر سر تخت تکیہ دادہ
نرگس بر خش نظر نہادہ

سنبل در زیر شاخ بادام
چون زلف مسلسل دلارام

خیری ز کمال حسن مدہوش
بامر ز نکوش دوش بر دوش

نسرین بہ چمن نواختہ کوس
زد بر رخ نسترن بسے بوس

از بیم و غم خزان توسن
شمشیر بکف گرفتہ سوسن

نرگس بہ چمن نظر کشادہ
بر دست گرفت جام بادہ

گل بر سر تخت چون سلیمان
نافرمان گشتہ بندہ فرمان

رعنا از عشق یار سوزان
چون کوزۂ آتشی فروزان

در باغ بہار کردہ خانہ
در زلف بنفشہ کردہ شانہ

از شبنم گشتہ سبزہ پُر
شد تختۂ لاجورد پُر دُر

در صحن چمن نشستہ دلشاد
شمشاد و خدنگ سرو آزاد

صد قمری و صد ہزار بلبل
افگندہ بہ صحن باغ غلغل

بلبل بر شاخ گل غزلخوان
داؤد صفت شدہ خوش الحان

بر شاخ چنار سبز پہلو
زد فاختہ نالہائے کوکو

در فصل چنین بہار دلکش
گردیدہ جہان ز گل پریوش

قطعۂ بدیہہ

جان سوخت ز آتشِ جدائی
جانانۂ ما خبر ندارد
گشتیم خراب از مئے عشق
مستانۂ ما خبر ندارد
افسانہ شدیم در غمِ او
ز افسانۂ ما خبر ندارد
کردیم خراب کعبۂ دل
بتخانۂ ما خبر ندارد
افروخت برون درون ہمہ سوخت
کاشانۂ ما خبر ندارد
شد مست ز جامِ عشق بلبل
پیمانۂ ما خبر ندارد

ترجیع بند۔

بندِ اول

اے بارخِ گل تو رشکِ ناری
چہ لالہ چہ گل چو نوبہاری
تا دست رسد نمی‌گذارم
از دامنِ دستِ عجز و زاری
خون شد دل و دیدہ گشت طوفان
از نالۂ و اشکِ بے قراری
رحم آر برین دلِ جگر خون
من غمخوارم تو غمگساری
در عشقِ تو او فتادہ ہستم
بردار بہ شفقتے کہ داری
برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالۂ و آہ خود نشینم

بندِ دوم

از خارِ فراقِ یارِ دلدار
گلزار بچشمِ من شدہ خار
از جور و جفا چہا نکردی
از مہر و وفا دلِ تو بیزار
ز احوالِ دلم خبر چہ پرسی
بے یار بود ہمیشہ بیمار
دور از توز فرقتت چہ گویم
بیمارم و بیقرار و بیدار
شوخے کہ بہ غمزہ ہائے کشت
یارب بہ پناہ خود نگہدار

از پختگی جنون عشقم گشت است جگر کفیدہ چون نار
برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالہ و آہ خود نشینم

بند سوم

در عشق تو ہر کہ داغ دارد از ہر دو جہان فراغ دارد
زلف سیہت بہ گرد رخسار دزدے کہ بکف چراغ دارد
آن چشم کہ مست خشم و نازست از خون دلم ایاغ دارد
دل از رہِ عقل گشتہ گمراہ در راہِ غمت سراغ دارد
با داغِ دلم چہ نسبت آرد آن لالہ کہ کوہ و راغ دارد
برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالہ و آہ خود نشینم

بند چہارم

بربود دلم بتے بہ نازے شوخے بہ کرشمہ فتنہ بازے
خورشید رخے بہ طلعتِ ماہ در دادیِ ناز یکہ تازے
دین برد بہ یک نظارہ دل نیز آہو چشمے و سحر سازے
عمرے است ز عشقِ تو کہ دارم در سینہ فراقِ جان گدازے
در مذہب حسن و عشق دارد نازِ تو و ز من نیازے
در محنت و غم دلم ندارد جز یادِ رخت انیسِ رازے
برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالہ و آہ خود نشینم

بند پنجم

از حالِ دلم خبر نداری از نالۂ من اثر نداری
اے چشم تم تو کم چرا شد زین بیش مگر جگر نداری

بے مہری و بے وفائیت چند — بوئے ز وفا مگر نداری
دل در رہِ عشق پا ز سر کن — در سر ہوسِ سر اگر نداری
پامال جفا و جور کردی — چون از دلِ ما خبر نداری
مُردم از دردِ ہجر مُردم — بر تربتِ من گذر نداری

برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالہ و آہِ خود نشینم

بند ششم

با روے تو با چمن چہ سازم — بے موئے تو با ختن چہ سازم
در عشق مرا نماندہ جانے — بے عشق بہ جان و تن چہ سازم
خود جامۂ دل دریدم از غم — با جامۂ و با کفن چہ سازم
بے یار بہار را چہ بینم — بے نار بہ نارون چہ سازم
امید طرب جہان نہ دادہ — یارب بہ غم و محن چہ سازم

برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالۂ و آہ خود نشینم

بند ہفتم

در راہِ غمت بہ دیدہ رفتیم — اے وائے ترا نہ دیدہ رفتیم
در عشقِ تو عشرتِ جہان را — نا دیدۂ و ناشنیدہ رفتیم
از دستِ تظلمِ فراقت — پیراہنِ دل دریدہ رفتیم
با دردِ تو از فراق مُردیم — در گور کفن دریدہ رفتیم
اندر تہِ خاک ہم ز دردت — اے وائے نیا رمیدہ رفتیم

برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالۂ و آہِ خود نشینم

بند ہشتم

در عشق تو از جہان گذشتم — اے جانِ جہان زجان گذشتم
از شوقِ تو اے دُرِ صفا خیز — چو اشک روان روان گذشتم
از ہجر تو اے بتِ ستم کیش — نادیدہ جہان زجان گذشتم
از بادِ خزانِ ہجرت اے یار — چون لالہ و ارغوان گذشتم
در فرقتِ گلرخت چو بلبل — با نالہ و با فغان گذشتم

برخیزم و گوشہ گزینم
با نالہ و آہ خود نشینم

بہار۔ پنڈت لسّہ کول صاحب خلف پنڈت ٹیکارام جیو آخون

آپ کے حالات و کلام اس تذکرہ کی جلد اوّل میں درج ہو چکے ہیں۔ آپ کے مطبوعہ کلام کے علاوہ دو قصیدے اب دستیاب ہوئے ہیں جو انھوں نے اس زمانے کے کشمیری پنڈت روساء کی مدح میں لکھے تھے۔ ان کو ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

آمد بہار و سبزہ ز ہر سو کشید سر — از سبزوار داد نشان باغ کاشمر
بلبل بیا کہ مطربِ بزم چمن توئی — برچنگ نالہ زن رہ نوروز را دگر
برگرد چشمہ سبزۂ نو رستہ میدہد — از خطِ نو دمیدۂ و چاہِ ذقن خبر
سرخاب وش زعکسِ گلِ لعل و لالہ ہا — ہر طائرے براوج ہوا گشتہ سرخ پر
آمیخت بوے گل بہوا لیکہ طرفہ نیست — گردد گلاب ریز اگر ابر چون مطر
از نیشِ ہجر گل دلِ بلبل فگار بود — صبح بہار پنبہ نہادش بزخم بر
ہر نخل از شگوفہ درم ریز گشتہ است — گل ہم بدست کردہ زلبس مشت زر
بہر نثارِ تارکِ اقبالِ مقبلی — کز ماہ تاب بردہ بہ پیشانی چو خور

مہتاب برجِ جاہ کہ تابِ مہِ رخش — بر اوجِ چرخ دیدۂ خورشید کردہ تر
از بس نشاطِ سالِ نو و فالِ فرخش — بنشستہ بر وسادۂ دولت بجاہ و فر
بنہادہ پا بپایۂ والائے قدر و شان — بکشادہ دستِ جود چو دریا بہ خشک و تر
اے سایہ ات سعید تر از سایۂ ہما — وے پایۂ ز گنبدِ اخضر رفیع تر

دیگر

رسید مژدہ کہ ایّامِ عیش و ناز آمد — بجوئبارِ امید آبِ رفتہ باز آمد
باین نوید دلِ دوستان ببالیدہ — ز تابِ رشکِ گلِ خصم در گداز آمد
شگفت غنچۂ دلہائے خویش و بیگانہ — چو این نسیم بشارت باہتزاز آمد
کہ یعنی از شرفِ نجم لطفِ شاہِ زمان — بحالِ پنڈتِ[1] جوادِ دلنواز آمد
چہ پنڈتے[2] کہ سرِ دستِ جاہ باصد شان — بپا ثمر وی تائید جلوہ ساز آمد
ایا چو ابرِ کفت دُر فشاند چون نیسان — صدف بہ پیشِ تو بکشادہ کام آز آمد
ز دستگیریِ الطافِ ظلِ سبحانی — ستارۂ تو بصد نور بر فراز آمد
چو در علاقۂ نو پائے رنجہ فرمودی — ز دورِ دولتِ جاوید پیش باز آمد
چو عندلیب پس از سالہا بہارِ حزین — بباغِ محفلِ جاہت ترانہ ساز آمد
گرفتہ پنجۂ او دامنِ اجابت را — پئے دعائے تو دستش بہ سروراز آمد
عنانِ توسنِ اقبال در کفت بادا — سمندِ چرخ بزین تاکہ تیز تاز آمد

بیتاب - پنڈت تابہ رام ترکی صاحب

آپ کے کلام کا نمونہ تذکرہ "بہارِ گلشنِ کشمیر" کی جلدِ اول میں نذرِ ناظرین کیا گیا ہے بڑی جستجو اور تلاش کے بعد مختلف ذرائع سے جو حالات دستیاب ہوئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

آپ بیتاب تخلص کرتے تھے چنانچہ آپ کے ایک منظوم خط کے مقطع میں تخلص

۱؎ پنڈت ۲؎ پنڈتے۔

موجود ہے اور آپ کی مشہور تصنیف "جنگ افغانان و سکھان" میں بھی اس کو استعمال کیا گیا ہے۔

آپ ۱۸۳۳ بکرمی مطابق ۱۷۷۶ء میں رعنا واڑی سرینگر کشمیر میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے کی مروجہ تعلیم کے مطابق خاطر خواہ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ سرکاری ملازمت میں بہ حیثیتِ کاردار (عامل) کے فرائض انجام دینے رہے اور عمر کا بیشتر حصہ موضع برنگ علاقہ اننت ناگ میں اسی ملازمت کے سلسلے میں بسر کیا۔

اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت سے فارسی و عربی میں آپ نے مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ اپنے وقت کے اعلیٰ درجہ کے شاعر تسلیم کئے جانے کے علاوہ آپ حاضر جوابی اور فی البدیہہ شعر کہنے میں کافی شہرت رکھتے تھے اور پنڈت راجہ کاک صاحب متخلص بہ فرخ کے دربار میں شریکِ مجلس ہو کر دادِ سخن دیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں ایک موقع پر حضرت فرخ کے سامنے کسی صاحب نے جب ملا محمد توفیق کشمیری کا یہ شعر پڑھا یا اس کی تعریف کی اور ان سے اس کی داد چاہی ؎

شکستہ رنگی من باطبیب در جنگ است علاج درد سرم حسن صندلی رنگ است

تو پنڈت راجہ کاک نے خود بھی اس شعر کی تعریف کی اور حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا کوئی شخص اسی بحر اور قافیہ میں ایسا ہی عمدہ شعر کہہ سکتا ہے؟ منجملہ دیگر شعراء کے حضرت بیتاب بھی اس موقع پر حاضر تھے انھوں نے عرض کی جناب میں اسی پایہ کا بلکہ اس سے بہتر شعر اسی زمین اور قافیہ میں ابھی عرض کئے دیتا ہوں بشرطیکہ انعام کا وعدہ فرمایا جائے حضرت فرخ نے جو اول درجے کے علم دوست اور سخن پرور تھے انعام کا وعدہ کیا جس پر بیتاب نے کہا ؎

سیاہ بختم و از بختِ خویش خورسندم چرا کہ بختِ من و زلفِ یار ہم رنگ است

حاضرینِ مجلس یہ شعر سن کر پھڑک اُٹھے۔ چاروں طرف سے واہ واہ اور سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوئے اور حضرت فرخ نے اسی وقت حکم دیا کہ فوراً پنڈت تابہ رام کے گھر ایک سو خروار (یعنی تقریباً دو سو من) شالی بھیجدی جائے۔ جس کی تعمیل کی گئی۔

حضرت بیتاب نے "جنگ افغانان و سکھان" کے علاوہ منظوم "رنجیت نامہ" اور "اکبر نامہ"

دو کتابیں تصنیف فرمائی تھیں لیکن افسوس ہے کہ آجکل یہ دونوں نایاب ہیں - اسی طرح آپ کی غزلیات کا مجموعہ بھی دستبرد زمانہ سے تلف ہو چکا ہے - صرف "جنگ افغان و سکھان" کی غیر مطبوعہ نقل بعض بزرگانِ قوم کے پاس موجود ہے - جس کے مطالعہ سے آپ کی طباعی زورِ طبیعت - روانی اور جوش و خروش کا پتہ ملتا ہے - آپ کی رزمیہ نظم میں ایک ایسا نوطرز رنگ پایا جاتا ہے جو فردوسی اور نظامی کے کلام کو یکجا اور آمیختہ کرنے سے پیدا ہو سکتا ہے اور اس کلام میں وہ جوہر موجود ہیں جن پر فارسی شاعری کو ناز ہو سکتا ہے - آپ تاریخ گوئی علم ہندسہ و تنجیم اور دیگر مسائل میں بھی کافی دسترس رکھتے تھے - ۷۱ سال کی عمر پا کر آپ ۱۹۰۴ بکرمی مطابق ۱۸۴۷ء میں راہی ملک عدم ہوئے -

بیتاب - پنڈت شیام پرشاد گنجور صاحب اکبر آبادی

کشمیری پنڈتوں کے فرقہ میں ایک بیوہ لڑکی کی شادی آگرہ میں ہوئی تھی اور اس سوشل رفارم کے خیر مقدم میں چک بست مرحوم نے ایک نظم "برق اصلاح" تصنیف کی تھی جو صبحِ وطن (مجموعۂ کلام نظم چک بست) میں درج ہے - اس کے جواب میں حضرت بیتاب نے دو نظمیں "جور اصلاح" نمبر ۱ و نمبر ۲ کہی ہیں جو خوب دلچسپ اور پر لطف ہیں - یہ دونوں نظمیں بیتاب کی زورِ طبع کا ایک نفیس نمونہ ہیں -

جور اصلاح نمبر ۱

مرحبا قوم میں جھگڑے کے اٹھانے والو — اور سوتے ہوئے فتنے کے جگانے والو
دل پہ ہٹ دھرمی کے سکے کے جمانے والو — آبروئے قوم کی دنیا میں گنوانے والو

واہ کر کشتیِ عصمت کا کنارا تم نے
بحرِ عالم میں ہے معصوموں کو مارا تم نے

کل تک عصمت کا نہ اک تار تھا جس کا ٹوٹا — آج صد حیف اُسے تم نے سراسر لوٹا
ہوا بدعہد کی سچائی کا دعوی جھوٹا — آن کی آن میں عصیاں کا پہاڑ آ ٹوٹا

خود بھی ناشاد ہوے اوروں کو ناشاد کیا
ظلم مذہب پہ کیا قوم کو برباد کیا
چمنِ عصمت و غیرت کو کیا ہے ویراں　　بلبلِ باغِ فضیلت ہے بہت ہی نالاں
عاقبت اپنی بگڑنے کے کئے ہیں ساماں　　دشمنِ قوم بھلا ایسے میسّر ہیں کہاں
قوم تھراتی ہے کرتب کو تمھارے سن کر
دھرم خاموش ہوا اپنا یہاں سر دھن کر
ست کو قائم جو رکھیں اور کمائیں جو ثواب　　اُس کا کچ فہم رکھیں قوم کی گردن پہ عذاب
روشِ پاک کو جو لوگ بتاتے ہیں خراب　　اُس پہ نازل ہو خداوند ترا قہر و عتاب
جو کہ ہیں قوم کی بربادی کی تدبیروں میں
ڈالدو باندھ کے فولاد کی زنجیروں میں
دھرم پروردہ نہیں ہوتے کبھی بھی معذور　　صبر کی دیتا ہے توفیق خدا ان کو ضرور
ملک کی رسم کو کہتے ہیں نرالا دستور　　مہرباں. عقل کا ہے آپ کی یہ سارا قصور
جو رضا جو ہیں اُنھیں صدمہ بیداد نہیں
لب پہ شکوہ نہیں - نالہ نہیں فریاد نہیں
حیف ہے دھرم کی بنیاد ہلی جاتی ہے　　آبرو قوم کی مٹی میں ملی جاتی ہے
ہائے کیا ظلم ہے رسمِ عملی جاتی ہے　　مذہب و دین کی شان ازلی جاتی ہے
خود غرض قوم کو گمراہ بنا دیتے ہیں
جھوٹ کا سچ یہی حضرات دکھا دیتے ہیں
یہ ہوا جوش کا ہٹ دھرموں پہ عالم طاری　　عقل بھی کھو تی گئی آنکھ گرہ کی ساری
رسم معیوب کو کرتے ہیں جو یہ اب جاری　　ہائے کمبختوں نے جیتی ہوئی بازی ہاری
سر سے بدنامی کے ٹیکے کبھی مٹنے کے نہیں
بیر بکھرے ہیں یہ ایسے کہ سمٹنے کے نہیں
نیک و بد سے نہیں آگاہ یہ ہیں کوئے نہنگ　　ہوش میں اب یہ نہیں ان کو نشہ کی ہے ترنگ

گو پشیمان ہیں پر دل میں یہ اُن کے ہے اُمنگ بے حیائی ہی سہی پھر بھی جماتے رہو رنگ
کون ملتا نہیں ڈھونڈھے سے طرفداروں میں
ذکر تو یہ بھی نہیں حیف گنہگاروں میں
آؤ ایمان کے جانے کا تماشا دیکھیں آنکھ سے شرم کا اُٹھتا ہوا پردا دیکھیں
دھرم کے خون کا بہتا ہوا دریا دیکھیں غرق ہوتا ہے گنہگار کا بیڑا دیکھیں
چاک ہے جامۂ دیں نقشِ رفو باقی ہے
رکھیو خیاطِ ازل شرم کہ تو باقی ہے
خود غرض نفس پرست جمع ہوئے ہیں عیار کیا عجب قوم کے سر سے جو اُتاریں دستار
سچ ہے نافہموں سے ہے بحث کا کرنا بیکار سنت پہ قائم نہ رہے اور یہ ہمت گئے ہار
ایسی اصلاح کی تاثیر کہاں ہوتی ہے
ایسی حرکات سے کب قوم جواں ہوتی ہے
جبکہ یاروں کے جھپٹنے میں کوئی حور ہوئی قید مذہب کی طبیعت سے سبھی دور ہوئی
بزم خلوت میں ہوئی یا کہ سرِ طور ہوئی الغرض ہو کے رہی بات جو منظور ہوئی
ننگ ہیں فکر نہیں دین کی بربادی کا
جھنڈا ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں آزادی کا

جور اصلاح نمبر ۲

مرحبا قوم کی بربادی کے بانی تم ہو رشکِ فردوس ہوشدّاد کے ثانی تم ہو
جس کو نمرود نے چھوڑا وہ نشانی تم ہو سچ تو یہ ہے کہ بد افعالی کے بانی تم ہو
قوم کی عزت و توقیر کو کھویا تم نے
ہائے منجدھار میں بیڑے کو ڈبویا تم نے
اس قدر ظلم پہ کیوں آپنے باندھی ہے کمر کیوں یتیموں کو یسیری کا دکھایا منظر
مرکے چھٹ جے جانے کا افسوس تو ہوتا دم بھر جیتے جی ہائے چھٹی جاتی ہے ماں سے دختر

واہ شاباش ہے کیا رسم نکالی تم نے
ظالموں ظلم کی بنیاد یہ ڈالی تم نے

مل گئی خاک میں سب گلشن قومی کی بہار
اب تو ظاہر نظر آتے ہیں خزاں کے آثار
ہائے پیدا ہوئے کلجگ میں کلنکی اوتار
چمن قوم کو برباد کیا آخر کار

راستہ قوم کے بچوں کا بھی کھویا تم نے
نام بھی اپنے بزرگوں کا ڈبویا تم نے

عصمت و عزت و حرمت کا نہیں آپ کو پاس
غیرت و شرم بھٹکتی ہی نہیں آپ کے پاس
ہم سمجھتے ہیں کہ ہے ٹھیک ہمارا یہ قیاس
بیحیائی کا عبث آپ نے پہنا ہے لباس

قوم میں آپ کے سر سہرا ہے اس شادی کا
تمغہ مل جائے گا بیواؤں کی بربادی کا

آپ کی جرأت اصلاح کا کیا کیجے بیاں
جس کا زنہار نہ تھا قوم کو کچھ وہم و گماں
اب نظر آئے ہیں کچھ فہم و فراست کے نشاں
دیکھئے اب یہ اُلوالعزمیاں پہنچیں گی کہاں

دین - ایمان نہیں شرم و حیا پاس نہیں
مرد آزاد ہیں دل میں کوئی وسواس نہیں

اس کی پروا نہیں گر ہو گئے رسوائے انام
پر کیا آپ نے کس ہمت و جرأت کا یہ کام
آپ کے سر کی قسم آپ کا دنیا میں ہے نام
دور سے کرتی ہے قوم آپ کو جھک جھک کے سلام

شکر ہے آپ کی کوشش سے ہوا یہ سمبندھ
خوب کمل میں دوشالہ کا لگایا پیوند

گل کیا انجمن قوم سے الفت کا چراغ
اُن کے مُنہ سے نہ مٹے گا کبھی تا عمر یہ داغ
ڈھونڈھ کر جوڑے کے جوڑے کا لگا لائے سراغ
کیا بڑے کاموں میں حضرات کا لڑتا ہے دماغ

رشک کرتے ہیں زمانہ کے مدبر اُن پر
نفس امّارہ ہے ہر طرح سے قادر اُن پر

واہ کیا تخم حسد قوم میں بویا افسوس
حیف ہے حرف محبت کو بھی دھویا افسوس



پنڈت نندلال در۔ بیغرض

خونِ معصوم سے دامن کو بھگویا افسوس نام کشمیر کا واللہ ڈبویا ۔ افسوس
اُس سے پوچھے کوئی جس گھر کی یہ بربادی ہو
آپ ترغیب یہ دیتے ہیں کہ ہاں شادی ہو
چھپ کے ماں باپ سے یہ رشتۂ الفت کیا خوب قبل شادی کے دولھن کی ہوئی رخصت کیا خوب
بیاہ کی بھی ابھی آئی نہیں نوبت ۔کیا خوب پی لیا پہلے ہی قارورۂ عفت ۔ کیا خوب
مغربی طرز و مراسم کے مقلد تم ہو
اس نئے ڈھنگ کی دامادی کے موجد تم ہو
ہائے ان نفس پرستوں نے نہ سوچا انجام جھوٹ سچ کہہ کے کیا قوم کو ناحق بدنام
جب چڑھاتے ہیں مئے سرخ کے یہ جام پہ جام خواہشِ نفس میں حوروں سے یہ کرتے ہیں کلام
دھرم بھی دین بھی ایمان بھی تم پر صدقے
ہم تو آزاد ہیں یہ جان بھی تم پر صدقے

بیغرض ۔ پنڈت نندلال درصاحب خلف پنڈت ٹیکالال درصاحب ساکن سرینگر کشمیر

آپ کے دادا پنڈت واسہ کاک در عہد عظیم خانی میں ہرکارہ باشی یعنی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدۂ جلیلہ پر مامور تھے اور عہدۂ وزیر فوج تک ترقی پائی ۔ جس وجہ سے حکامِ وقت نے ناراض ہو کر آپ کو سزائے قتل دی تھی اس کے اظہار کی یہاں ضرورت نہیں ہے ۔ واسہ کاک شاعر تھے اور باسکر تخلص کرتے تھے ۔ اپنی موت سے ایک ماہ پہلے انھوں نے ایک شعر کہا تھا جس کو ایک قسم کی پیشین گوئی کہنا چاہیئے ۔ وہ شعر حسب ذیل ہے :-

گفتمش از بہر باغ باسکر ہاتفے از غیب گفتا "خشک شد"

بیغرض صاحب کے والد بھی شاعر تھے اور قانع اُن کا تخلص تھا ۔ افسوس کہ دونوں صاحبوں کا کلام ضائع ہو گیا ہے ۔ آپ کی عمر چالیس سال ہے اور رشتری پرتاب مڈل اسکول میں

ایک عرصہ سے مدرس ہیں۔ آپ کا مجموعۂ کلام جامِ وحدت المعروف ترانۂ بیغرض دو جلدوں میں ترتیب دیا جا رہا ہے۔ آپ کو فخر تلمذ کسی سے حاصل نہیں ہے۔

گفتم ببوسم خاکِ پا گفتا بہ کوئے من در آ
گفتم ندانم راہ او گفتا برو دیوانہ باش

گفتم مزن تیرِ جفا گفتا ہمیں از من وفا
گفتم چساں بینم ترا گفتا کہ در بتخانہ باش

گفتم کہ بنشیں روبرو گفتا دوئی را دور کن
گفتم کہ قربانت شوم گفتا کہ چوں پروانہ باش

گفتم کہ میرم در غمت گفتا کہ دل شادم شود
گفتم زکوٰۃ حسن دہ گفتا کہ چوں پیمانہ باش

گفتم کجا داری مکاں گفتا مکانم لامکاں
گفتم توئی جانِ جہاں گفتا توہم جانانہ باش

گفتم چہ باشد نام تو گفتا ز دنیا بیغرض
گفتم بہ پیشت چوں رسم گفتا ز خود بیگانہ باش

شدم بیخود چو مجنوں در پئے دیدار آں لیلے
بہ شوقِ سنگِ طفلاں ہر طرف دیوانہ میرقصم

رسیدم عاقبت در خدمتِ ساقی بہ میخانہ
بہ گردِ شمع رویش چوں پرِ پروانہ میرقصم

دائمِ ازیں دنیائے دوں۔ رفتست ہر کس سرنگوں
از وہم ہستی شو بروں تا واصلِ دلبر شوی

لبسِ دوئی را پارہ کن در خود شناسی چارہ کن
نخلِ خودی از بیخ و بن برکن کہ نیک اختر شوی

درذاتِ او نکرارِ نے۔ اقرار نے۔ انکار نے
برخیز و درکش جامِ مے تا خود بخود رہبر شوی



شریمتی پران کشوری کچلو - پرآن

اُردو

گلشن میں اب چلنے لگی کیسی ہوائے صرصری — رخصت ہوئی سب خوشدلی ہر ایک بے آرام ہے
ماضی تمہارا کیا ہوا کیوں حال سے بدحال ہو — ہمت اگر کچھ تم میں ہو ہر خار رہ گلفام ہے
بس غافلو ہشیار ہو غفلت کی نیندیں سو چکے — سر پر تمہارے کھیلتی شمشیر خون آشام ہے

ولہ

شب فرقت بلائے بد ہے ٹالے سے نہیں ٹلتی — نہ پوچھو دل لگانے کی سزا میں نے یہ پائی ہے
نہیں سنتا وہ ظالم۔ بیغرض شکوا ہے لا حاصل — میں تنہا اس طرف اور اس طرف ساری خدائی ہے

ولہ

اے خالق کون و مکاں اے مالک ہر دو جہاں — اُجڑا ہوا ہے آشیاں ہے تنگ ہم پر آسماں
گلشن میں ہے باد خزاں بلبل ہوئی ہے نیم جاں — کشتی پہ ہے طوفاں دواں ہے موج بحر بیکراں

ولہ

حسن باطن اور ہے شکل و شمائل پر نہ جا — بے خبر کھاتا ہے دھوکا ظاہری تصویر سے

پران۔ پران کشوری کچلو صاحبہ اہلیہ پنڈت پرتھی ناتھ کچلو صاحب وکیل

آپ پنڈت بشمبھر ناتھ رینہ صاحب جج مرحوم کی دختر تھیں ۱۸۸۵ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئیں اور ۱۹۱۳ء میں بمقام لاہور سرگباس ہوئیں۔ صرف ہندی کی تعلیم معمولی حاصل کی تھی مگر شعر اور بھجن کہنے کا بیحد شوق تھا۔ کبھی کبھی بھجن وغیرہ بناتی رہتی تھیں آپ کو ہمیشہ اس بات کا افسوس رہا کہ اعلیٰ تعلیم ان کو کیوں نہیں دی گئی۔

پرتھم گورو گنیش کو ہاتھ جوڑ سر نائے — پاپ چھٹے جو کچھ کارن ہو واکو کرو اُو پائے
میں مورکھ اگیان ہوں نہ کچھ بدھی موئے — شرن گہی اُس ناتھ کے وہی کرے سو ہوئے

پران داسی کی بنتی سن لیو کرتار
بھگتی۔ مکتی۔ سکھ۔ سمپدا دیو پدارتھ چار

پربھو جی مرا سنکٹ بیگ ہرو اب کا ہے دیر کرو
سُندر روپ سروپ تہارو رتنوں سے اَدھک کھرو
تن من دھن تمھیں پر واروں تم سے کون بڑو
اتی آنند مگن من میرو جب سے دھیان دھرو
پران داسی ہری گن گاوے تجھ میں لین رہو

اِس جہاں میں کوئی بھی اپنا نہیں غمخوار ہے جھوٹی مایا موہ میں پھنسنا یونہی بیکار ہے
تن سے من سے جان سے دل سے تمہاری یاد ہے تو مرا سوامی نرنجن تو ہی نرآکار ہے
غور سے دیکھا جو میں نے ہر جگہ پایا تجھے پھر نہ کیوں امید رکھوں تو ہی تارن ہار ہے
جیویں سب سنتان میرے اور سدا پھولے پھلیں یہ دعا تجھسے ہمیشہ اے مرے کرتار ہے
پران ہے چرنوں کی داسی عرض اُسکی ہے یہی
مجھکو بھگتی اور مکتی دے تو بیڑا پار ہے

کرتے جو ہیں سب سے بھلا وہ ہی بھلا پھل پائینگے
کرپا اگر ہوگی تیری وہ پھر نہیں بہکے کھائینگے
(خود غرض)
جن کے دلوں میں کھوٹ ہے دیتے وہ سب کو چوٹ ہیں
کرنی سے وہ ڈرتے نہیں آخر کو خود پچھتائیں گے
چھوڑا جنھوں نے دھرم کو جانا نہ اپنے کرم کو
سب تیاگ بیٹھے شرم کو بھگتی کہاں وہ پائیں گے
کرتے جو تجھکو یاد ہیں رہتے وہ ہردم شاد ہیں
چنتا انھیں ویاپے نہیں جو پریم سے چت لائیں گے
دل میں یہ ہے نشچے مرے درشن کبھی ہونگے ترے
سُمرن ترا دن رات ہے۔ پھر کیوں مجھے بسرائینگے

ایشور! سوا تیرے کوئی نظر نہ آیا چاروں طرف اُجالا تیرا ہی جگ میں چھایا
شتر وہیں چار تن میں دیتے یہ دکھ ہیں بھاری ان کے ہنن کے کارن کیا یہ تن بنایا
کرنے سے یوگ ابھیاس قابو میں یہ ہیں آتے جیتا جنھوں نے ان کو رستہ انھوں نے پایا

پنڈت ٹیکارام صاحب کول

آپ کا تخلص معلوم نہ ہوا۔آپ کشمیری پنڈتوں کے ایک معزز خاندان میں ۱۸۸۱ء
بکرمی میں پیدا ہوئے۔آپ پنڈت راجہ کول صاحب کے صاحبزادے تھے۔والدہ
کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب پنڈت تیلک چند منشی رئیس اعظم کشمیر کے ساتھ
وابستہ ہے۔پانچ۔چھ سال کی عمر میں سایۂ پدری آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔
اور آپ نے اپنے ننھال میں تعلیم و تربیت پائی۔تعلیم کا شوق بچپن ہی سے
بدرجۂ غایت تھا۔اس پر ایک علم دوست گھرانے کی بود و باش اور تربیت
نے سونے پر سہاگے کا کام دیا۔آپ نے اس وقت کے ایک مشہور عالم
بخشی دیارام راجوری سے ریاضی کی مشہور کتاب "لیلاوتی" میں سبق لئے
آپ نے ایک اصطرلاب ایجاد کیا تھا۔جو آجکل غالباً لندن کے میوزیم میں
ہے۔وہاں کب اور کس طرح پہنچا۔یہ ایک دلخراش واقعہ ہے۔جس کا ذکر
یہاں مناسب نہیں۔

آپ نے عربی اور نجوم میں ایک شیعہ عالم مسمی آیہ بابا سے تعلیم حاصل کی
۱۹۱۴ء بکرمی میں مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب آنجہانی نے آپ کے علم و
فضل کی قدر دانی کرتے ہوئے آپ کو اپنے دربار کے نورتنوں میں شامل
ہونے کا افتخار بخشا اور دفتر دیوانی میں ایک معزز عہدے پر سرفراز فرمایا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کے دربار کے نورتن حسب ذیل اصحاب تھے:۔
(۱) دیوان کرپا رام صاحب۔ (۲) وزیر پنوں۔ (۳) پنڈت مہانند جو صاحب
در رئیس کشمیر۔ (۴) پنڈت رام جیو صاحب در رئیس کشمیر۔(۵) دیوان بدری ناتھ
صاحب مدن (۶) پنڈت صاحب جیو۔ (۷) پنڈت ٹیکا رام صاحب کول۔ (۸)
خواجہ مختار شاہ صاحب عشائی۔ (۹) خواجہ ثناء اللہ صاحب شال۔

آپ نے فارسی نثر میں متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں سے اکثر علم نجوم سے

متعلق ہیں۔ ایک قلمی نسخہ تاریخ کشمیر کا بھی آپ کی تصنیف ہے جو نامکمل ہے۔ نظم کا ایک غیر مطبوعہ پلندہ بھی آپ سے یادگار تھا جو تلف ہو گیا ہے۔ چند اوراق پریشان اسوقت تک موجود ہیں جن سے اصلیت کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ آپ نے شریمد بھگوت گیتا کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا جس کی کوئی نقل کشمیر میں دستیاب نہیں ہوئی لیکن اُس کا تذکرہ رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن دہلوی مرحوم نے اپنی مترجمہ شریمد بھگوت گیتا موسوم بہ "فلسفۂ الوہیت" کے دیباچہ میں یوں کیا ہے:۔

"چنانچہ ایک فارسی ترجمہ موئلفۂ حضرت فیضی وزیر محمد اکبر بادشاہ۔ دوسرا مرتبہ پنڈت ٹیکا رام کشمیری میرے مطالعہ سے گذرا ہے اور چند سال ہوئے کہ بمقام کوروچھتر منشی کنہیا لال صاحب الکہ دھاری نے پنڈت ٹیکا رام صاحب کے اس فارسی ترجمہ سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام "گیان پرکاش" رکھا ہے"۔

پنڈت سہج رام صاحب خادمؔ آپ کے نہایت گہرے دوست تھے۔ انھوں نے آپ کی وفات حسرت آیات پر ایک پُردرد مرثیہ لکھا ہے جس میں آپ کی علمی استعداد اور شاعرانہ قابلیت وغیرہ کا ذکر موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے ایک نامور علاّمہ اور شاعر تھے۔

آپ ۱۹۳۴ بکرمی میں ۷۵ سال کی عمر پاکر سرینگر میں راہیِ ملک بقا ہوئے۔ افسوس ہے کہ آپ کی کوئی مکمل نظم دستیاب نہیں ہوئی۔ ایک کرم خوردہ نسخہ سے ذیل کے چار شعر دو مختلف قصیدوں سے بصد مشکل پڑھے جا سکے۔

قصیدہ نمبر ۱

برعلویاں نہاد قوام مرکبات ‌‌‌‌ ‌ از سفلیاں بسر شدہ نظّام کائنات

مقبول کرد آنکہ نظام جہاں کند ‌ ‌ از نطق و خلق و لطف و سیاسات و التفات

قصیدہ نمبر ۲

ازعدالت از سخاوت از شجاعت میکند ‌ ‌ فتنہ درخواب و جہاں خرّم عدو در اضطراب

بہرِ نظمِ ملک از دیوانِ فضل و کمال ‌ ‌ ساخت رائے صائبش دیوان کرپارام انتخاب

چالاک ۔ پنڈت پچھمن بٹ صاحب ولد پنڈت ست رام صاحب

آپ اکاؤنٹینٹ جنرل کے دفتر میں ملازم تھے۔ علم ہندسہ میں ماہر اور دفتر کی کارروائی میں طاق تھے نہایت جفاکش اور محنتی بھی تھے ۱۹۵۳ بکرمی مطابق ۱۸۹۷ء میں وفات پائی۔

سی غزلی

اے ترکِ ناز ناز تو بردہ قرار ما — ترکانہ تاختت ترک نگاہت دیار ما
از خارِ خارِ عشق کہ بردیم در لحد — سر زد بجائے سوسن خار از مزار ما
آرام جان و دل نتوان یافت در بہشت
چالاک پا مکش ز سر کوے یار ما

بیاکہ بے تو نخفت ست چشم من امشب — بہ دیدن تو شدہ دیدہ جملہ تن امشب
بہ بوے آنکہ نسیمے بروز نفخہ مویت — نشستہ با دلِ آشفتہ یاسمن امشب
بہ شوقِ نرگس بیمار و سر خوشت نرگس — بہ عینِ ضعف فتادہ است در چمن امشب
بخار خارِ غم ہجر تو گلے چالاک
چو گل درید سراپاے پیرہن امشب

پر پروانہ دار از عشقِ شمعِ ساق او سوزم — کشتم آہِ جگر چون دودِ گہ از راست گہ از چپ
پئے تادیب مجنونِ دلم لیلیٰ وشئے زنجیر — کشادہ از زلفِ مشک آمود گہ از راست گہ از چپ
پر یدہ آب و رنگ رویم از سیلاب اشکِ گرم — گہر بارانِ آتش بود گہ از راست گہ از چپ

ولہ

تا بسر سودائے عشقِ آن بتِ طنّاز ہست — این سرِ سودا پسندم پائمالِ ناز ہست
تیر مژگانش دل و جانم بہم بر دوختہ — زہ بہ ترکِ چشمِ مستش وہ چہ تیر انداز ہست
توبہ بشکن بر درِ میخانہ سر نہ در سجود — باز آئی دل چہ غم از توبہ کاین ما ساز ہست

ولہ

جانم بہ فدائیش دل و جان بردہ بہ یغما — آن ترکِ دل آزار و سر انداز و کلہ کج
جویاے وصالِ بت شیرین حرکاتم — بر سینہ زنم تیشہ گہے راست و گہ کج

جانم بلب آمد ز حریفانِ دغا باز
چالاک کہ بازند یکے نقش بدہ کج

چرا بندیم دل بر کارِ دنیا — چرا با این و آن جنگیم بر ہیچ
چنان بیخود شدم از بادہ چالاک
ندارم از سر و سامان خبر ہیچ

حاصلِ دورِ جہان نیست بجز جام و قدح — قوّتِ روحِ روان نیست بجز جام و قدح
حسنش امروز بصد رنگ نماید بنظر — ظاہرا ہست آن نیست بجز جام و قدح
حاملِ بارِ غمم ساقیِ غمخوار کجاست — کہ سرورِ دل و جان نیست بجز جام و قدح
حالیا بر درِ میخانہ نشینم چالاک
سببِ راحتِ جان نیست بجز جام و قدح

خدارا رحم کن بر حالم اے شوخ — کہ از ہجر تو ہر دم نالم اے شوخ
خرابم در فراقِ چشمِ مستت — نمی بینی چہ احوالم اے شوخ
خدا شاہد کہ رندِ لاابالم — نہ چون زاہد ہمہ محتالم (حیلہ گر) اے شوخ

ولہ

دانۂ خال ہندویش یکسر — رہزنِ کاروانِ ایمان شد
دور کن پردہ تا بگوید ماہ — آفتاب از افق نمایان شد
دیدۂ گل فشانِ تو چالاک
دیدہ پر خون کنِ گلستان شد

ذکرِ لعلِ لبت چہ ہاست لذیذ — جانِ شیرین چنان کجاست لذیذ
ذوقِ یک حرفِ شکر افشانش — زہمہ نقلہا مراست لذیذ
ذرہ قطرہ در نہ تر شحہ دہ — ساقیا زانکہ مے دواست لذیذ

ولہ

زہے نرگسِ مستِ گلعذارِ باز — چہ مردم فریب است سرشار ناز
زر و گوہر و زر ندارم بکف — بہ نقدِ روانم خریدار ناز

ولہ

ساقی سیمین بتان شمعِ شبستانم بس — لبِ نوشینِ دہنان قوتِ دل و جانم بس

سوے ظلمات مشو خضر مشو راہنما مرا — قطرۂ چاہ ذقن چشمۂ حیوانم بس
سیم و زر لعل و گہر گر نبود گو کہ مباش — بہ نثارش گہر اشک بہ دامانم بس
سنبل باغ جنان دل نکشاید چالاک
بقچۂ از سر آن زلف پریشانم بس

شوخ من در عشق تو غمگینم و غمخوار باش — مرہم داغ جگر سوز دل افگار باش
شوق گلروے بدست غم گریبانم درید — دامن از من چین گل شادی چشم خار باش
شاد باش اے عندلیب از ہجر گل نالہ کش — با خیال روے دل بند و بہ گلزار باش
شد خزان آمد بہاران خاطرم گلگل شگفت
از نہال خرمی چالاک برخوردار باش

صداے قلقل مے دل نواز و — وسلے جان پرور آمد شیرا خلاص
صبا در کوے جانان رو خبر دہ — ز حال بندی زنجیر اخلاص
صف ترکان مژگانش نمودند — دلم آماج گاہ تیر اخلاص

ضعف صیام جان بلب آورد ساقیا — افطار از ان مروق خوشبو مراست فرض
ضایع نہ ساختم پئے محراب عمر خود — یک سجدہ سوے آن خم ابرو مراست فرض
ولہ
طالع کس را مبین بر قسمت خود باش خوش — جبہہ دیدہ جبہہ را سودن غلط باشد غلط
طلعت چون مہر او چالاک چشم خیرہ کرد
بر جمالش دیدہ بکشودن غلط باشد غلط

ظاہر از تو کسے نیست بہ دنیا محظوظ — گر نشد از لب لعل تو دل ما محظوظ
ظلمت آباد جہان تیرہ نماید بہ نظر — ہیچ تو نشد از زلف چلیپا محظوظ
ولہ
عارضے داری عجیب و قامتے داری ہیچ — لالہ و گلنار داری وہ چہ گلزاری بدیع
عمر من بادا فدایت دل ز دستم بردۂ — دلبرا در دلفریبی وہ چہ دلداری بدیع
عشوۂ ترکانۂ چشم سیہ مستش ببین
میکند چالاک با مردم آزاری بدیع

غیرِ لعلت حرام ماست ایاغ　　تابِ رویت بہ بزم ماست چراغ
غمِ ہجران بہ داغ سوخت دلم　　آہ ازین درد سینہ سوز بہ داغ
غنچۂ لب مگر بہ خندہ کشود　　کہ درآید شمیم خوش بہ دماغ
غمزۂ راہزن دلِ چالاک
در ربود و از و کجاست سُراغ

فوجِ مژگانِ تو چون خیلِ بلا بستند صف　　شد دلِ مجروحِ ما تیرِ حوادث را ہدف
فردِ رویت دفترِ حسن است و خالت منتخب　　پیشکار خط چہ نیکو صفو گرفتہ بکف
فرخ آن ساعت بود چالاک ساقی میدہد
مطرب آید در نواز و چنگ و بربط نائے دف

قادرا از قدرتِ خود دہ اماتم از فراق　　رحمتے بفرست بر جانم بجانم از فراق
قلقلِ مے در نواز و لعلِ میگون درگشا　　ساقیا جان بر لبم از غم رہانم از فراق
قصۂ ہجران چسان چالاک خواہم شرح داد
آتشے افتاد گویا بر زبانم از فراق

کجائی اے بتِ دلجوئے چالاک　　کہ از عشقِ تو دل خون سینہ شد چاک
کجا پروائے من یا بم رہائی　　ہزاران ہمچو من بستی بہ فتراک
بکیم در سر ہوائے چترِ شاہی　　کہ آسودہ سرم از سایۂ تاک
کلامت شکرِ طوطی فریب است
ولے تلخ است از غم کام چالاک

گلِ رویت ز روئے باغِ رضوان بردہ آب و رنگ　　لبِ جانبخش تو از آبِ حیوان بردہ آب و رنگ
گر اندر عشقِ گیسویت شوم کافر عجب نبود　　کہ کفرِ ہندوئے زلفت ز ایمان بردہ آب و رنگ
گمانم میشود چالاک آن گلرو بہ باغ آمد
کہ تابِ رشک از روئے گلستان بردہ آب و رنگ

لاله از داغ غمت خون جگر نوش کند — شده از حسنِ گلِ روے تو گلشن رخجل
لیلی از داغ جگر لاله ستان پیدا کرد — که ز مجنون شده از زردیِ رخسار خجل

وله

من نه تنها جامهٔ جان می درم گل نیز هم — من گرفتارم به گیسوے تو سنبل نیز هم
مست بگذشتی به گلشن با عذارِ لاله گون — بر فگندی جعدِ عنبر بو تو کاکل نیز هم
مایهٔ جان است یا قوتِ لبِ میگون او — جوش شد از شورشِ دلِ ما و خم و گل نیز هم
میرسد شاید بگلگشتِ چمن آن گلعذار — ناله و افغان کند قمری و بلبل نیز هم

نواے بلبل ز شوقِ رویت فغان قمری ز زاریِ من
دریده گل را جگر ز حسرت بریده دلها ز سروِ گلشن
نسیم عنبر شمیم زلفت صبا به گلشن مگر در آورد
چمن گرفته پئے نثار تو سنبل و یاسمن به دامن
نه در سرِ من هواے شاهی نه در دلِ من غمِ تباهی است
همین مرادم بس است چالاک بُد و دویدن بدو رسیدن

هست فصلِ نو بهار و زُو و در باغم شگفت — گل ز اشک و لاله از داغ جگر سنبل ز آه
همدمِ من شد رقیب و همدمم غم شد و الم — دمبدم در دم مده رحمے بمی کن گاه گاه
همتِ عشق است این چالاک کاندر کوے او
دیدهٔ دُر ریزِ من دُردانه ها ریزد براه

هر که در راه درد سر داده — داور آورا سرِ دگر داده
همه کامِ دل حاصلم گردید — طالعم وصلِ او اگر داده
هر که آرامِ دل هوس دارد — سر به هر کار و بهر در داده

وله

واے از نازِ بلا انگیز تو — گشته ام بسمل ز تیغِ تیز تو
وادی ایمن کجا این نور دید — اے خوشا روے تجلی ریز تو
وه چه پُر تاب است بیتابم نمود — سنبلِ تر بر گلِ نوخیز تو

حضوری۔ پنڈت ہرہ کول صاحب ساکن سرینگر کشمیر۔

آپ پنڈت گوپال کول صاحب غیورؔی کے صاحبزادے اور محلۂ زیرستان سری نگر میں سکونت پذیر تھے۔ آپ ۱۸۸۱ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے ذہین اور طباع سخنور مانے جاتے تھے بچپن ہی سے شعروسخن کی طرف طبیعت مائل تھی اور اپنی خداداد ذہانت اور روشن دماغی کی بدولت کمسنی میں ایک اچھا نام پیدا کیا تھا۔ صرف ۲۶ سال کی عمر پاکر ۱۹۰۷ بکرمی میں جوانمرگ ہوئے لیکن باوجود اس قدر کم عمر پانے کے ایک دیوان یادگار چھوڑ گئے تھے۔ افسوس ہے کہ بباعث آشفتگی وہ بھی تلف ہوگیا۔

حضرت حضورؔی ملٹری اکونٹنٹ کے اعلے عہدے پر مامور تھے۔ آپ کی تحریر و تقریر کا سکہ اس زمانے کے نامور لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا طبیعت کے فیاض اور زندہ دل تھے۔ پنڈت تاراچند صاحب ترسل تحصیلدار آپ کے نواسے اس وقت تک بقید حیات ہیں۔

باوجود تلاش بسیار آپ کے کلام کا کوئی جزو ہاتھ نہ لگا۔ فقط چند اشعار جو آپ کے نبیرہ پنڈت ایشر کول صاحب دفتری کو یاد تھے ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں؎

تا رسا بستی ز خونِ چشمِ خوں افشانِ ما
پنجۂ مرجاں نمودی پنجۂ مژگانِ ما

پارہ پارہ چاک چاک اے واچہ کتاں ماہ من
از رخ تاباں وخوبت شد دلِ سوزانِ ما

بیخودم۔ مخمورم و مستانہ ام مستم ز تو
دینِ ما۔ ایمانِ ما وے جانِ ما جانانِ ما

پردہ از روے سمن سا بکشا
گرہ از زلفِ چلیپا بکشا

از پے بوسہ و کنارم اے ماہ
بکشا بندِ قبا را بکشا

سینہ از داغ تو گلشن شدہ است
ماہِ من چشمِ تماشا بکشا

ساقیا جام زمے کن لبریز
گرہ از شیشہ و مینا بکشا

تا شود جانِ حضوری آزاد
گرہ از زلفِ چلیپا بکشا

بستی از خونِ گل نگار امشب
پائمالِ تو شد بہار امشب

چہ فسون آہِ من رسید کہ شد
لشکرِ زلفِ تار مار امشب

ولہ

مطربے شب نہ رفت خانہ ہنوز
غزلے گوید عاشقانہ ہنوز

نازنیں ساقیا دمے بنشیں
گوش کن ساختہ ترانہ ہنوز

خورشید۔ پنڈت سورج پرشاد خورشید وکیل خلف پنڈت آسارام

اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اُردو دیوان نظر سے گذرا۔ اُس کا انتخاب درج ذیل ہے۔ کلام میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے۔ ۱۲۹۵ھ تک حیات تھے۔

پرنیاں شہ کو مبارک ہو گدا کو کمبل
میں تو دیتا ہوں دعا تم مجھے دشنام ہی دو

جامہ بخشا ہے جنوں نے مجھے عریانی کا
کچھ تو مل جائے صلہ مجھکو ثنا خوانی کا

ولہ

اقبالِ خداداد کی ہے اور ہی صورت
کھلتی ہی نہیں دل کی کلی باغِ جہاں میں

آئینہ بنانے سے سکندر نہیں ہوتا
مٹی میں جو غنچہ کی طرح زر نہیں ہوتا

ولہ

آج مختار ہیں جو ظلم وہ چاہیں کرلیں
یدِ بیضا کو ہتھیلی کا پھپھولا سمجھیں

حشر کو ہوگا مرے ہاتھ میں دامن اُن کا
دیکھیں جو حضرت موسیٰ رخِ روشن اُن کا

ولہ

خواب راحت ہے کہاں تا دانِ دو پیچ میں
گردشِ ایام سے پھرتا نہیں اپنا نصیب

گردشِ ایام سہے اے دل یہ گہوارہ نہیں
اخترِ قسمت مرا ثابت ہے سیارہ نہیں

ولہ

کون سا افسوں نہیں تیری نگاہِ ناز میں
تھی کسے جوشِ جوانی میں خبر انجام کی

کان ہے جادو کی چشمِ شعبدہ پرداز میں
عشق بازی کھیل اک سمجھے تھے ہم آغاز میں

ولہ

نہیں جاتی اصالت آدمی کی صحبتِ بد سے
نہ ہوا آہن رہے جو پاس آہن کے طلا برسوں

ولہ

عشق لکڑی کو بھی ہے بے سروساماں کرتا
بید مجنوں میں گل و برگ و ثمر کچھ بھی نہیں

ولہ

نہ ذبح کر مجھے ظالم کہ صید لاغر ہوں
دہانِ زخم سے چوسا زبانِ خنجر کو
غبار ہو کے پڑے دیدۂ رقیب میں ہم

عبث لہو میں نہ بھر ہاتھ تو منت پر کے لئے
مزے وصال کے کیا کیا نہ ہم نے مر کے لئے
لئے عداوت جو بدلے تو ہم نے مر کے لئے

ولہ

ارباب صفا رنگ کہ رشتہ سے بری ہیں
خورشید کے چشمے میں تو کانٹا نہیں ہوتی



پنڈت مہاراج نراین در - دتا

ملکِ عدم کو اب کوئی پیاسا نہ جائیگا — ولہ — قاتل نے آب تیغ کی رکھی سبیل ہے
پھٹ جائیگا شکم غمِ دنیا بہت نہ کھا — اے بوالہوس غذا یہ نہایت ثقیل ہے
پھولو نہ بلبلو چمنِ بے ثبات پر — غنچوں کی جو چٹک ہے وہ کوسِ رحیل ہے

ورؔ - پنڈت مہاراج نرائن ورؔ صاحب خلف پنڈت روپ نرائن ورؔ صاحب مسرورؔ

آپ جناب مہرؔ جانشین حضرت داغ دہلوی کے شاگرد ہیں آپ کی عمر بیس سال کی ہے۔ سینٹ پیٹرز کالج آگرہ میں طالب علم ہیں۔ شعرو سخن سے طبیعت کو لگاؤ ہے کبھی کبھی فکر سخن کرتے ہیں۔

روح کا جب سلسلہ تن سے شکستہ ہوگیا — زندگی ہی مٹ گئی یہ جسم مُردا ہوگیا
دل ہمارا اُن کی نظروں میں کھلونا ہوگیا — کھیل اُن کا ہوگیا اپنا تماشا ہوگیا
غیر سے رکھتے ہیں اُلفت مجھسے رکھتے ہیں عناد — یا الٰہی رنگ یہ دنیا کا کیسا ہوگیا

حضرت ورؔ کو جگہ دی اس نے اپنی بزم میں
سب کی نظروں میں عدو کا رنگ پھیکا ہوگیا

دل مچل جاتا ہے میرا بادہ نوشی کے لئے — برق و رعد و گلستان و ابر و باراں دیکھ کر
رات دن پیتے ہیں بوسے ابروے خمدار کے — ڈرنے والے ہم نہیں شمشیر براں دیکھکر

ولہ

دشت و جبل میں پھرتے ہیں آوارہ۔ گھر کہاں — خود رفتگانِ عشق کو خوف و خطر کہاں
مانا یہ ہم نے کعبہ بھی ہے اک خدا کا گھر — بتخانہ کا سا منظرِ دلکش مگر کہاں

ولہ

وہم تولید بشر ہوتا ہے گریاں پیدا — نہیں ہوتا صفتِ گُل کوئی خنداں پیدا
دردِ دل - دردِ جگر - زردیِ رخ - حالِ تباہ — تیری فرقت میں یہ ہیں موت کے ساماں پیدا

ولہ

باغِ عالم کی بہت چشمنے بہاریں دیکھیں — مرکے کیا جانئے گیا حشر ہو اور کیا دیکھیں
عندلیبانِ چمن پھولوں میں پھولے نہ سمائیں — وہ چمن میں جو تجھے اے چمن آرا دیکھیں

دل وہ کیا جس میں نہ ہو دردِ محبت اے درؔ
سر وہ کیا جس میں نہ اس زلف کا سودا دیکھیں

گو بظاہر وہ بہت دور نظر آتا ہے		اُس کا ہر شے میں مگر نور نظر آتا ہے
جب سے اُس مہر منوّر کا ہے جلوہ اُس میں		دل مرا نور سے معمور نظر آتا ہے

غصب کو بے پردہ جو وہ حور شمائل ہو جائے		رنگ بے رنگ ترا اے مہ کامل ہو جائے
اے فلک ہو تری بزم مہ و انجم پھیکی		زینتِ بزم جو میرا مہ کامل ہو جائے
اہل تدبیر کا کہنا ہے یہی حضرتِ درؔ
کہ جو تقدیر سے منکر ہو وہ عاقل ہو جائے

دل کے بہلانے کی صورت جب کوئی ہوتی نہیں
ہجر میں کرتا ہوں میں باتیں تری تصویر سے
وہ اگر دیکھے ہمارا سوزِ دل ، سوزِ جگر
آفریں نکلے دہانِ آسمانِ پیر سے
وہ عنایت وہ مروّت وہ محبت اب نہیں
ہو گئے برگشتہ تم کیوں عاشقِ دلگیر سے

غم ہی کھائیں گے جو مر جائیں بلا سے مر جائیں
یہ نہ چھوٹے گی غذا آپ کے بیماروں سے
زندگی اچھی ہے دنیا میں کہ موت اچھی ہے
کوئی پوچھے تو سہی آپ کے بیماروں سے
تو نے قیدی جو ستمگار بھرے ہیں اتنے
تنگ آ جائے قفس بھی نہ گرفتاروں سے
دیکھو ہم صبر و تحمل کی ہیں اک زندہ مثال
شکوے کرتے نہیں ظلموں کے ستمگاروں سے
دیکھتے ہم ہیں ترے حسن کے جلوے اُن میں
اُنس ہے ہم کو اسی واسطے گلزاروں سے

قتل ہوگا کیا کوئی بیداد کا مارا ہوا   اک ہجومِ سرفروشاں کوچۂ قاتل میں ہے
دیر و کعبہ کو بھی سب بھولے ہوئے ہیں آجکل   ایک میلہ سا لگا رہتا تری محفل میں ہے

ولہ

دوا ممکن ہے ملنی ہر مرض کی یوں تو دنیا میں   دوائے دردِ دل لیکن بڑی مشکل سے ملتی ہے
بھٹکتے پھرتے ہو کیوں حضرتِ ذرّ ہجرِ جاناں میں   مسرّت وصل کی تو الفتِ کامل سے ملتی ہے

ولہ

انساں کی زندگی کا بھی کیا اعتبار ہو   حالت وہی ہے اُس کی جو حالت حباب کی
جس سمت جسکو شوق ہو۔ جائے وہ اُس طرف   راہیں کھلی ہوئی ہیں عذاب و ثواب کی

ولہ

یہ تو کیونکر کہوں میں کشتۂ بیداد نہیں   داورِ حشر مجھے اُس کے ستم یاد نہیں
حشر میں داد طلب کونسا ناشاد نہیں   کون ہے جس کی زباں پر تری فریاد نہیں
ہجر میں مجھ پہ جو گذری ہے وہ دُہراتا ہوں   تازہ کچھ آپ سے کہنی مجھے روداد نہیں
آہ و زاری میں کٹی عمر مگر اے بلبل   گوشِ گل تک کبھی پہنچی تری فریاد نہیں
آپ کی یاد بھی ہے غیر کے شکوے بھی ہیں   دل میں اک آپ نہیں تو یہ دل آباد نہیں
ہے جو اے بت تجھے یوں اہلِ نظر سے پردا   داد کو کیا یہ ترا حسن خداداد نہیں

سُن کے بلبل کی فغاں غنچۂ گل نے یہ کہا
لبِ خاموش سے بڑھکر کوئی فریاد نہیں

رباعی

عزت۔ دولت خدا نے بخشی تجھکو   دل تجھکو دیا۔ فروتنی بھی تجھکو
کر فخر نہ اس شکوہ پر اے ذرّ   مل جائے سزا نہ اس خودی کی تجھکو

دردؔ - پنڈت مادھو پرشاد صاحب کول شرغہ خلف پنڈت گنگا پرشاد صاحب کول شرغہ

آپ ۱۸۶۶ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ بہ سلسلہ ملازمت محکمہ مال سے تعلق رہا ابتدا میں بہ حیثیت پیشکار بعدازاں عہدہ ہائے سررشتہ دفتر و جنرل سپرنٹنڈنٹ پر مقرر رہے کل مدت ملازمت اضلاع اودھ میں صرف ہوئی۔ کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔اے تک آپ نے انگریزی تعلیم پائی تھی۔ ۱۹۲۲ء میں بمقام فیض آباد اس دار فانی سے رحلت کی۔ ایام طفولیت سے شعر گوئی کا آپ کو شوق تھا اور وقتاً فوقتاً فکر سخن کرتے رہے مگر اپنے کلام کے یکجا کرنے کی پرواہ نہیں کی۔ باضابطہ شاعری کا دعویٰ نہ تھا نہ کسی کی شاگردی کی۔ وسط عمر سے طبیعت کا میلان گیان اور بھگتی کی جانب تھا اور اس رنگ کی جھلک آپ کے کلام میں نمایاں ہے۔ جہاں کہیں قیام کیا وہاں پر دپکار اور دھرم سمبندھی کاموں میں بہت سرگرمی سے مصروف رہے۔ صدہا اشخاص ان سے دلی الفت رکھتے تھے اور نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ کے برادر بزرگ پنڈت اقبال کشن صاحب کول شرغہ بنارس میں مقیم ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

زلف دکھلا کر ہمیں شیدا کیا — مار بھی ڈالا بہت اچھا کیا
دل پہ بھی باقی نہیں کچھ اختیار — تھا ہمارا۔ آپ نے اپنا کیا
جان و دل لیکر لیا ہے رنج و غم — بیٹھے بٹھائے خوب یہ سودا کیا
ہر گھڑی ساتھی ونما پرٹیں مٹلے — ہمنے کیا معلوم اُن کا کیا کیا

آخرش رازِ محبت کھل گیا
لاکھ ہمنے دردؔ سے پردا کیا

تو کیا ہے۔ تونے اپنا کچھ کرو فر نہ جانا — ہستی کو تونے اپنی اے ضمیر تر نہ جانا
آنسو بہائے ناحق۔ رسوا کیا انھیں بھی — پاس ادب کو تونے اے چشم تر نہ جانا
کشتیِ عمر اپنی چلتی رہی ہمیشہ — اوروں کو چلتے دیکھا اپنا سفر نہ جانا



پنڈت مادھو پرشاد کول تخلص۔ درد

مرنے کا درد تو ہم کو افسوس ہے تو یہ ہے
مرنے کو مر گئے ہیں - مرنا مگر نہ جانا

درد ہے دل میں رواں ہیں اشک چشم زار سے
موت بہتر ہے الٰہی عشق کے آزار سے

ناتوانی ہجرِ دلبر میں کچھ ایسی بڑھ گئی
ہم دبے جاتے ہیں اپنی زندگی کے بار سے

بیخودی طاری ہوئی - جاتے رہے ہوش و حواس
یہ مزا پایا تمھارے شربت دیدار سے

کچھ نہ کچھ مصروفیت ہر وقت کی درکار ہے
ورنہ ڈر ہے کیا نہ ہو جاوے دلِ بیکار سے

کسر نفسی - دردِ دل - صبر اور ہمت چاہیئے
کام بن جاتے ہیں سب انسان کے ان چار سے

عاشقِ صادق ہی اُس کا بندۂ مقبول ہے
وہ صنم تسبیح سے راضی نہ خوش زنار سے

آدمی پہچاننا اے درد مشکل ہے بہت
کچھ پتہ چلتا ہے لیکن شکل سے گفتار سے

کبھی تو کوئی یہ دل میں سوچے کہ زندگی کا مآل کیا ہے
قرار کس کو ہے اس جہاں میں فنا ہے کیا انتقال کیا ہے

ستم کا تم کو مزہ ہے - کر لو - مری محبت کو آزما لو
رضا و تسلیم اپنی خو ہے کروں جو شکوہ مجال کیا ہے

جو زندہ ہیں اُن کو مارتے ہیں جو مُردہ ہیں اُن کو ہیں جِلاتے
بپا ہے ٹھوکر سے حشر اُن کی روش یہ کیسی ہے چال کیا ہے

تمھاری الفت چھپا رکھی ہے کہ غیر بدنام کر نہ پاویں
ہوا محبت کا راز ظاہر تو عاشقی کا کمال کیا ہے

جو باعث رنج میں نے پوچھا تو درد اس طرح رو کے بولا
فلک کی گردش سے ہے ستایا بتاؤں کیا میرا حال کیا ہے

تڑپ کا شوق مجھکو اُس کو تڑپانے کی عادت ہے
میں اُس کے کام آتا ہوں وہ میرے کام آتا ہے

دلِ پُر درد کو فرقت میں اک تسکین ہوتی ہے
زباں پر جس گھڑی دل سے خدا کا نام آتا ہے

تری جنت مبارک تجھکو ناصح ہم سے مطلب کیا
ہمیں تو کوچۂ معشوق میں آرام آتا ہے

نفس کی آمد و شد سے نہ ہو نا بیخبر اے دل
انھیں تاروں سے ہر دم کوچ کا پیغام آتا ہے

تیرے گیسو و رخ کا بے حجابانہ نظارہ ہو
یہی ارمان دل میں درد صبح و شام آتا ہے

ولہ

رہنما بھی ہے تری راہ میں رہزن بھی ہے — جا بجا خار ہیں نظارۂ گلشن بھی ہے
دل سے اے درد بہت کام سمجھ کر لینا — دوست بھی ہے یہی تیرا یہی دشمن بھی ہے
غم کا کیا غم ہے زمانہ میں ہے کس شے کو قیام — عیش و عشرت نہ رہی یہ بھی گذر جائے گا
دل کو دنیا کی محبت ہے نہ عقبیٰ کی طلب — نہیں معلوم یہ کمبخت کدھر جائے گا
جیتے جی غم سے فراغت ہو یہ نا ممکن ہے — دردِ دل ہوگا اگر درد جگر جائے گا
دل ہو ارمان سے خالی یہ کہاں قسمت ہے — دو چلے آئیں گے اور ایک اگر جائے گا
کوئے قاتل میں قدم خوب سمجھ کر رکھنا — تن سے پہلے ترا اس راہ میں سر جائے گا

ہم وہ عاشق ہیں کسی طرح نہ چھوڑینگے تجھے
بھاگ کر ہم سے بھلا درد کدھر جائے گا

جمالِ یار کو کہتے ہو تم کہ ہاں دیکھا — کلیم ہوش میں آؤ ابھی کہاں دیکھا
وہی چراغ وہی گل وہی قمر وہی برق — نئے لباس میں دیکھا اُسے جہاں دیکھا

کہیں تو دیکھ چکے ہیں یقین ہے دل کو
مگر یہ یاد نہیں ہے کہیں کہاں دیکھا

دکھائی ترکِ تعلق نے شان بے رنگی
بڑھے مکاں سے آگے تو لامکاں دیکھا

(ول)

معرفت کے لئے ہے ترکِ تعلق لازم
خوب سمجھے گا وہ تنہا کو جو تنہا ہو گا

مرگ کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام
نیند بھر کر وہی سوئے گا جو جاگا ہو گا

ہم نے اندیشۂ پیری میں جوانی کاٹی
رات بھر خوف رہا صبح کو اب کیا ہو گا

دل کو آغازِ محبت میں نہ سمجھو تھوڑا
بڑھتے بڑھتے یہی قطرہ کبھی دریا ہو گا

دیکھ اے دردؔ جدا ہو نہ دلِ محزوں سے
اور اُبھے گا یہ بیمار جو تنہا ہو گا

رباعی

اپنے قابو میں اگر اپنی طبیعت ہوتی
شکوہ ہوتا نہ کسی سے نہ شکایت ہوتی

بیٹھے جی آتشِ الفت میں اگر جل جاتے
ڈر نہ محشر کا نہ کچھ فکرِ قیامت ہوتی

درویش - پنڈت رام ناتھ تیمنی صاحب

آپ کا ذکر تذکرہ ہذا کی جلد اول میں آچکا ہے۔ جلد مذکور کے شائع ہونے کے بعد آپ کی ایک قلمی بیاض پنڈت موہن لال نہرو صاحب سے جو آپ کے نواسہ ہیں دستیاب ہوئی۔ چنانچہ چند منتخب اشعار و نظمیں اُس بیاض سے لے کر اس جلد میں درج کی جاتی ہیں۔ ناظرین حضرت درویش کی روانیِ طبع اور سلاست بیان کو ملاحظہ فرمائیں۔

اے قبلۂ دو عالم و اے کعبۂ زمین
وے آنکہ رحمتِ تو بہر کس فرا رسید

خواہم کہ زحمتت دہم از سرگذشتِ خویش
ویلست آنچہ بر سرِ من از قضا رسید

اے قدرداں ہنوز ندیدم رخِ رفاہ
ہاں دستِ من بخدمتِ شایستہ نا رسید

لب آشنا بہ آہ نہ کردی چو نے مگر
نشتر بہ استخوانِ دل از دردہا رسید

حیفے کہ از فلک بہ منِ زار رفتہ است
من دانم و دلم کہ بہ دامِ جفا رسید

سودائے خام چشم دگرے کہ داشتم   لیکن نہ دست بر اثر کیمیا رسید

فرما اشارتے کہ ز درویش خیر خواه

دست دعا توان بہ در کبریا رسید

من وضع چنین گرفتہ تا کے مانم   اُف ردائے متین گرفتہ تا کے مانم

چون زلف بر پیچ و تاب سازم تا چند   چون مار زمین گرفتہ تا کے مانم

بے جستن چارہ ہمچو بیمار ضعیف   پُر درد چنین گرفتہ تا کے مانم

این مملکت جنون سلیمان کردار   در زیر نگین گرفتہ تا کے مانم

بگزار کزین کمان برانم چون تیر   تا ابروے چین گرفتہ تا کے مانم

شد قافیہ تنگ این ردیف اے درویش

این سخت زمین گرفتہ تا کے مانم

پابوس برین نشستہ تا کے باشم   بس صبر گزین نشستہ تا کے باشم

صیاد صفت امیدوار نخچیر   عمرے بہ کمین نشستہ تا کے باشم

مانند درخت خشک بر جا یکجا   پابند زمین نشستہ تا کے باشم

اندر قفس مجاز بے دانہ و آب   چون مرغ غمین نشستہ تا کے باشم

یا مے بہ دلم نشست و برخاست امید   برجاست چو این نشستہ تا کے باشم

دردا کہ دلم نمی نشیند ہرگز   اے کعبہ درین نشستہ تا کے باشم

بگذار کہ محفل جنون گرم کنم   با عقل قرین نشستہ تا کے باشم

درویش خوش است سیر چون آب روان   چون آب زمین نشستہ تا کے باشم

اے طبع خموش فغان کلکم برخاست   پرسوز شد این نشستہ تا کے باشم

درویش در دگر کشاید ز غیب

برخیز حزین نشستہ تا کے باشم

بر طبع از من درویش مژدہ باامروز   رسید نامۂ رنگین مبتلا امروز

درآ درآ زور لطے بیک چشم ما روشن   نشین نشین بہ سر و چشم ما۔ بیا امروز

بیا بیا کہ بہ چشمان منتظر یک دم
ز خاک پاے تو سازیم توتیا امروز

بہ روے سنبل و گل دو ختم نظر گوئی
ز نشرِ تازہ و ہم نظم طبع نزا امروز

بہ جام ماست دگر بادۂ صفا امروز
بہ جام ماست مگر گردش شما امروز

بہ جام بادۂ مضمون بہ چشم می قصد
مرا گناہِ سخن بخش ساقیا امروز

دمم خوش ست بیا مرغِ طبع رنگینم
کشاے بال و پرِ جودت و ذکا امروز

زہے قلم کہ رقم کرد نامۂ رنگین
رہے رقم کہ ازان خیز و این صدا امروز

بیا تو سوسن اگر در دہان زبان داری
تو عندلیبی اگر خوش نوا سرا امروز

کجا من و ز کجا ہمچو طالعِ بیدار
مگر بہ خواب تماشا کنم ولا امروز

ز بسکہ گاہ بہ دامان نہ چیدہ ام من زار
چنین بہار کہ بینم بہ چشمِ دا امروز

ندیدہ رنگِ طرب چشم خونچکان برسد
کہ پنجۂ مژہ چون بستۂ حنا امروز

تو غرقِ آبی اگر نارسیدہ بر ساحل
خبر رسان برِ آن یارِ آشنا امروز

کہ در تلاطمِ امواجِ رنگِ تو دارو
شکستہ کشتیِ احوالِ من شنا امروز

شہید چشمِ تو در خاک و خون می غلطد
نگاہ کن کہ ہمین است خون بہا امروز

بہ طبع حیف کہ سرمایۂ نمیدارم
سواے شوق کہ پُر حسرتے ست تا امروز

وگرنہ نذرِ تو می ساختم دُرِ غلطان
چہ آب و رنگ بہ از لعلِ بے بہا امروز

قباے سادۂ عریانیِ مرا درویش
ز توست این ہمہ تن نقش بوریا امروز

ہرچہ رمزِ اوست نشناسد دلِ حیرانِ ما
ہرچہ حمدِ اوست ناید از زبانِ جانِ ما

می تراود چون کنم ہست انچہ در آوندِ من
می برد از خود دلم را قدرتِ سبحانِ ما

اوست خلاقِ جہان و ما ہمہ مخلوقِ او
ما ہمہ فرمان بر و او صاحبِ فرمانِ ما

اوست لازم ما ہمہ ملزوم ما موج اوست بحر
ما ہمہ کشتی در آبِ او و ست کشتیبانِ ما

اوست بحرِ قدرت و ما گوہرِ نایابِ او
ما ہمہ لعلِ گران و قدرت او کانِ ما

اوست یکتا و توانا ناتوانا ما ہمہ
ما ہمہ ناقائم او قیوم در عرفانِ ما

ظاهر و پنهان چو روشن شمع در فانوس اوست — او بود پنهان و ظاهر همچو در تن جانِ ما
در محیط کنه او کاهے نشد نه آشنا — آب بگذشت از سر هر غوطه زن ارمانِ ما
آرے آرے کنه او بیچون و بیحد و چه است — حد کم هم از کمش افزون زاین و آنِ ما
قدرتش افزونست از اندازهٔ وهم و خیال — قدرتش مشغولست اندر ظاهر و پنهانِ ما
بس کن اے درویش اندر وادیِ عرفان مپوے — زانکه این رهرو نیست بیرون از حدِ امکانِ ما
شمع او هم نور او هم شعله او هم طور او — آیهٔ نورِ علی نورست در قرآنِ ما
هم زمین هم تخم او هم نخل و شاخ و برگ او — غنچه او گل او ثمر او در سرا بستانِ ما
نامزد شد گاه در اِسم و گاه شکتی در جهان — گاه آدم شد گهے حوا زهے سبحانِ ما
بس کن اے دل کاندرین ره نیست جاے دم زدن — قافیه تنگست بر هر فردِ انس و جانِ ما
اے که ذاتت خاک بر بادِ هوایم را پناه — اے که آبِ عفوِ تست و آتشِ عصیانِ ما
اے که آن قیوم دانائی که همتائے تو نیست — اے که جز ذکرت زدن حرفے بود کفرانِ ما
اے که ذاتت لاشریک و عالم الغیب آمده — اے که از حکمِ تو شد بر خلق ها رحمانِ ما
خامه ام را همنواے نے بدستِ خویش کن — سازِ تارِ سوزِ عشقت ده بهر الحانِ ما

رحم کن رحم اے توانا اے قدیرِ لے فذو المنین
کن قبول این انکسار و عجزِ بے پایانِ ما

جامه در برکشد ترا چه کنم — نه کنم جامه گر قبا چه کنم
به جنون شد تمام کار خرد — مرضِ عشق را دوا چه کنم
جان سپارم بزلفت ار نکنم — بازیِ با سیه بلا چه کنم
خامه را نیز حرف مصفوفست — مدحتِ چشم سرمه سا چه کنم

بر تنم نقش بوریا درویش
زالو خوش بود سوا چه کنم

اے که مشتاقِ رخت از ذکر و جنگجوے توام — گل به بختم گو نباشد سر خوشِ بوئے توام
صاحبا از بسکه می ماند به محرابِ حرم — پشت خم در سجده پیشِ طاقِ ابروئے توام

روے من ز آئینہ ات ہم چشم دارد حیرتے — اے کہ من آئینہ سان حیرانِ روے توام
مرحبا بے بال و پرم اے طوطیِ شیرین زبان — خوش نوا بلبل بہ شوقِ نوگلِ روے توام

من بدارِ نیکم تو بر لطفِ عمیمت کن نگاہ
صاحبا درویش مسکینم دعاگوے توام

مخمس

شرق تا غرب بلاے زدہ سر می بینم — وز دکن تا بہ شمال آفت و شر می بینم
یا الہ اینچہ غضب پیش نظر می بینم — اینچہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنۂ و شر می بینم

حیف صد حیف ز برگشتہ زمانِ ناکام — خواہشِ خیر ہمہ صورتِ شرگیر د تمام
چہ توان کرد کہ ہر چند بہ آسانیِ کام — ہمہ کس روزِ بہی می طلبند از ایام
مشکل اینست کہ ہر روز تبر می بینم

اردو قصیدہ

رحیقِ روح فزاے خوشی کا پی کر جام — سرورِ عیش سے تر ہے دلِ خواص و عوام
ہراک کو شغل ہے اور شوقِ بادۂ تفریح — مئے طرب کا ہراک بزم میں ہے رقصاں جام
لگی ہے دخترِ رز شادی اس قدر منہ سے — کہ لب سے چھٹتی نہیں طفلِ دل کے صبح و شام
نہ رند ہی مئے فرحت پرست ہیں تنہا — شرابِ عیش کے صوفی بھی جرعہ کش ہیں تمام
صنم پرست ہیں کیفِ نشاط سے سرخوش — سیاہ مست ہیں مستیِ فرح سے اصنام
نہیں صراحیِ عشرت سے بانگِ قلقل ہے — یہ میکشانِ طرب کو نوید کا ہے پیام
نوید وہ ہے کہ چون بادہ دیکھے کیفِ سرور — بناے صوفی کو متوالا اول و انجام
سپہر گونج رہا ہے صداے نوبت سے — دُہلتا سینہ میں ہے چرخ پر دلِ بہرام
یقین ہے بلبلِ تصویر میں بھی جاں پڑ جاے — جو دیکھے رقص و نواے بتانِ گل اندام
فزوں ہے نوشہ سے مجلس کی اور زیبائش — ہو زیبِ انجمنِ نجم جوں قمر سے تمام
نسیم نکہتِ گل پیرہن کی اُس کی جو پاے — شگوفہ چاک کرے اپنا جامۂ اکمام

چھپاتے دل ہیں شجاعت کے آگے تیری دلیر
بشکل روبہ چھپاتا ہے آپ کو ضرغام

بیکدم اس اسد چرخ کو کرے چورنگ
دکھائے جوہر برش اگر تری صمصام

وہ برق تاب علم ہو تو کس کو تاب آوے
غضب ہو گر نہ ترحم ترا ہو۔ اُس کا نیام

یہ کر دُعا کہ سلامت رہے تو باشوکت
زمین و چرخ رہیں جب تلک بنائے قیام

دیگر

مبارک آئے چمن میں قدوم فصل بہار
کہ تو نہالوں سے رنگین ہو گیا گلزار

چمن چمن کا ہے نشو و نما سے عرصہ تنگ
روش روش پہ ہے سبزے کی گرمی بازار

کہیں ہے رقص میں طاؤس مست طنازی
کہیں ہے جلوہ گر ناز کبک خوش رفتار

پلاتے رند ہیں زاہد کو بادۂ گلگوں
ہوئی ہے شیخ کو منظور خاطر خمار

سما سُرور کا پا کر کہا مرے دل نے
صلاح وقت ہے درویش اب نہ کر صبرا

مجھے یہ اختر روشن کی وصف میں تھی دھن
کہ آسمان کے تارے زمیں پہ لاؤں اُتار

مگر یہ طبع نگاریں نے مصلحت سمجھی
کہ گرم مطلع رنگیں ہو اور گوش گذار

صنم ہے ابر ہے ساقی میں تیرے سکے نثار
پلاوے جلد مجھے جام بادۂ گلنار

حمل سے خسرو خاور ہوا ہے جلوہ نما
بنا ہے دائرۂ دہر مطلع الانوار

فروغ چشم تمنا ہے چشم ما روشن
لگن ہے شمع ہے پروانہ وار جاں ہے نثار

الٰہی وہ صدف بخت کا دُر یکتا
بہ آب و تاب رکھے جگ میں گرمی بازار

الٰہی گلشن امید والدین میں اب
چمن چمن گل خنداں سے ہو ہمیشہ بہار

دلگیر۔ پنڈت دینا ناتھ صاحب مٹو۔ ساکن محلہ رگوناتھ مندر سری نگر کشمیر

آپ سنہ ۱۹۸۱ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا پنڈت کرشن داس مٹو اس وقت کے گورنر کے میر منشی تھے اور بر سر اقتدار۔ آپ کے والد پنڈت امرناتھ صاحب مٹو پنجاب اور کشمیر میں مختلف دفاتر میں کام کرتے رہے اور اب دو تین سال سے پنشن یاب ہیں۔

حضرت دلگیر نے فارسی اور اُردو میں اچھی تعلیم پائی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات ایف اے اور منشی عالم پاس کئے ہیں طبیعت موزوں پائی ہے۔ زیادہ تر کشمیری زبان میں شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی اردو میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ ایک جوشیلے نوجوان ہیں اور آپ کی طبیعت جوش و خروش سے پُر ہے۔ اس وجہ سے کلام کا بیشتر حصہ یا تو پولیٹکل رنگ میں ڈوبا ہوا ہے یا دھارمک رنگ میں رنگا ہوا۔ ملک اور قوم کی خدمت انجام دینے پر کمربستہ رہتے ہیں۔

آپ پنجاب کے مختلف ہندو نیشنل ہائی اسکولوں میں کئی سال تک بحیثیت ہیڈ پرشین ٹیچر کے کام کرتے رہے۔ آخر کار حب وطن کی کشش آپ کو دوبارہ کشمیر کھینچ لائی اور اب گورنمنٹ ہائی اسکول مظفرآباد (کشمیر) میں سینیئر پرشین ٹیچر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

کئے بن دیکھے جو اُس نے مری تحریر کے ٹکڑے
اُسی دم ہوگئے گویا مری تقدیر کے ٹکڑے

گریباں زاہدوں کے جب نہیں محفوظ وحشت سے
نہ کیوں ناصح کے ہوں پھر دامنِ تزویر کے ٹکڑے

گرہ جب اُس نے دی ناز و ادا سے اپنی زلفوں میں
ہم سب ہو گئے یہ عشق کی زنجیر کے ٹکڑے
نہ بولے وہ اگر دل کھول کر سب کچھ عبث سمجھو
ہوا کیا جو سمیٹے عزت و توقیر کے ٹکڑے
بھلا کب چھوڑے وہ اپنے وطن کی پاک مٹی کو
جسے گھر بیٹھے ہی مل جاتے ہوں تقدیر کے ٹکڑے
دم آمد ترش روئی دم رخصت سخن سازی
یونہی کرتا رہا ہے وہ دلِ دلگیر کے ٹکڑے

ما خدا دار یم غیر از انبیا — قبلِ آدم بودہ است آئین ما
حلقۂ ایمانِ ما در گوش کن — جانِ من خواہی اگر صدق و صفا

تحریکِ انجمنِ امداد قرضہ کشمیر

مدتوں سے دیکھ کر اہلِ وطن کو خستہ حال
کیا کہوں میں کس قدر رہتا تھا ہر دم پُر ملال
سر میں سودا تھا یہی دل میں یہی ارمان تھا
کاش مل جائیں ذرائع قوم جن سے ہو نہال
کل نہ پڑتی تھی کسی پہلو بھی مجھ کو الغرض
زندگی بھی ہو گئی تھی بے شبہ جاں کا وبال
منتِ ذاتِ احد جس نے کہ بھیجا ایک دن
ہاتفِ غیبی بہ شکلِ نوجوانِ خوش خصال
آتے ہی اس نے طرب افزا بشارت دی مجھے
بھاگ نکلا میں اُسی دم غم کے خم سے بال بال
اور پوچھے گر کوئی تو میں یہ سچ سچ کہہ ہی دوں
اس میں ہے مضمر بقائے خورد سال و پیر زال

ہے بشارت کیا وہ گویا نوشدارُو سربسر
کلفتیں جس سے وطن کی ہوگئیں سب پائمال
یعنی عرصہ سے یہاں ہے بہرِ محتاج و غنی
اتحادی انجمن امدادِ قرضہ کی بنی
اس کی ہے تنظیم ایسی پختہ جس سے بیگماں
ہے مساوی حق کا دعویدار ہر خورد و کلاں
درسِ کم خرچی و ہمدردی سے کرتی دُور ہے
مجلسی اور اقتصادی رنگ کی سب خامیاں
تاکہ کرکے جمع سرمایہ رہیں آزاد سب
ظلم ساہوکار سے ہوتا نہ کوئی نیمجاں
علم کی وسعت زراعت کی ترقی ہو مدام
اور بیش از بیش ہو بیداری اہلِ جہاں
اتحادِ باطنی ہو اور ایثارِ نفس
بلکہ اصلاحاتِ قومی کا ہر اک ہو ترجماں
جان لو کیسی فراغت بخش ہے تحریک یہ
خود مہاراجہ بہادر جس کی ہوں روحِ رواں
اس سے حاصل فیض اہلِ ملک کو ہو لبس سدا
ہاں یہی دلگیر کی تجھ سے دعا ہے اے خدا

دل جو پامالِ خیالِ دیدِ جاناں ہوگیا — گویا عکسِ شمع پر پروانہ قرباں ہوگیا
ایک طفلِ اشک کی شوخی ہی کی برکت سے ہے — اہلِ محفل پر جو روشن رازِ پنہاں ہوگیا
لوگ کہتے تھے سنبھل جاؤں گا لیکن آہ اب — فرطِ سودا باعثِ چاکِ گریباں ہوگیا
غلغلِ قمری و شورِ عندلیبِ زار سے — باغِ عالم صورتِ صحن دبستاں ہوگیا
ساتھ گلچیں کے جو دیکھا آرہا صیاد ہے — دور ہی سے طائرِ بے پر ہراساں ہوگیا

ظلمتِ گیسو سے تھا دلگیر جو بھٹکا ہوا
مصحفِ رخ دیکھ کر شیدائے ایماں ہوگیا

مناجات

مخفی ہے غیب میں گو رازِ قیام تیرا — لیکن عیاں ہے ہر سو قدرت کا کام تیرا
تو نے ہی جان بخشی ایمان تو نے بخشا — احسان کیوں نہ مانیں سب خاص و عام تیرا
دنیا کی نعمتوں میں عقبیٰ کی رحمتوں میں — سب دیکھتے ہیں جلوہ ہر صبح و شام تیرا
نقشِ حیات بھی کچھ جادو اثر نہ ہوتا — رنگیں اگر نہ ہوتا سنگیں نظام تیرا
آتشکدہ ہو مندر یا دیر ہو یا مسجد — ہر اک جگہ ہے ہوتا چرچا مدام تیرا
دکھ درد جس سے پل میں مٹ جائیں ہر بشر کے — ہے واقعی وہ زندہ جاوید نام تیرا

اے کاش اب چھلکتا دلگیر کے بھی دل میں
نور و سرور بن کر برکت کا جام تیرا

روشن - پنڈت مہتاب جیو ترسل ساکن سرینگر کشمیر

آپ ۱۹۰۵ بکرمی میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۵ بکرمی میں بمقام سرینگر ۴۹ سال کی عمر پا کر عالم بقا کو سدھارے۔ فارسی علم و ادب کے علاوہ آپ سنسکرت میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے۔

حضرت روشن کا شمار کشمیر کے روساء میں تھا۔ کچھ عرصے تک تحصیلداری کے فرائض انجام دینے کے بعد یہ عہدۂ وزیر وزارت بھی کام کرتے رہے۔ دربار کشمیر میں آپ کی اچھی عزت تھی۔ کہتے ہیں کہ حبہ کدل اور فتحکدل کے درمیان آپ نے ایک شیو مندر تعمیر کرا کے سنکلپ کیا تھا۔

آپ ایک اچھے سخن فہم اور صاحبِ مذاق بزرگ تھے اور شعر و سخن کے قدردان ہونے کے علاوہ خود بھی شعر کہتے تھے اور حق تو یہ ہے کہ اگرچہ آپ

کوئی باضابطہ دیوان یا تصنیف یادگار کے طور پر نہیں چھوڑ گئے تاہم جو کچھ قلیل اور منتشر کلام آپ کا دستیاب ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ خوب کہتے تھے۔ گردشِ روزگار اور انقلاب زمانہ نے آپ کا سارا منتشر کلام بھی محفوظ نہ رہنے دیا۔ چند اشعار جو پنڈت تارا چند صاحب ترسل ریٹائرڈ تحصیلدار دو زمیں کے ذریعے دستیاب ہوئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

از آبِ روئیش وز تابِ موئیش از رشکِ کوئیش وز زہرِ خوئیش

سیماب لرزاں سنبل پریشاں جنت پشیماں حنظل گریزاں

تنہا نہ روشنؔ سر زد بہ صحرا از دردِ ہجرش مفتون و شیدا

فرہاد و مجنوں در کوہ و ہامون بے برگ و ساماں افتاں و خیزاں

ولہ

چہ باک از چینِ ابروے کمانداراں سلطانم

کہ از تیرِ قناعت دوختم چشمِ تمنّا را

ولہ

نازش بجاں خریدم و بازیش دادہ ام

طفلست خورد سال چہ داند حساب را

ولہ

زلفت کہ تکیہ بر ورقِ گل بناز کرد

ہندو نگر کہ پائے بہ مصحف دراز کرد

ولہ

دلم با بختِ خود ہر لحظہ در جنگ است مے سوزم

زمن شاہ جہاں بے وجہ دل تنگ است مے سوزم

بدورش ہر یکے با آب و تاب و عیش و آرام است

نہ جز من ایں چنیں بے آب و بے رنگ است مے سوزم

ولہ

بارے دگر سر زد جنوں افغاں کجا فرہاد کو

تا درسِ عشق از برکند مجنوں کجا فرہاد کو

دی درچمن با طوقِ زرمیرفت سرو نازِ من
میگفت باخود زیرِ لب قمری کجا شمشاد کو

خواب پریشاں دیدہ ام زلفش بدستِ غیر بود
از رشک خونم جوش زد نشتر کجا فصاد کو

ساقی پیاپے بے صدد ئے دہ ز بد مستی مترس
رندانِ دریا نوش را مستی کجا تعداد کو

روشن زدا غمت سینہ ام ایمن ززنگ آئینہ ام
فارغ دلِ بے کینہ ام چوں من کجا آزاد کو

رباعی

اے خواجہ دریں جہاں ز بے خبری   روزاں و شباں در طلبِ سیم وزری
سرمایۂ تو دریں جہاں یک کفن است   آں ہم بہ گمانست بری یا نہ بری

ساغر۔ پنڈت امر ناتھ زتشی صاحب

آپ کی ایک غزل رسالہ زمانہ بابت ماہ نومبر ۱۹۲۸ء میں نظر سے گذری جو درج ذیل ہے۔ چونکہ اس کا علم نہ تھا کہ آپ کہاں قیام پذیر ہیں اس وجہ سے اور مزید حالات آپ کے دریافت نہ ہو سکے۔

اک تری لو لگائے بیٹھے ہیں   اور سب کچھ بھلائے بیٹھے ہیں
تیری محفل میں تیرے پروانے   شمع ہستی بجھائے بیٹھے ہیں
صدقے تیر افگنی کے اے صیاد   سیکڑوں زخم کھائے بیٹھے ہیں
کون ہے رازدار پہلو میں   درد اپنا چھپائے بیٹھے ہیں
کس طرح کوئی سامنے آئے   آستینیں چڑھائے بیٹھے ہیں
شیخ صاحب کو آج کیا سوجھی   میکدے میں نہائے بیٹھے ہیں

گویا کچھ جانتے نہیں ساغر
کیسی گردن جھکائے بیٹھے ہیں



پنڈت اقبال کرشن - متحر

سحرؔ - پنڈت اقبال کرشن صاحبین صاحب فرزند اکبر پنڈت امرناتھ صاحب شیداؔ لکھنوی

آپ پنڈت مہاراج کرشن صاحب ندیمؔ کے برادر کلاں ہیں اور پنڈت کنہیا لال صاحب عاشقؔ آپ کے جد بزرگوار تھے - تین پشت سے شاعری آپ کے خاندان میں چلی آتی ہے - آپ کی تاریخ ولادت ۲۱ر اگست ۱۸۶۳ء ہے - گڈھا امیٹھی ضلع سلطانپور اودھ میں آپ پیدا ہوئے اور وہیں زیر سایۂ عاطفت جناب عاشقؔ فارسی کی تعلیم گھر کے مکتب خانہ میں پائی - ۱۸۸۲ء میں انگریزی تعلیم کے لئے لکھنؤ آئے وہاں چھ ماہ پڑھ کر جب گرمی کی تعطیل ایک ماہ کی ہوئی تو سلطانپور چلے گئے یہاں حضرت سحرؔ کچہری کلکٹری میں امیدوار ہو گئے اور حضرت ندیمؔ نے ضلع ہائی اسکول میں داخل ہو کر انٹرینس تک تعلیم پائی - سحرؔ محکمۂ نہر میں ایک عرصہ تک ملازم رہے اور مختلف شہروں میں گھوم کر اب لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں اور پنشنر ہیں - آپ کو مولانا صفیؔ لکھنوی سے تلمذ ہے - آپ کے کلام کی صفائی و سلاست ملاحظہ ہو -

اک شعبدۂ قدرت ہے کون و مکاں جس کا — ہے اور نہیں بھی ہے ہاں نام و نشاں جس کا
دیوانہ ہے اک عالم جس کے رخِ روشن پر — نیرنگیٔ قدرت میں جلوہ ہے عیاں جس کا
بلبل کے ترانوں میں اور آتشِ گل میں بھی — سودا ہے عیاں جس کا ہے سوز نہاں جس کا
ہاں منظرِ قدرت ہے یہ پیکرِ انسانی — پیرایۂ صنعت میں صانع ہے یہاں جس کا

ہستی و عدم سب کچھ اے سحرؔ اُسی کا ہے
ہے فصلِ بہار اُس کی ہے دورِ خزاں جس کا

قطعہ

سرو پر قمری ہے گل پر بلبلِ شیدا فدا — دل حسینوں پر ہوا مائل تو اُس کی کیا خطا
کیا ہوا اُن کو یہ کیوں بیتاب ہیں کیا راز ہے — آنکھ کھلنے کا طریقہ ہے یہی آئی صدا

دیگر

ایک مدت سے یہ حیرت اے دلِ ناشاد ہے
خانۂ ہستی ہے دنیا یا عدم آباد ہے
سو گئے تو مر گئے جاگے تو زندہ ہو گئے
روز مرتے روز جیتے ہیں یہ کیا افتاد ہے

دیگر

سحرؔ اب یہ کشمکش ہے کچھ دنوں کی اور بس
آ رہی ہے کان میں صوتِ درا بانگِ جرس
جا ملوگے قافلہ والوں سے تم بھی ایک دن
ورد اب اس کا رہے اللہ و بس باقی ہوس

غزلیات

محسوس کر رہا ہوں جنوں کے اثر کو میں
بہلا رہا ہوں آج دلِ بیخبر کو میں
دل کو چُرا کے خاک میں مجھکو ملا دیا
مل جائے تو چُراؤں کسی کی نظر کو میں
رحمت سے ناامید نہیں گرچہ رند ہوں
کر لوں گا سرد اشک سے نارِ سقر کو میں
عریاں ہوں آج مثلِ درختِ خزاں نصیب
لے بخت سبز تیرے بھی دیکھوں اثر کو میں
جلتا ہوں اور سوز ہے یہ میری ادا کبھی
اے سحرؔ یہ دکھاؤں گا شمعِ سحر کو میں

عشق کے مقتل میں عاشق سر کبف آتے بھی ہیں
جان دیکر اپنی ہستی سے گذر جاتے بھی ہیں
ہاں غرورِ حسن کا باعث اک آئینہ بھی ہے
اپنی صورت دیکھکر وہ آپ اتراتے بھی ہیں
ہائے ان الفت کے دیوانوں کی کیا حالت ہے یہ
جوش میں آ آکے کچھ روتے بھی ہیں گاتے بھی ہیں
کیا مزے کی بات ہے یہ عاشقِ روئے بتاں
شوق سے دیتے ہیں دل اور پھر پچھتاتے بھی ہیں
غور سے رنگِ چمن کو دیکھ اے سحرؔ حزیں
پھول کھلتے بھی ہیں اور کھل کھل کے مرجھاتے بھی ہیں

چھپایا تھا بہت کچھ ضبط نے اس سوزشِ غم کو
مگر دکھلا دیا وحشت نے اپنا رنگ عالم کو
اُڑے ہیں سوزِ غم سے اشک میرے آہ بن بن کر
اُڑا دیتی ہے تابِ مہر جیسے آبِ شبنم کو

بہت کچھ کر چکا ہوں حسرتوں کی میں ۱۰۶ داری
اب اُن کا وقت ہے تیار رہوں وہ میرے ماتم کو
خدا کا کچھ نہیں بنتا بگڑتا کفر و ایماں سے
غلط فہمی سے ہم کھوتے ہیں ربط و ضبطِ باہم کو
گناہوں کا ہے ڈر جنت میں بھی اے طالبِ جنت
سزائیں مل چکی ہیں یاد رکھ حوّا و آدم کو

آپ کا طرزِ جفا اور مرا اندازِ وفا		سب پہ روشن ہے نہ شرماؤ نہ شرمانے دو
خوں کے قطروں سے اناالحق کی صدا اُٹھ لینا		اک ذرا دار پہ منصور کو چڑھ جانے دو
چیرہ دستی ہے اسیروں سے تغافل کرنا		پابجولاں کو ذرا پاؤں تو پھیلانے دو

دیدیا دل ہے حسینوں کو تو اے حضرتِ سحر
کیا تردد ہے جو کھو جائے تو کھو جانے دو

موج ہوا کبھی صورتِ برقِ سحاب ہے		بحرِ فنا میں ہستیِ انساں حباب ہے
دیکھیں وہ سب کو اور نہ دیکھے کوئی انھیں		پردہ اسی کا ہے یہی رازِ نقاب ہے
ہونے کو ہوں قریب مگر دل سے دور ہوں		یہ قرب اور فاصلہ بھی لاجواب ہے

اے سحر دیکھ بھال کے ملئے گا آن سے آج
تیور بگڑ رہے ہیں کسی پر عتاب ہے

سخنور ـ پنڈت بیربل کول عرف جان ـ ساکن سرینگر کشمیر

آپ ۱۸۵۳ بکرمی مطابق ۱۷۹۶ء میں بمقام سرینگر کشمیر پیدا ہوئے۔ محلہ ٹینکی پورہ میں سکونت پذیر تھے۔ فارسی میں اس زمانے کی مروجہ تعلیم خاطر خواہ پائی تھی۔ عمر بھر درس و تدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۲ بکرمی مطابق ۱۸۶۹ء میں انتقال کیا۔

آپ کے کلام میں سلاست اور روانی موجود ہے۔ تشبیہات و استعارات کے

برتنے میں کافی مشق بہم پہنچائی تھی۔ صنائع و بدائع سے بھی آپ کا کلام بے نیاز نہیں۔ نثر نویسی میں مشاق اور اپنے وقت کے استاد سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے مہابھارت کا مکمل ترجمہ فارسی نثر میں کیا ہوا ہے جو اگرچہ غیر مطبوعہ ہے اس وقت تک موجود ہے۔ قصہ ہائے بکرماجیت منظوم بھی آپ کی ایک قابل قدر تصنیف ہے۔ آپ اعلےٰ درجے کے خوشنویس بھی تھے چنانچہ اب بھی کشمیر کے بعض مشہور خاندانوں میں آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ کلام کا بیشتر حصّہ تلف ہوا ہے۔ فقط چند غزلیں اور ایک قصیدۂ حمد و ثنا اب دستیاب ہوا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

حمد و ثنا بطورِ قصیدۂ تمہیدی در ابتداء "مہابھارت فارسی"

بہ بارگاہِ خداوندِ عزّ و جل

اے تاج بخشِ تخت نشینانِ روزگار
بر درگہِ مقدّسِ تو چرخ پردہ دار

لبریز از ثنائے تو گنجینۂ سخن
چون دامنِ صدف ز گہرہائے تاجدار

این گنبدِ فلک کہ کشیدست سر باوج
دہلیزۂ ز صحنِ جنابِ تو تنگبار

این ابر قطرۂ ایست ز عمّانِ جودِ تو
قطرہ بہ دُر فشانیِ وصفت گہر نثار

این آفتاب ہست چہ شمعے فرازِ طاق
این ماہِ چاردہ چو چراغے بہ کنجِ تار

این ہفت طبقۂ زمین از قدرتت در آب
برگِ گلے کہ میبر دش موج بر کنار

جائیکہ عقلِ کل بہ نوا ز خمہ کج زند
بر تارِ ارغنونِ ثنایت ز انکسار

کے جائے من کہ الکنِ بے رائے و بے حشم
کز نالہائے زار زنم زخمہ بہ تار

ہاتف بہ مژدہ گفت کہ ہاں دم مکش بہ عجز
سودِ تو در تضرّع و عزّت ز افتقار

دستے کہ بہرِ او نہ بچیند گلے ز شاخ
بے برگ و بار شاخِ درختے بہ شورہ زار

آن سر کہ جبہ سائے نشد در صنم کدہ
مے داں یقین کہ ہمچو کدو نیست پر ز مار

آن لب کہ تر زبان نہ شود در ثنائے او
برگِ گلے کہ باد نشانید در غبار

در ہر دلے کہ آتشِ عشقش نہ شعلہ زن
در دم شود چو شعلۂ جوالہ بے قرار

گفتم کہ چون کنم بہ یکے دل دو صد بلا — اندر رہِ ارادتِ من خار بست مار
گاہے بجذبِ لمس چو پیلانِ منگلوس — پایم ز اوج گاہ بغلطد بہ چاہسار
ہیہات پنج رہزنِ مکارہ در رہ اند — ریزند آبم از سرِ دستان بر رہگذار
نے زاد و نے رفیق درین راہِ ترسناک — راہم گہے بہ دشت فتد گہ بکوہسار
انصاف دہ کہ چون گذرانم درین سفر — از دستِ رہزنانِ چنین خاکِ پُر غبار
گفتا صبور باش و بہ بازوے دل ببند — تعویذِ اسمِ او کہ رہی از گزندِ مار
تا قوس وار خم نہ شود تیرِ قامتت — رہ راست کے بری بسرِ کوچۂ نگار
مے دوز بر جمالِ دلارائے بت نظر — حربا مثال بر رُخِ خورشیدِ تابدار
مشتاق شو چنان کہ نداری خبر ز خویش — پیوستہ ہمچو ذرہ بخورشید وار کار
مدہوشیم بطبع اثر کرد و در گفت — چشمانِ من بخواب چو میخوارہ در خمار
دیدم بخواب خویشتن اندر صنمکدہ — بر پاے بت نہادہ سرِ خود بانکسار
ناگاہ در رسید صدائے دلم بگوش — برخاستم ز جاے کہ جویم بدیر بار
دیدم شگفتہ روے یکے نور پارۂ — کز جبہ اش فروغِ سحر بود آشکار
خاکسترے بروے کشیدہ ز آتشے — کز چوبِ نخلِ طور بنور است شعلہ بار
چون تختۂ بلورِ مصفا و موج زن — چون ماہِ چاردہ بہ افق گشتہ نور بار
چون رشتہ ہاے پرتوِ خورشید بر جبین — خوش قشقۂ ز صندلِ تر کردہ آشکار
در پا فتادمش چو فتد سایہ بر زمین — برہشت گونہ سجدہ نہادم مدارِ کار
او از سرِ کرم بسرم دست برکشید — از خاک برگرفت ز الطافِ بیشمار
در دستِ من سپرد و خبرد نامۂ بمہر — گفتا کزین صحیفہ ہمی باش کامگار
دستم ز کار رفت چو بگرفتہ ام بکف — چون دستِ نازکانِ گل اندام از نگار
نشناختم رموزِ چنین نکتۂ غریب — بودم ز نشۂ مے اندیشہ در خمار
تا آنکہ لطفِ رام شد آرامِ بخشِ من — آمد ز ورطہ زورقِ من باز بر کنار
لفظاً بلفظ باز نمود از سرِ کرم — رمزِ دو صد ہزار مضامینِ آبدار

چون ذرہ ام گرفت زخاکم باوج برد — آن آفتابِ مطلعِ اعزاز و افتخار
لب بردہان نہاد سخنور کہ ہاں مران — زین بیشتر بعرصۂ اظہار راہوار
زن نعلِ واژگونہ بخجلی خرام لب — شبگیر کن براہِ فصیحانِ روزگار

سرشار۔ پنڈت رتن ناتھ درصاحب لکھنوی

حال زلفِ رسا نہیں معلوم — ابتدا انتہا نہیں معلوم
نہیں لیتے ہیں کوسنے میں وہ نام — کس سے سمجھے خدا نہیں معلوم
ٹالے ٹلتی نہیں ہے ہجر کی رات — ہے کہاں کی بلا نہیں معلوم
پیچ پر پیچ دے رہے ہیں وہ — گیسوؤں کی خطا نہیں معلوم
بحر عالم میں ہم ہیں مثل حباب — اپنا بگڑا بنا نہیں معلوم
منہ چڑھ جاتے ہو ہوش میں آؤ — اپنا بگڑا بنا نہیں معلوم
خضرِ رہ کو حال خود اپنا — صورتِ نقشِ پا نہیں معلوم

ہاتھ میں اُس کے تیغ ہے سرشار
آئے کس کی قضا نہیں معلوم

سرور۔ پنڈت لچھمی رام صاحب ہاکسر

ماخوذ از مراسلۂ کشمیر فروری ۱۸۹۶ء

گاہ بہ شیریں جلوہ نما گہ عشوہ گری در صورتِ لیلےٰ
داوہ سرے در راہِ غمت فرہاد بہ کوہ و قیس بہ صحرا
گشتہ بہ دورِ حسن تو جانان وہ چہ عیان آثار قیامت
کز خط و رویت ہست بعالم شام و سحر پیوستہ بیکجا
اے دل و جان قربانِ سرِ تو بر سر دلہا رحم کن آخر
شانہ بکش اے وائے خدارا زلفِ دوتا را شوخ خود آرا

خستۂ چشمِ مستِ تو نرگس بستۂ دامِ زلفِ تو سنبل
بندۂ قدّت سرو صنوبر کشتۂ رویت لالۂ حمرا
آہ کسے کے جان بہ سلامت از تو برد آوا ے کہ باشد
تیغِ قضا آن ابروے پُرخم فوجِ بلا مژگانِ صف آرا
حلقہ بگوشِ گوشِ تو گوہر گوہرِ گوشت غیرتِ اختر
اے برو و دشت رشکِ سحر۔ پا نغزِ نظر۔ آغوش مصفا
چند تغافل چون نکنی از رحم نگاہے آہ بجانش
کردہ فداے عشقِ تو جانان جان و دل و دین سرورِ شیدا

سرمستِ مے جامِ الست است دلِ ما | از روزِ ازل بادہ پرست است دلِ ما
تا مستِ مے عشقِ تو گردید ز مستی | افشاندہ بہ ہستی سرِ دستم ہست دلِ ما
تیرِ نگہِ کیست ندانم کہ ز زخمش | تا فرق بخون غرق نشست است دلِ ما
وارستہ ز بندِ غم و دردِ دو جہان است | دل خوش بہ غمِ عشقِ تو بست است دلِ ما
سرور کہ درستش کند الا کہ شکستن
خو کردہ ز جورش بشکست است دلِ ما

ندا نستے پری جلوہ گری را | ز تو آموخت فرقِ دلبری را
بلا بالاے من طرزِ خرامت | ہمی سازد خجل کبکِ دری را
بہ پیشِ قدِّ دلجوے تو شمشاد | کمر بستہ بجان خدمتگری را
نمود آن نرگسِ جادو گرِ تو | بہ عالم تازہ سحرِ سامری را
بنہ سر بر سرِ خاکِ درِ دوست
بروں کن سرور از سر سروری را

اے دل چنین بخون چہ طپیدی چہ شد ترا | از تیغِ غمزۂ کہ شہیدی چہ شد ترا
صد فصلِ نوبہار گذشت و درین چمن | بلبل تو نالۂ نہ کشیدی چہ شد ترا
پیراہنت قبا و بہ خونہا طپیدۂ | اے گل تو از صبا چہ شنیدی چہ شد ترا

شب ہاے ہجر سوختم اے واے ہمچو شمع اے صبح وصل چون نہ دمیدی چہ شد ترا
کاہیدہ در غم خم ابروے کیستی آہ اے ہلال از چہ خمیدی چہ شد ترا
سرور زکیست اینہمہ افغان و آہ تو
در کنج غم چنین چہ خزیدی چہ شد ترا

ساقیا دہ آب آتش فام را زن بجان آتش غم ایام را
بے غمم کن ز انقلاب روزگار اے سرت گردم بگردان جام را
چند گوئی زاہد از صوم و نماز چون من در عاشقی بدنام را
من کجا آئین دین داری کجا کن برون از سر خیال خام را
دین و دل دادم بہ عشق کافرے خیر بادے گو ز من اسلام را
گر ندیدی از خد و خطش نگر جلوہ گر یکجا تو صبح و شام را
شد نگاہش رہزن دین و دلم برد از من طاقت و آرام را
بشنو ند از من خدا را ہمدمان شرح درد و محنت و آلام را
شب بہ محفل آمد آن شیرین دہن یافت ہر کس از لب او کام را
سوے من چشمش نگاہے ہم نکرد بنگرید این گردش ایام را
جان بلب آمد ولے زان لب نشد کام جان حاصل من ناکام را
قمری و بلبل گذشت از سرو و گل دید تا آن سرو گل اندام را
کاکلش گسترده در رہ رہگذر بہر صید مرغ دلہا دام را
کے بود یارب بکام دل کشم تنگ در بر آن بت خودکام را
رم کن اے سرور ز خود در خود بخود
رام کن آن شوخ بارم رام را

اے دیدہ از تو سر شدہ جیحون چہ شد ترا اے دل طپیدہ ہمہ در خون چہ شد ترا
امشب صداے نالہ نہ آمد ز کوہ و دشت کوہکن چہ بیشت آمدہ مجنون چہ شد ترا
اے گل تو در چمن گل روے کہ دیدۂ رنگ رخ تو گشت دگرگون چہ شد ترا

بلبل ز باغبان چہ شنیدی کہ در چمن
گل بانگ نالہ نزدی چہ شد چہ شد ترا

گرد سر در سر کوے کہ گشتہ
سرگشتہ ز بہر کہ گردون چہ شد ترا

کار تو صبح و شام دلا آہ و نالہ بود
خاموش از برائے چہ اکنون چہ شد ترا

تیر نگاہ کیست کہ جا کردہ در دلت
سرور روان ز چشم تو خون شد چہ شد ترا

اے لبت خون بہ جگر کردہ بدخشانے را
رشک افزا شدہ روے تو گلستانے را

آہ زین چرخ جفا پیشہ کہ در فصل بہار
میکند جامہ قفس مرغ خوش الحانے را

لب پر شور تو اے کان ملاحت بشکست
آہ بر داغ دلم طرفہ نمکدانے را

بشکند پنجہ دستے کہ بہ شب ہاے فراق
نتوان کرد ازو پارہ گریبانے را

پئے گلگشت تو اے رشک چمن بخت بخون
دیدہ در کوے تو خوش رنگ گلستانے را

سرورا مشب چہ حزین آہ و فغانے داری
عشقت آمیخت بہ دل درد فراوانے را

بہار آمد بدہ ساقی شراب ارغوانی را
کہ تا زین آب سازم سبز نخل زندگانی را

بعشق نوجوانے دادہ ام دل در کہن سالی
بہ پیری کردم از سر تازہ ایام جوانی را

شب ہجران خیال کاکل بالا بلا شوخے
کند نازل بہ فرق دل بلاے آسمانی را

چہ از حور و غلمان میزنی لاف عیش ہر دم
ندیدی زاہدا روے فلان ابن فلانی را

بتوصیف لب لعل تو شد عذب البیان سرور
کہ گیرد وام طوطی از لبش شیرین بیانی را

ہمچو رندان نبود بادہ کشی پیشۂ ما
بادۂ ما ہمہ خون دل و دل شیشۂ ما

نیست خورشید کہ بر روے فلک میتابد
جستہ از سنگ شرارے ز دم تیشۂ ما

بسکہ در یاد تو سرمست انا الحق شدہ ام
سر منصور زند سر ز رگ و ریشۂ ما

خاک گشتیم براہ وے و وے واے نکرد
بر سر ما گذرے شوخ جفا پیشۂ ما

دل ما گشتہ خراب از نگہ خوش نگہان
آہوان شیر شکار اند درین بیشۂ ما

وہ چہ خوش گلبنِ رنگین گلستان عمیم　　　آب از خونِ جگر یافتہ ہر ریشۂ ما

وصفِ ذاتِ توحبیبا چہ بگوید سرور
نیست در بزم صفاتت رہِ اندیشۂ ما

عشوہ خونریز کند نرگسِ فتّانِ ترا　　　سرمہ شد سنگ فشان خنجرِ مژگانِ ترا
یاد از چشمۂ حیوان نہ نمودی ہرگز　　　خضر میدید اگر چاہِ زنخدانِ ترا
چون نہ رمّان گزد از سنگ بہ دندان لبِ خویش　　　دادہ پان رنگ دگر آن لب و دندانِ ترا
با رخِ زرد کہ در گردِ جہان میگردد　　　دیدہ خورشید مگر آن رخِ رخشانِ ترا

خوار و آوارۂ و حیران و پریشان شدۂ
دادہ برباد کہ سرور سر و سامانِ ترا

از گلِ لختِ جگر پُرجیب و دامانیم ما　　　طرفہ باغیم و بہاریم و گلستانیم ما
گر حواس آشفتہ ایم اے ہمنشینِ ما مرنج　　　در غمِ گیسوے پریشانے پریشانیم ما
تربتِ ما در چراگاہِ غزالان واجب است　　　کشتۂ چشمِ سیاہِ خوش نگاہانیم ما
گشتہ ام از دستِ غم آوارۂ دشتِ جنون　　　از ازل خوکردہ با چاکِ گریبانیم ما
بسکہ از خود رفتہ محوِ صورتِ جانانہ ایم　　　روزگارے شد کہ چون آئینہ حیرانیم ما
بے رخش از سر گذشتِ ما مپرس اے ہمنشین　　　ہر شب از غم تا سحر چون شمعِ سوزانیم ما
بے خطر از انقلابِ روزگاران گشتہ ایم　　　بخت برگردیدۂ برگشتہ مژگانیم ما
ہر دم از افغان و آہِ آتشین و چشمِ تر　　　رعد نالان برق سوزان ابر گریانیم ما
بندۂ فرمان برِ سلطانِ عشقیم از ازل　　　تا ابد بر ہر دو عالم دست افشانیم ما
منعما مینوایان را بہ چشمِ کم مبین　　　بر بساطِ بوریا شیرِ نیستانیم ما
جیبِ ما از قطرہ ہاے اشکِ ما پُرگوہر است　　　بحرِ سامان در غمش چون ابرِ نیسانیم ما
روزگارے شد کہ دریادِ لبِ خندانِ یار　　　ہمچو رمّان بر جگر افشردہ دندانیم ما
ہر زمان عیدِ دگر در دیدہ باشد جلوہ گر　　　محوِ دیدارِ کسے چون چشمِ قربانیم ما
روشن است از پرتوِ پیشانیِ ما آفتاب　　　جبہہ ساے آستانِ کوے جانانیم ما

بادلِ پُر داغ و چشمِ خونچکان از غم طپان — درگلستانِ غمش طاؤسِ رقصانیم ما
سرورِ مظہرِ صفت دمسازِ آہ و نالہ ایم
تا نفس باقیست چون نے نالہ سامانیم ما

تابان نہ اند شب بفلک این ستارہ ہا — برجستہ اند ز آتشِ آہم شرارہ ہا
روے حیات جز لبِ جان بخش او ندید — ہرچند کرد عیسیٰ بیچارہ چارہ ہا
ہرگز نکرد در دلِ سنگینِ او اثر — خون شد ز نالہ ام جگرِ سنگ خارہ ہا
گردیدہ است خاکِ درش رشکِ لالہ زار — چشمم کہ ریخت در دلِ پُر داغ پارہ ہا
سرور چہ تاب تا برخت دیدہ واکند
اے خیرہ بر جمالِ تو چشمِ نظارہ ہا

بشور آمد جنون در دیدۂ من نالہ شد پیدا — گرہ شد نالۂ من در لبش تبخالہ شد پیدا
جمالش جلوہ گرد آشکارا ماہ تابان شد — خطِ مشکین بر رویش حلقۂ زد ہالہ شد پیدا
شبے از سرد مہری ہاے جانان گریہ سر کردم — ز چشمم قطرۂ اشکے چکیدہ ژالہ شد پیدا
چہ رنگین آتشے زد در دلم عشقش کہ در گلشن — شرارے جست از داغم چراغ لالہ شد پیدا
چو شد سرگرم رقص آن آتشین رخسارِ سرور
تو گوئی از تجلی شعلۂ جوالہ شد پیدا

چند ز سینہ برکشم نالۂ واے واے را — رخصتِ یک نگہ بدہ نرگسِ سرمہ ساے را
سازم از آہ و نالہ ہا شورِ قیامتے بپا — بے تو شبے چو سرکنم گریۂ ہاے ہاے را
منع ز عشقِ دلبران میکند آن سیہ زبان — راہ بخلوتم مدہ ناصحِ ژاژ خاے را
چشمِ ترے چو نیستش در غمِ عشق کافرے — آہ چہ سود از وضوست زاہدِ خود ستاے را
فصلِ گل ست وصلِ گل ساقی گلعذار کو — تا بکشم بکامِ دل بادۂ دلکشاے را
خندہ زند بر آفتاب اخترِ برجِ روشنم — گیرم اگر شبے بہ بر آن بتِ مہ لقاے را
اے سرِ من فداے تو بر سرِ دل مکن جفا — شانہ مکش خداے را طرۂ مشک ساے را
شاہ توئی و من گدا نیست عجب اگر کند — چون تو شہے نواز شے ہمچو منِ گداے را

بیتو بہ چشم خونچکان ہست طپان بخاک وخون
بر سرِ سرور اے صنم کن گذرے خداے را

کردہ رشکِ گلستان جیب ودامانِ مرا   دادہ رنگ وگر اے گریہ سامانِ مرا
بُرد دل زلفِ سیاہش زد بجان آتش رُخش   نرگسِ کافر نگاہش سوخت ایمانِ مرا
گرچہ از حیرانیم آئینہ میگوید ز او   خوش بگو کاکل تو ہم حالِ پریشانِ مرا
کے شود بہ دردِ دل بے نوش دار وے لبش   اے مسیحا ہرزہ میسازی تو درمانِ مرا
شد جہان از دیدۂ خونبار من رشکِ چمن   میتوان ابرِ بہاران گفت مژگانِ مرا
در برم یک شب سرت گردم بیا از روے مہر   ماہِ من رشکِ سحر کن شامِ ہجرانِ مرا
گفتہ ام سرور سخن از بسکہ در وصفِ حبیب
حوریان در خلد میخوانند دیوانِ مرا

بہ دل جا کردہ ام عشقِ نگارِ شوخ و شنگے را   درونِ خانۂ خود دادہ رہ خانہ جنگے را
شکستہ تا بدامن بستہ چشم از دیدنِ عالم   چہ حظ از عاشقی آن چشم کو بے پاے لنگے را
منہ از رنجِ دنیا بارِ کلفت بر دلِ روشن   مدہ در خلوتِ آئینۂ خود بار زنگے را
ز حسرت چون نگردد خونِ دل یاقوتِ رمانی   لبِ لعلِ تو از پان کردہ پیدا تازہ رنگے را
منم سرگشتۂ وحشتِ جنون عمریست اے سرور
چہ میگوئی منِ دیوانۂ بے نام و ننگے را

خداوندا بکن آباد این ویران دیارے را   بدہ جمعیتِ خاطر پریشان روزگارے را
زدا از آئینۂ دل زنگِ کلفت ہاے دورانم   مدہ رہ در حریمِ خلوتِ جانم غبارے را
بہ امیدِ عطاے آمدم بر درگہت یا رب   مکن نومید از درگاہِ خود امیدوارے را
ز بس ناکردہ کارم سرفرو در جیبِ غم دارم   بدہ در کارِ خویش دستِ من ناکردہ کارے را
دلم افسردہ تر از سرد مہری ہاے دوران است   فگن از آتشِ عشقِ خودم در جان شرارے را
حبیبا عالمے از فیضِ عامت بہرہ ور باشد
چہ باشد گر نوازی ہمچو سرور خاکسارے را

پنڈت سندر لال شرما صاحب
برادر پنڈت موتی لال شرما صاحب

آپ فن موسیقی کے ماہر کامل تھے۔ ذیل کی ٹھمریاں وغیرہ آپ کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔

ٹھمری در بھیرویں

مُرلیا باجے کوَن اُور۔ ہر ہری بانس کی ہری ری بنسوریا جیسے
کوُکے دیکھو مور مُرلیا باجے کوَن اُور

جوگیا اساوری

میں تو بیٹھی ہتوں دھونی رماے سیام نہیں آئے مدھ بن سے

گوری

اُڑ جارے پکھیرو۔ دن تورہ گیا تھوڑا۔ اُڑ جا رے پکھیرو دن

رام کلی

مَیں تورے بل بل جاؤں پتنگوا مورے پیا کی کھبریا لے آ میں تورے

ایضاً

پیالا مجھ بھر دے ری پیالا مجھ ہم تم پیویں چھکے چھکاویں درجن
دیکھ ڈری پیالا مجھ بھر دے ری

ساون

جات نگریا میں بھولی ڈگریا۔ اب سُدھ لو موری رام رے۔ جات نگریا
ایک تو ندیا اگم بہت ہے ناگا نٹھی میں دام رے بن گُن کے
نیّا پار لگاؤ۔ کرشن تمہارا نام رے۔ جات نگریا میں بھولی

سوہنی

تل نے پائی ہے جگہ تیرے زنخداں کے تلے ہے ستارہ کوئی روشن مہ تاباں کے تلے

ٹھمری سارنگ

بلیاں میں لوں گی تور
مت جا ایسی دھوپن میں ۔ بلیاں میں لوں گی تور ۔ دھرتی تپت
تپت ہے گھام پڑت ہے ۔ مت جا ایسی دھوپن میں

سُرور ۔ پنڈت پریم نراین کول صاحب

فن موسیقی میں آپ دستگاہ کامل رکھتے تھے ۔ ذیل کی ٹھمریاں آپ کی تصنیفات میں سے ہیں

ہولی

سانجھ بھئی اب جانے دے گھر مرلی نا بجا رے بہاری
مُرلی سنت بھئی ایسی باوری تم بن نہ سوجھے کوئی گردھاری
بھبوت رما کے جوگن بن بیٹھی بر کھت ہیں سب نر اور ناری
تن کی سُرت نا بُدھ کی گھبر مُرلی نا بجا رے بہاری
مُرلی بھئی موہے پران کی گاہک داگ ویسے کر یجوا میں کاری
اسُون کی جھر لاگ رہی نگری دیہہ سون اُٹھت چنگاری
مکھ کو رنگ بھیو پیر پیر مُرلی نا بجا رے بہاری
بھورے نسری ہوں پنیا بھرن کو پاگت بھئی سن مُرلی بہاری
اب تو پریم سون گروا لاگ جا جاسے بجھے یہ اگن ہماری
(گلا)
پیاں پر ب اور جور ب کر مُرلی نا بجا رے بہاری
(گلائی)

ہولی

پا لاگی کر جوری شیام موسے کھیلو نہ ہوری

گوئیں چراؤن میں نکسی ہو ں ساس نند کی چوری
سگری چنر رنگ میں نہ بھجوؤ اتنی سنو بات موری
شیام موسے کھیلو نہ ہوری

چھین جھپٹ مورے ہاتھ سے گاگر جو رسے بہیاں مرو ری
دل دھڑکت ہے سانس چڑھت ہے دینہہ کپت گو ری گو ری
شیام موسے کھیلو نہ ہوری

بھاگ کھیل کے تمنے رے موہن کا گت کینتی مو ر ی
سکھین میں استاد کے آگے ہوئیہوں تھوری تھوری
شیام موسے کھیلو نہ ہوری

دیگر

عبیر گلال نہ موپر ڈارو نہ مارو پچکا ر ی
آدھی دینہہ سب دیکھ پر یگی ساڑی بھجوؤ نہ سا ر ی
کہیں گے لوگ متوا ر ی

تم چاتر ہو لی کے کھلیتا ہم ڈرپوک ا نا ر ی
تاک جھانک لگا مت موہن جاؤں تورے بلہا ر ی
نہ کر موہے جان سے عا ر ی

لاکو کہی تم ایک نہ مانی بنتی کر کے ہا ر ی
یا ہو گھر ی استاد سے جاکے کہیوں حکیکت سا ر ی
کہاں جاؤ گے گر دھا ر ی

سعادتؔ۔ پنڈت دامودر ترسل صاحب

آپ سنہ ۱۹۰۱ بکرمی میں بمقام سری نگر کشمیر پیدا ہوئے۔ کچھ عرصے تک تحصیلدار رہے مہاراجہ رنبیر سنگھ آنجہانی کے عہد حکومت میں جب کشمیر میں سخت قحط رونما ہوا تو آپکو سید غلام جیلانی شاہ صاحب سپیشل قحط آفیسر کا اسسٹنٹ بنا یا گیا۔ اس حیثیت میں آپ نے اپنے فرائض منصبی نہایت تن دہی اور جانفشانی سے انجام دئے۔ آپ غزل قصیدہ اور مثنوی کہنے میں اچھی مہارت رکھتے تھے لیکن افسوس ہے کہ کلام کا بیشتر حصہ تلف ہو چکا ہے۔ آپ نے ایک "شہر آشوب" بھی لکھا تھا جس کی اہل مذاق اس وقت تک تعریف کرتے ہیں لیکن اس کی بھی کوئی نقل دستیاب نہیں ہوتی۔ آپ سنہ ۱۹۴۰ بکرمی میں وفات پا گئے۔ ذیل کی غزل آپ کے کلام کا ایک نمونہ ہے سہ

زبار رنگِ حنا پنجۂ نگارم خم شد عرق بہ عارض آن گلعذار شبنم شد
سرد کہ آب بردز آب قلزم و جیحون چنان زہجر رخ یار دیدہ پُر نم شد
بعیش کوش دلا کان نگار سیم اندام زبعد عمر زمانے بوصل ہمدم شد
بحیرتم چو حجاب نقاب بر رخ زد حیا و شرم چسان درمیانہ محرم شد
زنیزہ ہائے مژہ گرچہ گشت تیر انداز بہ عشوہ ہائے کمان سوز ہچو مرہم شد
زبہر دوختن زخم سینۂ عاشق بہ سوزنِ مژہ و تارِ زلف مریم شد

بگوشِ ہوش شنو اے سعادتؔ آن دلبر
بخندۂ لبِ میگون نشاطِ عالم شد

حضرت سعادتؔ وانتر کے گاؤں میں ایک عرصے تک بہ سلسلۂ ملازمت مقیم رہے۔ بہار کا موسم آیا اور سری نگر میں بھیں ڈل۔ نشاط باغ اور شالامار میں خوب چہل پہل رہی۔ لوگ موسم بہار کا لطف اٹھانے کی غرض سے سیر و تفریح میں مصروف تھے۔ ان کا دل بہت چاہا کہ سری نگر آکر وہ بھی اپنے دوستوں اور ہمدموں کے ساتھ اس لطف میں شریک ہوں لیکن ان کی درخواستِ رخصت نامنظور ہوئی



شریمتی سوشیلا سہگل عرف شریمتی برجکشوری سوشیلا

اس کا ذکر انھوں نے ذیل کے اشعار میں کیا ہے۔ ؎

خوشا سالِ نو دخل کردہ بہ کشور　　ہوائے زمستان برون شد زکشمر
شگوفہ زگلشن سر آوردہ بیرون　　بہار این طرف با ارم گشتہ ہمسر
بہ تالاب آب و بہ شب ماہِ تابان　　سفینہ چو مرغابِ آبش چو کوثر
ہمہ گلرخش لالہ خدّ و سمنبر　　زخوشبوئے گیسو ہوا پُر زعنبر
بہ قد سروِ بستان و شہلا بہ چشمان　　سرین ہمچو نسرین و لب ہمچو شکر
سکون داشتے گر درین شہر قارون　　نہ کردے بہ بخت اندر زمین زر
ترانہ بہ ہر کو و ترکانہ ہر سو　　کف و دف زنان گشتہ مردم بہ ہر در

چہ داند سعادت بہ بند از اجازت
برون بردہ زین رخت خود را بہ و آنتر

سوشیلا شریمتی سوشیلا ٹکو عرف شریمتی برجکشوری ۔ دختر پنڈت جگموہن ناتھ اگرہ مرحوم

آپ جنوری ۱۸۹۸ء میں بمقام الہ آباد پیدا ہوئیں۔ جہاں آپ کے دادا پنڈت کدارناتھ اگرہ عہدۂ ڈپٹی کلکٹری سے مستعفیہ پنشن ہو کر سکونت پذیر تھے۔ پنڈت اوتار کرشن ٹکو کی آپ زوجہ ہیں۔ گو آپ کی تعلیم کسی اسکول میں نہیں ہوئی مگر زیرِ نگرانی والدین آپ کی تعلیم اس خوبی کے ساتھ ہوئی کہ علاوہ ہندی کے آپ کی لیاقت زبانِ انگریزی و اردو قابلِ تحسین ہے۔ آپ کے شوہر بمقام چھند واڑہ (سی پی) اسسٹنٹ انجینیر بی ۔ این ۔ ڈبلیو ریلوے کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ وہ خود شاعر ہیں اور نیز اُن کی قابل زوجہ اُردو میں فکرِ سخن کرتی ہیں۔ ذیل کی دو نظموں کا انتخاب ہم رسالہ بہار کشمیر سے اخذ کر کے ناظرین کے تفننِ طبع کی غرض سے پیش کرتے ہیں۔

بحث تھی یہ تو اصولِ مشفقِ شیریں زباں　　اشتعالِ طبع کا باعث ہوا کیا مہرباں
بندہ پرور مجھکو ہو دعویٰ سخن کا کس طرح　　مدتوں سے ہے وطن پنجاب، پنجابی زباں
یہ سُنا تھا آپ کا طرزِ بیاں دلچسپ ہے　　شاعری کا آپ کی ہے معتقد سارا جہاں
ساری کوشش کی ہے صرفِ داستانِ حسن و عشق　　بتکدہ کا آپ نے چوما ہے سنگِ آستاں
مرحبا شانِ سلاست ۔ حبذا ذوقِ سلیم　　خوب دی دادِ فصاحت آپ نے اے مہرباں

یہ فصاحت - یہ بلاغت یہ سلاست آپکی
اس پہ سونے پر سہاگا اکبر آبادی زباں

چشم بد بیں دور - مطلع انوار ہے
جوہر پاکیزگی ہے دونوں مصرعوں سے عیاں

ٹھنڈے دل سے آپنے سوچی کبھی یہ بات بھی
کیا ہیں وصف اردھنگنی کے کیا ہیں اسمیں خوبیاں

ہے شریک رنج و غم - گو شامل راحت نہ ہو
آپ گو برہم ہوں لیکن وہ سدا ہے مہرباں

جام تخمیر یں بادۂ الفت سے بھرتی ہے مدام
عفو کرتی ہے بُرائی - وصف سے ہے تر زباں

بیٹیاں ہوں یا ہوں بہنیں - آپ کی شیدا ہیں وہ
ہے محبت اُن کی گویا ایک بحر بیکراں

کچھ ثبوت الفت ہمشیر کی حاجت نہیں
نخل الفت کے ثمر دونوں ہیں - بیٹے بیٹیاں

آپ کے دم سے شجاعت میں ہے دم باقی ضرور
ہم نہ ہوتیں گر تو مٹ جاتا محبت کا نشاں

دیکھئے مردوں کی خودداری کا یہ ادنیٰ ثبوت
لیڈیوں کے سامنے اُٹھتی ہیں اُن کی ٹوپیاں

شاستروں نے مرد کی اردھنگنی ہم کو کہا
اور ہیٹر ہاف کہتا ہے ہمیں سارا جہاں

نذر کرتی آپ کو ہم ہیں جواہر بے بہا
ہے ہماری ہی بدولت نسل کا قائم نشاں

آپ موجد ہیں ہر اک ایجاد کے مانا - مگر
موجدوں کے کون موجد ہیں یہ کہیئے مہرباں

دہر ناقص ہے یہاں تکمیل ہے کسکو نصیب
اک مکمل ذات حق کی ہے بلا ریب و گماں

اے سوشیلا جس بلندی پر نشیمن ہے مرا
طبع موزوں کی وہاں پہنچیں گی کیا طغیانیاں

دیگر

سُن چکے ماہ گذشتہ میں ہو مردوں کا بیاں
اب سنو میری زبانی عورتوں کی داستاں

زور و بازو پر اگر مردوں کو ناز و زعم ہے
ہیں تحمل اور شکیب و صبر کی ہم پتلیاں

بھیم و ارجن کی اگر طاقت پہ تم کو ناز ہے
دروپدی اور پدمنی سی ہم میں بھی تھیں رانیاں

رامچندر نے پتا کا گر بچن پالن کیا
تھی پتی برت دھرم میں سیتا بھی یکتائے زماں

تم پھرو آزاد و آوارہ جہاں میں در بدر
طابع فرماں رہیں ہم اور پابند مکاں

عقل میں کچھ کم نہیں ہیں شکل میں بہتر ہیں ہم
تم توانا ہو یہ مانا - اور ہم ہیں ناتواں

کیوں نہ ہم چلائیں چھنیں شیوۂ بیداد پر
کیوں نہ فریادی بنیں ہم بھی تو رکھتے ہیں زباں

اور ہمیں دیکھو کہ تم سے اس قدر کمزور ہیں ۔۔۔ اس پہ بھی مہر و وفا کی ہیں مجسم دیویاں
مہرباں میرے ذرا تو کیجئے انصاف و غور ۔۔۔ ابتری میں ہے ہماری آپ کا ہی تو زیاں
ایک پہئے کی کبھی گاڑی چلا کرتی نہیں ۔۔۔ تیر گر ٹوٹا ہوا ہے تو کماں بارِ گراں
ہم تو وہ ہیں جان بھی قربان کر دیں آپ پہ ۔۔۔ آپ ہم سے ہو رہے ناحق کو ہیں یوں بدگماں
یہ تو بتلاؤ کہ آخر حاصلِ محنت ہے کیا ۔۔۔ کیا کیا ہے آج تک جس پر ہو کرتے شیخیاں
ہو چکا بس ہو چکا اب انتظام قوم و ملک ۔۔۔ آپ کی بد انتظامی پر ہے روتا آسماں
آزمائش میں ہوئے ہو سب طرح ناکامیاب ۔۔۔ اب یہی بہتر ہے ہم کو دو حکومت کی عناں
آگیا اب دَورِ آزادیٔ نسواں۔ آگیا ۔۔۔ مدتوں کے بعد پاؤں کی کٹیں گی بیڑیاں
خواہشِ حشمت نہیں ہم کو نہ شوقِ انتقام ۔۔۔ بے غرض اور نیک دل ہیں ہم سے مت ہو بدگماں

شاد۔ پنڈت دیا رام رینہ صاحب متوطن کشمیر

آپ سیدآن گاؤں کے جو تحصیل بڑگام کشمیر میں واقع ہے باشندے تھے اور ۱۹۵۰ء بکرمی میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تعلیم ایک فاضل اُستاد سے پائی تھی۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر بطور حلقہ دار کے ملازم ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ سلسلۂ ملازمت منقطع ہو گیا۔ اس وقت آپ نے ایک مکتب جاری کیا اور عمر کے آخری حصہ تک درس تدریس ہی کو ذریعہ معاش ٹھہرایا۔ کہتے ہیں کہ اس علاقے کے اکثر باشندے اکتسابِ علم میں آپ سے مستفید ہوئے۔ آپ کا خاندان نمبرداری خاندان کے نام سے مشہور تھا۔

حضرت شادؔ صاحبِ زمین و جائداد تھے۔ بیشتر وقت ریاضت و عبادت میں گذار دیتے تھے۔ رامائن اور دیگر مذہبی کتب کے مطالعہ کا بیحد شوق تھا چنانچہ فارسی رامائن منظومۂ رامداس کو دل سے پسند کرتے تھے۔ خوشنویس بھی اعلیٰ درجے کے تھے۔ آپ ۱۹۶۰ء بکرمی میں اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ افسوس ہے کہ باوجود تلاش آپ کے کلام کا نمونہ خاطر خواہ دستیاب نہ ہو سکا

فقط ذیل کے اشعار ایک مہربان کی زبانی سُننے میں آئے۔ ان سے حضرت شاد کا زورِ کلام عیاں ہے۔

معشوق و گل و باغ و ایاغ است و مُل و نئے — امروز اگر مے نخوری کے بخوری کے
شد خشک چو طنبور رگ و ریشۂ زاہد — از شوقِ دف و چنگ۔ خم زلف۔ نم مے
مائیم و مدایم قدح خویش بکن پیش — افسانہ زکاؤس و فریدون و جم و کے

از حیرت شمع رخت افتادہ در طرف چمن
یکسو صبا۔ یکجا خزاں۔ یکسو گل و یکجا سمن

برقع ز عارض بر فگن تا عالمے شیدا شود
بعضے زرُو۔ چندے زمُو۔ جمعے زلب من از دہن

چون در تکلم میروی از حیرت گم میکنند
سوسن زبان۔ قمری فغان۔ طوطی نوا۔ بلبل سخن

شاکر۔ پنڈت شیونا تھ کول صاحب

رٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ کسٹمس اینڈ اکسائز گوالیار گورنمنٹ

نظم تعزیت انتقال پُر ملال جنت آرامگاہ سرینتی چنکو راجہ صاحبہ سندھیا سینیر مہارانی

نظر کیوں عالمِ ہُو آ رہا ہے سارے لشکر میں — الٰہی خیر کیوں ماتم بپا ہے آج ہر گھر میں
بھرا ہے آج کیوں اشکوں کا دریا دیدۂ تر میں — یہ کیسی ٹیس ہوتی ہے ہمارے قلب مضطر میں

صدا آئی کہ جنت کو گئیں چنکو مہارانی
جنھیں کہتے تھے سب مجموعۂ اوصاف لاثانی

ہوئیں بیمار کچھ ایسی کہ مشکل ہو گئی صحت — نہ کچھ کام آئیں تدبیریں۔ نہ کام آیا زر و دولت
ہوا حاصل نہ کچھ بھی۔ رائیگاں سب کی گئی حکمت — بالآخر بمبئی سے وہ سدھاریں جانب جنت

گئیں پہلو میں وہ شوہر کے اپنے۔ باغ جنت میں
نہ حظ آیا انھیں جب۔ حکمرانی ریاست میں

خیالات اپنے شوہر کے رہے مدِّ نظر اُن کو — رہا کرتی تھی اُن کی یاد ہی آٹھوں پہر اُن کو
رہا تھا شوق سب کی پرورش کا عمر بھر اُن کو — دعائیں رات دن دیتا تھا دل سے ہر بشر اُن کو

ہمیں جب اُن کے اوصافِ حمیدہ یاد آتے ہیں
تو رو رو کر لہو ہم اپنی آنکھوں سے بہاتے ہیں

وہ خود ہی تھیں جواب اپنا ذہانت میں لیاقت میں — متانت میں فراست میں سخاوت میں شجاعت میں
ذکاوت دی تھی خالق نے قیامت کی طبیعت میں — وہ ایسا کون تھا جس سے نہ تھیں واقف ریاست میں

نظامِ سلطنت میں کیوں نہ ہوتیں ایسی لاثانی
کہ تھیں آخر وہ ماودھو راؤ سندھیے کی مہارانی

تمنا اک یہی دل میں ہمارے رہ گئی باقی — ہوئی حسرت نہ اُن کے آخری دیدار کی پوری
خیال ایسا کسے تھا۔ اور یہ اُمید کس کو تھی — کہ جاکر اس سفر سے پھر وہ واپس ہی نہ آئیں گی

غضب ہے اُن کی پابوسی کا ہم کو رہ گیا ارماں
الم اس کا ہے بے غایت قلق اس کا ہے بے پایاں

اسی غم میں انھیں ہم نے کبھی ڈھونڈھا گلستاں میں — کبھی پھرتے رہے آوارہ ہم کوہ و بیاباں میں
کبھی دیکھا انھیں ہم نے فضائے چرخِ گرداں میں — کبھی ڈھونڈھا کئے ہم پردہ ہائے ابرِ باراں میں

انھیں ہر چند ڈھونڈھا جا بجا۔ لیکن نہیں پایا
گئے ہم لامکاں تک بارہا۔ لیکن نہیں پایا

تسلّی اپنے دل کو دے رہے ہیں ہم یہ کہہ کہہ کر — کہ اب گجرا مہارانی کا دستِ رحم ہے سر پر
سُنیں گی دردمندوں کی صدائیں یہ بھی خوش ہو کر — کہ ہیں خوش خو۔ رحیم و خوش مزاج و معدلت گستر

رعایا پر کریں گی یہ بھی اب فضل و کرم اپنا
خدا چاہے تو کر دیں گی یہ ممنونِ نعم اپنا

بہت کچھ ہم کو ہے اُمید ان سے بھی مروت کی — کہ یہ کانِ مسرت ہیں کلیدِ گنجِ راحت کی
مہارانی ہیں آخر۔ کیوں نہ ہو یہ اچھی عادت کی — زبانوں پر رہے گی مدح ان کی بھی سخاوت کی

رہے دورِ حکومت یا الٰہی ان کا اب قائم
سرِ پیرِ فلک ان کے قدم پر خم رہے ہر دم

دو چندان سے ہو زینت مسندِ شاہی کی اب یارب　　رہیں یہ تیرے ظلِّ عاطفت میں روز و شب یارب
خوش و خورم رہیں ان کی نگہبانی میں سب یارب　　مٹے سب کے دلوں سے یک بیک رنج و تعب یارب

زمانہ میں ہو ان کی دھوم۔ ایسی حکمرانی ہو
سخاوت حاتمِ طائی کی۔ اِن کے آگے پانی ہو

رہے ماں کا مہاراجہ جیاجی راؤ پر سایا　　رہیں یہ تندرست و شادماں جبتک رہے دنیا
نہ نکلے ان کا شاہانِ جہاں میں کوئی ہمپایا　　جو کچھ اوصاف ہیں شاہوں میں تنہا انہیں میں یکتا

رہے شاکر ہمیشہ ان کے سر پر فضلِ ربّانی
بڑھے اقبال و دولت۔ ابر میں جبتک رہے پانی

مخمس

وصفت برج زبانی کرشن مہاراج کے

بنکدوں میں ہے اُدھر جلوہ فگن حسنِ بتاں　　لبِ جمنا ہے ادھر جلوۂ حسن خوباں
دل غم دیدہ بھی پاتے ہیں یہاں غم سے اماں　　برج ہے صنع قدرت کا عجب کارِستاں
جس طرف دیکھئے آتا ہے نظر طرفہ سماں

غیر ملکوں سے بھی آتے ہیں یہاں دانشمند　　خوبیاں اس کی تہِ دل سے وہ کرتے ہیں پسند
مدح میں اس کی جو ہوتی ہے زباں تھک کر بند　　چپہ اس کا یہ کہتا ہے بآوازِ بلند
جنّتِ عدن مرے سامنے ہے غولستاں

ان سے کیا رسم محبت کی نکالے کوئی راہ　　نظر آسے نہ صفت کوئی بھی جب خاطر خواہ
قدر اُن کو نہ فغاں کی نہ پسند اُن کو آہ　　لذّتِ عشق ہی سے جب وہ نہیں ہیں آگاہ
کسی مصرف کے رہے پھر تو نہ حور و غلماں

لطف الفت ہی نہ ہو۔ اُن کا میسّر ہو جو وصل　　درد فرقت ہی نہ ہو۔ اُن سے جو پر سوں ہے فصل

گرچہ ظاہر میں وہ آزاد ہیں لیکن در اصل
نہ انھیں حسرتِ وصل ۔ نہ انھیں فصل سے مطلب
ہاتھ میں ہتکڑیاں پاؤں میں ہیں بیکڑیاں

ہے نہ اُن کا کوئی مسلک ۔ نہ ہے کوئی مشرب
جانتا کوئی نہیں اُن کا حسب اور نسب
اُن سے دل کیسے لگائے کوئی جانباز کہ جب
ہجر سے وصل سے ہرگز نہیں اُن کو مطلب
جس کسی کو وہ ملیں اُس کا اٹھائیں فرماں

یہ کہاں اُن میں ۔ دکھائیں وہ نرالی رفتار
یہ کہاں اُن میں ۔ کریں وہ دلِ عاشق کو شکار
یہ کہاں اُن میں ۔ نیا غمزہ دکھائیں ہر بار
یہ کہاں اُن میں ۔ کہ بوسے سے کریں وہ انکار
یا کہ دلّالہ کے گھر جاکے رہیں وہ مہماں

کبھی ہو جائیں شرارت سے نظر سے اوجھل
نورِ حسن اپنا دکھا کر کبھی کر دیں بے کل
کبھی لوٹیں خرد و ہوش کو کر کے چھل بل
جیسی پٹّی وہ پڑھائے وہ کریں اُس پہ عمل
تاکہ عشاق کے امراض میں آئے ہیجاں

اُن کا سادہ ہے چلن اور زبان ہے سیدھی
سب حسینوں کی روش ایسی کہاں ہے سیدھی
کچھ نہیں لطف وہاں ۔ بات جہاں ہے سیدھی
سیدھے سادے ہیں وہ اور اُنکی زباں ہے سیدھی
آپ کو آپ کہیں ۔ نان کو بولیں وہ تاں

وہ زباں کیا ۔ نہ ہو گویائی کی جس میں قوت
وہ بیاں کیا نہ ہو الفاظ کی جس میں شوکت
خوش بیانی بھی تو ہے ایک خدا کی رحمت
یہ کہاں اُن میں کہیں تاں کو وہ نانِ نعمت
اور پانی کو بتانے لگیں آبِ حیواں

منہ سے نکلے نہ سخن ۔ بند رہے اُن کا دہن
لالہ ساں داغِ جگر کھائیں وہ ہو رنج و محن
اس میں کچھ شک نہیں اے شاکرِ آوارہ وطن
منفعل ہو کے وہ خود ہی کریں نیچی گردن
برج والوں کی جو دیکھیں وہ کبھی چھلبلیاں

یہ کہاں وہ کہاں دونوں کا تقابل ہو گیا
سامنے مہرِ جہانتاب کے ہے کیا ذرا
اُس کا تو حال سنا آنکھ سے اس کو دیکھا
بیسیوں بڑھ ہیں یہاں ہے جو وہاں اک ٹوبا
برج کے ایک بھی مالی کو نہ پائے رضواں

دلفریب ایسے نظر آئیں نہ کیوں نظارے ایسے منظر تو کبھی ہم نے نہ دیکھے نہ سنے
ہو شگفتہ دل پژمردہ بھی۔ دیکھے جو اسے ہر جگہ پیڑ ہیں کھڑے۔ پھول کھلے۔ پھل ہیں لگے
شہر اگر باغ بنا راغ بنا نخلستاں

پھول پھل ایسے کہاں ایسے کہاں ہیں اشجار بلبلیں ایسی کہاں ایسے کہاں ہیں گلزار
ایسے چشمے ہیں کہاں ایسے کہاں آب گزار آؤ جب چاہو یہاں پاؤ گے ہر وقت بہار
خواہ ہو فصل زمستاں کہ وہ ہو تابستاں

ہم کو مرغوب حکومت ہے نہ تاج اور نہ تخت راج مل جائے تو اس میں بھی مصیبت ہے سخت
ہو میسر یہ زمیں ہم کو تو ہم ہوں ذی بخت گوال بالوں کی طرح کھیلتے ہیں جملہ درخت
گیند نیبو کی ہے گنے کا بنا ہے چوگاں

فرش سبزہ ہے کہیں اور کہیں لطف چمن ہے کہیں شور عنادل کہیں پھولوں کی پھبن
اس کی تعریف میں قاصر ہے زبان سوسن کہیں گیندے کا بھرا کوہ دکھائے دامن
کہیں سرسوں کو ہتھیلی پہ جمائے میداں

آدمی کیوں نہ رہے محو وہاں اٹھ پہر ایک سے ایک جہاں سے نظر آئے بہتر
دیکھو پھولوں کو۔ تو ہو فرحت قلب مضطر دیکھو ٹیسو کو۔ تو ہولی کا سماں آئے نظر
رنگ میں ڈوب رہا ہے وہ برنگ یاراں

لطف ہی اور رہو کچھ اور ہی حاصل ہو مزا ڈھنگ ہی اور ہو کچھ۔ اور ہو کچھ رنگ نیا
وہ سماں ہو کہ فلک آن پہ ہو جھک جھک کے فدا کونپلیں پھوٹیں تو ہاتھ آئے شگوفہ ہی نیا
مہر جب مہر سے ہو برج حمل میں تاباں

کیوں نہ معلوم ہو اک ایک کی آنکھوں کو بھلی چلبلی۔ شوخ نظر۔ ہوش ربا۔ دل کی کلی
مست۔ سرسبز۔ گھنی۔ روح فزا۔ پھولی پھلی چتر شاہی کو لئے ہاتھ میں ہو مور رسلی
شاہ گل دینے لگے رخش صبا کو جولاں

کون کہتا ہے نہیں ہے مرض غم کی دوا مرض غم کی دوا برق کی ہے آب و ہوا

اس کا منظر ہے دل افروز و مسرت افزا　　　موتیا کھلتی ہے کھلتی ہے چنبیلی چمپا
کیا چلے گرمی کی جب باد رہے عطر فشاں

غنچے غنچے میں وہ پھولوں کی مہک چار طرف　　　ڈالی ڈالی پہ وہ چڑیوں کی چہک چار طرف
چپے چپے پہ وہ سبزے کی لہک چار طرف　　　ٹھنڈی ٹھنڈی سی وہ تلسی کی مہک چار طرف
اور جمنا کی وہ لہریں جو بجھائیں عطشان

جس کو سمجھے تھے برا پھل وہی پھل ہے اچھا　　　اور اچھوں میں بھی اچھوں سے وہ اچھا نکلا
معرکہ بحث کا اُن دونوں میں جب گرم ہوا　　　کیا ہی کھرنی کو ہٹولے نے دکھایا نیچا
نفع و نقصاں کے جو دونوں کی ملائی میزاں

مخمس

ہدایت آخری سری کرشن مہاراج بہ ارجن دراز دست

کیا تردد تجھکو ہے اب تجھکو کیا انکار ہے　　　حق پرستی جب ترا مشرب تری رفتار ہے
تجھ کو مجھ سے اُنس ہے مجھکو بھی تجھ سے پیار ہے　　　شکر کر ارجن کہ کیا طالع ترا بیدار ہے
تو اُسے دیکھے جسے جلوے سے ننگ و عار ہے

آج تک امید ہی امید پر بیٹھے رہے　　　بس نہیں چلتا تھا کچھ۔ کرتے بھی کیا مجبور تھے
رہتے تھے بیتاب اس کے دیکھنے کے واسطے　　　سب ملائک منتظر مدت سے تھے اس دید کے
یہ ترا صدقہ ہے اور یہ واجب الاظہار ہے

قطعہ

محو و بیخود یاد میں خالق کی رہنا روز و شب　　　ہوں نظر میں ایک سے عیش و طرب رنج و تعب
ہیں یہ باتیں ہیچ۔ شک ان میں نہ لا تو بے سبب　　　وید پڑھنا۔ جگ کا کرنا۔ خیر اور خیرات سب
ایسے جلوے میں ہر اک لاچار ہے بیکار ہے

دور دنیا کے علائق سے جو رہتا ہے بشر　　　جو نہیں رکھتا ہے دل میں آرزوئے مال و زر
دھیان میں میرے رہا کرتا ہے جو آٹھوں پہر　　　سب سے یکسو ہو کے جو مجھ سے لڑاتا ہے نظر
میں بھی اس کو دیکھتا ہوں یہ مرا اسرار ہے

ہو کے سب سے بے غرض دن رات رہتا ہے مجھے
جان بھی دینے کو ہے تیار میرے واسطے

ہے نہ دنیا میں کوئی مجھسے سوا پیارا اُسے
جو کرے وہ میری خاطر جو دھرے میرے لئے

سادگی میں میرا عاشق کیا غضب ہشیار ہے

ہو وہی مرغوب اُسکو۔ کام میں جیسا کروں
خواہ بیجا۔ خواہ زیبا۔ خواہ نازیبا کروں

وہ بھی چاہے دل سے انکو جنکو میں چاہا کروں
ہو محبت اُسکو اُنسے۔ جنکو میں پیدا کروں

بے طمع ہو بے غرض ہو جب وہ میرا یار ہے

درد دُکھ جو ہو مری خاطر وہ خوش ہو کر سہے
یاد میں میری رہے ہردم۔ نہ کچھ منہ سے کہے

کچھ نہ وہ پروا کرے۔ آنکھوں سے گو دریا بہے
مجھسے چاہے مجھکو اور میری پرستش میں رہے

دوسری صورت سے جب دیکھو جبھی بیزار ہے

تو بھی کہدے صاف مجھسے اپنے دل کا مدعا
پوچھ لے وہ اور جو کچھ رہگیا ہو پوچھنا

بات جو کچھ کہنی تھی مجھکو۔ میں وہ تجھسے کہہ چکا
جو بتانا تھا بتا یا دیکھ کیا باقی رہا

ایک نکتہ ہے جو تیرے حق میں اب درکار ہے

تو کسیکی بھی نہ سن۔ ہو وہ گدا یا بادشاہ
کر عمل میرے کہے پر۔ ورنہ تو ہوگا تباہ

مثل شاکر تو بھی اسکو مان اے گم کردہ راہ
ترک کر سب ملتیں لے مجھ اکیلے کی پناہ

یہ مرا فقرہ ہے ارجن تیرا بیڑا پار ہے

شاکر۔ پنڈت چیمن نرائن صاحب کول

آپ اپنے زمانہ میں مشہور شاعروں میں تھے اور آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی کم نہ تھی میانہ قد۔ دوہرا بدن۔ رنگت گوری چٹی تھی۔ جسٹس شمبھوناتھ غونمانی ہائیکورٹ جج کلکتہ کی دختر آپ کو منسوب تھیں۔ پنڈت کنھیالال صاحب عاشق لکھنوی کے ہمعصر تھے اور انکو اپنا مخلص جانتے تھے۔ ۱۹۰۳ء میں حضرت شاکر کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ آپ کے کلام کی صفائی۔ خوش اسلوبی اور سلاست بیان خراج تحسین سخندانان کامل سے حاصل کر چکی ہے۔ آپ نے ایک مثنوی موسوم بہ بہار کشمیر اسی رنگ

میں کہی ہے جو مثنوی گلزار نسیم کا ہے اِس مثنوی میں حضرت شاکر نے اپنا زور طبع خوب دکھایا ہے اور اسی طرز کی دیگر مثنویوں سے بہار کشمیر اگر گوے سبقت نہیں لے گئی ہے تو اس کا پایہ کسی طرح کم نہیں ہے۔ سلاست بیان۔ لطف زبان اور محاورات اِس مثنوی کی جان ہیں اور اس میں شک نہیں کہ حضرت شاکر قادر الکلام تھے۔ زمانہ دراز گذرا یہ مثنوی زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی مگر اب نایاب ہے لکھنؤ بھر میں صرف حضرت ندیم لکھنوی کے پاس ایک نسخہ موجود ہے چنانچہ اسکا انتخاب تذکرہ ہذا میں درج کیا جاتا ہے۔

مثنوی بہار کشمیر

بسم اللہ عشق سوز دل ہے — آغاز سرشک متصل ہے
گو شمع کا کٹ چکا ہے سر بھی — لو اُسکی اُدھر لگی ہے پھر بھی
صد شکر کہ اب ہے طبع موزوں — آمادۂ حمد ذات بیچون
ہر شے میں ہوا ظہور اُسکا — ذرّہ ذرّہ ہے نور اُس کا
خلّاقِ زمین و آسماں ہے — رزّاقِ وحوش و انس جان ہے
ہیں مردم و مرغ و مور و ماہی — ممنونِ عنایتِ الٰہی

تھا عشق ایاز فخر محمود
سبحان اللہ شانِ معبود

آغاز داستان

پیدا ہونا آرام دل کا فرخ سیر شاہ چین کے محل میں

اقلیم ختا میں اک شہنشاہ — تھا صاحب ملک و دولت و جاہ
فرخ سیر کہتے تھے اُسے سب — سر پر اُس کے تھا سایۂ رب
لڑنے میں دلیر مثل رستم — تھی فتح و ظفر انیس و ہمدم
اک قہر خدا تھی فوجِ شاہی — دشمن کے لئے پئے تباہی
یوں تو سب کچھ تھا تخت اور تاج — پر وارثِ تخت کا تھا محتاج

آئی جو سیاہی پر سپیدی — جمنے لگا رنگ نا امیدی
پیری دیتی تھی یہ گواہی — ہے عمر چراغ صبحگاہی
ہر وقت خدا سے التجا تھی — بیٹا ملے باپ کی دعا تھی
کی اُس کی دعا خدا نے مقبول — گلشن میں امید کے کھلا پھول
سرسبز ہوا نہال امید — خاور سے ہوا طلوع خورشید
کھوئی قسمت کا چمکا اختر — نکلا بطنِ صدف سے گوہر
قدرت نظر آئی کبریا کی — صورت نہ تھی شان تھی خدا کی
آرامِ دل اُس کا نام رکھا — تعلیم سے اُس کے کام رکھا
اک روز گیا تھا وہ پریرو — صحرا کو پئے شکار آہو
اک تاجرِ پارسی تھا محمود — زردار تھا اور صاحب جود
وارد ہوا دشت میں وہ ناگاہ — پہنچا جاکر جہاں تھا وہ ماہ
جو جو اشیائے خوشنما تھیں — شہزادہ کو اُس نے سب دکھائیں
آخر کو دکھائی ایک تصویر — تھی سورۂ نور کی وہ تفسیر
تصویر کی جان تھی معنیِ حسن — صورت سے عیاں تھے معنیِ حسن
رگ رگ میں بھری تھی دلربائی — ٹپکی پڑتی تھی خوش ادائی
لاکھوں میں تھیں اُس کی آنکھیں چیدہ — بینائی کی تھیں وہ نور دیدہ
جادو تھیں بلا تھیں زہر تھیں وہ — آفت تھیں غضب تھیں قہر تھیں وہ
دیکھے جو وہ ابروانِ خمدار — قربان ہو ماہِ نو کی تلوار
اللہ کا تھا الف نہ تھی ناک — یا جلوۂ شمعِ بزمِ لولاک
عارض تھے اِدھر اُدھر مقابل — تھی شمس و قمر میں حد فاصل
موزوں نہ تھا سرو پیش قامت — تھا مصرعِ شاہ بیت قدرت
زلفیں تھیں سیاہی میں بلا کی — ہم رنگ تھیں شام کربلا کی
سب خال تھے بے مثال اُسکے — تارِ رگ جان تھے بال اُسکے

شہزادہ نے دیکھکر وہ تصویر ۔۔۔ کھوئی یک لخت عقل و تدبیر
محمود نے عرض کی بصد سوز ۔۔۔ ہے یہ تصویر حسن افروز
ایران کی ہے یہ شاہزادی ۔۔۔ ٹھہری نہیں ابتک اسکی شادی
سیماب کی طرح دل تھا بیتاب ۔۔۔ آتا ہی نہ تھا خیال میں خواب
محمود کو ساتھ لے کے اپنے ۔۔۔ غربت کی طرف چلا وطن سے
روتا ہوا یاد دلربا میں ۔۔۔ پہنچا اک دشت پر قضا میں
یوں باندھ کے گھوڑے بیخبر سوئے ۔۔۔ جیسے کوئی گھوڑے بیچ کر سوئے

اُٹھائے جانا دو پریوں کا آرام دل کو

سب شادی و غم ہیں نقش بر آب ۔۔۔ دنیا ہے مثال عالم خواب
ملک واراب میں تھا اک شاہ ۔۔۔ دختر رکھتا تھا غیرت ماہ
قامت تھی جو راستی میں خوشتر ۔۔۔ اس وجہ سے نام تھا صنوبر
شوخی تھی بجائے خوں رگوں میں ۔۔۔ رنگت ہو جس طرح نگوں میں
اک ملک حبش کا شاہزادہ ۔۔۔ رکھتا تھا جو شادی کا ارادہ
داماد کو حسن کے زشت منظر ۔۔۔ رنجیدہ تھا والد صنوبر
نسبت نہ تھی اُس کو دل سے منظور ۔۔۔ پر بخت سیاہ سے تھا مجبور
پریاں جاتی تھیں دو اُدھر سے ۔۔۔ پاتک تھیں سبز و سرخ سر سے
دیکھا جو انھوں نے یہ تماشا ۔۔۔ تخت اپنا زمین پر اتارا
غافل سوتا جو اُس کو پایا ۔۔۔ دل شوق سے اُن کا گدگدایا
بس دیکھ کے حسن کا وہ عالم ۔۔۔ دونوں نے یہ کی صلاح باہم
یہ سرو ہے قابل صنوبر ۔۔۔ شادی اس سے جو ہو تو بہتر
یہ سوچ کے تخت پر اُڑایا ۔۔۔ انسان کو آسماں دکھایا
اک آن میں پہنچیں ملک واراب ۔۔۔ تھا ساتھ وہ مست بادۂ خواب
نوشہ کے پدر سے بے تکلف ۔۔۔ جا کر کہا اک یہاں ہے یوسف

لازم ہے اُسے بناؤ دولھا شاید کھا جائے شاہ دھوکا
خدام نے حکم شہ جو پایا دولھا کی جگہ اُسے بٹھایا
سن کر اوصاف حسنِ شوہر دل میں ہوئی خوش بہت صنوبر
ہر چند حیا تھی مانعِ کار لیکن کرتا تھا عشق اصرار
آخر نہ رہی جو ضبط کی تاب پیاسی تھی چلی وہ ڈھونڈنے آب
باتیں جو ہوئیں اِدھر اُدھر کی نکلی آخر کو بات شر کی
شہزادہ نے اُس کی کی تشفی وعدہ ملنے کا کر کے حتمی
کہہ سُن کے ہوا پری سے رُخصت آرام کی اُس سے لی اجازت

گرفتار ہونا آرام دل کا باغِ طلسم میں

اتنے میں ہوئی اذان سحر کی آواز آنے لگی گجر کی
چڑیاں پیڑوں پہ بولتی تھیں اُڑنے کو پر اپنے تولتی تھیں
مسجد گرجا شوالا درگاہ ہر ایک جگہ تھا ذکرِ اللہ
بابِ رحمت کھُلا ہوا تھا ہنگامِ اجابتِ دعا تھا
اک مطلعِ نور آسماں تھا سبحان اللہ عجب سماں تھا
پریوں نے جو دیکھا رنگ محفل شہزادہ کو سوتا پایا غافل
فوراً اُسے تخت پر لٹا کر محمود کے پاس رکھا لا کر
شہزادہ نے سب کہی حقیقت پھر آگے سفر کی آئی نوبت
صحرا وہ نمونۂ قضا تھا یا شاہدِ دشتِ کربلا تھا
تھی گرمیِ آفتابِ محشر ہر ذرہ بنا تھا شکلِ اخگر
میداں میں نظر پڑی عمارت آئی آرام دل کی شامت
بیتاب تو تھا ہی پاس جا کر دروازہ کو کھول پہنچا اندر
دیکھا تو وہ تھا طلسم کا باغ گلزارِ ارم کو جس سے تھا داغ

طوبےٰ تھا ہر اک نہال اُس کا — ہر پھول تھا بے مثال اُس کا
جتنے تھے کنارِ جو صنوبر — تھے رشک قدِ بتانِ خود سر
پھولا پھلا جو ہر اک شجر تھا — افسوں میں بہار کا اثر تھا
ہر سمت تھی کثرتِ حسیناں — گلزار بنا تھا اک پرستاں
اُن سب کی جو اک پری تھی افسر — ہنسکر لگی کہنے وہ ستمگر
مہمان ہمارا اب کہاں ہے — لاؤ اُسے جلد وہ جہاں ہے
پایا پریوں نے جستجو سے — گل کو پہچانا رنگ و بو سے
وہ آ لئے ہی پاؤں سب پھر آئیں — شہزادہ کو ہاتھوں ہاتھ لائیں
بولی میں ہوں دخترِ شہ قاف — ظاہر ہیں جہاں میں جسکے اوصاف
آرام دل اُس کی سُن کے تقریر — کہنے لگا دل میں وا ئے تقدیر
قینچی سی زبان چلا رہی ہے — بے پر کی پری اُڑا رہی ہے
افسوس چلا فسوں پری کا — ماریگا مجھے جنوں پری کا
اقرار میں اپنا خوں ہے کرنا — انکار میں سر سے ہے گذرنا
دونوں شکلوں میں ہو گی ان بن — رو ئے ماندن نہ پا ئے رفتن
کچھ بس نہ چلا تو کہنا مانا — کر سکتا نہ تھا کوئی بہانا
بولا شادی کا کر کے اقرار — ہو گا نہ خلاف اس کے زنہار
میں بعد نکاحِ حسن افروز — شادی تم سے کرونگا اک روز
پھر دی۔ ہو کر پری نے شاداں — شہزادہ کو خاتمِ سلیماں
بخشی تھی خدا نے اُس میں تاثیر — کر لیتی تھی ساحروں کو تسخیر

قیدِ ساحرہ میں آرامِ دل کا گرفتار ہونا

مضمون کو کیا قلم نے تسخیر — جادو سے بھری ہے اسکی تحریر
ایران کا کر کے کیں ارادہ — سوداگر اور شاہزادہ
پہنچے تبریز میں قضا را — تپ چڑھتی تھی سُن کے نام جسکا

اک دختر بادشاہ تبریز — رفتار تھی جس کی فتنہ انگیز
آنکھیں تھیں غضب بلا کے گیسو — اس پر وہ پڑھی ہوئی تھی جادو
بالغ جو ہوئی پری بنی وہ — گوسالہ سے سامری بنی وہ
جوہر کی طرح سے خود نمائی — آئینۂ دل میں تھی سمائی
شہزادہ کو ساحرہ نے افسوس — انساں سے بنایا شکل طاؤس
ہوتی نہ تھی قید سے رہائی — کچھ اُس کے بنائے تھی نہ بنتی
رہجاتی تھی جاں نکل نکل کر — ہارا قالب بدل بدل کر
جب کوئی بھی بن پڑی نہ تدبیر — بیٹھا خاموش تن بہ تقدیر

حسن افروز کا آرام دل کی تصویر پر عاشق ہونا

کیونکر کرے حال عشق تحریر — خامہ حیران ہے شکل تصویر
دیکھی شہزادی نے جو تصویر — دل میں لگا اُسکے عشق کا تیر
جاری ہوئے اشک آہ نکلی — دل کے لئے غم کی راہ نکلی
بجھتی ہے کہیں شرارتِ عشق — سینہ میں بڑھی حرارتِ عشق
جب دل نے نہ مانا لیکے خامہ — لکھا آرام دل کو نامہ

نامۂ حسن افروز

اے مظہرِ شانِ کبریائی — وے روح و روانِ آشنائی
اے مونسِ جانِ بیقراراں — آرامِ دلِ امیدواراں
اے مایۂ حسن و کانِ خوبی — بوئے گلِ بوستانِ خوبی
سلطانِ قلمروِ دل و جاں — غارتگرِ ہوش و صبر و ایماں
کیا ہو صفتِ پیمبرِ عشق — ہو کس سے ثنائے سرورِ عشق
پانی میں لگاتا آگ ہے یہ — بے وقت کا گاتا راگ ہے یہ
جاتا نہیں دل سے داغ اسکا — ہوتا نہیں گل چراغ اسکا
اب مجھکو بھی راہ پر ہے لایا — اس جن کا پڑا ہے مجھ پہ سایا

کیا جانئے کیا پڑھا ہے افسوں لیلیٰ سی بنا یا مجھکو مجنوں
یعنے یہ عشق خانماں سوز ہے اب مہمان حسن افروز
جب سے دیکھی ہے تیری تصویر بُت بن گئی ۔ حال دل ہے تغیر
کس سے کہوں کیا تھی کیا ہوئی میں مرتی نہیں بے حیا ہوئی میں
برپا قامت نے کی قیامت کیا بیٹھے بٹھائے آئی شامت
ہوں بندۂ چشم و خال گیسو ان سب نے کیا ہے مجھ پہ جادو
بے تیرے شراب ناب سم ہے کھانے کے نام کی قسم ہے
سہتی فرقت کی ہوں جفائیں تصویر کی لیتی ہوں بلائیں
جلد آ کوئی دم کی زندگی ہے بس کیا لکھوں آگے بندگی ہے

شہزادہ کا قید ساحرہ سے رہا ہونا

مدت میں مراد دل بر آئی یوسف کی ہے قید سے رہائی
خاتم قیدی نے دیکھ پائی سو جھی اُسے صورت رہائی
یاد آئے سفید دیو کے بال بازو سے نکال کھینچے فی الحال
شہزادہ کا دیکھ کر یہ نقشہ چہرہ اُس ساحرہ کا اُترا
بگڑی ۔ جھلائی ۔ روئی ۔ روٹھی دی ہار کر اُس نے وہ انگوٹھی
خاتم شہزادہ نے جو پائی اور قید سے بھی ملی رہائی
اک پیڑ تلے وہ جا کے ٹھہرا جس طرح شجر کے نیچے سایا
ازبسکہ سفر سے ناتواں تھا سایہ اُسے جسم پر گراں تھا
محمود بھی آتا تھا جلو ریز افتاں خیزاں بہ سوے تبریز
جب کہہ چکے اپنی سب کہانی محمود نے دی اُسے نشانی
یعنی خط و مُہر حُسن افروز دیکر بولا کہ اے غم اندوز
اب دفع ملال میں نہیں شک امید وصال میں نہیں شک

ملاقات حسن افروز و آرام دل

جو تھیں پئے انتظار آنکھیں
بھر آئیں وہ ہو کے چار آنکھیں

پچھلا صدمہ جو دل شکن تھا
دریا اشکوں کا موج زن تھا

فرقت میں پڑی تھی جو جو افتاد
اُس وقت وہ آتی تھی ہر اک یاد

آخر نکلا بخار دل کا
رو کر دھویا غبار دل کا

تقریر اُن میں ہوئی زبانی
اپنی اپنی کہی کہانی

سب حال صنوبر و پری کا
سن کر دلبر نے مُنہ بنایا

کہتی تھی کہ اب نہ لو مرا نام
اُن دونوں سے رکھو اپنا تم کام

پروا نہیں تم کو میری زنہار
مُنہ دیکھے کا ہے یہ آپ کا پیار

تقدیر میں میری جو لکھا ہے
لاریب وہ مرضیِ خدا ہے

ہو کر یہ چھیڑ چھاڑ اُس دم
دو ساز سے مل گئے وہ باہم

اچھے ناسور ہو گئے سب
شکوے کافور ہو گئے سب

اک رات کو دونوں بُلبل و گل
تھے باغ میں مست نشۂ مُل

آمد کی خبر جو اُن کی پائی
پھولوں نے زبس خوشی منائی

ہر پھول تھا باغ باغ اُس کا
ملتا ہی نہ تھا دماغ اُس کا

مرغانِ چمن تھے غم سے آزاد
خوفِ گلچیں نہ بیمِ صیاد

جو مرغ تھا طائرِ حرم تھا
جو تختہ تھا روکشِ ارم تھا

قمری کی جو خوشنما تھی ہنسلی
بُلبل کے بھی زیبِ سر تھی چوٹی

سوسن کی بھی کیا زباں کھُلی تھی
تعریف کے قصد پر تُلی تھی

آتی جو ندا اُسے مرحبا تھی
غنچوں کے چٹکنے کی صدا تھی

شاخیں تھیں خمیدہ بہرِ تعظیم
کرتی تھیں کسی کو جھک کے تسلیم

نہروں میں حباب اُچھل رہا تھا
آئینۂ آب خودنما تھا

ہر گُل بیدار ہو رہا تھا
تنہا سبزہ ہی سو رہا تھا

کمبخت کا جائے ستیا ناس / وارد ہوا ایک دیو کرناس
شہزادی پہ ہو گیا وہ مائل / لیکر اُڑا مثل نالۂ دل
اُس جن نے پری کو جب اُڑایا / کوہِ البرز میں چھپایا
کچھ دیر میں جب کہ ہوش آیا / کہتی تھی فلک نے کیا دکھایا
یہ کوہ کہاں ۔ کہاں مرا باغ / دل کو گل کے عوض ملا داغ
آزار جنوں نہ تھا پری کو / جن کا سایہ ہوا پری کو
آرامِ دل اُس کا تھا دلارام / ہر دم تھا اُسی کی یاد سے کام
شہزادہ جو پیشتر گیا تھا / دلبر کی تلاش کر رہا تھا
اُس گل کا کہیں پتا نہ پایا / آیا نہ نظر پری کا سایا
رنجِ سفر و اذیتِ خار / سب کھینچ کے پہنچا تا دیار
شہزادی کو اُس نے پایا محبوس / اُس وقت وہ کر رہی تھی افسوس
اوّل واجب تھا قتلِ دشمن / چھینا اژدر کو مار کر ۔ من

اے طبعِ ملول شادماں ہو / ہنس بول قلم کی ہمزباں ہو
شادی کا بس اب پہن تو جامہ / ہو شاخِ حنا بجائے خامہ
کاغذ ہو حنائی شکلِ تصویر / شنجرف کے رنگ کی ہو تحریر
ڈوبے ہوئے رنگ کے ہوں مضموں / روحِ رنگیں ہو جن پہ مفتوں
طاؤسِ قلم ہو جب خراماں / گلچینِ نظر ہو گل بداماں
ظاہر اب آہ کا اثر ہے / ہوتی شبِ ہجر کی سحر ہے
ایران کے علاقہ سے گذر کر / اک دشت میں ٹھہرا ان کا لشکر
شہزادہ نے دیکھا اک کبوتر / پانی پہ گرا جو ہو کے مضطر
اک بازو میں اُسکے خط کو پایا / فوراً شہزادی کو دکھایا
کھولا دونوں نے اُسکو جل کر / دیکھا تو وہ تھا خطِ صنوبر

غمنامۂ اشتیاق تھا وہ — مکتوبِ غمِ فراق تھا وہ
ہر لفظ میں دردِ دل بھرا تھا — درماں کی طلب کا مدعا تھا
لکھا تھا کہ دیکھیں کیا ہوا نجام — آیا شہزادۂ سیہ فام
جلد آؤ تو مجھ کو دیکھ لوگے — ورنہ پھر آکے کیا کروگے
پڑھکر مضمونِ خطِ جاناں — اک دم میں کیا مدد کا ساماں
داراب کے ملک میں پہنچ کر — دیکھا دشمن کو حملہ آور
شہزادہ نے پھرتی سے لیا کام — لاکھوں کئے قتل وہ بد انجام
یوسف کو سمائی دُھن وطن کی — بلبل کو تھی آرزو چمن کی
پھر سوئے وطن چلا وہاں سے — کرتا ہوا شکرِ رب زباں سے
شاداں فرحاں وطن میں پہنچا — مانند صبا چمن میں پہنچا
ماں باپ کے دیکھ کر رواں اشک — کھایا فرقت نے وصل پر رشک
سب چھوٹے بڑے ہوئے بغل گیر — باہم ہوئے مل کے شکر و شیر

جو دل کی مرادیں تھیں بر آئیں
یارب یونہیں شاد ہوں سب آمیں

غزل

اے لامکان بود حرم کبریائے تو — ہر جا نظر فگندہ ندیدم سوائے تو
بے ابتدا نشانِ تو گنجد نہ انتہا — ثابت نمی شود خبر و مبتدائے تو
از جن و انس و حور و ملک جملہ کائنات — کس نیست کو بجاں نبود مبتلائے تو
صد کاروانِ روح رواں اندریں سرا — آمادۂ رحیل بہ بانگِ درائے تو
منصور وار بانگ انا الحق زنم اگر — خیزد ز تارِ تارِ رگِ من نوائے تو
دستِ دعا بجانبِ گردوں کند بلند — ملا بہ وہم ایں کہ بود عرش جائے تو

شاکر خموش مصرعۂ نشنیدۂ مگر
خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تو

شرغہ - پنڈت امرناتھ شرغہ صاحب

آپ پنڈت موتی لال شرغہ صاحب المتخلص بہ عاجزؔ کے فرزند ہیں جناب عاجزؔ کا کلام بلاغت نظام اور اُن کی سوانحعمری اس جلد کے شروع میں درج ہیں - پنڈت امرناتھ صاحب کا ذکر جناب عاجزؔ کے سوانحعمری میں آچکا ہے - پنڈت صاحب موصوف اب بمقام گھرار (گوالیار) سکونت پذیر ہیں -

زندگی انساں کی ہے مثلِ حباب ... ہے نہیں دریا یہ ہے موج سراب
دیکھتے ہیں جو کہ چشمِ ہوش سے ... آتی ہے اُن کو نظر مانندِ خواب
غافل و ناداں تری ہے کیا بساط ... ہے فقط اک قطرۂ ناچیز آب
آج ہستی ہے تو کل کچھ بھی نہیں ... جو بنا ہے آج ہوگا کل خراب
چل دیا بچپن جوانی آگئی ... آگئی پیری گیا وقتِ شباب
اس دوروزہ زندگی پر یہ گھمنڈ ... اور اکڑ اتنی - دلِ خانہ خراب
اب تو شرغہؔ رکھ سنبھل کر تو قدم ... آگئی پیری گیا وقتِ شباب

رباعی

ہشیار رہو اے بشر یہ مستی کیسی ... نخوت و غرور خودپرستی کیسی
کاغذ کی طرح یہ کایا گل جائیگی ... شرغہؔ تو کیا ہے تیری ہستی کیسی

دیگر

جس نے دُنیا کو ایک اُلجھن سمجھا ... مال و دولت کو کالی ناگن سمجھا
نیکی و بدی میں فرق سمجھا جس نے ... شرغہؔ وہی بس اپنا جیون سمجھا

شمیم۔ پنڈت شام کرشن صاحب وکیل

احوال واقعی بذریعہ استوتی

ان تیری چتونوں نے کیا بھرم کو مٹایا
اے ناتھ برتھ کا ہے تو نے چمن کھلایا

رج اور تم ستوگن مایا کے تینوں بالک
دے کر انھیں کھلونا اک گیان کا کھلایا

لائی ہے رنگ کیا کچھ اہل جہاں کی رنگت
نیرنگیوں کا اک رنگ دلدار نے بنایا

لاکھوں کروڑوں عالم حیرانیوں میں حیراں
جب سے برتھ دِوّیا پرچار کر سنایا

اے صاحب کرامت اے واقفِ حقیقت
دانائے سرِّ عالم اے کاشف الہدایا

دلدارِ دلربائی سرشارِ دلکشائی
بھنڈار تو نے کیسا سامِ ستوتی بنایا

سمجھایا ہر طرح سے دکھلایا ہر وضع سے
پر وہ ہیں کم جنھوں نے تیرا ہے بھید پایا

عالم بہت سے آئے جو مست زعم میں تھے
پر اک نظر نے تیری سب چھیل کر دکھایا

ہے بخت اُس کا ہنستا پایا ہے اس نے رستہ
قدموں پہ تیرے جس نے دل سے ہے سر جھکایا

سایہ کی طرح ہر دم قدموں سے لگ رہا ہے
لیکن بتا تو اے دل کیا نور تو نے پایا

دل نے جِلا ہے پائی تجھ سے ہے لَو لگائی

تیری دَیا نے جس پر ڈالا ہے اپنا سایا

کیا راجگان راجا کیا ہے کسان و فقرا

دربار سے ہے تیرے ان سب نے فیض پایا

حاصل ہو تا کہ راحت خاکِ قدم سے تیری

درشن کو تیری شاہا عاصی شمیمؔ آیا

شنکرؔ۔ پنڈت گوری شنکر سپرو صاحب خلف پنڈت کیشو ناتھ سپرو صاحب

آپ کی والدہ محترمہ جسٹس پنڈت شمبھو ناتھ صاحب خوغائی جج کلکتہ ہائیکوٹ کی دختر تھیں۔ آپ ۱۸۶۹ء میں بمقام کلکتہ پیدا ہوئے تھے اور ۲۲ راکتوبر ۱۹۳۱ء کو یکایک دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے بمقام کانپور رہگرائے ملک بقا ہوئے آپ نے کلکتہ اور کانپور میں تعلیم حاصل کر کے تین سال تک کانپور میں وکالت کی اُس کے بعد محکمۂ پولس میں بعہدۂ کورٹ انسپکٹر شاہجہاں پور۔ آگرہ۔ فرخ آباد جھانسی۔ بنارس اور فیض آباد میں قریب تیرہ سال کے نہایت خوبی و قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا۔ آپ کی نامزدگی بعہدۂ سپرنٹنڈنٹ ہوگئی تھی مگر بوجہ ضعف بصارت قبل از وقت پنشن لیکر بمقام کانپور خانہ نشین ہونے پر مجبور ہوئے اور اپنا بقیہ حصۂ عمر عبادت ایزدی میں صرف کیا۔ آپ کی ایک تصنیف موسومہ بہ "جوش محبت" اُردو، ناگری میں شائع ہو چکی ہے۔ آپ کا کچھ کلام مکرمی پنڈت کاشیشر ناتھ صاحب کی توجہ سے دستیاب ہوا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے

فرقت میں بڑھا ایسا کہ پل بھر نہیں گھٹتا
یہ روزِ غم و رنج و مصیبت نہیں کٹتا

وہ آٹھ پہر رہتا ہے کاہش میں فلک پر
کب حسرتِ رخ میں مرکامل نہیں گھٹتا

کیوں دل کی خریداری میں کرتے ہو پس و پیش
چھوٹا سا یہ سودا ابھی نہیں تم سے نپٹتا

سو ٹکڑے ہوا کرتے ہیں پیراہن تن کے　　کب جوشش وحشت میں گریباں نہیں پھٹتا
شنکر کے سوا دھیان کسی کا نہیں مجھکو
میں دل سے شب و روز یہی نام ہوں رٹتا

تجھے در پردہ ہم سے کیوں ہے رنجش　　کوئی بھید اس میں اے عیار ہوگا
ملیں گے حشر میں کہتا ہے وہ شوخ　　اب اس سے بڑھ کے کیا اقرار ہوگا
مری روداد غم آلود سن کر　　پریشاں اور بھی غمخوار ہوگا

جاں صدمہ فرقت سے نکل جائے تو اچھا　　یہ ساری بلا سر سے ہی ٹل جائے تو اچھا
فرقت میں نہیں کوئی انیس دل پُر درد　　گر آہ و فغاں سے یہ بہل جائے تو اچھا
افروختہ ہے آتش غم سینہ کے اندر　　اس آگ سے کل جسم ہی جل جائے تو اچھا
بیمار محبت کو شفا ہوتی ہے مشکل　　لینے کو خبر پیک اجل آئے تو اچھا
آوارہ ہے دل کوچۂ الفت میں بتوں کے　　سمجھانے سے کمبخت سنبھل جائے تو اچھا
اک جلوۂ شنکر سے منور ہو دل اپنا
یہ تیرگی بخت بدل جائے تو اچھا

نہیں پھوٹے یہ آبلے دل کے ابتک　　ہوئی اُن میں پیدا جلن اور تپک ہے
نہ پہلو تہی دیکھ پہلو نشیں ہو　　مرے درد پہلو میں ہوتی چپک ہے
یہ فضل و کرم دیکھ کس کا ہے شنکر
ترے پردۂ دل میں کس کی جھلک ہے

میں دست افسوس مل رہا ہوں چراغ سحری سا جل رہا ہوں
اک آگ دل میں ہے پھنک رہا ہوں، جلے کو کیوں تم جلا رہے ہو
جہاں میں دو دن کا ہے بسیرا کہیں ہے شام اور کہیں سویرا
ذرا میں ہوگا اجل کا پھیرا یہ کس کا بستر لگا رہے ہو

نہ دشمن کی ہو جیسی حالت مری ہے　　کوئی کیوں سنے جو مصیبت مری ہے

کہیں اُس کو سُن کر نہ رحم آئے تم کو
کہ پُر درد ساری حکایت مری ہے
جنوں میں کوئی دشت و صحرا نہ چھوڑا
یہ سودائے الفت میں وحشت مری ہے
بُرائی کا بدلہ ہے دنیا میں نیکی
اسے یاد رکھنا نصیحت مری ہے

شوق۔ پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب

اِدھر مُڑ کر ذرا کاشانۂ دل دیکھتے جاؤ
یہی تو عشق کی ہے پہلی منزل دیکھتے جاؤ
ارے او مرنے والو شوقِ بسمل دیکھتے جاؤ
اِدھر آؤ ذرا اندازِ قاتل دیکھتے جاؤ
ہمارا بخت واژوں۔ ناؤ ٹوٹی۔ ناخدا غائب
محیطِ عشق میں گرداب و ساحل دیکھتے جاؤ
نہ پوچھو دل جلوں سے کیا گذرجاتی ہے الفت میں
مثالِ شمعِ سوزاں رنگِ محفل دیکھتے جاؤ
تماشا ہے تلاطم میں وہ موجوں کی ہم آغوشی
حبابوں سے ہے ہم آغوشِ ساحل دیکھتے جاؤ
قیامت ہے نہیں سنتے گرفتارانِ الفت کی
کہیں کیا سختیِ قیدِ سلاسل دیکھتے جاؤ
تمناؤں کو جلتے خاک میں تم نے نہیں دیکھا
اِدھر آؤ مآلِ حسرتِ دل دیکھتے جاؤ
وہاں پہنچا ہو شوقِ لاابالی تو عجب کیا ہے
کچھ آگے بڑھ چلو وہ عرش منزل دیکھتے جاؤ

لبِ فریاد وا کیوں ہو سرِ شور و فغاں کیوں ہو
زمیں پر حشر قبل از وقت زیرِ آسماں کیوں ہو
کسی پر ہمنفس اظہارِ سوزِ جاں ستاں کیوں ہو
صدائے دردِ دل نکلے تو ہم رنگِ فغاں کیوں ہو
اسی پر جب نیازِ بندگی کا حصر ٹھہرا ہے
نہ میرے سجدہ سر کو بتوں کا آستاں کیوں ہو
بنے گا کون خضرِ راہ پھر صحرا نوردوں میں
ہمارا پائے وحشت زیرِ زنجیرِ گراں کیوں ہو

تجھے معلوم ہو جائے جو حدِ جور بے پایاں
زمیں سے تا فلک ظالم یہ شورِ الاماں کیوں ہو
چھپی باتوں سے سوزِ عشق کی ہے درد دل واقف
پھر اس محرم کے ہوتے دشمنِ جاں رازداں کیوں ہو

ہمیں تو ایک ساغر بھی کہیں مانگے نہیں ملتا — چلو بھی میکدہ کو بیعتِ پیرِ مغاں کر لیں
کہاں کی ناصیہ سائی کہاں کی آستاں بوسی — وہی ہے خانۂ حق بیٹھ کر سجدہ جہاں کر لیں
مجالِ ضبط بھی تو اب جوابِ صاف دیتا ہے — اُڑا جاتا ہے رنگِ رُخ اسے کیونکر نہاں کر لیں
خدائی کا ہے دعویٰ ان بتوں کو دیکھئے کیا ہو — اُدھر بھی ایک سجدہ آؤ پھر امتحاں کر لیں
رہی جاتی ہے باقی اک خلش دل میں ۔ کہاں تک ہیں
چلو چلتے چلاتے یہ بھی صرفِ دشمناں کر لیں

اس کی تصویر کا نقشہ کسی صورت میں نہیں — جلوہ افروز کوئی چشمِ بصیرت میں نہیں
حدِ احساسِ گنہ پردۂ رحمت میں نہیں — لطفِ عصیاں میں جو پایا وہ ندامت میں نہیں
بے خبر دیکھ تو نیرنگیِ عالم کی فضا — جس سے رونق تھی وہی بزمِ محبت میں نہیں
شوخ چشمی تری کہتی ہے نظر بازوں سے — پردۂ رازِ مجاز اور حقیقت میں نہیں
مست ہو جانے کو ہیں اُن کی نگاہیں کافی — حاجتِ بادہ و خم بزمِ حقیقت میں نہیں
دیکھنے کے لئے ہم دور سے آئے تھے ۔ مگر — ایک دیوانہ بھی دیوانِ قیامت میں نہیں
عکس افگن دلِ عاشق میں خیالی ہیکر
آئینہ ہے کوئی تصویر حقیقت میں نہیں

دل کہاں تھا جو ہم فدا کرتے — رہ کے دنیا میں کیا وفا کرتے
اک قیامت گذر گئی شب بھر — رات کاٹی خدا خدا کرتے
مرحبا مرحبا دلِ غم کش — تھک گئے وہ بھی اب جفا کرتے
بابِ ایجاب آہ ۔ وا نہ ہوا — ہو گئی صبح تک دعا کرتے
آ ہی جاتی جو موت فرقت میں — جان دیدیتے اور کیا کرتے

جان دیتے ہی بن پڑی آخر / اور کیا ترکِ مدعا کرتے
نہ اُٹھی وہ نقابِ رُخ نہ اُٹھی / تھک گئے ہونٹ التجا کرتے
تھا وہ آنکھوں میں دیکھنا تھا جسے / چشم کیا وقتِ مرگ وا کرتے
وائے برحالِ عاشقِ محزوں / عمر جس کی کٹی وفا کرتے
ہم تھے حرماں نصیب دنیا میں / کیا غمِ ترکِ ما سوا کرتے
دل میں احساس ہی نہ تھا باقی / درد ہوتا تو کچھ دوا کرتے
جاتے کعبہ میں بُت پرستی کو / یہ بھی اک فرض تھا ادا کرتے

شوق پھر لطفِ سوزشِ دل تھا
شعلے اُٹھ اُٹھ کے گر بجھا کرتے

علاجِ دردِ جگر چارہ ساز رہنے دے / مزہ اسی میں ہے سوز و گداز رہنے دے
فریبِ ناز بقدرِ نیاز رہنے دے / جنونِ عشق میں کچھ امتیاز رہنے دے
چھپائے رازِ محبت کوئی ہزار۔ مگر / نگاہِ شوق بھی کمبخت راز رہنے دے
ابھی تو دور بہت ہے وہ آستانۂ ناز / ابھی سے سجدے جبینِ نیاز رہنے دے
وہ دورِ بادۂ رنگیں وہ دلفریب نظر / خدا ہی ہے جو مجھے پاکباز رہنے دے
حریفِ حسنِ حقیقت نہیں نظر کوئی / پئے حجاب نقابِ مجاز رہنے دے
نہاں ہے وحدت و کثرت میں ایک ہی جلوا / فریب اے نگہِ امتیاز رہنے دے
سوال کی کبھی عادت نہیں مگر پھر بھی / مجھے بھی کچھ مرے عاجز نواز رہنے دے
نہ پوچھ دل نے خطا کی کہ تیرے ناوک نے / جو کچھ ہوا سو ہوا۔ دل نواز رہنے دے
حریمِ ناز میں ظاہر ہے بے زبانیِ شمع / اُسی کو محرمِ راز و نیاز رہنے دے

وہ زود رنج ہے اور وقت مختصر اے شوق
حکایتِ گلہ ہائے دراز رہنے دے

فکرِ خرد و ہوش سے بیگانہ بنا دے / اے جلوۂ رسوا مجھے دیوانہ بنا دے
اے حسنِ ازل اپنی اداؤں کا تصدق / اندیشۂ کونین سے بیگانہ بنا دے

پا بوسی جاناں کی تمنا تو نہ رہ جائے
کچھ ہو مجھے خاکِ درِ جانا نہ بنا دے
بے کیف نہ رہجائے کہیں قصۂ الفت
روداد دلِ زار کو افسانہ بنا دے
آیا ہوں میں اب بارگہ نازمیں اے حسن
سر خم ہے اسے سجدۂ شکرانہ بنا دے
رہجائے بہکنے سے نہ ساقی کوئی میکش
ہر دور کو گردشِ مستانہ بنا دے
دیکھا کروں کب تک میں یہ نیرنگِ تماشا
اے کاش مجھے اپنا ہی دیوانہ بنا دے
جل بجھ کے کہیں خانۂ دل بھی ہو اے شوق
اس کو تو کسی شمع کا پروانہ بنا دے

نئی روداد ہے دل کی نرالا جس کا عنواں ہے
بتائیں کیا عجب مضمون اوراق پریشاں ہے
مرے نازو نیازِ عشق میں اک رازِ پنہاں ہے
عیاں ہے حسن کے پردے میں در پردہ نمایاں ہے
خوشا قسمت حریم ناز کا وہ اٹھ گیا پردا
نگاہ شوق سے مت پوچھ کیا دیکھا جو حیراں ہے
نہ وہ خونابہ افشانی نہ وہ اب جوشِ گریہ ہے
مری اتری ہوئی تصویر سے آئینہ حیراں ہے
ترے تیرِ نظر سے کوئی سیکھے ناوک اندازی
کھٹک ہے دل میں۔ پہلو میں خلش سینہ میں پیکاں ہے
مزہ دیتی تھی کیا کیا بیخودی دل کی بیتابی
وہی دل ہے کہ اب اُس کا کوئی خواہاں نہ پرساں ہے
بھانتک دھجیاں مل جائیں بکھری میرے دامن کی
سمجھ لینا وہیں تک وسعت حدِ بیاباں ہے
ہمارا قصۂ غم برزبانِ بے زبانی ہے
زبانِ شمع کیا کہتی وہ خود ہی سوختہ جاں ہے
زمیں کا چپہ چپہ چھان ڈالا شوق وحشت میں
مگر دیکھا کہ ہر جا گردشِ گردونِ گرداں ہے



پنڈت امرناتھ صاحبین ۔ شیدا

شیدا - پنڈت امرناتھ صاحب جبین رازدان صاحب خلف پنڈت کنہیالال صاحب

تذکرہ ہذا کی جلد اول میں صفحہ ۵۳۳ سے صفحہ ۵۳۵ تک آپ کا کلام درج ہے۔ آپ کا دیوان اور فوٹو جلد اول کے طبع ہونے کے بعد دستیاب ہوا اور سوانح عمری بھی اسی کے ساتھ معلوم ہوئے۔ آپ ماہ دسمبر ۱۸۳۶ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اور آپ کی تعلیم صرف فارسی میں ہوئی۔ آپ بہت کم عمری میں اسسٹنٹ کمشنر "مسٹر ایڈمنڈ پرنسیپ" کے اجلاس پر اہلمد مقرر ہو گئے تھے۔ ۱۸۵۸ء میں پنجاب سے معہ خاندان روانہ ہو کر کوچ مقام کرتے ہوئے لکھنؤ آئے جہاں آپ کے والد پیشتر ہمراہی کرنل ماشٹ گمری آ گئے تھے۔ لکھنو آکر آپ کو ضلع کی نظارت ملی۔ جب مسٹر کاننگی ڈپٹی کمشنر لکھنؤ نے راجہ لال مادھو سنگھ تعلقہ دار ریاست گڈھ امیٹھی سے آپ کے والد کی سفارش کر کے انھیں منصرم ریاست مقرر کرایا تو حضرت شیدا بھی نظارت سے مستعفی ہو کر وہاں چلے گئے۔ راجہ صاحب نے آپ کو مصاحب خاص اور اپنا معتمد بنایا۔ تا زیست آپ اسی ریاست میں رہے۔ آپ کا نا تمام دیوان فارسی ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔ فارسی میں ایک مثنوی دریائے عشق اور اردو میں بہار عشق تصنیف کی۔ فارسی مثنوی مطبوعہ اور اردو قلمی آپ کے فرزند پنڈت مہاراج کشن صاحب ندیم کے پاس موجود ہے۔ خیالات شیدا کے نام سے ایک کتاب بزبان فارسی تصوف میں تصنیف کی تھی یہ بھی طبع ہو گئی تھی مگر اب نایاب ہے ۲۱۔ مارچ ۱۹۰۴ء کو بمقام لکھنؤ بعارضۂ طاعون آپ نے وفات پائی۔

در صفت بنارس

جبین سودۂ نیاز انسب بسنگ آستان اینجا ۔۔۔ خوشا آور وائے نادان ترا بخت جوان اینجا
ہزاران سجدہ برہر گام لازم زانکہ ہست ای دل ۔۔۔ پرستشگاہ اعلیٰ خطۂ ہندوستان اینجا
بنارس سرزمین پاک و افضل معبد عالم ۔۔۔ ملایک را تمنا کے شویم از مرو مان اینجا

صفائے بخت ز آبِ گنگ حاصل ظاہر و باطن تجلّی خیز گردد کوہ جسمِ عاصیان اینجا
بہ یک نظارہ کم گردد اگر خروارہا باشد زجنسِ معصیت گرد سبک۔ بارِ گران اینجا
مقامِ پاکِ وحدت خیز۔ کز دیدِ بتانِ او شود مستغنی از جنّت طلبگارِ جنان اینجا
فرو گسترده خوانِ نعمتِ ہر دو جہان۔ تو بہ خطا کردم۔ کہ خود گردیده نعمت میزبان اینجا
بہ کامل اعتقاد اینجا گدائی بہتر از شاہی ملاذ تر ز نعمت ہائے دنیا۔ پارہ نان اینجا
بہ چشمِ دل کشد حورِ بہشتی میل از خاکش یقین باداکہ صد فردوس و جنّت بیگمان اینجا
ہر آنکو داد در دستِ اجل خود را۔ بکن باور کہ شد واصل بحق۔ ہم یافت عمرِ جاودان اینجا
مراز ماہ تا ماہی۔ نیامد در نظر مثلش کہ ہست از دو جہان بیرون۔ زمین و آسمان اینجا
ز پنج عنصر نشان جوئی۔ اگر بشنو بگوشِ دل عطا، بخشش۔ کرم، عفو و عنایت، مہربان اینجا
دلم مست است از حسنِ گلو سوزش بسا خواہم سخن از بس لطافت خود نیاید بر زبان اینجا
خلافِ شرع و عقل است از کسے چون و چرا گوید شود کافر اگر آرد بدل شک و گمان اینجا

بہ وصفش دم زدن شیدا چہ خبط است۔ این نمیدانی
بیاں گم کرد در توصیف۔ کلکِ دو زبان اینجا

رباعیات

یکسو شدہ رہ برو کہ راہے یابی از نیک و بدِ جہان پناہے یابی
گر بر ہمہ دیدہ ہوس بکشائی از سوزِ درونِ خویش آہے یابی

دیگر

دیدم بخود و خیال کردم بہ دگر فی الجملہ ہمہ یکیست ہر فردِ بشر
لیکن ہمہ از خودی ست این جملہ حجاب بیخود چو شوم سرِ حق آید بہ نظر

دیگر

زابتدا این دلِ بیتاب طپیدن دارد بلبلے ہست تہ تیاسئے پریدن دارد
می نماید ہمہ شیدا بسوئے اصل رجوع زین سبب مرغِ دلم شوق رسیدن دارد

قطعات

بسے بطرفِ گل و گلستان نظر کردم بسے بہ درد و غمِ خزان آہ و نالہ سر کردم
کنون نہ خواہشِ جنّت نہ رنجشِ دوزخ بہ دل تفاخرِ اعراف سر بسر کردم

ولہ

در دیر و حرم دوئی شمارند جہان / ہر دو بہ دو دیدہ من یکے می بینم
یک گام بہ دیر و دو حرم گام دگر / بیجا ہمہ این تاز و تگے می بینم

غزلیات

الٰہی دُر فشان از حمد کن دُرجِ دہانِ ما / پسندِ خاطرِ اہلِ زبان گردان بیانِ ما
دہانِ من اگر یارب سخن را نذرِ تو راند / بہ اسمِ پاکِ تو جنبد اگر جنبد زبانِ ما
بجود و رحیم تم آیا کدام و از کجا ہستم / چہ می پرسی ز من اے جانِ من نام و نشانِ ما
ز روزِ حشر باکے نیست شیدا اندرین عالم / ز تن ما خاکِ جسم و دودِ آہم آسمانِ ما

در عشقِ بتان دل ز برم گم شدہ مارا / اے ہادیِ من راہ نما راہِ خدا را
تسکین دہ دل شد و بہ امیدِ شبِ وصلت / چون غنچہ دمِ صبح مکن چاک قبا را
این گلشنِ ہستی ہمہ گلگشتِ طلسم است / بینی چو بہم چشم زنی ملکِ بقا را

ولہ

اے آہ و نالہ کاش بہ غمخواریم رسد / از دست رفت صبر و شکیبم توان و تاب
ساقی بہ لطف مید بدت جام غم مخور / اے دل بنوش بادہ عذاب است یا ثواب

ولہ

عشق شد از من بہ عالم من ز عشقم نامور / بر زبانِ خلق چندین داستان داریم ما
ناصحا منعم مکن از نالہ و آہ و فغان / خود بہ دل انصاف کن آخر زبان داریم ما
از من اے شیدا مشو بیزار کاین بے سود نیست / عرضِ حالِ خویش در ضمنِ فغان داریم ما

ربط و ضبطِ دردِ ہجرِ بے وفا کردیم ما / زین نمط این بوالہوس دل را سزا کردیم ما
بر سرِ بالینم آن بت آمد و پرسید حال / از سکوت آہِ رسا را نارسا کردیم ما
مرحبا صبر و تحمل آفرین جوشِ جنون / خویش را وقفِ ستم جور و جفا کردیم ما

ولہ

سرمستِ الستی ز شریعت چہ سرو کار / بوسہ بہ لبِ چشم بدہ جام و سبو را
بردار ز چشمِ دلِ خود پردۂ غفلت / بگذار بہ ذوقِ احدی این من و تو را
بر خنجرِ تسلیم و رضا نہ ز سرِ شوق / خواہی چو حیاتِ ابدی پاے گلو را

بہر چہ تلاشِ صنمِ خود کنی اے دل　　ساکن شدہ در خویش بہ ہمین صورت اورا
مقبول شود تا کہ نمازت دلِ شیدا
لازم کہ بہ مے پاک کنی دست وضو را

حسرت بسوخت در دلِ من آبِ دیدہ را　　پرواد یاس۔ طائرِ رنگِ پریدہ را
فرقت چہ۔ وصل چیست۔ ہوا و ہوس کدام　　ہوش و حواس تنگ بود دل رسیدہ را
محوِ خیال باش دلا خواہی ار وصال
از خامشی بدوز دہانِ دریدہ را

آرزوے دگرم در دلِ خود رفتہ نماند　　جرعۂ تازۂ عشق بہ کام است اینجا
مشربِ رندی و ہم سنتِ من بادہ کشی　　گر ز مے ترک کنم زیست حرام است اینجا
شیخ از گردشِ تسبیح بخود نازان است　　مرغِ دل را اگر این دانہ و دام است اینجا
نکند کار بر او آتشِ دوزخ شیدا
ہر کرا بادۂ گلرنگ بجام است اینجا

این گہرباری من بین کہ اگر مردمِ چشم　　شکوہ آرد بلب از وسعتِ دامان چہ عجب
فصلِ گل مست وطن میدہدم یاد اگر　　سر کند وحشیِ من راہِ بیابان چہ عجب

ولہ

ناطاقتم چنان ز جفائے فراقِ یار　　بر لب نیامدست فغان عمرہا گذشت
شیدا مپرس ہیچ ندانم ز دستِ ہجر
بر دل گذشتنی است چہ رنج و چہا گذشت

ناصح بہ ذہنِ خویش خرا باتیم مدان　　لا مذہبی بہ دہر۔ ہمین حکمِ دینِ ماست
از شہر تو بہ دشت نہادم ز دستِ ہجر　　ہر جا کہ پا زدیم عدو در کمینِ ماست
شیدا مپرس از ستمِ یارِ بے وفا
عشقِ ستمگرے ز نوشتِ جبینِ ماست

عاقلی غفلت مکن در کارِ خویش انجام کار　　جاہلان را تہمتِ ناکردہ کاری میرسد
بیر من این نکتہ از دفتر نمودست انتخاب　　بیخبر از خود بہ اوجِ ہوشیاری میرسد

در فراق و بیکسی شیدا اشو دست از امید
مژدهٔ وصل از سروش فضلِ باری میرسد

موج چشمی طوفان دیدهٔ تر میزند
شور آه و نالهام پهلو به محشر میزند

ناصحا مخراش گوش من به پند این و آن
گفتگویت بر رگ جان زخم نشتر میزند

مرحبا جوش جنون این چاک بی تدبیر من
دست حیرت بر سرِ عقلِ رفوگر میزند

داغِ دل شکلِ ارم اشک روان چون سلسبیل
دیدهٔ پُر نم کنون چشمک به کوثر میزند

ساقی لیل و نهار از من چرا این بیرخی
واژگون بر دورِ من هر لحظه ساغر میزند

شیشهٔ دل را مجلّا کن بفضلِ احدیت
هر کجا خواهی که بینی دلربا سر میزند

دوش شیدا بر درِ میخانه از پا اوفتاد
جام مَے امروز با ساقی کوثر میزند

سالکِ راهِ جنونم واقفِ اسرارِ عشق
کاملِ رمزِ محبت داست سودای دگر

عاشقِ خود رفته را یکسان نماید هجر و وصل
حیف آرم در دلِ مضطر تمنای دگر

فهمِ معنی کلام عاشقان بس مشکل است
گفتگوی عشق دارد رمز و ایمای دگر

گلشنِ ایجاد شیدا سر بسر وقفِ خزانست
بس همی خواهم که گیرم جای در جای دگر

بزمینِ مقدمت ای حضرتِ فراق سلام
رهینِ منتِ صبرم این کمالم بس

کرا دماغ بجز رمزِ عشق گوش کند
سری که هست همین دوش راه بالم بس

زبان خموش دهن دوختم به صبر و شکیب
به درسِ عشق ز دل رفت قیل و قالم بس

کمال عاجزم از سختِ جانی شیدا
دگر مپرس ز ما حالِ انفعالم بس

چون شب که پرده داری عشاق میکند
دل را بود به درد و الم رازدار داغ

اظهارِ کیفِ هجر ز من این کرا دماغ
گویند و هان عرض شده حالِ زار داغ

منت کشم ز هجر که از لطفِ او بمن
همدردِ آه و ناله شد و غمگسار داغ

بیتابیم بہ عشق ببین - باصد آرزو جان خواستگارِ درد۔ دلم خواستگارِ داغ
حاجت بہ شمع چیست کہ در عشق شعلہ رو
شیدا چو کارِ شمع کند بر مزار۔ داغ

آتشے کو تا شرر در گنبدِ اخضر زنم نالۂ از دل برآرم شور در محشر زنم
بارگاہے کو کہ دادِ جور دریا بم ازو کو جنابے تا سرِ تسلیم را بر در زنم
فکر این و آن چہ سودا ے دل بعضاے اُو بجو بر سرِ عقل و خرد تا چند خاکستر زنم
چشم جام و دل صراحی۔ میکشم خونِ جگر ساقیِ خود خود شوم لب بر لبِ ساغر زنم
باش مرغ دل مرو در کوے گلرویانِ دھر
من نمیخواہم چنین آتش بہ پشت پر زنم

خدارا بندہ ام تا زندہ ام رحمے بحالِ من گذشت عمرے کہ از دستِ جفا دست و گریبانم
مدہ پیرِ فلک از دست خود مہمان نوازی را بہ غربت از وطن افتادہ روزے چند مہمانم
زداغ ہجر از بس سوخت جانم نیست عجب نبود طلوعِ آفتابِ حشر باشد از گریبانم
مریدِ عشقم و پابندِ الفت۔ مشربم رندی
بحالِ خود خوشم شیدا مپرس از دین و ایمانم

بر غمِ ہجر مبتلا چہ کنم آہ این درد را دوا چہ کنم
سرنوشتم خدا چنین بنوشت شکوہ از یار پُرجفا چہ کنم
از فغان ناصحا مشو مانع فردم از ہجر دلربا چہ کنم
نالۂ و آہ را کنون اثرے
نیست شیدا بجز رضا چہ کنم

بہ ضمنِ خامشی نالہ فروش حسرت دیدم دلیلِ داد خواہی ہاست یا جورِ جفا سازم
بہ اندک نیستم منت کش پیرِ فلک شیدا
بلند از بیکسی شوریش چرا دستِ دعا سازم

ہر چند مختصر کنم اظہارِ دردِ ہجر پہلو زند بہ طولِ کلام۔ اختصارِ من

یارب شد اضطراب نصیب من از ازل گاہے نیارمید دلِ بیقرارِ من

ولہ

صاحب نظرا دیدہ بتان یک نظرے کن بازار جہان را نظرے خوش گذرے کن
گر اہل دلی ولولۂ عشق بہ جوش آر بگذر ز ہوس ہا و نظر بر دگرے کن
تا چند بہ کنج ہوسی پاے بہ دامن از خانہ برآ جستجوے نیک درے کن
شیدا ہمہ جا دانہ و دام است درین راہ
ہشدار و زما با دلِ نادان خبرے کن

قسمت شد از ازل بمن این آہ و نالہ ہا دلدادہ ام چگونہ نگویم کہ ہاے تو
ترسم چگونہ آہ کشم گریہ چون کنم ہم دل مقام تست ہم این چشم جاے تو
تا کے جفا ز آہِ ستم دیدگان بترس اے بت ہمان خداے منست و خداے تو

ولہ

میروم از خود بہ یادِ حسرتِ دیدار لیک شوق می آرد کشانم در حصارِ آرزو
اشکِ مژگان در چکیدن پاے بندِ حیرت است از ترددِ فارغم اندر کنارِ آرزو
سوختم در حسرتِ وصل و فا دشمن ازان در دلِ بے صبرِ خود کردم مزارِ آرزو
چند شیدا پا بہ زنجیرِ ہوس باشی بہ دہر
از حسابِ فہم بگذشتہ شمارِ آرزو

مرضِ من نشود بہ بہ مداواے کسے مگر آن دم نہم سر بہ کفِ پاے کسے
عاشقم - عاشق سرگشتہ و رسواے جہان در دلم نیست بجز جاے کسے جاے کسے
واعظا پند مفرما بحقِ این شیدا
خود فراموشم و حیران بہ تمناے کسے

پروانۂ آن شمعم جان دادنم آسان است چون شمع ز سر تا پا می سوزم و می سازم
مرغیم ستم دیدہ یارب مددے مددے یاراے فغانم نے نے طاقتِ پروازم
تفتیش مفرمائید حالِ دلِ این شیدا
واجب نہ بود حاشا افشاے چنین رازم

ز صورت معنیش نشناختم سہو و خطا کردم دلِ فرزانۂ خود در سرِ نازو ادا کردم

بہ وادی کاروان سالارِ عشقم ناصحا خامش
بگو چیزے کہ آہ و نالہ آوازِ درا کردم
بر سرِ اوجِ فلک تابندہ اختر یافتم
کاملِ راہِ حقیقت عشق رہبر یافتم
جوششِ سودائے دل از گریہ افزون تر شود
ریختم از دیدہ آبے لیک اخگر یافتم
از ہوائے این و آن شیدا تعدارا در گذر
در ہمہ علمِ جہان این نکتہ بر تر یافتم

مقیمِ ملکِ عشقم اُنسِ یارانِ وطن دارم
بہ دل از نالۂ و آہ و فغان یک انجمن دارم
زبانم شمع سان لال است در اظہارِ آن ناصح
بہ عشقِ شعلہ رو در دل چہ لطفِ سوختن دارم
چہ می پرسی چہ با من کرد شاہِ عشق۔ می نازم
نصیبِ ہر کس و ناکس نباشد آنچہ من دارم
ہمہ سامانِ عشرت سوخت شمع خانہ ام شیدا
بہ پہلو نیست دل۔ آتش بہ زیرِ پیرہن دارم

اگرچہ در نظر یکسر خموشم
ولے بر اہلِ دل فریاد کوشم
مریدِ عشقم و عیشم ہمین بس
فغانِ گریہ باشد نائے و نوشم
زبس رندم ندارم باک از حشر
قیامت خیز باشد یک خروشم
چہ افسون زد نگاہِ نیم مستش
کہ از دل صبر و از سر رفت ہوشم
ز دستِ عشق شیدا جام بر گیر
ندا آمد ہمین دوش از سروشم

مرحبا حضرتِ دل آنچہ تو با ما کردی
آفرین حوصلۂ گم شدہ پیدا کردی
پیش ازین آہ بلب دست و گریبان بودم
رازِ سر بستہ الفت ہمین افشا کردی
عقل و ہوشِ من ازین کار بہ حیرت در رفت
وحشتم وادی و ہم محوِ تماشا کردی
دم بخود باش بہ فرحتِ دلِ شیدا خاموش
از فغان صورتِ محشر ہمہ برپا کردی

وفا دشمن ستمگارے نگارے
بہ حیرت گشتہ شیدا از در و زارے
جگر پُر سوزم و بر لب فغان ہا
دلِ پُر درد و چشمِ اشکبارے

کنوں می بینم انجامش چہ باشد بہ دست و دامن افتاد است کارے
مرا اے سر گروہ بے وفایاں بہ ذیلِ جاں نثاراں کن شمارے
نزیبد عشق را شیدا ہر آنکو
نہ صبر آرد نباشد بُرد بارے

شیفتہ۔ پنڈت شیام کرشن صاحب گورٹو

(ماخوذ از رسالہ "زمانِ سرور" لاہور مارچ ۱۹۳۲ء۔ رسالہ مذکور میں یہ درج نہ تھا کہ آپ کہاں قیام پذیر ہیں)

مکالمۂ گُل و بُلبل

بُلبلِ شیدا نے پوچھا گُل سے یوں روزِ بہار اے گُلِ رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار
صبحِ صادق نے تجھے کس غم سے پژمردہ کیا کیوں بہے جاتے ہیں آنسو چشم سے زار و نزار
کھلکھلا کر ہنسکے یوں گُل نے کہا بُلبل سے پھر جو بیاں تو نے کیا سب کھیل ہے ناپائدار
ہر رگِ گُل ہو گیا کانٹا خزاں کے دور میں جو کھٹکتا رہ گیا بُلبل کے دل میں مثلِ خار
تجھکو لازم ہے کسی گُل سے نہ ہرگز دل لگا یاد میں اُس باغباں کے کر تو اپنی جاں نثار
جس نے گُل کو رنگ و بو بُلبل کو ہے نالہ دیا
گُل پہ گُل افضل دئے ہیں شیفتہ کو صد ہزار

صبا۔ مرزا راجہ شنکر ناتھ صاحب

آپ کے دو شعر جلد اول میں درج ہیں۔ حضرت کیفی دہلوی نے صبا کی ایک غزل ارسال فرمائی ہے جو بصد شکریہ درج کی جاتی ہے۔ یہ غزل ایک قلمی نسخہ مجالس رنگین کی مجلس شصت و پنجم سے نقل کی گئی ہے۔

بیاں کیا کیجئے جو کچھ کہ ہم پہ درد و غم ہوگا میاں جاتے ہو تم یاں سے عجب برپا الم ہوگا
تمھاری یاد میں گذریگا مجھکو رات دن روتے نہیں معلوم اور دل پر مرے کیا کیا ستم ہوگا

اگر تُو مبتلا ہوتا کسو پر تو سمجھتا کچھ
تری جانے بلا جو کچھ کہ مجھ پر اے صنم ہو گا
غضب بیرحم ہے جو تجھکو رحم آتا نہیں مطلق
جو کوئی اور دیکھے گا مجھے وہ چشم نم ہو گا
غلط سمجھا ہے تو پیارے۔ رہے یہ یاد کیا امکاں
قرار اس دل کو میرے آہ تجھ بن ایک دم ہو گا؟
ہمیشہ داغ پر یہ داغ کھاتا ہے مرا سینہ
کوئی دن میں جو دیکھو گے تو یہ رشکِ ارم ہو گا
صبا کسو واسطے ہوتا ہے مضطر دل میں تُو اپنے
لکھا لایا ہے جو قسمت میں وہ کب بیش و کم ہو گا

صبا۔ پنڈت کیلاس کول صاحب میگزین ساکن زمیندار محلہ متصل حبہ کدل سرینگر کشمیر

آپ پنڈت لالہ کول صاحب کے صاحبزادے تھے اور ۱۸۶۹ بکرمی مطابق ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب آنجہانی کے درباری پنڈت جناب رام کشن صاحب نے آپ کی قابلیت اور تدبر کو مدّنظر رکھ کر آپ کو مہاراجہ صاحب کے حضور میں پیش کیا اور ریاست میں کسی ذمہ وار عہدہ پر مامور کئے جانے کی سفارش کی چنانچہ آپ جموں میں میگزین (محکمۂ بارود و فوج وغیرہ) کے افسر اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ آپ کے برادرِ خورد پنڈت راجہ کول بھی اسی طرح اپنی قابلیت اور ذہانت کی بدولت سرینگر میں میگزین کے افسر تعینات کئے گئے۔ اسی وجہ سے آپ کا خاندان میگزین کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرتِ صبا اپنے وقت کے ایک قابل۔ عالی دماغ اور ذی استعداد عالم و شاعر سمجھے جاتے تھے۔ مشہور ہے کہ اُس وقت کے دیگر اساتذہ آپ کے آگے زانوے ادب تہ کرتے تھے اور بعض بعض موقعوں پر آپ سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ آپ علم نجوم و ہندسہ میں بھی صاحب کمال تھے۔ عربی فارسی میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ اچھے اچھے صاحبِ مذاق پُرانے اُستادوں کے اشعار کے معانی اور تشریح سمجھنے کے لئے آپ سے وقتاً فوقتاً امداد طلب کرتے تھے۔

آپ فقط عالم اور شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک اچھے مدبر اور کارپرداز بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ذمہ وار عہدہ کے فرائض تادم مرگ بوجہ احسن انجام دئے۔ آپ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں سرگباس ہوئے۔

آپ کے کلام میں سلاست اور کہنہ مشقی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں ایک نقص یہ ضرور ہے کہ کشمیری زبان کے الفاظ اور تراکیب زبانِ فارسی کے ساتھ غیر مربوط طرز میں اور بے پروائی سے استعمال کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ دستبردِ زمانہ سے آپ کے کلام کا بیشتر حصہ تلف ہوا ہے۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

دلا پرہیز از سحرِ نگاہ دلربائے او — کہ آہو گشت سودائی زچشم سرمہ سائے او
خیالِ جلوہ اش از سر نمے گردد برون ہرگز — کہ طرحِ سرنوشتم ریختند از نقشِ پائے او

ولہ

صبحِ وصال چون دمد روئے نما کہ اینچنین — شامِ فراق چون بود زلف کشا کہ اینچنین

ولہ

بسمل شدے آن مژہ خنجر نہ شدے گر — دل خون شدے تیر تو نشتر نہ شدے گر
از دورِ دو چشمِ تو کرمیدا و نشانم — خضرِ رہِ من گردشِ ساغر نہ شدے گر
کے بستمے این رشتۂ زنار بہ گردن — از سرکشیِ آن زلف چو کافر نہ شدے گر

گرد گلِ روے تو صبا راہ نمے یافت
بوے خطِ مشکینِ تو رہبر نہ شدے گر

تو بر بالاے سروِ فتنۂ من شیدا بہ گلروئے — کشم من نالہ چون بلبل تو ہم کن شیون القمری
زسبزانِ جہان ہرگز نمے بیند صبا یاری
عبث داری خیالِ سرو وا ز دل افگن القمری

باشد بدل خیالِ لبِ یار شیشہ را — ریزد شرابِ لعل ز گفتار شیشہ را
بنماے روے تا ز دلم خون چکد برون — از آفتابِ بادہ بجوش آر شیشہ را

آباد کرد چشمِ خرابت دلِ صبا
بلیتم مدام آب ز خمار شیشہ را

خندان چو سروِ من بہ چمن جلوہ گر شود
بیدل شود صنوبر و گل پردہ در شود

آئی اگر دمے بہ سرِ من پئے نثار
چشم سفید سیم و سرشکم گہر شود

روزم سیاہ شد چو فگندی بروے زلف
برچین ز رو نقاب کہ شامم سحر شود

مستانہ جلوہ گر بہ چمن چون شود صبا
میناز سرو جام ز گل در نظر شود

لعل لبش چون بہ سخن میرسد
آب بہ دُرِ ناب بہ من مے رسد

گرم سخن چون شوی اے مستِ ناز
ہوش بہ سر جوش بہ تن مے رسد

چنان شعلہ در سینہ زد سوزِ عشقش
دل کہ شد رشتۂ شمع تارِ گریبان

بہار است از جوشِ گلہاے حسنش
بیا اے جنون سازگارِ گریبان

چکد خونِ داغِ تو از سینہ بیرون
کند گل عجب لالہ زارِ گریبان

ماہِ من از چہ کشی از منِ شیدا دامن
نہ زدم چاک بہ جیب از غمِ تو تا دامن

خود بخود سوختم از سوزِ تو بر آتش رو
اے ستمگر مزن از زلفِ چلیپا دامن

سرو دارد ز قدش خواہشِ موزونیِ خویش
زان نمودہ است بہ گلشن چو گدا وا دامن

عجب نبود اگر از نازِ چشمش بر سرِ گردد
ز بالین کے شنید ستی کہ سر بیمار بردارد

بود اندازِ گلگشتِ چمن جانانۂ ما را
بگو بلبل صبا را گز سرِ رہ خار بردارد

اشکِ بے اختیار را چہ کنم
طفلِ دیوانہ وار را چہ کنم

میگرفتم قرار اندر صبر
این دلِ بیقرار را چہ کنم

کردمے دردِ دل بہ سینہ نہان
دیدۂ اشکبار را چہ کنم

من نخواہم صبا خراب شوی
چشمِ مخمورِ یار را چہ کنم

لالہ از رشکِ آن رخِ گلگون
از عدم داغدار مے آید

گفتمش دل نہم چو آئینہ پیش
گفت از وے غبار مے آید

کے جدا ماند بہار از جوششِ مستانہ ہا   کز سرِ ہر شاخ زد گل خندہ چون پیمانہ ہا
اشکِ من بر یادِ زلفش گر مکرر شد چہ شد   ریختہ را وا نمیم بود سر رشتہ با دُر دانہ ہا

از دو چشمِ مست او پُر خون دلِ من شد صبا
آرے آرے شیشہ پُر میگردد از میخانہ ہا

گر ز حرفِ لبِ میگونِ تو سازم تقریر   یکقلم خامہ سیہ مست شود در تحریر
چہ عجب حلقہ زد از زلف بگردِ چشمش   ہیچ خونخوارہ ندیدم کہ بود بے زنجیر

ولہ

جوہرِ آئینہ یا تحریرِ لوحِ سر نوشت   بر سرِ پیشانیش چین اینچنین یا آنچنان
غنچۂ باغِ حیات یا چشمۂ آبِ بقا   در تکلم آن دہان بین اینچنین یا آنچنان

ولہ

بہ بین در زیرِ ابرو چشمِ مست یار اے زاہد   بزیرِ طاقِ محرابے نشستہ بادہ پیمائے
ازان شو غمزہ زن نرگس ازین سو چشمِ جادو کیش   تماشا در تماشا ہست یا ران تماشائے

ولہ

بہار آمد جنون سر زد خرد بردار دست از من   کہ چون مجنون نہم پائے ز صحرائے بصحرائے
دلم بگذاشتی اے غم گزیدی ہمدمے دیگر   چہ دیدی از دلم برگو بیا بنشین دمے دیگر
خیالِ طاقِ ابروئے بدلداری مگر زاہد   کہ گردد از قدت در سجدہ ہا ظاہر خمے دیگر

ولہ

لالہ تنہا نے ز داغِ روئے او صحرائی است   نافہ ہم از بوئے چینِ گیسویش سودائی است
ہر سرِ سرکش فتد بر خاک آخر از خودی   در چمن فوارہ ہر دم سرنگون ازمائی است
از ملامت کے ز مردم وارہم زین اشکِ شور   طفل چون بدخوے باشد باعثِ رسوائی است

ولہ

ز زخمِ غم رگِ جانم بہ نالہ چون چنگ است   خموش باش مغنی مزن بتار انگشت
چہ طرفہ گر دلم آسودہ شد ز پیکانش   کہ نبضِ تب زدہ را میدہد قرار انگشت

در بحرِ عشق آب ز چشمِ پُر آبِ ما   گرداب موج میزند از پیچ و تابِ ما
از دل خیالِ شعرِ تو ہرگز نمے رود   روزِ ازل مگر شدہ شاعر خطابِ ما

جو شد بہار خیز صبا کن ز سرو گل
مینا و جام از پئے دورِ شرابِ ما

بہ عشقِ روئے او چون شمع مے سوزیم در ہر دم   نماید ہمچو فانوسے بہ تن این پیرہن ما را

صبا بهر تماشا گردِ گلشن با عبث گردی
بود از سینهٔ پرداغ در هر دم چمن ما را

شد گره ناله در دل از خو تم　　　　شیشه چون پُر شود صدا نکند
در خیالِ رخ تو گُل به چمن　　　　چه کند جامه گر قبا نکند

ترکِ بوس و کنار گلرویان
من اگر میکنم صبا نکند

اشکم ز زخمِ ناوکش از دل جهد بیرون　　　　بالا ز خاک دانه کشد سر به کاوشی
گاهے کشی به غمزه گه از ناوکِ نگه　　　　کے جان برد کسے بجهان زین کشاکشی
آشفتگی صبا ز دلت کم کجا شود　　　　مائل به عشقِ کاکلِ خوبانِ مهوشی

ولہ

نگاهِ خشم ز رخت را حجاب مے باید　　　　چو مهر گرم فروزد سحاب مے باید
ببوے گیسوے جانان رسیدن آسان نیست　　　　که همچو نافه بچین پیچ و تاب مے باید

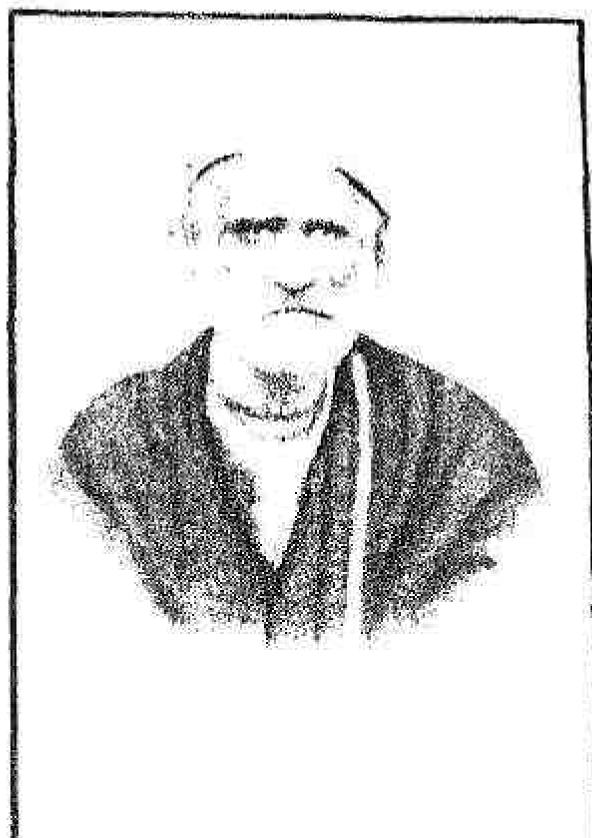
کلاهِ کبر ز مانی منه صبا بر سر
ترا که چشم ترے چون حباب مے باید

گردشِ چشم تو مگر دیده است　　　　کآهو از شرم تو رمیدن گرفت
پرده برانداز بروے اے صنم　　　　گُل به چمن جامه دریدن گرفت

گشت صبا باد وزنش در چمن
چون عرق آلوده چمیدن گرفت

ساقی ز شیشه باده مگردان که جام من　　　　زان چشمِ پُر خمار بود در نظاره ام
از من روان شدی شد یکبار جان ز من　　　　باز آمدی و آمده عمرِ دوباره ام

آن شعله خو به صحنِ چمن شد مگر صبا
شبنم به گُل ز دور نماید شراره ام



پنڈت بشن نرائن ہاکسر ۔ صبر

صبر - پنڈت بشن نراین ہاکسر صاحب دہلوی

آپ ایک بزرگ صاحب علم و کمال تھے۔ آپ نے سری بھاگوت نظم میں تصنیف کی تھی جس کا نام مادھرج لیلا ہے۔ آپ کا کچھ حصۂ عمر بمقام پکھور ضلع متھرا بسلسلہ ملازمت گذرا تھا آپ کو تاریخ گوئی میں ایک خاص ملکہ تھا اور آپ کے مادۂ تاریخ قابل تحسین ہوتے تھے۔ آپ کے چار فرزند تھے یعنے پنڈت دھرم نراین صاحب۔ پنڈت پریم نراین صاحب۔ پنڈت سروپ نراین صاحب اور پنڈت شام نراین صاحب عرف کنہیا لال صاحب۔

پنڈت بشن نراین صاحب آخر حصۂ عمر میں کبھی اندور اور کبھی گوالیار اپنے فرزندان گرامی کے پاس رہا کرتے تھے۔ ۱۸۸۹ء یا ۱۸۹۰ء میں ۸۵ سال کی عمر پاکر بمقام لشکر گوالیار آپ نے انتقال کیا۔ کرنل کیلاس نراین ہاکسر صاحب کے آپ جد امجد تھے۔

مادھرج کرشن لیلا

یہ وہ ہی شام سندر ہے کہ ساگر سب کا ہے آلا ۔۔۔ بخواہش تاز سجا سیس پر یہ تھا سہی بالا
جگایا دیوتاؤں نے تکشرتی کو گا کے چوتالا ۔۔۔ کیا اس وقت پرتھوی نے گؤ کے روپ میں نالا
ہوئی اُس وقت یہ بانی کہ پرگھٹے برج گوپالا

یہ سن کر مژدۂ جاں بخش پرتھوی خوش ہوئی پہلے ۔۔۔ گئی اپنے ٹھکانے پر وہ تھی دل میں یقیں دھالے
ہدایت کے بموجب دیوتا بھی لوٹ کر چلے ۔۔۔ وہ اُسے برج کی بھومی میں ہر کر روپ سب نیارے
عجائب روپ میں گوپی اتو تھے روپ میں گوالا

جو مارے بھین پیاری کے چھ بیٹے کنس راجا نے ۔۔۔ حمل وہ ساتواں گرنا کہا راجہ سے دایا نے
مگر ہو بچایا اُس کو ردھنی کے پیٹ مایا نے ۔۔۔ نہ جانا بھید قدرت کا یہ راجہ نے نہ رجانے

کہ قدرت نے سبھوں کے دل پہ پردہ موہ کا ڈالا

ہوئی جب روہنی حامل اُسے گوکل میں پہونچایا
کہ رہو سے نند کے گھر میں وہ پوشیدہ تن تنہا
مبادا حال سن کر کنس کچھ فتنہ کرے برپا
مگر غفلت کا پردہ سب کے دل پر آن کر چھایا

ہوا اوتار پیدا شیش موسل اور ہل والا

پھر اس نے دیوکی کو روپ اپنا خاص دکھلایا
یہی بسدیو کے کاندھے پہ چڑھ کر نند گھر آیا
پھر اِبسدیو لڑکی کو جسودا کی وہ لے آیا
جو سونپی دیوکی کو بند دروازوں کو تب پایا

یہ وہ ہی شام سندر ہے جسودا نے جسے پالا

وہ لڑکی روئی جاگے لوگ سن کر حال کنس آیا
کھلا دروازہ بھیتر سے وہ لڑکی چھین کر لایا
اُسے جب جان سے مارا وہ بولی اے فرومایا
تیرا دشمن ہوا پیدا جسے تو نے نہیں پایا

وہی ماریگا تجھکو پھر ہے تیرا کون رکھوالا

سُنی جب کنس نے بانی تو اُسکے دل میں آیا ڈر
سبھوں سے مصلحت پوچھی کہا سب نے یہ مِل جُل کر
کہ مارو رات کے لڑکے تو اُ بیری بھی جاوے مر
بُلائے کنس نے راکھش دیا یہ حکم تب یکسر

کہ مارو میرے بیری کو بناؤں تم کو بھوپالا

یہ وہ ہی شام سندر ہے سکٹ کو جس نے توڑا ہے
اسی نے پوتنا کا دودھ چھاتی چڑھ نچوڑا ہے
ترناسر کے اُڑا اس نے زمیں پر اُسکو موڑا ہے
گئے راکھش بہت گوکل کسی کو بھی نہ چھوڑا ہے

یہ وہ ہی شام سندر ہے بنا جو نند کا لالا

شکایت کی سکھاؤں نے اسی نے بیچ بیچ کھائی
یہ سُن کر ماں جسودا حال اُس کا دیکھنے آئی
جو کھولا مُنہ کو تر لوکی اُسے شری مُکھ میں دکھلائی
تعجب اور دہشت سے بہت اُس وقت گھبرائی

کری چِنتا ہرن اُس کی دوبارا موہ میں ڈالا

بلوتی تھی جسودا دودھ پینے دودھ کان آیا
بلاتی تھی کہ ہانڈی دودھ میں یکدم اُبھان آیا

بچپلنے اُسکو دوڑی اسکا اسکو کچھ نہ دھیان آیا   یہ دیکھا شام نے اُسکی محبت میں گمان آیا
بھرا ماکھن مہی کا ماٹ پھوڑا خاک میں ڈالا

جو توڑا ماٹ دُودھ کا ماں جسودا اس پہ جھنجھلائی   پکڑ منتی سے باندھا ہاتھ اوکھل تک لے لائی
وہاں مضبوط باندھا دوسرے دھندے کی یاد آئی   پھری گھر کو اُدھر وہ اس نے فرصت جو ادھر پائی
اُس اوکھل کو اُڑا اجلا رجن کے بیچ میں ڈالا

تب اُن پیڑوں سے نکلیں نازنیں دو صورتیں پیاری   ثنا کر کے گئیں گوالن نے باتیں گھر کہیں ساری
یہ سن کر ماجرا سارا گئی دوڑی وہ مہتا ری   نہ جانا بھید قدرت کا یہ جانا تھی بلا بھاری
دیا دان اور صدقہ گھر میں لے آئی اُسی بالا

اسی کی دیکھ لیلاؤں کو برہما آیا حیرت میں   سلے آئے گوال بچھڑے اُن کو رکھا خواب غفلت میں
جو پھر دیکھا تو سب موجود ڈوبا بحر وحشت میں   اسی نے عالم وحدت سے اُسکو ڈالا کثرت میں
ہزاروں شکل خود دیکھے ثنا خواں پیش گو پالا

ہوا برہما کو جب ظاہر کہ یہ ہے بشن کا مظہر   رہا گھر گوال بچھڑے اُسنے پرکما... کری از سر
نہ دیکھا پھر وہ اُس کا روپ جو تھا جلوہ گر ظاہر   وہی تھا ایک تن گردھر ہوا رخصت وہ استت کر
کمنڈل ہاتھ میں مالا بغل میں مرگ کا چھالا

سکھا اور بچھین نے پانی پیا جمنا کا زہر الا   ہوئے مدہوش اُن کو دیکھ سوچے من میں سب گوالا
کہ ہم کو رات دن لیلا یہاں کرنی ہے بھو پالا   رہیگا اس جگہ کالی تو ہوگا سکھ نہ و بالا
کیا ہشیار سب کو اور ایک دوڑا گیا گوالا

رچائی گیند کی بازی گرا جمنا میں وہ جا کے   سکھاؤں نے کہا گردھر ہمارا گیند دولا کے
کدم پر چڑھ کے موہن لال کودے بیچ جمنا کے   وہاں کالی جو سوتا تھا جگایا اُسکو ٹھکرا کے
کیا جمنا کو بے جل اور نالا وہاں سے وہ کالا

گرڈ کے خوف سے کالی رہا کرتا تھا اُس دہ پر   جو آویگا وہ اُس جا پر گرینگے اُسکی سب شہ پر

چرن لگنے سے گردھر کے مٹا کالی کا سارا ڈر — یہ وہ ہی شام سندر ہے نکالا جس نے وہ اژدر
نہ بولا وہ گرڑ اُس سے گیا بس جا وہ زہرالا

کسی ایک روز گوالوں نے بتا کر بات گردھر سے — کہ میوہ تال بن شیریں ہیں زیادہ قند و شکر سے
ہمیں ہے آرزو کھانے کی لیکن خوف ہے خر سے — اگر تو بھی مدد دیوے چلے ہمراہ خاطر سے
بر آئے آرزو دل کی ہماری وہ مرے سالا

لگی داوا اگنی جنگل میں تو اُس دن گوال گھبرائے — نہ پایا راستہ جانے کا اُنکے پاس تب آئے
بچایا اُن کو اُس آفت سے سب کو دیکھ مُسکائے — بجاتے بین سب کے ساتھ وقتِ شام گھر آئے
گئے گھر اپنے اپنے گوال بچھڑے سوئے گوسالا

زمیں سے چیر سکھیوں کے کدم پر جا پڑے جب سب — نہاتی تھیں وہ جمنا میں رہیں حیران سب کی سب
تو دل میں سب نے یہ سوچا کریں ہم دھیان گردھر آ — کیا جب دھیان گردھر کا لئے سب چیر ان کے تب
گئیں دل میں وہ راضی ہو وہاں سے برج کی بالا

گئی بہت رونق پر جس روز جگ کرتے وہاں باہمن — سکھاؤں نے کہا اس سے کہ ہم بھوکے ہیں اے موہن
کہا جاؤ وہاں مانگو مری جانب سے تم بھوجن — گئے مانگا جواں سے بھوگ بولے عقل کے دشمن
کہ ہیگا یہ کنہیا گوال ایسے سو پھریں گوالا

جو پہونچا خاص انکے پاس پھر پیغام گردھاری — جو دل کے صاف تھے فوراً اُٹھ آئے وہ یکباری
مہا پرشاد بھر کر تھالیوں میں کر کے تیاری — جہاں موہن پر ایستہ تھا وہاں جو پہنچے وہ سب آئی
نہ پوچھا ساتھیوں سے اور نہ کچھ دیکھا نہ کچھ بھالا

کیا کرتے تھے سارے برج باسے اِندر کی پوجا — کہ برساویگا مینہ بر وقت ہر شے جو وے گی پیدا
ہوا مانع یہی گھنشام برج پر اندر سنے کو پا — اسی نے نکھ پی گروردھن کی اُسکے مان کو کھویا
وہ موسل دھار مینہ پڑتا تھا جسکے ساتھ تھا نالا

تغیر آیا اندر کو جو دیکھا زور گردھر کا — ہوا ثابت اُسے اُس دم کہ یہ ہے روپ ایشر کا

ہوا رخصت وہ اسلئے کرشا طوفان محشر کا　　اگرچہ سب نے دیکھا یہ کرشمہ شام سندر کا
مگر آنکھوں پہ سب کی پڑ گیا پھر موہ کا جالا

پکڑ کر لے گئے آبی موکل نند با با کو　　چھڑا کر وہاں سے لے آیا دیا آنند با با کو
وہ زہری سانپ جب لپٹا گیا پا بند بابا کو　　اُس آفت سے چھڑا یا سکھ دیا وہ چند با با کو
نہ جانا نند نے اُس کو خدا وند تہ و بالا

ارادہ راس کا کر کے بجو جب بین موہن کو　　سنا سب بج کے لوگوں نے شبد اُس کا گئے بن کو
جو پریت اس نے کری سب سے تو آیا کچھ غرور انکو　　ہوا نظروں سے پوشیدہ مگر تھا ساتھ اک خوش خو
اُسے بھی راہ میں چھوڑا جو دیکھا اُس کا دل کالا

یہ فرقت میں پڑے پھرتے تھے اُسکو ڈھونڈتے ہر جا　　لتاؤں کنج میں بن بن کے اس کو ہر جگہ ڈھونڈھا
پتا پایا نہیں لیکن وہ گوپی مل گئے تنہا　　تھکے اور ہار کر بیٹھے وہ ہر جانب سے ہو یکجا
جو خون آنکھوں سے روتے تھے بہا اشکوں کا اک نالا

جمع ہو کر کے باہم سب الم بنیاد کرتے تھے　　کبھی گریہ کبھی خندہ کبھی بیداد کرتے تھے
وہ نقلیں اُس کی لیلاؤں کی کر دل شاد کرتے تھے　　غرض ہر طرح اُس کا نام لے لے یاد کرتے تھے
یکایک بیچ میں پر گھٹ ہوا آنکھوں میں اُجیالا

سما جب راس کا باندھا سبھی کھٹر اگ بھونچے واں　　ہزاروں طرح کے باجے ہزاروں طرح کا ساماں
ہزاروں گوپکا یوں کے پکڑ کر ہاتھ ناچا کاہن　　دکھایا عالم کثرت کا پھر جلوہ تعالیٰ شان
کنھیا روپ مثل چاند گوپی روپ تھا ہالا

کیا اس نے انھیں رخصت وہ گھر آئے سحر ہوتے　　وہاں سب آدمی گھر کے پڑے تھے خواب میں سوتے
نہ کھانا شن کے تو نکر تحیر میں کہیں غوطے　　یہ ہے قدرت میں سب طاقت کرے سب کام ان ہوتے
وہاں گذری وہ ساری رات مثل عالم بالا

گوالن ہو کے اک ٹھوی گئیں مل نند کی پوری　　دکھایا کرشن کی اور ی کریہ کرتا ہے مُنہ زوری

اور اس نے اینٹ بھر جھوری ہماری شکیاں پھوڑی　　جسودہ موہ کی بوری کہا تم کیا کہو ہو ری
کرو ہو تم چغل خوری یہ کیا جانے مرا بالا

تب اُس میں ایک اُٹھ بولی کہ اس نے میرا دودھ کھایا　　کہا پھر دوسری نے بھی ہمرے پانی کو لوٹ آیا
یہ بولی تیسری میّا مرا ماکھن یہ کھا آیا　　کہا چوتھی نے سر وائی مرا ناوند ہنکایا
شکایت سے تھیں سب لبریز دل کا کھول کر نالا

گلہ ہر چند کرتی تھیں بظاہر وہ جسودھا سے　　گئیں تھیں دشمنوں کو اُسکے وہ تو اپنی نہر دھا سے
یہ سُن کر سب کی باتیں ماں نے جو پوچھا کنہیّا سے　　سبھی دعوی سے کر انکار بولا کرشن میّا سے
تیری سوگند میں سچّا یہ سب جھوٹی ہیں کنکا لا

بسنتی کو کلا بولی رچی گر دھر نے تب ہولی　　گلال اور ارگجا رولی پسا کیسر بہت گھولی
گوالوں کی بنا ٹولی دئے سب رنگ بھر جھولی　　گئی برکھ بھان کی پولی پکارے ہولی ہے ہولی
کہاں ہیں برج کے بالا کہ کھیلے جس سے نندلالا

یہ سن کر سب ہوئے مسرور اور بولے کہ لے للّا　　تو ساماں کر کے سب تیار گردھر کو لے آس جا
بہم کھیلیں گے ہم ہولی سکھا گوالوں سے لپٹ جا　　اُنھوں سے لیویں بدلا اور کرین پانی سے بھی تیلا
سبھوں کا تن کریں افشاں دکھیلے ہاتھ منہ کالا

وہ للّا نے گئے موہن کو سب کے پاس پہونچا یا　　سکھا پہونچے سکھاؤں پاس انکے دل کو بھر مایا
سبو چہ نشئہ صافی کا بھر کر سامنے لایا　　پلائے اُن کو بھر بھر جام قدرے آپ بھی کھایا
نشہ وحدت کا تھا بھاری پر اب اس سے ہوا بالا

ہوئے آنند پی کر صاف کھیلے مل کے سب ہولی　　کری بھر مار پچکاری کی تن پر آنکھ میں رولی
کسی کے پاس تھی رولی کسی نے بلدی تھی گھولی　　کوئی ملتا تھا آنکھ اپنی کسی نے آنکھ تھی کھولی
ادھر تھے گوال سب مسرور اُدھر گردھر تھا خوشحالا

گوالوں نے جمع ہو کر رچایا کھیل چڈّھی کا　　بشکل گوال اک راکھش وہاں جاکر ہوا پیدا

چڑھا کندھے پہ لیجا کھوہ میں وہ اُن کو چھپا آیا بہت سے ہو گئے غائب جو موہن لال نے دیکھا
نہ تھے حاضر بہت سے گوال اُن کو جب کہ پرتالا
اشارہ پا کے گردھر کا چڑھے اُس پر سری بلرام وہ لیکر اُن کو بھی پہونچا قریب کوہ نا فرجام
سنی آواز گوالوں کی پڑے تھے کھوہ میں ناکام یہ دیکھا بل نے راکھس کا کیا فی الفور کام انجام
ہوے دم بھر میں یک ٹھوری وہاں پر وہ سبھی گوالا
پر لنبھا سر اگھا سر اور بچھا سر اس نے مارے ہیں یکا سر سنکھ چوڑا سر برکھا سر سے بچھارے ہیں
اسی نے دیت کیشی اور بھوما سُر بھی ملے ہیں اسی سے کنس راجہ کے رفیق دیار ہارے ہیں
اسی نے آفتوں ساری کو سارے برج سے ٹالا
گوالن دودھ دہی لیکر چلی جاتی تھیں متھرا کو ملے رستے میں موہن لال بولے دان ہمارا دو
اُنھوں نے یہ کہا ہنس کر نئے دانی کہاں کے ہو کہیں جا کنس راجہ سے پکڑوا دیں نہ ہم تم کو
یہ اٹکھیلی سبھی بھولیں پڑیگا اُس سے جب پالا
اسی کو لے گیا ایک روز برج سے بیچ متھرا کے دکھایا اس نے اپنا روپ اُس کو بیچ دریا کے
سُن اُسکی عجز و زاری چل کے پہونچے شہر میں جا کے کھلی قسمت جو دھوبی اور درزی اور مالی کے
لئے جامہ کئی موزوں ملا چندن دئے مالا
صبحدم نند بابا سے اجازت لے کشن بلرام گئے سیدھے اکھاڑے کو وہاں حاضر تھے خاص و عام
درِ دولت پہ ہاتھی مست جسکا کوبلیا تھا نام ہوا مانع جو جانے سے خفا ہو کر کے یہ گھنشام
گرا اُس کو زمیں پر دانت جھاڑے جس طرح بالا
اکھاڑے میں گئے واں مشتک اور چانور حاضر تھے وہ اول ہی سے دونوں انکے لیلاؤں کے ناظر تھے
ولیکن خوف راجہ سے صلح کرنے سے قاصر تھے لڑے کشتی بہت قسموں کی اس فن میں وہ ماہر تھے
مرے آخر وہ دونوں یہ ہوئے غالب رہے بالا
محل میں کنس کے پہونچا یہ فارغ ہو کے کشتی سے رفیقوں میں وہ بیٹھا تھا قوی انکی پشتی سے

جو اُس کا عنصری جامہ بنا تھا بد سرشتی سے — وہ اُس کو دیکھ کر بولا کلام بد درشتی سے
پکڑ کر باندھ لو مارو یہ آیا کال سا کالا

یہ غوغا سُن کے تب گر دھر وہاں جا سبھی للکارا — رفیق اور سب مصاحب اُس جگہ تھے اور کٹم سارا
سُنی آواز سب بھاگے نہ دیکھا پھیر رخسارا — ہوا تب کنس بے چارہ نہ جانے کا کہیں یارا
گرا تاج اور پکڑ چوٹی گھسیٹا اُس کھال میں ڈالا

گئی جب کر چکا ماماں کی اُس نے پرم پد پایا — بھم گوالوں میں ہونا چار جمنا گھاٹ پر آیا
کیا اُس جا پہ آرام اور کچھ جل پان فرمایا — لقب اُس گھاٹ سندر نے جبھی بسرام ہے پایا
کہ اُس جا پر بھم نصرت کو ٹانگا گاڑ کر بھالا

غرض مادھر ج لیلا جبکہ پوری کر چکا گوپال — بلا نانا پتا ماتا سے آپس میں ہوئے خوش حال
کیا جب نند کو رخصت لکھوں میں اُسکا کیا احوال — کہ میرا دل نہیں بر جا زباں بھی ہو گئی ہے لال
پھر آخر او گر سین ہی کو کیا متھرا کا بھوپالا

یہ وہ ہی شام سندر ہے کہ بندرابن میں من کھایا — اسی نے بیٹھ میرے دل میں اس مندر کو بنوایا
بنا کا سال سموت یوں لشن پنڈت سے فرمایا — شری متھرا میں بندرابن سے نندن نند یہ آیا
بہاری موکٹ و دھارے شام سندر بانسری والا

سنہ ۱۹۴۰ ب

تاریخ وفات پنڈت لالجی پرشاد تکو صاحب وزیر اعظم ریاست

بہاولپور

لالجی صاحب آں شفیق بدل — زیں جہاں چو بلا مکاں رفتی
صبر در دل نماند ہوش بجا — زندگی شد وبال بال رفتی
سال تاریخ از پئے تسکیں — فکر کردم چو از میاں رفتی
بہر سموت کشید دل ہتف — اے دریغا از یں جہاں رفتی

تاریخ وفات پنڈت رامناتھ تیمنی صاحب۔ تخلص درویش

ہیہات کہ رام ناتھ پنڈت — جو خلق کا ہیچ بو گیا ہے
دنیا سے گیا بسوے فردوس — واماندوں پہ حشر ہو گیا ہے
تاریخ صنایع و بدایع — لکھنا کہ گہر پرو گیا ہے
درویش خطاب اپنا کرتا — تاریخ میں نامی ہو گیا ہے

ہاتف نے کہا بسالِ ہجری
درویش بہشت کو گیا ہے
سنہ ۱۲۹۹ ہجری

ایضاً در سموت

گفت ہاتف بسموت ایں تاریخ — بجناں رام ناتھ پنڈت رفت
سمت ۱۹۴۴ ب

تاریخ وفات پنڈت لچھمی رام سرور صاحب ہاکسر

مُرد منشی چو لالہ لچھمی رام — رفت بر آسماں صدائے دریغ
سال تاریخ آں بہشت مقام — جستیار چو مبتلائے دریغ

ہاتفِ غیب از سرِ حسرت
برکشید آہ و گفت وائے دریغ

تاریخ وفات پنڈت نند کشور صاحب عرف واتل

گفت ہاتف سالِ ہجری از سپہر — مُرد پنڈت نند کشور حیف و دہ سال
۳۰ — ۱۳ — تخرجہ ۳۰
سنہ ۱۳۰۰ھ

دیگر

چوں نند کشور مُرد پئے سالِ عیسوی — ۶۳۰
اے واسطہ دریغ — ۱۲۵۳
بنامش فزوں کنید — ۱۸۸۳ع

تاریخ وفات نظیر اکبر آبادی

نظیرِ شاعرِ نازک خیالِ اکبر آبادی چوزیں دنیا گذشت و خاطرِ شعرا مکدر شد
مورخ زا نہیان ور فکر تاریخش بدو گفتا مخمس بے سروپا۔بیت بیدل۔فرو بے سرشد۔
(مخمس۔بیت۔رو سے تاریخ نکلتی ہے)

ضمیر۔پنڈت گنگا داس صاحب دہلوی۔

شاگرد حضرت شاہ نصیر

فصاحت و بلاغت میں اپنے آپ نظیر تھے۔علم رمل سے واقف اور شاعر خوش گفتار تھے۔اُس زمانہ کے لحاظ سے زبان شستہ تھی اور طرز بیان میں شگفتگی۔ایک قطعہ جس میں ہولی کی دھوم دھام بیان کی ہے اور چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔بادی النظر میں یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ بسنت کی محفل تھی اُس زمانہ میں ولایتی رنگوں کا رواج نہ تھا۔اور ٹیسو کے پھولوں کے رنگ سے ہولی کھیلی جاتی تھی۔اس قطعہ کو بغیر انتخاب کے درج کیا جاتا ہے تاکہ واضح ہو کہ اُس زمانہ میں ہندوستانی تہذیب کا رنگ کیا تھا۔

قطعہ

شب کو گیا میں ہولی کی محفل میں اے ضمیرؔ دلچسپ کیا ہی خوب تھا ہر اک مکان زرد
اس انجمن کی تجھ سے میں تعریف کیا کروں پہنے لباس بیٹھے تھے سب مہربان زرد
اک رنگ میں تھے شیخ و برہمن رنگے ہوئے یکرنگی کا جہاں تھا وہ یکتا مکان زرد
روشن کئے تھے جھاڑ نشیمن کے گرد گل تھیں زعفرانی سب چھتیں اور سائبان زرد
حوریں نزاد رنڈیاں بیٹھی تھیں صف بصف ہولی کے کنٹھے پہنے ہوئے نوجوان زرد
پشواز چست اُن کی مرے دل میں کھپ گئی تھا حاشیہ کناری کا اور درمیان زرد
ڈالے سبھی تھے ہار گلوں کے گلوں کے بیچ سرخوش تھے اپنے حسن میں سب گلرخان زرد

پچکاریوں کی لہروں کی تھی مار ایک سمت
کیسر کے رنگ سے تھا زمیں آسمان زرد

رنگوں سے قمقموں کی تھی آپس میں مار دھاڑ
تھا سرخ گھر کبھی تو کبھی تھا مکان زرد

ان سب کے درمیان میں مسند پہ دلربا
سونے کا آگے رکھے ہوئے پاندان زرد

القصہ اپنے حسن میں ہر ایک شاہِ وقت
پر دیکھ اس کو ہو گئے سب بدگمان زرد

اُس شب سے میری آنکھوں میں یرقان ہو گیا
یاں تک کہ میرے ہو گئے سب استخوان زرد

اشعار

لو بگڑ بیٹھے ذرا سی بات پر
تھی نہ یہ امید ہمکو آپ سے

جس کو دیکھا کانپتا ہے وہ شرارت سے تری
برق کو بھی ابر میں ہم تو تپاں دیکھا کئے

میں بتاتا ہوں ضمیر اب کچھ تجھے بھی ہے خیال
چشم خواب آلودہ اُس کی فتنۂ بیدار ہے

ضمیر۔ پنڈت نراین داس اوگل صاحب

صبح نسرین گردۂ چاکِ گریبانِ کسے است
شام سنبل چہرۂ زلفِ پریشانِ کسے است

شاخ گل با غنچہ از خاک شہیدان سر بزد
ہر سر تیرے بخون آغشتہ پیکانِ کسے است

از سر مژگان تراوش ہائے خونم بہر چیست
گر نہ پنہان در دلم زخم نمایانِ کسے است

نیست بر گلگونِ قبایش جلوہ گر موجِ اُتو
پیچ و تابِ یادگارِ رشتۂ جانِ کسے است

زخم دل خمیازہ کش بر شودۂ الماس نیست
آرزومندِ نوازش از نمکدانِ کسے است

این دلِ پُر خون کہ سرتاپا مشبک شد ضمیر
زیرِ مشقِ نیزہ بازی ہائے مژگانِ کسے است

ندارم آشنائے از خرد بیگانہ در پہلو
منم دیوانہ بایستے مرا دیوانہ در پہلو

مرا بر بستر افگندہ است رشکِ صورتِ دیبا
کہ میخواہد ترا ہر شب چہ گستاخانہ در پہلو

ہجوم غم بہ اندازِ زیارت ہر زمان آید
ز دل تا ریختم طرح مصیبت خانہ در پہلو

شبِ ہجران بروئے فرشِ گل خوابم نمی آید
رگِ گل می خلد چون خار۔ بے جانانہ در پہلو

بود سرمایۂ آزار صحبت با پریشانان — ز ربطِ زلف جانان چاک دارد شانہ در پہلو
چکد بے لعلِ میگون تو خون از غنچۂ مینا — ز موجِ بادہ دارد تیغ ہا پیمانہ در پہلو
چہ پرسی حالِ مجنون راکہ دارد از غمِ لیلیٰ — فغان دمساز۔ وحشت ہمنشین ویرانہ در پہلو
چو از مے رخ برافروزی مکن بے غم ز بیتابی — کہ ہر جا شمع روشن شد طپید پروانہ در پہلو

نیاید خواب و دل بیتاب تر دارد دلکش در بر
ضمیر امشب فزون شد درد م از افسانہ در پہلو

گرد طرفِ دامنِ سروِ قباپوشِ تو ام — پائمالِ جلوۂ محشر در آغوشِ تو ام
از تکلم شرم اگر داری تبسم را چہ شد — غنچہ سان خونین جگر از لعلِ خاموشِ تو ام
گردش از دوران نصیبم شد برنگِ جامِ مے — تا بہ پا گردانِ چشمِ مستِ خون نوشِ تو ام

نوٹ۔ اشعار مندرجہ بالا حضرت ضمیر کے دیوان مطبوعہ میں درج نہیں ہیں۔

طالب۔ پنڈت نندلال کول صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل
متوطن سری نگر کشمیر

تصویرِ قوم

ہے دل میں آج اپنی قوم کا دکھڑا سناؤں میں
زبانِ کلک سے کچھ دردِ دل اپنا بتاؤں میں
صدائے نالۂ غم سے ندیموں کو رلاؤں میں
رگِ غیرت کو مُردہ دل کی بھی حرکت میں لاؤں میں

نہانی آنچہ در دل سوزِ غم دارم عیاں سازم
ز چشمِ خونچکان خامہ دریائے رواں سازم

میں عاشق ہوں عروسِ حبِ قومی کا ہے سینوں میں
مجھے الفت ہے معشوقِ وطن کی نازنینوں میں
تلاش نامداری مجھکو ہے قومی نگینوں میں
عزیزِ دل۔ رازدارِ دل۔ دوستوں میں ہمنشینوں میں

کہ در دیر و کلیسا و مساجد یک جرس باشد
اگر در خانہ کس باشد ہمیں یک حرف بس باشد

کلید قفلِ دردِ دل ہو یارب داستاں میری
کرے تو می رگوں پر کارِ جرّاحی زباں میری

کرے اک ولولہ پیدا یہ آہِ ناتواں میری
نسیم روح افزا بن کے نکلے ہر فغاں میری

گلے بویم کہ ہر یک برگِ او رنگِ صفا دارد
دلِ درد آشنا جویم کہ احساسِ وفا دارد

نہ کوئی خضر بن کر راستہ سیدھا دکھاتا ہے
نہ کوئی منزلِ مقصود کا مسلک بتاتا ہے

غضب ہے خاک میں چرخِ کہن ہم کو ملاتا ہے
وہ حالت ہو گئی اب تو کلیجہ مُنہ کو آتا ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

بتا اے قوم آخر اس قدر تو ناتواں کیوں ہے؟
بتا تجھ سے جہاں میں برسرِ کیں آسماں کیوں ہے؟

بگولہ کی طرح سر گشتہ تیرا کارواں کیوں ہے؟
ٹھکانے کا پتہ ملتا نہیں کیا، بے زباں کیوں ہے؟

تجھے کس مُنہ سے دعویٰ ہو سکے گا استقامت کا
فضیلت کا لیاقت کا ذہانت کا نجابت کا

دل آئے گی اک دن آرزو تو دل میں رہنے دے
ابھی اس شمع افسردہ کو تو محفل میں رہنے دے

حسیرِ جستجو کو تشنۂ منزل میں رہنے دے
سرابِ نجد کے ذرّوں کو تو محمل میں رہنے دے

ابھی ہے ابتدائے عشق دیکھیں انتہا کیا ہو
دکھاتا کیا ہے چرخِ پیر قسمت کا لکھا کیا ہو

بہت آگے بڑھے ہیں دیکھنا سب کارواں والے
چڑھا ہے دن ہوئے بیدار ہیں خوابِ گراں والے

بڑھے جاتے ہیں اس گھڑ دوڑ میں ہندوستاں والے
مگر پستی میں ہیں کشمیر کے اونچے نشاں والے

سُنائیں کن کو دردِ دل یہاں پر کون سُنتا ہے
الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد یہاں ہر ایک چُنتا ہے

نہیں غم دل میں گر بیٹھیں مری باتیں سناں ہو کر
نہیں کچھ فکر گر اٹھ جائے کوئی سرگراں ہو کر

جو ہمت ہو تو جیتو ہفتخواں کو ناتواں ہو کر
بنو تم جانِ عالم دو جہاں میں نیمجاں ہو کر

اُتر جاتی ہے دل میں قوم کے طالبؔ صدا تیری
بھکاری قوم کا بن کر تو دیتا پھر یونہی پھیری

خطاب بہ خواب

اے مظہرِ کیفیتِ آرامِ دل و جاں اے مخزنِ سرمایۂ تسکینِ فراواں
اے دافعِ آزارِ خیالاتِ پریشاں حسرت کشِ دیدارِ تبسم کے شبستاں
اے مسکنِ آسائشِ پہلو کے نگہباں
ہوں محو تیری دھن میں نہ کیوں خوابِ مسرت وارفتۂ خوابیدہ ہوں بے راہ طریقت
ہے تیری خموشی میں نہاں رازِ حقیقت تاریکیٔ شب میں ہے تو دمسازِ طبیعت

اے برقع برانداز رخِ حسنِ حقیقت

نیرنگئے جادو ہے تو یا شاہد خوشخو اک غمزۂ دلکش ہے کہ ہے عشوۂ دلجو
خمیازہ میں تیرے ہے نہاں حرکتِ پا ہو یا دیدۂ دل وا ہوئے ہیں تجھ سے ہر اک سو
دیدارِ خدا ہو گیا آیا جو نظر تو

پاس آنکھ شوق میں رکھوں تجھے مستور اور دامنِ مژگاں کو کروں نور سے معمور
لوں کروٹیں پھر ذوق سے ہو جاؤں میں مسرور ہو تیری دل آرائی کہیں مجھ سے نہ پھر دور
الطاف و کرم تیرا تو عالم میں ہے مشہور

مایوس کیا کیوں ہے تمنائی کو اپنے مٹی میں ملاتے نہیں سودائی کو اپنے
پامال نہیں کرتے ہیں شیدائی کو اپنے

آ آ کہ تجھے آنکھوں پہ اپنی میں بٹھاؤں آ جا کہ تجھے تاجِ سر اپنا میں بناؤں
آ جائے جو تو تو نہ کیوں میں آپ سے جاؤں

تو آئے تو بھولے مجھے سارا غمِ دنیا حتیٰ کہ فراموش ہو اندیشۂ عقبیٰ
سب کون ومکاں پر ہو مجھے خواب کا دھوکا

دامنِ دل گو ہر آرام ست بھر دے اور کشمکشِ دہر سے بے واسطہ کر دے
یہ تجھ سے ہو کہتے ہیں کہ ہر کار سے و مردے

اب حال دل اپنا نہیں اظہار کے قابل رفتار کے قابل ہوں نہ گفتار کے قابل
ہوں طالبِ دید اور نہ دیدار کے قابل

نوحۂ انتقال پُر ملال سری مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب بہادر والیِ ریاست جموں و کشمیر

سوزِ شعورِ مرگ کی آہ و فغاں ہے آج ہیہات انقلابِ زمین و زماں ہے آج
لم دکھائی ... تابِ مصروفِ درد و غم رخصت دلوں سے ہو ہی تاب و تواں ہے آج
ہو الم کا ٹوٹ پڑا سر پہ اک پہاڑ کیا قہر ہے کہ روئے زمیں آسماں ہے آج

کل تک تھی جس سے رونقِ گلزارِ کاشمیر — اے وائے کیا کہیں کہ وہ ططدآشیاں ہے آج
اس صدمۂ عظیم سے دل چاک چاک ہے — افسوس ہے کہ رحلتِ فخرِ جہاں ہے آج

دل ہر بشر کا آتشِ غم سے کباب ہے
پرتاب کی یہ موت نہیں انقلاب ہے

پرجا کے دل کو صبر کی ہمت کہاں ہے اب؟ — وہ غمگسارِ وقتِ مصیبت کہاں ہے اب؟
تھا دم سے جس کے امن اک آئینِ روزگار — وہ پاسبانِ ملک و رعیت کہاں ہے اب؟
اکرام میں بھی جس کے تدبر کی شان تھی — وہ یادگارِ اہلِ حکومت کہاں ہے اب؟
پرور وہ جس کے فیض سے سب باوفا ہوئے — وہ قدردانِ حسنِ عقیدت کہاں ہے اب؟
لطف و کرم پہ جس کے عدو کو بھی ناز تھا — وہ حق گزارِ عدل و محبت کہاں ہے اب؟

بگڑے نصیب اپنا تو پھر کیا کرے کوئی
کیا خاک زندگی کا بھروسا کرے کوئی

وہ مالکِ قلوبِ رعایا نہیں رہا — وہ دلنوازِ اہلِ زمانا نہیں رہا
وابستہ جس سے آرزوئیں تھیں ابھی بہت — وہ سازگارِ بزمِ تمنا نہیں رہا
کیوں ہر طرف سے آئے نہ آوازِ نوحہ گر — نازاں تھے جس پہ مذہب و دنیا نہیں رہا
اس مرگِ جانگزا نے ستم ہے وہ ڈھا دیا — رنج و الم کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا
تہذیب جس کی ذات سے پائی تھی ملک نے — کشمیر میں کہ تھا جس سے اجالا نہیں رہا

دل ہر بشر کا آج سراپا ملال ہے
کیا ہو سکے بیان عجب غیر حال ہے

اے شاہ تجھ سے بڑھ کے کوئی مہرباں تھا — بدخواہ تیرا کوئی نہ تھا بدگماں نہ تھا
تھا دھرم میں دیا میں تو اپنی نظیر آپ — تیری مثال کوئی تہِ آسماں نہ تھا
تو دیکھتا تھا ہندو و مسلم کو ایک آنکھ — تجھ سے عزیز تر تو کوئی حکمراں نہ تھا
اپنے پرائے تھے ترے اوصاف کے غلام — وہ کون ہے جو دل سے ترا مدح خواں نہ تھا
مرحوم میں جو وصف تھے وہ بے نظیر تھے — چرچا تمام ہند میں ان کا کہاں نہ تھا

صد حیف اُٹھا سایہ امیر و غریب کا
رونا ہے آج اپنے ہی اُلٹے نصیب کا

اپنی دعا ہے اب تجھے جنت نصیب ہو
ہر اک کے دل کو صبر کی ہمت نصیب ہو
تختِ شہی پہ ہیں جو ہری سنگھ جلوہ گر
عزت سے ان کو شانِ حکومت نصیب ہو
مہراج کا ہو راج مبارک جہان کو
ہر آن دورِ حشمت و شوکت نصیب ہو
لگ جائیں چار چاند ریاست کو ان سے پھر
محفوظ ہر بلا سے ہوں عظمت نصیب ہو
بیڑا لگائیں پار ہمارے یہ ناخدا
لوگوں کو ان کے فیض سے راحت نصیب ہو

ہو جائیں تیز گام ترقی کی راہ میں
وقعت بڑھے ہماری بھی سب کی نگاہ میں

یارب عروج پر رہے رتبہ حضور کا
باعث بنیں وہ خلق کے عیش و سرور کا
ہو عدل ان کے نام سے روشن جہان میں
باقی رہے نشان نہ فساد اور فتور کا
پرتاب کی مثال ہوں ثابت وہ حکمراں
شہرہ ترقی پر رہے ان کے شعور کا
سایہ ہمارے سر پہ رہے ان کا دیرپا
تسکین بخش ہو وہ دلِ ناصبور کا
بے مثل ان کے عدل و حکومت کا طرز ہو
راج ان کا کل جہان میں ہو بقعہ نور کا

طالب کرم سے ان کے کھلا یہ چمن رہے
سرسبز ان کے راج میں اپنا وطن رہے

طالع - پنڈت وید لعل صاحب ڈر - ساکن سرینگر کشمیر

خاک برگشتم داز کوے بتِ منزلِ ما
ماند افسوس بسے درد و ہوس در دلِ ما
ہیچ پروانہ بہ شمعِ رخِ جاناں سوزم
جلوۂ حسنِ رخِ یار بود قاتلِ ما
بسکہ سرگرم فغانیم پس از مردن ہم
ہوضِ سبزہ دمد شعلۂ آہ از گلِ ما
خیزد آوازِ انا الحق چو خروش از سینہ من
جلوہ گاہِ شجر طور بود محفلِ ما

ساغرِ عشق بتاں گیر تو طالع شب و روز
کہ جز از عشق نباشد بجہاں حاصلِ ما

قصیدہ در تہنیتِ جشن مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر بتقریب عروسیِ اوّل که در آن ایام بلقبِ مہاراج کمار مشہور بود

جشنِ طوے پورِ شاہِ ماست ما ساغر زنیم
ساغرِ میخوردہ ساغر در پئے ساغر زنیم

ساغرِ مے نیست کافی خم بنوشم سر بسر
ما به مستی دست و پا بر دشمنِ داور زنیم

مے به کشتی میکشم در بحر میسازم شنا
کشتئ مے را در ان دریاے مے لنگر زنیم

زو جهان پُر تاب و اسم نامیش پرتاب سنگھ
ما بیادِ طوے پورش دمبدم ساغر زنیم

اسم پورِ شہ ہری سنگھ است باصد فرّ و ہنگ
خر گرِ جشنِ نکوئش بر سرِ اختر زنیم

بزمِ شادی گرم و ما از شادمانی شادمان
نعرہ ہائے مرحبا بر گنبدِ اخضر زنیم

جشن را با حسن و خوبی زیب و زینت داد شاہ
ما برنگین شعر ہا بر نقطہ بر گوہر زنیم

طویِ پورِ شاہِ ما فرخندہ و زیبندہ باد
شاہِ ما و پورِ شہ رخشندہ و پایندہ باد

قصیدہ در مدح مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب بہادر آنجہانی والی ریاست جموں و کشمیر

چون صبح آفتاب ز خاور نمود سر
برخاستم به عزم زمین بوس داد گر

دادم ندا بخادمِ خود ہان چه میکنی
برخیز و رو دو اسپه و زین کن برخش بر

من در میانِ راہ که آمد ز در نگار
با قدّ چون صنوبر و با خدّ چون قمر

زلفش تمام حلقه و غنچش ہمه فریب
چشمش ہمه کرشمه و لطفش ہمه شکر

بر در ستادہ مانده زبان بر کشاد و گفت
بکشاے چشم و آئینه چهر من نگر

دادم ندا به ساقی و گفتم که مے بیار
زان مے که مے فزاید به فرحِ دل بشر

ساقی بطِ شراب پُر از بادۂ مذاب
در داد و بر گرفت پرندہ وے ستم بر

مے بادہ خورد و ہستہ زلبش بوت شہدِ ناب
مے بکشاد و مے زبرش چیدنتہ شکر تر

شد مدتے مدید کہ مہجورِ خدمتم
از شاہِ نامجوے سخاخوے و خوش سیر

پرتاب سنگھ آنکہ شہنشاہِ عالم است
جاہش براز گمان و جلالش براز نظر

اے شخصِ روزگار بذاتِ تو مستعان
وے نورِ آفتاب براے تو مشتہر

اے مستجارِ ملّت و وے مفخرِ زمان
اے فیض بخشِ دولت و اے شاہِ ذوالوقر

اے دستِ تو بگاہِ عطا ابرِ آذری
وے تیغِ تو بگاہِ وغا برقِ جان شکر

تا در جہان بود ز بد و نیک داستان
تا بر فلک بود مہ و خورشید جلوہ گر

بادا ہمے نصیبِ تو از کردگارِ پاک
اقبال و بخت و نصرت و فیروزی و ظفر

آمد گہِ عیش و طرب اے شوخ سمن بر
کو مطرب و کو ساقی و کو شیشہ و ساغر

وجد است و سُرور است بہر کوے و بہر سوے
عیش است و نشاط است بہر بوم و بہر در

زین جشنِ ہمایون کہ نمودست جہاندار
رقصد ز طرب زہرہ بدین گنبدِ اخضر

ساقی ہلہ تا چند تانّی و تامّل
برخیز و دف و چنگ و نے و تار و مے آور

زان مے کہ ز بس صاف درون است تو گوئی
مہریست درخشندہ عیان در دلِ ساغر

زان بادۂ گلرنگ کہ ناخوردہ ز ذوقش
از وجد ہمے رقص کند روح بہ پیکر

زان مے کہ اگر قطرہ چکد در دلِ خارا
تا حشر ہمے روید ازو لالۂ احمر

القصہ چو مامست شویم اے بتِ طنّاز
من از مئے لعلِ تو و تو از مئے خلّر

آنگاہ چو مستانہ سبکے نامہ نگاریم
در مدحِ شہنشاہِ ملک خوے فلک فر

فرمان دہِ آفاق خداوند جوان بخت
دارائے زمان شاہِ جہان قاعدِ لشکر

خورشیدِ جہانتاب بہ پرتاب مسمّیٰ
در دیدہ کشد خاکِ رہش مہرِ منوّر

فوّارہ صفت خون جہدش از رگِ شریان
گر نامِ حسامش شنود خصمِ بد اختر

یک شعلہ ز برقِ غضبش آتشِ سوزان
یک رشحہ ز دستِ کرمش چشمۂ کوثر

از مہرِ تو ریحان دمد از صخرۂ صمّا
وز قہرِ تو آتش جہد از چشمۂ کوثر

بزمِ خرد از شخصِ وجودِ تو مزیّن
جسمِ ہنر از خاکِ قدومِ تو منوّر

شاہا ز کرم بین کہ بدوران تو طالع
چون است طلبگار عطائے تو مکرر

قصیدۂ دیگر بتقریب جشن عروسی مہاراجہ سر ہری سنگھ جی بہادر والی جموں و کشمیر

رسید مژدۂ شادی بہ خلق در کشمیر — بہ برگ عیش و طرب کرد عالمے تسخیر
دمید صبح وصال و شگفت گلبن دل — چمید ہر طرفے گلرخے بصد توقیر
شگفت غنچہ در اطراف بوستان گلگل — رہاند خاطر بلبل ز خار خار خطیر
ز علین ناز در آمد بجلوہ نرگس مست — فزود روشنی چشم مردمان بصیر
گل خطائی و مشک ختن فشاند چنان — چو نافہ کرد معطر دماغ اہل ضمیر
ہزارہ خواند مبارک بصد ہزار زبان — بہ جشن طوئے شہنشاہ زادۂ کشمیر
ز سرخ روئی خود لالہ در میان چمن — زدود داغ محن از قلوب میر و فقیر
گرفتہ کاسہ بکف پیش شاہ مجمرازان — کہ کارد کاسۂ خود را پُر از طلائے زریر
نمود مطرب خوش لحن تار و مار الم — سرود جشن مبارک بہ والی کشمیر
خدیو کشمر و جموں وجود فضل و کرم — معین خلق جہان و امین رب قدیر
بہ عہد وے شدہ آباد ملک در ہر حال — ز عہد وے شدہ آزاد ناتوان ز شریر
نشان شاہی آراست جشن طوئے پسر — حضور راجہ ہری سنگھ مہر و ماہ منیر
عروس شاہ بماناد تا ابد خوشحال — بہ عیش و عشرت تابندہ ہمچو مہر منیر
پرتاب سنگھ مہاراج زیب و زینت تاج — تا مہر و ماہ تابد تا بہ بہ ملک کشمیر

تصنیف کرد طالع تاریخ جشن شاہی
برخواند پیش سرکار از صافی ضمیر

دیوان پنڈت سہج رام تکّو صاحب

آپ کے مورث اعلیٰ دیوان پنڈت نندہ رام تکو وزیر اعظم کابل تھے۔ آپ کا مقام ولادت امرت سر تھا اور وہیں یکم جنوری ۱۸۸۰ء کو بعمر ۴۹ سال رہگرائے ملک بقا ہوئے کچھ عرصہ تک آپ شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں نائب بخشی اور بخشی کے عہدوں پر ممتاز رہے۔ گورنمنٹ انگریزی میں مثل خوان شروع میں مقرر ہوئے اُسکے بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع اور سپرنٹنڈنٹ فارسی کمشنری امرتسر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ عہدۂ تحصیلداری آپ کو دیا جاتا تھا مگر بوجہ اُس کو آپ نے پسند نہیں کیا۔ پرنسپ صاحب کمشنر بندوبست اور جنرل ٹیلر کمشنر امرت سر کی مشترکہ سفارش پر گورنمنٹ نے آپ کو براہ راست اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا تھا مگر افسوس ہے کہ حکم تقرری آپ کی وفات کے ایک ہفتہ بعد پہونچا۔ امیر شیر علیخان جب کابل سے پنجاب میں تشریف لائے اور امرت سر میں ان کا مقام ہوا تو امیر موصوف نے لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب سے دریافت کیا "کسے ہست از خانوادۂ دیوان نند رام - یادوارم کہ مسکن او امرتسر بود" اس پر بعد تلاش دیوان سہج رام امیر کابل کی خدمت میں پیش کئے گئے امیر صاحب نے بہ کمال عنایت دیوان صاحب کو کابل لے جانا چاہا مگر اپنی والدہ کی خلاف مرضی وہاں جانے سے مجبور رہے۔ جب دیوان نندہ رام وزیر اعظم دربار کابل تھے اُسی زمانہ میں اُن کے چھوٹے بھائی دیوان ہرداس صاحب تکو صوبہ کشمیر میں اور دیوان راچند صاحب امرتسر میں تشریف رکھتے تھے۔ دیوان سہج رام صاحب کے فرزند پنڈت کرتاکشن تکو صاحب عہدۂ تحصیلداری سے مستفید پنشن ہو کر گورداسپور میں سکونت پذیر ہیں۔ دیوان صاحب موصوف کی صرف ایک غزل دستیاب ہوئی ہے وہ درج کیجاتی ہے۔

غزل

آمد گلِ بہار نیامد نگارِ ما — وقت بہار نیز نشد تیر کارِ ما
بلبل ترانہ گوست کہ گل در چمن رسید — دل صرفِ نالہ شد کہ نیامد نگارِ ما
ہر گل نمودہ ایست ز رخسارہ کسے — ہر لالہ پارۂ ز دلِ داغدارِ ما
سنبل ز تابِ زلف کسے میدہد نشاں — بلبل زند فغاں چو دلِ بیقرارِ ما
چوں لالہ داغ از جگرِ ما نہ شستہ — ابرِ بہار ہیچ نکردی تو کارِ ما
در شہرِ یار ما نتوانیم خود رسید — بادِ صبا مگر نرساند غبارِ ما
باشد کہ باز آید و غمخوار ما شود — دلدارِ ما اگر مشنوَد حالِ زارِ ما

در راہِ انتظارِ کسے خاک گشتہ ایم
بارے بیا تو بر سرِ خاکِ مزارِ ما

تمت بالخیر